نوحہ و غم سے گھٹاتے نہیں ہم شانِ حسینؓ
حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شایانِ حسینؓ

مولانا محمد علی جوہر

بجواب

فلاح الکونین فی عزاء الحسینؓ

بشارۃ الدارین بالصبر علی شہادۃ الحسینؓ

مصنّف

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم
امیر تحریک خدام اہلسنّت صوبہ پنجاب

ناشر
خدّام اہلسنّت چکوال (ضلع جہلم)

اشاعت : بار اوّل محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

نام کتاب ــــــــ بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادت الحسینؓ

مُصنّف ــــــــ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب

طابع ــــــــ

کاتب ــــــــ محمد فاضل مرغوب رقم

مطبع ــــــــ علمی پرنٹنگ پریس پیسہ اخبار لاہور

ناشر ــــــــ خدام اہلسنت چکوال (ضلع جہلم)

قیمت ــــــــ ۲۵ روپے

تعداد ــــــــ دو ہزار

ملنے کے پتے

۱- مکتبہ رشیدیہ نیو جنرل مارکیٹ چکوال (ضلع جہلم)

۲- دفتر خدام اہل سنت والجماعت دواخانہ عثمانیہ ذیلدار روڈ اچھرہ (لاہور)

۳- مکتبہ حنفیہ تعلیم الاسلام۔ مکی مسجد مدنی محلہ (جہلم)

۴- کالج بک ڈپو ہسپتال روڈ چکوال (ضلع جہلم)

۵- مکتبہ تنویر القرآن ۱۶۔ اُردو بازار۔ لاہور۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد ریاست

تقریظ

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مری انتہائے نگارش یہی ہے ! ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

قارئین کرام ! یہ تصنیف کسی بادشاہ، کسی امیر، کسی وزیر یا قلم فروش ادیب کی نہیں۔ یہ تصنیف میرے ایک فاضل بزرگ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ العالی (خلیفۂ ارشد حضرت مدنی) کی ہے۔ فقیر پُرتقصیر اپنے بزرگوں یعنی علمائے دیوبند کی تصانیف کو بغرض ثواب و اصلاح نفس پڑھتا رہتا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف کی اس کتاب مستطاب المسمّٰی بہ "بشارت الدارین" کی کتابت کے ساتھ ساتھ مطالعہ کا شرف بھی راقم الحروف کو نصیب ہوا —

جی میں آیا کہ اس کتاب مستطاب پر حضرت مولانا کی اجازت سے ایک تقریظ لکھوں۔ گو میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، یہ کام کسی عالم دین کا ہے لیکن جسارت کرکے قلم اٹھا رہا ہوں۔ میری اس تقریظ کی مثال اس بڑھیا کی طرح ہے جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خریداری میں ایک سوت کی انٹی پیش کی تھی اور لوگوں کے تمسخر اڑانے پر یہ کہا تھا کہ میں یہ سوت کی انٹی اس لیے نہیں لائی کہ اس سے حضرت یوسف علیہ السلام کو خرید سکوں گی بلکہ اس لئے لائی ہوں کہ حضرت یوسفؑ کے خریداروں میں خدائے عزّ وجلّ کے ہاں میرا نام بھی درج ہو جائے۔

یہ گنہگار انسان، ہیچ مچ زبان، کہ جس کا فنِ کتابت میں مرغوب نام اور وہ خود مغلوب ہوس کے نام ہے اس نیت و ارادہ سے یہ تقریظ پیش کر رہا ہے کہ شاید یہی تقریظ میرے لیے توشۂ آخرت بن جائے اور اگر روزِ حشر اللہ تعالیٰ مجھ سے باز پرس فرمائے کہ ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے پیش کر غافل ! عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

تو بارگاہِ الٰہی میں یہ گنہگار عرض کرے گا، یا اللہ العالمین اور تو مجھ سے کوئی نیک عمل نہیں ہو سکا

سوائے اس کے کہ تیرے محبوب سرورِ کائنات، مفخرِ موجودات، رحمتِ عالمیان، صفوتِ آدمیان تتمۂ دَورِ زمان حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرامؓ کے مدّاح ایک عالمِ دین سے یہ کتاب مُستطاب لکھوا کر لایا ہوں۔ جس میں امامِ عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام پر ماتمی مجالس اور ماتمی جلوسوں، مروّجہ ہنگامہ آرائیوں کی حُرمت کو شرعی دلائل سے ثابت کر کے حضرت حسینؓ اور خاندانِ نبوّت کے صبر و ثبات کا راستہ دکھایا گیا ہے اور حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مقدّس صحابہ کرام اور خلفائے عظام پر روافض کے عائد کردہ بہتانات کا مدلّل جواب دے کر تحفّظِ ناموسِ صحابہؓ کا فریضہ ادا کیا گیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی شان میں پاکستان کے شاعر ملّت و سنّتِ اسلامیہ کے نامور فرزند مولانا ظفر علی خاں مدیرِ روزنامہ "زمیندار" لاہور نے ایک نظم لکھی تھی جس کے صرف تین شعر سپردِ قلم کرتا ہوں ؎

شاد باش و شاد زی اے سرزمینِ دیوبند — ہند میں تُو نے کیا اسلام کا جھنڈا بُلند!
تجھ میں قاسمؒ ہوں کہ انور شاہؒ کہ محمود الحسنؒ — سب کے دل تھے دردمند اور سب کی فطرت ارجمند
گرمئ ہنگامہ تیری ہے حُسین احمدؒ سے آج! — جن سے پرچم ہے روایاتِ سَلَف کا سربلند!

یہ بات مُسلّم ہے کہ ہر مدّعئ انانیت کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی نیک بندہ پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے ہر فرعونے را موسیٰ۔ مدیرِ "زمیندار" علیہ الرّحمۃ نے اپنے اشعار میں جن علمائے دیوبند کا ذکر فرمایا ہے، یہ ابھی بقیدِ حیات ہی تھے کہ پنجاب کی مردم خیز زمین نے ایک عالمِ دین پیدا کیا جس کا نامِ نامی، اسمِ گرامی مولانا محمد کرم الدّین صاحب دبیرؔ ہے۔ مولانا دبیر مرحوم وہ بزرگ ہستی ہیں جنھوں نے پنجاب میں فتنۂ مرزائیت اور فتنۂ رفض کے استیصال میں اپنے دَور میں جو کام کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ ایک لاجواب مناظر بھی تھے، شیعہ و سُنّی نزاعی مسائل میں آپ نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی شہرۂ آفاق کتاب "آفتابِ ہدایت" اس کا مُنہ بولتا نمونہ ہے۔ انگریز کے خود کاشتہ پودے مرزا غلام احمد قادیانی (کادیانی) سے آپ نے براہ راست ٹکّر لی اور اُس کی جھوٹی نبوّت کا اچھی طرح پوسٹ مارٹم کیا۔ حتّیٰ کہ اُس کے خلاف ایک مقدّمہ کے سلسلہ میں سرزمینِ قادیان (ضلع گورداسپور)

پیشی پر بھی جاتے رہے اور بہ نُصرتِ خُداوندی اس مُقدّمہ میں کامیاب ہوئے اور مرزا قادیانی کو گوردا سپور کی عدالت سے چھ ماہ قیدِ محض کی سزا سُنائی گئی۔ اس مُقدّمہ کی مفصّل روئیداد حضرت مولانا دبیرِ مرحوم کی کتاب "تازیانۂ عبرت" میں موجود ہے۔ اسی نیک سیرت عالمِ دین کے ہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت قاضی صاحب کو پیدا فرمایا۔ آپ نے بھی اپنے والدِ بزرگوار (علیہ الرحمتہ) کے نقشِ قدم پر چل کر دینی عُلوم حاصل کئے۔ پنجاب میں تحصیلِ علم سے فراغت کے بعد علم کی تشنگی آپ کو کشاں کشاں دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی) لے گئی۔ دیوبند میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور حضرت شیخ کی خدمت میں زبانِ حال سے اپنی عقیدت و محبّت کا اظہار یوں کیا۔ ؎

کبھی آندھی، کبھی بجلی، کبھی برسات نے روکا
ہر رنگ سے، ہر ڈھنگ سے طاقات نے روکا

پر شوق مرا رُک نہ سکا اِن رخنہ گروں سے
میں آہی گیا اُڑ کے محبّت کے پروں سے!

قصّہ مختصر! چشمۂ دارالعُلوم دیوبند سے اپنی علمی پیاس بُجھائی اور دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہو کر واپس لوٹے۔ حضرت قاضی صاحب مدّظلہٗ سادہ اور دُرویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں آپ کے مزاج میں شاہی بھی ہے اور فقیری بھی۔ ع، شاہی و دُرویشی اینجا باہم است۔ آج کل آپ مذہبِ اہل سُنّت والجماعت اور تحفّظِ ناموس صحابہ کی خاطر شمشیرِ برہنہ لے کر میدانِ عمل میں آئے ہیں۔ بے شک زمانۂ حاضر میں مذہب اہل سُنّت والجماعت کی تبلیغ و حفاظت اور تحفّظِ ناموسِ صحابہ کیلئے میدانِ عمل میں آنا بڑی کٹھن منزل ہے لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں توفیق عطا فرمائیں ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ!

حضرت قاضی صاحب نے اس میدان میں قدم رکھتے ہی تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ یہ کتاب مُستَطاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ حضرت موصوف گویا اپنی باقی ماندہ زندگی ہی مذہب اہل سُنّت کی خدمت اور تحفّظِ ناموسِ صحابہؓ کے لیے وقف کر چکے ہیں بقول احسان دانش ؎

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف اے جانِ شوق
مَیں مُعَنوَن زندگی کرتا ہوں تیرے نام سے

یہ علمی جواہر پارے جو "بَشارتُ الدّارین" کے نام سے منظرِ عام پر آ رہے ہیں کسی طویل تمہید و تعارف کے محتاج نہیں ۔ یہ کتاب حضرت مولانا کی خاموش محنت کا ثمرِ شیریں ہے ، عربی زبان میں شیعہ وسُنّی علماء کی تفاسیر و تصانیف کا دقّتِ نظر سے مطالعہ کرنا اور پھر اُن مُنتشر جواہر ریزوں کو یکجا جمع کرنا سالہا سال کی محنتِ شاقّہ چاہتا ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر اہلِ سُنّت والجماعت اور تحفّظِ ناموسِ صحابہ کی خاطر عُلماء کی خدمات کے بارے میں قلم اٹھانے کا کام کسی منصف مزاج اور صحیح النّظر نقّاد کے سپرد ہوا تو حضرت قاضی صاحب کا نام بھی انشاء اللہ العزیز سرِفہرست آئے گا ۔

اس دلآویز کتاب کی تعریف وتحسین میں کچھ لکھنا میرے نزدیک تحصیلِ حاصل کی کوشش ہے قارئین کرام! خود آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمالیں گے کہ آفتاب کے وجود کی کوئی دلیل، آفتاب کی تابش وضیاباری سے زیادہ قاطع وساطع نہیں ہوسکتی ۔ کیونکہ ع ۔ آفتاب آمد دلیلِ آفتاب ! جس کتاب مُستَطاب میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مدح و تعریف زینتِ اوراق ہو اور اُن کے خلاف یاوہ گوئی و ہرزہ سرائی کرنے والے گروہ کا مُنہ توڑ ۔ دندان شکن اور مُسکِت جواب ہو ۔ اس کتاب کے اوراق کی سیاہی کیوں نہ سُرمۂ چشمِ اہلِ سُنّت والجماعت ہو اور وہ اوراق کیوں نہ مُسلمانانِ پاکستان کیلئے قابلِ دید ہوں! انشاء اللہ تعالیٰ یہ نقش صفحۂ روزگار پر یادگار رہے گا اور مُصنّف کا شہرۂ علم وفضل تا دیر زبانِ زدِ عام رہے گا ۔ آخر میں، مَیں اپنے عُلوِّ رتبہ پر بھی ناز کرتا ہوں کہ اس مایۂ نازِ تصنیف کی دیباچہ نگاری کا فخر مجھ عامی کے قلمِ کج مج رقم کو عطا کیا گیا ہے ۔ اِن مختصر الفاظ کے ساتھ میں یہ گلدستۂ عِلم وحِکمت اَرْبابِ ذَوْقِ دِیْنی کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ عُلوم دینی کے اس عزیزالوجود اور کامل العمل عالم کو مذہبِ مقدّسِ اسلام کی خدمت کے لیے تا دیر سلامت رکھے ۔ ایں دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد ۔ وما توفیقی الا باللہ وھو خیرالرفیق + حسبی اللہ ونعم الوکیل + نعم المولیٰ ونعم النصیر +

جامعہ چوبرجی گارڈن
اسٹیٹ ۔ لاہور

مورخہ
۵ ۔ ۷ ۔ ۱ ۔ ۹

راجیٔ شفاعت وغفران
محمّد فاضل اعوان!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آغازِ سخن

کتاب "بَشَادَتُ الدَّارَیۡن بِالصَّبۡرِ عَلٰی شَہَادَتِ الحُسَیۡنؓ" بجواب "فَلَاحُ الکَوۡنَیۡن فِیۡ عَزَاءِ الحُسَیۡنؓ" اہلِ اسلام کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کا پس منظر یہ ہے کہ محرّم ۱۳۹۲ھ میں ایک پمفلٹ بنام "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" مؤلّفہ ملک غلام عباس صاحب بی۔اے، شیعانِ تلہ گنگ ضلع کیمبلپور کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ جس کے جواب میں تلہ گنگ کے سُنّی احباب کی فرمائش پر مَیں نے ایک رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" لکھا۔ اس کے جواب میں ملک غلام عباس صاحب نے ایک سائیکلو سٹائل اشتہار بنام "کھلی چِٹھی بنام مظہر حُسین مولوی چودھویں صدی" تقسیم کیا۔ جس کا جواب بھی ہماری طرف سے شائع کر دیا گیا۔ بعد ازاں ان دونوں جوابی رسالوں کا مجموعہ بنام "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ میں شائع ہوا۔ چونکہ یہ رسالہ عام فہم تھا اور اس میں شیعوں کے دلائل کا نمبروار جواب دیا گیا تھا۔ شیعہ مذہب کی سب سے صحیح ترین کتابِ حدیث "اُصُولِ کافی" اور "فروعِ کافی" کی احادیث سے بھی مروّجہ افعالِ ماتم کا ناجائز ہونا صراحتًا ثابت کیا گیا تھا، اور قرآنی آیاتِ صبر بھی مذہبِ اہلِ سُنّت کی تائید میں پیش کر دی گئی تھیں۔ اس لیے شیعی دُنیا میں کھلبلی مچ گئی۔ ادھر اہلِ سُنّت اپنے موقف کی حقّانیت سے بہت زیادہ خوش ہوئے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے ماشاء اللہ کئی سُنّی نوجوانوں کا عقیدہ مستحکم ہو گیا۔ جو لوگ باوجود سُنّی المذہب ہونے کے ماتمی مجالس میں شریک ہوتے تھے انہوں نے توبہ کر لی۔ تلہ گنگ کے مسلمانانِ اہلِ سنّت اپنے طویل خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے اور مذہبِ اہلِ سنّت کی خدمت و نصرت کے لیے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے اور وہاں سُنّی جلسوں اور سُنّی کانفرنسوں کا ایک کامیاب سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور

---

[۱] ملک باز خان صاحب امیر "تحریکِ خدّامِ اہلِ سنّت" تلہ گنگ نے اس سلسلہ میں جو محنت کی ہے وہ قابلِ داد ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

، سپنے اپنے دائرہ میں سُنّی علماء و خطباء نے اس اہم فریضۂ مذہبی کی طرف توجّہ کی، اور اہل سنّت ایک نئے ولولہ کے ساتھ میدانِ عمل میں آ گئے ۔ یہ نتائج و اثرات ماتمی گروہ کے لیے بالکل خلافِ توقع تھے کیونکہ وہ یہ گمان کر چکے تھے کہ اہل سنّت جس غفلت اور بے حسی، کم ہمّتی اور انتشار میں مبتلا ہو چکے ہیں اب ان کے لیے اس سے خلاصی مشکل ہے ۔ لیکن ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے ۔

ماتمیوں کے رسالہ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" نے ہی ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ مسئلہ ماتم اہل تسنّن اور اہل تشیّع دونوں کی توجّہ کا مرکز بن گیا ۔ ہمارے جوابی رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" نے سارے ملک کو متاثّر کیا ، اور چونکہ اہلِ تشیّع ماتمی ہنگاموں کے ذریعہ ہی ناواقف سُنّی عوام کو متاثّر کرتے تھے اور اس ذریعہ سے اپنے مذہب کو فروغ دے رہے تھے ۔ اس لیے اُن کی راہ میں ہمارا جوابی رسالہ بڑی رکاوٹ بن گیا اور انہوں نے اپنے علماء و مجتہدین سے اس کا جواب الجواب تیار کرنے پر بہت اصرار کیا ۔ جس کے نتیجہ میں انجمنِ حیدری چکوال کی طرف سے ایک کتاب بنام "فَلَاحُ الکونَین فِی عَزَاءِ الحُسَینؓ" رمضان ۱۳۹۳ھ میں شائع کی گئی جو ۱۸/۸ - ۲۲ سائز کے ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب پر مصنّف کا نام آغا سیّد اصف حسین صاحب نقوی ساکن ربال تحصیل چکوال درج ہے ۔ اس کتاب پر شیعوں کے علاّمہ مولوی محمد حسین صاحب المعروف بہ ڈھکو صاحب سابق پرنسپل دار العلوم محمّدیہ سرگودھا اور علاّمہ نصیر حسین صاحب سابق پرنسپل، دار العلوم محمّدیہ کی تقریظیں لکھی ہیں ۔ لیکن یہ یقین نہیں آتا کہ کتاب کے مصنّف آغا صاحب موصوف ہی ہیں ۔ کیونکہ ان کی کوئی علمی حیثیّت نہیں ہے اور ہم بھی اُن کے نام سے اسی کتاب کے ذریعہ واقف ہوئے ہیں ۔ ان کا نام چکوال کی مجالسِ ماتم کے ایک اشتہار میں بھی بجائے علماء کے ذاکرین میں درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعانِ چکوال کے ہاں بھی وہ زمرۂ علماء میں شامل ہونے کے قابل نہیں ہیں ۔ اس لیے

بقیہ تحت استس صہ :۔ وہ ایک انتھک اور بے خوف سپاہی کی طرح سرگرم کار رہتے ہیں ۔ تلہ گنگ کے سُنّی مسلمانوں کی تحریک میں ان کی جدوجہد نمایاں ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائیں اور مذہب اہل سنّت والجماعت کی خدمت کے لیے زیادہ سے زیادہ مخلصانہ طور پر توفیقِ عمل نصیب ہو آمین ۔

اغلب یہی ہے کہ کتاب کے مُصنّف کوئی اور شیعہ عالم ہیں اور بظاہر یہ کتاب آغا واصف حسین صاحب کی طرف منسوب کردی گئی ہے اور شیعہ علماء سے یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے۔ کیونکہ تقیّہ اُن کے ہاں ایک ایسا ہتھیار ہے جو ہر موقعہ پر کام دے سکتا ہے اور اپنی تصنیف کو کسی اور کے نام سے شائع کرنے کا اقرار تو خود مولوی محمد حسین صاحب علّامہ موصوف نے اپنی کتاب "احسن الفوائد" میں کرلیا ہے۔ چنانچہ اپنی تصانیف کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ :۔ "ایک کتاب جس کے نام کا ذکر مناسب نہیں، بعض مصالح کی بنا پر بعض دیگر اہل علم حضرات کے نام پر چھپی ہے۔" اس لیے یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ "فَلاحُ الکونین" کے مصنّف بھی علّامہ محمد حسین صاحب ہی ہوں۔ وَاللهُ اَعۡلَمُ

بہرحال اگر آپ اس کتاب کے مصنّف نہیں ہیں تو آپ کا مُقرّظ ہونا تو ظاہر ہے کیونکہ کتاب میں آپ کی تقریظ موجود ہے۔ جس میں آپ نے اس کتاب کی اشاعت کے لیے ماتمیوں کو بایں الفاظ تاکید کی ہے کہ :۔ "اہل ایمان کا اخلاقی فریضہ ہے کہ اس رسالہ کی نشر و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیں۔ خود پڑھیں دوسروں کو پڑھائیں اور جہاں جہاں اصل رسالہ پہنچا ہے وہاں وہاں جوابی رسالہ شریفیہ (فلاحُ الکونین فی عزاءِ الحسینؑ) بھی پہنچائیں، اور اس طرح انصارِ حسینی میں اپنا نام درج کرائیں۔"

آپ کے خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ بھی میرے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے"۔ سے متاثر ہوئے ہیں اور علّامہ صاحب کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے کہ ماتمی گروہ میں کمی نہ آجائے۔ علّامہ صاحب موصوف پریشانی کے عالم میں یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ :۔ اسی سلسلۂ قبیحہ کی ایک کڑی وہ رسالہ بھی ہے جس کا نام "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" ہے۔ جو چکوال کے ایک قاضی صاحب کے علم و قلم کا شاہکار ہے جس میں دل کھول کر عزاداریٔ سیّد الشہداء کے خلاف زہر اُگلا گیا ہے۔ نہ معلوم اس رسالہ پر تقریظ لکھنے والے ایک چنیوٹی مولوی[1] کس "جنّتُ الحُمَقَاء" میں بستے ہیں۔ جنہوں نے ترنگ میں آکر یہ لکھ دیا

---

[1] یعنی مبلّغِ اہل سنّت جناب مولانا حافظ محمد حسین صاحب چنیوٹی۔ جنہوں نے میرے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کے متعلق اپنی تقریظ میں یہ لکھا تھا کہ :۔ جس میں قرآنی آیات و احادیث و اقوالِ ائمہ سے اٹھارہ دلائل مرّوجہ ماتم کے حرام ہونے پر مؤلّف مدظلہ نے نہایت تحقیق کے ساتھ پیش فرمائے ہیں۔ جن کا جواب کوئی غالی شیعہ دینے کی جرأت قیامت تک نہ کرسکے گا الخ

کہ قیامت تک اس رسالہ کا جواب نہیں دیا جائے گا۔ اگرچہ رسالہ اپنے دلائل کی ناپختگی اور طرزِ تحریر کی ناشائستگی کی وجہ سے محتاجِ جواب نہ تھا مگر چونکہ بعض ناپختہ اذہان کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ابھی مُقرّظ کی آواز فضائے محیط میں گونج رہی تھی کہ ایک غیور سیّد اپنی غیرتِ قومی و ملّی کے نشہ سے سرشار ہو کر اور دلائلِ قاطعہ سے مُسلّح ہو کر عرصۂ پیکار میں کود پڑا الخ۔ علّامہ صاحب نے یہاں جو کچھ لکھا ہے، وہ علم و تحقیق پر مبنی نہیں ہے کیونکہ مَیں نے آپ کی محبوب عزاداری کے خلاف جو کچھ لکھا ہے اُس پر کتاب و سُنّت کے دلائل و براہین پیش کر دیئے ہیں۔ جن کا صحیح جواب آپ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک نہیں دے سکتے اور آپ مرّوجہ ماتم کو (جس کو آپ عزاداریٔ سیّد الشّہداء سے تعبیر کرتے ہیں) سُنّت و عبادت کیونکر قرار دے سکتے ہیں۔ جبکہ یہ افعالِ ماتم صبر کے خلاف ہیں اور قرآن مجید میں مومنین کو صبر کا حکم دیا گیا ہے اور متعدّد آیات میں صابرین کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، اور از رُوئے لُغت بھی جزع کرنا صبر کے خلاف ہے کیونکہ صبر اور جزع باہم ضِدّین ہیں اور قرآن مجید میں سورۃ ابراہیم کی حسبِ ذیل آیت سے بھی صبر اور جزع کا آپس میں متناقض ہونا ثابت ہوتا ہے:۔ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ أَجَزِعْنَآ أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ۔ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسّر کا ترجمہ یہ ہے:۔ "مگر ہمارے لیے تو دونوں حالتیں برابر ہیں خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر و سکوت اختیار کریں"

اس آیت کی تفسیر میں شیعہ مجتہد شیخ بو علی طبرسی لکھتے ہیں:۔ والجزعُ انزعاجُ النفس بورود ما یغم ونقیضہ الصبرُ۔ "یعنی جزع نفس کے اس قلق و اِضطراب کو کہتے ہیں جو کسی غم پہنچانے والی بات سے لاحق ہوتا ہے اور اس کی نقیض صبر ہے" اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ اجتماعِ نقیضین محال ہے یعنی جو دو حالتیں آپس میں ایک دوسرے کی نقیض ہوں وہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا جہاں صبر ہوگا وہاں جزع نہیں ہوگا و جہاں جزع ہوگا وہاں صبر نہیں ہوگا۔ یعنی جزع کرنے والوں کو صابرین نہیں کہہ سکتے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب جزع صبر کے خلاف ہے تو مرّوجہ ماتم جو جزع سے کئی حصے زائد بیقراری اور اضطراب کے مظاہرہ کا نام ہے وہ صبر کے کیوں خلاف نہ ہوگا۔ اس بحث کی تفصیل کتاب میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ (۲) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فتح مکّہ کے موقعہ پر عورتوں سے بیعت لیتے وقت اِن افعالِ ماتم سے صراحتًا منع فرما دیا تو آپ اُن

کو اعمالِ صالحہ اور سُنّت و عبادت منوانے پر کیوں اتنا اصرار کر رہے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر قمی) مشہور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے بھی سورۃ الممتحنہ کی آیت لَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ کے تحت یہ لکھ دیا ہے کہ :- کافی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب جناب رسولِ خُدا نے مکّہ کو فتح کیا تو مَردوں نے بیعت کی پھر عورتیں بیعت کرنے آئیں تو خدا تعالیٰ نے یہ پوری آیت نازل فرمائی یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ الخ اُس وقت ہند نے تو یہ کہا کہ ہم نے اپنے بچوں کو جبکہ وہ چھوٹے چھوٹے تھے پرورش کیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا اور اُمُّ الحکم بنت حارث بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی۔ یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے؟ فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر طمانچے نہ مارو، اپنے مُنہ نہ نوچو، اپنے بال نہ کھسوٹو، اپنے گریبان چاک نہ کرو، اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہائے واے نہ کرو۔ پس آنحضرتؐ نے انہی باتوں پر جو آیت و حدیث میں مذکور ہیں بیعت لینی چاہی الخ

(علامہ محمد حسین صاحب شیعہ مجتہد سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ کی مروّجہ "عزاداریٔ سیدالشہداء" میں نہی افعال ماتم کا بڑی فنکاری کے ساتھ مظاہرہ نہیں کیا جاتا؟ جن سے رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منع فرمایا ہے؟ اور یہ حوالہ اہل سنّت کی کسی کتاب حدیث و تفسیر کا نہیں پیش کیا گیا بلکہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی کی الکافی سے منقول ہے۔ جس کے متعلق آپ "شافی ترجمہ اُصولِ کافی" کے مقدمہ میں یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ کافی کو حضرت امام مہدی کی رضائے سکوتی حاصل ہے۔ کیونکہ شیخ کلینی کی ملاقات اُن سفراء سے ہوتی تھی جو امامِ غائب کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث تفسیر قمی میں پائی جاتی ہے جس کے مصنف شیخ علی بن ابراہیم قمی جو امام حسن عسکری کے تلامذہ میں سے ہیں۔ ایسی مستند حدیث کو آپ کیونکر رد کر سکتے ہیں؟ باقی رہی یہ تاویل جو شیعہ علماء پیش کرتے ہیں۔ اور مصنف "فلاح الکونین" نے بھی پیش کی ہے کہ ہر جزع فزع قبیح ہے مگر امام حسینؓ کی شہادت کیلئے یہ قبیح نہیں۔ تو یہ بات انتہائی غیر معقول اور نامشروع ہے، کیا امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کربلا شرعی محرّمات و منکرات کو شیعوں کیلئے حلال بلکہ سُنّت و عبادت قرار دینے کے لیے تھی؟ واہ! کیا خوب عزاداریٔ حسینؓ ہے۔ امام حسینؓ تو دین و شریعت کے لیے جان قربان کریں اور ماتمی حضرات کیلئے اُن کی یہ شہادت شریعت سے خلاصی پانے کا ذریعہ بن جائے۔ ـــ)

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

مَیں شیعہ عوام و خواص سے عرض کروں گا کہ وہ حدیث و تفسیر کی مذکورہ عبارات پر غور فرمائیں اور تعصب کے عمیق کنوئیں سے نکل کر سُنّت و شریعت کی پیروی کر کے اُخروی نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ بہرحال! میری کتاب "بشارۃُ الدّارین" کے ذریعہ مسئلہ ماتم میں شیعہ عُلماء و مجتہدین پر اتمامِ حجّت ہوگیا ہے۔ مَیں نے اس میں کوشش کی ہے کہ مُصنّف "فلاحُ الکونین" کے استدلالات و اعتراضات کا کوئی پہلو تشنۂ جواب نہ رہے۔ حتیٰ کہ بعض ایسی باتوں کا جواب بھی عرض کر دیا گیا ہے جو علمی حیثیت سے کسی طرح بھی قابلِ اعتنا نہ تھیں۔ "فلاحُ الکونین" کا سرمایہ زیادہ تر بے سند اور من گھڑت روایات ہیں جن سے عموماً ماتمی مجالس کی زینت قائم ہے اور عوام جذبات کے تحت اُن سے متاثر ہوتے رہتے ہیں ورنہ کسی شرعی مسئلہ کی تحقیق میں اُن کا کوئی وزن نہیں ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ مَیں نے اس کتاب میں آغا واصف حسین صاحب آف رہالی کو مخاطب نہیں کیا۔ میرے مخاطب وہ شیعہ عالم ہیں جو "فلاحُ الکونین" کے اصل مُصنّف ہیں یا علّامہ محمد حسین صاحب ڈھکو ہیں جنھوں نے اِس کی پُرزور تائید و تصویب کی ہے۔

"بشارۃُ الدّارین" میں تاخیر کی وجہ

چونکہ "فلاح الکونین" کے مصنف مسئلہ ماتم کے علاوہ بعض اور مسائل بھی زیرِ بحث لے آئے تھے۔ اس لیے جواب میں اُن مسائل پر بھی حسبِ ضرورت بحث کرنی پڑی۔ پھر دیگر مشاغل بھی اس میں حارج ہوتے رہے ہیں۔ "فلاح الکونین" کا جواب تو ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ میں ہی مکمل کر لیا گیا تھا لیکن اس کے ساتھ سُنّتِ رسولؐ، درجماعتِ رسولؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شرعی حیثیّت اور اہلِ سُنّت والجماعت کے نام و عنوان کو بھی زیرِ بحث لانا ضروری سمجھا گیا۔ پھر آخر میں مسئلۂ خلافت کے متعلق بھی لکھنا شروع کر دیا کیونکہ یہ مسئلہ اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیّع کے مابین بہت معرکۃ الآراء ہے۔ شیعہ علماء و مجتہدین بلکہ اُن کے مرثیہ خوان اور ذاکرین بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے پر زور دیتے رہتے ہیں اور اُس کے برعکس اہلِ سُنّت باوجود خلفائے راشدین کی عقیدت کے مسئلۂ خلافت سے بہت کم واقف ہوتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے عُلماء و مُبلّغین اس قسم کے مباحث کی طرف کم توجّہ دیتے ہیں۔ حالانکہ تقریر و تحریر کے ذریعہ مسئلۂ خلافت سمجھانے

کی بڑی ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر پہلے ارادہ تھا کہ مسئلۂ خلافت کی بحث بھی "بشارتُ الدّارین" میں لکھ دی جائے گی۔ لیکن باوجود اختصار کے ارادے کے یہ مسئلہ طویل ہوتا گیا، جس سے کتاب کی ضخامت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اس لیے بحثِ خلافت کو نامکمل چھوڑ کر باقی کتاب کی تکمیل کر دی گئی ہے۔ اب انشاء اللہ حسبِ فراغت مسئلۂ خلافت مکمل کر کے علیحدہ کتاب شائع کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کتاب "بشارت الدارین" کو شرفِ قبولیت عطا فرمائیں اور اہلِ سنّت اور اہلِ تشیّع دونوں کو اس سے دینی نفع حاصل کرنے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین! بجاہِ النّبیِّ الکریم، خاتَمِ النّبیّین صلّی اللّٰہُ علیہِ وآلہٖ واصحابہٖ وسلّم

خادمِ اہلِ سُنّت الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ (فاضلِ دیوبند) خطیب مدنی جامع مسجد چکوال

وامیر "تحریکِ خُدّامِ اہلِ سُنّت" صوبہ پنجاب (پاکستان)

۱۲۔ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ مطابق ۲۹۔ ستمبر ۱۹۷۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد رحمۃ للعلمین وامام الصابرین وخاتم النبیّین وعلیٰ خلفائہ الرّاشدین وعلیٰ اٰلہ الطیبین واصحابہ المرضیّین اجمعین۔ امّا بعد

برادرانِ ملت کی خدمت میں عرض ہے کہ اہل سنّت اور اہل تشیّع کے مابین مسئلہ صبر و ماتم ایک اہم اختلافی اور نزاعی مسئلہ ہے۔ شیعہ فرقہ ماتم کو سنّت اور عبادت قرار دیتا ہے اور اہل سنّت کے ہاں شیعوں کا مجوّزہ ماتم شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اور میری اس کتاب "بشارت الدّارین بالصبر علیٰ شہادت الحسین" میں یہی مسئلہ زیر بحث ہے جو شیعوں کی ایک کتاب "فلاح الکونین فی عزاءِ الحسین" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ حق تعالیٰ کی تائید اور نصرت سے شیعی دلائل و اعتراضات کا اس میں مکمل و مدلّل جواب موجود ہے، اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ تعصب اور فرقہ بازی سے بالاتر ہو کر ان دونوں کتابوں کے دلائل اور مضامین کا جائزہ لیں انشاء اللہ حق واضح ہو جائے گا۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

تسمیۂ کتاب

سب سے پہلے میں قارئین کو دونوں کتابوں کے ناموں کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ کس کتاب کا نام اس کے موضوع کے مناسب ہے۔ ہماری کتاب میں چونکہ یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مصائب و آلام پر شریعت میں صبر کرنے کا حکم ہے اور بشارت صابرین ہی کو دی گئی ہے اس لئے کتاب کا نام ہی اس کے مضمون کو واضح کرنے والا ہے۔ یعنی "بشارت الدّارین بالصبر علیٰ شہادت الحسین" جس کا مطلب یہ ہے جو مسلمان حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر صبر اختیار کرے گا اس کے لئے دونوں جہانوں میں بشارت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیھم صلوٰت من ربھم ورحمۃ واولٰئک ھم المھتدون (پارہ دوم۔ رکوع ۳) اور (اے میرے رسولؐ) آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں کہ جب بھی ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی بیشک اللہ کی ملک ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے خاص رحمتیں بھی ہونگی اور عام رحمتیں بھی، اور یہی لوگ ہیں ہدایت پانے والے" یعنی مصائب پر صبر کرنے والے لوگ اس جہان میں بھی ہدایت یافتہ ہیں اور آخرت میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوگا۔ یہ ہے مؤمنین صابرین کے لئے دونوں جہان کی بشارت۔ لیکن اس کے برعکس شیعہ مصنّف نے اپنی کتاب کا جو نام رکھا ہے یعنی "فلاح الکونین فی عزاءِ الحسین" اس کا معنی تو یہ ہے کہ عزائے حسین میں دونوں جہانوں کی فلاح ہے اور عزا کا لغوی معنی صبر ہے نہ کہ ماتم۔ لیکن کتاب میں

خلافِ صبر افعال یعنی منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کو باعث فلاح قرار دیا گیا ہے سے برعکس نام نہند زنگی کافور، اور تعجب ہے کہ ذاکرین و علماء ماتم کرنے والوں کو عزاداران حسین کہتے ہیں۔ اسی بنا پر میں نے اپنے جوابی رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کے آخر میں ملک غلام عباس صاحب بی۔اے مؤلف "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" سے یہ سوال کیا تھا کہ:۔ آپ ماتمی جلوسوں میں تعزیہ کا جلوس بھی نکالتے ہیں۔ اگر آپ تعزیہ کا لغوی معنی سمجھتے ہیں تو یہ بتائیں کہ شبیہ روضۂ امام حسینؓ کو تعزیہ کہنے کی وجہ کیا ہے؟ میرے اس سوال کے جواب میں "فلاح الکونین" کے مصنف صاحب لکھتے ہیں: کہ تعزیہ کے لغوی معنی صرف ہم ہی نہیں بلکہ ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے کہ تعزیت، تعزیہ عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ جن کے معنی ہیں ماتم پرسی کرنا، ماتم کرنا۔ جس کو پنجابی زبان میں "مُکان دینا" کہتے ہیں (ص۱۳۹) المجواب (ا) اوّل تو آپ کی یہ جہالت کہ تعزیت اور تعزیہ کو دو جدا جدا لفظ سمجھ لیا حالانکہ یہ لفظ ایک ہی ہے جس کو عربی رسم الخط میں تعزیۃ اور اُردو میں تعزیت لکھا جاتا ہے۔

تعزیہ کا لُغوی معنیٰ

(ب) دوم آپ نے تعزیت کا لُغوی معنی ماتم کرنا لکھا ہے جو بالکل غلط اور من گھڑت ہے، کیا لُغت کی کسی کتاب سے یہ معنی ثابت کر سکتے ہیں؟۔ آپ تو غالباً سمجھنا چاہتے ہی نہیں لیکن دوسروں کو سمجھانے کے لئے کتب لغت کے حوالجات حسب ذیل ہیں (۱) بیانُ اللسان میں ہے۔ تعزیت، مصیبت زدہ کو صبر کی ہدایت کرنا۔ (۲) المنجد میں ہے، عزّی (تعزیۃً) الرجلَ سلّاہ۔ اُس مرد کی تعزیت کی یعنی اس کو تسلی دی (۳) عربی کی مشہور اور مستند کتاب قاموس میں ہے۔ العزاء، الصبر و عزّاہ تعزیۃً یعنی اس کو صبر دلایا۔

تعزیہ کا شرعی معنیٰ

مسلمانان اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل میّت کے پاس تعزیت کرنا مسنون ہے (۱) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عزّی مصاباً فلہ مثل اجرہ رواہ الترمذی وابن ماجہ (مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ کو صبر دلائے اس کو اسکی مثل اجر ملے گا" (۲) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَن عزّی ثکلیٰ کُسِی بردًا فی الجنۃ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ شریف) "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص اس عورت کو صبر دلائے جس کا بچہ مرگیا ہو اس کو جنّت میں ایک چادر پہنائی جائے گی" اور تعزیت بمعنی صبر اور تسلّی دلانے میں اہل سنّت کا کوئی اختلاف نہیں ہے چنانچہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی رضوی بریلوی اپنی مشہور کتاب "بہار شریعت" حصہ چہارم ص۱۶۸ میں لکھتے ہیں:۔ "تعزیت مسنون ہے، حدیث میں ہے جو اپنے بھائی مسلمان کی مصیبت پر تعزیت کرتا ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے کرامت کا جوڑا پہنائیگا، اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے" (مسئلہ) مصیبت پر

کرے تو اسے دو ثواب ملتے ہیں ایک مصیبت کا دوسرا صبر کا، اور جزع فزع سے دونوں جاتے رہتے ہیں" (مسئلہ) تعزیت نے اکثر عورتیں رشتہ دار جمع ہوتی ہیں اور روتی پیٹتی نوحہ کرتی ہیں انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پر مدد کرنا ہے" (بہارِ شریعت) اس کتاب بہارِ شریعت حصّہ چہارم کی تقریظ میں بریلوی مکتب فکر کے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں: "مطالعہ کیا الحمد للہ مسائل صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔"

احادیثِ شیعہ

چونکہ ہم نے شیعوں کے مروّجہ تعزیہ کا خلاف لغت و شرع ہونا ثابت کرنا ہے اس لئے تعزیت کے شرعی معنی سمجھنے کے لئے مذہب شیعہ کی مستند کتب حدیث کی عبارتیں درج ذیل ہیں:- (۱)

فروعِ الکافی[1] جلد اوّل میں باب التعزیۃ ایک مستقل باب ہے جس کے اُردو ترجمہ الشافی میں لکھا ہے "باب التعزیت" یہاں صرف ان احادیث کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے (۱) امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا انتقال ہوا تو آنے والا تعزیت کے لئے آیا جس کی خفی آواز تو سنی گئی مگر وجود نظر نہ آیا۔ اس نے کہا سلام ہو تم پر اے اہل بیت اور اللہ کی رحمت ہو بیشک ہر ذی حیات مرنے والا ہے، تم روز قیامت صبر کا اجر پاؤ گے۔ جو نار سے دور ہوا اور جنت میں داخل ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا اور زندگی دنیا متاع غرور کے سوا کچھ نہیں۔ پس مرضیٔ خدا کے لئے ہر مصیبت میں صبر کرنا چاہئے (الشافی ص۱۸۵) (۲) فروع الکافی ثواب التعزیۃ کے باب میں ہے "کہ فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے کہ موسیٰ علیہ السلام نے مناجات میں کہا۔ زن پسر مردہ کو صبر دلانے والے کی کیا جزا ہے؟ فرمایا میں اُس کو اپنے سایہ میں اُس دن جگہ دوں گا جس دن میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا" (۳) فرمایا امام جعفر صادق نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کسی رنجیدہ کو صبر دلائے تو روز قیامت اس کو ایسا لباس پہنایا جائیگا جس سے وہ خوش ہوگا" (الشافی ص۱۸۹) یہ ہے تعزیت کا مطلب جو اہل سنّت اور اہل تشیع دونوں کی کتبِ احادیث میں مذکور

---

[1] کتاب الکافی کے دو حصّے ہیں۔ اصول الکافی اور فروع الکافی (اور فروع الکافی تین جلدوں میں ہے) الکافی کے مصنّف شیخ محمد بن یعقوب الکلینی ہیں۔ اصول کافی اور فروع کافی کا ترجمہ شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب نے الشافی کے نام سے لکھا ہے، اور الشافی ترجمہ اصول الکافی کا مقدمہ شیعوں کے سلطان المتکلمین علامہ محمد حسین صاحب سابق پرنسپل دار العلوم محمدیہ سرگودھا نے لکھا ہے (اور فلاح الکونین فی عزاء الحسین پر تقریظ لکھنے والے بھی یہی مولوی محمد حسین صاحب ہیں: اصول فروع کافی مذہب شیعہ کی کتب حدیث میں سب سے اعلیٰ درجے کی کتاب ہے چنانچہ اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ:- اصول کافی کتب اربعہ (کافی۔ من لا یحضرہ الفقیہ۔ تہذیب الاحکام اور استبصار) میں سب سے پہلی اور سب سے افضل کتاب ہے۔ جس روز سے یہ لکھی گئی ہے، اس روز سے آج تک برابر مرجع فقہاء و محدثین اور ملاذِ علمائے عاملین اور روشنیٔ چشم شیعہ بنی رہی ہے الخ (مقدمہ الشافی ص۷)

ہے۔ اس کے بعد بھی کیا کوئی اہل انصاف شیعی عالم ماتم حسین کو عزائے حسین اور تعزیہ مروّجہ یعنی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کی شبیہہ کو تعزیت کے نام سے موسوم کر سکتا ہے۔ جس میں صبر دلانا نہیں بلکہ صبر کھونا مقصود ہے۔

لیکن مصنّف "فلاح الکونین" تعزیت کے لُغوی اور شرعی معنی کو نظر انداز کرتے ہوئے، یہ کیسا ہی عجیب جواب لکھتے ہیں کہ: "بعض اوقات موضوع لہٗ جس کے لئے واضع نے یہ لفظ وضع کیا ہو عامۃُ النّاس کی روزمرّہ کی زبان میں اس کا مفہوم اس قدر بدل جاتا ہے، اُس میں اِتنا تضاد پیدا ہو جاتا ہے کہ لُغوی معنی بیکار ہو جاتے ہیں مثلاً لُغوی لحاظ سے کسی گِری ہوئی چیز کو "گاڑی گئی" کہتے ہیں مگر عرف عام میں یہی لفظ متحرّک اشیاء ریل اور موٹر پر استعمال ہوتا ہے۔

الجواب (ا) سُبحان اللہ! کیا علمی تحقیق ہے۔ ایک عربی لفظ تعزیت کے لُغوی اور شرعی معنی کے جواب میں کیسی جاہلانہ گاڑی کی مثال پیش کر دی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ گاڑی کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور نہ صرف کسی لفظ کے لغوی معنی سے بحث ہے کہ عرفِ عام میں اس کا مفہوم برعکس ہو گیا ہے۔ ہمارا سوال تو یہ ہے کہ لغوی معنی کے علاوہ جب احادیث کی رُو سے میں تعزیت کا مطلب کسی دوسرے مصیبت زدہ کو صبر اور تسلّی دلانا ہے تو اس شرعی مفہوم کے بالکل خلاف ماتم اور تعزیہ مروّجہ کو اہل تشیّع کی مذہبی اصطلاح میں کیوں ان ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے جن سے مطلوب و مقصود ہی صبر اور تسلّی کی حقیقت سے بالکل ناآشنا بنا دینا ہے۔ (ب) اُردو محاورہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "یا پھر جیسا کہ لفظ صلوٰۃ ہے جس کے لُغوی معنی دُعا کے ہیں۔ واضع نے اس معنی کے لئے وضع کیا تھا لیکن شریعتِ اسلام نے اس لفظ کو اپنی اصطلاح میں نماز کے معنی میں استعمال کیا اور اب اس کا استعمال قرآن اور حدیث میں ہی نہیں بلکہ عرف عام میں بھی نماز کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ یہی لفظ صلوٰۃ محمد و آلِ محمد پر دُرود بھیجنے کے ضمن میں بھی استعمال ہوتا ہے بالکل اسی طرح لفظ تعزیت کے معنی موضوع لہٗ ماتم پرسی کرنا، صبر ماتم سے ہمدردی کرنا۔ ماتم کرنا تھے، لیکن اصطلاحِ عام میں منقول ہو کر اس کے معنی شبیہہ روضۂ امام حسین ہو گئے جو اس لفظ کے سنتے ہی متبادر الی الذہن ہوتے ہیں" (فلاح الکونین صفحہ ۱۵)

الجواب:۔ آپ نے یہاں جو صلوٰۃ کی مثال پیش کی ہے یہ آپ کے مخالف ہے اور ہمارے موافق کیونکہ صلوٰۃ کا لُغوی معنی شرعی اور عرفی استعمال میں موجود ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ کا لُغوی معنی دُعا بھی ہے اور رحمت بھی (دیکھئے قاموس اور المنجد وغیرہ) اور نماز، درود شریف اور نماز جنازہ سب میں دُعا اور رحمت کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لہٰذا شریعت اور عرفِ عام میں ان عبارتوں کا مفہوم لُغوی معنی کے خلاف نہیں بلکہ موافق ہے۔ لیکن برعکس اس کے تعزیہ مروّجہ میں تعزیت کا لُغوی اور شرعی مفہوم یعنی

مصیبت زدہ کو صبر دلانا دونوں باقی نہیں رہتے اور ان معانی کے خلاف مظاہرہ کیا جاتا ہے اور آپ بھی اس کو محسوس کرتے ہیں اسی لئے تو جواب میں کسی لفظ کے لغوی اور عرفی معنی کے تضاد اور تخالف کی مثال پیش کر رہے ہیں۔

دلائل و جوابات

ملک غلام عباس صاحب بی۔ اے نے ابتدائی ماتمی ٹریکٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں نمبروار ۱۸ دلائل پیش کئے تھے۔ جن کے نمبروار جوابات میرے جوابی رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں دیدیئے گئے تھے اور انہی کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" نے ان ۱۸ دلائل پر نمبروار مفصل بحث کی ہے، اور گو مذکورہ ٹریکٹ کے اکثر دلائل قابل ذکر ہی نہیں تھے اور "فلاح الکونین" میں بھی حسب ذیل یہ اعتراف موجود ہے کہ ملک غلام عباس صاحب موصوف عالم نہیں ہیں:۔ "ملک صاحب بیشک چودھویں صدی کی پیدائش ہیں مگر وہ علماء سے نہیں بلکہ عوام سے ہیں (ص ۹۳) لیکن مصنف صاحب موصوف نے مذہبی تعصب کی بنا پر چونکہ ماتمی ٹریکٹ میں مندرجہ ہر استدلال کی تائید کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے خواہ وہ کتنی ہی جاہلانہ بات ہو۔ اس لئے اس کتاب میں بھی نمبروار ان کے دلائل اور جوابات پر بحث کی گئی ہے۔ تاکہ مطالعہ کرنے والوں کے لئے علمی تحقیق آسان ہو جائے۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَاد۔

قصہ حضرت یعقوب علیہ السلام

(بحث دلیل نمبر ۱)

ماتمی ٹریکٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں پہلی دلیل کے تحت یہ آیت پیش کی گئی تھی:۔ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْم (سورۃ یوسف) :۔ "اور اس نے منہ پھیر لیا اور کہنے لگا ہائے افسوس یوسف پر اور غم و اندوہ کی وجہ سے اس کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئیں"۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ (۱) وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْم :۔ "اور آپ کی آنکھیں حزن (غم) سے سفید ہو گئیں، پس وہ اپنے غم کو اپنے اندر روکنے والے تھے"۔ ت۔ ر۔ میں فھو کظیم کا ترجمہ اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ اس سے ماتم نہ کرنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ کظیم اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں بہت صدمہ ہو لیکن صبر کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکے اور یہی وہ صبر جمیل ہے جس کا اعلان آپ نے اس وقت کیا تھا جب بھائیوں نے یہ جھوٹی خبر دی تھی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے (۲) آیت میں نہ منہ پیٹنے کا لفظ ہے نہ سینہ کوبی اور ماتم کا بلکہ صرف حُزن کا لفظ ہے جس کا معنی صرف غم و اندوہ ہے (۳) حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق کا صدمہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو مسلسل رہا لیکن جب دورِ فراق ختم ہوا اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تختِ مصر پر متمکن ہونے کی بشارت ملی تو پھر آپ کا غم بھی جاتا رہا اور آنکھوں کی روشنی بھی واپس

لوٹ آئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جب تک کسی محبوب کی مصیبت باقی ہو اور اُس کا صدمہ لاحق ہے لیکن صبر کے خلاف کوئی حرکت نہ کرے تو یہ غیر اختیاری غم و اندوہ گناہ نہیں اور جب وہ مصیبت ختم ہو جائے تو پھر غم بھی ختم ہو جاتا ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام عالی مقام اور آپ کے اعزّہ و احباب پر جو مصیبت نازل ہوئی وہ وقتی تھی۔ شہادت کا درجہ پانے کے بعد جب آپ کو جنّت مل گئی تو پہلی مصیبت بھی ختم ہو گئی۔ اب شہدائے کربلا کی روحوں کو حسب آیات قرآنی جنّت کا رزق ملتا ہے اور وہ وہاں خوش ہیں تو اب رونے اور ماتم کرنے کا کیا موقعہ ہے۔ ہم تو حضرت یعقوب علیہ السّلام کی پیروی کرتے ہیں کہ جب تک آپ مصیبت میں مبتلا تھے اس وقت بھی صبر کیا اور جب حضرت یوسف علیہ السّلام کے بلند مقام کی بشارت ملی تو پہلا غم بھی بالکل ختم ہو گیا۔ مصر کے تخت سے جنّت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے کیا ماتمیتین کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنّتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں ہے اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنّت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں۔ (۴) حضرت یوسف علیہ السّلام کو مصر کی سلطنت ملنے کے بعد بھی کیا حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اس گذری ہوئی مصیبت کی یادگار میں ہر سال غم کی مجلس منعقد کی تھی؟ (۵) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے سانحۂ کربلا ایک بہت بڑا ایمانی امتحان تھا جس میں آپ اعلیٰ نمبروں میں پاس ہوئے تو اب واہ واہ! حسینؑ، امام کربلا کی شان کے مناسب ہے یا ہائے حسین، ہائے حسین۔ جو امام عالی مقام کو پاس سمجھتا ہے وہ واہ واہ کرے اور جو (نعوذ باللہ) فیل سمجھتا ہے وہ ہائے ہائے کرے

ع۔ نگاہ اپنی اپنی پسند اپنی اپنی (ھم ماتم کیوں نہیں کرتے صلے)

اس کے جواب الجواب میں مصنّف "خلاصۃ الکونین" میرے مذکورہ جوابات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: "یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ فھو کظیم کا ترجمہ اس لئے ترک کر دیا گیا کہ اس سے ماتم نہ کرنا ثابت ہوتا ہے، ہرگز نہیں۔ بے شک کظیم کے لُغوی معنی غم و غصّہ کو ضبط کرنے والا ہے مگر قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے اس غم کو دُور نہیں کیا تھا وہ ہمیشہ زبان اور آنکھوں سے اس کا ذکر کرتے رہے، اسی لئے مولانا اشرف علی تھانوی نے فھو کظیم کا ترجمہ "وہ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے" کیا ہے، یہی ترجمہ حقیقت پر مبنی ہے۔ جس کی تصدیق حضرت یوسف علیہ السّلام کے کے ان بھائیوں کی زبان سے ہو رہی ہے جو حضرت یعقوبؑ کے اس غم و الم کا باعث بنے تھے اور جن کے سامنے حضرت یعقوب علیہ السّلام، حضرت یوسف علیہ السّلام کے غم میں اس حالت تک پہنچ گئے تھے کہ آخر انہیں قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ کہنا پڑا "بخدا معلوم ہوتا ہے تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یادگاری میں لگے رہو گے

میاں تک کہ گھل گھل کر دم لب ہو جاؤ گے یا کہ بالکل ہی مر جاؤ گے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہے کہ بیٹے کے غم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا جی ہی جی میں کڑھنا اس قدر شدید تھا کہ بیٹوں کو باپ کی ہلاکت کا خطرہ لاحق تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حُزن و ملال، رنج و الم اس پر دال ہے کہ آپ کا یہ غم بطور ندبہ تھا جو بآواز بلند کیا جاتا ہے۔

یَا اَسَفیٰ عَلیٰ یُوْسُف ۔ ہائے افسوس یوسف پر الخ

الجواب (ل) آپ نے کَظِیْم کا لغوی معنی غم و غصہ کو ضبط کرنے والا تسلیم کر لیا تو پھر اس کیفیت صبر کو مانتے کیوں نہیں؟ اور ساتھ ہی آپ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس غم کو دُور نہیں کیا تھا۔ یہ لکھنے کی آپ کو کیوں ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ کیا مَیں نے یہ لکھا ہے کہ ایّامِ مصیبت میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس غم کو دُور کر دیا تھا؟ نہیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صبر جمیل کے تحت غم کو بہت زیادہ ضبط کیا اور غم کا مظاہرہ بصورت منہ پیٹنے، سینہ کوٹنے، سیاہ کپڑے پہننے اور ماتمی جلوس نکالنے کا نہیں کیا، اور اگر کیا ہے تو ثابت کریں؟ (ب) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو ترجمہ آپ نے پیش کیا ہے کہ "وہ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے تھے" اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ غم کو اپنے اندر دبائے ہوئے تھے۔ کیا آپ اس کا معنی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ غم کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کا خون آلود کرتا لئے ہوئے گلی کوچوں میں ماتمی جلوس نکالا کرتے تھے، اور لوگوں کو منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کی دعوت دیتے رہتے تھے؟ علاوہ ازیں آپ کی علمی خیانت یہ ہے کہ حضرت تھانوی کی مابعد کی عبارت چھوڑ دی جس میں آپ نے لکھا ہے: "کیونکہ شدّتِ غم کے ساتھ جب شدّتِ ضبط ہوگا جیسا کہ صابرین کی شان ہے تو کَظْم کی کیفیت پیدا ہوگی"۔

مولانا تھانوی کے نزدیک صابرین کی شان غمِ شدید کو سختی کے ساتھ اپنے اندر ضبط کرنا ہے یا ماتمیین کی طرح ماتمی غم کے جلوس نکالنا مولانا تھانوی کی اس تشریح نے تو آپ کے ماتم کی بنیاد ہی گرا دی۔ ع وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

تفسیر شیعہ شیعوں کے مشہور مفسّر شیخ طبرسی[1] اپنی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں:۔ وَالْکَظْمُ اِجتراعُ الْحُزْنِ وھو ان یمسکه فی قلبه وَلا یبثّه الی غیرہ:۔ "کظم کہتے ہیں غم کے گھونٹ پینے کو اور وہ یہ ہے کہ غم کو اپنے دل میں روکے اور اس کو دوسرے تک نہ پھیلائے" فرمائیے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے کظیم کا جو مطلب

---

[1] تفسیر مجمع البیان کے مصنف شیخ ابو علی طبرسی ہیں جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ شیعہ علماء کے نزدیک ان کا علمی مقام بہت بلند ہے چنانچہ دورِ حاضر کے شیعہ مفسّروں نے اپنی تفاسیر میں ان کی تفسیر مجمع البیان کے جابجا حوالجات پیش کئے ہیں۔ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ مذہب شیعہ کی ایک اور مستند کتاب "احتجاج طبرسی" کے مصنف احمد بن ابی طالب طبرسی ہیں۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔

لکھاہے وہی آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی نے بیان کیاہے اور یہی مَیں نے لکھا تھاکہ :- کظیم اس کو کہتے ہیں کہ جس کے دل میں بہت صدمہ ہو لیکن صبر کی وجہ سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکے اور یہی وہ صبرِ جمیل ہے جس کا اعلان آپ نے اس وقت کیا تھا جب بھائیوں نے یہ جھوٹی خبر دی تھی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا"۔

آیت اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّیْ کا مطلب

آپ نے لکھا ہے کہ جب بیٹوں نے آپ کے حزن و ملال پر اعتراض کیا تو آپ نے قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ فرمایا مَیں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور اللہ کی باتوں کو جتنا مَیں جانتا ہوں تم نہیں جانتے"اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رونے دھونے کو بے صبری نہیں فرمایا مگر آپ کا لوگوں کو اس فعل سے یہ کہہ کر منع کرنا کہ یہ بے صبری ہے کیا یہ حکمِ خدا کی مخالفت اور سُنّتِ نبی کا انکار نہیں ہے؟"۔ (فلاح الکونین ص١٦)

الجواب (۱) اہلِ سنّت اور اہلِ تشیّع کی تفاسیر کے مندرجہ حوالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے شدّتِ غم کو اپنے دل میں رکھا اور سوائے اللہ تعالیٰ کے اپنے غم کا اظہار کسی کے سامنے نہیں کیا، باقی رہا یہ کہ بیٹوں نے جو یہ کہا تھا کہ :- بخدا معلوم ہوتا ہے تم سدا یوسف کی یادگاری میں لگے رہوگے یہانتک کہ گُھل گُھل کر دم بلب ہو جاؤ گے یا یہ کہ بالکل ہی مر جاؤ گے (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) تو اگر آپ کے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے غم کا دوسروں کے سامنے اظہار کیا تھا، تو یہ آیت اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ کے خلاف ہے، جس کا ترجمہ آپ نے خود کیا ہے کہ :- فرمایا مَیں تو اپنے رنج و غم کی شکایت صرف اللہ سے کرتا ہوں اور آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- المعنی انما اشکو حزنی وحاجتی و اختلال حالی وانتشارها الی الله فی ظلم اللیالی و اوقات خلواتی لا الیکم :- معنی یہ ہے کہ مَیں اپنے غم اور حاجت اور اپنے حال کے تغیّر اور اس کے اضطراب کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں راتوں کے اندھیروں میں اور اپنی تنہائیوں کے اوقات میں، نہ کہ تمہارے آگے" اور نیز شیخ طبرسی فهو کظیم کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- وَالکظیم ھھنا بمعنی الکاظم وهو الملوء من الهمّ والحزن الممسِك للغیظ لا یشکوه لاهل زمانه وَلَا یُظْهِرُهٗ بلسانه ولذلك لُقِّبَ موسی بن جعفر علیهما السلام الکاظم لکثرة ما کان یتجرع من الغیظ والغم الخ اور کظیم یہاں بمعنی کاظم ہے اور وہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر رنج و غم بھرا ہوا ہو اور وہ روکنے والا ہو اپنے غصّے کو

اور وہ اس رنج و غم کی شکایت اپنے زمانہ کے لوگوں سے نہ کرتا ہو اور نہ وہ اس غم کو اپنی زبان سے ظاہر کرتا ہو اور اسی وجہ سے امام موسیٰ بن حضرت جعفر علیہ السّلام کا لقب کاظم پڑ گیا تھا کیونکہ اپنی زندگی کے طویل عرصہ میں آپ نے اس غم اور غصّے کو اپنے اندر ہی روکے رکھا تھا" علاوہ ازیں شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر میں فصبرٌ جمیل کا مطلب یہ لکھا ہے ای فَاَمْرِیْ صَبْرٌ جَمِیْلٌ لَا جَزَعَ معہ[1] (یعنی میرا کام صبر جمیل ہے جس کے ساتھ جزع نہیں" - اب آپ ہی فرمائیں کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی سُنّت کی مخالفت ماتمی گروہ کر رہا ہے یا ہم اہل سنّت - آپ کے شیعہ مفسّر شیخ طبرسی کی تشریح سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے زبان سے بھی لوگوں کے سامنے اپنے غم کا اظہار نہیں کیا بلکہ آپ رات کی تاریکیوں میں اور اپنی تنہائیوں میں غم کا اظہار صرف اپنے رب کے سامنے کیا کرتے تھے - اس سے تو آپ کے ماتم کی بنیاد ہی منہدم ہوگئی چہ جائیکہ اس کا سنّت و عبادت ہونا ثابت ہو، اور یہ حکم بھی اس غم کے متعلق ہے جو حضرت یعقوب علیہ السّلام کے سینہ میں انتہائی شدّت اختیار کر چکا تھا - لیکن آپ نے لوگوں کے سامنے زبان سے اس کو ظاہر تک بھی نہیں کیا اور جہاں دلوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم ہے ہی نہیں محض تکلّف اور بناوٹ ہے اور فنکاری کے طور پر عموماً ماتمی لوگ دُور دُور سے ماتمی مجالس اور جلوسوں کے لئے بُلائے جاتے ہیں اور خوب ان کی شکم پروری کی جاتی ہے، معاوضہ مقرر کیا جاتا ہے - اس ماتم کو حضرت یعقوب علیہ السّلام کی سُنّت صبر جمیل سے کیا تعلق ہے؟ کچھ تو خدا کا خوف کریں۔

فلسفۂ ماتم

شیعوں کے محقق شیخ طبرسی کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ صبر جمیل وہ ہے جس میں زبان سے بھی غم کا اظہار نہ کیا جائے لیکن اس کے برعکس مصنّف "فلاح الکونین" اپنے ماتم کا فلسفہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ :- مصائب سیّد الشہداء علیہ السلام کا تذکرہ سُن کر اوّلاً ہمارے چہروں پر آثارِ حزن و ملال ظاہر ہوتے ہیں، آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، ہچکیاں بندھ جاتی ہیں، گلے رندھ جاتے ہیں - جب یہ جذباتِ غم شدّت اختیار کرتے ہیں تو سر اور سینہ پیٹتے ہیں، چھُریوں اور چاقوؤں سے چھاتیوں اور پشتوں کو کاٹتے ہیں چونکہ رونے سے سینہ کوبی اور زنجیر زنی تک تمام افعال فطری ہیں لہذا ان پر عمل کرنا مقتضائے فطرت ہے اور ان کی مخالفت کرنا خلاف فطرت اور قساوتِ قلبی ہے یہ ہے اس امر فطری سے مروّجہ ماتم کی دلیل اثبات" (صنہ) الجواب (۱) یہ حرکات و افعال تو ماتمیوں کی مسخ شدہ

---

[1] آپ پر اتمام حجت کے لئے تفسیر مجمع البیان کا حوالہ کافی ہے، ورنہ اہل سنّت کی تفاسیر میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے - (۱) تفسیر خازن میں ہے الصبر الجمیل الذی لا شکوی فیہ ولا جزع (صبر جمیل وہ ہے جس میں نہ شکایت ہو اور نہ جزع) باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

فطرت کا مقتضیٰ ہیں، نہ کہ فطرت انبیائے کرام علیہم السّلام کے۔ قرآن سے تو حضرت یعقوب علیہ السّلام کے صبرجمیل کا یہ مطلب واضح ہوتا ہے کہ آپ نے لوگوں کے سامنے زبان سے بھی غم کا اظہار نہیں کیا۔ لہٰذا آپ کا سارا ماتمی نقشہ قرآن عظیم کے خلاف ہے، اور اس کو دین، سُنّت اور فطرت قرار دینا قرآن مجید کا انکار اور شریعت اور سنت کی معنوی تحریف ہے۔ اہل فہم و انصاف غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کے لئے حزن، بث، اور أسف کا لفظ استعمال کیا ہے اور بکاء کا لفظ بھی ذکر نہیں فرمایا، اور بقول مفسرین جو آپ کی آنکھوں سے شدتِ غم کی وجہ سے آنسو جاری ہوئے جس کے اثر سے آنکھیں سفید ہوگئیں تو یہاں تک اختیاری معاملہ ہے، لیکن زبان سے اظہار غم نہ کرنا چونکہ اپنے اختیار میں تھا اس لئے آپ نے لوگوں کے سامنے بھی کبھی زبان سے غم کا اظہار نہ کیا۔ صرف اپنے پروردگار کے سامنے رات کی تاریکیوں میں اظہار کرتے رہے۔ ماتمی گروہ جن افعال کو انسانی فطرت قرار دے رہا ہے اگر یہ صحیح ہے تو حضرت یعقوب علیہ السّلام کی فطرتِ سلیمہ کے تحت بھی تو ان افعال ماتم کا صدور ضرور ہوتا، اور جب ایسا نہیں ہوا۔ جیسا کہ فصبر جمیل اور انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ کی آیات کا مطلب واضح کیا گیا ہے تو ثابت ہوا کہ یہ ماتمی افعال و حرکات انتہائی بگڑی ہوئی فطرت کا نتیجہ ہیں اور بدبختی کی علامت۔ (ب) مزید اتمام حجت کے لئے دورِ حاضر کے مشہور شیعی مفسّر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کی تفسیر حسب ذیل ہے:۔ صبرجمیل وہ ہے جس میں آدمیوں کے سامنے کوئی شکوہ اور شکایت نہ کی جائے۔" (ترجمہ مقبول)

بقیہ تحت المتن صنا :۔ تفسیر مظہری میں ہے، الصبر الجمیل الذی لا شکوی فیہ (۳) تفسیر کبیر میں امام رازی لکھتے ہیں عن الحسن انہ سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلّم عن قولہ فصبرٌ جمیل فقال صبرٌ لا شکوی فیہ فمَن بثّ لم یصبر یعنی نبی کریمؐ سے فصبر جمیل کا مطلب پوچھا گیا تو حضور نے فرمایا کہ ایسا صبر جس میں شکایت نہ ہو، اور جس نے غم کو پھیلایا اس نے صبر نہ کیا اور مجاہد سے مروی ہے فصبرٌ جمیل ای من غیر جزع (صبر جمیل وہ ہے جس میں جزع نہ ہو الخ نیز امام رازی فرماتے ہیں ثم امسک لسانہ عن النیاحۃ (پھر حضرت یعقوبؑ نے نوحہ کرنے سے اپنی زبان کو روکا) اور فھو کظیم کا معنی لکھتے ہیں :۔ بمعنی الکاظم وھو الممسک علی حزنہ فلا یُظھرہٗ (یعنی کظیم، کاظم کے معنی میں :۔ وہ شخص جو اپنے غم کو روکے رکھتا ہے اور اس کو ظاہر نہیں کرتا) اور امام رازی انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ کے متعلق لکھتے ہیں :۔ ای لا اذکر الحزن العظیم ولا الحزن القلیل الّا مَعَ اللہ (یعنی میں نہیں بیان کرتا بڑے غم کو یا تھوڑے غم کو مگر اللہ کے ساتھ) اہلِ سنّت اور اہلِ تشیّع دونوں کی تفاسیر سے ثابت ہوگیا کہ مصیبت میں جزع کرنا صبرجمیل کے خلاف ہے، اور ایسا ماتم کرنے والے صابرین سے خارج ہوگئے۔

ایک اور جہالت

آپ نے لکھا ہے کہ :۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کا حزن وملال اور رنج والم اس پر دال ہے کہ آپ کا یہ غم بطور ندبہ تھا جو باآواز بلند کیا جاتا ہے۔ یٰاَسَفیٰ علیٰ یُوسُف :۔" ہائے افسوس یوسف پر" (فلاحُ الکونین ص۱۶) الجواب (۱) آپ نے اپنی کتاب کے ص۵۵ پر دلیل نمبر۲ کی بحث میں شرح جامی سے ندبہ کی تعریف پیش کی ہے وہاں انشاء اللہ العزیز، عربی عبارت کے ترجمہ میں آپ کی جہالت اور خیانت ثابت کی جائے گی (ب) تفسیر خازن میں آیت یٰاَسَفیٰ علیٰ یُوسُف کے تحت لکھتے ہیں :۔" وقد اعترض بعض الجُہال علی یعقوب علیہ السلام فی قولہ یا اسفیٰ علی یوسف، فقال ھذہ شکایۃ واظہار جزع فلا یلیق بعُلوّ منصبہ ذالک، ولیس الامر کما قال ھذا الجاھل المعترض لان یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام شکا الی اللہ لا منہ، فقولہ یا اسفیٰ علی یوسف معناہ یا رب ارحم أسفِی علی یوسف" ("اور بعض جاہلوں نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کے قول یا اسفیٰ علی یوسف پر اعتراض کیا ہے کہ یہ شکایت ہے اور جزع کا اظہار ہے جو آپ کے منصبِ نبوّت کے لائق نہیں، حالانکہ ایسا معاملہ نہیں ہے جیسا کہ اس جاہل معترض نے کہا ہے، کیونکہ حضرت یعقوب علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تھی نہ کہ اس سے، پس آپ کا یہ قول کہ یا اَسَفیٰ علیٰ یوسف اس کا معنی یہ ہے کہ اے میرے رب، مجھے جو حضرت یوسف کا غم ہے، اس میں مجھ پر رحم فرما" اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اللہ کو پکارا ہے نہ کہ بطور ندبہ حضرت یوسف علیہ السّلام کو (ج) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کے جاہلوں کا یہی مذکورہ جواب دے کر فرمایا ہے کہ :۔ وکل ذالک یدل علی انہ لما عظمت مصیبتہ وقویت محنتہ فانہ صبر وتجرع الغصّۃ وما اظہر الشکایۃ فلاجرم استوجب بہ المدح العظیم والثناء العظیم (یعنی یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جب آپ کی مصیبت بڑھ گئی اور مشقت سخت ہوگئی تو آپ نے صبر کیا اور غصّے کو اپنے اندر روکے رکھا اور شکایت ظاہر نہ کی، اس لئے آپ مدح وثنائے عظیم کے مستحق ہوگئے)

(۲) الفاظ یا اَسَفیٰ علی یوسف سے استدلال کرنا آپ کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں کیونکہ آپ کے شیعہ مفسر شیخ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :۔ وروی عن سعید بن جبیر انہ قال لقد اعطیت ھذہ الامّۃ عند المصیبۃ مالم یعط الانبیاء قبلھم انا للہ وانا الیہ راجعون ولو اعطیھا الانبیاء لاعطیھا یعقوب اذ یقول یا اسفیٰ

حرص نے تجھ کو سکھایا ہے دناءت کا سبق　　کربلا کے ذکر میں دیتا نہیں کیوں درسِ حق
چشمۂ دولت ہے تیرا سیلِ اشکِ بے قلق　　خون کی چادر سے سونے کے بناتا ہے ورق

خانہ برباد ہے عشرت سرا تیرے لیے
اِک دفینہ ہے زمینِ کربلا تیرے لیے

۱۳۵۵ھ
(منقول از ماہنامہ النجم لکھنؤ - ۱۱ محرم الحرام)

ایک اور سوال کا جواب

آپ لکھتے ہیں :- "حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابو لؤلؤ کی تلوار سے، حضرت عثمان بعض صحابہ کبار کے ہاتھوں بقول آپ کے بحالتِ مظلومی شہید ہوئے۔ کیا یہ حضرات اپنے اپنے امتحان میں کامیاب نہیں ہوئے ؛ اگر اس بات کا جواب اثبات میں ہے تو پھر آپ ان حضرات کے یوم شہادت پر جشن مسرت کیوں نہیں مناتے، بھنگڑا کیوں نہیں ڈالتے، تالیاں کیوں نہیں بجاتے اور واہ واہ کیوں نہیں کرتے ؛ جب دوسرے شہداء پر رسم تہنیت ادا نہیں کی جاتی، تحسین و آفریں اور واہ واہ نہیں کی جاتی، تو پھر نواسۂ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے ایسا کرنے کو کیوں کہا جاتا ہے ؛" (فلاحُ الکونین صہ ۲۲)

الجواب

(۱) خوشی میں بھنگڑا اور ناچ تو ہمارے نزدیک شرعاً حرام ہیں، ہاں ! آپ کی فطرتِ مسرت کا تقاضا ہو سکتا ہے اور حضرتِ عثمان ذُوالنّورین کو کسی صحابی نے بھی شہید نہیں کیا آپ کا الزام خلافِ تحقیق ہے، چنانچہ محدّث ابنِ کثیر لکھتے ہیں :- واما ما یذکرہ بعض الناس من ان بعض الصحابۃ اسلمہ ورضی بقتلہ فھذا لا یصح عن احد من الصحابۃ انہ رضی بقتل عثمان رضی اللہ عنہ بل کلھم کرھہ ومقتہ وسب من فعلہ الخ (البدایہ والنہایہ جلد ۷ صہ ۱۹۸) اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے حضرت عثمان کو دشمنوں کے سپرد کیا اور آپ کے قتل پر راضی تھے، تو یہ کسی صحابی کے متعلق بھی صحیح نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ نے آپ کے قتل کو ناپسند کیا اور غضبناک ہوئے اور جس نے یہ فعل کیا اُس کی مذمت کی الخ - اور تاریخ الخلفاء میں علامہ سیوطی ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ :- جس شخص نے حضرت عثمان کو قتل کیا مصر والوں میں سے ایک شخص تھا۔ نیلی آنکھوں والا، سرخ رنگ والا، اس کا نام حمار تھا۔ (مترجم صہ ۱/۲ ۱۴۲) اور یہ جو مشہور ہے کہ حضرت

محمدؒ بن ابی بکر نے آپ کو قتل کیا تھا تو اس کے متعلق تاریخ الخلفاء میں خود محمدؒ بن ابی بکر کا یہ قول درج ہے کہ :- بیشک خدا کی قسم مَیں ان کے پاس گیا تھا لیکن انہوں نے مجھے میرا باپ یاد دلا دیا - مَیں فوراً ہی اُن سے الگ ہو گیا اور خدا سے توبہ کرنے لگا ، خدا کی قسم نہ مَیں نے اُن کو قتل کیا ہے اور نہ پکڑا ہے" (ایضاً صفحہ ۱۰۱)

(ب) بے شک حضرت عمر فاروق بھی شہید ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین بھی ، شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ اور امام کربلا حضرتِ حسُین بھی لیکن ہم شہدائے کرام کا دن اس طرح نہیں مناتے جس طرح آپ مناتے ہیں - ہم موقع بموقع ان حضرات کے مناقب و فضائل بیان کرتے رہتے ہیں ، اور اُن کے مجاہدانہ کارناموں اور عظیم قربانیوں پر تحسین و آفرین کی صدا بھی بلند کرتے ہیں اور یہ غازیانِ کرام شاباش اور آفرین کے ہی مستحق ہیں نہ کہ ہائے وا ویلا کے - ہمارے نزدیک ان کے دُنیوی مصائب اور شہادتیں آخرت میں اُن کی مزید بلندیٔ درجات کا سبب ہیں - ہمیں فخر ہے اُن کے صبر و استقامت اور ان کی قربانی و شہادت پر - ہمیں اُن کی شہادت کا کوئی غم نہیں کیونکہ حسبِ اعلانِ خداوندی وہ جنت میں خوشیاں منا رہے ہیں ، اور آپ یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان شہدائے کرام اور مبتلائے مصائب و آلام کے بارے میں رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی زبان مبارک سے ان کے وارثین و احباب کو بشارت اور خوشخبری سنائی ہے اور آیت وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ میں بشارت کا لفظ ذکر فرمایا ہے اور پارۂ چہارم میں بھی وَیَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِھِمْ کے الفاظ ہیں -

فرمائیے ! تہنیت اور بشارت اور تحسین و آفرین کے الفاظ کیا ایک ہی حقیقت کو نہیں ظاہر کرتے ؟ اور تفسیر "مجمع البیان" کے حوالے سے پہلے ثابت کیا گیا ہے کہ حوریں شہداء کو بشارت دیتی ہیں اور زمین بھی ان کو مرحبا کہتی ہے - پھر اگر ہم امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صبر و ثبات اور ان کے مقامِ عزیمت و رضا پر واہ واہ کریں تو آپ کو اس سے کیوں قلق و اضطراب لاحق ہوتا ہے - کیا ان کا عظیم الشّان کارنامہ واہ واہ کا مستحق نہیں ؟ ہائے حسین ہائے حسین کر کے ان کو صرف ایک مظلوم کی حیثیت میں پیش کرنا ہی ان کی محبّت کا تقاضا ہے - ماتم کے اسٹیج پر خاندانِ نبوّت کی پردہ نشین و پاکباز خواتین کا نام لے لے کر اُن کی مظلومیّت کو شیعہ ذاکرین اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے ان کی توہین ہوتی ہے - ان کے سروں سے دوپٹوں کے اترنے اور ان کے برہنہ پا اور برہنہ سر ہونے کی پوری تصویر پیش کرتے ہیں ، اور جانباز شہداء کے بدن کے ٹکڑے کرتے ہیں ، ان کی لاشوں کی چیر پھاڑ کرتے ہیں اور اُن کو یہ احساس

نہیں ہوتا کہ یہ کس کا پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ آپ خود ہی سوچیں کہ اگر آج کوئی دشمن کسی کی ماں بہن کا دوپٹہ اتار دے تو کوئی غیور شخص سٹیجوں پر اپنی ماں بہن کی یہ داستان سُن سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا محبتِ حسینؓ کے یہی مناظر اور مظاہر ہو سکتے ہیں؟ ہم واضح طور پر یہ کہے دیتے ہیں کہ ہم قوم کو ماتمی نہیں بنانا چاہتے، بلکہ راہِ حق کے غازی اور مجاہد بنانا چاہتے ہیں۔ پرچم اسلام ماتم سے نہیں بلند ہوتا بلکہ اعمالِ صالحہ اور اتباعِ سنت سے بلند ہوتا ہے جب حضرت حسینؓ کی مقدس زندگی اور اُن کی عبادات میں ماتم جیسی عبادت کا کوئی نام و نشان تک نہیں ملتا تو ہم اس ماتم سے حضرت حسینؓ کا مشن کیسے پھیل سکتا ہے؟ جوشؔ ملیح آبادی کے دوسرے اشعار بھی سُن لیجئے۔ ے

کربلا میں اور تجھ میں اتنا بعد المشرقین　　اُس طرف شورِ رجز خوانی، اِدھر رِدے کے بَین
اُس طرف تکبیر، اِدھر ہنگامۂ صد شور و شین　　اِس طرف اشکوں کا پانی، اُس طرف خونِ حُسین

وہ مٹے کس منزل میں، اور تُو کونسی منزل میں ہے
شرم سے گڑ جا، اگر احساس تیرے دل میں ہے

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسینؓ　　جس نے اپنے خون سے دنیا کو دھویا وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسینؓ　　جس نے سب کچھ کھوکے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

وہ کہ خونِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مُسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

راقم الحروف، خادمِ اہل سنت غفرلہٗ نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں "شانِ حسینؓ" کے عنوان سے ایک نظم لکھی تھی، جو اس وقت بعض مذہبی رسائل میں بھی شائع ہوئی تھی، مناسبتِ موضوع کی وجہ سے اس کے چند اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:-

کس کے سیما سے نمایاں تھا ولایت کا نشاں؟　　کس کے چہرہ کی چمک مثلِ چراغ تاباں؟
کس کے دَم سے ہوئی عالم میں حقیقت عریاں؟　　کس کے سینہ میں منور تھا چراغ عرفاں؟

جو نواسہ تھا محمدؐ کا، علیؓ کا پیارا
حضرتِ فاطمہؓ کی آنکھ کا جو تھا تارا،

خوف دشمن کا نہ اعدا کی ستم گاری کا   تیغ و خنجر کا نہ باطل کی جفا کاری کا
چینی و رومی و ہندی کا نہ تاتاری کا   قلب مومن میں بھروسہ تھا فقط باری کا
گُرزِ توحید سے دشمن کے صنم کو توڑا
راہِ حق میں بخوشی جاہ و حشم کو چھوڑا

دعویداران محبت نے بھلا کیا سیکھا   تعزیہ سازی کا بس ایک تماشا سیکھا
بُت پرستی کا یہ اک طرز نرالا سیکھا   ہاء و ہُو، شور و شر و گریہ و غوغا سیکھا
اِن خرافات کو کب رکھتا روا ہے اسلام
ہے بُرا فعل یہ، الحاد ہے، بدعت ہے حرام

امتیازِ حق و باطل تھا دکھایا اُس نے   دینِ فطرت پہ مسلماں کو چلایا اُس نے
جہل و بدعت کے اسیروں کو چھڑایا اُس نے   ڈنکا توحید کا عالم میں بجایا اُس نے
تخت و دولت، نہ حکومت کا وہ شیدائی تھا
مظہرِ حق تھا، شہادت کا وہ خود داعی تھا

ہم اہلِ سنّت کے نظریۂ شہادت اور اہلِ تشیّع کے نظریۂ شہادت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہم حضرتِ حسینؓ اور دیگر ائمۂ اہلِ بیت کی محبت کو جزوِ ایمان مانتے ہیں، ان کو اہلِ سنّت کا مقتدا اور پیشوا مانتے ہیں۔ اُن کی محبت خدا اور رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور اُن سے عداوت خدا و رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ناراضگی کا سبب، لیکن محبت وہ قبول ہوتی ہے جو محبوب کی مرضی کے مطابق ہو، اور اگر عمل محبوب کی اداؤں کے خلاف ہو تو وہ حقیقت میں محبت ہی نہیں۔ اگر کوئی محبوب کی نافرمانی کو محبت کا نام دیتا ہے تو وہ فریب خوردہ ہے، گم کردہ راہ ہے۔

ماتمی کڑا یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ پہلے تو صرف ملنگ لوگ ہی ہاتھوں میں لوہے کے کڑے پہنتے تھے، اور جو زیادہ حُبِّ حسین کا مدعی ہوتا تھا وہ اپنے جسم پر اچھا خاصا وزنی لوہا جاتا تھا۔ لیکن اب ماتمی گروہ میں بظاہر سنجیدہ اور تعلیم یافتہ افراد بھی بازوؤں میں خوبصورت کڑے پہننے لگے ہیں اور اس کا رواج بڑھ رہا ہے۔

لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ یہ لوہے کی زنجیریں اور کڑے پہننا کس کی سُنّت ہے؟ کیا حضرت امام زین العابدین نے یہ خود پہنے تھے یا دشمن نے ان کو زنجیر اور ہتھکڑی لگائی تھی۔ کیا انہوں نے خوشی سے پہنی تھی یا ناگواری سے؟ تو جو کام دشمنوں نے کیا تھا، کیا محبّانِ حُسین اس کا نمونہ بنا سکتے ہیں۔ اگر کوئی ماتمی کسی دوسرے ماتمی کو کڑا پہناتا ہے تو وہ کوفیوں کی سُنّت پر عمل کرتا ہے نہ کہ امام زین العابدین کی سُنّت پر۔ کاش یہ لوگ اتنی بات بھی سمجھ لیتے۔ بہرحال حضرت یعقوب علیہ السّلام کے بارے میں قرآن مجید میں جتنی آیات مذکور ہیں اُن میں تو اس ماتم کا نام ونشان تک موجود نہیں، جس کو "فلاحُ الکونین" کے مصنّف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اہلِ تشیّع کے مجتہد محقق شیخ طبرسی کی تفسیر سے بھی ثابت کر دیا گیا ہے کہ صبر وہ ہے جس میں جزع نہ ہو، اور حضرت یعقوب علیہ السّلام نے تو زبان سے بھی لوگوں کے سامنے اپنے غم کا اظہار نہیں کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کے قصّہ سے غلط استدلال کرنے کے علاوہ دلیل اوّل کی بحث میں مصنّف صاحب موصوف نے بعض اور روایات بھی پیش کی ہیں، جن کا جواب ہمارے مذکورہ استدلالات و جوابات ہی سے اہلِ عقل وشعور سمجھ سکتے ہیں، لیکن اس خیال سے کہ آپ کہیں گے کہ ہماری پیش کردہ روایات کا جواب نہیں دیا، اُن کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیتا ہوں۔

پہلی روایت شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی کی کتاب "جذب القلوب الیٰ دیار الحبیب" سے ایک روایت پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کھانا تناول فرمانے کے بعد سجدہ میں پڑ گئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت حسینؓ نے عرض کیا کہ، حضور اس سے پہلے آپ کی ایسی حالت نہیں دیکھی تو فرمایا کہ "اے فرزند آج میں تیرے حال کو دیکھ کر اس قدر مسرور ہوا کہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ ناگاہ جبرائیل علیہ السّلام نے خداوندِ عالم کی طرف سے آکر یہ خبر دی کہ میری اُمّت تجھ کو بحالتِ غربت اور کربت شہید کرے گی"۔ (فلاح الکونین ص۱۹) یہاں ترجمہ میں مصنّف نے کربت کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے حالانکہ اصل فارسی عبارت میں صرف یہ الفاظ ہیں: "اُمّتیانِ من ہر کدام شمار الغربت خواہند کُشت، دُعا کردم کہ اگر در دُنیا محن ومصائب بر سرِ شما در بارے عاقبت کارِ شما بخیر باشد"۔ (جذب القلوب فارسی ص۱۰) مصنّف صاحب نے "شہید کرے گی" تک ترجمہ لکھا اور بعد کی عبارت کا ترجمہ چھوڑ گئے جس کا معنی یہ ہے کہ: "میں نے دُعا کی ہے کہ اگر دنیا میں تمہارے سر پہ مصائب اور تکالیف نازل ہوں (تو ہوں) مگر آپ کا انجامِ کار بہتر ہو"۔ فرمائیے! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اِس ارشاد

کیا آپ کا مزعومہ ماتم ثابت ہوسکتا ہے ؟ اور شہادتِ حسینؓ کی خبر سے وقتی طور پر اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گریہ طاری ہوگیا تو یہ طبعی تأثر تھا۔ کیا آپ نے اس تصور کے تحت پھر ہر سال گریہ بھی کیا، چہ جائیکہ یہ ماتم ؟ :-

روایتِ دُوم

دوسری روایت میں آپ نے ملا حسین واعظ کاشفی کی کتاب "روضۃ الشہداء" کی مندرجہ ذیل روایت کے آخری الفاظ کا یہ ترجمہ پیش کیا ہے کہ :- اُمّ الفضل زوجہ حضرت عباس بیان کرتی ہیں، آنحضرتؐ نے فرمایا اے فاطمہ! یہ حادثہ حسین کے بچپن میں نہ ہوگا بلکہ اُس وقت ہوگا جبکہ نہ مَیں ہونگا نہ تم ہوگی نہ علی ہوں گے اور نہ حسن۔ یہ سن کر جناب سیّدہ فاطمہ بے حد بیتاب ہوئیں اور کہا اے مظلوم پسر! اے بیکس فرزند! جبکہ اُس وقت تیرے جدّ و پدر، مادر و برادر نہ ہوں گے، تو کون ہوگا جو اُس وقت تیری مصیبت کی تعزیت بجا لائیگا، راوی کہتا ہے کہ ہاتف نے آواز دی۔ حُسین کا ماتم مصیبت زدگانِ اُمت قیامت تک برپا رکھیں گے اور ہر سال جب وہ وقت آئے گا، جس میں حُسین شہید ہوں گے تو وہ لوگ تعزیتِ حسین کو تازہ کیا کریں گے اور شرطِ مصیبت کو بجا لایا کریں گے "۔

(فلاحُ الکونین ص۲)

الجواب

(ا) "روضۃ الشہداء" اِس وقت میرے پاس موجود ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مصنف ملا حسین واعظ کاشفی شیعہ ہیں اور اگر انہوں نے کہیں اپنا اہل سنت ہونا ظاہر کیا ہے تو وہ تقیہ پر مبنی ہے کیونکہ اس کتاب میں انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر امام مہدی تک بارہ اماموں کا ذکر شیعہ عقائد کے مطابق ہی کیا ہے۔ چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق لکھا ہے :- درشواہد النبوۃ آوردہ کہ امیرالمومنین علی امام اوّل است از ائمہ اثناعشر یعنی حضرت علی بارہ اماموں میں سے امامِ اوّل ہیں اور ص۲۴۲ پر امام حسنؓ کے متعلق لکھا ہے :- وے امامِ دوم است از ائمہ اثناعشر یعنی امام حسنؓ دوسرے امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور آخر میں ص۳۲۶ پر حضرت امام مہدی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ بارھویں امام ہیں اور ۲۳ رمضان ۲۵۸ھ کو (غار) سّر من رائی میں وہ پیدا ہوچکے ہیں اور پھر آپ غائب ہوگئے ہیں۔ حالانکہ اہل سنت کے عقیدہ میں امام و خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق ہیں، اور جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضرت مہدی قُربِ قیامت میں پیدا ہوں گے، ابھی تک پیدا نہیں ہوئے (ب) مندرجہ روایت بھی ماتمی ذہنیت کی من گھڑت ہے کہ ہاتف نے آواز دی کہ حُسین کا ماتم مصیبت زدگانِ امت قیامت تک برپا رکھیں گے، اور تعجب ہے کہ مصنف "فلاح الکونین" اس روایتِ ماتم کو دلیل نمبر اوّل

کی بحث میں لائے ہیں۔ جس میں پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حسب تفاسیر شیعہ زبان سے اظہار غم اور جزع صبر کے خلاف ہے۔ انشاء اللہ العزیز لفظ جزع کا مفہوم اور اس کی تشریح فروع الکافی کی احادیث مرویہ ائمہ اہل بیت کی بحث میں بیان کی جائے گی (ج) مندرجہ روایت میں تعزیت کا لفظ ہے جس کا لغوی اور شرعی معنی مصیبت زدہ کو صبر دلانا ہے، نہ کہ مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا، تو اس سے بھی مروّجہ ماتم ثابت نہیں ہوتا۔ (د) خود ملا حسین واعظ کاشفی نے کتاب کی ابتداء میں آیت فبشر الصابرین کے تحت یہ لکھ دیا ہے کہ :۔ "بشارت دہ صبر کنندگان راکہ دریں بلیات طریقہ شکیبائی پیش آرند و رسومِ جزع و فزع و شکایت فرو گذارند" (ص۲) (اور آپ بشارت دیدیں صبر کرنے والوں کو جو کہ ان مصیبتوں میں صبر کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور جزع، فزع اور شکایت کی رسموں سے باز رہتے ہیں)۔

فرمائیے! میر واعظ کاشفی نے بھی آیت صبر سے آپ کے ماتم جزع فزع کی تردید کر دی اور آپ کو اس کے حوالے سے بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ علاوہ ازیں حضرت حسین کی شہادت کے متعلق پیشگوئی پر مبنی جو بعض روایات پیش کی ہیں ان میں بھی کہیں مُنہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کا نام و نشان نہیں ملتا، نہ ہی کسی سے یہ ثابت ہے کہ اس قسم کی پیشگوئیوں کے بعد پھر ہر سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنے والے مصائب حسین کے تصوّر میں کبھی سال میں مجالس ماتم بپا کی ہیں، تو پھر ایسی روایات سے آپ کا مروّجہ ماتم کیسے ثابت ہو گیا، اور حضرت حمزہ شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ماتم کے متعلق آپ نے جو استیعاب اور سیرت النبی وغیرہ کا حوالہ دیا ہے اس کی مستقل بحث انشاء اللہ تعالیٰ دلیل نمبر ۱۰ کے تحت آرہی ہے۔ وہاں آپ کے علم و فہم کی حیثیت معلوم ہو جائے گی۔

بحث دلیل نمبر ۲

آیت وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (پ ۷، ع ۱) ماتمی ٹریکٹ میں اس کا ترجمہ یہ لکھا گیا تھا :۔ "اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو رسول کی طرف اتارا گیا۔ تو تم دیکھتے ہو کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔" مَیں نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ (۱) "یہ آیت ان عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو ملکِ حبشہ سے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ شریف پہنچے تھے اور جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے انہوں نے قرآن مجید سُنا تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔" یہاں تو صرف آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کا ذکر ہے اور وہ بھی قرآن سننے پر، اِس کو تمہارے ماتم سے کیا تعلق ہے؟ (۲) اگر ماتمیوں کے

نزدیک اس آیت کا مطلب ماتم کرنا ہے تو پھر قرآن سننے پر ماتم کیوں نہیں کرتے ؟ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ عطا فرمائے ماتم کیوں نہیں کرتے ص۸) اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ :۔ "آپ کے خیال میں مذکورہ بالا آیت مجیدہ اُن عیسائیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو حبشہ سے حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرآن سُن کر مسلمان ہوئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سیاسی جوڑ توڑ اور اقتدار کی بھاگ دوڑ سے آپ کو اتنی فرصت ہی نصیب نہیں ہوتی کہ آپ کتبِ تفاسیر و تواریخ کا مطالعہ کریں۔ آپ کی تفسیر قرآن سے بے خبری کی بین دلیل ہے کہ آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ آیت شریفہ ان لوگوں کے لیے اتری ہے جو حضرت جعفر کے ساتھ مدینہ میں پہنچ کر مسلمان ہوئے یا نجاشی شاہ حبش اور اس کے علماء کے حق میں نازل ہوئی ہے" اس کے بعد حضرت شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی کی تفسیر کا حوالہ پیش کیا ہے کہ ...... تب بادشاہ نے مسلمانوں کو بلوا کر پوچھا اور قرآن پڑھوا کر سنا۔ وہ اور اس کے علماء بہت روئے ...... اور یہ آیات ان کے حق میں نازل ہوئیں اگر آپ چاہیں تو دوسری تفاسیر و تواریخ سے اس کی تائید میں متعدد روایات پیش کی جاسکتی ہیں (فلاح الکونین ص۲۵)

الجواب (۱) آپ نے شاہ عبد القادر صاحب محدث دہلوی کا جو حوالہ پیش کیا ہے وہ صحیح ہے لیکن اس سے آپ نے یہ نتیجہ کیسے نکال لیا کہ میرا پیش کردہ واقعہ غلط ہے، اور شانِ نزول کے خلاف ہے آپ کو معلوم نہیں کہ مفسرین نے بھی دونوں باتیں لکھی ہیں۔ یعنی نجاشی بادشاہ کے دربار میں بھی قرآنی آیات سُن کر وہ اور اُس کے علماء روئے اور جب وہ عیسائی علماء مدینہ منورہ پہنچے تو دربارِ رسالت میں بھی آیات سُن کر رو پڑے، اور میں آپ کو دیگر تفاسیر پیش کرنے کی تکلیف نہیں دیتا بلکہ خود ہی اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیع کی عبارات پیش کر دیتا ہوں تاکہ آپ اپنی علمی تحقیق پر ماتم کرسکیں۔

تفاسیر اہلِ سُنّت (۱) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں :۔ اور اُن میں سے جنہوں نے حق قبول کر لیا تھا، وہ نجاشی بادشاہ اور اُن کے مصاحب ہیں کہ حبشہ میں بھی قرآن سُن کر روئے اور مسلمان ہو گئے۔ پھر تیس آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور قرآن سن کر روئے اور اسلام قبول کیا۔ اس موقعہ پر آیت کا نزول ہوا (تفسیر بیان القرآن)

(۲) تفسیر خازن میں ہے :۔ ودوا فی مع جعفر سبعون رجلا علیہم الثیاب الصوف منھم اثنان وستون رجلا من الحبشہ

وثمانية من الشام فقرأ عليهم رسول الله صلی الله علیه وسلم سورة یٰس الیٰ آخرھا فبکی القوم حین سمعوا القرآن وآمنوا :- "اور حضرت جعفر کے ساتھ ستر آدمی آئے جو صوف کے کپڑے پہنے ہوئے تھے ان میں باسٹھ حبشہ کے آدمی تھے اور آٹھ شام کے تھے۔ پس اُن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری سورہ یٰس پڑھی پس وہ قرآن سن کر رو دئے اور ایمان لے آئے"۔

(۳) حافظ عماد الدین محدث لکھتے ہیں :- قال سعید بن جبیر والسدی وغیرهما نزلت فی وفد بعثهم النجاشی الی النبی صلی الله علیه وسلم لیسمعوا کلامه ویروا صفاته فلما رأوه وقرأ علیهم القرآن اسلموا وبکوا (تفسیر ابن کثیر)

"سعید بن جبیر اور سدی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئیں جن کو نجاشی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ آپ کی باتیں سُنیں اور آپ کی صفات دیکھیں۔ پس جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ نے ان کو قرآن پڑھ کر سُنایا تو وہ مسلمان ہوگئے اور رونے لگے"

(۴) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں :- "انجام کار ہجرت کے کئی سال بعد ایک وفد جو ستر نو مسلم عیسائیوں پر مشتمل تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں روانہ کیا، یہ لوگ جب مدینہ پہنچے اور قرآن کریم کے سماع سے لطف اندوز ہوئے تو کلامِ الٰہی سُن کر وقفِ گریہ و بُکا ہوگئے۔ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر ربنا آمنا الخ یہ کلمات جاری تھے"۔

تفاسیرِ شیعہ

شیعی مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے تفسیر قمی کے حوالہ سے ہجرتِ حبشہ اور شاہ نجاشی کے تحائف بھیجنے کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :- "اور تیس اشخاص علمائے مذہب عیسوی بھیجے اور اُن سے یہ کہہ دیا کہ آنحضرت کی ہر بات کو غور سے دیکھیں۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو آنحضرت نے دینِ اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید پڑھ کر سُنا۔ جو آیت آنحضرت نے سُنائی وہ یہ تھی :- اذ قال الله یٰعیسیٰ بن مریم سے ان هذا الا سحر مبین تک۔ وہ عُلماء یہ سُن کر رو پڑے اور ایمان لے آئے۔ نجاشی کے پاس واپس گئے، آنحضرت کی اس کو خبر سُنائی اور جو کلام خُدا سُنا تھا وہ بھی جا کر سُنایا۔ نجاشی بھی وہ کلام سُن کر رو دیا اور وہ علماء پھر روئے، نجاشی نے اسلام قبول کر لیا"۔

(۲) شیعہ مفسر مولوی فرمان علی صاحب لکھتے ہیں :- "یہ آیت حبشہ کے نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ

جب حضرت جعفر طیّار وغیرہ ہجرت کرکے حبشہ پہنچے تو نجاشی بادشاہ حبشہ وغیرہ نے قرآن کو سُنا اور معجزات کو سماعت کرکے ایمان لائے۔ حضرت جعفر نے وہاں سے مراجعت کی تو نجاشی نے ستّر علمار اُن کے ساتھ کئے اور جب یہ حضرت رسولِ اکرم کے پاس پہنچے تو آپ نے اُن کے سامنے سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی۔ وہ علمار سُن کر بہت روئے اور ایمان لائے اور کہنے لگے کہ قرآن کس قدر انجیل کے مشابہ ہے")۔

(۳) شیعہ مجتہد مفسّر شیخ طبرسی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ فقرأ علیھم رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سورۃ یٰسٓ الیٰ اٰخرھا فبکوا حین سمعوا القراٰن و اٰمنوا (پس اُن پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ساری سورۂ یٰسٓ تلاوت فرمائی۔ پس جب انہوں نے قرآن سُنا تو روئے اور ایمان لے آئے" (تفسیر مجمع البیان)

(۴) امام حسن عسکری کے معاصر شیخ قمی لکھتے ہیں:۔ فلما وافوا المدینۃ دعاھم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ واٰلہ وسلّم الی الاسلام وقرأ علیھم القراٰن واذ قال اللّٰہ یٰعیسی بن مریم ...... اِنْ ھٰذا اِلّا سحرٌ مبینٌ:۔ فلمّا سمعوا ذٰلک من رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ واٰلہ بکوا واٰمنوا ورجعوا الی النجاشی فاخبروہ خبر رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ واٰلہ وقرأوا علیھم ماقرأ علیھم فبکی النجاشی وبکی القسیسون الخ" (یعنی جب وہ لوگ مدینہ پہنچے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کو قرآن کی یہ آیات پڑھ کر سنائیں (واذ قال اللّٰہ یاعیسی بن مریم الخ) پس جب انہوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ آیات سنیں، روئے اور ایمان لے آئے اور نجاشی کی طرف واپس جاکر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حالات سنائے اور اس کو وہی آیات پڑھ سنائیں جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کو سنائی تھیں۔ پس نجاشی رو پڑا اور عیسائی علمار بھی روئے")۔

آیت زیر بحث کے شانِ نزول میں چار سُنّی اور چار شیعہ مفسّرین کی عبارتیں یہاں درج کردی گئی ہیں۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ ان سے میری عبارت کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ اور تفاسیر سے کون ناواقف ہے آپ یا مَیں؟ (ب) آپ نے جو سیاسی جوڑ توڑ کا الزام لگایا ہے، یہ محض آپ کا افترار ہے۔ ہاں اگر آپ اس امر کو سیاسی جوڑ توڑ سمجھتے ہیں کہ تحریک خُدّام اہلِ سُنّت والجماعت، عوام اہلِ سُنّت کو اُن کا مذہب حق سمجھا رہی ہے اور اُن کو متحد و منظم کرنے کے لیے کوشاں ہے اور اس جماعت کی جدّ و جہد سے سوادِ اعظم کے متفقہ "سُنّی مطالبات" ملک میں پھیل رہے ہیں اور سُنّی کانفرنسوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے اور اس سے آپ کو پریشانیاں لاحق ہیں، تو مَیں اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ مَیں بھی اہلِ سُنّت

کے ایک خادم کی حیثیت سے اس تحریک میں شامل ہوں، اور میرے ہی مؤلفہ رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے"
نے ماتمی دنیا میں ہلچل مچادی ہے، تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں — جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

(۲) آپ فرماتے ہیں کہ:- آنکھوں سے آنسوؤں کا جاری ہونا رونا نہیں تو پھر آپ ہی بتائیں رونا اور ہے کیا؟ - قرآن کلامِ حق ہے اور شہادتِ حسین بھی حق ہے۔ جس طرح اہل ایمان کلام حق کو سُن کر بھی متاثر ہوتے ہیں اور ان کی آنکھیں آنسو اُبلتی ہیں، اسی طرح ذکرِ شہادتِ حُسین کو سُن کر اہلِ حق کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اب خود ہی سوچ لیں کہ اس آیت کا ہمارے ماتم سے کیا تعلق ہے؟ ..... ہم جیسے تذکرہ شہادتِ حُسین کو سُن کر ماتم کرتے ہیں، یونہی کلامِ مجید جو کلامِ حق ہے، کو سُن کر بھی متاثر ہوتے ہیں اور روتے ہیں الخ (فلاح الکونین ص۲۶)

الجواب

(۱) میرا سوال تو یہ تھا کہ مذکورہ آیت سے شیعوں کا ماتم کیسے ثابت ہوگیا؟ کیا اس کا آپ ثبوت پیش کرسکتے ہیں؟ آنکھوں سے آنسو جاری ہونے کو تو ماتم نہیں کہتے۔ ماتم کا مظاہرہ تو کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ (ب) اگر آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا ہی (جسے گریہ و بُکا کہتے ہیں) ماتم ہے تو فرمائیے قرآن کے لیے آپ نے کتنے ماتمی جلوس نکالے ہیں؟ - آپ کی ماتمی ذہنیت کا تقاضا تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ جس دن نجاشی شاہِ حبشہ اور اُس کے عُلماء قرآنی آیات سُن کر روئے تو پھر ہر سال رونے اور ماتم کی مجالس قائم کی جائیں۔ علاوہ ازیں میری تحریر کردہ شانِ نزول پر جو آپ نے اعتراض کیا ہے اس میں آپ ایک دوسرے پہلو سے بھی چُوک گئے ہیں۔ کیونکہ اگر نجاشی کے دربار میں عیسائی عُلماء قرآن سُن کر روئے تھے تو پھر وہ مدینہ منوّرہ میں بھی ضرور روتے اور جہاں جاتے رونے کی مجالس قائم کرتے کیونکہ آپ وقتی تاثر کو دوامی مانتے ہیں۔ باقی رہا ماتمیوں کا قرآن کی تلاوت میں بھی رونا تو اُن کے لیے یہ تاثر تو بہت مشکل ہے یہ محض آپ کا تکلف ہے۔ تلاوتِ قرآن کی اُن کو کیا حاجت جب کہ ماتمِ حُسین میں ہی اُن کو جنّت مل جاتی ہے، اور اگر بالفرض کوئی ماتمی قرآن سُن کر بھی روتا ہے تو فرمائیے کیا شیعہ فرقہ اس کو بھی ماتم سے تعبیر کرتا ہے یعنی فلاں ذاکر قرآن پڑھتے ہوئے ماتم کر رہا ہے؟ (ج) اگر کسی حق کی بات کو سُن کر رونا لازمی ہے اور یہی ماتم ہے تو فرمائیے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشادات و اعمال سب حق ہیں، آپ کے معجزات و کمالات سب حق ہیں۔ کیا اُن کے بیان پر بھی ماتمی روتے ہیں؟ اور سینہ کوبی میں مشغول ہوجاتے ہیں؟

اور پھر قرآن مجید الحمد سے لے کر و الناس تک سب کلام حق ہے، پھر ہر آیت کو پڑھ سُن کر بھی رونا لازمی ہوگا اور یہی آپ کا ماتم ہوگا۔ کچھ تو ہوش و حواس قائم کرکے استدلال پیش کیا کیجئے، لیکن ماتم کے گنبد میں بیٹھ کر کھنے میں سوائے ماتم کے اور کیا سُوجھتا ہوگا؛ جس ماتم کے سُنّت اور عبادت ہونے کے آپ مدّعی ہیں آپ کو اور مذہب تشیّع کے جملہ مجتہدین کو ہمیشہ کے لیے مہلت ہے کہ قرآن کی کسی آیت سے اس کا ثبوت پیش کر دیں؛ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ٥۔

زیرِ بحث ماتم

کسی مصیبت پر دل میں غم لاحق ہونا، یا آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا (جسے گریہ و بکا کہتے ہیں) اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ جائز ہے، بلکہ آدمی کو انتہائی خوشی میں بھی رونا آجاتا ہے اور بھی اس کے کئی وجوہ ہوسکتے ہیں لیکن یہ مسئلہ زیرِ بحث نہیں ہے، بلکہ زیرِ بحث مسئلہ آپ کا تجویز کردہ ماتم ہے۔ اسی بنا پر میں نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کے صفحہ میں مروّجہ ماتم کے عنوان کے تحت یہ لکھا تھا کہ: "جگر گوشۂ بتول، نواسۂ رسول، جوانانِ جنّت کے سردار حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادتِ کربلا کی بنیاد پر ہر سال ماتمی ٹولہ جس طرح مجلسِ ماتم بپا کرتا ہے، اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے:۔ سیاہ کپڑے پہننا، زبان سے ہائے حُسین ہائے حسین کہتے ہوئے مُنہ پیٹنا، سینہ کوبی کرنا، زنجیروں اور چھریوں سے اپنے سینوں کو لہولہان کرنا اور جو ان زخموں کی تاب نہ لا کر مر جائے اس کو شہید قرار دینا) تابوت، تعزیہ اور دُلدُل (ذو الجناح) کا جلوس نکالنا وغیرہ۔ اس قسم کے مروّجہ ماتم کو عبادت ماننے والوں پر تو یہ لازم تھا کہ قرآن شریف، حدیث شریف، سیرتِ انبیاء اور سیرتِ اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ماتم کی مروّجہ شکل و صورت کو ثابت کرتے لیکن جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ان سے تو یہ ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا۔" اس لئے قارئین حضرات سے گذارش ہے کہ وہ پہلے بحث کا موضوع اچھی طرح ذہن نشین کرلیں اور پھر دیکھیں کہ "فلاح الکونین" کے مصنف اس ماتم کے سُنّت اور عبادت ہونے میں کوئی صحیح، ٹھوس اور محکم دلیل پیش کرسکے ہیں یا نہیں۔ جہاں کہیں کسی کتاب میں گریہ اور بکاء کا لفظ آتا ہے اس کو پیش کر دیتے ہیں یا کوئی خواب ذکر کر دیتے ہیں یا اپنا ماتمی فلسفہ بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن ان امور کو دلائل شرعیہ کے ساتھ کیا تعلق ہے جن سے ماتم مروّجہ کا عبادت ہونا ثابت کیا جاسکے۔

بحث دلیل نمبر۳

آیت فما بکت علیهم السمآء والارض وما کانوا منظرین (سورۃ الدخان آیت ۲۹) ماتمی ٹریکٹ میں یہ لکھا گیا تھا کہ :- اس موقعہ کی جب فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوگیا تو ارشاد ہوتا ہے :- نہ اُن پر آسمان رویا نہ زمین نے گریہ کیا اور نہ انہیں اللہ کی طرف سے مہلت دی گئی۔" اس سے ثابت ہوا کہ قرآنی نقطۂ نظر سے بد اعمالی کا تقاضا یہ ہے کہ بد اعمالی پر نہ رویا جائے۔ اس کے مقابل جو حُسنِ عمل رکھتے ہوں وہ مستحقِ گریہ ہیں۔" اس کا جواب میں نے رسالہ" ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ لکھا تھا کہ (۱) اس آیت میں شہادت کا ذکر ہے نہ ماتم کا، تو اس سے مروجہ ماتم کیسے ثابت ہوگیا۔ (۲) اس آیت میں کوئی حکم نہیں ہے کہ نیک لوگوں پر رونا چاہیئے۔ (۳) کیا ماتمی لوگ زمین و آسمان کے مذہب کے پیرو ہیں۔ (۴) اگر اللہ کے مقبول اور صالح بندے مستحقِ گریہ ہیں تو پھر حضرت امام حسن اور دیگر صلحائے اُمّت کی وفات پر ہر سال کیوں گریہ و ماتم کی مجلس بپا نہیں کرتے؟ (صفـ)

اس کے جواب الجواب میں آپ لکھتے ہیں کہ :- آیت مذکورہ اس قوم کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے غضب میں آچکی تھی لہذا اُن پر نہ زمین روئی نہ آسمان۔ آیت مجیدہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ زمین و آسمان میں رونے کی صلاحیت ہے۔ فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بدعمل اور کافر تھے لہذا اُن پر زمین و آسمان نہ روئے اس کے برعکس نیک اعمال اور خاصانِ خدا پر ضرور رونا چاہیئے، ورنہ رونے کی صلاحیّت نہ ثابت ہوسکے گی۔ مشکوٰۃ شریف فصل ۲ صـ۹۷۔ ہر مومن کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں، ایک وہ جس سے اُس کا عمل اوپر جاتا ہے اور ایک وہ جس سے اس کا رزق نیچے اُترتا ہے۔ قالوا اذا مات بکیا علیه۔ یہ ہے قولِ خدا، نہ رویا اُن پر آسمان و زمین، یعنی بروں پر نہیں روئے، اچھوں پر ضرور روتے ہیں۔ شاہ عبد القادر محدث دہلوی اپنے ترجمہ قرآن مجید موضح القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :" مسلمان کے مرنے پر روتا ہے دروازہ آسمان کا، جس سے اُس کی روزی اُترتی ہے اور زمین جہاں وہ نماز پڑھتا ہے۔" تاریخ کامل ابن اثیر جزری جلد ۴ صـ۱۳۷ پر ہے کہ "واقعۂ کربلا کے بعد دو تین مہینے تک طلوعِ آفتاب کے وقت سے دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں۔" (فلاح الکونین صـ۲۷/۲۸) اس کے بعد آپ نے "سِرّ الشہادتین" (حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی) اور اس کی شرح "تحریر الشہادتین" سے کچھ واقعات خوارقِ عادت نقل کئے ہیں جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد رُونما ہوئے۔

الجواب مشکوٰۃ شریف اور موضح القرآن سے آپ نے جو عبارتیں نقل کی ہیں ان سے آپ کا ماتم کیسے ثابت ہوگیا؟ ان سے تو صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ نیک بندوں کی وفات کے بعد ان کے اعمال صالحہ ادا کرنے کی جگہ اور آسمان میں وہ دروازہ روتا ہے جہاں اس کے لیے رزق اترتا تھا اور جہاں سے اس کے نیک اعمال اوپر چڑھتے تھے، تو اس رونے کا سبب بھی حدیث میں بتا دیا گیا ہے یعنی اعمالِ خیر سے اُن جگہوں کا تعلق منقطع ہو جانا، نہ یہ کہ زمین و آسمان اس نیک آدمی کی مظلومیّت اور مصیبت کی وجہ سے روتے ہیں۔ جو آپ کے ماتم کی بنیاد ہے، اور روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ زمین مومنین پر چالیس دن تک روتی ہے (تفسیر ابن کثیر وغیرہ)

فرمایئے! آیت میں تو صرف بکار کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے رونا، اس سے منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا وغیرہ کیسے ثابت ہوگیا؟ (ب) یہ بھی زمین و آسمان کے متعلق مذکور ہے، ورنہ اگر بندوں کے لیے بھی یہ کوئی شرعی حکم ہوتا تو قرآن و حدیث میں ضرور اس کا حکم آجاتا، کہ مومنین صالحین کی وفات پر ضرور رونا چاہیئے۔ (ج) آپ زمین و آسمان کی سُنّت کے پابند ہیں یا رحمۃ للعالمین، خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سُنّتِ طیّبہ کے؟۔ زمین سے جو چیز نکلے اور اور آسمان سے جو چیز گرے کیا وہ آپ کے لئے سُنّت بن جائے گی؟ (د) اگر آسمان کے رونے کو خون بہانا لازم ہے تو پھر تمام نیک بندوں کی وفات پر آسمان کو خون بہانا چاہیئے۔ دوسرے شہداء کی اور حضرتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی اس میں کیا خصوصیّت باقی رہ جاتی ہے، اور اگر آیت کے پیشِ نظر آپ اپنی صلاحیّت و استعداد کے ماتحت روتے ہیں اور زیادہ صلاحیّت کا تقاضا منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا ہی ہے، تو پھر نبیِّ کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم بھی تو ہر مومن صالح کی وفات پر نعوذ باللہ ایسا کرتے اور پھر حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسن اور حضرت حُسین وغیرہ سب ائمۂ کرام ہر ہر مومن کی وفات پر سینہ کوبی کرتے، اور اگر آپ اپنے عقیدہ کے تحت دوسرے صحابہ کرام کو مومن نہیں سمجھتے تو کم از کم حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کی وفات پر تو یہ ائمۂ اسلام اپنی اپنی صلاحیّت کے مطابق مجالسِ ماتم بپا کرتے، اور اب تک ان تینوں صحابہ کا تو ماتم ضرور منایا جاتا۔ جب ایسا نہیں ہوا، تو معلوم ہوا کہ آپ کا اپنے مروجہ ماتم پر اس آیت سے استدلال کرنا محض بے بنیاد اور باطل ہے۔

رِوایاتِ عجیبہ آپ نے تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۷، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث

دہلوی کی کتاب "سر الشّہادتینؔ" سے جو روایات پیش کی ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد آسمان سے خون برسا اور زمین سے بھی خون پھوٹا۔ تو اگر یہ روایات صحیح ہیں تو بھی ان سے آپ کا ماتم تو کسی طرح ثابت نہیں ہوتا۔ اس قسم کے واقعات کو خوارق کہا جاتا ہے جو خلافِ عادت ظاہر ہو جائیں، اور "تحریر الشّہادتین" سے جو روایات آپ نے لکھی ہیں، وہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث کی نہیں بلکہ وہ کتاب کی شرح لکھنے والے نے درج کی ہیں، اور اُن سے بھی ماتم ثابت نہیں ہوتا بلکہ انہوں نے باوجود ان روایات کے درج کرنے کے یہ لکھا ہے کہ:۔ نوحہ جنیاں و بکاء ایشاں عبارت است از گریستن بفریاد و فغاں فقط، نہ آں نوحہ ممنوع کہ معمول و مرسوم مبتدعانِ ایں زمان است کہ در کتبِ صحاح در روایاتِ معتمدہ ممانعت شدید و زجر و منع و وعید براں ثابت و متحتم، پس عبارتِ متن رسالہ شریفہ را محمول بر سند بدعت ساختن خود را در بادیۂ ضلالت انداختن است الخ (تحریر الشّہادتین ص۱۷)۔" اور جنوں کے نوحہ اور گریہ کا مطلب اُن کا فریاد و فغاں کے ساتھ رونا ہے، نہ کہ وہ ممنوع نوحہ کہ اس زمانہ کے بدعتیوں (یعنی شیعوں) کا رسم و رواج ہے کیونکہ صحیح احادیث کی کتابوں میں اور قابلِ اعتماد روایات میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے اور اس پر سخت عذاب ہونے کی خبر ثابت اور یقینی ہے۔ اس لئے رسالہ شریفہ (یعنی سر الشّہادتین) کے متن (اصل عبارت) کو اپنی بدعت کے لئے سند بنانا اپنے آپ کو گمراہی کے گڑھے میں گرانا ہے۔" فرمائیے! آپ ان عبارات سے جو فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، خود مصنّف "تحریر الشّہادتین" نے ہی اُس کی تردید کر دی۔

۱؎ "سر الشّہادتین" ایک غیر معروف کتاب ہے جو حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی طرف منسوب ہے، لیکن اس میں بھی کلام ہے کیونکہ اس میں بعض ایسی روایات درج کی گئی ہیں جو ماتمی ذہنیت کی پیداوار ہیں اور جن کی حافظ ابن کثیر محدث نے تردید کر دی ہے، جس کا حوالہ آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔ لہٰذا یہ یقین نہیں آتا کہ تحفہ اثنا عشریہ کے مصنّف، حضرت شاہ عبد العزیز جیسے محقق محدث ان روایات کو قابلِ اعتماد سمجھ کر اپنی تصنیف میں شامل کریں۔ علاوہ ازیں اور بھی متعدد وجوہات ہیں جن کی بنا پر یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ "سر الشّہادتین" حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیف نہیں، اور حضرت شاہ صاحب کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا ہے، جس کے متعلق آپ نے تحفہ اثنا عشریہ میں یہ تصریح کر دی ہے کہ بعض کتابیں شیعہ علماء خود تصنیف کرتے ہیں اور پھر ان کو کسی سنّی عالم کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ کتاب "سر الشہادتین" کو اب شیعوں کے ادارہ "علوم آلِ محمّد" نے بھی شائع کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

آسمان کی سُرخی اس کے بعد "فلاح الکونین" کے مصنّف آسمان کی سُرخی (یعنی شفق) کے بارے میں لکھتے ہیں :- علامہ سبط ابن جوزی "تذکرۃ الخواص" میں لکھتے ہیں کہ اس سرخی کی حکمت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو غصّہ آتا ہے تو ہمارا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے، مگر خدا کا چہرہ نہیں لہذا اس نے اپنے غصّے کو جو اس کو امام حسین کے قتل سے ہوا تھا، اس طرح ظاہر کیا کہ آسمان کے کناروں کو سُرخ کردیا تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہوجائے کہ واقعۂ کربلا کس قدر عظیم حادثہ ہے الخ۔

الجواب (۱) علامہ سبط ابن جوزی شیعہ ہیں، جن کی عبارت آپ نے "تذکرۃ الخواص" سے نقل کی ہے، اور اُن کا شیعہ ہونا اُن کے اس عقیدہ سے بھی ثابت ہے جو اسی "تذکرۃ الخواص" میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ :- قلت ومن شرط الامام ان یکون معصوماً لئلا یقع فی الخطأ الخ (ص ۳۸ مطبوعہ نجف اشرف) :- "اور میں کہتا ہوں کہ امام کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ وہ معصوم ہو تاکہ کسی خطا میں نہ پڑجائے۔" حالانکہ اہلِ سُنّت کا یہ عقیدہ ہے کہ سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں ہے البتہ محفوظ ہوسکتے ہیں، اور معصوم وہ ہے جس سے کسی قسم کا گناہ ہو ہی نہیں سکتا، اور محفوظ وہ ہے جس سے گناہ صادر تو ہوسکتا ہے لیکن اللہ کا فضل شاملِ حال ہوجائے تو اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو اور سبط ابن جوزی موصوف کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام مہدی پیدا ہوچکے ہیں۔ حالانکہ جمہور اہلِ سنّت کا یہ عقیدہ ہے کہ ابھی آپ پیدا نہیں ہوئے البتہ قربِ قیامت میں پیدا ہوں گے۔ (ب) اور یہ بھی تعجب خیز بات ہے کہ سبط ابن جوزی نے باوجود شیعہ ہونے کے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب میں بھی کتاب لکھی ہے۔ اور اس قسم کی تصانیف سے بعض کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ سُنّی حنفی عالم تھے، حالانکہ یہ اُن کے تقیّہ کے کمالات پر مبنی ہے، اور کتنے شیعہ علماء ایسے ہیں جنھوں نے از رُوئے تقیّہ سنّی حنفی بن کر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی نے بھی اپنی لاجواب کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" میں شیعہ علماء کے بارے میں لکھا ہے کہ :- ایک کتاب بنائے اس کو کبرائے اہلِ سنّت (کے نام) پر لگاتے ہیں اس میں مطاعنِ صحابہ اور بطلانِ اہلِ سنّت درج کرتے ہیں، جیسے کتاب "سِرّ العالمین" کہ اس کو امام غزالیؒ کی طرف نسبت کرتے ہیں، اور بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور معتبرینِ اہلِ سنّت کا ہر ایک میں نام لگا دیا ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

قاضی نور اللہ شوستری کا اقرار

اور شیعہ علماء کی مبنی بر تقیہ تصانیف کا اقرار خود قاضی نور اللہ صاحب[1] شوستری نے بھی کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:-

صاحبانِ معرفت اور اصحابِ بصیرت کے دلہائے مصفا پر پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت امیر المؤمنین کی خلافت کے زمانے سے لے کر سلاطینِ صفویہ کے ظہور سلطنت تک اہلِ تشیع میں بلائے تقیہ کا ایسا زور رہا کہ اپنے مذہب کو بالکل ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنے اصول و فروع کی ترویج ہی ممکن تھی بلکہ علماء و فقہائے معتزلہ و اشاعرہ کے اصول و فروع پر ظاہر میں عمل رہا کرتا تھا، اس سبب سے مخالفین کے مختلف فرقوں نے تو اپنے بزرگوں کے حالات مشہور کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کیں اور بہت سی کتابیں اس فن میں تصنیف ہوئیں، لیکن علمائے شیعہ بسبب سالہاسال مظلوم اہل شعار رہنے کے گوشۂ تقیہ میں چھپے رہتے تھے اور اپنے کو شافعی یا حنفی ظاہر فرماتے تھے اس سبب سے اپنے اکابر کے حالات نہ لکھ سکے۔ بلکہ شہرت دنیا کیسا؟ چھپانے کی ضرورت تھی۔ صرف احادیثِ رسول اور اخبار ائمہ کے راویوں کے نام اور حالات میں کتابیں لکھی ہیں اور اپنے نفسل کو چھپانے کی غرض سے اجمال و اختصار سے کام لیا ہے۔ باوجود اس کے ان کتابوں سے اکثر کتابیں دشمنوں کے جلا دینے اور دھو ڈالنے سے مفقود ہو گئیں اور بہت سی کتابیں بادشاہان ظلمہ کے خوف سے زمین کی تہوں اور مکانات کے گوشوں میں چھپا دی گئیں، اور مرورِ زمانہ کے سبب سے دیمکوں کی نذر ہو گئیں الخ (مجالس المؤمنین قاضی نور اللہ شوستری صـ ۳)

فرمائیے! جب حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر صدیوں تک تقیہ کی بلا اہل تشیع پر اس قدر مسلط رہی ہے، تو ان کے مذہب اور اُن کی کتابوں پر کس طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے؛ تو یہ علامہ سبط ابن جوزی

---

[1] یہ قاضی نور اللہ شوستری گیارہویں ہجری میں ہوئے ہیں اور شیعہ فرقہ کے نزدیک وہ شہید ثالث کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی شخصیت کے متعلق "فلاح الکونین" پر تقریظ لکھنے والے علامہ محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ:- بہت بلند پایہ عالم، عظیم الشان متکلم فصیح البیان تھے۔ باوجود ناملائم حالات سے دوچار ہونے کے علمِ کلام میں بہت سی کتب جلیلہ تصنیف فرمائیں .... یہ بزرگوار اُن مظلوم علمائے شیعہ میں سے ہیں، جنھیں تشیع کے جرم میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ انہیں جہانگیر نے ملاؤں کے مطابق شہید کرایا۔ (احسن الفوائد صـ ۲۵)

• بھی ان ہی تقیہ باز شیعہ علماء میں سے ہیں جو سُنّی حنفی بن کر کتابیں لکھتے رہے، اسی لئے بعض محققین اہل سنت مثلاً حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان جلد ۶ صفحہ ۳۲۸ میں علامہ سبط ابن جوزی کے متعلق واضح کر دیا ہے کہ :- یہ بزرگ حنفیوں میں حنفی تھے، حنبلیوں میں حنبلی تھے اور شیعوں میں شیعہ تھے اور شیعوں کے لیے انہوں نے تصانیف مدوّن کی ہیں چنانچہ ایک کتاب جس کا نام "اعلام الخواص" بھی ہے اور اسی کتاب کو "تذکرۃ الخواص" کے نام سے اب شیعوں نے مطبع العلمیہ نجف اشرف سے شائع کیا ہے۔ یہ تصنیف بھی سبط مذکور کی ہے اور شیعہ مسلک کی تائید میں مدوّن کی ہے۔ اہل سنّت علماء خبردار رہیں الخ (بحوالہ کتاب حدیث ثقلین مؤلفہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدرس جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ)

مندرجہ روایات کی حیثیت :- حافظ ابن کثیر محدث لکھتے ہیں :- ولقد بالغ الشیعۃ فی یوم عاشوراء فوضعوا احادیث کثیرۃ کذباً فاحشاً من کون الشمس کسفت یومئذ حتی بدت النجوم ومایرفع یومئذ حجر الا وجد تحتہ دم وان ارجاء السماء احمرت وان الشمس کانت تطلع وشعاعھا کانہ الدم وصارت السماء کانھا علقۃ وان الکواکب ضرب بعضھا بعضاً وامطرت السماء دماً احمر وان الحمرۃ لم تکن فی السماء قبل یومئذ ونحو ذلک ..... وللشیعۃ والرافضۃ فی صفۃ مصرع الحسین کذب کثیر واخبار باطلۃ الخ (البدایہ والنہایۃ جلد ۸) :-

"اور تحقیق شیعوں نے یوم عاشورار کے بارے میں بہت مبالغہ کیا ہے اور انہوں نے بہت احادیث وضع کر لی ہیں جو فاحش جھوٹ ہیں مثلاً یہ کہ اُس دن سورج کو گرہن لگا، حتیٰ کہ ستارے ظاہر ہوگئے اور جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون نکلتا تھا اور آسمان کے کنارے سرخ ہوگئے اور آسمان سے خون کی بارش برسی، اور یہ سرخی آسمان پر اس دن سے پہلے نہیں تھی وغیرہ ..... اور شیعوں اور رافضیوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کے قتل کے بارے میں بہت جھوٹ بولا ہے اور باطل خبریں بنائی ہیں"

البتہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت حسین کے قاتلوں کو جو مختلف قسم کی سزائیں بطور عذاب دنیا میں ملی ہیں اس قسم کی روایت اکثر صحیح ہیں۔ علاوہ ازیں اپنی تفسیر میں بھی مذکورہ جھوٹی روایات درج کرنے کے بعد محدث ابن کثیر نے یہ لکھ دیا ہے کہ :- والظاھر انہ من سخف الشیعۃ وکذبھم لیعظم الامر ولا شک انہ عظیم ولکن الذی لم یفعلہ ھذا الذی اختلقوہ وکذبوہ وقد وقع ماھو اعظم من قتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولم یقع شیٔ

معاذ کردو گے ۔"(یعنی ظاہر یہ ہے کہ ایسی روایات شیعوں کے جھوٹ اور کم علمی پر مبنی ہیں تاکہ امرِ شہادتِ حسین کو عظیم کر کے دکھائیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ امر عظیم ہے لیکن انہوں نے جو روائتیں جھوٹی بنائی ہیں وہ یقینی نہیں ہیں۔ حالانکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے بھی بڑے واقعات رونما ہوئے ہیں اور اس قسم کے واقعات ظاہر نہیں ہوئے مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے جو حضرت حسین سے افضل ہیں، پھر حضرت عثمان مظلوم و محصور ہو کر شہید ہوئے، اور حضرت عمر ابنِ خطاب صبح کی نماز میں، محراب میں شہید کئے گئے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جو دنیا و آخرت میں سید البشر ہیں، جس دن وفات پائی اس قسم کے واقعات ظاہر نہیں ہوئے، اور جس دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی اور سورج کو گرہن لگا تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ وفاتِ ابراہیم کی وجہ سے ہوا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورج اور چاند کو کسی کی موت وحیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا۔" (تفسیر ابن کثیر)

آسمان کی شفق

اور علامہ سبط ابن الجوزی کی عبارت جو آپ نے "تذکرۃ الخواص" سے نقل کی ہے کہ :- آسمان کے کناروں کی سرخی شہادتِ حسین سے پہلے نہ تھی اور یہ اللہ تعالےٰ کے غضب کے ظہور کی ایک صورت ہے وغیرہ تو یہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے (۱) اللہ تعالےٰ نے سورۃ الانشقاق میں فرمایا :- فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ("پس قسم ہے شفق کی اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ ڈھانپ لیتی ہے" الخ (ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعی) یہاں پر اللہ تعالےٰ نے شفق کی قسم کھائی ہے اور شفق کے متعلق تفسیر قمی میں لکھا ہے :- والشفق الحمرة بعد غروب الشمس ("اور شفق وہ سرخی ہے جو غروب آفتاب کے بعد ہوتی ہے") تو کیا فرماتے ہیں مصنف "فلاح الکونین" اور شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین صاحب سرگودھوی مصنف "احسن الفوائد فی شرح العقائد" کہ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شفق کی قسم کھائی ہے تو اس وقت یہ شفق آسمان پر موجود تھی یا نہ ؟ (۲) قرآن کے بعد حدیث و سُنّت کا درجہ ہے۔ اور اہل سُنّت اور اہل تشیّع دونوں کی احادیث میں نمازِ مغرب کے وقت کے تعیّن میں شفق کا ذکر ہے (ل) چنانچہ اہل سنّت کی کتاب حدیث مشکوۃ شریف میں ہے :- وصلى المغرب قبل ان يغيب الشفق (بحوالہ صحیح مسلم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفق غا

ہونے سے پہلے مغرب کی نماز پڑھی (ب) اور شیعوں کی کتاب حدیث فروع الکافی جلد اوّل میں ہے :۔
اذا غابت الحمرۃ من ھذا الجانب یعنی من المشرق فقد غابت الشمس من شرق الارض وغربھا" فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے جب سرخی مشرق سے غائب ہو جاتی ہے تو سمجھو کہ سورج شرق وغیرہ زمین کے حصوں سے غائب ہو گیا" (الشافی ترجمہ فروع الکافی مؤلفہ ادیب اعظم) اس روایت سے معلوم ہوا کہ سرخی کے غائب ہونے کا تعلق سورج کے غروب ہونے سے ہے ۔ (ج) قال ابو عبد اللہ علیہ السلام ان اللہ خلق حجاباً من ظلمۃ مما یلی المشرق ووکل بہ ملکاً فاذا غابت الشمس اغترف ذالک الملک غرفۃ بیدہ ثم استقبل بھا المغرب یتبع الشفق ویخرج من بین یدیہ قلیلاً ویمضی فیوافی المغرب عند سقوط الشفق :۔" فرمایا ابو عبد اللہ علیہ السلام (یعنی امام جعفر صادق) نے کہ اللہ تعالےٰ نے تاریکیوں کے کچھ پردے مشرق سے متصل خلق فرمائے ہیں اور ان پر ایک فرشتہ کو معین کر دیا ہے جب سورج غائب ہوتا ہے، تو وہ اپنے ہاتھ سے اس تاریکی کے ایک پردے کو کھول دیتا ہے۔ پھر مغرب کی طرف آتا ہے اور شفق پیدا ہوتی ہے جو ہلکے ہلکے غائب ہو جاتی ہے اور سورج کے غروب کے بعد سرخی مغرب میں ہوتی ہے" (الشافی ترجمہ فروع الکافی جلد اوّل)

فرمائیے ! سُنّی اور شیعہ دونوں کی احادیث سے ثابت ہو گیا کہ غروبِ آفتاب کے بعد شفق (آسمان کی سرخی) نمودار ہوتی ہے اور یہ نمازِ مغرب کا وقت ہے اور ظاہر ہے کہ اوقاتِ نماز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے متعین فرمائے ہیں اور نماز پڑھی ہے ۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے وقت یہ شفق یعنی آسمان کے کناروں کی سرخی موجود تھی، علاوہ ازیں دوسری روایتِ شیعہ نے تو معاملہ صاف کر دیا کہ اس کام پر ایک فرشتہ مقرر ہے جو مغرب کی طرف آتا ہے تو مشرق میں سرخی پیدا ہوجاتی ہے ۔ لہذا یہ روایت قرآن وحدیث کے خلاف کتنے بڑے جھوٹ پر مبنی ہے کہ شفق آسمان پر پہلے نہ تھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ہی ظاہر ہوئی ہے ۔

خُدا کا غُصّہ

سبط ابن جوزی نے یہ لکھا ہے کہ :۔ اس سُرخی کی حکمت۔ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو غصّہ آتا ہے تو ہمارا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، مگر خدا کا چہرہ نہیں لہذا اُس نے

اپنے غصّے کو جو اس کو امام حسین علیہ السّلام کے قتل سے ہوا، اس طرح ظاہر کیا کہ آسمان کے کناروں کو سرخ کر دیا۔

الجواب (ا) سبحان اللہ! اس توجیہہ میں کس قدر اللہ تعالیٰ کی توہین ہے۔ انسان کے چہرے پر غصّہ کی حالت میں جو سرخی ظاہر ہوتی ہے وہ تو اس آگ کا ظہور ہے جو اس کے جسم کی ترکیب میں پنہاں ہے۔ کیا ماتمیوں کے نزدیک نعوذ باللہ ذاتِ خداوندی میں بھی کوئی آگ کا عنصر موجود ہے؟ (ب) پہلی قوموں پر بھی اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور مختلف صورتوں میں عذاب کا ظہور ہوا۔ کسی کو پانی کے سیلاب سے غرق کیا گیا، کسی پر پتھروں کی بارش ہوئی، کسی کو سخت تند و تیز آندھی سے ہلاک کیا گیا وغیرہ، تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے غصّہ کا ظہور سرخی کی شکل میں کیوں نہیں ہوا؟ (ج) خود رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پیشانی مبارک جنگِ اُحد میں زخمی ہوئی، دندان مبارک شہید ہوئے اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے جسمِ اطہر کے خون کے ایک قطرے کے مقابلے میں دنیائے تمام شہیدوں کا خون کوئی حیثیّت نہیں رکھتا۔ ستّر صحابہ کرام شہید ہوئے، حتّٰی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ناک، کان وغیرہ اعضاء کاٹ دیے گئے۔ ہندہ نے آپ کا سینہ چیرا اور کلیجہ نکال کر منہ میں چبایا کیا اس دن اللہ تعالیٰ کو کوئی غصّہ نہیں آیا تھا؟ پھر آسمان سے خون کیوں نہ برسا؟ سرخی کیوں نمودار نہیں ہوئی اور مصنّف نے حضرت حمزہ کے ماتم کی جو روایت یہاں مختصراً لکھی ہے، اس پر انشاء اللہ تعالیٰ دلیل نمبر ۱۰ کے تحت مفصّل بحث کی جائے گی۔

قصّہ حضرت ہابیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

(بحث دلیل نمبر ۴)

ماتمی ٹریکٹ میں دلیل نمبر ۴ کے تحت یہ لکھا تھا کہ:- حضرت آدم نے حضرت ہابیل کی شہادت پر مرثیہ پڑھا اور پڑھ کر خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رُلایا اور ہر سال جب وہ دن آتا اُس دن مرثیہ پڑھ کر خود روتے اور دوسروں کو رُلایا کرتے تھے (تفسیر ابن کثیر جلد دوم ص۶۷ مطبوعہ مصر)۔

اس کے جواب میں رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ لکھا گیا تھا کہ :- (۱) "ہابیل کی شہادت پر قرآن میں تو حضرت آدم کے رونے رُلانے کا ذکر تک نہیں ہے، باقی رہی تفسیر تو ابن کثیر میں بھی وہ عبارت نہیں ملتی جو اس پمفلٹ میں درج کی گئی ہے بلکہ تفسیر ابن کثیر میں تو اس کے برعکس یہ لکھا ہے کہ :- کہتے ہیں کہ اس صدمہ سے حضرت آدمؑ بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی- آخر فرشتوں نے اُن کے غم دُور ہونے اور ہنسی آنے کی دُعا کی" (تفسیر ابن کثیر مترجم جلد اوّل ص۱۸۶) فرمائیے! کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ ہر سال غم کی مجلس قائم کرتے تھے؟ یا یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے ان کے غم کو دُور کرنے کی دُعا کی تھی- اس سے معلوم ہوا کہ غم دور کرنا ضروری ہے، نہ کہ باقی رکھنا- (۲) حضرت آدمؑ نے نہ مُنہ پیٹا نہ سینہ کوبی کی، اور نہ کالے کپڑے پہنے- تو ماتمی لوگ یہ کام کر کے کس کی سُنّت کی پیروی کرتے ہیں؟ (۳) اگر تمھیں شہادتِ حُسینؓ کا غم ہے تو ساری عمر کے لیے ہنسنا اور خوشی کرنا چھوڑ دو"

اس کے جواب الجواب میں مصنّف "فلاحُ الکونین" لکھتے ہیں کہ :- تفسیر ابنِ کثیر میں وہ الفاظ جو پمفلٹ میں نقل کئے گئے ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السّلام کا ہابیل کی شہادت پر مرثیہ پڑھنا، خود رونا اور دوسروں کو رُلانا نہ ہوں گے، لیکن اتنا تو آپ نے بھی مان لیا کہ :- اس صدمہ سے حضرت آدمؑ بہت غمگین ہوئے اور سال تک انہیں ہنسی نہ آئی .... اگر آدم علی نبیّنا و علیہ السّلام مصروفِ گریہ و بُکا نہ ہوتے تو فرشتوں کو کیا پڑی تھی کہ وہ آپ کے لیے ہنسنے اور خوش ہونے کی دُعا کرتے- معلوم ہوا غمگین ہونے کا مطلب ہے رونا خوش ہونا یا واہ واہ کرنا نہیں" (ص۳۱)

الجواب (۱) اگر تفسیر ابنِ کثیر میں وہ الفاظ نہیں تو ماتمی ٹریکٹ میں جھوٹا حوالہ کیوں پیش کیا گیا تھا- ہاں! آپ کے لیے اس کا جواب آسان ہے کہ یہ تقیّہ پر مبنی ہے ؎

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا ؛ تقیّہ ہم نے کیا تھا، ہمیں ثواب ملا

(ب) مذکورہ عبارت میں حضرت آدمؑ کے لیے لفظ غمگین کا آیا ہے، اِس سے آپ کا ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ یہ غم تو ایسا ہی تھا جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کو لاحق ہوا تھا- لیکن دونوں معصوم پیغمبروں نے کوئی مجلسِ ماتم قائم نہیں کی، اور شیعہ روایت میں تو رونے کی مدّت چالیس دن لکھی ہے- چنانچہ مولوی مقبول احمد

صاحب دہلوی لکھتے ہیں :۔ آدم علیہ السلام تشریف لے گئے اور ہابیل کو مقتول پایا پس آدم نے اس زمین پر لعنت کی جس نے ہابیل کا خون قبول کیا تھا اور ہابیل کے ماتم میں چالیس دن روتے رہے (حاشیہ ترجمہ مقبول) (ج) فرشتوں نے جب غم دُور ہونے کی دُعا کی تو اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ اگر کسی کو صحیح طبعی غم لاحق بھی ہو تو اس کو دُور کرنا چاہیئے اور حضرت آدمؑ کا غم فرشتوں کی دُعا سے ایک سال بعد یا چالیس دنوں کے بعد دُور کیا گیا لیکن کیا حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ابھی تک چالیس دن یا ایک سال نہیں گذرا، اور غم بھی کہاں ہے، اور پھر اظہارِ غم کا طریقہ بھی وہ جس سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے منع فرمایا ہے۔

ماتم مروّجہ حرام ہے

چنانچہ سُورَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ کی آیت وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ مَعْرُوْفٍ، کے تحت مشہور شیعی مفسّر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں :۔ کافی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب جنابِ رسولِ خدا نے مکّہ فتح کیا تو مردوں نے بیعت کی پھر عورتیں بیعت کرنے آئیں تو خدا نے یہ پوری آیت نازل فرمائی :۔ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ الخ۔ اس وقت ہندہ نے تو یہ کہا کہ ہم نے اپنے بچوں کو جبکہ وہ چھوٹے تھے پرورش کیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا اور اُمّ الحکم بنتِ حارث بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی، یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں، وہ کیا ہے۔ فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر طمانچے نہ مارو، اپنے منہ نہ نوچو، اپنے بال نہ کھسوٹو، اپنے گریبان چاک نہ کرو اپنے کپڑے کالے نہ رنگو، اور ہائے وائے کرکے نہ روؤ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے انہی باتوں پر جو آیت وحدیث میں مذکور ہیں، بیعت لینی چاہی۔" (ترجمہ مقبول، استقلال پریس لاہور باہ پنجم تعداد ایک ہزار) اور ترجمہ مقبول طبع چہارم ۱۹۵۲ء ناشر افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور میں بھی مذکورہ روایت درج ہے، لیکن بعد میں افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور ہی نے جو ترجمہ مقبول چھپوایا ہے اس کے حواشی میں یہ روایت درج نہیں ہے۔ لیکن اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا کیونکہ یہ حدیث فروع کافی میں بھی موجود ہے اور تفسیر قمی میں بھی، اور ماتمیوں سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آیا ایمان کا تقاضا یہ

ہونا چاہیئے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کے واقعہ میں اگر کہیں غم اور رونے کا لفظ آیا ہے تو اس کو اپنے ماتم کی سند کے طور پر پیش کیا جائے، اور قرآن مجید کی آیتِ کریمہ کے تحت امام جعفر صادق سے جو حدیث مروی ہے اور جن افعالِ قبیحہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے منع فرمایا ہے اُن کو سُنّت اور عبادت قرار قرار دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر بھی محبّتِ حسین کے نام پر کیا محبوب خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مخالفت ہو سکتی ہے؟ (د) جب فرشتوں کی دُعا سے حضرت آدم خوش ہوئے تو پھر ماتم کیسا؟ خوشی کے بعد بھی آپ واہ واہ نہیں کرنے دیتے۔ جب تیرہ سو سال حضرتِ حسینؓ کی شہادت کو گذر گئے اور آپ حسبِ وعدۂ قرآنی جنّت کا رزق کھاتے اور وہاں خوشیاں مناتے ہیں، تو اب ہائے ہائے کا کیا موقع ہے۔ لیکن ماتمی گروہ کہتا ہے کہ حضرت حسین کے مجاہدانہ کارناموں پر بھی کوئی مسلمان واہ واہ نہ کرے۔ کیا عجیب محبّت ہے، سُبحان اللہ! جوشؔ ملیح آبادی نے ماتمیوں کے بارے میں کیا خوب کہا ہے ؎

کھول آنکھیں اے اسیرِ کاکلِ زشت و نکو	آہ! کن موہوم موجوں پر بہا جاتا ہے تو
ختم ہے آنسو بہانے ہی پہ تیری آرزو	اور شہیدِ کربلا نے تو بہایا تھا لہو

ہاتھ ہے ماتم میں تیرا سینۂ افگار پر
اور حُسینؓ ابنِ علیؓ کا ہاتھ تھا تلوار پر

حضرت آدم علیہ السّلام کے سلسلہ میں آپ نے مُلّا حسین واعظ کاشفی کی کتاب "روضۃ الشہداء" سے حسب ذیل فارسی کی ایک عبارت پیش کی ہے کہ :- آب دیدہ آدم چوں سیلے بیروں می آمد از دیدۂ راست او مانندِ آبِ دجلہ و از چشمِ چپ او مثلِ آبِ فراتالخ

الجواب (ل) پہلے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ مُلّا حسین واعظ کاشفی شیعہ ہیں پھر اُن کی بات ہم پر کیسے حجّت ہو سکتی ہے؟ (ب) آپ نے مندرجہ عبارت سے پہلے الفاظ چھوڑ دیے ہیں جن میں تصریح ہے کہ آپ کا یہ رونا اپنی توبہ کے سلسلہ میں تھا، چنانچہ الفاظ یہ ہیں :- یکے از محققاں، فرمودہ کہ سببِ قبولِ توبۂ آدم سہ چیز بُود، حیا و بُکا و دُعا۔" بعض محققین نے یہ فرمایا ہے کہ حضرت علیہ السّلام کی توبہ قبول ہونے کا سبب تین چیزیں تھیں، حیا، رونا اور دُعا کرنا۔ اس کے بعد آپ کی حیا کا ذکر ہے کہ

زمین پر آنے کے بعد آپ نے تین سو سال سر اوپر نہیں اٹھایا اور آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی شرمساری کی وجہ سے۔ اس کے بعد آپ کے بُکاء کا ذکر ہے۔ جو آپ نے فارسی عبارت لکھی ہے آپ نے مذکورہ الفاظ کو غالباً اس لیے نہیں لکھا تاکہ ناواقف لوگ اس مغالطہ میں رہیں کہ حضرت آدم علیہ السّلام کا یہ رونا حضرت ہابیل شہیدؔ کے متعلق تھا، اور جو عبارت درج کی ہے اس کا ترجمہ بھی آپ نے نہیں لکھا کیونکہ وہ بھی ایک خلافِ عقل بات معلوم ہوتی ہے، چنانچہ اس فارسی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ (۱) حضرت آدم علیہ السّلام کی دائیں آنکھ سے دریائے دجلہ کے پانی کی طرح اور بائیں آنکھ سے مثل دریائے فرات کے آنسوؤں کی ندّیاں بہتی تھیں، اور یہ بھی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کی آنکھوں سے حسرت کی بارش اس طرح زمین پر برسی کہ اُس پانی سے ہوائی پرندے پانی پیتے تھے اور وہ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ یہ پانی کیسا ہی اچھا ہے، کہ اب تک ہم نے ایسا پانی نہیں پیا (روضۃ الشہداء فارسی جاب اوّل ص۱۰ مطبوعہ شیخ الٰہی بخش، جلال الدین تاجران کتب لاھور)۔ آنسوؤں کی ندّیوں اور دریاؤں کی یہ روایت انتہائی مبالغہ آمیز اور غیر معقول ہے۔ کیا حضرت آدم علیہ السّلام کے جسم مبارک میں اتنا پانی تھا جو آنکھوں سے ندّیوں کی مثل بہتا رہتا۔ اسی پر قیاس کرلیں کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے متعلق من گھڑت روایات کا کیا حال ہوگا؟ اور شرعی اصول تو یہ ہے کہ خواہ کسی کتاب میں کوئی روایت ہو، اگر وہ قرآن و حدیث کے احکام و ارشادات کے خلاف ہے تو رد کردی جائیگی۔

تردیدِ ماتم

یہ بھی ائمۂ صابرین کی کرامت ہے کہ گو اُن کے نام سے بے بنیاد روایات درج کردی ہیں، لیکن اسی کتاب "روضۃ الشہداء" میں ماتم مروّجہ کے خلاف بھی عبارتیں موجود ہیں، مثلاً حضرت حسینؓ کے متعلق لکھا ہے کہ :۔ قدم درسراپردہ نہاد مخدّراتِ اہل بیت ہمہ بخدمتِ او حاضر شدند، فرمود کہ اے پردہ گیرانِ حرم چادرہا برسر کنید و میانہا استوار بربندید و مصیبت را آمادہ باشید، امّا جامہ مدرید و فزع منمائید و یتیمانِ مرا نیکو دارید، پس امام زین العابدین را در برگرفت و رُوئے او را بوسہ داد (روضۃ الشہداء باب نہم ص۲۶۷) "حضرت امام حُسینؓ خیمہ میں تشریف لائے تو تمام مستورات حاضرِ خدمت ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے پردہ نشینانِ حرم چادریں اپنے سروں پر کرلو

اور اپنے میان مضبوط باندھ لو اور میری مصیبت کے لیے تیار ہو جاؤ، مگر کپڑے مت پھاڑنا اور فزع نہ کرنا اور میرے یتیموں کو اچھی طرح رکھنا، پس امام زین العابدین کو بغل میں لیا اور اس کے منہ کو چوما۔" اِسی کتاب کی دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حسینؓ نے اپنی ہمشیرہ زینب کو تسلّی دی اور اپنی زوجہ شہر بانو کو وصیّت فرمائی کہ :- چوں مرا بہ بینی دریں موضع از اسپ در افتادہ و سر و رُوئے درہم شکستہ و اعضاء از زخم تیغ و تیر و نیزہ مجروح گشتہ، زنہار تاکہ سر و موئے برہنہ نہ کنی و سینہ و رُو نہ خراشی۔ (روضۃ الشہداء ملا ۲۷ مطبوعہ لکھنؤ) :"جب تو مجھے اس حال میں دیکھے کہ گھوڑے سے گرا ہوا ہے، سر اور منہ شکستہ ہے اور اعضاً تلوار، تیروں اور نیزوں سے زخمی شدہ ہیں تو خبردار! سر اور بال اپنے ننگے نہ کرنا اور سینہ اور منہ نہ چھیلنا"۔ فرمایئے! کیا آپ نے "روضۃ الشہداء" میں یہ روایات نہیں پڑھیں، جو آپ کے مزعومہ ماتم کی واضح تردید کر رہی ہیں۔؟

ایک اور روایت

حضرت آدم علیہ السّلام کے بارے میں مصنّف "فلاح الکونین" نے کتاب "معارج النبوۃ رکن اوّل ص۲۲" سے فارسی عبارت بھی پیش کی ہے جس کا ساتھ ہی ترجمہ بھی کر دیا ہے کہ :"جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں تجھ پر اور تیری اولاد پر رحمت کروں گا، چونکہ رحمت گناہ کے بعد ہوتی ہے لہذا حضرت آدم اپنی اولاد کے گناہوں کو یاد کر کے رو پڑے ہائے ہائے کہنے لگے اور سر پر ہاتھ رکھ کر پیٹنے لگے اور اس سُنّت کو اپنی اولاد میں چھوڑ گئے"۔ اس سے زیادہ حضرت آدمؑ کے ماتم کا اور کیا ثبوت پیش کیا جائے؟ آپ تو امام حُسین پر ماتم کو دوزخیوں کا فعل کہتے ہیں لیکن آپ کے علمائے سابقین ماتم کو سُنّتِ انبیاء قرار دے رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ آدم ماتم کریں تو ابوالبشر کہلائیں اور شیعہ ماتم کریں تو بقولِ شما...... دوزخی۔ بریں عقل و دانش بباید گریست" (ص۳۱)

الجواب

آپ نے کتاب "معارج النبوۃ" کا حوالہ پیش کیا ہے لیکن یہ کتاب بھی اہلِ سنّت کے ہاں معتمد علیہ نہیں چنانچہ (۱)، اہل سُنّت کے بریلوی مکتبِ فکر کے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے پوچھا گیا کہ کتاب "معارج النبوۃ" کیسی کتاب ہے، اور اس کے مصنّف عالمِ اہلِ سُنّت، معتبر محقق تھے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ "سُنی واعظ تھے، کتاب

میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔" (احکام شریعت حصہ دوم ص۸۲) (ب) علامہ سید سلیمان ندوی اس قسم کی غیر معتبر کتابوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ :۔"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و معجزات پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں۔ متأخرین نے عام طور پر یہ سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا وہ طبری، طبرانی، بیہقی، دیلمی، بزاز اور ابونعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں۔ حافظ قسطلانی نے اپنی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہبِ لدُنیہ میں داخل کیا اور معین فراہی نے ان کو "معارجُ النبوّۃ" میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں اور عوام نے شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھُپ کر رہ گئے۔" (سیرت النبی جلد سوم، حصہ دوم ص۷۲۳)

فرمایئے! جو کتابیں غیر مستند اور غیر معتبر ہیں اور ان میں صحیح و غلط ہر قسم کی روایتیں شامل ہیں وہ ہم خلاف کیونکر حجت ہوسکتی ہیں؟ (۲) اس روایت میں بھی اولادِ آدم کے گناہوں کا تذکرہ ہے، جس سے متأثر ہو کر حضرت آدمؑ نے اپنے سر پر ہاتھ مارا، نہ یہاں کسی کی شہادت کا ذکر ہے نہ مصیبت کا، اور ایک بار حسرت سے سر پر ہاتھ مارنا یہ بھی ایک وقتی تأثر ہے۔ اس کو آپ کے ماتم سے کیا تعلق؟ فارسی کے الفاظ تو صرف یہ ہیں :۔ دست بر سر زدہ گفت (آپ نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا) اور آپ نے اس سے مجلسِ ماتم نکال لی۔ نعوذ باللہ کیا آپ حضرت حسینؓ کے گناہوں کو یاد کرکے منہ سر پیٹتے ہیں؟ (۳) اگر حضرت آدم علیہ السلام اس سُنّت کو اولاد میں چھوڑ گئے ہوتے تو پھر تمام انبیائے کرام علیہم السلام آپ کی اولاد ہیں۔ ہر نبی اپنی اپنی امّت کے گناہوں کو یاد کرکے سر پر ہاتھ مارتا، اور مجلس ماتم برپا کرتا۔ العیاذ باللہ، کیا انبیائے کرام اور بالخصوص حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سُنّت پر عمل کیا اور پھر کیا حضرت موسیٰ کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ روح اللہ، حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ حتیٰ کہ حضور رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے دادا حضرت آدمؑ کی اس سنّت پر عمل کیا؟ ہرگز نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ روایت من گھڑت ہے اور ماتمی ذہنیت کی پیداوار ہے۔ انبیائے معصومین اور ائمۂ اہلِ بیت تو اس سُنّت پر عمل نہ کریں، اور اگر عمل نصیب ہو تو ماتمی گروہ کو

اور جو سنتیں حضرت آدم کی اور دیگر انبیائے کرام کی یقینی طور پر ثابت ہیں مثلاً ڈاڑھی رکھنا اور لبیں کٹانا ان سُنن کے نزدیک بھی نہ جائے گا۔ الا ماشاء اللہ (۴) بعض روایتوں میں جو حضرت آدم علیہ السّلام کے مرثیے کے اشعار لکھے ہوئے ہیں ان کے بیے تفسیر خازن میں ہے :- عن ابن عباس انّہ قال من قال ان آدم قال شعراً فقد کذب وان محمداً صلّی اللہ علیہ وسلّم والانبیاء کلھم فی النھی سواءٌ (حضرت عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضرت آدم نے شعر کہا ہے تو اس نے جھوٹ کہا ہے کیونکہ حضرت محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور تمام انبیاء شعر کہنے سے منع کئے جانے میں برابر ہیں" یعنی کوئی نبی شعر نہیں کہتا اسی پر مرزا غلام احمد قادیانی دجّال کی نبوّت کو پرکھ لیا جائے، کیونکہ اس نے نظمیں، اشعار اور بیت لکھے ہیں حالانکہ کوئی نبی شاعر نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اس جھوٹی نبوّت کے عظیم فتنہ سے بھی ملک وملّت کو نجات عطا فرمائیں۔ آمین اور امام رازی رحمۃ اللہ نے بھی یہی لکھاہے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کے متعلق جن روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت ہابیل کے مرثیہ میں فلاں اشعار کہے ہیں، یہ سب جھوٹ ہے (تفسیر کبیر)

ماتمی کوّا

مصنّف "فلاحُ الکونین" نے یہاں ایک اور عجیب وغریب دلیل پیش کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ :- کلام پاک میں ہے کہ ہابیل کو قتل کرنے کے بعد قابیل کئی دن تک لاش کو کاندھوں پر اٹھائے پھرتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ہابیل کی لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے۔ اللہ تعالیٰ نے قابیل کو اس لاش کے دفن کرنے کا سبق دینے کے لئے فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا ۔ غُراب کو سیاہ پروں کا لباس پہنا کے بھیجا۔ معلوم ہوا سیہ پوشی بحالتِ غم مرضیاتِ الٰہیہ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے وہ غراب کے پروں کو کوئی دوسرا رنگ بھی دے سکتا تھا۔

الجواب

(۱) قرآن مجید میں ہے :- فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا یَّبۡحَثُ فِی الۡاَرۡضِ لِیُرِیَہٗ کَیۡفَ یُوَارِیۡ سَوۡءَۃَ اَخِیۡہِ ؕ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِیۡنَ ۵ (پ ۶- سورۃ المائدہ ع ۹) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعی نے یہ کیا ہے :- پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا وہ زمین کُریدتا تھا تاکہ وہ اُسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی حالتِ بد (لاش) کو کیونکر چھپائے، تو وہ کہنے لگا، ہائے خرابی میری! کیا میں اس سے (بھی) عاجز ہوں کہ اِس کوّے کی مانند ہو جاؤں اور اپنے بھائی کی حالتِ بد (لاش) کو چھپا دوں، غرضیکہ وہ نادم

ہوا۔" (ترجمہ مقبول) اور مولوی فرمان علی صاحب شیعی مفسر، قَالَ یٰوَیۡلَتٰی کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں:-
کہنے لگا ہائے افسوس! الخ - قرآن مجید میں تو اتنا ہی ہے کہ قابیل (قاتل) کو لاش کا دفن کرنا معلوم نہ تھا
اللہ تعالیٰ نے اس کا طریقہ سکھلانے کے لیے ایک کوّا وہاں بھیج دیا- لیکن اس سے آپ نے اپنے ماتمی سیاہ
لباس کا ثبوت نکال لیا، کیا عجیب عقل ہے - ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اُسی وقت کوّا پیدا کیا تھا،
اور کوے کی جنس پہلے نہیں تھی؟ آیت میں تو ہے فَبَعَثَ اللّٰہُ غُرَابًا (پس اللہ تعالیٰ نے کوّا بھیجا) اور آپ
نے یہ بنا لیا کہ اللہ تعالیٰ نے کوّا پیدا کیا؟ (۲) اور بقول آپ کے جب اللہ تعالیٰ نے کوّے کو سیاہ
ماتمی لباس پہنا کر بھیجا تو معلوم ہوا کہ سب سے پہلا ماتمی کوّا ہے، اور اس حیثیت سے وہ ماتمیوں کا امام ہے
مبارک ہو اور کوے کی مکروہ آواز "کائیں کائیں" گویا کہ کوّے کا نوحہ ہوا- مبارک ہو، اور جب پہلا ماتمی کوّا
ہے تو اگر ماتمیوں کو "فرقۂ غرابیہ" کا نام دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا -

اللہ تعالیٰ نے ماتمی کوّے کو لباس بھی کیسا دیا، اور آواز بھی کیسی دی- کیا اس سے بھی بڑھ کر اور کوئی
مضحکہ خیز ماتم کی دلیل ہوسکتی ہے؟ ع - بریں عقل و دانش بباید گریست! آپ نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ
اگر اللہ تعالیٰ نے کوّے کو ماتمی بنا کر بھیجنا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس اُس کو بھیجا جاتا جن کو
حضرت ہابیل شہید کا صدمہ لاحق تھا، اور وہاں مجلسِ ماتم بپا کی جاتی، اور کوّا بھی خوب اپنے ماتمی کرتب
دکھاتا، اور اگر آپ اِس پر مُصر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوّے کو سیاہ ماتمی لباس پہنا کر ہی بھیجا تھا تو ہم کہتے کہ
اُس کے بھیجنے کی ایک حکمت تو یہی تھی کہ قابیل (قاتل) کو بھائی کی لاش دفن کرنے کا طریقہ سکھائے، اور دوسری
یہ بھی حکمت ہوسکتی ہے کہ قاتل کو یہ عبرت دلانا بھی مقصود ہو کہ اپنے نیک بھائی کو قتل کرنے کی وجہ سے تیرا
دل اور تیرا چہرہ اُسی طرح سیاہ ہوگیا ہے جس طرح میرے پروں کا رنگ کالا سیاہ ہے، اور جہنم میں بھی تو
اسی سیاہ چہرے کے ساتھ عذاب دیا جائے گا، اور روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ اُس کا سارا بدن سیاہ ہو
گیا تھا- چنانچہ تفسیر خازن میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل سے کہا:- بل قتلتہ ولذلک
اسود جلدک (بلکہ تونے ہابیل کو قتل کیا ہے اس لئے تیری جلد سیاہ ہوگئی) عبرت! عبرت! عبرت!

ماتمی اُلّو: ماتمی کوّے کے ساتھ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ماتمی اُلّو کا بھی ذکر کر دیا جائے، چنانچہ شیعہ مذہب

ں مستند اور معتبر کتاب "جلاء العیون" مصنفہ علامہ باقر مجلسی، میں ہے کہ :- بسند ہائے معتبر امام جعفر صادق
ور امام رضا سے روایت کی ہے کہ اُلّو زمانۂ جناب رسول خدا میں رات کو گھروں میں رہا کرتے تھے اور
دمیوں سے بہت انس و محبت رکھتے تھے اور جب دستر خوان بچھتا تھا وہ بھی آکے بیٹھتے تھے، اور کھانا لوگ اُن
ے آگے ڈالتے تھے، لیکن امام حسین کے شہید ہونے کے بعد آدمیوں سے اُلّو بھاگنے لگا اور آبادی سے ویرانی
یں نکل گیا اور صحرا، و جنگل میں مقیم ہوا، اور کہا تم لوگ بُری اُمت ہو کہ اپنے پیغمبر کے فرزند کو قتل کرتے ہو
در میں تم سے مطمئن اور بے خوف نہیں ہوں۔ پس دن کو مصیبت امام حسین کے غم سے روزہ رکھتا اور دانہ
نی نہیں کھاتا ہے۔ جب رات ہوتی ہے، صبح تک امام حسین پر نوحہ وزاری کرتا ہے" (جلد دوم مترجم
ص۲۵۰ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور) آخر اُلّو اُلّو ہے، ورنہ اگر کچھ شعور رکھتا تو
خالفینِ امام حسین سے بھاگتا، لیکن ماتمیوں کے ساتھ تو اُنس رکھتا اور اُن کے ماتم میں شریک ہوتا۔ یہ
بھی عجیب حکمت ہے کہ ماتم کرنے کے لیے وہ پرندے چُنے گئے یعنی کوّا اور اُلّو جو اپنی اپنی نوعیت میں
رالے ہیں۔ ؎

گر ہمیں طائر و ہمیں ماتم کارِ ایماں تمام خواہد شد

ماتمی چڑیاں

اور اسی "جلاء العیون" جلد دوم میں ہے کہ :- بعض کُتبِ معتبرہ میں فتح عابد سے روایت کی ہے، کہا کہ ہر روز میں چڑیوں کے لیے روٹی کے ٹکڑے توڑتا تھا اور
اور وہ کھاتی تھیں لیکن بروز عاشورا، بدستور جب میں نے روٹی کے ٹکڑے توڑے، انہوں نے نہ کھائے اس
سبب سے میں نے جانا کہ بخیال تعزیتِ امام حسین نہیں کھاتیں" (ص۲۵۹) چڑیاں اُلّو سے سمجھدار نکلیں،
کیونکہ نہ وہ ویرانے میں بھاگیں اور نہ انہوں نے پھر عاشورا میں دانہ پانی چھوڑا۔ معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ
کے لیے ماتم کی پابندی نہیں کرتیں۔

کیا سیاہ لباس سُنّتِ رسُولؐ ہے؟

مصنف "فلاح الکونین" نے بعنوان "ماتمی لباس سُنّتِ رسول ہے اور سیاہ لباس سُنّتِ جناب
فاطمۃ الزہرا ہے" یہ لکھا ہے کہ :- علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی (مشہور عالم اہلِ سُنّت) نے اپنی کتاب

"نور العین فی مشہد الحسین" مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۶ھ صـ۶۰ پر جناب سکینہ بنت حسین کا ایک خواب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:- واذا برجلٍ اقبل وھو متغیر اللون ولہٗ نورٌ ساطعٌ مُغتمٌّ بمیل کالمرأۃ الثکلی قابض علی لحیتہ باکیًا حزینا فقلت لغلام من ھذا الرجل الذی ھو متلبسٌ بالاحزان فقال لا تعرفیہ فقلت لا، قال ھذا جدّکِ (" ناگاہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو اس عالم میں آگے بڑھے کہ چہرے کا رنگ متغیر تھا اور نور ساطع ہو رہا تھا اور فرطِ رنج و غم سے گرے پڑے تھے، جیسے پسر مردہ عورت کا حال ہوتا ہے۔ میں نے غلام سے پوچھا یہ بزرگ جو غم واندوہ کا لباس پہنے ہوئے ہیں کون ہیں؟ غلام نے کہا تم انہیں پہچانتی نہیں ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اس نے بتایا کہ تمہارے جدِّ امجد حضرت رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ہیں") اسی معصومہ نے جناب سیّدہ فاطمۃ الزّہرا سلام اللہ علیہا کو جس حال میں دیکھا اس کو یوں بیان کیا ہے:- وبَینَھُنَّ امرأۃٌ عظیمۃ الخلقۃ ناشرۃٌ شعرھا وعلیھا ثیابٌ سود ومعھا قمیصٌ ملطخ بدمٍ (" اور اُن عورتوں کے درمیان ایک معظمہ ہیں، جن کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اُن کا لباس سیاہ ہے، اُن کے ساتھ خون میں لتھڑی ایک قمیص ہے") علّامہ اسفرائینی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جناب سکینہ نے جب رسولِ خدا صلعم کو دیکھا تو آپ ماتمی لباس میں تھے۔ ثابت ہوا کہ آنحضور صلعم کے لباس کا رنگ سیاہ تھا، کیونکہ ماتمی لباس ہمیشہ سیاہ ہوا کرتا ہے اور جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا بھی اپنے نورِ عین حضرت حسین علیہ السّلام کے غم میں سیاہ پوش تھیں لہٰذا ماتمی لباس پہننا، سیاہ پوش ہونا خود ہمارے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور آپ کی بیٹی جناب سیّدہ سلام اللہ علیہا کی سُنّت ہے الخ۔ (فلاح الکونین صـ۳۲)

الجواب

(۱) یہ ایک خواب ہے اور غیر نبی کا خواب شرعاً حجّت نہیں ہوتا۔ یہ خواب "جلاء العیون" جلد دوم صـ۲۴۳ میں بھی کم وبیش الفاظ کے ساتھ مذکور ہے، اور "نور العین" اور "جلاء العیون" دونوں میں یہ لکھا ہے کہ یہ خواب جناب سکینہ نے خود یزید کو سنایا تھا، چنانچہ "جلاء العیون" میں یہ الفاظ ہیں:- " ایک روز سکینہ نے یزید پلید سے کہا، شب کو میں نے ایک خواب دیکھا ہے اگر تو اجازت دے تو میں بیان کروں، اس نے کہا بیان کرو"۔ یہ خواب ہی ماتمیوں کا من گھڑت ہے، کیا خاندانِ نبوّت کی مستورات کا مقامِ حیا و پردہ داری یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بلا تکلّف براہِ راست ایک غیر محرم مرد یزید کو اپنا خواب

سنائیں جو خود ماتمیوں کی نگاہ میں سب سے زیادہ ملعون ہے (ب) اور اس خواب میں یہ بھی ہے کہ جناب سکینہ سے داستانِ غم و الم سُن کر رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم روتے ہوئے بے ہوش ہوگئے" (فبکی حتی اُغمی علیہ (نور العین عربی) کیا امام الصّابرین، خاتم النّبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صبر و ضبط کا یہی نمونہ ہوسکتا ہے، حالانکہ اولیاء اللہ کے متعلق قرآن مجید میں ہے :- اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝ ("آگاہ ہو کہ جو دوستانِ خُدا (ہیں)، اُن کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے") (ترجمہ مقبول) اس آیت کے حاشیہ میں مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں :- "امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہم نے علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کی کتاب میں یہ لکھا ہوا پایا کہ آگاہ رہو، اولیاء اللہ وہ ہیں کہ نہ اُن کو آئندہ کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کا خوف اور نہ وہ گذشتہ کے متعلق رنجیدہ ہوں گے"۔ بعد الموت جب اولیاء اللہ کا یہ مقام ہے تو امام الانبیاءؑ والمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ایسا غم کیسے لاحق ہوسکتا ہے جس کا تذکرہ اس خواب میں ہے (ج) آپ نے خواب کے الفاظ (مَن ھذا الرّجل الذی ھو متلبّسٌ بالاحزان) کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ :- "یہ بزرگ جو غم واندوہ کا لباس پہنے ہوئے ہیں وہ کون ہیں ؟" اور اس سے ماتمی لباس ثابت کیا ہے تو یہ قواعدِ عربیّت سے ناواقفیّت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ لَبِسَ یَلۡبَسُ ثلاثی مجرّد سے تو کپڑا پہننے کے معنی میں آتا ہے، لیکن ثلاثی مزید فیہ تلبّس یتلبّس اس معنی میں نہیں آتا۔ تلبّس کا معنی اختلاط ہے نہ کہ کپڑا پہننا، چنانچہ المنجد میں ہے تلبّس بالشئ، اختلط بہ (وہ اس چیز کے ساتھ مل گیا) لہذا متلبّسٌ بالاحزان کا معنی بہت زیادہ غمگین کے ہوں گے، اور لِبَاسُ التَّقۡوٰی بھی بمعنی حیاء و پرہیزگاری کے مستعمل ہے، نہ بمعنی تقوٰی کے کپڑے پہننے کے۔ لہذا متلبّسٌ بالاحزان سے ماتمی کپڑے مراد لینا آپ کی نری جہالت ہے۔

(د) خواب میں البتہ یہ تصریح ہے کہ حضرت فاطمۃ الزّہراء نے سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اور یہی بات خواب کے من گھڑت ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سیاہ کپڑوں سے عورتوں کو خصوصیّت سے منع فرمایا ہے (س) اس خواب سے بھی آپ کے ماتم کی تردید ہوتی ہے، چنانچہ اس خواب میں یہ بھی مذکور ہے کہ :- ثُمّ قالت یا سکینۃ صبرًا جمیلًا الخ (نور الحسین فی مشھد الحُسین مطبوعہ ۱۳۰۹ھ ص۵۹)۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہراء نے فرمایا اے سکینہ صبر جمیل اختیار کر" اور دلیل نمبرا

کی بحث میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے قول فَصَبْرٌ جَمِیل کے تحت اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیع دونوں کی تفاسیر سے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ صبرِ جمیل وہ ہے جس میں زبان سے بھی لوگوں کے سامنے غم کا اظہار نہ کیا جائے۔ واللہ الھادی ؛

سیاہ لباس دوزخیوں کا ہے

آپ نے تو سیاہ ماتمی لباس کے ثبوت کے لیے ایک من گھڑت خواب کا سہارا لیا ہے، اور احادیث کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ لیکن آپ کے نظریہ کے خلاف مذہب شیعہ ہی کی مستند کتبِ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سیاہ لباس دوزخیوں کا ہے (۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ اصلی فی القلنسوۃ السود آء قال لا تصلّ فیہا فانّہا لباس اھل النار :۔ (ترجمہ۔ "میں نے (امام جعفر صادق) سے پوچھا کہ کالی ٹوپی میں نماز پڑھنا کیسا ہے ؟ فرمایا ! مت پڑھو، کیونکہ یہ دوزخیوں کا لباس ہے" (الشافی ترجمہ فروع الکافی) یہاں یہ ملحوظ رہے کہ فروع کافی کے مترجم، شیعوں کے ادیبِ اعظم سید ظفر حسن صاحب امروہی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ (۲) "من لا یحضرہ الفقیہ" میں بھی یہی روایت موجود ہے (۳) تفاسیرِ شیعہ نے بھی سیاہ لباس کا ممنوع ہونا ثابت ہے، چنانچہ امام حسن عسکری کے زمانہ کے شیعہ مجتہد شیخ قمی سُوۃُ الممتحنہ کی آیت وَلَا یَعْصِینَکَ فِی مَعْرُوفٍ کے تحت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فتح مکہ پر عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے جن امور سے منع فرمایا تھا، ان میں یہ بھی تھا :۔ وَلَا تسودن ثوبًا (اور اپنے کپڑے سیاہ نہ کرنا) (تفسیر قمی) (۴) شیعوں کے مشہور مفسّر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی اس آیت کے تحت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ ارشاد لکھا ہے کہ :۔ سیاہ کپڑے نہ رنگنا) اور حواشی ترجمہ مقبول کی پوری عبارت دلیل نمبر ۴ کی بحث میں بعنوان "ماتم مروّجہ حرام ہے" درج کی جا چکی ہے۔

سیاہ لباس سُنّتِ فرعون ہے

مَن لا یحضرہ الفقیہ[1] میں ہے :۔ وقال امیرالمؤمنین علیہ السّلام فیما علم بہ لا صحابہ (فیما علم اصحابہ) لا تلبسوا السواد فانہ لباسُ فرعون (اور امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم

---

[1] "من لا یحضرہ الفقیہ" کے مصنف ابن بابویہ قمی ہیں جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں اور مولوی محمد حسین شیعی (باقی اگلے صفحہ پر)

دیتے ہوئے فرمایا کہ سیاہ لباس مت پہنو کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے۔) مبارک ! مبارک!
اور اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے مذکورہ ارشاد اور حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام جعفر صادق وغیرہ ائمۂ کرام کے حکم کے خلاف "فلاح الکومنین" کے مصنّف صاحب اس بات پر مُصر ہیں کہ سیاہ لباس سُنّتِ رسول ہے اور نا واقف شیعوں کو یہی لباس پہنوانا چاہتے ہیں تو پھر فرقہ امامیہ سے نہیں بلکہ فرقۂ غُرابیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو مے گویم   تو خواہ از وپند گیر و خواہ ملال،

استثنائی حکم

فروع الکافی جلد اوّل کتاب الصّلواۃ میں یہ روایت بھی ہے :- عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال یکرہ السواد الا فی ثلٰثۃ، الخف والعمامۃ والکساء :- (فرمایا ابو عبداللہ علیہ السلام (یعنی امام جعفر صادق) نے سیاہی مکروہ ہے مگر تین جگہ، موزہ، عمامہ، چادر۔) (الشافی ترجمہ فروع الکافی) اس روایت میں امام جعفر صادق سے سیاہ موزے، پگڑی اور چادر کے استعمال کی اجازت معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماتم کے لیے اس کا جواز ہے کیونکہ ماتم کے لیے تو سیاہ کپڑے پہننے سے رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے صاف منع فرما دیا ہے

بقیہ تحت المتن ص :- نے انہی کے رسالہ اعتقادیہ کی شرح "احسن الفوائد فی شرح العقائد" لکھی ہے جس میں ان کی تعریف میں لکھا ہے کہ :- "یہ عالمِ ربانی و نورِ شعشانی، رئیس المحدّثین اپنی علمی و عملی جلالت و شہرت کی بنا پر ہر قسم کی تعریف و توصیف سے مستغنی ہے الخ" اور ان کی کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- یہ ہماری ان کتبِ اربعہ میں سے ہے، جن پر مدارِ تشیّع ہے۔ علاوہ ازیں خود شیخ صدوق موصوف نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے کہ :- ولم اقصد فیہ لقصد المصنّفین فی ایراد جمیع ما رووہ بل قصدت الی ایرادِ ما افتی بہ و احکم بصحتہٖ واعتقد فیہ انہ حجۃ فیما بینی وبین ربی الخ :- اور میں نے عام مصنّفین کی طرح یہ ارادہ نہیں کیا کہ اس میں ان کی تمام روایات جمع کر دوں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ اس میں وہی روایت درج کروں جس پر میں فتوٰی دیتا ہوں اور جس کو صحیح قرار دیتا ہوں، اور اس میں میرا اعتقاد یہ ہے کہ یہ میرے اور میرے ربّ کے درمیان حجت ہے۔ کیا اس کے بعد کوئی شیعہ عالم و مجتہد ان کی روایات کو ضعیف اور بے مناد کہہ سکتا ہے ؟

جیسا کہ حاشیہ ترجمہ مقبول سے پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے، اور سیاہ لباس کا سوگ اور غم و اندوہ کی رو سے پہننا تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے کسی موقعہ پر بھی ثابت نہیں ہے یہ تو محض ماتمیوں کی ایجاد ہے۔ جس کی ایک دلیل ان کے ہاں غُراب (کوّے) کے پروں کا سیاہ ہونا ہے، لیکن یہ غرابی فلسفہ ہے نہ کہ شرعی ؎

اذا کان الغراب دلیل قوم — سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب کسی قوم کا رہنما کوّا ہو، تو ان کو وہ ہلاکت والوں کے راستہ پر لے جائے گا)

ایک اور غُرابیہ

مُصنّف "فلاحُ الکونین" ایک اور غرابیہ (لطیفہ) بیان کرتے ہیں کہ :- یہ قانون عادتِ جاریہ ہے کہ خوشی کی محفلوں، مسرّت کی تقریبوں میں غم کا ذکر نہ ہو کیونکہ یہ بُرا شگون ہوتا ہے لیکن حضرت امام حسین علیہ السّلام کے غم نے عادتِ جاریہ کے اس قانون کو توڑ کر رکھ دیا۔ عزادارانِ حُسین شبّیرؑ کے رونے والے، ولادت ہو عرس ہو یا اور کوئی تقریبِ مسرّت، جب تک عزائے امام میں آنسو نہ بہالیں تب تک اس تقریب کو مکمّل نہیں سمجھتے (ص۳۳)۔

الجوابُ

آپ کے لیے قانونِ عادتِ جاریہ کو توڑنا کیا مشکل ہے، جب کہ آپ بڑی آسانی سے سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشاد اور اپنے ائمہ معصومین کے فرمان کو توڑ کر سیاہ کپڑے پہننے کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں، اور خوشی کے مواقع پر بھی آپ کا ماتمِ حُسین کرنا انسانی فطرت کے مسخ ہونے کی دلیل ہے نہ کہ محبّتِ شبّیرؓ کی۔ کیا یہ بھی سُنّتِ رسولؐ ہے کہ خالص خوشی اور شادمانی کے موقعہ پر بھی ضرور اظہارِ غم و اندوہ کیا جائے؟ اور دراصل یہ اُس بد دُعا کا ظہور ہے جو حضرت زینب نے قاتلانِ حُسین کو ماتمِ حُسین کا مظاہرہ کرنے پر دی تھی۔ ؎

پنجابی اشعار

کراں دُعا خُداوند اگے سچے دلوں بجانوں — شالا کوندے پڈے جاوے سارے ایس جہانوں

خوشی تسانوں کدیں نہ ہووے نا رب کدے ہی بھاوے ‏ ‏ روز حشر تک وقت تساڈا اینویں رب لنگھاوے
ایہہ دعا قبول مائی دی کیتی پاک الٰہی ‏ ‏ ویکھو ہن تک سارا ٹولہ ہے اندر گمراہی
چڑھدے سال ایہہ ماتم کردے رب بھیں مول نہ ڈردے
دل وچہ ہتک امام مکرّم حصّہ حصّہ کردے

(منقول از آفتابِ ھدایت ص۳۰۶)

ث دلیل نمبر ۵-۷-۸

" تورات و انجیل کی عبارات" :- ماتمی ٹریکٹ میں دلیل نمبر ۵ میں یہ تھا کہ :- حضرت ابراہیم نے حضرت سارہ کی ت پر ماتم اور گریہ کیا (تورات باب پیدائش)- دلیل نمبر ۷ میں یہ لکھا تھا کہ :- حضرت شعیب دس ں تک روتے رہے جس کے سبب سے آنکھوں سے نابینا ہوگئے- (تورات) اور دلیل نمبر ۸ میں یہ لکھا کہ :- حضرت ہارون نے پہاڑ پر وفات پائی، حضرت موسیٰ تیس۳۰ دن تک وہاں ماتم کرتے رہے (تورات ب ۲۰)- اس کے جواب میں رسالہ " ہم ماتم کیوں نہیں کرتے " میں یہ لکھا گیا تھا کہ (۱) ان عبارتوں ں بھی منہ پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے کا کوئی ذکر نہیں، پھر مروّجہ ماتم کیونکر ثابت ہوا- (۲) قرآن کے بعد رات ، انجیل آسمانی کتابیں منسوخ ہوچکی ہیں، جن کی عبارتیں مسلمانوں کے لیے حجّت نہیں کیونکہ اصلی سمانی کتابوں میں تبدیلی ہوگئی ہے (۳) اگر تورات اور انجیل کے مذہب کی پیروی کرنی ہے تو کیا اس پر ھی ایمان لاؤگے جو تورات میں لکھا ہے کہ (ل) حضرت یعقوب نے خدا کے ساتھ کشتی کی تھی (پیدائش ص۲۶ ب) حضرت لوط نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ بدکاری کی تھی، استغفر اللہ (پیدائش ص۲۲)- اس کے جواب الجواب میں مُصنّف "فلاحُ الکونَین" لکھتے ہیں :- آپ فرماتے ہیں کہ ان عبارات میں بھی مُنہ پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے کا کوئی ذکر نہیں پھر مروّجہ ماتم کیسے ثابت ہوا- مگر عبارات میں صریح طور پر ماتم کا لفظ موجود ہے- دنیا کے ہر طبقہ و خیال کے لوگ ماتم کا مفہوم رونا پیٹنا ہی لیتے ہیں، پھر خُدا جانے مروّجہ ماتم کیا ہے جس کا ثبوت آپ مانگ رہے ہیں- علاوہ ازیں آپ کے بار بار مروّجہ ماتم کی رٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ماتم کی صرف مروّجہ شکل پر اعتراض ہے نہ کہ اصلی ماتم پر، ورنہ بار بار مروّجہ ماتم کے لفظ کو

استعمال نہ کرتے۔ اسی سے ہمارا مدعا حاصل ہے" (ص۲۵)۔

الجواب (ا) یہ بھی آپ کی انتہائی کج فہمی ہے، بحث ایک شرعی دینی موضوع پر ہو رہی ہے۔ فروع کافی کے حوالہ سے پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ماتم کا مفہوم صرف تین دن تک میّت کا سوگ کرنا ہے، جس میں مُنہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا ہرگز شامل نہیں ہیں جو آپ کے مرّوجہ ماتم کے لوازمات میں سے ہیں۔ البتہ بیوہ عورت کے لیے خاوند کی وفات کے بعد چار ماہ دس دن سوگ کے ہیں جو اس کی عدّت ہے، اور یہ تین دن یا چالیس دن کا سوگ بھی ضروری نہیں، جائز ہے۔ علاوہ ازیں تورات اور انجیل اپنی اصلی زبانوں میں موجود نہیں، اور دوسری زبانوں میں اُن کے تراجم میں بھی تبدیلی و تحریف ہو چکی ہے تو اگر آپ کے نزدیک ماتم مرّوجہ سُنّت اور عبادت ہے تو اس کے لیے کتاب و سُنّت کی نصوص پیش فرمائیں۔ تحریف شدہ تورات و انجیل کی عبارتیں شرعی مسائل میں کیونکر حجّت ہو سکتی ہیں؛ جبکہ اُن میں نعوذ باللہ انبیائے کرام کی طرف شراب پینا، بدکاری کرنا اور بُت پرستی کرنا وغیرہ باتیں منسوب ہیں، اگر بالفرض اُن میں مُنہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کے الفاظ بھی مذکور ہوتے تو وہ شرعی سند نہیں بن سکتے تھے۔ لیکن بجائے اس کے کہ آپ اپنے اس استدلال سے رجوع کریں، اپنی مزید جہالت کا ثبوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ "صرف یہ کہہ دینا کہ منسوخ شدہ آسمانی کتابیں ہمارے لئے حجّت نہیں، کافی نہیں۔ حجّت تو بیشک قرآن کریم ہی ہے، لیکن اگر قرآن کریم کی تصدیق ان صحائفِ سماوی سے ہوتی ہو تو پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں کیوں نہ مانا جائے جبکہ آپ کے یہاں صفاتِ ایمان میں رُسُلِہٖ سے پہلے کُتُبِہٖ (میں نے مانی کتابیں اللہ کی) آیا ہے چنانچہ اب تک تو اربابِ سلیم کے یہاں یہی طریقہ رائج رہا ہے۔ گیارہویں صدی کے مشہور و معروف عالمِ اہلِ سُنّت مولانا عبد الرحمٰن چشتی نے رسالہ "مرأۃ المخلوقات" میں، مولوی عبد العزیز صاحب حنفی نے "بشارتِ احمدیہ" میں، مولانا عبد الحق ودیارتھی نے اپنی انگریزی تصنیف۔ Mohammad in world Scriptures۔ میں اور محقّقِ لاثانی حکیم سیّد محمود گیلانی (سابق مدیر اہلحدیث) وغیرہم علماء تمام منسوخ شدہ کُتبِ سماوی سے ہی خاتم الانبیاء حضرت محمّد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالت کو ثابت کرتے رہے۔ اُن سے تو کسی نے نہیں کہا کہ آپ منسوخ شدہ کتابوں سے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام

ی نبوّت و رسالت کیوں ثابت کرتے ہیں۔ بیشک یہ کتابیں سرکارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم سے چندسو اور
چند ہزار سال پہلے نازل ہوئیں مگران میں پیشگوئیوں کے طور پر جو واقعات بیان کئے گئے تھے، وہ بعد میں حرف
حرف صحیح اور سچے ثابت ہوئے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ پیشگوئیاں درست تھیں۔ کم از کم ان کے اس حصّہ میں جس
میں یہ پیشگوئیاں ہیں، کوئی تحریف نہیں کی گئی اور نہ اُس میں کوئی رد و بدل ہوا الخ (ص ۳۶)

اَلْجَواب

(۱) آپ فرماتے ہیں کہ پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کی سمجھ ماتم کھا گیا ہو تو اس کا
کیا علاج ہے؟ آپ اپنی تحریر کو غالباً خود بھی نہیں سمجھتے ورنہ ایسا جاہلانہ جواب نہ
پیش کرتے۔ بیشک ہم سابقہ انبیائے کرام علیہم السّلام اور سابقہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ
قرآن مجید میں ہی یہ مذکور ہے :۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِن رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ
بِاللهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (سورۃ بقرہ آخری رکوع) :۔ ”ایمان لائے ہیں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلّم اُس پر جو آپ کے رب طرف سے آپ پر نازل ہوا، اور مومنین بھی (ایمان لائے ہیں) سب
ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر، اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر“) لیکن
اللہ تعالیٰ کی جن کتابوں پر ہمارا ایمان ہے اور قرآن حکیم جن کی تصدیق کرتا ہے وہ وہی ہیں جو اللہ تعالےٰ
نے نازل کی تھیں، نہ کہ موجودہ محرّفہ توراۃ و انجیل جن میں شرک و کفر کی باتیں درج ہیں، اور جن میں انبیائے
کرام کی صریح توہین موجود ہے، اور موجودہ کتابوں کی جن پیشگوئیوں کو ہم مانتے ہیں، وہ اس لئے مانتے
ہیں کہ قرآن مجید میں اُن کی خبر دی گئی ہے۔ سورۂ اعراف (رکوع ۱۹) میں ہے :۔ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ
النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ :۔ ”(وہ لوگ جو رسول کی پیروی کرتے ہیں یعنی
اُس نبی اُمّی کی جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں“) (ترجمہ مولوی مقبول صاحب
دھلوی) سورۃ الفتح آخری رکوع میں ہے :۔ محمّدٌ رسول اللہ والّذین معه اَشدّآء علی الکفّار
رُحماء بینهم تراهم رکّعاً سجّداً یبتغون فضلاً من اللہ ورضواناً سیماهم فی وجوههم من اثر
السجود ذٰلك مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الانجیل :۔ (محمّد اللہ کے رسول ہیں اور جو بھی
حقیقتاً اُن کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بھاری ہیں اور آپس میں رحم دل۔ تم اُن کو رکوع و سجود کی حالت

میں دیکھوگے کہ وہ خدا کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے خواستگار ہیں۔ اُن کی علامتیں اُن کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہیں، یہ مثل تو اُن کی تورات میں بیان کی گئی ہے اور انجیل میں اُن کی مثل یہ ہے الخ" (ترجمہ مقبول) حواشی میں مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں :۔ تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جن کے بارے میں خدا تعالیٰ پہلے فرماچکا ہے :۔ اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ (ترجمے یہ دیکھو پارہ نمبر ۲ ع ۱۷)۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ تورات میں اور انجیل میں اور زبور میں جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت، آنحضرت کے اصحاب کے حالات، آنحضرت کی بعثت اور ہجرت کی جگہ سب کچھ جتلا چکا تھا اور اسی کو اپنے اس قول میں یہاں جتلایا ہے" (قول مترجم) صحابہ پرست لفظ الصحاب دیکھ کر بیجا خوشی نہ کریں اس لیے کہ اصحابِ منافقین کو ان صفتوں سے، جن کا اس آیت میں ذکر ہے کوئی بہرہ نہ تھا۔ یہ صرف اصحابِ مومنین کا ذکر ہے" آخر میں شیعی مترجم مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے قرآنی منشاء کے خلاف اپنے عقیدہ کا اظہار کردیا ہے۔ حالانکہ جن حضرات کو اصحابِ رسولؐ کہا جاتا ہے اُن میں کوئی منافق نہیں ہے، تاکہ اصحاب کی دو قسمیں بتائی جائیں (منافقین اور مومنین)۔ علاوہ ازیں ہم پوچھتے ہیں کہ اصحابِ مومنین کی تعداد کتنی ہے؟ جن کا ان آیات میں تذکرہ ہے۔ شیعہ عقیدہ میں تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی المرتضےٰ کے سوا مردوں میں صرف تین چار اصحاب ایمان پر باقی رہ گئے تھے، حضرت ابوذر غفاری، حضرت سلمان فارسی، حضرت مقداد اور حضرت عمار۔ ان کے علاوہ نعوذ باللہ سارے مرتد ہوگئے تھے (ملاحظہ ہو اصول الکافی)۔

تو کیا ان آیات کا مصداق صرف یہ چار اصحاب ہیں، پھر کفار پر کون غالب آئے اور مکہ کس نے فتح کیا اور تورات میں یہ پیشگوئی بھی تو مذکور ہے :۔ یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا

دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُن کے لئے تھی" (کتاب استثناء باب ۳۳۔ درس ۱-۲)۔ یہ پیشگوئی حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ہے اور دس ہزار

قدوسیوں سے مراد صحابہ کرام کا وہ لشکرِ اسلام ہے جنھوں نے مکّہ فتح کیا اور اُن کی تعداد دس ہزار تھی۔ اب ہم شیعہ علماء و مجتہدین سے پوچھتے ہیں کہ مکّہ فتح کرنے والے یہ دس ہزار قدّوسی کیا تین چار اصحاب کے سوا سب منافق ہی تھے ؟ مذکورہ آیت وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗۤ میں تقریباً چودہ سو صحابہ تو خصوصیّت سے مراد ہیں جو حُدیبیہ کے موقعہ پر بیعتِ رضوان میں شامل ہوئے تھے، اور بعد ازاں بھی جن کو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی معیّت اور صحبت کا شرف حاصل ہوا، وہ سب ان اوصافِ عالیہ کا درجہ بدرجہ مصداق بنتے ہیں اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکرؓ صدّیق اور خلیفۂ دوم حضرت عمرؓ فاروق کے مخلص و مومن صحابی ہونے میں تو کسی اَدنیٰ سے اَدنیٰ شبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے، جواب تک رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ روضۂ مقدّسہ میں آرام فرما ہیں اور قیامت تک اُن کو یہ معیّتِ خصوصی حاصل ہو چکی ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

بہر حال قرآن مجید میں تورات و انجیل کے متعلق جو کچھ مذکور ہے، وہ حق ہے۔ اب اگر بالفرض یہود و نصاریٰ اپنی اپنی آسمانی کتابوں میں سے تمام پیشگوئیاں نکال بھی دیں تب بھی قرآن مجید کی صداقت پر کوئی حرف نہیں آسکتا، اور پہلے ان کتابوں سے یہ پیشگوئیاں ثابت بھی ہو چکی ہیں۔ تو علمائے اسلام آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور صحابہ کرام کے متعلق جو پیشگوئیاں تورات و انجیل سے ثابت کرتے ہیں، وہ قرآن مجید کے اعلان کے تحت ہی کرتے ہیں اور اُن سے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) پر اتمامِ حجّت مقصود ہوتا ہے، جواب بھی ان کتابوں کے اصلی ہونے کے مدّعی ہیں لیکن اہلِ اسلام پر ان کتابوں سے حجّت قائم نہیں ہو سکتی، جو موجودہ تورات و انجیل کے محرّف ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ نے مذکورہ مصنّفینِ اسلام کا جو تذکرہ کیا ہے اس کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ آپ پہلے قرآن سے اپنا ماتم ثابت کریں، لیکن اگر قرآن مجید میں ماتم کا لفظ تک بھی مذکور نہیں ہے تو یہ ماتم آپ اہل کتاب سے بھی نہیں منوا سکتے! جیسا کہ آپ نے آخر میں تورات کی عبارتیں درج کرنے کی یہ تاویل کر دی ہے کہ :- کیا یہ امر ممکن نہیں کہ یہ عبارتیں کتابچہ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں یہود و نصاریٰ کے لیے نقل کی گئی ہوں" (فلاحُ الکونین ص۳۹)۔ یہ امر ممکن تو ہے لیکن اگر علمائے اہل کتاب آپ پر یہ اعتراض کر دیں کہ یہ ماتم مرّوجہ تو مذہبِ شیعہ میں بھی حرام ہے اور

استدلال میں تفسیر قمی، ترجمہ مقبول اور کافی کی مذکورہ عبارات پیش کردیں تو آپ کو اُلٹا لینے کے دینے پڑجائیں گے، اور سوائے ماتم کرنے کے آپ کے پاس اہل کتاب کے اس اعتراض کا کوئی جواب ہوگا اور یہ بھی فرمائیں کہ کیا اہل کتاب کے ساتھ ماتم کے موضوع پر آپ کی کوئی بحث ہوئی ہے، جس کی بنا پر آپ کو تورات و انجیل سے استدلال کی ضرورت پڑی ہے؟ -

کیا توراۃ میں ماتمِ حسینؓ کی کوئی پیشگوئی ہے؟

آپ نے ماتم کی تائید میں تورات و انجیل سے استدلال کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ:- اب ہم کچھ مزید وضاحت کے لیے "کتابِ مقدس" برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور ۱۹۵۱ء کی مطبوعہ سے تورات کی کتاب احبار کے باب ۲۳ کی ۲۳ سے ۳۲ تک آیات پیش کرتے ہیں۔ آیت نمبر ۲۳، ۲۴۔ خداوند نے موسیٰ سے کہا، بنی اسرائیل سے کہہ ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ تمہارے لئے خاص آرام کا دن ہے۔ اس میں یادگاری کے لیے نرسنگے پھونکے جاویں اور مقدس مجمع ہو۔" آیت نمبر ۲۵۔ تم اس روز کوئی خادمانہ کام نہ کرنا اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی گذارنا۔" آیت نمبر ۲۶- ۲۷۔ اور خداوند نے موسیٰ سے کہا، اسی ساتویں مہینے کو کفارہ کا دن ہے اس روز تمہارا مقدس مجمع ہو اور تم اپنی جانوں کو دکھ دینا اور خُداوند کے حضور آتشیں قربانی گذارنا۔" آیت نمبر ۲۸۔ تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا، کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے جس دن خداوند تمہارے خدا کے حضور تمہارے لیے کفارہ دیا جائے گا۔" آیت نمبر ۲۹۔ جو شخص اس دن اپنی جان کو دکھ نہ دے گا وہ اپنے لوگوں سے کاٹ ڈالا جائے گا۔" آیت نمبر ۳۰۔ اور جو شخص اُس دن کسی طرح کام کرے اُسے میں اُس کے لوگوں میں سے فنا کردوں گا آیت نمبر ۳۱۔ تم کسی طرح کا کام مت کرنا۔ تمہاری سب سکونت گاہوں میں پشت در پشت سدا یہی آئین رہیگا آیت نمبر ۳۲۔ یہ تمہارے لئے خاص آرام کا سبت ہے، اس میں تم اپنی جانوں کو دُکھ دینا، تم اس مہینہ کی نویں تاریخ سے دوسری شام تک اپنا سبت ماننا۔" مندرجہ صدر آیات پر ذرا غور سے توجہ دیں! جس عبادت ورِیاضت کا حکم دیا جارہا ہے اس کا وقت ساتویں مہینہ کا پہلا عشرہ ہے۔ نویں کی شام سے لے کر دسویں کی شام تک یہ خصوصیت سے منائی ہوتی تھی، اور اگر ان ایّام میں اپنی جانوں کو دُکھ نہ پہنچائے گا تو وہ اپنے لوگوں سے کاٹ ڈالا جائے گا۔ حالانکہ اُن کے سامنے کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس کو وہ دیکھ یا سُن کر اپنی جانوں کو دُکھ پہنچانے کا سبب

پیدا کرتے۔ان کے ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ اور محرم کی پہلی تاریخ دونوں ایک تھیں۔ان کے ساتویں مہینے کا نام تشرین ہے چنانچہ تاریخ طبری مطبوعہ مصر کے بیان کے مطابق یکم محرّم الحرام ۶۱ ھ مطابق یکم تشرین ۶۸۰ء ہے۔یعقوبی لکھتا ہے کہ یکم محرّم الحرام ۶۱ ھ کو ماہ تشرین کی پہلی تاریخ تھی۔بعض عجمی شہروں میں اس دن سورج برج میزان میں ساڑھے سترہ درجہ پر اور چاند برج دلو کی بیسویں منزل پر تھا۔ثابت ہوا کہ محرّم ۶۱ ھ سے ماہ تشرین کی تاریخیں توام ہوگئیں۔**نوٹ**:۔مندرجہ بالا آیاتِ تورات سے ایام محرم الحرام میں غم منانے، ماتم کرنے (جان کو دکھ دینے) کا صریح حکم موجود ہے۔مزید براں اکتیسویں آیت کے مطابق یہ دائمی قانون ہے اور یہ بات قدرت سے بعید نظر آتی ہے کہ ایک طرف قانون ابدی ہو اور دوسری طرف کچھ عرصہ کے بعد اسے منسوخ کرے نیز ایسا ہونا قرآنِ کریم کی آیت مجیدہ:۔لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ تَبْدِیْلاً کے خلاف ہے۔" (فلاحُ الکونین ص۳۸)

اَلْجَوابُ

(ا) مَیں نے اس سلسلے میں آپ کی ساری عبارت درج کردی ہے تاکہ قارئین پر آپ کے استدلال کی رکاکت (بوداپن) واضح ہوجائے۔آپ کی مندرجہ آیات سے پہلے اسی باب ۲۳ کی پہلی آیت سے آٹھویں آیت تک یہ احکام مذکور ہیں:۔پھر خداوند نے موسیٰ سے خطاب کرکے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو فرما اور اُن سے کہہ کہ خداوند کی عیدیں جن کے لیے تم منادی کروگے تاکہ مقدس جماعتیں جمع ہوویں عیدیں یہ ہیں۔چھ دن کاروبار کیا جاوے پر ساتویں دن جو سبت آرام کرنے کے لیے ہے۔اس میں مقدس جماعت ہوگی۔تم کوئی کام نہ کرو، یہ تمہارے سب گھروں میں خداوند کا سبت ہے۔یہ خداوند کی عیدیں اور مقدس جماعتیں ہیں کہ تم اُن کے خاص وقتوں پر اُن کی منادی کیا کروگے، پہلے مہینے کی چودھویں تاریخ زوال اور غروب کے درمیان خداوند کی عید فسح ہے سو تم سات دن تک فطیری ہی روٹی کھائیو۔پہلے دن مقدس جماعت کیجیو۔تم اس دن کوئی دنیوی کام نہ کرنا اور تم سات دن تک خداوند کے لیے آگ کی قربانی گذرانیو اور ساتواں دن مقدس جماعت کا ہے، تم اس روز کوئی دنیوی کام نہ کیجیو۔" ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ یہاں اُن کی مذہبی عیدوں کا تذکرہ اور حکم ہے، عید فسح اور عید فطیر وغیرہ اور سبت (ہفتہ کا دن) اُن کے آرام کا دن ہے۔یہ پہلے مہینے کی عیدیں ہیں۔(ب) اور آپ نے جو ساتویں مہینے کی تاریخوں کا ماتم شہادتِ حسینؓ ثابت کرنے کے لیے خصوصی حوالہ پیش کیا ہے اس کی آیت ۲۳ میں بھی یہ لکھا ہے

کہ :- پھر خُداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ ساتویں مہینے کے پہلے دن تمہارے لیے عید اور یادگاری کے لیے اور قرنائیوں کے پھونکنے کا وقت اور جماعتِ مقدّس ہوگی، تم کوئی کارِ دنیاوی مت کیجیو اور خداوند کے لیے آگ کی قربانی گذرانیو" اس سے ثابت ہوا کہ اُن کے ساتویں مہینہ کی پہلی تاریخ جس کو آپ طبرسی اور یعقوبی کے حوالہ سے یکم محرم کی پہلی تاریخ ثابت کر رہے ہیں، یہ دن اُن کے لیے عید کا دن تھا اور اس میں اُن کو قرنائیں بجانے کا حکم تھا، تو فرمائیے عید کا دن جس میں قرنائیں بجائی جائیں یہ اُن کے لیے تو کسی خوشی کا دن ہے، کیا اس کو ماتم کا دن کہہ سکتے ہیں؟ اور ماتم بھی اس واقعۂ شہادت کے متعلق جو ہزارہا سال بعد میں رُونما ہونے والا تھا؟ کچھ تو عقل و ہوش سے کام لیں - توراۃ کے مندرجہ الفاظ ہی آپ کے ماتم کی تردید کر رہے ہیں - (ج) آپ کا یہ لکھنا بھی بالکل غلط ہے کہ :- حالانکہ اُن کے سامنے کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جس کو وہ دیکھ یا سُن کر اپنی جانوں کو دُکھ پہنچانے کا سبب پیدا کرتے" کیونکہ یہاں جانوں کو دُکھ دینے کا مطلب سینہ کوٹنا اور چھُریاں مارنا نہیں بلکہ روزہ وغیرہ عبادات کا بجالانا ہے - آپ میں اگر کچھ بھی شعور و دیانت ہو تو اس دن کو ہرگز ماتم کا دن قرار نہ دیں، کیونکہ اس دن کو صاف الفاظ میں عید کا دن کہا گیا ہے، اور قرنائیں بجانے کا اس میں حکم دیا گیا ہے - کیا آپ عاشورار کو عید کا دن کہتے ہیں اور کیا اس میں بینڈ باجوں کے ذریعہ اظہارِ مسرت جائز سمجھتے ہیں (د) ان آیات میں بنی اسرائیل کو یہ عیدیں منانے کا حکم دیا جا رہا ہے، آئندہ کے لیے اس میں کوئی پیشگوئی نہیں، اور بعد کی آیات میں اس عید اور خوشی کی وجہ بھی صراحتاً مذکور ہے کہ :- اور تم ہر سال خداوند کے لیے اُن سات دنوں کی عید کی محافظت کریو، یہ تمہارے قرنوں کے لیے قانونِ ابدی ہوگا، تم ساتویں مہینے یونہی عید کیجیو، تم سات دن تک خیموں میں رہو، جتنے اسرائیل کی نسل کے ہیں سب کے سب خیموں میں رہیں تاکہ تمہاری نسل در نسل جانیں کہ جب میں بنی اسرائیل کو زمینِ مصر سے نکال لایا تو میں نے انہیں خیموں میں آباد کیا - میں خداوند تمہارا خدا ہوں، سو موسیٰ نے بنی اسرائیل سے خداوند کی عیدوں کا ذکر کیا" (ایضاً باب ۲۳ - آیت ۴۴) - توارت کی ان عبارتوں میں تصریح ہے کہ ان ایام میں چونکہ بنی اسرائیل کو صدیوں کے بعد فرعون کے مظالم سے نجات ملی تھی، اس لیے اس خوشی میں اُن کے لیے یہ عیدیں مقرر کی گئیں - لیکن آپ نے بالکل برعکس اس سے غم اور ماتم کا دن مراد لے لیا - ع، بریں عقل و دانش بباید

گزریست۔ (۳) آپ نے طبری اور یعقوبی کی عبارتوں کے تحت تشرین اور محرّم کی تاریخوں کی تطبیق دینے کی تکلیف بے فائدہ اٹھائی ہے، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ مدینہ کے یہودی دسویں محرّم عاشورار کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں ہے:۔ عن ابن عباس ان رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قدم المدینۃ فوجد الیھود صیاماً یوم عاشوراء فقال لھم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ماھذا الیوم الّذی تصومونہ فقالوا ھذا یوم عظیم انجی اللہ فیہ موسیٰ وقومہ وغرّق فرعون وقومہ فصامہ موسیٰ شکراً فقال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فنحن احق و اولیٰ بموسیٰ منکم فصام رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم و امر بصیامہ متفق علیہ (مشکوٰۃ شریف):۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہود عاشورار کا روزہ رکھتے ہیں، پس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن سے فرمایا کہ یہ کیسا دن ہے، جس میں تم روزہ رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ ایک عظیم دن ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم کو نجات دی تھی اور فرعون اور اُس کی قوم کو غرق کیا تھا۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بطور شکر اس دن روزہ رکھا تھا۔ پس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ پھر ہم حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے زیادہ حقدار اور زیادہ قریب ہیں نسبت تمہارے۔ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُس دن روزہ رکھا اور اس میں روزہ رکھنے کا (اصحاب کو) حکم دیا" (یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں مذکور ہے)۔

یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وقت یہود دسویں محرّم کو روزہ رکھتے تھے، اور بوجہ فرعون کے غرق ہونے اور بنی اسرائیل کے نجات پانے کے ان کے ہاں یہ عید اور خوشی کا دن تھا۔ یہ دن پہلے سے مبارک تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی عاشورار کے دن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی شہادت نصیب فرمائی، اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سُنّت تو یہ ہے کہ اس دن روزہ رکھا جائے۔ (۳) تورات کی جو آپ نے یہ آیت لکھی ہے کہ:۔ تم اس مہینہ کی نویں تاریخ سے دوسری شام تک اپنا سبت ماننا" اس سے بھی روزہ ہی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ اگر اس دن کو بوجہ شہادتِ امام حسین ماتم کا دن قرار دیا جائے، تو وہاں دوسری شام تک سبت منانے

کی حد بیان کی گئی ہے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دسویں محرّم کی شام تک ہی ماتم کرنے کی آخری حد ہے؛ اور حضرتِ حسینؓ بھی اُس دن بعد ظہر ہی شہید ہوئے ہیں تو گویا تورات کی بناء پر تو عاشورا ر کے ماتم کی مدّت بمشکل تین چار گھنٹے ہی بنیں گی۔ کیا آپ تورات کی اس حد بندی کے مطابق ماتم حسین کی پابندی کرنا منظور کر سکتے ہیں؟ ۔ بس دو چار گھنٹے منہ سر پیٹ لیا کریں، سارا جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا، مبارک ہو۔

ایک اور جاہلانہ نُکتہ

آپ لکھتے ہیں کہ :۔ مندرجہ بالا آیات تورات سے ایّامِ محرّم الحرام میں غم منانے، ماتم کرنے (جان کو دُکھ دینے) کا صریح حکم موجود ہے۔ مزید براں اکتیسویں آیت کے مطابق یہ دائمی قانون ہے، اور یہ بات قدرت سے بعید نظر آتی ہے کہ ایک طرف قانونِ ابدی ہو اور دوسری طرف کچھ عرصہ کے بعد منسوخ کر دے، نیز ایسا ہونا قرآن کریم آیتِ مجیدہ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا کے خلاف ہے۔" (فلاحُ الکونین ص۳۸)۔

الجواب

(الف) یہ کتنی صریح غلط بیانی ہے کہ یہاں ماتم کرنے کا صریح حکم موجود ہے، بلکہ صریح حکم تو عید منانے اور قرنائیں بجانے کا ہے۔ ہاں! اگر عید اور قرنائیں بجانے کو آپ کی اصطلاح میں ماتم کرنا کہتے ہیں، تو یہ آپ کی ماتمی فطرت کا بگاڑ ہے اور دُکھ دینے سے ثابت ہوا کہ روزہ رکھنا مراد ہے اور اس بنا پر یہود عاشورا ر (دسویں محرّم) کو روزہ رکھتے تھے۔

(ب) یہ حکم اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتحیّہ کے لیے نہیں، بنی اسرائیل کے لیے تھا اور جب شریعتِ محمّدیہ کے آنے سے شریعتِ مُوسویہ ساری ہی منسوخ ہو گئی۔ تو اگر یہ حکم بھی منسوخ ہو جائے تو آپ کو کیوں دُکھ لاحق ہوتا ہے، اور اگر آپ فرمائیں کہ پھر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس دن روزہ کیوں رکھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے، آپ نے اُس دن روزہ بطور فرض کے رکھا اور رمضان المبارک کا حکم نازل ہونے کے بعد پھر یہ روزہ نفلی رہ گیا۔ (ج) اور تورات کی مندرجہ آیات میں ہی یہ مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ :۔ جتنے اسرائیل کی نسل کے ہیں سب کے سب خیموں میں رہیں تاکہ تمہاری نسل در نسل جانیں، تو اس

میں تصریح ہے کہ یہ عیدیں اور یہ احکام یہودی نسل یعنی بنی اسرائیل کے لیے ہی ہیں۔ اب اگر کوئی یہودی نسل میں سے ہو اور قرآن کی بجائے اس کا موجودہ محرّف توراۃ پر ایمان ہو تو وہ تو اس پر اصرار کرسکتا ہے، مدّعیانِ اسلام اس پر اصرار کیوں کریں۔ عبرت! عبرت! عبرت ؎

ایک اور کم فہمی اسی سلسلہ میں مصنّف "فلاحُ الکونین" لکھتے ہیں کہ :- "نیز صاحبانِ معرفت پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ تورات و انجیل کے وہی احکام منسوخ سمجھے جائیں گے، جن کے نسخ پر قرآن مجید کی صراحت ہوگی ورنہ مسلمانوں کے لیے بھی حجّت ہوں گی۔ مدّعیٔ نسخ میں اگر کچھ دَم خم ہے تو قرآنِ کریم سے اس حکم کا نسخ ثابت کریں۔"

اَلْجَوَابُ (ا) تورات کی آیات سے ہی آپ کے استدلال کا ابطال کر دیا گیا ہے پہلے یہ تو ثابت کریں کہ ان عبارات میں ماتمِ حسین کا ہی حکم ہے، اور یہ عبارتیں غیر محرّف ہیں اور اسی تورات کا ترجمہ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر نازل ہوئی تھی، اور پھر یہ احکام امّتِ محمّدیہ کے لیے ہیں؟ ۔ چونکہ یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ یہ احکام بنی اسرائیل (یہودی نسل) کے لیے ہیں، اب آپ جس کھاتہ میں چاہیں اپنے آپ کو ڈال دیں (ب) قرآن سے نسخ ثابت کرنا سابقہ شرائع کے ان احکام میں ہوتا ہے جو قرآن میں مذکور ہیں مثلاً حضرت یعقوب علیہ السّلام وغیرہ کا حضرت یوسف علیہ السّلام کو سجدہ کرنا۔ لہٰذا جب تک شریعتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سے اُن کا منسوخ ہونا نہ ثابت ہو جائے وہ احکام بحال رہتے ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی جہالت سے اس مسئلہ کو اُلٹا سمجھ لیا، کہ جو احکام موجودہ محرّف شدہ تورات و انجیل میں موجود ہیں، اُن کو تو یقینی سمجھا جائے گا اور جب تک قرآن میں اُن کے منسوخ ہونے کا ثبوت نہ ہو اُن کو اُمّتِ محمّدیہ کے لیے بھی لازمی قرار دیا جائے گا۔ آخر جہالت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے آپ تو جہلِ مرکّب میں مبتلا ہیں ؎

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند — در جہلِ مرکّب ابدالدّھر بماند

وید کی پیشگوئی کی حقیقت مصنّف "فلاحُ الکونین" نے اپنے ماتم کی تائید میں وید کی حسبِ ذیل عبارت بھی پیش کی ہے :- "مہامت کے ان دونوں

نواسوں کو شریر لوگ ناحق ظلم کرکے دنیا کی خاطر مار ڈالیں گے، اور ساری زمین اُن کے مار ڈالنے سے بے سر ہو جائے گی اور اُن کے مار ڈالنے والے ملیچھ ہوں گے۔ دین و دنیا سے مردود ہو جائیں گے۔ اُن کے دل میں مہامت کی محبّت نہ رہے گی اور عاقبت میں کسی طرح سے خلاصی نہ پائیں گے۔ وہ لوگ ظاہر میں مہامت کے دین میں رہیں گے، پھر آہستہ آہستہ اور لوگ بھی اُن کی ہمراہی قبول کریں گے۔ مہامت اور مہامت کے فرزندوں کے چال چلن کے خلاف بہت سے کام ضد سے اختیار کریں گے، تھوڑے سے آدمی مہامت کے فرزندوں کی راہ پر رہیں گے۔ اکثر لوگ قتل کرنے والوں کے موافق بہت سے کام کریں گے اور ظاہر میں مہامت کے دوست کہلائیں گے۔ ایسے ظاہر داری کرنے والے لوگ کل جگ (آخری زمانہ) میں بہت ہوں گے، اور سارے جہان میں فساد برپا کریں گے۔" ذرا گریبان میں مُنہ ڈال کر پیشگوئی کے آخری فقرات پر غور کریں۔" (ص ۲۶/۲۷)

الجواب

تورات و انجیل کا تو آسمانی کتابیں ہونا یقینی ہے کیونکہ قرآنِ حکیم ان کی تصدیق کرتا ہے، گو اب وہ ناقابلِ اعتبار ہیں۔ لیکن ویدوں کے آسمانی کتابیں ہونے کی تو قرآن تصدیق نہیں کرتا، پھر یہ ہم پہ کیسے حجّت ہو سکتے ہیں؟ ۔ علاوہ ازیں وید اپنی اصلی زبانوں میں بھی باقی نہیں رہے، صرف اُن کے تراجم ہیں اور پنڈتوں کے اُن میں تصرّفات بھی بہت ہیں۔ ویدوں میں برہما، بشن اور مہادیو کو خُدا کی تین صفات یا جزو قرار دیا گیا ہے، اور اُن میں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔ بشن کی ناف سے کنول کا پھول نکلا، اُس میں سے برہما پیدا ہوا، دونوں جھگڑنے لگے، برہما کہنے لگا مَیں نے تجھ کو پیدا کیا ہے، بشن نے کہا ہم نے تجھ کو پیدا کیا ہے۔ اتنے میں آسمان سے دُھواں پیدا ہوا اُس نے فیصلہ کیا کہ تو برہما اور یہ بشن ہے۔ اے برہما! تو اس سے پیدا ہوا ہے، اب تو خلقت کو پیدا کر۔ جب اُس دُھوئیں کو غور سے دیکھا تو اُس میں لنگ یعنی آلۂ تناسل کی صورت دکھائی دی، اُس کی تحقیق کے لیے بشن سُؤر بن کر زمین میں گھسا اور برہما ہنس بن کر اوپر کو اُڑا۔ لیکن جب دس ہزار برس تک دونوں نے اُس کی انتہا نہ پائی تو برہما نے جانا کہ میرا یہی خُدا ہے۔ تب سے لنگ کی پوجا شروع ہوئی۔" علاوہ ازیں یہ بھی لکھا ہے کہ:۔ الیشر یعنی خُدا تعالیٰ پر چوبیس[۲۴] بار وہ سخت مصیبت پڑی کہ اس

کو بغیر سُوَر اور شیر وغیرہ جانوروں کے قالب میں آنے کے چارہ نہ ہؤا۔ چنانچہ تمام ہُنود کے نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہا ہے اور ان چیزوں کو ہُنود اَوتار کہتے ہیں" (بحوالہ مُقدّمہ تفسیر حقّانی)۔

جن ویدوں میں خُدا کا تصوّر یہ ہے اور جن میں ایسی ایسی حیاسوز خُرافات موجود ہیں، کیا ان سے مذہبِ شیعہ کی صداقت ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ اور یہ یقینی نہیں کہ ان ویدوں میں یہ عبارتیں موجود ہوں جو آپ نے لکھی ہیں، آپ نے بھی کسی اور کتاب سے نکل کر دی ہوں گی، کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہی شاید نصیب ہو جائے اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی نے لکھا ہے کہ روافض تورات سے بھی من گھڑت عبارتیں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:۔ تورات سے نقل کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اس میں فرمایا ہے کہ ہم نے بارہ گاؤں مقرّر کئے ہیں، تا ان میں خلفاء اس کے بعد رہیں۔ اوّل ایلیا۔۔ ۔۔۔۔ اور حال یہ ہے کہ تورات کے بالکل چار نسخے ہیں، نسخۂ فراسیّین، نسخۂ ربانیّین اور نسخۂ نصاریٰ کہ انہوں نے عبرانی سے اپنی زبان میں ترجمہ کیا ہے اور نسخۂ سامریّین، کہ یہ سب میں زیادہ ہے۔ سو چاروں نسخے چاروں فریق کے پاس موجود، کسی نسخے میں کچھ پتہ اس جھوٹی بناوٹ کا نہیں ہے (تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۶۸)۔

جب یہ حال تورات و انجیل کے بارے میں ہے تو ویدوں کے متعلق کیا کچھ بنایا جاسکتا ہے (۱) جو عبارت مصنّف نے درج کی ہے اس میں بھی ایسے قرائن موجود ہیں کہ یہ پیشگوئی وضعی (من گھڑت) ہے، کیونکہ اس میں یہ ہے کہ مہامت کے دونوں نواسوں کو شریر لوگ مار ڈالیں گے۔ اس سے دونوں نواسوں کا قتل کیا جانا مفہوم ہوتا ہے۔ حالانکہ حضرت امام حسنؓ کو اس طرح کسی نے قتل نہیں کیا اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپکو کس نے زہر دیا ہے[۱]؟ اور پھر آپ نے خود حضرت حسینؓ کو بھی آخر تک یہ نہیں بتایا کہ

---

[۱] علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:۔ امام حسن علیہ السلام نے اپنے اہل بیت سے فرمایا کہ واضح ہو میں زہر سے شہید ہونگا جس طرح جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم زہر سے شہید ہوئے۔ اہل بیت نے کہا کون آپ کو زہر دیگا، کہا میری کنیز یا میری زوجہ مجھے زہر دیگی۔ (جلاء العیون صفحہ ۲۸ مطبوعہ لکھنؤ)؛ حالانکہ رسول کریمؐ کو عرفاً شہید نہیں کہا جاتا لہذا امام حسنؓ کو بھی شہید نہیں کہا جائے گا۔

کس نے زہر دیا ہے، لہذا دونوں نواسوں کا حال برابر نہ ہوا۔ (ب) اس میں یہ لکھا ہے کہ "ساری زمین اُن کے مار ڈالنے کے بعد بے سر ہو جائے گی حالانکہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ایسا نہیں ہوا بلکہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصالحت کرکے اُن کی خلافت کو تسلیم کرلیا، اور تمام اُمّت کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اتّفاق ہوگیا، اسی لئے اس سال کو عَامُ الْجَمَاعَة کہا جاتا ہے اور حضرت امیر معاویہؓ کے دَور میں بہت زیادہ فتوحات ہوئیں اور اسلام کو شوکت نصیب ہوئی چنانچہ بانیٔ جماعتِ اسلامی ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بھی باوجود حضرت معاویہؓ کے خلاف زہر افشانی کرنے کے اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہوگئے ہیں کہ :- حضرتِ معاویہؓ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں، ان کا شرفِ صحابیّت بھی واجب الاحترام ہے، اُن کی یہ خدمت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دُنیا میں اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کردیا، اُن پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے، وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے۔ لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۵۲)

اور جب یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جو مودودی صاحب نے بھی تسلیم کرلی ہے، تو وید کے یہ الفاظ امام حسن کے بارے میں تو بالکل جھوٹے ثابت ہوگئے کہ "ساری زمین اُن کے مار ڈالنے کے بعد بے سر ہو جائے گی۔"

امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی صُلح

علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت امام حسنؓ اور آپ کا سارا خاندان حضرت امیر معاویہؓ کے بیت المال سے وظیفہ لیتا رہا۔ چنانچہ شیعوں کے رئیس المحدّثین علّامہ باقر مجلسی اپنی کتاب "جلاء العیون" میں لکھتے ہیں کہ :- قطب راوندی نے جناب صادق سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسنؓ نے امام حسینؓ و عبد اللہ بن جعفر سے فرمایا کہ جائزہ (وظیفہ) معاویہ کی جانب سے پہلی تاریخ تمھیں پہنچے گا جب پہلی تاریخ ہوئی جس طرح حضرت نے فرمایا تھا، جائزۂ معاویہ پہنچا، اور امام حسن بہت قرضدار تھے جو کچھ حضرت کے لیے اُس نے بھیجا تھا اُس سے اپنا قرض ادا کیا اور باقی اہل بیت اور اپنے شیعوں میں تقسیم کردیا اور امام حسین نے بھی اپنا قرض ادا کیا اور جو کچھ باقی رہا اس کے تین حصّے کئے، ایک حصّہ اپنے

اہلِ بیت اور شیعوں کو دیا اور دو حصّے اپنے عیال کے لیے بھیجے اور عبد اللہ بن جعفر نے اپنا قرض ادا کیا اور جو باقی بچا وہ معاویہ کے ملازم کو انعام میں دیا اور جب یہ خبر معاویہ کو پہنچی اُس نے عبد اللہ بن جعفر کیلئے بہت مال بھیجا" (مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۵۸/۲۵۹)۔

فرمائیے! اگر حضرت امیر معاویہؓ ایسے ہی تھے جیسا کہ اہلِ تشیع اُن کو سمجھتے ہیں تو پھر جنّت کے جوانوں کے سردار حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ نے اُن سے وظیفہ کیوں لیا ہے؟ کیا امامِ برحق کسی ظالم دشمن کا وظیفہ خوار ہو سکتا ہے؟ یہ واقعات حضرت امام حسنؓ کے بعد ساری زمین کے بے سر ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اُمّتِ مُسلِمہ کے اتفاق و اتحاد اور عُروج و غلبہ کی دلیل ہیں۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت قبول کرلی اور حضرت معاویہؓ نے اُن کے ساتھ اور حضرتِ حسینؓ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، اور سابقہ نزاع سب ختم ہو گیا۔ چنانچہ محبوبِ ربّانی، قطبِ سُبحانی حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہِ علَیہ فرماتے ہیں کہ:۔ حضرت علیؓ کی وفات پاجانے اور حضرتِ حسنؓ کے خلافت کے ترک کر دینے کے بعد حضرت معاویہؓ بن ابی سُفیان پر خلافت کا مقرّر ہونا درست اور ثابت ہے اور حضرت حسنؓ نے جو خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی تھی، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلمانوں میں فتنہ اور فساد اُٹھے گا اور خونریزی ہوگی اور حضرت حسنؓ کے ایسا کرنے سے رسولِ مقبولؐ کا قول بھی سچّا ہو گیا جو آپؐ نے اُن کے حق میں فرمایا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا تھا کہ میرا یہ فرزند سردار ہے، اِن کے وسیلہ سے خداوند تعالیٰ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا، اس لیے حضرت معاویہؓ کو جو خلافت پہنچی تھی، وہ حضرت حسنؓ کے سپرد کر دینے سے پہنچی تھی اور جس سال یہ خلافت مقرر ہوئی تھی اس کا نام سالِ جماعت رکھا گیا تھا۔ کیونکہ اُس میں سب لوگوں کے درمیان اتّفاق ہو گیا تھا اور مخالفت درمیان سے اُٹھ گئی تھی اور سب نے اتّفاق سے حضرت معاویہؓ کی فرمانبرداری قبول کی اور اس موقعہ پر دونوں فریق ہی خلافت کے دعویدار تھے، کوئی تیسرا فریق موجود نہ تھا کہ مخالفت کرتا اور جو دونوں گروہ حاضر تھے ان میں آپس میں صلح ہوگئی تھی الخ (غنیۃ الطّالبین مترجم صفحہ ۱۱۱)۔

لیکن جو لوگ حضراتِ اہلِ بیت کے بظاہر محبّ اور بباطن دشمن تھے، انہوں نے اس مصالحت

کی بنا پر حضرت امام حسنؓ کی بھی سخت مخالفت کی۔ جس کا اقرار خود اہلِ تشیع کے رئیس المجتہدین ملا باقر مجلسی نے بھی کیا ہے :۔ جب امام حسن پر مدائن میں خنجر مارا ، زید بن وہب جہنی امام حسن کی خدمت میں آیا اس وقت حضرت کو درد و الم تھا ، زید نے کہا یا ابن رسول اللہ ! کیا مصلحت ہے بدرستیکہ لوگ اس کام میں متحیّر ہیں ۔ حضرت نے فرمایا بخدا سوگند اس جماعت سے میرے لیے معاویہ بہتر ہے ۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادۂ قتل کیا ، میرا مال لوٹ لیا ۔ بخدا سوگند ! اگر معاویہ سے مَیں عہد لوں اور اپنا خون حفظ کروں اور اپنے اہل وعیال میں ایمن ہوجاؤں ، اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں اور میرے اہل وعیال اور عزیز و اقارب ضائع ہوجائیں ۔" (جلاء العیون جلد اوّل ص۲۷۶ مطبوعہ لکھنؤ) ان واقعات کے بعد واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت امام حسنؓ کے محبّ کون تھے اور دشمن کون ؟

امام حُسینؓ کے ساتھ کُوفیوں کا سلوک

حضرت امام حسینؓ کے ساتھ جن لوگوں نے دشمنی کی اور اُن کو قتل کرنا چاہا ، انہی لوگوں نے بعد میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دھوکا دیا اور آخر کار میدانِ کربلا میں آپ کے مقابلے پر آئے اور آپ کو شہید کردیا ۔ چنانچہ کوفیوں نے حضرت حسینؓ کو مکّہ معظّمہ میں جو خطوط لکھے ، ان میں یہ بھی تھا :۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم ، حُسین بن علی کو اُن کے شیعہ مومنین و مُسلمین کی طرف سے ، جلد روانہ ہوجیئے ! لوگ آپ کے منتظر ہیں ، سب کی رائے بس آپ ہی کے اوپر ہے ، جلدی کیجئے ! جلدی کیجئے ! والسّلام علیک ۔" (تاریخ طبری مطبوعہ نفیس اکیڈیمی کراچی) اور علاّمہ باقر مجلسی نے بھی یہ لکھا ہے :۔ بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم یہ عریضہ شیعوں ، فدویوں اور مخلصوں کی طرف سے خدمتِ امام حسین بن علی بن ابی طالب میں ہے ، امّا بعد بہت جلد آپ اپنے دوستوں اور ہوا خواہوں کے پاس تشریف لائیے ، کہ جمیع مردمانِ ولایت منتظر قدمِ میمنت لزوم ہیں اور بغیر آپ کے دوسرے لوگوں کی طرف لوگوں کی رغبت نہیں الخ (جلاء العیون مترجم جلد دوم ص۱۳۹ مطبوعہ لاہور)

شیعوں کی امام حُسینؓ سے بیوفائی

مکّہ معظّمہ سے کوفہ روانہ ہونے کے بعد جب حضرت حسینؓ کو حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت کی اطلاع ملی تو :۔ آپ نے

سب لوگوں کو ایک تحریر پڑھ کے سنائی، بسم اللہ الرّحمن الرّحیم! ایک بہت ہی سخت واقعہ کی خبر مجھے پہنچی ہے۔ مُسلم بن عقیل، ہانی بن عُروہ، عبد اللہ بن قطر قتل کئے گئے، ہمارے شیعوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا، تم میں سے جو کوئی جانا چاہے، چلاجائے۔ مَیں نے تم سے اپنا ذمّہ اُٹھالیا۔ یہ سنتے ہی وہ سب لوگ متفرق ہوگئے، کوئی داہنی جانب چلا کوئی بائیں طرف۔ یہ نوبت پہنچی کہ جو لوگ مدینہ سے آپ کے ساتھ چلے تھے بس وہی رہ گئے" (تاریخ طبری صہ ۲۳۱)

کوفی میدانِ کربلا میں

علّامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت حسین نے میدانِ کربلا میں کوفیوں سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ "تم نے ہنگامِ اضطراب و اضطرار اپنی مدد کو مجھے بُلایا اور جب میں نے تمھارا کہنا قبول کیا اور تمھاری نصرت وہدایت کرنے کو آیا، اس وقت تم نے شمشیر کینہ مجھ پر کھینچی، اپنے دشمنوں کی تم نے یاری و مددگاری کی اور اپنے دوستوں سے دستبرداری کرکے دشمنوں سے مل گئے۔ بغیر اس کے کہ انہوں نے تم میں اپنی کوئی عدالت ظاہر کی ہو" (جلاء العیون مترجم جلد دوم صہ ۱۸۲ مطبوعہ لاہور)۔

کوفیوں کا شیعہ ہونا مُسلّم ہے!

اس امر میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ حضرت حسینؓ کو کوفیوں نے ہی بلایا تھا، اور ہزارہا کی تعداد میں بیعت ہونے کے بعد حضرت مُسلم بن عقیل کو تنہا چھوڑ دیا اور ان کی مدد نہ کی، اور پھر وہی لوگ میدان کربلا میں حضرت امام حسینؓ کے مقابلے میں آئے اور کوفیوں کے اہل تشیّع ہونے کے متعلق شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری نے بھی خود اقرار کیاہے کہ :- بالجملہ تشیّع اہلِ کُوفہ حاجت باقامت دلیل ندارد وسُنّی بودن کوفی الاصل خلاف اصل و محتاج دلیل است گو ابوحنیفہ کوفی باشد (ترجمہ۔ حاصل کلام تشیّع اہل کوفہ محتاج کسی دلیل کا نہیں ہے، بلکہ سُنّی ہونا کوفی الاصل کا خلافِ اصل اور محتاج دلیل ہے اگرچہ ابوحنیفہ کوفی تھے۔) (مجالس المومنین مُترجم صہ ۶۹، مطبوعہ شمسی مشین پریس آگرہ ۱۲۹۲ھ)

مطلب یہ ہے کہ ہر کوفی کو شیعہ ہی تسلیم کیا جائے گا، کسی اور دلیل کی حاجت نہیں ہے۔ ہاں! کسی کوفی کے سُنّی ہونے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوگی۔ جب تک کسی قوی دلیل سے یہ ثابت نہ ہو کہ وہ سُنّی مسلمان ہے اُس

وقت تک کوئی شخص کو شیعہ ہی ماننا پڑے گا۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت امام حسینؓ کے قاتل شیعہ ہی تھے۔ شیعہ عالم
علامہ مولوی محمد حسین صاحب قاتلانِ حسینؓ کے مذہب کے متعلق لکھتے ہیں کہ :۔ درحقیقت ان سے اسلام کو کوئی
تعلق نہیں ہے، اس کے بعد اس سوال کا موقعہ ہی نہیں رہتا کہ یہ لوگ سُنّی تھے یا شیعہ"۔ (سعادتُ الدّارین
فی مقتل الحُسین صلا ۱۸) ۔

قاتلانِ حسینؓ کا سُنّی نہ ہونا تو آپ نے بھی تسلیم کرلیا، لیکن اگر وہ شیعہ بھی نہیں تھے تو پھر حضرت حسینؓ کا
کا مذکورہ یہ ارشاد غلط ثابت ہوجاتا ہے کہ :۔ ہمارے شیعوں نے ہی ہمارا ساتھ چھوڑ دیا"۔ حالانکہ شیعوں کا یہ
عقیدہ ہے کہ ائمہ کے پاس شیعوں کے نام درج ہوتے ہیں چنانچہ اُصولِ کافی صلا۱۳۶ مطبوعہ لکھنؤ میں ہے کہ
امام رضا علیہ السّلام نے فرمایا کہ :۔ اِنّا لنعرف الرجل اذا رأیناہ بحقیقۃ الایمان وحقیقۃ النفاق
وانّ شیعتنا لمکتوبون عندنا باسماءھم واسماءآباءھم :۔ (اور بے شک ہم لوگ آدمی کو دیکھ کر اس
کے ایمان اور نفاق کی حقیقت معلوم کرلیتے ہیں اور بے شک ہمارے شیعوں کے نام اور ان کے آباء کے نام
ہمارے پاس لکھے ہوئے ہیں") لہذا وید کی حسب ذیل عبارت سے مراد بھی وہی لوگ ہوں گے کہ :۔ ان کے
مار ڈالنے والے ملیچھ ہوں گے، دین و دنیا سے مردود ہوجائیں گے ...... مہابت کے فرزندوں کے چال
چلن کے خلاف بہت سے کام ضد سے اختیار کریں گے۔ اکثر لوگ قتل کرنے والوں کے موافق بہت سے
کام کریں گے ۔ فرمائیے! حضرت امام حسنؓ کن لوگوں کی شکایت فرما رہے ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو کس نے بُلایا اور کس نے شہید کیا اور خود امام موصوف جن کو ملامت کر رہے ہیں وہ کون تھے ؟۔

اہل کوفہ ہی پہلے ماتمی ہیں

وید کی پیش گوئی کے یہ الفاظ بھی کہ :۔ اکثر لوگ قتل کرنے والوں کے
موافق بہت سے کام کریں گے"۔ ماتمیوں کی ہی نشاندہی کرتے
ہیں، کیونکہ یہ اہل تشیع ہی کی کتابوں سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ جب خاندان نبوّت کا قافلہ کربلا سے کوفہ
پہنچا، تو کوفیوں نے ہی زبردست ماتم بپا کیا تھا۔ فرمائیے : کہ قاتلان حسین یعنی کوفیوں کے اس ماتم کی
پیروی کون لوگ کر رہے ہیں، ہم یا آپ ؟ ٭

ماتم در خانۂ یزید

مؤرخ طبری لکھتا ہے کہ :۔ اس کے بعد اہل حرم کا داخلہ دربار

ہوا، انہیں دیکھ کر یزید کے گھر کی عورتیں اور معاویہ کی بیٹیاں اور سب گھر والے نالہ و فریاد کرنے
لگے " (تاریخ طبری ص۳۰۶) اور خود شیعوں کے رئیس المجتہدین علامہ باقر مجلسی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ
ب مُخدّراتِ اہل بیت عصمت و طہارت اس کے محل میں داخل ہوئے۔ عوراتِ ابی سفیان نے اپنے زیور اتار
یے اور لباس ماتم پہن کے آواز نوحہ و گریہ و زاری بلند کی اور تین روز ماتم رہا۔ ہند دختر عبد اللہ بن عامر کہ اس
لمانے میں یزید کی زوجہ تھی اور پیشتر امام حسین کی خدمت میں تھی، اس نے پردہ کا خیال نہ کیا اور گھر سے
ل کے مجلس یزید ملعون میں جس وقت کہ مجمع عام تھا آ کے کہا، اے یزید! تونے سر مبارک امام حسین پسر
طمۃ الزہرا کا میرے دروازہ پر لٹکایا ہے۔ یزید نے دوڑ کے کپڑا اس کے سر پر ڈال دیا اور کہا گھر میں چلی
، اور گھر میں جا کر فرزند رسول خدا بزرگ قریش پر نوحہ و زاری کر۔ ابن زیاد نے ان کے بارہ میں جلدی کی
ں ان کے قتل پر راضی نہ تھا۔ مؤلف فرماتے ہیں یہ بات اُس ملعون نے اپنی زوجہ ہند کو سمجھانے کے لیے کہی تھی
رنہ قاتل امام حسین کا وہی ملعون تھا" (جلاء العیون جلد دوم ص۲۴۵ مطبوعہ لاہور)۔

مؤلف کتاب یعنی علامہ باقر مجلسی یہ فرما رہے ہیں کہ قاتل امام حسین یزید ہی تھا، اور اس کے
گھر میں اسی کے حکم سے ماتم بھی ثابت کر رہے ہیں، حتیٰ کہ تین دن تک خانۂ یزید میں ماتم بپا رہا۔ تو
اب تک قاتلانِ حسین کی پیروی کون کر رہا ہے، ہم یا آپ؟ اور قتل کرنے والوں کے موافق کام کرنے
والے کون ہیں؟ کوفیوں اور یزیدیوں کے ماتمِ حسین کو سُنّت اور عبادت منوانے والے یا اس کو ناجائز
اور حرام قرار دینے والے؟ ؎

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں ✧ لو! آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

آپ نے کوشش تو یہ کی تھی کہ دید کی عبارت کا مصداق اہلِ سُنّت کو ثابت کریں، لیکن معاملہ
برعکس ہو گیا اور دید کی عبارت کا خود ہی نشانہ بن گئے۔ ہم نے آئینہ پیش کر دیا ہے، اپنا چہرہ
خود ہی دیکھ لیں۔ عبرت! عبرت! عبرت!

دوسرے بہتانات

آپ نے خلط مبحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ :- اپنی کُتبِ تفسیر کا مطالعہ
کریں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی تفسیروں میں انبیاء و اُمم سابقہ

کے جس قدر حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں اُن میں کا ۱/۳ حصّہ تورات سے اخذ کیا گیا ہے اور بعض ایسے واقعات بھی درج کئے گئے ہیں جو عصمتِ انبیاء کے سراسر منافی اور باعثِ توہین ہیں مثلاً (ا) حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا جھوٹ بولنا۔ (ب) حضرت داؤد علیہ السّلام کا ایک شادی شدہ عورت پر عاشق ہونا (ج) حضرت یعقوب کا اپنی والدہ کے ایماء پر اپنے پدر بزرگوار حضرت اسحٰق کو بکری کے کباب کھلاکر دھوکہ سے نبوّت حاصل کرنا (د) رسُولِ خُدا کا مسجدِ فضیح میں بیٹھ کر شراب پینا وغیرہ وغیرہ خرافات کتُبِ اہلِ سُنّت میں موجود ہیں۔ ہمیں تورات و انجیل پر ایمان لانے اور تورات و انجیل کے مذہب کی پیروی کا طعنہ یا مشورہ دینے والے اپنے گریبان میں مُنہ ڈال کر سوچیں۔ بہت کچھ مان لینے کے بعد پیرا (ا، ب) میں جو کچھ لکھا ہے اس کو بھی مان لیں تو کیا حرج ہے؟ (فلاح الکونین ص۳۹)

الجوابُ

(ا) اگر یہ حوالجات صحیح ہیں اور عُلمائے اہلِ سُنّت ان کو صحیح مانتے ہیں، تو اگر آپ میں دیانت و صداقت ہوتی تو اُن کتابوں کا بھی حوالہ پیش کر دیتے، جن میں یہ باتیں مذکور ہیں، لہٰذا اجمالی جواب تو یہی کافی ہے کہ سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ (۲) تفصیلی جواب یہ ہے کہ کیا ہر وہ کتاب جو کسی مصنّف اہلِ سُنّت کی طرف منسوب ہو، اس پر مذہبِ اہلِ سُنّت کا مدار ہوتا ہے اور کیا اہلِ سُنّت کے نام سے ہر تفسیر ہم پر حجّت ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں، اور بقول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی، یہ واقعہ ہے کہ بعض کتابیں شیعہ علماء نے تصنیف کرکے عُلمائے اہلِ سُنّت کی طرف منسوب کر دی ہیں، اور شیعی عُلماء از رُوئے تقیہ سُنّی بنے رہے اور ایسی کتابیں تصنیف کرکے اہلِ سُنّت کو بدنام کیا، اور گذشتہ اوراق میں خود قاضی نور اللہ شوستری شیعی مجتہد کے اقرار سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ شیعہ عُلماء اپنے آپ کو حنفی اور شافعی ظاہر کرتے رہے، اور غالباً اسی بنا پر آپ نے اُن کتابوں اور اُن کے مُصنّفین کا نام نہیں لیا تاکہ حقیقت بے نقاب نہ ہوجائے، اور یہ بھی عجیب ستم ظریفی ہے کہ آپ خود تو اپنی کُتبِ اربعہ کافی وغیرہ کی روایات کو بھی ضعیف اور بے بنیاد قرار دے کر ہمارے دلائل و براہین قاہرہ سے جان چھڑائیں اور خود بلا حوالہ بعض باتیں درج کرکے ہم پر حجّت قائم کریں ۔ ع ۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

قصّہ حضرت داؤد علیہ السّلام

آپ نے نمبر (ب) میں جو لکھا ہے کہ :- حضرت داؤد کا ایک شادی شدہ عورت پر عاشق ہونا، تو قصّے کی اس نوعیّت کو محققینِ اہلِ سُنّت نے بالکل رَدّ کر دیا ہے۔ چنانچہ (۱) امام رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں :- والذی ادین بہ واذھب الیہ ان ذٰلك باطلٌ (پ ۲۳ سورۃ ص) :- "اور میرا دین و مذہب اس میں یہ ہے کہ یہ قصہ باطل ہے" (۲) حافظ ابنِ کثیر محدّث فرماتے ہیں :- قد ذکرھا المفسرون قصّۃ اکثرھا ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتّباعہ "مفسّرین نے یہاں ایک قصّہ بیان کیا ہے کہ اکثر حصّہ اس کا اسرائیلیات میں سے ہے اور حضرت نبی معصوم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اس میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے کہ اس کا اِتّباع ہم پر واجب ہو" (۳) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتّی لکھتے ہیں :- فھو کذب مفتری (تفسیر مظہری) "وہ قصّہ جھوٹ اور من گھڑت ہے" (۴) قاضی عیاض محدّث تحریر فرماتے ہیں کہ :- اس قصّہ کا ہرگز اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ قرآن مجید میں نہ اس کی تصریح ہے نہ کسی صحیح حدیث میں۔ مؤرّخین کی باتیں ہیں جن کو بعض مفسّرین نے تفسیر میں لکھ دیا" (۵) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں :- "اور فتنّاہ کی تفسیر میں قول مشہور ہے جس میں ایک بی بی سے نکاح کرنے کا واقعہ ہے، مگر محققین نے اس کا ابطال کیا ہے" (بیان القرآن) (۶) علامہ شبّیر احمد صاحب عثمانی نے لکھا ہے :- اس کے متعلق مفسّرین نے بہت سے لمبے چوڑے قصّے بیان کئے ہیں، مگر حافظ عماد الدین ابن کثیر اُن کی نسبت لکھتے ہیں :- "قد ذکر المفسّرون ھٰھنا قصۃ اکثرھا من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتّباعہ" اور حافظ ابو محمد ابن حزم نے کتاب الفصل میں بہت شدّت سے اِن قصّوں کی تردید کی ہے" (فوائد عثمانی) (۷) حضرت مولٰنا عبد الحق صاحب حقّانی تحریر فرماتے ہیں :- بعض بے ہودہ گو قصّہ خوانوں نے اس قصّہ کو حضرت داؤد علیہ السّلام کے اس واقعہ کی تفسیر میں چسپاں کر دیا کہ جو آیات مذکورہ میں تھا، مگر قدمائے اسلام اس کے سخت منکر تھے اور ہیں۔ چنانچہ سعید بن المسیّب و حارث اعور نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے

فرمایا جو شخص داؤد علیہ السلام کی نسبت اس قصہ کو نقل کرے گا، مَیں اُس کو ایک سو ساٹھ کوڑے مارُوں گا، جو انبیاء پر بہتان باندھنے کی سزا ہے (ابنِ کثیر) رہی کتاب "صموئیل" جس کی تقلید بعض حمقائے اسلام نے کی ہے، سو آج تک پورا پتہ اہل کتاب کو بھی نہیں ملتا کہ اس کا مصنّف کون ہے۔ وہ ایک تاریخ کی کتاب یہود میں مروّج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے خواہ مخواہ الہامی تصوّر کرلیا" (تفسیر حقّانی) (۸) تفسیر خازن میں ہے :- اعلم ان من خصّه الله تعالیٰ بنبوته واکرمه برسالته وشرّفه علیٰ کثیر من خلقه وائتمنه علیٰ وحیه وجعله واسطة بینه وبین خلقه لا یلیق ان ینسب الیه مالو نسب الی احاد النّاس لاستنکف ان یحدث به عنه :- "جاننا چاہیئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوّت سے مخصوص کیا ہو اور اپنی رسالت سے اکرام بخشا ہو اور اس کو اپنی اکثر مخلوق پر شرف عطا کیا ہو، وہ ہرگز اس لائق نہیں ہے کہ ان کی طرف ایسی بات منسوب کی جائے کہ جو اگر عام کسی آدمی کی طرف منسوب ہو تو وہ اس کو عار سمجھے"۔ محققینِ اہلِ سنت کی ان تصریحات کے بعد بھی کیا مصنف "فلاحُ الکونین" اسی ضد پر رہیں گے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق یہ بات اہلِ سنت کا مذہب و عقیدہ ہے؟

قِصّہ عشقِ داؤد تفسیر قمی میں

تفسیر قمی شیعہ مذہب کی مستند اور قدیم ترین تفسیر ہے، اس میں شیخ قمی نے بھی حضرت داؤد علیہ السّلام کے عشق کا یہ قصہ تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں یہ لکھا ہے کہ :- وهو فی محرابه یصلی فاذا طائر قد وقع بین یدیه جناحاه من زبرجد اخضر ورجلاه من یاقوت احمر ورأسه ومنقاره من لؤلؤ وزبرجد فاعجبه جدا ونسی ما کان فیه، فقام لیأخذ فطار الطائر فوقع علیٰ حائط بین داؤد وبین اوریا بن حنان وکان داؤد قد بعث اوریا فی بعثٍ فصعد داؤد علیه السّلام الحائط لیأخذ الطیر واذا امرأة اُوریا جالسة تغتسل فلما رأت ظل داؤد نشرت شعرها وغطت به بدنها، فنظر الیها داؤد فافتتن بها ورجع الیٰ محرابه الخ (تفسیر قمی جلد ۲ ص ۲۲۳)

"اور حضرت داؤد علیہ السّلام اپنے محراب (عبادت خانہ) میں نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک پرندہ

آپ کے سامنے گرا کہ جس کے پَر سبز زبرجد کے اور اُس کے پاؤں سُرخ یاقوت کے تھے اور اس کا سر اور چونچ لُوٗ لُوٗ (موتی) اور زبرجد کے تھے۔ پس آپ کو وہ بہت پسند آیا اور اپنی مشغولیّت (عبادت) کو وہ بھول گئے، پھر اُس پرندے کو پکڑنے کے لیے اُٹھے تو وہ پرندہ اُڑ کر اُس دیوار پر جا بیٹھا جو آپ کے اور اَوُریا بن حنان کے درمیان تھی اور آپ نے اَوُریا کو ایک لشکر میں بھیجا ہوا تھا۔ پس حضرت داؤد علیہ السّلام پرندے کو پکڑنے کے لیے دیوار پر چڑھ گئے، تو اچانک دیکھا کہ اَوُریا کی بیوی بیٹھ کر غسل کر رہی تھی۔ پس جب اُس نے حضرت داؤد کا سایہ دیکھا تو اپنے بال پھیلا دیے اور بدن کو اُن سے ڈھانپ دیا۔ حضرت داؤد علیہ السّلام نے اُس کو دیکھا تو اُس کے عشق میں مبتلا ہو گئے الخ۔"

اس کے بعد اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السّلام نے اَوُریا کو اس جنگ میں کسی تدبیر سے قتل کرا دیا۔ فرمائیے! جس لغو اور باطل قصّے کو آپ اہلِ سُنّت کی طرف منسوب کر رہے ہیں اس کو تو امام جعفر صادق نے بھی مان لیا ہے اور شیخ قمی نے بھی اس روایت کی کوئی تردید نہیں کی البتہ حاشیہ میں ناشر کی طرف سے سیّد جزائری کا یہ قول لکھا ہے کہ:- ان ھذا الحدیث محمولٌ علی التّقیہ:- (یعنی یہ حدیث تقیّہ پر مبنی ہے) شیخ قمی نے تو بلا شبہ اس روایت کو تسلیم کر لیا اور سیّد جزائری نے یہ تاویل کی از روئے تقیّہ امام جعفر صادق نے یہ قصّہ بیان فرمایا تھا، ورنہ یہ قصّہ صحیح نہیں ہے۔ ؎

اگر غفلت سے باز آیا، جفا کی ؏ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

انبیاء کے متعلق ماتمی عقیدہ

آپ نے جو حضرت داؤد علیہ السّلام کے متعلق اہلِ سنّت پر الزام لگایا ہے، اس کی محققینِ اہلِ سُنّت نے تردید کر دی ہے، لیکن اپنے گھر کی بھی خبر لیجئے! آپ کے علّامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں:- "و بسندِ معتبر از حضرت امام رضا منقول است کہ از اخلاقِ پیغمبران است خود را پاکیزہ کردن و خود را خوشبو کردن، و مُو تراشیدن و بسیار جماع کردن یا بسیار زنان داشتن۔ (حیات القلوب ج ۱ صـ۲۱) :- اور بسندِ معتبر حضرت امام رضا سے منقول ہے کہ یہ باتیں پیغمبروں کے اخلاق میں سے ہیں، اپنے کو پاکیزہ رکھنا، خوشبو

لگانا، بال تراشنا اور بہت جماع کرنا یا بہت بیویاں رکھنا" نعوذ باللہ! کیا نکاح انبیاء علیہم السّلام کا مقصد شہوت رانی ہی ہوتا ہے اور یہ بھی اخلاقِ نبوّت میں سے ہے؟ -

امام حسن کی تین سو شادیاں

یہی علامہ باقر مجلسی فرماتے ہیں کہ :- ابنِ شہر آشوب نے روایت کی ہے کہ امام حسن علیہ السّلام نے دوسو پچاس اور بروایتِ دیگر تین سو عورتوں سے نکاح کیا، یہاں تک کہ جناب امیر (یعنی حضرت علی) علیہ السّلام نے منبر پر فرمایا کہ میرا فرزند حسن مِطلاق یعنی زیادہ طلاق دینے والا ہے۔ اپنی دختروں کو اس سے تَزْوِیج نہ کرو، لوگ کہتے تھے کہ ایک شب کے لیے ہی ہماری دختر کو وہ تَزْوِیج کریں، ہمارے فخر کے لیے کافی ہے، اور جب امام حسن نے انتقال کیا جمیع زنانِ آنحضرت علیہ السّلام جن کو طلاق دی تھی، عقبِ جنازہ پا برہنہ آئی تھیں اور گریہ و زاری کرتی تھیں" (جلاء العیون جلد اوّل ص۲۹۵) فرمایئے حضرت امام حسن نکاحوں میں اتنے مشغول ہوئے کہ حضرت علی المرتضیٰ کو منبر پر لوگوں کو تنبیہ کرنا پڑی۔

ے غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر ؛ دیکھ اپنی آنکھ کا غافل! ذرا شہتیر بھی

حدیث بخاری اور قصہ حضرت ابراہیمؑ

آپ نے نمبر (۹) میں جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا جھوٹ بولنا لکھا ہے تو گو آپ نے اس میں بھی کسی کتاب کا حوالہ پیش نہیں کیا، مگر شیعہ علماء عموماً بخاری شریف کی ایک حدیث پیش کر کے چونکہ اہلِ سُنّت پر یہ الزام لگاتے رہتے ہیں، اس لیے اس کا تحقیقی جواب دینا ضروری ہے تاکہ ناواقف قارئین پر حقیقت حال منکشف ہو جائے۔ زیرِ بحث بخاری شریف کی حدیث درج ذیل ہے :- عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم لم یکذب ابراھیم اِلّا ثلثاً :- (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے نہیں توریہ کیا مگر تین بار" اس کے بعد کی روایت میں ہے :- عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال لم یکذب ابراھیم علیہ الصّلوٰة والسّلام اِلّا ثلث کذبات، ثنتین منھن فی ذات اللہ عزّوجلّ - قولہٗ اِنّی سَقِیْمٌ وقولہٗ بَلْ فَعَلَہٗ کبیرھم ھذا، وقال، بینا ھو ذات یوم وسارة اذ اَتیٰ علیٰ جبارٍ من الجبابرة فقیل لہ ان ھٰھنا

على معه امرأة من احسن الناس فارسل اليه فسأله عنها، فقال من هذه، قَالَ أُخْتِيْ" (بخاری شریف کتاب الانبیاء) ۷۔ "حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین باتوں میں توریہ کیا ہے، جن میں سے دو تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا کہ میں بیمار ہوں اور آپ کا یہ قول کہ، بلکہ اُن کے بڑے نے یہ کام کیا اور (تیسرا) یہ کہ آپ ایک دن اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ جارہے تھے کہ راستہ میں ایک جابر بادشاہ کے پاس سے گزرے، تو اس بادشاہ کو بتایا گیا کہ اس آدمی کے ساتھ اس کی بیوی ہے، جو بہت خوبصورت ہے پس اس نے آپ کو بلوایا اور پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میری بہن ہے۔"

اعتراض کا حل

اس حدیث پر مخالفین کا یہ اعتراض ہے کہ کذب جھوٹ کو کہتے ہیں لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین مرتبہ جھوٹ بولا ہے، حالانکہ انبیائے کرام معصوم ہیں اور اُن سے جھُوٹ نہیں صادر ہوسکتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک تمام انبیائے کرام علیہم السلام معصوم ہیں اور گناہوں سے پاک، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور حدیث میں جو کذب کا لفظ آیا ہے اس کا معنیٰ جھوٹ نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ خلافِ واقعہ بات کو کہتے ہیں اور حدیث میں مذکورہ تینوں باتیں ایسی ہیں، جن کو کسی طرح بھی جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔

پہلی بات اور تفاسیر اہلِ سُنّت

پارہ ۲۳ سورۃ الصّٰفّٰت میں ہے: فنظر نظرةً فی النُّجُوْمِ ٥ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ٥ ۔ (سو ابراہیم نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہونے کو ہوں" (ترجمہ مولانا تھانوی) اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے:۔ پھر اس نے ایک نگاہ ستاروں کو دیکھا، پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں") واقعہ یہ ہے کہ قوم میلے پر جانے لگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ جانے پر مجبور کیا، تو آپ نے ستاروں کی طرف دیکھ کر یہ فرمایا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ

(میں بیمار ہوں) اور یہ جھوٹ نہیں ہے۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں (۱) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں کہ :۔ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کہنا ظاہر میں خلاف واقع ہونے سے موجب وسوسہ ہوسکتا ہے لیکن واقع میں بالکل صحیح ہے یعنی یہ صیغہ بمعنی مستقبل ہے، مطلب یہ ہے کہ میں آئندہ کبھی بیمار ہوں گا (تفسیر بیان القرآن) (۲) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں :۔ حضرت ابراہیم کا اِنِّیْ سَقِیْمٌ کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا، ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا اس لیے بعض احادیثِ صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں توریہ ہے، اور اس طرح کا توریہ مصلحتِ شرعی کے تحت مُباح ہے (۳) مولانا نعیم الدّین صاحب مُراد آبادی بریلوی لکھتے ہیں :۔ قوم نجوم کی بہت معتقد تھی وہ سمجھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے ستاروں سے اپنے بیمار ہونے کا حال معلوم کرلیا۔ اب یہ کسی متعدّی مرض میں مبتلا ہونے والے ہیں اور متعدّی مرض سے وہ لوگ بہت ڈرتے تھے" (تفسیر خزائن العرفان) (۴) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی فرماتے ہیں :۔ والمراد بالکذباتِ التعریضات والتّوریہ :۔ یعنی حدیث میں کذبات سے مراد تعریضات اور توریہ ہے" (تفسیر مظہری) (۵) امام رازی فرماتے ہیں :۔ واما الکذب فغیر لازم لانّہٗ ذکر قولہ اِنّی سقیم علی سبیل التعریض بمعنی انّ الانسان لاینفکّ عن اکثر احوالہ عن حصول حالۃ مکروھۃ امّا فی بدنہ واما فی قلبہ وکل ذٰلک سُقمٌ (تفسیر کبیر) :۔ اس سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ آپ نے بطورِ تعریض یہ فرمایا ہے اس معنیٰ سے کہ انسان کو اکثر حالتوں میں بدنی یا قلبی کوئی تکلیف (ناگواری) پہنچتی ہی رہتی ہے خواہ اس کے بدن میں ہو یا اُس کے قلب میں اور یہ سب بیماری ہی ہے اور بطور تعریض بات کرنے کا مطلب شیعہ مجتہد شیخ طبرسی نے یہ لکھا ہے کہ :۔ والمعاریض ان یقول الرجل شیئاً یقصد بہ غیرہ ویفہم منہ غیر ما یقصدہٗ وَلا یکون ذٰلک کذباً۔ :۔ اور معاریض یہ ہیں کہ آدمی ایک بات ایسی کرے کہ اس کی مُراد اُس سے اور ہو اور اس کی مراد کے خلاف اس سے دوسرا معنیٰ سمجھا جائے اور یہ جھوٹ نہیں ہوتا (تفسیر مجمع البیان) جیساکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے قول اِنّی سَقِیْمٌ میں ہے کیونکہ بُت پرست اور ستارہ پرست

قوم نے تو یہ سمجھا کہ آپ نے ستاروں سے حساب کر کے یہ بات کہی ہے لیکن آپ کا یہ مطلب تھا کہ آئندہ کبھی تو بیمار ہونا ہی ہے اور تماشے میلے پر جانا بھی میرے لیے ایک قسم کی بیماری ہے، اور اس کو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا بلکہ فنِ بدیع میں اس کو کلام کی خوبیوں میں شمار کیا جاتا ہے، اور اس قسم کی بات کو توریہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شیعوں کے علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ :۔ کلامیکہ خلافِ واقع باشد و بر سبیلِ مصلحت گفتہ شود و توریہ کنند و ازاں قصدِ صحیح کنند، آں دروغ نیست۔ (حیات القلوب) :۔" یعنی ایسی بات کہ (بظاہر) خلافِ واقع ہو اور مصلحت کی بنا پر کہی جائے اور توریہ کریں اور اس سے صحیح بات کا ارادہ کریں تو وہ جھوٹ نہیں ہے" توریہ اور تعریض کا مطلب یہ ہے کہ ایک کلام کے دو مطلب بن سکتے ہیں متکلم کی مراد اور ہو اور سننے والا اس کا دوسرا مطلب سمجھے۔

دوسری بات اور تفاسیر اہلِ سنت

دوسری بات یہ ہے کہ جب قوم کے لوگ میلے پر چلے گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُت خانے میں سب بُتوں کو توڑ دیا، مگر اُن میں سے جو بڑا بُت تھا اُس کو نہ توڑا۔ جب لوگ میلہ سے واپس آئے اور بُت خانہ میں گئے تو اپنے خداؤں کا یہ حال دیکھ کر حیران رہ گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بُلوا کر اُن سے پوچھا قَالُوٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ ھٰذَا بِاٰلِھَتِنَا یٰٓاِبْرٰھِیْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا فَسْـَٔلُوْھُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ۝ (پ ۱۷ سورۃ الانبیاء ع ۵) (۱) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں: :۔"اُن لوگوں نے کہا کہ کیا ہمارے بُتوں کے ساتھ تم نے یہ حرکت کی ہے اے ابراہیم! انہوں نے جواب میں" فرمایا کہ نہیں بلکہ اُن کے اس بڑے (گرو) نے کی سو اُن (ہی) سے پوچھ لو (نا) اگر یہ بولتے ہیں" پھر اُس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :۔(تم یہ احتمال کیوں فرض نہیں کرتے کہ یہ حرکت مَیں نے نہیں کی) بلکہ اُن کے اس بڑے گرو نے کی اور پھر جب اس کبیر میں فاعل ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے تو ان صغار (چھوٹے بُتوں) میں ناطق ہونے کا احتمال بھی ہوگا) ..... اور بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا کی جو تقریر کی گئی ہے اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ صدق محض ہے مگر اس مضمون کے علیٰ سبیل الفرض ہونے پر محض قرینہ مقامیہ دال ہے، کوئی قرینہ مقالیہ دال نہیں جیسا ھٰذَا رَبِّیْ میں بھی ایسا ہی ہے اس لیے

حدیث میں صورتاً اس پر مجازاً کذب کا اطلاق ہوتا ہے۔" (تفسیر بیان القرآن) (۲) علامہ عثمانی موصوف لکھتے ہیں کہ :۔ "بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هٰذَا کہنا خلافِ واقع خبر دینے کے طور پر نہ تھا جسے حقیقتاً جھوٹ کہا جائے، بلکہ اُن کی تحقیق اور تجہیل کے لیے ایک فرضی احتمال کو بصورتِ دعویٰ لے کر بطورِ تعریض و الزام کلام کیا گیا تھا جیسا کہ عموماً بحث و مناظرہ میں ہوتا ہے، اس کو جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔" (۳) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے :۔ "بولے کیا تم نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم! فرمایا، بلکہ اُن کے اِس بڑے نے کیا ہوگا، تو اُن سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں۔" اس کی تفسیر میں مولانا محمد نعیم الدّین صاحب مُراد آبادی فرماتے ہیں :۔ "آپ نے اس کا تو کچھ جواب نہ دیا اور شانِ مناظرہ سے تعریض کے طور پر ایک عجیب و غریب حجّت قائم کی.... مجھ سے کیا پوچھنا، پُوچھنا ہو (تو) وہ خود بتائیں کہ اُن کے ساتھ یہ کس نے کیا۔ مدعا یہ تھا کہ قوم غور کرے کہ جو بول نہیں سکتا، جو کچھ کر نہیں سکتا، وہ خُدا نہیں ہوسکتا۔" (تفسیر خزائن العرفان) (۴) تفسیر خازن میں ان تینوں باتوں کے متعلق لکھتے ہیں :۔ فكل هذه الالفاظ صدق فی نفسها ليس فيها كذب فان قلت قد سماها النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کذبات بقوله لم يكذب ابراهيم الّا ثلث كذبات وقال فی حديث الشفاعة يذكر كذباته قلت معناه انه لم يتكلم بكلام صورته صورة الكذب وان كان حقًّا فی الباطن الا هذه الكلمات ولما كان مفهوم ظاهرها خلاف ("پس یہ سب الفاظ فی الحقیقت سچ ہیں اِن میں کوئی جھوٹ نہیں۔ پس اگر تو یہ کہے کہ ان کو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کذبات فرمایا ہے، تو مَیں کہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی کوئی بات ایسی نہیں کہی کہ گو وہ حقیقت میں حق ہو، لیکن صورت اُس کی جھوٹ کی ہو مگر یہ تین باتیں ایسی کہی ہیں اور اس وجہ سے کہ ان کا ظاہری مفہوم ان کی دل کی مراد کے خلاف تھا یعنی سننے والوں کے لیے" (۵) مولانا عبد الحق صاحب حقّانی تحریر فرماتے ہیں کہ :۔ "واضح ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے آپ کو مخفی رکھنا اور بت شکنی کو بڑے بُت کی طرف منسوب کرنا یا آفتاب کو هٰذَا رَبِّی کہنا جھوٹ نہیں کہا جاسکتا، کہ یہ باتیں از قسم تعریض و توریہ ہیں۔" (تفسیر حقّانی)۔

تیسری بات

مذکورہ دو باتیں تو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی قرآن میں مذکور ہیں اور تیسری بات کہ آپ نے اپنی بیوی سارہ کے متعلق فرمایا کہ یہ میری بہن ہے اور اس سے آپ نے دینی بہن مراد لیا تھا اور اس میں بھی کوئی جھوٹ نہیں بلکہ یہ بھی از قسم توریہ و تعریض ہے چنانچہ فتح الباری شرح البخاری میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے مندرجہ زیر بحث حدیث بخاری پر مفصل تبصرہ کیا ہے، جس میں فرماتے ہیں کہ :- واما اطلاقه الكذب على الامور الثلاثة فلكونه قال قولاً يعتقده السامع كذِبًا لكنه اذا حقق لم يكن كذبًا لانه من باب المعاريض المحتملة للامرين فليس بكذب محضٍ فقوله اِنِّيْ سَقِيْمٌ يحتمل ان يكون المراد اِنِّيْ سَقِيْمٌ اى سأسقم واسم الفاعل يستعمل بمعنى المستقبل كثيرًا ..... (وقوله) بل فَعَلَهٗ كبيرهم هٰذا - قال ابن قتيبه معناه ان كانوا ينطقون فقد فَعَلَهٗ كبيرهم هٰذا ..... (وقوله هٰذه اختى) يعتذر عنه بان مراده انها اخته فى الاسلام :" اور آپ کا ان تینوں باتوں پر کذب کا اطلاق کرنا سو اس وجہ سے ہے کہ آپ نے ایسی بات کہی کہ سننے والا اس کو جھوٹ قرار دیتا ہے لیکن جب اس کی تحقیق کی جائے تو یہ جھوٹ نہ تھا کیونکہ یہ معاریض کی قسم میں سے ہے - جس میں دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے ، لہذا یہ جھوٹ محض نہیں ہے- پس آپ کا یہ فرمانا کہ میں سقیم ہوں اس میں یہ احتمال ہے کہ آپ کی مراد یہ ہو کہ میں عنقریب بیمار ہوں گا ، اور اسم فاعل مستقبل کے معنی میں اکثر استعمال کیا جاتا ہے---- اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے ، تو ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اگر وہ بت بولتے ہیں تو اُن کے اس بڑے نے کیا ہے ---- اور آپ کا یہ فرمانا کہ یہ میری بہن ہے ، تو اس میں آپ کی طرف سے یہ عذر ہے کہ آپ کی مراد یہ تھی کہ یہ میری اسلامی بہن ہے " ؛

کلامِ ابراہیم اور تفاسیرِ شیعہ

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق مذکورہ تینوں باتوں میں جو تاویل و توجیہہ اہلِ سُنّت مفسّرین و محدّثین نے کی ہے وہی شیعہ مفسّرین و محدّثین نے بھی لکھی ہے - چنانچہ شیخ قمی لکھتے ہیں :- فقال الصّادق عليه السّلام وَاللهِ مَا فَعَلَهٗ كبيرهم وَمَا كذب ابراهيم فقيل كيف ذٰلك قال انما قال فَعَلَهٗ كبيرهم هذا ان نطق

وان لم ینطق فلم یفعل کبیرھم ھذا شیئ (تفسیر قمی) :- "پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی قسم نہ یہ کام اُن کے بڑے نے کیا نہ حضرت ابراہیم نے جھوٹ کہا۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیسے ؟ تو فرمایا کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ اگر یہ بڑا بولتا ہے، تو اسی نے کیا ہے اور اگر نہیں بولتا تو اس بڑے نے یہ فعل بالکل نہیں کیا" (۲) شیخ طبرسی لکھتے ہیں :- فکانہ قال انی ساسقم لا محالۃ .... وثانیہا انہ نظر فی النجوم کنظرھم لانھم کانوا یتعاطون علی النجوم فاوھمھم انہ یقول بمثل قولھم عند ذلک انی سقیم فترکوہ ظنا منھم ان نجمہ یدل علی سقمہ .... فما روی ان ابراھیم (ع) کذب ثلث کذبات - قولہ انی سقیم - وقولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا وقولہ فی سارۃ انھا اختی فیمکن ان یحمل ایضا علی المعاریض ای ساسقم وفعلہ کبیرھم علی ما ذکرناہ فی وصفہ وسارۃ اختہ فی الدین وقد ورد فی الخبر ان فی المعاریض لمندوحۃ عن الکذب والمعاریض ان یقول الرجل شیئًا یقصد بہ غیرہ ویفہم منہ غیر ما یقصدہ ولا یکون ذلک کذبا فان الکذب قبیح لعینہ ولا یجوز ذلک علی الانبیاء لانہ یرتفع الثقۃ بقولھم جل امناء اللہ تعالیٰ واصفیاءہ عن ذلک - (تفسیر مجمع البیان سورۃ الصّٰفّٰت) :- "یعنی آپ نے یہ فرمایا کہ میں بالضرور بیمار ہونے والا ہوں ---- اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ آپ نے ستاروں پر نظر کی جس طرح وہ ستارہ پرست لوگ کرتے تھے، کیونکہ وہ ستاروں سے مطلب نکالتے تھے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو اس وہم میں ڈال دیا کہ آپ بھی اُن کی طرح ہی (ستاروں کے حساب) سے کہہ رہے ہیں اور آپ نے اس وقت فرمایا کہ میں بیمار (ہونے والا) ہوں۔ پھر انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا اس گمان پر کہ آپ کا ستارہ آپ کی بیماری پر دلالت کرتا ہے، اور آپ کا یہ فرمانا کہ اُن کے اِس بڑے نے یہ کیا ہے اور یہ کہ سارہ میری بہن ہے۔ تو ممکن ہے کہ اُن کو بھی معاریض پر محمول کیا جائے یعنی میں عنقریب بیمار ہونے والا ہوں اور فعلہ کبیرھم کا مطلب ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، اور یہ کہ سارہ آپ کی دینی بہن ہے، اور روایت میں مذکور ہے کہ معاریض میں جھوٹ سے بچاؤ ہو جاتا ہے اور معاریض کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی بات کہے کہ اس کی مُراد اُس سے اور رہو اور اس کی مُراد کے برعکس

اس سے دوسرا معنیٰ سمجھا جائے، اور یہ جھوٹ نہیں ہوتا کیونکہ جھوٹ فی نفسہ قبیح ہے اور انبیاء پر یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس سے اُن کی بات سے اعتماد اُٹھ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امین اور اس کے برگزیدہ بندے اس سے پاک اور بالاہیں" (۳) علامہ باقر مجلسی آیت اِنِّیْ سَقِیْمٌ کے تحت لکھتے ہیں :- "و کلامیکہ خلاف واقع باشد و بر سبیل مصلحت گفتہ شود و توریہ کنند و ازاں قصد صحیح کنند آنْ دروغ نیست و جائز است بلکہ در بسیارے از جاہا واجب می شود از برائے حفظِ نفسِ خود یا مالِ خود یا غرض خود یا دیگر، و بعضے گفتہ اند، گفت من دلم بیمار است و دَرَ اندوہم از ضلالتِ قومِ خود و ظاہر احادیثِ معتبرہ بسیار آنست کہ ایں کلامے بود بر سبیلِ مصلحت و بیکے ازیں وجہ کہ مذکور شد یا مذکور خواہد شد توریہ فرمود کہ ظاہر آنہا معنی نہ فہمیدند و غرضِ واقعی آنحضرت صحیح باشد" (حیات القلوب جلد اوّل ص۱۱۹) :- "اور جو کلام کہ خلافِ واقع ہو اور مصلحت کی بنا پر کہی جائے اور اُس کی مراد صحیح بات ہو تو وہ جھوٹ نہیں ہے اور جائز ہے بلکہ اکثر جگہوں میں (ایسی بات) واجب ہوجاتی ہے اپنی جان یا مال کی حفاظت یا کسی اور غرض کے لیے، اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میرا دل بیمار ہے اور اپنی قوم کی گمراہی سے رنجیدہ ہوں اور اکثر معتبر احادیث کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ بات مصلحت پر مبنی تھی اور مذکورہ وجہ سے یا اس وجہ سے جو آئندہ مذکور ہوگی۔ آپ نے توریہ فرمایا کہ انہوں (یعنی کافروں) نے بظاہر اس کا مطلب نہ سمجھا، حالانکہ آپ کی واقعی غرض صحیح تھی"

اور آیت بَلْ فَعَلَہٗ کَبِیْرُھُمْ ھٰذَا کے تحت علامہ مجلسی لکھتے ہیں :- "چوتھی وجہ یہ ہے کہ جھوٹ اس خلاف واقعہ بات کو کہتے ہیں جو کسی مصلحت کی بنا پر نہ کہی جائے، اور یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصلحتاً فرمائی تھی کہ ان کو دلیل میں عاجز کریں۔ چنانچہ حدیثِ معتبر میں منقول ہے کہ حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ اس شخص پر ایسی بات جھوٹ نہیں ہوتی جو اصلاح کے مقام پر ہو، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ بخدا اِن (بُتوں) نے یہ کام نہیں کیا تھا اور حضرت ابراہیم نے بھی جھوٹ نہیں کہا" (حَیَاتُ الْقُلُوْب) تو جب شیعہ علماء و مجتہدین نے بھی ائمۂ اہلِ بیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مذکورہ، تینوں باتوں کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو اہلِ سُنّت مفسرین و محدثین نے لکھا ہے اور دونوں کی تحقیق یہی ہے کہ یہ باتیں جھوٹ نہیں ہیں، تو پھر حدیث بخاری پر اہلِ تشیع کا اعتراض کرنا کیونکر صحیح

ہو سکتا ہے ۔

کِذب کا معنیٰ

زیادہ سے زیادہ یہی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہ تینوں باتیں جھُوٹ نہیں ہیں تو حدیث بخاری میں اُن پر کِذب کا اطلاق کیوں کیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کِذب کے معنی عربی لُغت اور محاورہ میں جھوٹ کے سوا اور بھی آتے ہیں ۔ (ا) کِذب کا صلہ علیٰ آئے تو اس کا معنی واجب ہونا ہے ۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب قاموس میں ہے قد یکون بمعنیٰ وَجَبَ ومنه کذب علیکم الحج ، کذب علیکم العمرة ، کذب علیکم الجهاد یعنی کبھی کذب بمعنی وَجَبَ آتا ہے اور اسی سے یہ ہے کہ تم پر حج واجب ہے ، تم پر عُمرہ واجب ہے ، تم پر جہاد واجب ہے ۔ (ب) کِذب کا معنی کم ہونا بھی ہے ، چنانچہ عربی محاورہ ہے کذب لَبَن النّاقة (اونٹنی کا دُودھ کم ہوگیا) اور اسی بنا پر ضعیف عورت کو مَکذُوبَه کہتے ہیں ۔ چنانچہ قاموس میں ہے اَلْمَکْذُوبَةُ الضَّعِیفَه ۔ (ج) کِذب بمعنی خطا بھی آتا ہے اور محدّثین عموماً اس کو خطا کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور خود قرآن مجید نبیّ کریم رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے معجزۂ معراج کے بیان میں ہے :۔ مَا کَذَبَ الفُؤَادُ مَا رَاٰی (سورۃ النّجم) :۔ "قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی " (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی) تو یہاں لفظ کذب سے مُراد خطا ہے ، مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قَابَ قَوسَین پر تجلّیاتِ الٰہیّہ کا مشاہدہ کیا اور آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ، تو دل نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ، تو جب عربی لُغت میں بھی کِذب کے متعدّد معانی آتے ہیں اور قرآن حکیم میں بھی کِذب بمعنی خطا استعمال ہوا ہے ، تو اگر حدیث بخاری میں کِذب بمعنی جھوٹ نہ ہو بلکہ بمعنی خطا مستعمل ہو تو اس پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے ، اور یہاں کِذب بمعنی خطا ہونے کی تائید خود بخاری شریف کی ہی دوسری حدیث سے ہوتی ہے ۔

چنانچہ حدیثِ شفاعت میں ہے :۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہ عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ صلّی اللہ علیه وسلّم یجمع اللہ النّاس یوم القیٰمة فیقولون لو استشفعنا علیٰ ربّنا حتّیٰ یریحنا من مکاننا فیأتون اٰدم فیقولون انت الذی خلقك اللہ بیدہ و نفخ فیك من روحه و امر الملٰئکة فسجدوا لك فاشفع لنا عند ربّنا

فیقول لست هناکم ویذکر خطیئته ، ویقول ائتوا نوحًا اوّل رسول بعثه الله فیأتونه فیقول لست هناکم ویذکر خطیئته ، ائتوا ابراهیم الذی اتخذه الله خلیلاً فیأتونه فیقول لست هناکم ویذکر خطیئته (بخاری شریف ، کتاب الرقاق باب الصفة والنار) ؛ "حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو جمع کرے گا ، تو وہ کہیں گے کہ ہم اپنے رب کے پاس کس کو شفیع بنائیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی جگہ پر راحت عطا فرمائے۔ پس وہ حضرت آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آپ وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور اپنی روح آپ کے اندر پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا اور انہوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ پس آپ پروردگار کے پاس ہماری شفاعت (سفارش) کریں، تو آپ فرمائیں گے کہ میں تمہارا کام نہیں کرسکتا اور اپنی خطا ذکر کریں گے اور فرمائیں گے کہ حضرت نوحؑ کے پاس جاؤ کیونکہ وہ پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا۔ پس وہ لوگ آپ کے پاس آئیں گے ، تو آپ بھی فرمائیں گے کہ میں تمہارے کام نہیں آسکتا اور اپنی خطابیان کریں گے ، تم حضرت ابراہیمؑ کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے خلیل بنایا ہے ، پھر وہ آپ کے پاس آئیں گے تو آپ بھی فرمائیں گے کہ مَیں تمہارے کام نہیں آسکتا اور اپنی خطا کا ذکر کریں گے۔"

ان انبیائے کرام کے علاوہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ بھی یہی جواب دیں گے اور حضرت عیسیٰ رُوحُ اللہ بھی معذرت پیش کریں گے اور آخر کار تمام امتوں کی شفاعت امام الانبیاء والمرسلین، رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرمائیں گے ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی اس شفاعت کو شفاعتِ کُبریٰ کہا جاتا ہے ، جو تمام بنی آدم کے لیے ہوگی ۔ بہرحال اس حدیث شریف میں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰ علیہم السّلام کی طرف خطیئۃ کا لفظ منسوب فرمایا ہے ، اور خطیئۃ اور خطا بھول چوک کے معنی میں بھی آتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت آدم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم السّلام کی جن باتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے خطیئۃ سے تعبیر فرمایا ہے ، وہ گناہ نہیں ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی جن باتوں کو خطیئۃ سے تعبیر فرمایا ہے ، وہ بھی گناہ نہیں لہٰذا زیر بحث حدیث

بخاری میں بھی کِذب بمعنی جھوٹ نہیں ہے، کیونکہ جھوٹ تو کبیرہ گناہ ہے جس کا صُدُور انبیائے کرام سے نہیں ہو سکتا۔

لفظِ خَطیئَۃ قرآن میں

اور حدیثِ شفاعت کے علاوہ خود قرآن مجید میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی طرف لفظ خطیئۃ ہی کی نسبت کی گئی ہے چنانچہ پ ۱۹۔ سُوْرَۃُ الشّعراء میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا:۔ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝ مولانا تھانوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:۔ "اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے دن معاف کر دے گا" اور خطیئتی سے مُراد خلافِ اولیٰ ہے ورنہ انبیاءِ علیہم السّلام معاصی سے قطعًا پاک تھے۔ (تفسیر بیان القرآن) (۲) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:۔ "اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا" اس کے حاشیہ پر مولانا نعیم الدین صاحب مُراد آبادی فرماتے ہیں:۔ انبیاء معصوم ہیں، گناہ اُن سے صادر نہیں ہوتے اُن کا استغفار اپنے رب کے حضور تواضع ہے اور اُمّت کے لیے طلبِ مغفرت کی تعلیم ہے۔ (۳) مولوی فرمان علی صاحب شیعی مفسّر لکھتے ہیں:۔ "اور وہ شخص جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دے گا۔" (۴) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے:۔ "اور وہی ہے جس سے میں خواہش رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخش دے" (ترجمہ مقبول) پہلے تین مفسّروں نے خطیئۃ کا ترجمہ خطا کیا ہے اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعی مفسّر نے اس کا ترجمہ گناہ کیا ہے۔ اب مصنّف "فلاحُ الکونین" سے ہمارا یہ سوال ہے کہ کیا آپ کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے گناہ کیا تھا؟ اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ اس سے مُراد صُورتًا گناہ ہے نہ کہ حقیقتًا۔ تو یہی ہم حدیث بخاری میں لفظ کذب کے متعلق کہتے ہیں، کہ اس سے مُراد صُورتًا کذب ہے نہ کہ حقیقتًا، اور صورتًا کذب کو ہی توریہ کہا جاتا ہے، اسی بنا پر ہم نے حدیث مذکور کے ترجمہ میں کذب کا معنی توریہ لکھا ہے۔

لفظِ مَعصِیت اور غَوایت کا اطلاق قرآن میں

اور صورتًا کذب کو کذب کے لفظ سے تعبیر کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السّلام کی

بھول چوک کو قرآن مجید میں لفظ معصیت اور غوایت سے تعبیر کیا گیا ہے :۔ وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی (سورۃ طٰہٰ ع ۷) اور لُغت میں عصیان اور معصیت نافرمانی کو کہتے ہیں چنانچہ المنجد میں ہے عَصٰی عصْیًا و معصیةً :۔ خرج عن طاعتهٗ وعانده (وہ اس کی تابعداری سے نکل گیا اور اس کی مخالفت کی) اور غوایت کا معنٰی گمراہی ہے ، چنانچہ المنجد میں ہے : غوٰی ، غوایة :۔ ضلّ ، خاب ، هلك (گمراہ ہوا ، محروم ہوا ، ہلاک ہوا) حالانکہ انبیائے کرام علیہم السّلام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گمراہی سے معصوم ہوتے ہیں اور حضرت آدم علیہ السّلام نے بھی نافرمانی نہیں کی تھی ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے :۔ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا :۔ "تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا" (مولانا احمد رضا خاں بریلوی) (سورۃ طٰہٰ ع ۶) اور مولانا تھانوی لکھتے ہیں :۔ "سو اُن سے غفلت (اور بے احتیاطی) ہوگئی ہم نے ان میں پختگی نہ پائی ۔" اس آیت میں لفظ نَسِیَ سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السّلام نے شجر ممنوعہ کا جو پھل کھایا تھا تو اس میں وہ بھول گئے تھے اور بھول کر یعنی یاد نہ رہنے کی وجہ سے جو کام کیا جائے اس کو نافرمانی اور مخالفت نہیں کہتے ، مثلاً روزہ دار کو اگر یاد نہ رہے کہ اس نے روزہ رکھا ہوا ہے اور کچھ کھا پی لے تو روزہ بھی نہیں ٹوٹتا ۔ نافرمانی اور گناہ اس فعل کو کہتے ہیں جس میں قصد اور ارادہ کا دخل ہو ۔ تو باوجودیکہ حضرت آدم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کی حقیقتاً نافرمانی نہیں کی لیکن چونکہ صورتاً نافرمانی تھی ، اس لیے اس کو لفظِ معصیت اور غوایت سے تعبیر کیا گیا ورنہ یہ بھول چوک ہے نہ کہ گناہ ، چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں :۔ "اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا سو غلطی میں پڑ گئے ۔" اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے :۔ "اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی ۔" اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعی لکھتے ہیں :۔ "اور آدم نے اپنے رب کے خلاف کیا لہذا ناکام رہے ۔" حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ پس جب آدم نے کھا لیا تو خلافِ احتیاط یا ترکِ اولیٰ ہوا ، اسی کے نتیجہ کو خُدا فرماتا ہے فَغَوٰی عوام اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ معاذ اللہ گمراہ ہوگئے لیکن تفسیر اہل بیت سے ثابت ہوا کہ اُن کا مقصود جو تھا وہ حاصل نہ ہوا ۔ (ترجمہ مقبول)

لفظِ ضلالت کا استعمال

ضلالت کا معنی گمراہی ہے اور سورۃ فاتحہ میں وَلَا الضَّآلِّیْنَ سے مُراد نصاریٰ وغیرہ کُفّار ہیں۔ حالانکہ یہی لفظِ ضَال قرآن مجید میں نبی کریم رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے لیے بھی آیا ہے :۔ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى تو کیا کوئی مومن یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں ضَال بمعنی گمراہ ہیں، ہرگز نہیں! بلکہ یہاں ضَال سے مراد ناواقف ہونا ہے۔ چنانچہ (۱) مولانا تھانوی یہ ترجمہ لکھتے ہیں :۔ "اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلا دیا" اور وحی سے پہلے شریعت کی تفصیل معلوم نہ ہونا کوئی منقصت نہیں (تفسیر بیان القرآن) (۲) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی فرماتے ہیں :۔ "اور تمہیں اپنی محبّت میں خود رفتہ پایا، تو اپنی طرف راہ دی" (۳) مولوی فرمان علی صاحب شیعی نے یہ ترجمہ کیا ہے :۔ "اور تم کو (احکام) ناواقف دیکھا تو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا" (۴) اور مولوی مقبول صاحب دہلوی کا ترجمہ یہ ہے :۔ اور تم کو بھٹکا ہوا پایا اور منزلِ مقصود تک پہنچایا۔ (ترجمہ مقبول) یہاں ترجمہ بھٹکا ہوا محلِّ اعتراض ہے!

لفظِ ذَنْب کا استعمال

ذَنْب کا لفظ قرآن مجید میں گُناہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے مثلاً سورۃ التکویر میں ہے :۔ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ :۔ "جب وقت زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے بدلے میں ماری گئی" (ترجمہ مولوی فرمان علی) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں :۔ "اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پُوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی" لیکن یہی لفظِ ذَنْب قرآن مجید میں رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے متعلق بھی مذکور ہے :۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (سورۃ محمد) (۱) مولانا تھانوی اس کا ترجمہ لکھتے ہیں :۔ "اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے بھی" اور ذَنْب سے مراد ذَنْبِ مجازی ہے (بیان القرآن) اور مولوی فرمان علی صاحب لکھتے ہیں :۔ "(دکھاوے کو) اپنے اور ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگتے رہو" اور حاشیہ پر لکھتے ہیں :۔ "یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت رسول تمام گناہوں سے پاک اور معصوم تھے، باوجود اس کے استغفار کا حکم یا تو اس وجہ سے ہے کہ نفس کو انکسار اور تواضع کی عادت رہے، یا یہ مقصود ہے کہ طلبِ عصمت

کر دو کہ آئندہ بھی گناہوں سے محفوظ رہو۔ (۳) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ ترجمہ کیا ہے :- "اور تم اپنے گناہوں کی معافی کے لیے اور مومن مرد اور مومن عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرو" (ترجمہ مقبول) یہاں دونوں مترجمین نے لفظِ ذَنْب کا ترجمہ گناہ لکھا ہے، حالانکہ امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف گناہ کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔

لفظِ ظلم قرآن مجید میں

ظلم کا لغوی معنی وضع الشیئ فی غیر محلہٖ ہے یعنی کسی چیز کو اس کی جگہ سے ہٹا کر کسی اور جگہ رکھ دینا، لیکن قرآن مجید میں لفظ ظلم کا اطلاق شرک پر بھی کیا گیا :- اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ (سورۃ الانعام ع ۹) :- "جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہ پر (چل رہے) ہیں" (مولانا تھانوی) اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں :- "وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی، انہیں کے لیے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں" مولوی فرمان علی صاحب شیعی کا ترجمہ یہ ہے :- "جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا، انہیں لوگوں کے لیے امن (و اطمینان) ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں" مولوی مقبول احمد صاحب نے لکھا ہے :- "جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے نہیں ملا دیا۔ امن و اطمینان انہی کے لیے ہے" حاشیہ پر لکھتے ہیں :- تفسیر "مُجمع البیان" میں ابن مسعود سے روایت ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت لوگوں کو بہت ہی گراں گذری اور انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا ہے؟ فرمایا کہ یہ مطلب نہیں ہے، جو تم سمجھے ہو بلکہ اس کا مطلب ہے شرک، کیا تم نے نہیں سنا کہ خدا کا ایک نیک بندہ (حضرت لقمان) کہتا ہے (جس کے قول کو خدا تعالیٰ نقل فرماتا ہے) یٰبُنَیَّ لَا تُشْرِکْ بِاللّٰہِ ط اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ :- "میرے پیارے بیٹے! کسی کو اللہ کا شریک نہ کرو بیشک شرک بہت ہی بڑا ظلم ہے۔" اور یہاں مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے ایک اور بھی عجیب غریب تفسیر بیان کی ہے کہ :- "جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ

کے معنی یہ منقول ہیں کہ جناب رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ولایت علی اور اولادِ علیؑ کی نسبت جو حکم پہنچایا، اُس پر ایمان لائے اور اس کو ابوبکر و عمر کی دوستی کے ساتھ مخلوط نہ کیا۔" (ترجمۂ مقبول) لیکن یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ ایک غرابی نکتہ ہے جو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، بہرحال لفظِ ظلم قرآن مجید میں بمعنی شرک مستعمل ہے، لیکن یہی لفظ حضرت آدم علیہ السّلام کے متعلق بھی آیا ہے:۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ٥ اور حضرت یونس علیہ السّلام کی دُعا میں بھی مذکور ہے:۔ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ[1] "پس اُنہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ (الٰہی) آپ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے آپ (سب نقائص سے) پاک ہیں، مَیں بے شک قصوروار ہوں۔" (ترجمہ مولانا تھانوی) اور اِس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ حضرت یونس علیہ السّلام سے اس واقعہ میں کسی امر کی مخالفت نہیں ہوئی۔ صرف اجتہاد میں غلطی ہوئی جو اُمّت کے لیے عفو ہے مگر انبیاء کی تربیّت و تہذیب زائد مقصود ہوتی تھی، اس لیے یہ ابتلاء ہوا۔ (تفسیر بیان القرآن) آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ لفظِ ظلم

[1] حضرت یونس علیہ السّلام کے متعلق ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر "تفہیم القرآن" میں یہ لکھا ہے کہ:۔ حضرت یونسؑ سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مُستقر بھی چھوڑ دیا تھا.... پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے بطورِ خود اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا کیونکہ اس پر اتمامِ حجّت کی قانونی شرائط پوری نہیں ہوئی تھیں۔" (تفہیم القرآن جلد ۲، سورۂ یونس، حاشیہ صـــ ۳۱۲/۳۱۳) اور مودودی صاحب کا یہ عقیدہ عصمتِ انبیاء کے خلاف ہے، کیونکہ انبیائے کرام سے فریضۂ رسالت ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہوتی اور جو لغزش انبیاء سے ہوسکتی ہے اُس کا تعلق فریضۂ رسالت سے نہیں ہوتا۔ بعض دیگر انبیاء پر بھی مودودی صاحب نے اپنے ضابطۂ تنقید کے جوش میں تنقیدیں کی ہیں، جس کی تفصیل میری کتاب "مودودی مذہب" میں مذکور ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ مودودی صاحب نے گو دوسرے ایڈیشن میں سے یہ الفاظ کہ:۔ "حضرت یونسؑ سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئی تھیں۔" حذف کر دیے ہیں، لیکن بعد کی جو عبارت باقی ہے وہ بھی عصمتِ انبیاء کے خلاف ہے اور مفتی محمد یوسف صاحب سابق مدرّس اکوڑہ خٹک (حال راولپنڈی) نے مودودی صاحب کے دفاع میں جو "علمی جائزہ" کتاب لکھی ہے اس کے جواب میں میری کتاب "علمی محاسبہ" کا انتظار کریں، اس میں عصمتِ انبیاء پر مفصّل بحث کی گئی ہے۔ ۱۲

قرآن مجید میں شرک کے معنی میں مستعمل ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت یونس علیہ السّلام کے بارے میں لفظِ ظلم سے عام لغزش مراد ہے، نہ کہ گناہ اور شرک، اور انبیائے کرام کی زَلّت (لغزش) کو ترکِ اَوْلٰی اور خلافِ اَوْلٰی کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ ان انبیاء سے جو فعل صادر ہوا وہ بھی جائز تھا، لیکن انہوں نے اس سے بہتر اور اَولٰی صورت کو چھوڑ دیا، اس لیے اُن کی عظمتِ شان کے پیشِ نظر یہ بھی اُن کے حق میں قصور قرار دیا گیا۔ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ یعنی ابرار (صالحین) کی نیکیاں بھی مقرّبین کے لیے قصور و خطا سمجھی جاتی ہیں۔"

بہر حال جس طرح سُنّی و شیعہ علمائے مفسّرین نے قرآن مجید میں انبیائے کرام علیہم السّلام کے متعلق لفظِ مَعْصِیَت، غوایت، ضلالت، ذَنْب اور ظلم وغیرہ الفاظ کی تاویل کی ہے، اور اس کا وہ مفہوم بیان کیا ہے جس میں عصمتِ انبیاء کا عقیدہ مجروح نہیں ہوتا۔ تو اس پر زیرِ بحث حدیث بخاری کے لفظ کذب (کذبات) کو قیاس کر کے اس کی صحیح تاویل ہو سکتی ہے، جیسا کہ سابقہ توجیہات و تاویلات میں مذکور ہو چکا ہے، اس لیے حدیث بخاری کے الفاظ پر کوئی علمی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کی عصمت بھی دیگر انبیائے کرام کی طرح محفوظ رہتی ہے، اور تمام شبہات زائل ہو جاتے ہیں۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد ❖

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

مصنّف "فَلَاحُ الْکَوْنَیْن" نے حضرت ابراہیم، اور حضرت داؤد علیہما السّلام کے بارے میں جو الزامات اہلِ سُنّت پر عائد کیے تھے، اُن کا تحقیقی جواب عرض کر دیا گیا ہے۔ لیکن کیا مصنّف موصوف کو اپنے گھر کی خبر نہیں کہ اُن کی مستند کتابوں میں انبیائے کرام کے متعلق کیا لکھا ہے، جن سے عصمتِ انبیاء مجروح ہوتی ہے مثلاً :-

رَسُولِ خدا نے حُکمِ الٰہی کو ٹالا

قرآن مجید میں ہے! یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ مولوی مقبول احمد صاحب شیعی مفسّر نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے:- "اے رسول

جوکچھ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (علیؓ کے بارے میں) نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچادو اور اگر ایسا نہ کیا تو گویا تم نے اپنی رسالت ہی نہ پہنچائی، اور اللہ آدمیوں کے شر سے تم کو محفوظ رکھے گا" (ترجمہ مقبول) اور تفسیر قمی میں ہے کہ :- نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فِيْ عَلِيٍّ :- "یہ آیت علی کے بارے میں اُتری ہے" اور شیخ طبرسی لکھتے ہیں :- وقد اشتهرت الروايات عن ابی جعفر و ابی عبد الله عليهما السلام ان الله اوحى الى نبيه صلى الله عليه وسلم ان يستخلف عليا (ع)، فكان يخاف ان يشق ذلك على جماعة من اصحابه، فانزل الله تعالى هذه الآية تشجيعا له على القيام بما امره الله باداٸه - (تفسیر مجمع البیان) :- "اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے روایات حدِ شہرت کو پہنچ چکی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی کہ حضرت علی کو خلیفہ مقرر کریں۔ پس آپ اس بات سے ڈرتے تھے کہ یہ حکم آپ کے اصحاب کی ایک جماعت پر شاق ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت آپ کے دل کو مضبوط کرنے کے لیے بھیجی تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ادا کرسکیں" اور علامہ مجلسی اس آیت کے تحت حضرت علی کی خلافت کا اعلان کرنے کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- "پس حضرت رسول ترسید از قوم کہ مبادا اہلِ شقاق و نفاق پراگندہ شوند و بجاہلیت و کفر خود برگردانند، زیرا کہ حضرت می دانست کہ عداوتِ ایشاں با علی بن ابی طالب درچہ مرتبہ است و کینۂ او در سینہ ہائے ایشاں جا کردہ است۔ پس سوال کرد از جبرئیل کہ از خداوندِ عالمیان سوال نماید کہ اورا از کیدِ منافقان حفظ کند و انتظار می برد کہ جبرئیل از جانبِ خداوندِ عالمیان خبرِ محافظت اورا از شرِّ منافقان بیارد۔ پس تبلیغ رسالت را تاخیر نمود تا بمسجدِ خیف، پس در مسجدِ خیف جبرئیل بر آنحضرت نازل شد و امر کرد آنحضرت را کہ عہدِ ولایت را بایشاں برساند و اورا قائم مقامِ خود گرداند و وعدۂ محافظت از شرِّ اعادی را برائے آنچہ حضرت طلب نمودہ بود، نیاورد۔ پس حضرت فرمود کہ اے جبرئیل! من از قوم می ترسم کہ مرا تکذیب نمایند و قولِ مرا در حقِ علیؑ قبول نہ کنند۔ پس از آنجا بازگرد، پس چوں بہ غدیرِ خم رسید کہ بقدر سہ میل پیش از جحفہ است۔ جبرئیل بہ نزدِ آنحضرت آمد۔ در وقتیکہ پنج ساعت از روز گذشتہ بود با نہایت زجر و تہدید و مبالغہ و با ضامن شدنِ عصمت از شرِّ اعادی پس گفت۔ محمد خداوندِ عزیز جلیل ترا سلام می رساند و می گوید کہ اے پیغمبر بزرگوار! تبلیغ کن آنچہ بسوئے تو

فرستادہ شدہ است در بابِ علی و اگر نہ کنی نرسانیدہ خواہی بود ہیچ یک از رسالاتِ الٰہی را و خدا ترا نگاہ می دارد از شرِ مردم" الخ (حیات القلوب جلد دوم ص۵۱۶ مطبع نولکشور لکھنؤ، ستمبر ۱۸۸۳ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۰۰ ھ) :- "پس حضرت رسول تو لوگوں سے ڈر گئے کہ ایسا نہ ہو کہ مخالفین اور منافقین منتشر ہو جائیں اور جاہلیت اور کفر کی طرف لوٹ جائیں - کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اُن کی حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ دشمنی کس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے، اور اُن کے سینوں میں اُن کا کینہ جم چکا ہے - پس آپ نے حضرت جبرئیل سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ وہ آپ کو منافقین کے فریب سے محفوظ رکھے، اور اس کا انتظار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل منافقین کے شر سے آپ کی حفاظت کی خبر لاتے ہیں، اس لیے رسالت کی تبلیغ میں تاخیر کر دی، حتیٰ کہ مسجدِ خیف تک پہنچ گئے تو وہاں جبرئیل نازل ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حکم پہنچایا کہ حضرت علی کی ولایت (یعنی خلافت) کا حکم پہنچائیں اور ان کو اپنا قائم مقام مقرر کریں۔ لیکن حضور نے دشمنوں کے شر سے حفاظت کا وعدہ طلب کیا تھا، جبرئیل وہ نہ لائے - پھر رسول اللہ نے فرمایا کہ اے جبرئیل میں اپنی قوم سے ڈرتا ہوں کہ وہ جھٹلائیں گے اور علیؓ کے حق میں میری بات قبول نہیں کریں گے - پھر جبرئیل واپس گئے حتیٰ کہ آپ جب غدیرِ خم پر پہنچے جو تقریباً تین میل جحفہ سے آگے ہے - جبرئیل آپ کے پاس اس وقت پہنچے کہ دن کی پانچ ساعتیں گذر چکی تھیں اور نہایت زجر و تہدید (سخت ڈانٹ) کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا حکم لائے، اور کہا کہ اے محمد! خداوند عزیز و جلیل آپ کو سلام پہنچاتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے پیغمبر بزرگوار! جو میں نے آپ کو حکم بھیجا ہوا ہے، حضرت علیؓ کے بارے میں وہ پہنچا دیں اور اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی پیغام (حکم) نہیں پہنچایا اور لوگوں کے شر سے خدا آپ کی حفاظت کرے گا"۔

فرمائیے! کیا اس میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مقامِ رسالت کا انکار نہیں ہے؟ کہ آپ نے نعوذ باللہ لوگوں کے خوف سے حضرت علیؓ کی خلافت کا اعلان نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بار بار واپس کرتے رہے، اور جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کی جان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی، حکمِ الٰہی کے سنانے میں پس و پیش کرتے رہے - حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ شانِ رسالت بیان فرمائی ہے،

کہ :- اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ - (پ ۲۲، سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب ع ۵) :- اس آیت کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعی یہ لکھتے ہیں کہ :"پیغمبر ایسے لوگ ہیں جو خُدا کا حکم پہنچاتے ہیں اور اُسی سے ڈرتے ہیں اور سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتے" (ترجمہ مقبول)

اللہ تعالیٰ کا تو یہ اعلان ہے کہ پیغمبر اُس کا حکم پہنچانے میں کسی مخلوق سے بھی نہیں ڈرتے اور ماتمیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی کی خلافت و امامت کے اعلان کرنے میں اپنے اصحاب سے ڈرتے رہے، العیاذ باللہ اور یہ خوف اس شخصیّت کی خلافت کے اعلان میں ہے جو خود شیرِ خُدا ہیں اور اُس وقت حضور صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے پاس موجود بھی ہیں، اور یہ بھی ملحوظ نہیں رکھا کہ اگر نبی کریم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو اس طرح اپنی جان کا خوف ہوتا تو پھر مکّہ معظّمہ میں قریشِ مکّہ اور ابو جہل جیسے دشمنوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کا اعلان کیسے فرماتے، جبکہ آپ بالکل تنہا تھے اور اب جبکہ مکّہ فتح کر لیا ہے اور اسی حجّۃ الوداع کے خُطبہ کے دوران تکمیلِ دین کا اعلان ہو چکا ہے اور تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار جانثار صحابہ کرام کی جماعتِ مقدسہ کُفر و باطل کی طاقتوں کو زیر و زبر کرنے کے لیے قائم ہو چکی ہے، اور سالہا سال مکّی اور مدنی زندگی میں احکامِ رسالت بلا کسی خوف کے آنحضرت صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم سُنا چکے ہیں۔ تو اب صرف حضرت علی کی خلافت کے اعلان کے بارے میں یہ جان کا خوف کیسے لاحق ہو گیا۔ نہیں! نہیں! کوئی عقل و شعور رکھنے والا مسلمان ایسا تصوّر بھی نہیں کر سکتا۔

در اصل بات یہ ہے کہ ماتمی فرقہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذُوالنّورین اور دیگر صحابہ کبار کی عداوت میں اتنا غالی ہو چکا ہے کہ وہ ان مقدّس صحابہؓ کو مجروح کرنے میں ہر ممکن کوشش کرتا ہے خواہ اُس میں رسالتِ محمّدیہ ہی مجروح ہو جائے اور قرآن اور اسلام سے ہی اعتماد اُٹھ جائے العیاذ باللہ جیسا کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہ کاروائی کی گئی ہے۔ وَاللّٰہُ الْھَادِیْ ؁

ائمۂ اہلِ بیت پر دین چُھپانے کا الزام

اصول کافی میں ہے :- قال ابو عبد اللہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ یا سلیمان انکم علیٰ دین من کتمہ اعزہ اللہ عزّوجلّ ومن اذاعہ اذلّہ اللہ عزّوجلّ :- "امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا اے سُلیمان! تم ایسے دین پر ہو کہ جو اس کو چھپائے گا اللہ عزّوجلّ اُس کو عزّت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے گا

اللہ عزّ وجلّ اُس کو ذلیل کرے گا۔" (بابُ الکتمان) یہاں بعض عُلمائے شیعہ یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ حکم ایسے وقت کے لیے ہے، جب دشمنوں کا زور ہو اور شیعوں کو جان کا خطرہ ہو لیکن یہ تاویل باطل ہے، کیونکہ امام جعفر صادق نے یہاں دین شیعہ کی یہ صفت بیان فرمائی ہے (انکم علیٰ دینٍ) تم ایسے دین پر ہو یعنی شیعہ مذہب ہی ایسا ہے جس کو چھُپانے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عزّت ملے گی اور اُس کے ظاہر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شیعوں کو ذلت نصیب ہوگی، اور اسی بنا پر علّامہ خلیل قزوینی نے اُصُولِ کافی کی شرح صافی میں یہ تشریح کردی ہے کہ :"گفت امام جعفر صادق اے سُلیمان! بدرستیکہ شُما شیعہ امامیہ قبل از ظہور قائم علیہ السّلام طریقے دارید کہ ہر کہ پنہان کند آنرا از غیر اہلش، عزیز می کند او را تعالیٰ۔" یعنی امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے سُلیمان! بے شک تم شیعہ امامیہ امام مہدی کے ظہور سے پہلے ایسا مذہب رکھتے ہو کہ جو شخص اس کو نا اہلوں سے چھُپائے گا، اللہ تعالےٰ اُس کو عزیز رکھے گا۔" تو اس میں تصریح کردی کہ دین کے چھُپانے کی یہ خصوصیّت حضرت امام مہدی کے ظاہر ہونے تک ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ اس میں نا اہلوں سے چھُپانے کا ذکر ہے نہ کہ ہر کسی سے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر شیعہ علماء و ذاکرین علی الاعلان اور پھر لاؤڈ سپیکر پر تو اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ عام مجمع میں تو اہل، نا اہل سب موجود ہوتے ہیں۔ لہذا شیعہ مذہب کی بنیاد پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شیعیّت کی عام تبلیغ حرام ہے اور جو اس کی عام تبلیغ کرتے ہیں وہ امام جعفر صادق کی نافرمانی کرکے اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہوتے ہیں۔ عبرت، عبرت عبرت! (۲) اسی دین چھُپانے کا نام مذہبِ شیعہ کی اصطلاح میں تقیّہ ہے، چنانچہ اسی صافی شرح اُصولِ کافی میں کتمان کا یہ معنی لکھتے ہیں :۔

پوشانیدن چیزے خواہ نزدِ مخالفاں برائے دفع ضرر و آنرا تقیّہ نیز نامند و خواہ نزدِ موافق برائے مصلحت مثل جلبِ نفع :"کسی چیز کو چھُپانا، خواہ نقصان دُور کرنے کے لیے مخالفین سے چھپائی جائے اور اُس کا نام تقیّہ ہے اور خواہ اپنے موافقین سے بوجہ نفع حاصل کرنے کے بات چھُپائی جائے۔" اسی بنا پر شیعہ مذہب میں تقیّہ کا بہت بڑا ثواب ہے، چنانچہ لکھتے ہیں :۔عن ابی عمر الاعجمی قال قال لی عبد اللہ علیہ السلام یا ابا عمران تسعة اعشار الدّین فی التقیة ولا دین لمن لا تقیہ لہ والتقیة فی کل شیئ الّا فی النبیذ والمسح علی الخفّین۔ :۔" ابو عمر اعجمی سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اے ابا عمر! دین کے دس حصّوں میں سے نو حصّے تقیّہ

میں ہیں۔ اور جو تقیّہ نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں ہے، اور تقیّہ ہر چیز میں ہے، سوائے نبیذ (جَو وغیرہ کا جوش دیا ہوا پانی) اور موزوں کے مسح کے۔"

از رُوئے تقیّہ حضرت علیؓ کو گالی دینا جائز ہے

(۳) اور اس عبادت تقیّہ کی حد یہاں تک ہے کہ :- قیل لابی عبد اللہ علیہ السلام ان الناس یروون ان علیاً علیہ السلام قال علیٰ منبر الکوفة ایھا النّاس انکم ستدعون الیٰ سبّی فسبّونی ثم تدعون الی البراءت منّی فلا تبرءوا منّی، فقال ما اکثر ما یکذب النّاس علیٰ علیٍ علیہ السلام ثم قال انّما قال انکم ستدعون الیٰ سبّی فسبونی ثم تدعون الی البراءة منّی وانّی علیٰ دین محمد ولم یقل لا تبرءوا منّی :- "امام جعفر صادق علیہ السّلام سے کہا گیا کہ لوگ حضرت علیؓ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ تم کو عنقریب مجھے سَبّ کرنے (گالیاں دینے) کے لیے کہا جائے گا، تو تم مجھے سَبّ کر لینا (یعنی گالیاں دے لینا) پھر تم کو مجھ سے تبرّا کرنے (بیزاری کا اعلان کرنے) کو کہا جائے گا، تو تم مجھ سے تبرّا نہ کرنا۔ پس امام صادق نے فرمایا کہ لوگ حضرت علی علیہ السّلام پر بہت جھوٹ بولتے ہیں، پھر کہا کہ حضرت علی نے تو یہ فرمایا تھا کہ تم مجھے سَبّ کرنے کے متعلق بلائے جاؤ گے، تو تم مجھے سَبّ کر لینا اور پھر تمھیں مجھ سے بیزاری اختیار کرنے کے لیے کہا جائے گا، اور بے شک میں دینِ محمدؐ پر قائم ہوں، اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ مجھ سے تبرّا نہ کرنا" (اُصُولِ کافی باب التقیّة)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ سَبّ کا ترجمہ شارح نے دُشنام کیا ہے، اور دُشنام گالی گلوچ کو کہتے ہیں۔ اور اس روایت میں امام جعفر صادق نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ تم مجھ سے تبرّا نہ کرنا۔ یہ لوگوں نے آپ کی طرف جھوٹی بات منسوب کی ہے۔ چنانچہ علامہ خلیل قزوینی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :- از تتمۂ حدیث معلوم می شود کہ معنیٔ آں، این است کہ تبرّا کنید" یعنی اس حدیث کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تبرّا بھی کر لینا" یعنی حضرت علیؓ نے اپنے مُحبّین سے کُوفہ کے منبر پر علی الاعلان یہ فرمایا تھا کہ تقیّہ کر کے مجھ کو گالیاں بھی دے لینا اور تبرّا بھی کر لینا۔ تو یہ ہے عبادتِ تقیّہ اور یہ ہے محبت اہلِ بیت کا تقاضا، اور یہ ہے اہلِ تشیّع کا ایمان و عقیدہ، جس سے اُن کی نجات و فلاح وابستہ ہے۔

ثوابِ مُتعہ

مذہب تشیع میں تقیہ سے بھی بڑھ کر ایک عبادت ہے جس کو متعہ کہتے ہیں اور بظاہر وہ متعہ کو نکاح موقّل کا نام دیتے ہیں، یعنی ایسا نکاح جس میں مدت مقرر کی جاتی ہے اور اس مدت کے ختم ہونے کے بعد وہ نکاح بھی ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن اگر علم و دیانت کی بناپر تحقیق کی جائے تو یہ متعہ نکاح ہی نہیں بلکہ زنا ہے۔ کیونکہ اس میں گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے چنانچہ "بُرھانُ المُتعَہ" صفحہ ۲۶ پر یہ لکھا ہے کہ :- اعلان و شہود نزد اصحاب ما در دائم و منقطع شرط نیست" اعلان کرنا اور گواہوں کا ہونا ہمارے اصحاب کے نزدیک نکاح دائم (جو ہمیشہ کے لیے کیا جائے) اور منقطع (جو مدت مقررہ پر ختم ہوجاتا ہے یعنی مُتعَہ) میں شرط نہیں ہے" پس عورت و مرد آپس میں بغیر گواہوں کے ایجاب و قبول کریں، تو پھر وہ آپس میں جماع کرسکتے ہیں، لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلّا بِاللّٰہِ ط لیکن یہاں مُتعہ پر تفصیلی تبصرہ کی گنجائش نہیں۔ ہم یہاں صرف اس کا وہ ثواب بیان کرتے ہیں جو متعہ کرنے والوں کو ملتا ہے :- قَالَ النّبِیّ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلّم من تمتع مرۃ درجتہٗ کدرجۃ الحسین و من تمتع مرتین درجتہٗ کدرجۃ الحسن و من تمتع ثلث مرات درجتہٗ کدرجۃ علی و من تمتع اربع مرات درجتہٗ کدرجتی۔ (بُرھانُ المتعہ ص ۵۲)

(ترجمہ) :- نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو شخص ایک مرتبہ مُتعہ کرے اُس کا درجہ امام حسین کے درجہ کی طرح ہوگا، اور جو دو مرتبہ مُتعہ کرے اُس کا درجہ امام حسن کے درجہ اور جو تین مرتبہ مُتعہ کرے اُس کا درجہ حضرت علی کے درجہ، اور جو چار مرتبہ مُتعہ کرے اُس کا درجہ میرے درجہ کی طرح ہوگا"

استغفر اللہ! ثوابِ مُتعہ کی انتہا ہوگئی، قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ مُتعہ میں شہوت رانی ہی مقصود ہے، لیکن اس کا ثواب وہ ہے جو نہ نماز کا ہے نہ روزہ کا، نہ حج کا اور نہ جہاد کا۔ اب ان فرائض و عبادات کی کیا ضرورت ہے، مُتعہ کرلو اور نعوذ باللہ سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا سا درجہ بھی حاصل کرلو اور یہ حوالہ کسی ایسی ویسی غیر معتبر کتاب کا ہم نے پیش نہیں کیا جیسا کہ مُصنّف "فَلاحُ الکونَین" کی عادت ہے بلکہ مذکورہ کتاب "بُرھانُ المُتعَہ" علامہ ابوالقاسم رضوی لاہوری کی تصنیف ہے (جو علامہ حائری لاہوری کے والد ہیں) جن کے متعلق شیعی علامہ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ :- سید ابوالقاسم ابن سید حُسین الرضوی القمی اللاہوری، بہت بزرگ مرتبہ عالم و متکلم تھے۔ پنجاب میں اُن کی علمی خدمات

سنہری حروف کے ساتھ لکھے جانے کے قابل ہیں۔ مرحوم نے علاوہ تفسیر وغیرہ کے علمِ کلام میں بہت سے کتب و رسائل تصنیف فرمائے۔ اُن میں سے مندرجہ ذیل کُتب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ معارف الملّة الناجیه والناریه، برهان المتعه، عشرۂ کامله، شرح تجرید۔ اِن کُتب کے علاوہ اُن کی تفسیر بے نظیر (نوامع التنزیل، تیرھویں پارے تک) بھی مباحثِ کلامیہ کا ایک عمدہ شاہکار ہے (احسن الفوائد ص۲۹) تو جس مذہب میں تقیہّ، مُتعہ اور ماتم جیسی عبادتیں پائی جاتی ہوں تو اُس کے نام لیواؤں میں اتباعِ سُنّت، اعمالِ صالحہ، ورع و تقوٰی، اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کا کیا واسطہ؟ مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

حضرت نوحؑ کی وجہ تسمیہ

(بحث دلیل نمبر۶)۔ ماتمی ٹریکٹ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" میں دلیل نمبر۶ کے تحت یہ لکھا تھا کہ:۔ حضرت نوح کا اصلی نام عبدالغفار تھا اور نوحہ کرنے کی وجہ سے نُوح کہلاتے ہیں۔ (الصاوی علی الجلالین جلد دوم ص۳۳ مطبوعہ مصر)

اس کے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ:۔ حضرت نوح علیہ السّلام کسی مقبول بندے کی مصیبت و شہادت کی وجہ سے نہیں روئے بلکہ اس کی وجہ خود صاوی حاشیہ جلالین میں یہ لکھی ہے کہ:۔ لقب نوح لكثرة نوحه على نفسه حيث دعا على قومه فهلكوا وقيل لمراجعة ربه فى شان ولده كنعان:۔ "آپ کا لقب نُوح اس لیے ہوا کہ آپ اس بنا پر زیادہ روتے رہے کہ آپ نے اپنی قوم کے لیے بدعا کی تھی، جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہوگئی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ اپنے بیٹے کے بارے میں آپ نے ربّ تعالٰے سے سوال کیا تھا" (۲) "اس نوحہ (رونے) سے مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا کیسے ثابت ہوگیا" (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص۱۱) اس کے جواب الجواب میں مُصنّف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ:۔ فریقین کی اکثر کُتبِ تفاسیر میں تو یہی ملتا ہے کہ حضرت نُوح علیہ السّلام سینکڑوں سال حُصُولِ لقائے تعالٰی کے لیے روتے رہے اور اس رونے دھونے کی وجہ سے نُوح (نوحہ کرنے والا) کے نام سے مشہور ہوگئے۔ صاحب الصاوی علی الجلالین" کا یہ لکھنا کہ حضرت نُوح قوم اور بیٹے کی ہلاکت پر روتے رہے، ہرگز دُرست نہیں۔ کیونکہ پیغمبر کا ایسی سرکش قوم کے لیے بددُعا کرکے پچھتانا، جو سینکڑوں سال کی تبلیغ کے بعد بھی ایمان نہ لائی اور اپنے بیٹے پر نوحہ کرنا جس کو اللہ تعالٰی نے نُوح کی اولاد سے خارج کردیا، نبیؑ کی عصمت کے خلاف ہے (۲) نوحہ کے معنی ہیں بَین کرنا

جو بَین کرکے روتا ہے اُس کا غم شدت اختیار کرتا ہے وہ سر اور سینہ پیٹتا ہے الخ (صفحہ ۶)

الجواب

(۱) مَیں نے "تفسیر صاوی" کے حوالہ سے دو قول پیش کیے تھے اور ہمیں اس پر اصرار نہیں ہے کہ قوم کے لیے روتے رہے، لیکن قوم کے لیے رونا تو آپ کے بعض محققین نے بھی لکھا ہے چنانچہ علّامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ :- و بسندِ معتبر از حضرت امام رضا منقول است کہ مردے از اہلِ شام از امیر المومنین علیہ السّلام پرسید از اسمِ نوُح، فرمود نامش سکن بود و اورا نوُح نامیدند برائے آنکہ بر قومِ خود ہزار و کم پنجاہ سال نوحہ کرد۔ (حیات القلوب) :- "اور بسندِ معتبر حضرت امام سے منقول ہے کہ اہلِ شام میں سے ایک مرد نے امیر المومنین حضرت علی سے نوُح نام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اُن کا نام سکن تھا، اور اُن کا نام نوح اس لیے پڑگیا کہ آپ اپنی قوم پر پچاس سال کم ایک ہزار سال (یعنی ساڑھے نو سو برس) روتے رہے۔"

گو اس میں اور صاوی کے قول میں کچھ فرق ہے لیکن اپنی قوم کفار پر حضرت نوح علیہ السّلام کا رونا تو ثابت ہوگیا (۲) آپ نے اپنی کم فہمی کی بنا پر صاوی کے دوسرے قول کا یہ مطلب سمجھ لیا کہ حضرت نوحؑ اپنے بیٹے کنعان کی ہلاکت پر نوحہ کرتے رہے ۔ حالانکہ خود صاوی کے اِن الفاظ میں صراحت تھی کہ :- قیل لمراجعتہٖ ربہ فی شان ولدہ کنعان - جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس بنا پر روتے رہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کے حق میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی، اور پھر اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا تھا۔ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ :- "جس بات کا آپ کو علم نہیں، اُس کے بارے میں مجھ سے پھر سوال مت کریں" الخ (۳) آپ نے جو لکھا ہے کہ نوحہ بَین کرنے کو کہتے ہیں، اور ماتمی ٹریکٹ میں یہ وجہ لکھی تھی کہ حضرت نوح اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے شوق میں روتے رہے ۔ تو کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ نعوذ باللہ حضرت نوح اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے بَین کرتے رہے - کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ بَین میّت پر رونے کو کہتے ہیں، یہ سب ماتم کی ظلمتیں ہیں جو آپ کے قلب و دماغ پر محیط ہیں - اگر حضرت نوح علیہ السّلام کے رونے کا باعث کسی مومن متقی کی موت یا شہادت کا ہونا مذکور ہوتا تو پھر بھی آپ کے ماتم کا ثبوت صرف رونے کی وجہ سے نہیں ہو سکتا تھا، اور یہاں تو کسی محبوب و مقبول بندے کی موت پر رونے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں - ؛

سینہ کوبی کا غُرابی فلسفہ

آپ نے لکھاہے کہ :- نوحہ کے معنی ہیں" بَین کرنا" جو بَین کرکے روتا ہے اُس کا غم شدّت اختیار کرتاہے ، وہ سر اور سینہ پیٹتاہے ، بال نوچتاہے ، مثال ہنسنے کو لیجئے ، مسکرانا ، منہ کھول کر یا بند کرکے ہنسنا ، قہقہہ لگانا یہ کیفیات ہنسنے کے وقت صرف مُنہ کی ہوتی ہیں - بعض اوقات جب ہنسی بڑھ جائے تو انسان ہنستے ہنستے کبھی لیٹ جاتاہے اور کبھی پیٹ تھام لیتاہے - یونہی حالت غم میں کچھ انسان کی کیفیّت حرکات میں تبدیلی ہوتی ہے چنانچہ پہلے انسان صرف آنکھوں سے آنسو بہاتا اور آہیں بھرتاہے ، پھر جذباتِ غم بے بس کردیتے ہیں تو وہ سر اور سینہ پیٹتاہے ، بال نوچتاہے حتّٰی کہ دیواروں سے ٹکریں مارتاہے - رونے کے بعد پیٹنا شدّتِ اضطراب کا نتیجہ ہے (فلاح الکونین)

الجواب

(۱) بے شک خوشی میں ہنسنا اور مصیبت میں مغموم ہونا یا آنکھوں سے آنسوؤں کا آجانا انسان پر یہ غیر اختیاری حالات طاری ہوجاتے ہیں - لیکن خوشی اور غمی دونوں کی بھی ایک حد ہے : اگر خوشی میں آکر کوئی شخص کودنے لگ جائے تو وہ انسانی حدود سے تجاوز کرکے جانوروں کی صف میں داخل ہوجائے گا ، اور سنجیدہ اور باوقار مجلس سے اُس کو اُٹھادیا جائے گا ، یا اُس پر پاگل ہونے کا گمان کیا جائے گا ، اور اگر خوشی میں رقص وسرود کا مظاہرہ شروع کردے تو اسلامی شریعت میں یہ افعال ممنوع ہیں اِس لیے اُس کے اس مظاہرہ کو ناجائز سمجھا جائے گا - اسی طرح مصیبت اور صدمہ لاحق ہونے پر اگر آنکھوں سے آنسو جاری ہوجائیں تو رونے کی حد تک اس کا جواز ہوگا - لیکن شدّتِ غم کا مظاہرہ اگر اسی طرح کیا جائے گا ، جس طرح آپ نے اپنے ماتم کی تصویر کھینچی ہے تو یہ انسانی اوصاف کمال (صبر وحوصلہ) کے خلاف سمجھا جائے گا اور شرعاً یہ مظاہرہ ناپسندیدہ اور قبیح فعل ہوگا ، کیونکہ حضور خاتم النّبیّن رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان افعال سے منع فرمادیا ہے - جیسا کہ تفسیر قمی اور ترجمہ مقبول کے حوالجات سے پہلے ثابت کیا جاچکا ہے اور آئندہ انشاء اللہ العزیز حرمتِ ماتم کے دلائل میں اس پر مفصّل بحث کی جائے گی - لہٰذا آپ کا بیان کردہ ماتمی فلسفہ ، غُرابی فلسفہ تو کہلایا جاسکتاہے ، لیکن انسانی فطرت اور محمّدی شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے - آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے خوشی میں تبسّم (مسکرانا) اور ضحک (ہنسنا) ثابت ہے ، قہقہہ بھی ثابت نہیں یعنی کھِل کھِلاکر زور سے ہنسنا - اسی طرح مصیبت میں صرف رونا ثابت ہے چیخنا

چلانا اور مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا وغیرہ ثابت نہیں بلکہ ان افعالِ قبیحہ سے ممانعت ثابت ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل اور نمونہ کو سُنّت قرار دیں یا اپنے نفسانی جذبات کے مظاہرہ کو۔ شریعتِ محمدیہ نے توحدود مقرر فرمادی ہیں۔ "تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا"۔ "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حدیں قائم کی گئی ہیں بس تم اُن سے تجاوز نہ کرو" اور اسی بنا پر فرمایا۔ "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"۔ "آپ فرمادیجئے! کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے مُراد سُنّتِ نبوی کی اتباع ہے۔ اِس لیے آپ اگر اپنے ماتم کو محبتِ خُداوندی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو رحمۃ للعالمین کی سُنّت سے ثابت کریں، اور اگر آپ کے نفس کا یہ تقاضا ہے اور یقیناً یہی ہے تو ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ ؎

حضرت ابراہیم بن محمدّ رسول اللہ کی وفات

(بحث دلیل نمبر ۹) ماتمی ٹریکٹ میں دلیل نمبر ۹ کے تحت یہ لکھا تھا کہ "حضرت ابراہیم بن محمدّ نے انتقال کیا، آنحضرت کو خبر ہوئی تو عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے نزع کی حالت تھی، گود میں اُٹھا لیا، آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے" (سیرت النبی حصّہ اوّل ص۴۲۸)

اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ (۱) اس کے بعد کے یہ الفاظ نہیں لکھے کہ :- "عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا یارسول اللہ آپ کی یہ حالت ہے، آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے" اس سے ثابت ہوا کہ اپنے فرزند حضرت ابراہیم کے انتقال پر رحمت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، لیکن اس سے ماتم مروجہ کیسے ثابت ہوا؟ (۲) اور اس گریہ کی بھی، کیا ہر سال حضرت ابراہیم کی وفات کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی مجلس بپا کی تھی؟ (۳) حضرت حسین کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت ابراہیم بن محمدّ کے ماتم کی مجلس بپا کی ہے؟ (ھم ماتم کیوں نہیں کرتے ص۱۲)

اس کے جواب الجواب میں مصنّف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں (۱) "اگر ملک صاحب نے یہ الفاظ نہیں لکھے کہ عبدالرحمٰن نے کہا الخ تو ان الفاظ کے نقل کرنے سے آپ کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ یہ الفاظ آپ کے موقف

کی تائید نہیں کرتے ..... جواب میں آپ نے فرمایا "یہ رحمت ہے"۔ یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ابراہیم کی موت کو رحمت نہیں فرمایا بلکہ رونے کو رحمت فرمایا ہے۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کسی عزیز ترین انسان کی موت پر آنسو بہانا سُنّتِ رسول ہے اور رحمتِ خدا ہے" اس کے بعد "ابوداؤد کتاب الجنائز باب البکاء علی المیّت" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ .... فرمایا اِنّھا رَحْمَۃ "یہ رحمت ہے" اِنّ العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الّا ما یُرضی ربنا وانا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون۔

:۔"آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غم کرتا ہے، ہم نہیں کہتے مگر وہ جو ہمارے رب کو راضی کرے، اور اے ابراہیم! ہم تیری جدائی میں غمناک ہیں" مذکورہ بالا روایت بخاری شریف، کتاب الجنائز اور مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے یہ ہے رونے کا جواز۔ رونے سے ماتم ہم نے دلیل نمبر ۶ میں ثابت کردیا ہے، نیز مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ رونا صبر کے خلاف نہیں۔ البتہ زبان سے ایسے جملے ادا کرنا صبر کے خلاف ہے، جن سے قضا وقدر ایزدی پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔

الجواب

حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اس جواب سے کہ یہ رحمت ہے ہمیں یہ فائدہ ہے کہ رونے کی علّت معلوم ہوگئی یعنی حضرت ابراہیم پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اپنی قلبی شفقت و رحمت کی بنا پر روئے۔ چنانچہ اس کی تائید بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے کہ آپ اپنے ایک نواسے کو حالتِ نزع میں دیکھ کر رو پڑے تو :۔ فقال سعد یارسول اللہ ماھٰذا فقال ھذہ رحمۃ جعلھا اللہ فی قلوب عبادہ وانّما یرحم اللہ من عبادہ الرّحماء (کتاب الجنائز)"پس حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے، تو حضور نے فرمایا یہ رحمت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھا ہے، اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں میں سے اُن پر رحم فرماتا ہے جو رحم و رحمت والے ہیں" بہرحال حدیث بخاری سے تو صرف رونا ثابت ہوتا ہے، نہ کہ آپ کا ماتم جس کے آپ مدّعی ہیں، اور رونے سے ماتم، جو آپ نے دلیل نمبر ۶ میں ثابت کیا ہے اُس کی بنا، غُرابی فلسفہ ہے نہ کہ شرعی، اور یہ ایسا ہی ثبوت ہے کہ کوئی شخص حدیث سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ضحک (ہنسنا) ثابت کرکے یہ کہے کہ اس سے کودنا ثابت ہوتا ہے

کیونکہ کو دنے کو میرا جی چاہتا ہے، تو اس کا کیا علاج ہے؟ (ب) فروع کافی جلد اوّل میں ہے کہ:-
"امام محمد باقر علیہ السّلام نے فرمایا جب حضرت رسولِ خدا کے فرزند طاہر کا انتقال ہوا تو آپ نے جناب خدیجہؓ کو رونے سے منع فرمایا۔ انہوں نے کہا جب اس کا دودھ چھاتی سے بہتا ہے تو میں روتی ہوں فرمایا کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ اُسے جنّت کے دروازے پر کھڑا پاؤ اور وہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر جنّت کے بہترین پاکیزہ مقام پر لے جائے۔ انہوں نے کہا کیا ایسا ہے، فرمایا خدا لئے عزّ وجلّ کیسے عذاب دے گا اُسے جس کے دل کے چین کو چھین لیا ہو، اور اس نے صبر کیا ہو اور خدا کی حمد کی ہو" (ترجمہ شافی از ادیب اعظم) اس سے ثابت ہوا کہ رونا اگرچہ جائز ہے لیکن یہ مطلوب (مقصود) نہیں ہے کہ ضرور رونے کا سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اس لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے آئندہ رونے سے بھی منع فرمادیا۔ اِس سے تو آپ کا ہر فلسفۂ ماتم برباد ہوگیا۔

(۲) آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ:- "مذکورۂ بالا واقعہ سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ رونا صبر کے خلاف نہیں۔ البتہ زبان سے ایسے جملے ادا کرنا صبر کے خلاف ہے، جن سے قضاؤ قدر ایزدی پر اعتراض وارد ہوتا ہے" تو یہ بھی آپ کا مغالطہ ہے کیونکہ صرف رونے کو یعنی آنسو بہانے کو صبر کے خلاف کوئی بھی نہیں کہتا۔ بلکہ مُنہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا اور زبان سے واویلا کرنا صبر کے خلاف ہے جس کو آپ ماتم کہتے ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ: انّ اللہ لا یُعذِّبُ بدمع العین ولا بحزن القلب ولکن یعذب بھٰذا و اشار الی لسانه۔ (کتاب الجنائز)
:- "تحقیق اللہ تعالیٰ آنکھ سے آنسو جاری ہونے اور دل کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں دیتا لیکن اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے اور آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا" بے شک ایسے الفاظ کا ادا کرنا بھی جن سے قضاؤ قدر پر اعتراض وارد ہوتا ہے، صبر کے خلاف ہے بلکہ اگر صراحتًا شکایت ہو تو ایمان کا بھی خطرہ ہے۔ لیکن زبان سے چیخ و پُکار، واویلا اور نوحۂ ممنوعہ بھی صبر کے خلاف ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:- عَنْ اُمّ عطیة رضی اللہ عنھا قالت اخذ علینا النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم عند البیعة ان لا ننوح :- "اُمِّ عطیّہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بیعت کے وقت رسول اللہ صلّی اللہ

علیہ وسلّم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی" اور بخاری شریف میں ہی ہے :- قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم لیس منّا من ضرب الخدود وشقّ الجیوب ودعا بدعوی الجاھلیّۃ :"نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو رخسارے پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیّت کے زمانے کی طرح پُکارے" اور اسی مضمون کی احادیث فروع کافی اور جلاء العیون میں بھی موجود ہیں۔ جن پر مفصّل بحث حرمتِ ماتم کے دلائل کے باب میں کی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ :

ایک اور احمقانہ استدلال

آپ فرماتے ہیں کہ :- "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق رسول اکرم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم ہر سال مقامِ اُحد پر جاتے اور جب گھاٹی ظاہر ہوتی تو شہداء کی قبروں پر سلام کرتے سلامٌ علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدّار" ایسی ہی ایک روایت تفسیر ابنِ جریر طبری جلد ۳ صفحہ ۸۴ پر ہے ، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان رضی اللہ عنہم بھی جاتے رہے۔ صاحبِ خُلقِ عظیم ، حضرت رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم جو زندگی بھر اپنے ساتھیوں کو نہ بھولے اور اُن کی یاد کو باقی رکھنے کے لیے ہر سال اُن کی قبروں پر جاتے رہے ، کیا اپنے لختِ جگر کو بھول گئے ہوں گے ؟ اور حضرت ابراہیم کی قبر پر نہ جاتے ہوں گے لہٰذا بہ ہیئت کذائیہ مجالس اور جلوس سُنّتِ رسولؐ ہیں "

الجواب

(ا) سبحان اللہ ! کیا عجیب استدلال ہے ، اس کو کہتے ہیں ! ؎ اندھے کو اندھیرے میں بہت دُور کی سُوجھی۔ حدیث مذکور میں تو زیارتِ قبُور کا ذکر ہے ، حتیّٰ کہ رونے کا بھی ذکر نہیں۔ پھر شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لیجانے سے مجلسِ ماتم اور جلوسِ ماتم کیسے ثابت ہو گیا ؟ کچھ تو ہوش و حواس قائم کرکے دلیل پیش کیا کریں (ب) میرا سوال تو یہ تھا کہ رونا اگرچہ جائز ہے۔ لیکن یہ وقتی تأثّر کا تقاضا ہے . اور رونا جو جائز ہے اس کی بھی حضوؐر نے سال بسال مجلس اپنے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد قائم نہیں فرمائی اور نہ ہی شہدائے بدر و اُحد کی ۔ آپ کے مزعومہ ماتم کا تو سُنّتِ رسول صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم میں کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ (ج) آپ کی یہ توجیہہ کہ حضرت ابراہیم کی سالانہ یادگار اِس لیے نہیں منائی جاتی کہ آپ بچپن

میں فوت ہوگئے اور کوئی کارنامہ نہ سرانجام دے سکے۔ تو اس سے معلوم کہ آپ کے ماتمِ حسین کی بنیاد غم واندوہ نہیں ہے بلکہ حضرتِ حسین کا شاندار کارنامہ ہے، تو شاندار کارنامہ کیا پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے ہی سے زندہ ہوسکتا ہے۔ سرورِ کائنات ﷺ سے زیادہ کس کا شاندار کارنامۂ عبرت ہو سکتا ہے، پھر آپ رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اس طرح ماتم کیوں نہیں کرتے؟ اور نعوذ باللہ ہائے محمد! ہائے محمد! کہتے ہوئے ماتمی جلوس کیوں نہیں نکالتے؟

حضرت حمزہؓ کی شہادت اور ماتم

(بحث دلیل نمبر ۱۰) ماتمی ٹریکٹ میں یہ لکھا تھا کہ:۔ حضرت حمزہ کی شہادت پر حضرت رسولِ اکرم روئے اور فرمایا ہائے! آج حمزہ کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اس پر صحابہ رسول نے اپنی عورتوں سے کہا کہ تم حضرت حمزہ کا ماتم کرو اور عورتوں نے گریہ کیا اور صفِ ماتم بچھائی آنحضرت نے عورتوں کا گریہ سُن کر خود گریہ کیا اور عورتوں کو ماتم کرنے کی وجہ سے دعائے خیر دی (کتاب مغازی فتوح الشّام ص۱۰۱، سیرت ابن ھشام، سیرت النّبی شبلی نعمانی جلد اوّل) اس کا جواب رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ دیا گیا تھا کہ (۱) اس عبارت میں بھی مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا ثابت نہیں ہے، جس سے مروّجہ ماتم ثابت ہوتا ہو۔ (۲) سیرت النّبی علّامہ شبلی نعمانی حصّہ اوّل صفحہ ۳۸۷ میں تو یہ الفاظ ہیں:۔ "آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ اُن کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا تمہاری ہمدردی کا شکرگذار ہوں، لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں"۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمزہ کے ماتم میں عورتوں نے رواج کے تحت نوحہ (بَین کرکے رونا) شروع کر دیا تھا۔ جس سے رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُن کو منع فرما دیا۔ (۳) پمفلٹ میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے یہ الفاظ مبارک نقل کرنا کہ:۔ "مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں" کیا علمی بد دیانتی نہیں ہے؟ (۴) کیا ہر سال حضرت حمزہ کی شہادت کے دن صرف گریہ کی مجلس بھی قائم کی گئی تھی؟ (۵) اور کیا آجکل کے ماتمیوں نے بھی کبھی حضرت حمزہ کی مجالسِ ماتم بپا کی ہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟ (ص۱۳) اس کے جواب الجواب میں مصنّف

"فلاحُ الکونین" لکھتے ہیں :۔ (۱) سیرتُ النّبی میں رونے پیٹنے کے الفاظ نہیں مگر ماتم کا لفظ موجود ہے۔ ماتم کے لُغوی معنی ہیں رونا اور پیٹنا، مروّجہ ہو یا غیر مروّجہ۔ ماتم سوائے رونے اور سینہ کوبی کے کیا ہوتا ہے، جس کا ثبوت آپ چاہتے ہیں۔

الجواب

ماتم کا لُغوی معنیٰ :۔ (ل) یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ماتم کا لُغوی معنیٰ پیٹنا اور سینہ کوبی بھی ہے۔ اگر ہے تو ثبوت پیش کیجئے۔ ماتم کا معنیٰ صرف سوگ کرنا ہے اور ماتم کا لفظ خوشی کے مجمع پر بھی بولا جاتا ہے۔ چنانچہ "منتهی الارب" میں ہے :۔ **ماتم** ۔ مجمعِ مردم در اندوہ وشادی، یا خاص است بمجمع زناں یا مجمع زنانِ جوان :۔ "غم اور خوشی میں لوگوں کا مجمع، یا عورتوں کے مجمع کے ساتھ خاص ہے، یا جوان عورتوں کا مجمع"۔ ودر عُرف مخصوص شدہ است بانجمنِ زناں ہنگامِ مرگِ کسے :۔ "اور عرف میں ماتم کا لفظ مخصوص ہے کسی کی موت کے وقت عورتوں کے مجمع کے ساتھ"۔ آپ نے تو کہہ دیا کہ ماتم کا معنی رونا پیٹنا ہے، حالانکہ لغت میں ماتم کا لفظ خوشی کے مجمع پر بھی بولا جاتا ہے اور عُرف میں بھی کسی کی موت پر عورتوں کے اجتماع کو ماتم کہا جاتا ہے۔ لہذا لُغوی یا عُرفی معنیٰ میں بھی ماتم بمعنی پیٹنا نہیں آتا۔ چہ جائیکہ آپ کے ماتم کا مروّجہ نقشہ اور سیرتُ النّبی کی زیرِ بحث عبارت میں بھی ماتم کا مطلب یہی ہے کہ عورتیں غم وسوگ کیلئے جمع تھیں۔

ماتم کا شرعی مفہوم

فروعِ کافی جلد اوّل میں ہے :۔ عن ابی عبد الله علیه السّلام قال یصنع لاهل المیّت مأتمًا ثلثة ایام من یوم مات :۔ اس کا ترجمہ شیعوں کے ادیبِ اعظم سیّد ظفر احسن صاحب امروہی نے یہ لکھا ہے کہ :۔ "فرمایا ابوعبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السّلام نے کہ اہلِ میّت کے ساتھ تین روز شریکِ غم ہونا چاہیے موت کے دن سے"۔ دوسری روایت میں ہے :۔ اوصی ابوجعفر علیه السّلام بثمان مأة درهم لمأتمه وکان یری ذٰلك من السُّنّة لان رسول الله صلّی الله علیه وسلّم قال اتخذ والآل جعفر طعامًا فقد شغلوا :۔ "امام محمد باقر علیہ السّلام نے آٹھ سو درہم کی وصیّت کی اپنا غم، منائے جانے کیلئے اور یہ سُنّتِ رسول ہے کیونکہ حضرت نے حکم دیا تھا اولادِ جعفر کیلئے کھانا بھیجنے کا"۔

(شافی ترجمہ فروع کافی) یہ ہے احادیثِ شیعہ میں لفظِ ماتم کا مفہوم۔ اس میں مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا تو کجا رونے تک کا بھی لفظ نہیں ملتا، اور ماتم کا مفہوم صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ چونکہ اہلِ میّت طبعی غم کی وجہ سے مشغول ہوں گے۔ اس لیے تین دن تک اُن کو اُن کے اقربا رکھانا بھیجیں اور یہ سوگ بھی تین دن تک ہے، نہ کہ تیرہ سو سال بلکہ قیامت تک۔ چونکہ احادیث میں لفظ ماتم کا موجود ہے اس لیے مَیں نے مُروّجہ ماتم کا لفظ استعمال کیا ہے، تاکہ آپ ناواقف لوگوں کو احادیثِ مذکورہ سے لفظِ ماتم دکھا کر یہ نہ مغالطہ دے سکیں کہ ماتم تو احادیث میں ثابت ہے پھر اہل سُنّت اس کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ تو جب تک آپ یہ نہ ثابت کریں کہ ماتم کا معنی مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا ہے اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس کی اجازت دی ہے، آپ کے لفظ گریہ و بُکاء اور لفظ ماتم وغیرہ الفاظ سے ماتم مروّجہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا:۔ فَأْتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

(۲) اس کے بعد مصنّف لکھتے ہیں:۔ پہلے "سیرت النبیؐ" کی اس واقعہ کے متعلق پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مدینہ میں تشریف لائے، تمام مدینہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ آپ جس طرف سے گذرتے تھے، گھروں سے ماتم کی صدائیں بلند تھیں۔ آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں، لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں۔ رقّت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا:۔ اَمَّا حَمْزَةُ فَلَا بَوَاكِيَ لَهُ۔ حمزہ کا رونے والا کوئی نہیں۔ انصار نے یہ لفظ سُنے تو تڑپ اُٹھے۔ سب نے اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی۔ حمزہ کا ماتم بلند تھا، اُن کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا مَیں تمہاری ہمدردی کا مشکور ہوں، لیکن مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں۔ عرب میں دستور تھا کہ سال کے خاص خاص ایّام میں عورتیں مقتول عزیزوں کا ماتم کرتی تھیں۔ اس واقعہ کے بعد مدّتوں تک معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا تو یہ داستانِ حمزہ سے شروع کی جاتی۔ یہ پابندی رسم نہ تھا بلکہ حمزہ کی حقیقی محبّت تھی"۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے "سیرت النبیؐ" کے ان الفاظ (لیکن مُردوں پر نوحہ جائز نہیں) کا یہ مطلب لیا ہے کہ رحمۃ للعالمین نے انصار کی عورتوں کو حمزہ کے ماتم سے منع کر دیا تھا۔ (۱) اگر "سیرت النبیؐ"

کے ان الفاظ کے سیاق و سباق پر بنظرِ تعمق غور کیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ان الفاظ کا اس عبارت سے کوئی تعلق نہیں اور یہ شبلی صاحب کے اپنے الفاظ ہیں۔ کیونکہ یہ ناممکن اور محال ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم خود ہی حمزہ پر ماتم کی دعوت دے کر خود ہی منع کریں (ب) اگر حضور منع فرما دیتے تو پھر مدّتوں تک حمزہ کے ماتم کا سلسلہ کیوں جاری رہتا۔ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ :- دوسری کتبِ تواریخ میں حضور کے ارشاد (مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں) کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ "مدارج النبوّۃ رکن ۴ باب ۶ صفحہ ۱۲۳ پر ہے الخ---- استیعاب صفحہ ۲۷۵۔ بعد قول رسول اللہ لکن حمزۃ لا بواکی لہٗ الی الیوم الابدات البکاء علیٰ حمزۃ :- آنحضرت کے ارشاد لکن حمزۃ لا بواکی لہ کے بعد کوئی انصار عورت اپنی میّت پر نہیں روئی مگر پہلے حمزہ پر روئی۔" نیز آپ نے یہ لکھا ہے کہ :- یقیناً یہ الفاظ شبلی نعمانی کی اختراع ہیں، ایسی بے تُکی ہانک کے نہ نقل کرنے کو بددیانتی نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں پوری عبارت کے پہلے پیرگراف کے آخری الفاظ "اما حمزۃ فلا بواکی لہٗ" اور دوسرے پیراگراف سے کہ "اس واقعہ کے بعد مدّتوں تک یہ معمول رہا کہ جب کسی کا ماتم کیا جاتا۔ تو یہ داستان حمزہ سے شروع ہوتی۔" کے الفاظ نقل نہ کرنا بہت بڑی علمی بددیانتی ہے۔ (فلاح الکونین ص۴۲)

الجواب

(۱) آپ نے "سیرتُ النبی" کی عبارت کے ساتھ جو یہ الفاظ لکھے ہیں :---- "عرب میں دستور تھا---- یہ داستان حمزہ سے شروع کی جاتی یہ پابندیٔ رسم نہ تھی بلکہ حمزہ کی حقیقی محبّت تھی۔" میرے پاس "سیرت النبی" حصّہ اوّل طبع پنجم مطبع معارف شہر اعظم گڑھ کا نسخہ ہے، جس میں یہ عبارت بالکل موجود نہیں، اور نہ ہی یہ الفاظ "سیرت ابنِ ہشام" میں ہیں اور نہ ہی "مدارج النبوّۃ" میں۔ پھر آپ نے بالخصوص "سیرتُ النبی" شبلی نعمانی کے حوالہ سے یہ عبارت کیوں پیش کر دی؟ کیا اس کو علمی دیانت کہا جاتا ہے؟ اگر میں نے "سیرۃ النبی" کی عبارت میں یہ الفاظ نہیں لکھے تو اس میں میرا کیا قصور؟ علاوہ ازیں "سیرۃ النبی" کی ابتدائی عبارت جس میں اما حمزۃ لا بواکی کے الفاظ ہیں اس لیے نہیں لکھی تھی کہ یہ مضمون اس عبارت میں آجاتا ہے جو میں نے پیش کی ہے اور اس کو علمی بددیانتی نہیں کہا جاتا۔ (۲) آپ نے لکھا ہے کہ یہ الفاظ کہ "مُردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں" تو یہ بھی آپ کی غلط بیانی ہے کیونکہ یہ الفاظ "سیرۃ ابنِ ھشام" میں موجود ہیں :۔ "رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حمزہ پر عورتوں کے رونے کی آواز سُنی تو آپ باہر تشریف لائے۔ وہ مسجد کے دروازے ہی پر نوحہ کررہی تھیں۔ آپ نے فرمایا اللہ تم پر رحم فرمائے تم واپس چلی جاؤ، تم نے اپنی طرف سے تسلّی کا حق ادا کردیا۔ ابنِ ہشام نے کہا اسی روز نوحہ کرنے کی مخالفت کردی گئی۔" (سیرۃ ابن ھشام مترجم اردو، ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص۷۶)۔ اور "سیرۃ ابنِ ھشام عربی" کے الفاظ یہ ہیں :۔ قال ابنِ ھشام ونھی یومئذ عن النوح (اسی دن نوحہ کرنے سے روک دیا گیا) (مطبوعہ مصر ص۹۹) اور "مدارج النبوۃ" میں بھی یہی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُس دن نوحہ کرنے سے منع فرمادیا۔ لیکن آپ نے "مدارج النبوۃ" کا حوالہ درج کرنے میں وہ عبارت چھوڑ دی جو آپ کے دعویٰ کے خلاف تھی۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی آپ کی مندرجہ عبارت کے بعد فرماتے ہیں کہ :۔ "اتنا تو "معارج النبوۃ" میں مذکور ہے اور "روضۃ الاحباب" میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا، میرا مقصد نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ پر روئیں۔ اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا اور اس مخالفت میں تاکید ومبالغہ فرمایا جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے۔" (مدارج النبوۃ حصّہ دوم ص۲۳۱، ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی)۔

اب قارئین حیران ہوں گے کہ مصنّف "فلاحُ الکونین" نے علمی خیانتیں خود کیں اور الزام لگادیا علّامہ شبلی نعمانی پر۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ مصنّف صاحب موصوف تو خوش ہی ہوں گے کہ تقیّہ کا ثواب تو لوٹ لیا (۲) آپ کا یہ لکھنا بھی جہالت یا علمی خیانت پر مبنی ہے کہ :۔ "کیونکہ یہ ناممکن اور محال ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خود ہی حمزہ پر ماتم کی دعوت دے کر خود ہی منع کریں۔" کیونکہ آپ نے جو عبارتیں درج کی ہیں اُن میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ صریح حکم نہیں ہے کہ عورتیں حمزہ کا ماتم کریں بلکہ صرف یہ فرمایا لکن حمزۃ لابواکی لہٗ (لیکن حمزہ پر کوئی رونے والا نہیں) چنانچہ شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ :۔ حضور کا یہ فرمانا کہ "لکن حمزۃ

لہ بوا کی لہٗ اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہ کی مصیبت و غربت پر ہمدردی اور غمخواری کرنا تھا۔ کیونکہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کیے گئے تھے اور دوسری غربت یہ تھی کہ کوئی ایسا نہ تھا جو اُن کے لیے روئے، اور بغیر نوحہ کے رونا ممنوع بھی نہیں لیکن انصار چونکہ حضورؐ کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے، اس بنا پر انہوں نے اس کا یہ مفہوم لیا۔ حالانکہ حضور کا یہ مقصد نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور روئیں۔ حضور نے بھی جب اُن کی جانب سے اپنی خوشنودی کی خواہش کو ملاحظہ فرمایا تو ان کے لیے دُعا فرمائی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس رونے نے نوحہ گری کی صورت اختیار کر لی ہو اور اس سے آپ نے منع فرمایا، اور اس کی مخالفت میں مبالغہ و تاکید فرمائی اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک نوحہ بھی مُباح ہو اور اس کے بعد اس حکم کو منسوخ فرما دیا ہو۔ وَاللہ اعلم (مدارج النبوۃ جلد دوم ص۲۳۱)

فرمایئے! جب مذکورہ کتابوں کی تصریحات سے ثابت ہو گیا کہ رسول خُدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عورتوں کو نوحہ سے منع فرما دیا تھا، تو آپ کا استدلال باطل ہو گیا۔ آپ نے جو استیعاب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :۔" آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشاد لٰکن حمزہ لا بواکی لہٗ کے بعد کوئی انصار عورت اپنی میّت پر نہیں روئی مگر پہلے حمزہ پر روئی" تو یہ روایت ابن ہشام کے مقابلہ میں قابلِ اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ واقدی کے حوالہ سے منقول ہے (روذکر الواقدی) اور واقدی کے متعلق علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :۔" سیرتِ نبوی کے متعلق اُن کی دو کتابیں ہیں (۱) کتاب السیرت (۲) کتاب التاریخ والمغازی والمبعث۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں۔ کُتبِ سیرت کی اکثر بے ہودہ روایتوں کا سرچشمہ اُن ہی کی تصانیف ہیں۔ ایک ظریف محدث نے کہا ہے کہ اگر واقدی سچّا ہے تو دنیا میں کوئی اُس کا ثانی نہیں۔ اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں"۔ (مقدمہ سیرت النبی حصّہ اوّل ص۳۳) (ب) آپ کی اس پیش کردہ روایت میں بُکاء کا لفظ ہے جس سے آپ کا مُنہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے اور چھُریاں مارنے والا ماتم تو کسی طرح ثابت نہیں ہو سکتا (ج) اور

اگر آپ اپنے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں تو کیا ماتمِ حسین سے پہلے آپ ماتمِ حضرت حمزہ بھی ہائے حمزہ! ہائے حمزہ! سے بپا کرتے ہیں؟ حالانکہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کے ناک کان کاٹ دیے گئے اور ہندہ نے آپ کا کلیجہ چبایا، اور رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت حمزہ کو سیّد الشّہدا ء کا لقب عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ شیعوں کی اصح الکتب اُصولِ کافی کتاب الحجّۃ میں لکھا ہے کہ:۔ قائمہ عرش پر لکھا تھا کہ حمزہ شیرِ خدا ہیں اور اسدِ رسُول اور سیّد الشہدا ء ہیں (شافی ترجمہ اُصولِ کافی ص۲۵۷)

ایک اور غرابی نکتہ

اس بحث کے آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ قول خود رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہے، تو بھی اس سے آپ کے موقف کی تائید نہیں ہوتی۔ قرآن مجید کی آیتِ مجیدہ:۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَات، بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْن ہ کے مطابق شہید زندہ ہیں، اُن کو مُردہ کہنا جائز نہیں لیکن حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے مُردوں پر نوحہ کرنے کو منع فرمایا نہ کہ شہدا ء کے نوحہ و ماتم کو۔ مُردوں کے نوحہ و ماتم کو ہم کب جائز کہتے ہیں الخ

الجواب

(ا) یہ تو ثابت کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نوحہ سے منع فرمایا تھا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جن عورتوں کو منع فرمایا تھا وہ کس کو رو رہی تھیں؟ حضرت حمزہ کو! تو کیا آپ کے نزدیک حضرت حمزہ شہید نہیں؟ اور وہ اُن زندوں میں نہیں جن کو جنّت کا رزق ملتا ہے۔ (ب) ابنِ ہشام کی عبارت میں مُردوں کا لفظ نہیں ہے، صرف یہ ہے کہ اُس دن نوحہ کرنے سے ممانعت کر دی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ نوحہ ہی ممنوع ہے، خواہ وہ عام میّت کے لیے ہو یا شہید کے لیے (ج) مولانا شبلی کی عبارت میں مُردوں کا لفظ ہے اُس سے مُراد شہدا ء ہی ہیں، اور باعتبار ماضی کے اُن کو میّت سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْت کے تحت ہر جاندار کے لیے موت ہے۔ شہدا ء پر بھی پہلے موت کا وقوع ہوتا ہے اور پھر اُن کو قبر و برزخ میں ایسی حیات عطا کی جاتی ہے جس کا تعلق ان کے

جسموں سے بھی ہوتا ہے (د) خود نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ[1] سے خطاب فرمایا ہے کہ آپ بھی میت ہیں اور دوسرے لوگ بھی میت ہیں۔ حالانکہ اس وقت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جہان میں تشریف فرما تھے تو یہ میت کا اطلاق باعتبار مایئول کے کیا گیا۔ یعنی مستقبل میں آپ پر موت کا وقوع ہونے والا ہے۔ تو اگر شہدائے کرام پر باعتبار ماضی میت کا اطلاق کیا جائے تو اس میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن آپ ان علمی تعبیرات کو کیا سمجھیں، آپ کو تو دائیں بائیں ماتم ہی ماتم نظر آتا ہے۔

ماتمی دلائل کا خاتمہ

آپ نے آخر میں یہ لکھ دیا کہ:۔ مُردوں کے نوحہ و ماتم کو ہم کب جائز کہتے ہیں۔ چنانچہ فروعِ کافی اور رسائل الشریعۃ میں ہے:۔ كلّ جزع وفزع قبيحٌ اِلّا على الحُسين۔ بحار الانوار عن امالی شیخ مُفید بحوالہ اقالۃ العاشرۃ۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال كل الجزع والبكاء مكروه سوى الجزع والبكاء على الحُسين :۔"حضرت ابوعبد اللہ علیہ السلام (یعنی امام جعفر صادق) فرماتے ہیں کہ ہر جزع اور آہ و بُکا مکروہ ہے، سوائے جزع اور آہ و بُکاء بر امام حُسین علیہ السّلام" (فلاح الکونین)۔ اسے کہتے ہیں ہتھیار ڈال دینا۔ اگر آپ نے آخر میں تسلیم کر لینا تھا کہ سوائے حضرت امام حسین کے ہر کسی پر جزع و فزع اور رونا دھونا مکروہ اور قبیح ہے تو پھر آپ نے نمبر الک کس عقیدہ کی تائید میں دلائل دیئے اور کیوں دیئے؟ آپ نے بزعمِ خود ماتم کے ثبوت کے لیے جتنی آیات اس بحث میں پیش کی ہیں، اُن میں حضرت حُسین رضی اللہ عنہ کا تو کوئی ذکر ہی نہیں اور حضرت حمزہ کی شہادت اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور اس پر رونے کے سلسلے میں آپ نے جو روایات و عبارات پیش کی ہیں، اُن کا بھی امام حسین سے کوئی تعلق نہیں، اور جیسا کہ آپ نے انہی آیات و روایات سے ماتم مروّجہ (جزع فزع کرنا وغیرہ)

---

[1] اس آیت کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی یہ لکھتے ہیں:۔"تم بھی یقیناً مرنے والے ہو اور یہ بھی ضرور مرنے ہیں" (سورۃ الزمر، ۳۰)

ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر بالفرض آپ کا استدلال صحیح ہے اور یہ اُمور آپ کے دعویٰ سابق کے مطابق سُنّت و عبادت ہیں تو پھر حضرت حسینؓ کے علاوہ دوسرے شہداء اور اولیاء کے لیے بھی یہ ماتم آپ کے دلائل کے تحت سُنّت و عبادت ہی ہوگا، پھر اس کو اب قبیح کیوں قرار دے رہے ہیں۔ چند صفحات پہلے جو کام سُنّت تھا اب اچانک وہی کام کیوں قبیح اور مذموم بن گیا اور یہ فرمان بھی حضرت امام جعفر صادق کا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان آیات و روایات مذکورہ سے ماتم مروّجہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ لیکن محض ضد یا تقیّہ کی بناء پر آپ غلط استدلالات پیش کرتے رہے اور آخر مذکورہ ضابطہ تسلیم کرکے خود ہی آپ نے اپنے سابقہ دلائل و نظریاتِ ماتم کی تردید کردی۔ یہ ہے کرامتِ شہدائے کرام کی اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اور یہ ہے اثرِ حقانیّت مذہب اہل سنّت والجماعت کا کہ آپ نے آخر میں مجبور ہو کر یہ بات تسلیم کرلی کہ جزع فزع اور ماتم امام حسین پر تو جائز ہے لیکن ان کے علاوہ اور کسی کے لیے جائز نہیں بلکہ یہ بُرا فعل ہے۔ حتّٰی کہ اب آپ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے ماتم کو بھی جائز نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی کم فہمی اور جہالت کی یہ حد ہے کہ اس ضابطہ "کل جزع وفزع قبیح الّا علی الحسین" کے لکھنے کے متصلاً ہی نمبر ۵ کے تحت یہ لکھ رہے ہیں کہ:-

ہم ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے دن مناتے ہیں اور ان کی یاد میں مجلسیں کرتے ہیں، جنھوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام کی حفاظت و حمایت میں جانیں قربان کیں"

ماشاء اللہ! اگر ان کی یاد میں مجلسیں کرنے سے مُراد ماتمی مجالس نہیں ہیں بلکہ بغیر ماتمِ مروّجہ ان کے حالات کا تذکرہ کرنا مقصود ہے تو یہ مسئلہ زیر بحث نہیں، اور اگر ان مجلسوں سے مُراد جزع فزع اور ماتم کی مجلسیں ہی ہیں تو پھر آپ اپنے تسلیم کردہ ضابطہ کے خلاف اُمورِ قبیحہ کا ارتکاب کرتے اور شیعہ عوام کو ناجائز اُمور میں مبتلا کرتے ہیں۔ کیونکہ حضرت امام حسین کے ماتم کے سوا اور سب بزرگوں کے ماتم کو حسبِ روایت سابق امام جعفر صادق علیہ السّلام نے قبیح قرار دے دیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ کا یہاں یہ لکھنا کہ:- "علاوہ بریں اس وقت کلام اس امر کے جواز میں ہے جو بحمدہٖ تعالیٰ آپ کے اقرار سے ثابت

ہے۔" کج فہمی پر مبنی ہے، کیونکہ کلام تو آپ کے مزعومہ ماتم کے سُنّت اور عبادت ہونے میں ہے۔
(ب)، مَیں نے تو پُکار کو جائز کہا ہے نہ کہ مُنہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے (ج)۔ اور آپ کے سابقہ تسلیم کردہ ضابطہ سے تو پُکار (رونے) کا بھی جواز ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ جو امر قبیح اور بُرا ہو وہ ناجائز ہوتا ہے اور موجبِ گُناہ۔ اور گو گریہ و پُکار وقتی تاثّر کے تحت جائز ہے لیکن محض رونے اور غم منانے کی مجلس کا قیام بھی سال بسال جائز نہیں ہے۔ بہرحال اب آپ کے ذمّہ صرف یہ ثبوت رہ گیا ہے کہ حضرت حسین پر جزع فزع اور ماتم ممنوع اور قبیح نہیں۔

عَامُ الحُزن

(**بحث دلیل نمبر ۱۱**) ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ :-"حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہ کی وفات کے سال کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے عام الحزن یعنی غم کے سال کا نام دیا ہے"۔ اس کا جواب رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ دیا گیا تھا (ا) "اگر اس سال کو عام الحزن کا نام دینے کا مطلب یہی ہے کہ ہر سال اُن کی وفات کے دن ماتم کی مجالس قائم کی جائیں تو کیا حضرت علی المرتضٰی، حضرت فاطمۃ الزہراء، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم نے بھی کوئی ہر سال مجلسِ غم بپا کی تھی اور کیا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی اپنے مہربان چچا ابو طالب اور پیاری بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کا دن ہر سال مجلسِ ماتم کی صورت میں منایا تھا۔ اگر نہیں تو پھر کس کی پیروی کرتے ہیں"؟ (ص۱۳)۔

اس کے جواب الجواب میں مصنّف "فلاح الکونین" فرماتے ہیں کہ :-" یہ اگر مگر کی بات نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ عام الحزن (غم کا سال) اور غم کے سال کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب ہو ہی نہیں سکتا کہ کامل ایک سال حضور اکرم صلعم کا اپنے مہربان چچا حضرت ابو طالب وفا شعار اور محبوب بیوی حضرت خدیجہ سَلامُ اللہِ عَلَیھَا کا غم منانا کیا اُمّت کے لیے سُنّت نہیں؟ اُمّتی ہونے کی حیثیّت سے ہم رسُولِ کریم صلعم کے عزیز و اقربا کا غم آپ کی سُنّت سمجھ کر ہی مناتے ہیں۔ اگر آپ اہلِ سُنّت کے مدّعی ہوتے ہوئے رسولِ خدا کی سُنّت پر عمل نہیں کرتے تو جو لوگ اس پر عمل کرتے ہیں، انہیں اس سُنّت پر عمل کرنے سے روکنے کی کوشش [illegible] (فلاح الکونین) [illegible]

الجواب

(الف) آپ کی جہالت کی بھی کوئی حد ہے! اس سال کا نام عام الحزن رکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارا سال غم منایا جائے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ یہ وہ سال ہے جس میں ایسے جلیل القدر اعزّہ کی وفات کا صدمہ پہنچا۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم "عامُ الفیل" میں پیدا ہوئے اور عام الفیل اس سال کو کہتے ہیں جس میں حبشہ کے گورنر ابرہہ نے ہاتھیوں کے لشکر کے ساتھ مکّہ معظمہ پر چڑھائی کی اور اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے ذریعہ اس لشکر کو نیست و نابود کر دیا، اور اس عظیم واقعہ کے ذکر میں قرآن مجید میں سُورۃ الفیل نازل ہوئی :- اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحابِ فیل سے کس طرح کیا الخ- تو ہاتھیوں کا سال نام پڑ جانے کا مطلب کیا آپ کے نزدیک یہ ہے کہ سارا سال وہاں ہاتھیوں کا لشکر حملہ آور ہوتا رہا اور سارا سال ہاتھی وہاں گھومتے پھرتے رہے، ہرگز نہیں۔ اصحابِ فیل (ہاتھیوں والے) تو ایک دن بھی نہیں بلکہ دن کے کچھ حصّے میں تباہ و ہلاک کر دیئے گئے۔ لیکن اس نسبت سے سارے سال کا نام ہی "عام الفیل" رکھا گیا۔ یہی مطلب عام الحزن کا سمجھ لیجئے، لیکن آپ کی سمجھ میں ایسی معمولی بات بھی آئے کیسے، جب کہ سمجھ بھی ماتم کی نذر ہو گئی۔ (ب) اور آپ یہ بھی کسی روایت سے ثابت نہیں کر سکے کہ اس کے بعد نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کبھی بھی اُن کے ماتم کی کوئی مجلس قائم کی ہو۔ (ج) یہاں تو بڑے وثوق سے آپ فرما رہے ہیں کہ سارا سال غم منانا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سُنّت ہے، اور اہلِ سُنّت اس سُنّت کی پیروی نہیں کرتے اور اہلِ تشیّع کرتے ہیں۔ لیکن اس سے ایک صفحہ پہلے کا اپنا یہ ضابطہ بھول گئے کہ "امام جعفر صادق نے فرمایا ہے ہر جزع اور آہ و بکا مکروہ ہے سوائے جزع اور آہ و بُکا بر حسین علیہ السّلام"۔ اور اس سے قبل کی روایت میں بجائے لفظ مکروہ کے قبیح کا لفظ ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہاں مکروہ سے مُراد سخت ناپسندیدہ اور بُرا فعل ہے۔ اب آپ ہی یہ بتائیں کہ اگر حضرت خدیجہ اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مہربان چچا کا غم منانا سال بسال سُنّت ہوتا تو پھر امام جعفر صادق اس کو کیوں قبیح فرماتے کیونکہ آپ نے حضرت

حسینؓ کے لیے غم و اندوہ کے سوا سب پر قبیح ہونے کا حکم لگایا ہے۔ تو جس کام کو امام جعفر صادق ناجائز اور بُرا بتائیں کیا آپ کے نزدیک وہ کام سُنّت ہے؟ ؎

اُلٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے دے آدمی کو موت! پر یہ بد ادا نہ دے

واقعہ حضرت اویس قرنیؒ

(بحث دلیل نمبر ۱۲) ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ :- "جنگِ احد میں جنابِ رسالت مآب کا دانت مبارک شہید ہوگیا۔ جس کی خبر سُن کر خواجہ اویس قرنی نے اپنے دانت توڑ دیئے آنحضرت نے اس فعل کو پسند فرمایا اور خواجہ کے لیے دُعا دی" اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ :- "(۱) یہ روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے اس لیے اس کو حجّت نہیں بنایا جاسکتا (۲) اگر اس طرح اپنے دانت توڑنا صحیح اور کارِ ثوابِ ہوتا تو پھر حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا بھی اپنے دانت توڑ دیتے۔ کیا ماتمیوں کے نزدیک خواجہ اویس قرنی کا عشقِ رسالت، حضرت علیؓ سے زیادہ تھا؟ اگر خواجہ اویس قرنی کی یہ سُنّت ماتمیوں کو پسند ہے، تو پھر سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دانت شہید ہونے کی یادگار میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے۔ سارا قصّہ ہی ختم ہو جائے نہ مرثیہ خواں رہیں نہ سوز خواں رہیں، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری" (ھم ماتم کیوں نہیں کرتے)

اس کے جواب میں مصنّف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں (۱) اگر پمفلٹ میں خواجہ اویس قرنی کے دانت توڑنے والی روایت بلا سند اور بلا حوالہ پیش کی گئی ہے تو لیجیے حوالہ حاضر ہے! ملاحظہ کیجئے! السیرۃ الحلبیہ ج ۲ ص ۲۶۹، تذکرۃ الاولیاء ترجمہ اردو ص سہیل یمن مؤلفہ عبد الرحمٰن شوق امرتسری ص ۲۷ :- "حضرت اویس قرنی نے حضرت عمر ابن الخطاب کو کہا کہ اگر تم دوستی میں درست ہوتے تو اسی دن جبکہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، تو تم نے کیوں موافقت کے طریقہ پر اپنے دانت توڑ نہ دیئے کیونکہ یہ شرطِ موافقت ہے۔ پھر آپ نے دانت دکھائے جو ٹوٹے ہوئے تھے اور کہا میں نے آپ کو بلا دیکھے غیبت کی حالت میں اپنے دانتوں کو آپ کی موافقت میں توڑ ڈالا کہ جب میں ایک دانت توڑتا تھا

دل کو قرار نہ آتا تھا، حتّٰی کہ ایک ایک کرکے مَیں نے سب دانت توڑ دیے۔" (تذکرۃ الاولیاء ص ۱۹)

الجواب

(ل) آپ کی مندرجہ عبارت سے پہلے یہ عبارت ہے:۔ حضرت علی المرتضٰے تو خاموش رہے لیکن حضرت عمر فاروق نے حضرت اویس سے دریافت فرمایا! اے اویس! آپ نے حُضور پُرنور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نہ کی۔ آپؒ نے فرمایا کیا آپؓ نے حضور پُرنور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت کی ہے؟ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ ہاں۔ اویس نے فرمایا شاید آپ نے حُضور پُرنُور کا یہی جُبّہ شریف دیکھا ہوگا اور آپ حقیقتاً حُضور پُرنُور کی زیارت سے مشرّف ہوئے ہیں تو بھلا بتاؤ، حضور پُرنُور کے ابرو مبارک ملے ہوئے تھے یا نہیں؟ حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ خاموش ہوگئے کیونکہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ پھر اویس نے دریافت فرمایا! کیا آپ حُضور پُرنُور کے دوست ہیں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں! اویس نے فرمایا اگر آپ دوستی میں پورے ہوتے تو جنگِ احد کے روز الخ (تذکرۃ الاولیاء) اور آپ نے یہ عبارت غالباً اس لیے چھوڑ دی ہے کہ ناواقف لوگ یہ سمجھیں کہ خواجہ اویسؒ قرنی نے صرف حضرت عمر فاروقؓ پر الزام عائد کیا تھا۔ حالانکہ مندرجہ بالا عبارت میں صاف لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حضرت علی بھی تھے۔ اگر الزام آتا ہے تو دونوں پر، نہ کہ صرف حضرت عمر فاروق پر، کیونکہ دونوں نے اپنے دانت نہیں توڑے تھے اور جو کچھ خواجہ اویسؒ قرنی نے ان دونوں اصحاب سے کہا ہے، کیا ماتمی لوگ حضرت علی کے متعلق بھی یہ مان سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ روایت اس لیے مُشتَبہ ہے کہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ دونوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اَبرو مُبارک ملے ہوئے تھے یا نہیں۔ تو کیا ان حضرات نے محبوبِ خُدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پیشانی مبارک کو کبھی بھی نہیں دیکھا تھا؟ (ب) خواجہ اویسؒ قرنی کے متعلق اتنی بات تو صحیح ثابت ہوچکی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے ولی اللہ ہونے کی اطلاع دی تھی، اور حضرت عمر فاروق وغیرہ اصحاب نے اُن سے ملاقات بھی کی اور دُعا بھی کرائی چنانچہ سیرت حلبیہ میں ہے (جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے):۔ وفی روایۃ ان

عمر قال لأویس استغفر لی فقال کیف استغفرلك وانتَ صَاحبُ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فقال لہ عمر رضی اللّٰہ عنہ سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول ان خیرالتابعین رجل یقال لہ اُویس الخ :- " (اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت اویس قرنی سے فرمایا کہ میرے لیے بخشش کی دُعا کریں، تو آپ نے فرمایا کہ مَیں آپ کے لیے کیونکر بخشش کی دُعا کروں حالانکہ آپ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے صحابی ہیں ۔ پس حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مَیں نے رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ تابعین میں سب سے بہتر اویسؒ ہوں گے ۔")

اس روایت سے معلوم ہوا کہ خواجہ اویسؒ قرنی کے دل میں بحیثیتِ صحابی ہونے کے حضرت عمرؓ فاروق کا کتنا احترام تھا ، اور مذکورہ اُردو عبارت تو حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت علی المرتضٰے دونوں جلیل القدر صحابہ کی شان کے خلاف ہے ۔ علاوہ ازیں اسی سیرتِ حلبیہ میں یہ ہے کہ :-

وما اخرجہ البیہقی عن عمر رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال سیکون فی التابعین رجل من قرن یقال لہ اُویس بن عامر :- " (اور بیہقی نے حضرت عمر سے روایت لکھی ہے کہ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ عنقریب تابعین میں ایک مرد ہوگا ، جس کا نام اویس بن عامر ہوگا ۔")

اس روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ اویسؒ قرنی حضور صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں موجود نہ تھے ، واللّٰہ اعلم ۔ (ج) اور اگر سارے دانت توڑنے کی مندرجہ روایت کو تسلیم بھی کیا جائے تو خواجہ اویسؒ قرنی نے غلبۂ حال کی وجہ سے ایسا کیا ۔ جس میں وہ معذور ہیں لیکن اس کو شرعی عمل اور کمال نہیں کہہ سکتے ، کیونکہ اگر یہ کمال محبت ہوتا تو یقیناً حضرتِ فاروقؓ اور حضرت علی المرتضٰی اور دیگر صحابہ کرام بھی ایسا کرتے ۔ (د) اور اگر آپ خواجہ اویسؒ کے اس فعل کو محبّت سمجھتے ہیں اور اسی سے ماتم حسین میں بدن پر زنجیریں اور چھریاں مارنا نیکی سمجھتے ہیں ، تو پھر محبوب خدا حضرت محمد مصطفٰے صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے عشق میں اپنے دانت کیوں نہیں توڑ دیتے ۔ مصنّف " فلاح الکونین " اور ان کی تائید کرنے والے شیعہ علماء و مجتہدین کے لیے

اب لازمی ہوگیا ہے کہ وہ اپنے اپنے سارے دانت توڑ کر محبّتِ نبوی کا ثبوت دیں، ورنہ بقول جوشؔ ملیح آبادی یہی کہنا پڑے گا۔ ؎

مشقِ گریہ علیش کی تمہید ہے تیرے لیے
عشرۂ ماہِ محرم عید ہے تیرے لیے

حضرت عثمان اور جنگِ اُحد

آپ نے یہ لکھا ہے کہ:۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے دانت مبارک شہید ہوئے اور چہرۂ انور زخمی ہوا۔ اس وقت حضرت علی المرتضیٰ جان کی بازی لگائے سر ہتھیلی پر رکھے دشمنوں سے حضورؐ کو بچانے کے لیے مشرکینِ مکہ پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ یہ ایسا مشکل وقت تھا کہ سوائے چند جانثاروں کے باقی تمام صحابہ آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے چنانچہ مُدارج النبوّۃ" ج ۲ ص۱۲۲ میں ہے:۔" گروہے گریختند و در زوایا و شعابِ جبل مخفی شُدند و بعضے بشہر رفتند و عثمان بن عفان از اں جُملہ بُود الخ"

الجواب

(اوّل) لیکن اس میں میرے اس سوال کا جواب تو نہیں کہ اگر دانت توڑنا عشقِ نبوی کا ضروری تقاضا ہے تو حضرت علی المرتضیٰ نے کیوں اپنے دانت نہیں توڑے؟ یہاں بحث کا موضوع تو ماتم تھا لیکن جنگِ اُحد کے تذکرے میں آپ کو حضرت عثمان ذُوالنّورین پر طعن کرنے کا موقعہ مل گیا اور غلبۂ عناد میں آپ نے تقیہ کی چادر بھی اُتار پھینکی اور اس جوش میں یہ بھی ملحوظ نہ رہا کہ حضرت عثمانؓ ہوں یا کوئی اور صحابی جو بھی اس جنگ میں میدان سے ہٹ گئے اور جن کے بھی پاؤں اکھڑ گئے اللہ تعالیٰ نے بلا استثناء سب کو معاف کر دیا۔ چنانچہ اسی مدارج النبوّۃ" میں لکھا ہے کہ:۔ تاہم عنایت الٰہی ان مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئی اور سب کو معاف کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت حق جلّ و علیٰ جس کے ساتھ نظرِ عنایت و قبول رکھتا ہے، اس کو اپنی بارگاہ سے دور نہیں فرماتا اور اسے ردّ نہیں کرتا۔ یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم پر ایمان رکھنے کی بدولت اور آپ کے طفیل میں ہے جیسا کہ آیتِ کریمہ میں ارشاد ہے:۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

حَلِیْمٌ ” بے شک وہ ایماندار بندے جنھوں نے دونوں گروہوں کے ملنے کے دن مُنہ پھیرا تھا، دراصل اُن کو شیطان نے نبی کے بعض حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے پھسلا یا تھا۔ بلاشبہ اللہ نے ان سب کو معاف فرما دیا، اور اللہ غفور و حلیم ہے۔ (مدارج النبوۃ جلد دوم ص۲۰۴ مطبوعہ کراچی) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعی نے اسی آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے :۔

”یقیناً تم میں سے وہ لوگ جو (اُس دن) بھاگ گئے تھے، جس دن دو گروہوں کا مقابلہ ہوا تھا سوائے اس کے نہیں ہے کہ شیطان نے بوجہ اُن کے بعض افعال کے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے اور اللہ نے ان کے قصور سے درگذر کی۔ بے شک خدا تعالیٰ بڑا بخشنے والا (اور) بُردبار ہے۔“ (پارہ ۴ سورۃ آل عمران ع ۱۶) اور اس سے چند آیات پہلے بھی فرمایا :۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ ”اور یقیناً خدا نے تم سے درگذر کی“ (ترجمہ مقبول)

جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو معاف کر دیا ہے، جن کے قدم ڈگمگائے تھے۔ تو قرآن میں معافی کے اس صریح اعلان کے بعد بھی کیا کوئی قرآن پر ایمان رکھنے والا ان پر طعن کر سکتا ہے ؟ (ب) حضرت آدم علیہ السّلام تو ایک نبی تھے اور اُن سے جو بھول ہوئی تھی اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے : فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ”(پارہ اوّل ع ۴) :۔ اس کا ترجمہ آپ کے مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی یہ لکھتے ہیں ”شیطان نے اُن دونوں کو وہاں سے نکالنے کی تدبیر کی اور جس حالت میں وہ دونوں تھے، اس میں اُن نہ رہنے دیا۔“ (ترجمہ مقبول)

یہاں بھی حضرت آدمؑ اور حوّا کی اس لغزش کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے، اور جنگِ اُحد کے سلسلہ کی مندرجہ بالا آیت میں بھی اُن کے پاؤں ڈگمگانے کی نسبت شیطان کی طرف ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کے لیے فَتَابَ عَلَیْهِ کے الفاظ سے معافی کا اعلان فرمادیا اور اصحاب کے بارے میں بھی وَلَقَدْ عَفَى اللّٰهُ عَنْهُمْ سے معافی کا اعلان ہوگیا، اور حق تعالیٰ کا خصوصی فضل سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان صحابہ پر یہ ہے کہ اُن کی طرف سے استغفار

کرنے کا ذکر نہیں فرمایا، اور خود ہی اُن کی معافی کا اعلان فرما دیا۔ کیا آپ حضرت آدم علیہ السّلام کے متعلق بھی اپنے دل میں اسی طرح کا بغض رکھتے ہیں، جس طرح ان اصحاب رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے متعلق آپ کا حال ہے۔ عبرت! عبرت! عبرت!

(ج) "مدارج النبوّۃ" کی جو عبارت آپ نے درج کی ہے اس میں ایک گروہ کے متعلق تو بھاگنے کے الفاظ ہیں۔ "گروہے گریختند" لیکن حضرت عثمان وغیرہ کے متعلق بجائے بھاگنے کے یہ الفاظ ہیں:۔ "وبعضے بشہر رفتند وعثمان بن عفّان از انجملہ بود" (اور بعض شہر (مدینہ) میں چلے گئے اور حضرت عثمان بن عفّان انہی میں سے تھے) اور یہ فرق اس لیے کیا گیا ہے کہ جب رسول خدا صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے متعلق شیطان نے یہ خبر اڑائی کہ حضور شہید ہو گئے ہیں تو حضرت عثمان وغیرہ بعض احباب پر مایوسی کا غلبہ ہو گیا کہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد ہم کیا لڑائی کریں اور اس کی بنا پر وہ شہر میں چلے گئے، اور یہ ایک اجتہادی خطا ہے، نہ کہ جان کے خوف سے بھاگ جانا، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت یونس علیہ السّلام گو اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر بلا اِذنِ خُداوندی اپنی قوم کو چھوڑ کر نکل گئے تھے اور یہ ایک قسم کا ترکِ اولیٰ تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی بھاگنے سے تعبیر فرمایا:۔ وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ ۝ (سُوْرَۃُ الصّٰفّٰتِ ع ۵) "اور یونس بے شک رسولوں میں سے تھے جبکہ وہ بھاگ کر ایک بھری ہوئی کشتی میں چلے گئے۔" (ترجمہ مقبول)

فرمائیے! آپ کے شیعہ مفسّر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے ایک پیغمبر معصوم حضرت یونس علیہ السّلام کی طرف بھاگنے کی نسبت تسلیم کر لی۔ لیکن اس وجہ سے حضرت یونسؑ کی رسالت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ تو اگر بعض اصحاب کی نسبت قرآن میں تَوَلَّوْا کے الفاظ ہیں (یعنی مُنہ پھیرا) اور آیت میں کسی صحابی کا نام نہیں اور جو عبارت آپ نے پیش کی ہے اُس میں حضرت عثمان کے متعلق بھاگنے کا لفظ بھی نہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ ماتمی گروہ حضرت یونس کو نبی معصوم مانتا ہے اور حضرت عثمان سے بغض رکھتا ہے۔ آخر اس میں کیا راز ہے؟ (د) مصنف

"فلاحُ الکونین" نے یہ تو تسلیم کرلیا کہ چند اصحاب حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ باقی رہ گئے تھے۔ لیکن ایک اور شیعی محقق رقمطراز ہیں :۔ "مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر خالد بن ولید نے مع اپنے ساتھیوں کے رسولؐ پر حملہ کردیا اور تلواروں، نیزوں اور پتھروں سے حضرتؐ کو زخمی کیا۔ یہاں تک کہ جناب رسالتمآب پر غشی کا عالم طاری ہوگیا اور سوائے حضرت علیؓ کے تمام مسلمان بھاگ گئے۔ جناب رسالتمآب کو غشی سے اِفاقہ ہوا تو آپ نے حضرت علیؓ کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے علی مجھے اِن دشمنوں سے بچاؤ۔ پس حضرت علی نے ان مشرکین کو مار بھگایا"
(ھفت روزہ شیعہ لاہور مورخہ یکم دسمبر ۱۹۷۳ء صے۲)۔

تو گویا ان محقق و محبّ موصوف کے نزدیک کوئی بھی سوائے حضرت علی کے ثابت قدم نہ رہا، اور خود رسولِ خُدا صلے اللہ علیہ وسلّم بھی حضرت علی کی وجہ سے بچ گئے۔ ان الفاظ میں کتنی تنقیص و بہتان ہے کہ :۔ " اے علی! مجھے ان دشمنوں سے بچاؤ"۔ حالانکہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی شجاعت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور علّامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ :۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے مُڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جانثار پہلو میں ہیں جن میں حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابودجانہؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے (سیرت النبی جلد اوّل صـ۳۷۹) اور شیعہ مجتہد علّامہ طبرسی نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ :۔ وذکر ابو القاسم البلخی انہ لم یبق مع النبی صلے اللہ علیہ وسلّم یوم اُحد الاّ ثلٰثۃ عشر نفسًا، خمسۃ من المھاجرین وثمانیۃ من الانصار فاما المھاجرون فعلی (ع) و ابوبکر وطلحۃ وعبد الرّحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص الخ (تفسیر مجمع البیان، سورۃ اٰل عمران صـ۲۳) :۔ "(اور ابو القاسم بلخی نے ذکر کیا کہ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ اُحد کے دن صرف تیرہ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ پانچ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے، اور مہاجرین یہ تھے علی، ابوبکر، طلحہ، عبد الرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاصؓ"

شیخ طبرسی نے یہاں صراحتاً حضرت ابوبکرؓ کا موجود رہنا تسلیم کرلیا ہے۔ روایات میں تعداد کے اس اختلاف کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس شدّتِ جنگ اور شہداء کی لاشوں میں جس کی جس پر نظر پڑی، اُس نے اُس کا نام لیا، اور گو مذکورہ ناموں میں حضرت عمر فاروقؓ کا نام نہیں ہے۔ لیکن آپ بھی یقیناً رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہمراہ رہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :۔ "تعجب ہے کہ اُن میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے پاس ہی موجود تھے اور ثابت قدم رہے تھے، اور جب صحابہ مجتمع ہوئے اور حضور کے قریب آئے تو انہوں نے اُن کو وہاں دیکھا اور جب ابوسفیان نے پکار کر کہا ھَلْ فی القوم محمّدٌ، ھَلْ فی القوم ابن ابی قحافہ، ھَلْ فی القوم ابن الخطاب :۔ یعنی کیا مُسلمانوں میں محمّدؐ ہیں؟ کیا مسلمانوں میں ابوبکر ہیں؟ اور کیا مسلمانوں میں عمر ابن الخطاب ہیں؟" تو حضور نے فرمایا کوئی جواب نہ دو۔ بالآخر حضرت عمر ابن خطابؓ رضی اللہ تعالیٰ بے چین ہوگئے اور انہوں نے اس کا جواب دیا الخ (مدارج النبوّۃ جلد دوم ص۲۰۵)

اور "سیرتِ ابنِ ھشام" میں بھی ہے کہ :۔ جنگ ختم ہونے کے بعد ابوسفیان نے واپسی کا ارادہ کیا تو وہ پہاڑ پر چڑھا اور بلند آواز سے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا :۔ اَنعَمتَ فعالُ وانّ الحرب سجال، یومٌ بیومٍ، اُعلُ ھُبل (اپنے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے) :۔ "اے ابوسفیان! تونے بڑا اچھا کام کیا۔ جنگ میں اُلٹ پلٹ ہوتا ہی ہے، ایک جنگ دوسری جنگ کا بدلہ ہوجاتی ہے۔ اے ہُبل! سَر بلند ہو"

رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے عُمر ابن خطّاب کو حکم دیا، عمرؓ! کھڑے ہوکر اس کا جواب دو اور کہو :۔ اللہ اعلیٰ واجلّ، لاسواء، قتلانا فی الجنّۃ وقتلاکم فی النّار (اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے، ہمارے تمہارے درمیان کوئی برابری نہیں، ہمارے مقتولین جنّت میں اور تمہارے مقتولین جہنّم میں جائیں گے۔) (سیرت ابن ھشام حصّہ دوم ص۱۰۶) اور مولانا شبلی نعمانی نے بھی حضرت عمر فاروق اور ابوسفیان کا یہ سوال و جواب نقل کیا ہے۔ (سیرت النّبی جلد اوّل ص۳۸۱)

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جہاں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ چند اصحاب کے باقی رہ جانے کی روایات آتی ہیں، وہاں عموماً اس طرف لوگوں کی توجّہ نہیں جاتی کہ وہ ستّر آدمی جو جنگِ اُحد میں شہید ہوئے، وہ بھی تو اصحاب ہی تھے جنھوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دفاع میں اپنے بدن چھلنی کرائے اور شہادت کا اعلیٰ مقام حاصل کیا اور ان کے فضائل میں اللہ تعالیٰ نے کتنی آیات نازل فرمائیں - رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین -

شجاعتِ علیؓ کی ایک دوسری تصویر

اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم پر مطاعن کی بوچھاڑ کرنے والے اور صرف حضرت علی المرتضیٰؓ کی شجاعت اور قربانی کا تذکرہ کرنے والے جب ایک دوسرے پہلو سے خلفائے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نعوذ باللہ خلافتِ علی کے غصب کرنے والے اور ظلم وستم کرنے والے ثابت کرنا چاہتے ہیں - تو شیرِ خدا کو اس قدر مظلوم اور مغلوب بنا کر پیش کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ بے نظیر شجاعت کا تو کیا ذکر، آپ کی کوئی حیثیت ہی باقی نہیں رہتی - چنانچہ علّامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ :-

پس وہ اشقیائے اُمّت گلوئے مبارک جناب امیر میں ریسمان (رسّی) ڈال کر مسجد میں لے گئے، اور بروایت دیگر جب دروازہ پر پہنچے اور جناب فاطمہ مانع ہوئیں - اس وقت قنفذ نے اور بروایت دیگر عمرؓ نے تازیانہ بازوئے جناب فاطمہ پر مارا کہ بازو جناب سیّدہ کا شکستہ ہوگیا اور سوج گیا مگر پھر بھی جناب فاطمہ نے جناب امیر سے ہاتھ نہ اُٹھایا اور اُن اشقیاء کو گھر میں آنے سے منع کیا یہاں تک کہ دروازہ شکمِ جناب فاطمہ پر گرا دیا اور پسلیوں کو شکستہ کیا اور اس فرزند کو جو شکم میں جناب فاطمہ کے تھا، اور حضرت رسول نے اس کا محسن نام رکھا تھا، شہید کیا، اور اُسی ساعت اس معصوم نے شکم میں انتقال کیا، اور جناب فاطمہ نے اُسی ضربت کے صدمہ سے وفات پائی الخ (جلاء العیون حصّہ اوّل ص۱۵۲ مطبوعہ لکھنؤ) - یہ ہیں عجائباتِ تقیّہ جو فاتحِ خیبر، شیرِ خُدا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف منسوب ہیں - کیا حیدرِ کرّار کی موجودگی میں کوئی شخص خاتونِ جنّت کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھنے کی جسارت کر سکتا ہے ؟ اس پر مزید کسی تبصرہ کی حاجت نہیں - ع ، ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی -

فطرتِ انسانی

(بحث دلیل نمبر ۱۳) :- ماتمی ٹریکٹ میں یہ لکھا تھا کہ :- "اِسلام دینِ فطرت ہے - بچہ پیدا ہونے کے بعد زندگی کا آغاز رونے سے کرتا ہے" اس کے جواب میں عرض کیا گیا تھا کہ :- پیدائش کے بعد بچے کا رونا مروّجہ ماتم کی دلیل کیسے بن گیا- بچّہ کس کے ماتم میں روتا ہے ؟ (۲) اگر بچہ روتا ہے تو پیشاب ، پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرت انسانی کے پیش نظر پیشاب یا پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہیئں- واہ ! کیا خوب عقل ہے- (ھم ماتم کیوں نہیں کرتے ص۱۵)

اس کے جواب الجواب میں مصنّف "فلاحُ الکونین" لکھتے ہیں :- "انسان پیدا ہوتے ہی روتا ہے ، ہر ذہنی اور جسمانی تکلیف پر روتا ہے - غرضیکہ روتا ہوا آتا ہے اور روتا ہوا چلا جاتا ہے- رونا چونکہ مقتضائے فطرت ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند فرمایا ہے - ارشادِ قدرت ہے :- أفمن هذا الحديث تعجبون وتضحكون ولا تبكون :- "کیا تم اس بات سے تعجّب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو" اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے ہنسنے سے منع فرمایا اور رونے کا حکم دیا" (فلاحُ الکونین ص۴۹) +

الجواب

(۱) اس آیت میں کفّار سے خطاب ہے ، چنانچہ علامہ شبّیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں :- "یعنی قیامت اور اس کے قُرب کا ذکر سُن کر چاہیئے تھا کہ خوفِ خُدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے - مگر تم اس کے خلاف تعجّب کرتے اور ہنستے ہو، غافل اور بے فکر ہو کر کھلاڑیاں کرتے ہو" اور شیعوں کے علامہ طبرسی اِس آیت کے تحت لکھتے ہیں :- (أفبهذا الحديث) يعنى بالحديث ما تقدم من الاخبار عن الصادق (ع) وقيل معناه أفمن هذا القرآن ومنزوله من عند الله على محمد صلّى الله عليه وسلّم وكونه معجزًا (تعجبون) ايها المشركون (وتضحكون) استهزاءً (ولا تبكون) انزجارًا لما فيه من الوعيد (وانتم سامدون) اى غافلون لاهون معرضون عن ابن عباس ومجاهد وقيل هو الغناء كانوا اذا سمعوا القرآن عارضوه بالغناء ليشغلوا الناس عن استماعه

عن عکرمۃ ۔ (تفسیر مجمع البیان، پ ۲۷، سورۃ النّجم آخری رکوع) :۔" امام جعفر صادق نے اس آیت کا مطلب یہ فرمایا ہے کہ کیا تم ان خبروں پر تعجّب کرتے ہو (جو سابقہ آیات میں قومِ عاد و ثمود وغیرہ کی مذکور ہیں) اور اس کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے کہ اے مشرکین ! تم اس قرآن اور اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر اترنے اور اُس کے معجزہ ہونے پر تعجب کرتے ہو اور ٹھٹھا کرتے ہوئے ہنستے ہو، اور اس عذاب کے ڈر سے نہیں روتے جو اس میں مذکور ہے اور تم غافل ہو، اور کھیل تماشا میں مشغول ہو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مُراد گانا ہے مشرکین جب قرآن سنتے تھے تو اس کے مقابلہ میں وہ گانا شروع کر دیتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو قرآن سے باز رکھیں۔ یہ مطلب عکرمہ نے بیان کیا ہے "

فرمائیے ! اس آیت کے مضمون کو ماتم سے کیا تعلق ؟ (ب) اگر اس آیت میں مطلقاً ہنسنے کی ممانعت ہوتی تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کبھی بھی نہ ہنستے۔ حالانکہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مسکرانا اور ہنسنا دونوں ثابت ہیں، اور اگر اس آیت کا مطلب یہ ہوتا کہ مومنین ہمیشہ روتے رہیں تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت علیؓ اور دیگر اصحاب ہمیشہ روتے ہی رہتے نماز میں بھی، روزہ میں بھی، حجّ میں بھی اور جہاد میں بھی۔ (ج) آپ فرماتے ہیں کہ رونا انسانی فطرت ہے لیکن کیا ہنسنا انسانی فطرت نہیں۔ بچہ روتا بھی ہے اور ہنستا بھی ہے لیکن بڑے کے رونے ہنسنے اور بچے کے رونے ہنسنے میں فرق ہوتا ہے۔ بچہ زیادہ روتا ہے تو مائیں چُپ بھی تو کراتی ہیں۔ اگر آپ کا بچہ دن رات روتا ہے تو آپ پریشان ہو جائیں گے اور اس کا علاج کرائیں گے ۔ معلوم ہوا کہ رونے اور ہنسنے کا ایک موقعہ اور حد ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے خوشی کے موقعہ پر ہنسنا تو ثابت ہے ۔ لیکن رقص و سرود کو منع فرمادیا ہے ، اسی طرح کسی عزیز کے صدمہ سے گریہ (رونا) تو ثابت ہے ، لیکن مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنے کو حرام فرمادیا ہے ۔ انسانی فطرت کی سلامتی کا اعلیٰ نمونہ خود رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احوال ہیں، جن کو سُنّت کہا جاتا ہے اور یہ رونا پیٹنا، اور ماتمی مظاہرہ کرنا، ماتمیوں کی فطرت

ے بگاڑ کی علامت ہے، نہ کہ سلامتی کی۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان افعال ماتم سے
سے منع نہ فرماتے، اور جب کہ آپ نے دلیل نمبر ۱ خود امام جعفر صادق کے قول سے یہ تسلیم
رلیا ہے کہ :۔" ہر جزع اور آہ و بُکاء مکروہ ہے سوائے جزع اور آہ و بکاء برامام حسین علیہ السلام
(ص ۲۶) تو ماتم کے لیے آپ کا یہ استدلال تو باطل ہوگیا کہ رونا انسانی فطرت ہے۔ کیونکہ اگر
انسانی فطرت کے تحت رونے کا یہ تقاضا ہوتا تو پھر سب کے لیے آہ و بُکاء اور جزع فزع جائز اور
ضروری ہوتا۔ حضرت امام حسین سے متعلق جزع فزع کے جواز کی تخصیص باقی نہ رہتی۔ لہٰذا ثابت
ہوا کہ آپ کے تسلیم شدہ اس ضابطہ کے تحت مذکورہ آیت قرآنیہ سے آپ کا استدلال
بالکل غلط ہے۔

ایک اور کج فہمی

آپ فرماتے ہیں کہ :۔ ایسی پاک و پاکیزہ مجالس کو جن میں انبیاء و
اَصفیاء کے تذکرے ہوں، سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام
کے فضائل و مَناقِب کا بیان ہو۔ قرآنِ حکیم کی آیات تلاوت کی جائیں، احادیثِ رسول سنائی
جائیں، مسائلِ شرعیہ بتائے جائیں۔ پیشاب و پاخانہ کی مجالس سے تشبیہ دینا، عقل سے عاری
تہذیب و اخلاق سے کورا اور دشمنِ حسین ہونے کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے۔ ع :۔۔۔۔
ادب پہلا قرینہ ہے، محبّت کے قرینوں میں۔ (فلاح الکونین ص ۵)

الجواب

(ل) آپ نے مجالس کی جو مذکورہ صورت بیان کی ہے، مَیں نے اُن کو
پیشاب و پاخانہ کی مجالس سے تشبیہ ہی کب دی ہے، کہ آپ کو ایسا
لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ میری عبارت میں تشبیہ تو مذکور ہی نہیں، آپ تو تشبیہ کا مفہوم بھی نہیں
سمجھتے۔ مَیں نے تو آپ کے اس استدلال کو باطل قرار دیا تھا کہ چونکہ رونا انسانی فطرت میں
داخل ہے، اس لیے ماتم کی مجالس انسانی فطرت کا مقتضیٰ ہیں۔ کیونکہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ
جو امر بھی انسانی فطرت میں داخل ہے، اس کا یہی مقتضیٰ ہونا چاہیے کہ اس کا خوب مُظاہرہ کیا جائے
مثلاً سونا بھی انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ لیکن کوئی آدمی ہر وقت سوتا ہی رہے تو اس کو ملامت کی جائے

گی۔ اسی بنار پر مَیں نے یہ لکھا تھا کہ :- اگر بچہ روتا ہے تو پیشاب، پاخانہ بھی کرتا ہے تو اس فطرتِ انسانی کے پیشِ نظر پیشاب، پاخانہ کی مجالس بھی قائم ہونی چاہئیں۔ واہ! کیا خوب عقل ہے فرمائیے! اس میں تشبیہ کی کیا بات ہے۔ (ب) سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فضائل و مناقب یا ائمہ اور بزرگوں کے تذکرے وغیرہ اگر کسی مجلس میں ہوں تو وہ زیرِ بحث ہی نہیں ہے۔ بحث کا موضوع تو آپ کی ماتمی مجالس ہیں جن میں مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا وغیرہ ہوتا ہے۔ ان افعال کو سیرت و سنّتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتحیۃ سے کیا تعلق ہے، اور یہ افعال ائمہ اہل بیت نے کب کئے ہیں۔ ماتمی مجالس کا یہ مظاہرہ تو کتابُ اللہ، ارشاداتِ رسولُ اللہ اور اقوالِ ائمہ کے بالکل خلاف ہے۔ جس میں آپ قوم کو مبتلا رکھنا چاہتے ہیں۔

فرقہ بندی (بحث دلیل نمبر ۱۴) :۔ ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ :- "سانحۂ کربلا کے وقت اسلام میں کوئی فرقہ بندی نہ تھی۔ قاتلانِ امام دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے تھے۔ آج امام حُسین کا ذکر اور اُن کی حمایت کرنا گویا امامِ مظلوم کا ساتھ دینا ہے۔" اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ :- ماتم کرنے کو امام حُسین کی حمایت سے کیا تعلق؟ حُسینیّت تو یہ ہے کہ امام حُسین نے جس شریعت اور سُنّتِ مقدّسہ کے لیے اپنی جان قربان کی تھی، اس کی اتباع کی جائے اور اعمالِ صالحہ کو رائج کیا جائے۔ شرک و بدعت اور بُت پرستی کے مظاہر کو مٹایا جائے۔ امامِ عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کوفی ہیں اور یزیدیّت کی حمایت میں شہید کرنے والے غدّار بھی کوفی لوگ ہیں جو ماتم امام حُسینؓ نے ساری عمر نہیں کیا، اُس کا ارتکاب حُسینیّت کی حمایت ہے یا مخالفت؟ (۲) "اخبارِ ماتم" صـ۹۶ میں ہے کہ سب سے پہلے شہادتِ حسین کا ماتم یزید کے گھر میں اس کی بیوی ہند نے بپا کیا تھا۔ اب یہ نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ حُسینیّت کیا ہے اور یزیدیّت کیا؟ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے صـ۵۱)۔

اس کے جواب الجواب میں مصنّف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ :- بے شک حُسینیّت یہی ہے کہ حضرت امام حُسین نے جس شریعتِ مقدّسہ اور سُنّتِ مطّہرہ کو زندہ و پائندہ رکھنے کی خاطر میدانِ

کربلا میں کم وبیش بہتّر بیش بہا بلکہ عدیم المثال قربانیاں دیں، اس پر صحیح معنوں میں عمل کیا جائے الخ (فلاح الکونین ص۱۵) تو پھر آپ قوم کو اس صحیح حسینیّت کی طرف کیوں دعوت نہیں دیتے ماتمیوں کی مساجد غیر آباد اور امام باڑے کیوں آباد ہیں؟ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب نے خود بھی اہل تشیّع کو تنبیہ کرتے ہوئے اس کا اقرار کیا ہے کہ:-

مساجد ویران امام باڑے آباد

"کس قدر شرم کی بات ہے کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار، قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز باجماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا! عتباتِ عالیہ کی زیارات کو اگر سو جائیں گے تو حج کو پانچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالیشان ہیں، ہزاروں روپے کا شیشہ، آلات وغیرہ موجود ہے مگر مساجد ویران پڑی ہیں" (سعادت الدارین فی مقتل الحسین ص۵۷)

مصنّف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ:- "شرک و بدعت اور بت پرستی سے اگر آپ کی مراد وہ شرک و بدعت و بت پرستی ہے جو قبل از بعثت رسول کریم صلعم دنیا میں رائج تھی۔ قرآن بتاتا ہے کہ اس کے خلاف سب سے پہلے حضرت نوح نے آواز بلند کی" (قرآن حکیم پ ۲۹ سورۃ نوح) دوسری آواز جو اس کے خلاف اٹھی وہ بُت شکنِ اوّل حضرت ابراہیم کی آواز تھی (قرانِ حکیم پ ۱۷ سورۃ انبیاء) اور آخری آواز جس نے دنیا کے اکثر ممالک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بُت پرستی اور شرک و بدعت کا خاتمہ کردیا۔ وہ حضور پاک سرور کونین، رسول الثقلین جناب محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم کی آواز تھی (قرانِ حکیم پ ۲۷ سورۃ النّجم)۔ اب ممالک اسلامیہ میں نہ کوئی مشرک باقی ہے نہ کوئی بدعتی اور نہ بُت پرست، بالخصوص ملکِ خداداد پاکستان تو مشرکوں اور بُت پرستوں سے بالکل پاک ہو چکا ہے۔ تقسیم سے پہلے جتنے مُشرک اور بُت پرست یہاں تھے وہ سب واہگہ پار کر کے بھارت پہنچ چکے ہیں۔ اب آپ کو شرک و بدعت اور بُت پرستی کے مظاہر کو مٹانے کی فکر میں گھُل گھُل کر ہاتھی ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، مگر اس کا کیا علاج کہ ساون کے اندھے کو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا ہے۔ جو لوگ خود شرک و بدعت ایسے مُوذی اور لا علاج مرض میں مبتلا ہیں انہیں ہر ایک

اسی مرض کا مریض نظر آتا ہے۔" (فلاح الکونین صـ۳ـ)

الجواب

(۱) آپ نے یہاں شرک و بُت پرستی کے موضوع پر جو حقائق بیان فرمائے ہیں، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نہ شرک و بت پرستی کو سمجھتے ہیں، اور نہ بدعت کو، اور نہ ہی اپنی تحریر کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ پہلے تو آپ نے دعوٰی کیا ہے کہ پاکستان میں کوئی مشرک وغیرہ ہے ہی نہیں اور آخر میں خود ہی اس کی ان الفاظ سے تردید کردی کہ :۔ "جو لوگ خود شرک و بدعت ایسے موذی اور لاعلاج مرض میں مبتلا ہیں" کیونکہ اس کا تو یہی مطلب ہے کہ ایسے لوگ بھی پاکستان میں موجود ہیں جو خود شرک و بدعت میں مبتلا ہیں، لیکن دوسروں کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں۔ تو آپ کے اپنے اقرار سے ہی پاکستان میں اہل شرک و بدعت کا وجود ثابت ہوگیا، اور اگر آپ کا یہ مطلب ہے کہ قریش مکہ کی طرح لات و ہبل کے نام سے شرک و بُت پرستی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ تو یہ امر زیر بحث ہی نہیں کیونکہ شرک اور بُت پرستی لات و ہبل کی پوجا میں منحصر نہیں۔ شرک جس شکل میں بھی ہو، شرک ہوگا اور اگر ایسے شرک کا مرتکب بلا توبہ مرگیا تو آخرت میں اس کے لیے کوئی بخشش نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ :۔ (اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور اس کے ماسوا جس کے لیے چاہیے گا بخش دے گا۔ (پ ۵، سورۃ النّساء ع ۷) ؏

توحید و شرک

کلمۂ طیّبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اسلام کی بنیاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اللہ کے رسول ہیں۔ اس کی پہلی جزء میں توحید خداوندی کا اعلان ہے اور دوسری جزء میں رسالتِ محمّدیہ کا، اور توحید کے ماننے کا واسطہ رسالت ہے۔ یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان فرمائی ہیں اور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ ان کے ماننے سے اللہ تعالیٰ پر ایمان نصیب ہوتا ہے۔ ایمان بالتّوحید ہی

مقبول ہے جو ایمان بالرّسالۃ کے واسطہ سے ہو، اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ذات، صفات اور استحقاقِ عبادت میں وحدہٗ لاشریک مانا جائے۔ یعنی جو صفات اللہ تعالےٰ کی ہیں ان میں بھی کوئی شریک وحصہ دار نہیں ہے۔ اسی بنا پر وہی معبود ہے، اس کے ماسوا کسی کی بھی عبادت جائز نہیں ہے۔ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے اس کے سوا اور کوئی ہر چیز پر قدرت نہیں رکھتا، وہ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہے۔ اُس کے ماسوا کوئی بھی ہمیشہ ہر چیز کو جاننے والا نہیں اسی لیے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ قرآن حکیم میں توحید کا مفصّل بیان ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ البتہ یہاں شیعی علّامہ مولوی محمد حسین کی (جو فلاح الکونین پر تقریظ لکھنے والے ہیں) بعض عبارتیں توحید کے بیان میں درج کی جاتی ہیں۔ تاکہ شیعہ عوام بھی اُن کے تحت اپنے عقیدہ کو پرکھ سکیں (۱) توحید افعالی کے بیان میں لکھتے ہیں کہ :۔"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ افعالِ تکوینیہ جن پر کوئی بشر من حیث البشر ذاتی طور پر طاقت و قدرت نہیں رکھتا جیسے خلق کرنا (یعنی پیدا کرنا) رزق دینا، مارنا اور جلانا یا مریض کو شفا دینا۔ اس قسم کے دیگر افعالِ تکوینیہ، ان میں خداوندِ عالم کا کوئی شریک نہیں۔ اس سلسلہ میں آیات وروایات حدِّ احصار وشمار سے متجاوز ہیں۔"

اس کے بعد موصوف نے چند آیات پیش کی ہیں چنانچہ نمبر۹ میں ہے :۔ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ (پ ۲۰، سورۃ النمل ۵۶) "۔ آیا وہ کون ہے جو مضطر کی دُعا قبول کرلیتاہے، جب بھی وہ دُعا مانگے اور تکلیف کو رفع کر دیتاہے اور تم کو زمین کا حاکم مقرر کرتاہے۔ آیا! اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے" (۱۰) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (پ ۱۹۔ سورۃ الشعراء ع ۵) :۔ "اور جب میں (حضرت ابراہیمؑ) بیمار ہوجاتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتاہے۔" (ترجمہ مقبول) توحید کا یہی وہ مرتبہ ہے جہاں پہنچ کر اکثر لوگ اپنے پیشواؤں کی محبت میں مبتلا ہو کر جادۂ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں اور توحید صفاتی کا دامن چھوڑ کر شرک کے عمیق گڑھوں میں جا گرتے ہیں مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْن۔ اسی لیے ہمارے ہادیانِ دین یعنی حضرات

ائمہ طاہرین نے ایسے لوگوں کے خیالات کی بڑی پرزور تردید فرمائی ہے جو ان اُمور میں مخلوق کو خالق کا شریک قرار دیتے ہیں۔" (احسن الفوائد فی شرح العقائد ص۱)۔

ائمہ طاہرین نفع ونقصان کے مالک نہیں

(۲) اس کے بعد مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے حضرت امام رضا کی دُعا نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ لکھا ہے :- یا اللہ! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم رب ہیں۔ پس ہم اُس سے بیزار ہیں جیسے جناب عیسیٰ علیٰ نبیّنا و آلہ و علیہ السلام نصاریٰ سے بیزار ہیں۔ بارالہا! جو کچھ یہ لوگ گمان کرتے ہیں، تو ہمیں اُس کی معافی دے۔ (عیون اخبار الرضا)

فرقہ مفوضہ کا غلوّ

اسی سلسلہ میں مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ :- کچھ ایسے نادان دعویداران محبّت بھی تھے جن کے اندر آثارِ غلوّ موجود تھے، اور ائمہ اطہار کو خدا کہنے کا جذبہ چٹکیاں لے رہا تھا۔ مگر کچھ ائمہ طاہرین کی منع اکید اور لعنِ شدید، اور کچھ ظاہری شریعت کی حدود کا پاس و لحاظ مانع تھا اس لئے کھلم کھلا طور پر تو ائمہ کی اُلوہیّت کا ادّعا نہ کیا مگر درپردہ ائمہ کے حق میں اکثر اوصافِ ربوبیّت کے قائل ہو گئے، اور یہودیوں کی طرح یہ عقیدہ اختراع کر لیا کہ خداوندِ عالم نے سرکارِ محمد و علی علیہما السّلام کو خلق فرما کر باقی تمام عالم کی تخلیق، مارنے اور جلانے، رزق دینے اور نہ دینے اور بارش برسانے یا نہ برسانے۔ غرضیکہ تمام عالم کے نظام کو برقرار رکھنے اور تدبیر عالم کا اہتمام کرنے کا معاملہ انہی بزرگواروں کے سپرد کر دیا ہے۔ سابقہ عقیدہ فاسدہ کو غلوّ اور اس نظریہ کاسدہ کو اصطلاح شرع میں تفویض کہا جاتا ہے۔ جس کے لُغوی معنیٰ سپرد کرنا ہیں جو درحقیقت غلوّ ہی کا ایک شعبہ ہے اور اس بدعقیدہ کے شرعی مفاسد و مضار عقیدہ غلوّ سے کچھ کم نہیں ہیں۔ اس عقیدہ کے لوگ بھی ائمہ معصومین کے زمانہ میں بکثرت موجود تھے اس لیے ائمہ طاہرین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین نے بڑے تشدّد کے ساتھ اس نظریہ فاسدہ کو رَدّ فرمایا ہے۔ چنانچہ ان احادیثِ شریفہ کا ایک شمہ[1] متن میں مذکور ہے۔"

---

[1] مولوی محمد حسین صاحب کی یہ کتاب احسن الفوائد رسالہ اعتقادیہ کے متن کی شرح ہے، باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

(احسن الفوائد فی شرح العقائد ص۲۲۴) -

ابنِ سبا یہودی

ابن سبا یہودی بھی انہی غالی روافض میں سے ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کو خُدا مانتا تھا - چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ :- بعض احمق عقیدتمندوں نے انہیں (یعنی حضرت علیؓ کو) حُدُودِ عبدیّت و نبوّت و امامت وخلافت سے بڑھاکر مرتبۂ اُلُوہیّت تک پہنچا دیا، جیسے عبد اللہ بن سبا الخ (احسن الفوائد ص۲۲۲)

اہلِ تشیّع کے نزدیک سجدہ تعظیمی بھی شرک ہے

توحید عبادتی کے سلسلہ میں قرآنی دلائل پیش کرنے کے بعد مولوی

بقیہ تحت المتن ص۱۴۷:- جس کے مصنف ابن بابویہ قمی ہیں جو شیخ صدوق کے نام سے مشہور ہیں اورانہی کی تصنیف "مَن لا یحضرہ الفقیہ" ہے، جو مذہب شیعہ کی چار صحیح کتابوں میں سے ایک ہے۔

(ب) شیعہ مذہب کی رجالِ حدیث کی چار اہم کتابوں میں سے "رجال کشی" سب سے قدیم کتاب ہے۔ اس میں ابنِ سبا یہودی کے ترجمہ (یعنی حالات) میں لکھاہے :- عن ابی جعفر علیہ السّلام ان عبد اللہ بن سبا کان یدعی النبوۃ ویزعم ان امیر المومنین علیہ السّلام ھو اللہ تعالیٰ عن ذٰلک علواً کبیراً، فبلغ ذٰلک امیر المومنین علیہ السّلام فدعاہ وسالہ فاقر بذٰلک وقال۔ نعم انت ھو وقد کان القی فی روعی انک انت اللہ وانی نبی ۔ فقال لہ امیر المومنین علیہ السلام ویلک قد سخر منک الشیطان فارجع عن ھٰذا ثکلتک اُمّک وتُب ۔ فابی فحبسہ واستتابہ ثلٰثہ ایّام فلم یتُب فاحرقہ بالنّار" ص۹۹ : "امام محمد باقر سے مروی ہے کہ عبد اللہ بن سبا نبوّت کا مدّعی تھا اور اس کا گمان تھا کہ حضرت علیؓ خُدا ہیں۔ یہ خبر حضرت علیؓ کو پہنچی تو آپ نے اُس کو بُلاکر پُوچھا، تو اُس نے اس بات کا اقرار کیا اور کہاکہ میرے دل میں اس بات کا القاء ہوا ہے کہ آپ خدا ہیں اور مَیں نبی ہوں - تو حضرت علی المرتضیٰ نے اس سے کہاکہ تجھ سے شیطان ٹھٹھا کرتا ہے۔ تُو اس سے توبہ کرلے (تیری ماں تجھ کو روئے) ابن سبانے توبہ کرنے سے انکار کردیا۔ آپ نے اس کو قید کردیا اور تین دن اس سے توبہ کا مطالبہ کرتے رہے ۔ پس جب اُس نے توبہ نہ کی تو آپ نے اس کو آگ میں جلادیا۔") یہ ملحوظ رہے کہ "رجال کشی" کے مصنف چوتھی صدی ہجری کے ہوئے ہیں جنہوں نے ابن سبا کا یہ حال لکھا ہے۔ لہٰذا اس کے وجود کا انکار کرنا غلط ہے جیساکہ اب شیعہ کہتے ہیں کہ ابن سبا یہودی کا وجود ہی ثابت نہیں

محمد حسین صاحب لکھتے ہیں :- "معلوم ہوا کہ غیر خدا کی پرستش خواہ کسی نوعیت کی ہو اور خواہ کسی نیّت و ارادہ سے ہو - اگرچہ سجدۂ تعظیمی ہی ہو وہ شرک فی العبادت ہے" (احسن الفوائد ص۱۹۰)

ائمہ کبار نے سجدۂ تعظیمی سے منع فرمایا

سجدۂ تعظیمی کی بحث میں مولوی محمد حسین صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ کئی مرتبہ بعض لوگوں نے ائمۂ طاہرین کو سجدۂ تعظیمی کرنا چاہا ، مگر معصومین نے بشدّت وسختی اُن کو اس فعل سے منع فرمایا - چنانچہ جناب شیخ عباس قمی علیہ الرحمۃ نے "مفاتیح الجنان" میں بذیل زیارت ہفتم جناب امیر المومنین بحوالہ کتاب فرحۃ الغری مولفہ سید اجل عبدالکریم بن طاؤس علیہ الرحمۃ ایک طویل روایت درج فرمائی - جس میں جناب حمزہ ثمالی کا مسجد کوفہ میں امام ہمام زین العابدین کی خدمت میں شرفیاب ہونا مذکور ہے کہ .... میں آپ کے پاؤں میں گر گیا (جس سے سجدہ کی شکل بن گئی) اور چاہا کہ آپ کے قدم مبارک کو بوسہ دوں مگر آنجناب نے مجھے ایسا کرنے دیا اور میرے سر کو اپنے دست حق پرست سے بلند کرکے فرمایا ، ایسا نہ کرو - سجدہ سوائے خداوندِ عالم کے اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے - ظاہر ہے کہ جب زندہ امام کو سجدۂ تعظیمی روا نہیں ہے تو ان کے قبورِ مقدسہ کو کیونکر جائز ہو سکتا ہے"

(احسن الفوائد ص۲۹۴)

امام رضا کے نزدیک بھی سجدۂ قبر حرام ہے

عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام قال لاتسجد علی القبور علی الصاروج (حسن) :- فرمایا امام رضا علیہ السلام نے نہ سجدہ کرو اوپر قبر کے اور ان کے اجزاء پر (چونا ، ہڑتال وغیرہ) (شافی ترجمہ فروع کافی کتاب الصلوٰۃ ص۲۸۷) فرمائیے ! حضرت امام رضا تو اصلی قبر اور اُس کے اجزاء پر سجدہ کرنے سے منع فرما رہے ہیں لیکن آپ مصنوعی قبر کے سجدہ کو بھی جائز بتا رہے ہیں (فلاح الکونین ص۵۵)

شرک فی الطّاعۃ

اصول کافی کتاب الایمان والکفر میں ہے :۔عن ابی عبداللہ علیہ السّلام قال سمعتہ یقول امرالنّاس بمعرفتنا والردّ الینا والتسلیم لنا ثم قال وان صاموا وصلوا وشھدوا ان لا الہ الا اللہ وجعلوا فی انفسھم ان لا یردّوا الینا کانوا بذٰلک مشرکین :۔ ترجمہ (راوی کہتا ہے کہ ابوعبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السّلام نے فرمایا لوگوں کو ہماری معرفت کا حکم دیا گیا ہے اور ہماری طرف رجوع کرنے ، ہماری بات کو ماننے کا بھی۔ پھر فرمایا اگر وہ لوگ روزہ رکھیں، نماز پڑھیں اور لاالہ الا اللہ کی گواہی دیں اور اپنے دلوں میں یہ ارادہ رکھیں کہ ہم سے رجوع نہ کریں گے تو اس سے مشرک بن جائیں گے ۔ (شافی ترجمۂ اصول کافی از ادیب اعظم سید ظفرحسن صاحب امروھوی جلد دوم)

اس حدیث کے تحت شیعوں کے ادیب اعظم "توضیح" میں لکھتے ہیں کہ :"یہ شرک اس معنی سے ہوگا کہ ائمہ معصومین علیہم السّلام کو خدا نے امام بنایا ہے ، لہذا ان کی اطاعت فرض ہوئی پس اگر اُن کی بجائے دوسرے کے بنائے ہوئے کو امام تسلیم کیا۔ تو گویا اس دوسرے کو خدا کا شریک بنایا" اور مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے بھی لکھا ہے کہ :۔جن لوگوں کی اطاعت خدا نے واجب نہ کی ہو ان کی اطاعت کرنا اور ان کو اپنا ہادی و رہبر قرار دینا شرک فی الطاعۃ ہے۔ چنانچہ حضرت صادق علیہ السّلام فرماتے ہیں :۔امرالناس بمعرفتنا والرد الینا الحدیث (ھدایۃ الموحدین) (احسن الفوائد فی شرح العقائد ص۱۱۱)

لیکن یہاں اشکال یہ ہے کہ جب اہل تشیع کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ نے تقیّہ کیا، اور ازروئے تقیّہ حضرت علی المرتضیٰ نے بھی خود حضرت ابوبکر صدّیق ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ ذوالنّورین کی بیعت کرکے ان کو خلیفہ تسلیم کرلیا ۔ تو آپ کے ان ائمہ معصومین کی پیروی کی کیا صورت ہوگی۔جس بات کو امام جعفر صادق شرک قرار دے رہے ہیں، اس کا صدور تو نعوذ باللہ حضرت علی المرتضیٰ اور دوسرے ائمہ سے بھی ہوگیا ، جنھوں نے تقیّہ کیا تھا تو بتلائیے کہ اس اُمّت میں موحّد کون ہے ؟ ۔

مُصنّف "فلاح الکونین" کی خدمت میں

مصنّف "فلاح الکونین" نے تو یہ لکھاہے کہ اب پاکستان میں کوئی مشرک نہیں رہا، سب دائرہ پار چلے گئے ہیں۔ لیکن ہمارا سوال یہ ہے کہ مذکورہ عبارات میں جو شرک کے اقسام بیان کئے گئے ہیں، کیا پاکستان میں کوئی فرد بھی ایسا نہیں ہے جو غیر اللہ کو مالک نفع ونقصان نہ سمجھتا ہو، جو زندہ بزرگوں یا اولیاء اللہ کی قبروں یا تعزیہ وغیرہ کو سجدہ نہ کرتا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اعتقاداً وعملاً ان اُمور کا ارتکاب تو ماتمی گروہ میں ہی سب سے زیادہ ہے۔ کیا شیعہ عوام وخواص حضرت علی المرتضیٰ کو اس معنیٰ میں مشکل کشا[1] اور حاجت روا نہیں مانتے کہ وہ ان کی تکوینی اور دنیوی مشکلات اور مصیبتیں دُور کرنے والے ہیں۔ ماتمی لوگ تو عموماً اٹھتے بیٹھتے اسی معنیٰ میں یا علی یا علی پکارتے رہتے ہیں اور سلام مسنون کی جگہ بھی یا علی مدد کہتے ہیں، اور بعض تو نعوذ باللہ علیؑ اَللہ کے الفاظ بھی منہ سے کہتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے اہلِ تشیّع عموماً فرقہ مفوضہ کے عقاید رکھتے ہیں جن پر حسب تصریح مولوی محمد حسین صاحب موصوف، ائمہ طاہرین نے لعنت کی ہے۔

اب دوسرے پہلو سے سمجھئے کہ مندرجہ بالا حدیثِ اُصُولِ کافی میں جب امام جعفر صادق نے اُن سب لوگوں کو مُشرک قرار دیدیا۔ جو حسبِ زعمِ شیعہ ائمہ اثناعشر یعنی بارہ اماموں کے سوا دوسروں کو امام مان کر ان کی پیروی کرتے ہیں تو اس معیار پر تو تمام مسلمانان اہل سنّت والجماعت مشرک بن جائیں گے جو اگرچہ ان ائمہ اہل بیت کو بھی درجہ بدرجہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور محبوب بندے اور جنتی مانتے ہیں۔ لیکن اس امّتِ محمّدیہ کا امام اوّل اور حضور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلّم کا خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدّیق کو تسلیم کرتے ہیں، اور نہ صرف پاکستان بلکہ مجموعی حیثیت

---

[1] اگر کسی اہل سنّت کے بزرگ نے حضرت علی المرتضےٰ کے لیے مشکلکشا کا لفظ استعمال کیا ہے تو دینی علمی مشکلات حل کرنے والا، کے معنی ہیں نہ کہ اس معنیٰ میں کہ نعوذ باللہ حضرت علی ہماری دنیاوی مشکلات حل کرنے والے، بیماریاں دور کرنے والے اور رزق واولاد دینے والے ہیں - ۱۲

سے عالم اسلام میں اہل سنّت ہی کی عظیم اکثریّت پائی جاتی ہے۔ تو فرمایئے! اب بھی آپ کے اس قول کی کوئی حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ پاکستان یا ممالک اسلامیہ میں کوئی مشرک نہیں ہے؟ ؎

یہ بے اُصولی کے نغمے بُرے ہیں لے ذاکر خُدا کے واسطے کرلو تم ایک راہ پسند

سُنّت و بدعت

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اب پاکستان اور ممالک اسلامیہ میں بدعت کرنے والا کوئی بھی نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سُنّت و بدعت کی حقیقت سے بھی بالکل ناآشنا ہیں۔ ورنہ ایسا مضحکہ خیز دعویٰ نہ کرتے۔ سُنّت کا لُغوِی معنیٰ طریقہ، عادت، رَوِش کے آتے ہیں، اور شرعی اصطلاح میں نبی کریم رحمۃ للعالمین، خاتم النّبیّین حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کے طریقہ اور نمونہ مبارکہ کو سنّت کہا جاتا ہے، اور شرعاً بدعت احداث فی الدّین کو کہتے ہیں یعنی دین سمجھ کر اپنی طرف سے کوئی کام ایسا کیا جائے، جس کا شریعت اور سُنّت میں ثبوت نہیں ملتا (یہاں سنّت و بدعت کی تفصیلی تحقیق کی گنجائش نہیں ہے)۔

بہرحال سُنّت و بدعت آپس میں متضاد ہیں، چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:- وَمَا احدثت بدعة الاّ تُرِكَ بها سُنّة فاتقوا البدع (نهج البلاغة) اور کوئی بدعت نہیں ایجاد کی جاتی مگر یہ کہ اس کی وجہ سے کوئی نہ کوئی سُنّت ترک کر دی جاتی ہے۔ پس تم بدعتوں سے بچو۔ مطلب یہ ہے کہ سُنّت کی جگہ خالی ہو تو وہاں بدعت آجاتی ہے اور اہل تشیّع میں تو بدعات ہی بدعات مروّج ہیں کیونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم کی مقدّس سُنّت اُن کے ہاں عموماً متروک ہے۔ اگر اُن کے ہاں سُنّتِ طیّبہ کی اہمیّت ہوتی تو اپنے آپ کو اہل سُنّت کہتے، اور اہلِ سُنّت سے ضد و عناد نہ رکھتے۔ بہرحال یہاں تفصیلات چھوڑ کر صرف اس پہلو سے عرض کی جاتی ہے کہ یہ تو تمام شیعوں کا عقیدہ ہے کہ رمضان مبارک میں اہل سنّت جو تراویح کی نماز پڑھتے ہیں، یہ بدعت ہے اور حضرت عمر فاروق نے یہ جاری کی ہے

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب رمضان المبارک آتا ہے تو اہل سُنّت کی مساجد میں تراویح کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حفاظِ قرآن نمازِ تراویح میں قرآن مجید سنتے اور سُناتے ہیں۔ اہل سُنّت کی کوئی ہی ایسی مسجد باقی رہ جاتی ہے، جہاں نمازِ تراویح کا اہتمام نہ ہو، اور چونکہ قرآن مقدّس رمضان المبارک میں نازل ہوا ہے، اس لیے اس ماہ مبارک میں قرآن مجید سننے اور سنانے کی نعمتِ عظمیٰ اللہ تعالیٰ نے اَہلِ سُنّت کو ہی نصیب فرمائی ہے، اور حفاظتِ قرآن کا ظاہری واسطہ حق تعالیٰ نے اَہلِ سنّت کو ہی بنایا ہے۔ نہ صرف بڑے بلکہ نابالغ بچّے اور بچّیاں بھی قرآن کے حافظ ہیں۔ چنانچہ ہمارے مدرسہ اظہار الاسلام کے شعبۂ تعلیم النساء میں بھی الحمدللہ اِن چند سالوں میں ۲۰۔طالبات قرآن مجید کی حافظہ بن چکی ہیں۔ جن میں اکثر نابالغہ ہیں، لیکن برعکس اس کے اَہلِ تشیّع کے ہاں کتنے حافظِ قرآن ہیں ؟ تو اس کا جواب ان کے ہاں کچھ نہیں ہے۔

یہ امر باعثِ عبرت ہے کہ تلاوت وحفظِ قرآن اور تعلیم و تعلّم علومِ دینیہ کی نعمتِ عظمٰے اہل سُنّت کو نصیب ہے، اور اہل تشیّع کے حصّہ میں ماتم ہی ماتم ہے۔ جس کا شریعت وسُنّت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ بہرحال ہر سال رمضان المبارک میں اہل سنّت کی مساجد میں پاکستان ہو یا دوسرے ممالکِ اسلامیۂ تراویح کا سلسلہ قائم رہتا ہے جو آپ کے ہاں بدعت ہے تو کیا اب بھی آپ کا یہی دعوی رہے گا کہ پاکستان اور دوسرے ممالک میں کوئی اہل بدعت نہیں۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بزعمِ شیعہ حضرت علی المرتضٰی اپنے دَورِ اقتدار میں بھی تراویح کی بدعت کو ختم نہ کرسکے اور آپ نے فرمایا کہ اگر مَیں اس قسم کی بدعات کو ختم کروں جو خلفائے سابقین حضرت ابوبکر وغیرہ نے جاری کی ہیں مثلاً تراویح (اور ممانعت متعہ وغیرہ) تو مَیں اکیلا رہ جاؤں یا بہت تھوڑے چند خاص شیعہ (فروع کافی جلد سوم، کتاب الرّوضہ ص۲۹) اور یہ بھی ایک عجیبُ غریب نظریہ (بلکہ غرابیہ) ہے کہ امام برحق، شیرِخدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنے دورِ خلافت میں بھی شرک بدعت کا خاتمہ نہ کرسکیں، اور شرک و بدعت اگر بالکلیہ ختم ہوجائے تو پاکستان میں، جہاں نہ کسی امام

معصوم کی حکومت ہے نہ خلیفۂ اسلام کی، اور ۲۷- سال کے طویل عرصہ میں تاحال شرعی آئین نافذ ہی نہیں ہوا- اکثریت نماز، روزہ وغیرہ فرائضِ اسلامیہ سے بھی غافل ہے، اور شراب جؤا، سود وغیرہ محرمات قائم ہیں- گانے بجانے، لہو و لعب، کھیل تماشے، سینما، میلے زوروں پر ہیں- دین و مذہب کے نام پر کتنی ہی بدعات رائج ہیں- لیکن اہلِ تشیّع کے محقق، مصنف صاحب "فلاح الکونین" کی تحقیق یہ ہے کہ پاکستان شرک و بدعت سے پاک ہو چکا ہے- گویا کہ یہاں ملائکہ بصورت انسان آباد ہیں، کوئی گناہگار انسان یہاں مقیم ہی نہیں، اور غالباً اسی لیے حضرت امام مہدی بھی اپنے ظہور کی ضرورت نہیں سمجھتے- ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا، خرد کا جنوں جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے!

اذان میں عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ کہنا بدعت ہے

بدعت کی تصویر کا یہ ایک دوسرا رخ قابلِ لحاظ ہے کہ عموماً ماتمی لوگ جو اپنی اذانوں میں توحید و رسالت کے اقرار کے ساتھ :- اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہِ وَوَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ وخلیفتہٗ بلا فَصْل کہتے ہیں تو دراصل یہ بھی بدعت[1] ہے- چنانچہ "تحفۃ العوام" کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ :- "شہادت ولایت و خلافت حضرت امیر علیہ السّلام جزو اقامت و اذان نہیں، بلکہ جزوِ ایمان ہے، اور اذان میں بدون قصد جزئیت- اس کلمہ کا کہنا شرعاً جائز بلکہ بعض وجوہ سے ضروری ہے" (ص۲۸ بار نہم- مطبوعہ نول کشور لکھنؤ) لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ اصلی اذان میں نہیں تھے، جو رسول اللہ صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سکھلائی تھی اور حضرت علی مرتضٰی وغیرہ ائمہ نے بھی اسی کی تعلیم دی تھی- تو پھر ان الفاظ مذکورہ کو اذان میں شامل کرنے کا مجاز کون ہو سکتا ہے؟ کیا اذان میں سُنّتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پابندی ضروری نہیں؟-

---

[1] مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے شیعہ اذان کی تردید میں ایک مستقل رسالہ "الادلّۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ" لکھا ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ :- روافض کے پیشواؤں نے کہا کہ اذان میں خلیفہ بلا فصل وغیرہ زیادت کی موجد ایک ملعون قوم ہے : (حاشیہ ص۳)-

(۲) شیخ ابن بابویہ قمی نے اپنی کتاب "مَنْ لَّا یَحْضُرہ الفقیہ" میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ :- عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام انّہ حکی لھما الاذان فقال اللہ اکبر (چار مرتبہ) اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ (دو مرتبہ) اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللہ (دو مرتبہ) حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ (دو مرتبہ) حَیَّ عَلَی الْفَلَاح (دو مرتبہ) اَللہُ اَکْبَرُ (دو مرتبہ) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ (دو مرتبہ) ۔ والاقامۃ کذلك ولا بأس ان یقال فی صلوٰۃ الغداۃ علی اثر حیّ علی خیر العمل، اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ مَرَّتَیْن للتقیہ، وقال مصنّف ھٰذا الکتاب رحمہ اللہ ھٰذا ھو الاذان الصحیح لا یزاد فیہ ولا ینقص منہ، والمفوضۃ لعنھم اللہ قد وضعوا اخبارًا وزادوا فی الاذان، محمد وآل محمد خیر البریۃ مرّتین وفی بعض روایاتھم بعد اشھد انّ محمدًا رسول اللہ، اشھد ان علیًّا ولیّ اللہ مرتین، ومنھم من روی بدل ذلك اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا امیر المومنین حقًّا مرّتین ولا شك فی ان علیًّا ولیّ اللہ وانہ امیر المومنین حقًّا وان محمدًا وآلہ خیر البریۃ ولکن ذلك لیس فی اصل الاذان وانّما ذکرت ذلك لیعرف بھٰذہ الزیادۃ المتھمّون بالتفویض المدلسون انفسھم فی جُملتنا ۔ (من لا یحضرہ الفقیہ، باب الاذان والاقامۃ ص۸۷ مطبوعہ طہران ۱۳۷۶ھ) :- " (امام جعفر صادق نے اپنے دو شاگردوں کو یہ اذان بتلائی اللہ اکبر چار مرتبہ، اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ دو مرتبہ، اشھد ان محمدًا رسول اللہ دو مرتبہ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ اور حَیَّ عَلَی الْفَلَاح دو دو مرتبہ۔ اللہ اکبر دو مرتبہ لآ الٰہ الا اللہ دو مرتبہ، اور اقامت بھی اسی طرح فرمائی، اور فرمایا کہ اگر صبح کی اذان میں حَیَّ علیٰ خیر العمل کے بعد دو مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ از روئے تقیّہ کہہ لے تو کوئی حرج نہیں، اور مصنّف کتاب ابن بابویہ قمی (یعنی شیخ صدوق) فرماتے ہیں کہ یہی صحیح اذان ہے۔ اس میں کمی و بیشی نہیں کی جا سکتی، اور مفوضہ نے (اللہ کی اُن پر لعنت ہو) کئی روایات وضع کر لی ہیں، اور اذان میں انہوں نے یہ الفاظ بڑھا دیئے ہیں۔ مُحَمَّدٌ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ۲ مرتبہ

اوران کی بعض روایات میں اشھد انّ محمّدًا رسول اللّٰہ کے بعد یہ ہے اشھد ان علیًا وَلِیُّ اللّٰہ دو مرتبہ، اور ان میں سے بعض نے اس کی جگہ یہ الفاظ روایت کئے ہیں اشھد ان علیًا وَلِیّ اللّٰہ حقًا ۲ مرتبہ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ اللّٰہ کے ولی ہیں اور آپ سچے امیرالمومنین ہیں اور حضرت محمد صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کی آل خیرالبریّہ ہیں لیکن یہ الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں، اور میں نے یہ اس لیے بیان کردیا ہے تاکہ جو لوگ عقیدہ تفویض کی وجہ سے مُتہمّ (بدنام) ہیں اور جو دھوکہ سے ہم میں شامل ہوتے ہیں اُن کی پہچان ہوجائے)۔

مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ اَشْھَدُ اَنَّ عَلِیًّا وَلِیُّ اللّٰہ وغیرہ کے الفاظ اصل اذان میں نہیں ہیں، اور اہل سُنّت فجر کی اذان میں جو اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْم پڑھتے ہیں، شیعہ بھی ازروئے تقیہ یہ پڑھ سکتے ہیں، اور ابن بابویہ قمی نے تصریح کردی ہے کہ اس قسم کے الفاظ شیعوں کے غالی فرقہ مفوضہ نے وضع کئے ہیں (اللّٰہ اُن پر لعنت کرے) اور وہ مکروفریب سے ہم میں شامل ہوجاتے ہیں" فرمائیے! اب تو عموماً تمام اہل تشیّع اذان میں اشھد انّ علیًّا وَلِیُّ اللّٰہ کہتے ہیں۔ بلکہ وصی رسول اللّٰہ وخلیفتہ بلا فصل کے الفاظ بھی اس کے ساتھ بڑھا دیئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ وہ شیعہ نہیں جو امام جعفر صادق وغیرہ ائمہ کے پیروکار تھے۔ بلکہ یہ اس فرقہ مفوضہ میں سے ہیں جن کے لیے ائمہ اہل بیت نے بددعائیں کی ہیں۔ کیا اب بھی کوئی بدعتی پاکستان میں نہیں۔ عبرت، عبرت، عبرت[1]!

---

[1] یہ بھی انتہائی تعجب خیز امر ہے کہ شیعی علّامہ مولوی محمد حسین صاحب نے انہی ابن بابویہ قمی یعنی صدوق کے رسالہ اعتقادیہ کی شرح "احسن الفوائد" لکھی ہے اور اس میں فرقہ مفوضہ کی صریح تردید بھی کی ہے۔ لیکن اذانِ شیعہ کے جن الفاظ کو شیخ صدوق بے اصل اور بدعت قرار دے رہے ہیں اور ان کو فرقہ مفوضہ کی ایجاد تسلیم کرتے ہوئے ان پر لعنت بھی فرما رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے مفوضہ کی اس۔ باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

بُت پرستی کی حقیقت

مندرجہ معروضات میں ہم نے بالاختصار الزاماً وتحقیقاً، عام شرک و بدعت مروّجہ پر تبصرہ کر دیا ہے۔ جو اہل فہم و انصاف کے لیے کافی ہے۔ اب بت پرستی کی حقیقت بھی سن لیجئے۔ سورۃ نوح میں جن پانچ بتوں کا ذکر ہے کہ قوم نوح ان کی پوجا کرتی تھی، بخاری شریف میں ہے کہ اسماءُ رجال صالحین من قوم نوح یعنی "یہ ان صالحین کے نام ہیں جو قوم نوح میں سے تھے" اور شیعہ مفسرین نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے چنانچہ (۱) آیت :۔ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (سورۃ نوح) کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ لکھا ہے :۔ "اور انہوں نے یہ کہا کہ تم اپنے خداؤں کو نہ چھوڑنا اور تم نہ وَدّ کو چھوڑنا نہ سواع، نہ یغوث و یعوق و نسر کو" اس تفسیر میں لکھتے ہیں :۔ "تفسیر صافی میں ہے کہ یہ نام ان لوگوں کے ہیں جو آدم اور نوح کے بیچ کے زمانے میں گذرے۔ جب یہ لوگ مرگئے تو برکت کے لیے اُن کی مورتیاں بنائی گئیں اور جب عرصہ زیادہ گذر گیا تو ان کی پوجا بھی ہونے لگی اور وہ مورتیاں عرب میں لائی گئیں۔ تفسیر قمی میں ہے کہ یہ لوگ نوح سے پہلے تھے اور مومن تھے۔ جب مرگئے تو لوگوں کو ان کے بارے میں رنج ہوا۔

ابلیس اُن کے پاس آیا اور ان کی مورتیاں اُن کے لیے بنا دیں تاکہ اُن سے دل بہلے اور اُنس ہو جائے۔ چنانچہ جب انس پیدا ہو گیا اور جاڑے کا موسم آیا تو ان مورتیوں کو گھروں میں رکھ لیا۔ جب وہ صدی گذر گئی اور دوسری صدی آئی تو ابلیس ان لوگوں کے پاس پہنچا اور ان سے یہ کہا کہ یہ تمہارے معبود ہیں۔ تمہارے باپ دادا بھی ان کی پوجا کرتے تھے۔ پس وہ بھی پوجنے لگے اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ آخر نوح نے ان کے لیے بد دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ تفسیر قمی میں یہ بھی لکھا ہے کہ وَدّ قبیلہ بنی کلب کا بُت تھا اور یغوث بنی مراد

بقیہ نفحت المتن صفحہ ۱۵۶ :۔ اذان کے خلاف پاکستان میں کوئی آواز نہیں اٹھائی۔ بلکہ اسی اذان کے سایہ میں وہ تقاریر بھی کر رہے ہیں۔ غالباً یہ بھی اُن کا تقیہ ہے۔ لیکن کیا تقیہ اور حق پرستی جمع ہو سکتے ہیں ؟

کا اور یعوق بنی ہمدان کا اور نسر بنی حصین کا ۔" (ترجمہ مقبول) ۔

اور شیخ طبرسی شیعہ مجتہد نے بھی لکھا ہے کہ :- وھٰذہ اسماء اصنام کانوا یعبدونھا ثم عبدتھا العرب فیما بعد عن ابن عباس وقتادۃ وقیل ان ھٰذہ اسماء قوم صالحین کانوا بین ادم و نوح (ع) فنشأ قوم بعدھم یأخذون اخذھم فی العبادۃ الخ (تفسیر مجمع البیان) :- "اور یہ اُن بتوں کے نام ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے - پھر اس کے بعد ان کی اہلِ عرب نے عبادت کی - یہ ابنِ عباس اور قتادہ سے مروی ہے ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نیک لوگوں کے نام ہیں - جو حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السّلام کے درمیانی زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں - پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے اُن کی پُوجا شروع کر دی ۔"

اور شیخ طبرسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ :- وکان ھُبل فی جوف الکعبۃ ثمانیۃ عشر ذراعاً عن عطاء وقتادۃ والثاملی :- "یعنی عطاء ، قتادہ اور ثاملی سے مروی ہے کہ ہُبل بُت عین خانہ کعبہ میں نصب تھا ، جس کا طول ۱۸ - ہاتھ تھا ۔"

اور یہ ہُبل حضرت ہابیل شہید کے نام پر بنایا ہوا تھا ، جو سب سے پہلے اپنے بھائی قابیل کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے - (۳) اور علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :- "فتح مکّہ کا اصلی مقصد اشاعتِ توحید اور اعلائے کلمۃ اللّٰد تھا - کعبہ میں سینکڑوں بُت تھے جن میں ہُبل بھی تھا جو بُت پرستوں کا خدائے اعظم تھا یہ انسان کی صورت کا تھا ، اور یاقوتِ احمر سے بنا تھا - سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لاکر رکھا تھا خزیمۃ بن مدرکہ تھا - جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پر پوتا تھا ..... جنگِ اُحد میں ابوسفیان نے اسی ہُبل کی جے پکاری تھی - وہ عین کعبہ کے اندر تھا چنانچہ جب آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بُتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا - مکّہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لیے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں - اُن میں سب سے بڑے لات ، منات اور عُزّٰی تھے - عُزّٰی قریش کا اور لات اہلِ طائف کا معبود تھا ..... منات کا تخت گاہ مشلّل تھا - جو قدید کے پاس مدینہ منوّرہ سے سات میل ادھر ہے - وہ ایک بِن گھڑا پتھر تھا ، ازد ، غسان ، اوس ، اور خزرج

اِس کا حج کرتے تھے" (سیرت النبی حصّہ اوّل ص۵۲۸)۔

(ب) اسی سلسلہ میں مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں :"۔ حرم میں نذر اور ہدایا کا خزانہ ایک مدّت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا، وہ محفوظ رکھا گیا۔ لیکن مجسمہ جات اور تصویریں برباد کردی گئیں۔ اُن میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے مجسّے بھی تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تصویر بھی۔ جس سے لوگوں نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہوگیا تھا۔ رنگین تصویریں جو دیواروں پر تھیں مٹانے پر بھی اُن کے دُھندلے نشان رہ گئے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر باقی رہے" (فتح الباری، ذکر فتح مکّہ) (سیرت النبی حصّہ اوّل ص۵۲۷)۔

(م) اور علامہ طبرسی بھی لکھتے ہیں کہ :۔ وعن ابن مسعود قال، دخل النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم یوم الفتح وحول البیت ثلثمائۃ وستّون صنمًا، فجعل یطعنها بعودٍ فی یدہ ویقول جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید، جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقًا۔ و عن ابن عباس قال، لما قدم النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم الی مکّۃ ابیٰ ان یدخل البیت وفیہ الألھۃ فأمر بھا، فاخرجت صورۃ ابراھیم واسمٰعیل (ع)، وفی ایدیھما الازلام فقال صلّی اللہ علیہ وسلّم قاتلھم اللہ اما واللہ لقد علموا انھما لم یستقسما بھا قطّ۔ (تفسیر مجمع البیان۔ سورۃ اذا جاء نصر اللہ والفتح) :"۔ اور ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ فتح مکّہ کے دن نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے، تو بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بُت تھے۔ پس آپ اپنی چھڑی مبارک سے اُن کو ٹھوکر مارتے جاتے تھے اور یہ پڑھتے تھے:۔ جاء الحق ...... یعنی حق آگیا ہے اب باطل واپس نہیں لوٹ سکتا، اور حق آنے پر باطل بھاگ گیا ہے اور باطل بھاگنے والا ہی ہے، اور ابنِ عباس سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مکّہ تشریف لائے تو چونکہ وہاں اُن کے معبود (بُت) تھے۔ اس لیے بیت اللہ شریف میں داخل ہونے سے انکار فرما دیا اور پھر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کی دو تصویریں خانۂ کعبہ سے نکال دی گئیں، جن میں اُن دونوں پیغمبروں کے ہاتھوں میں فال کے

تیر دکھلائے گئے تھے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان بُت پرستوں کو ہلاک کرے۔ بخدا ان لوگوں کو معلوم تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام نے کبھی بھی تیروں سے قسمت معلوم نہیں کی تھی "۔

مقامِ عبرت

جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خانۂ کعبہ سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ! کی تصاویر نکلوادیں۔ تو کیا اب وہ تصاویر جائز ہونگی؟ جو عموماً اہلِ تشیّع کے ہاں دیکھی جاتی ہیں یعنی خود رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم، حضرت علی المرتضیٰ، حضرات حسنینؓ اور خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہرار کی، جن کو ماتمی لوگ پنجتن پاک کی تصویریں کہتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بھی شعور نہیں ہے کہ یہ تصاویر محض بناوٹی اور فرضی ہیں، جو ان کی طرف منسوب ہیں حالانکہ اصلی تصاویر بھی شریعتِ مقدّسہ میں جائز نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ فرضی تصاویر رکھی جائیں اور ان کا احترام و اکرام کیا جائے۔ کیا قریشِ مکّہ کی تصویر پرستی اور ماتمیوں کی اس تصویر پرستی میں کوئی فرق ہے؟ سوائے ناموں کے اختلاف کے۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ فتح مکّہ کے موقعہ پر رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بُتوں کے توڑنے اور تصاویر کو نکالنے کے لیے خصوصی خدمت جن کے سپرد کی تھی، وہ حضرت علی المرتضیٰ ہی تھے جن کی محبّت کے نام پر ہی یہ سلسلہ آج جاری ہے۔

تعزیہ پرستی

اَہلِ سُنّت اور اَہلِ تشیّع دونوں کی کتابوں سے ثابت ہے کہ قریشِ مکّہ جن بُتوں کی پُوجا کرتے تھے۔ وہ بُت اولیار کی طرف ہی منسوب ہوتے تھے، اور جیساکہ ترجمہ مقبول کے حاشیہ میں تفسیر قمی سے نقل کیاگیاہے کہ بزرگانِ دین کی وفات کے بعد ان کی جدائی کے رنج[1] کی وجہ سے ہی دل بہلانے کے لیے زمانۂ قدیم کے لوگوں نے پہلے ان کی تصاویر

---

[1] جس طرح اولیاء کی موت کے رنج والم نے ان قوموں کو بُت پرستی میں مبتلا کیا تھا۔ اسی طرح ماتمیوں کی بنیاد شہادتِ حسینؓ کا رنج والم ہی ہے۔ جو تعزیہ اور ذوالجناح پرستی کی شکل اختیار کرچکا ہے۔

ہی بنائیں، اور پھر شیطان کے بہکانے سے آخر کار ان کے مجسّمے بنا کر پوجنے لگے اور یہی بت پرستی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد (قریش مکّہ) کے ہاں رواج پذیر ہوگئی۔ حتیٰ کہ فتح مکّہ کے بعد رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُن تین سو ساٹھ بتوں کو توڑ پھوڑ کر خانہ کعبہ کو شرک پرستی سے پاک کردیا۔ معلوم ہوا کہ اگر کسی نبی اللہ یا ولی اللہ کے نام پر کسی تصویر یا مجسّمہ کی عبادت و پوجا کی جائے تو وہ شرک وکفر ہی ہوتا ہے۔ انبیاء و اولیاء کی نسبت کی وجہ سے اُن کی تعظیم جائز نہیں ہوسکتی۔ اسی بنا پر تعزیہ اور دُلدُل (ذوالجناح) کے احترام واکرام کا مسئلہ سمجھا جاسکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب فرضی چیزیں ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف نسبت کرنے کے باوجود اُن کی تعظیم حرام ہے۔ محبّت حسین کے دعویٰ کی وجہ سے شرعًا ان کو جواز کی سند نہیں دی جاسکتی۔ قریش مکّہ نے کیا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی تصاویر اور حضرت ہابیل شہید اور اولیاء اللہ کے نام کے دوسرے مجسّمے محبّت کی بنا پر ہی نہیں بنائے ہوئے تھے؟ یقیناً اُن کا منشا بھی محبّت ہی تھا لیکن یہ طریق محبّت ناجائز تھا۔ جو شرعی اُصول پر شرک قرار دیا گیا۔

فرمائیے! حضرت امام حسینؓ کی قبر مبارک کی جو شبیہ تعزیہ کے نام سے بنائی جاتی ہے، کیا یہ اصلی قبر ہے یا مصنوعی؟ اور یہ تصویر بھی نہیں بلکہ مجسّمہ ہے۔

ذوالجناح بھی فرضی ہے:-

اور یہ جو ذوالجناح کا احترام کیا جاتا ہے، کیا یہ حضرت حسینؓ کا اصلی گھوڑا ہے یا نقلی؟ ماتمیوں کے ہاں پہلے اس گھوڑے کو دُلدُل کہا جاتا تھا، اور اب اس کا نام ذوالجناح مشہور ہوگیا ہے، اور یہ دونوں نام بھی فرضی ہیں۔ کیونکہ دُلدُل کسی گھوڑے کا نام نہیں ہے بلکہ اُس خچّر کا نام ہے جو حاکم اسکندریہ نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بطور ہدیہ بھیجا تھا۔ چنانچہ "مَجْمَعُ الْبِحَار" میں ہے:- دُلدُل اِسْمُ بَغْلَتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ:۔ یعنی دُلدُل حضورؐ کے خچّر کا نام ہے۔ اور "مُنْتَخَبُ اللُّغَات" میں ہے:- دُلدُل بضمّ ہر دو دال خارپشت بزرگ و نوعیست از جانور ان و نام استر سفید بسیاہی مائل کہ حاکم اسکندریہ بحضرت پیغمبر صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم فرستاد و امیر المومنین علی بن ابی طالب بر اں سوار می شد (اور دُلدُل دونوں دال کے پیش کے ساتھ، بڑے خچّر کو کہتے ہیں اور

یہ جانوروں کی ایک قسم ہے اور سفید رنگ، سیاہی مائل اس خچر کا نام ہے جو حاکمِ اسکندریہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمت میں بھیجا تھا، اور امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ اس پر سوار ہوا کرتے تھے) اور ذُوالجناح کے متعلق خود شیعی علّامہ مولوی محمد حُسین صاحب لکھتے ہیں کہ:- اُس گھوڑے کا نام کیا تھا عام طور پر مشہور ذو الجناح ہے- مگر قریبًا تمام قابلِ وثوق کتب سیر و مقاتل کی ورق گردانی کے بعد بھی، اس کا ثبوت نہیں ملتا- البتہ اس کے رَدّ میں بعض اہلِ تحقیق کے ارشادات ملے ہیں الخ (سعادت الدارین فی مقتل الحسین ص ۴۳۳)-

تو تعزیہ اور اُس کے متعلقات سب فرضی ہیں جو امامِ کربلا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبّت کی بنیاد پر رائج ہیں اور سابقہ اُمم کے مشرکین و بُت پرستوں پر بھی قرآن مجید نے اس طور پر اتمامِ حجت کیا ہے کہ:- اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ (سورۃ النّجم ع ۱) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی نے یہ کیا ہے:- "یہ تو نام ہی نام ہیں جو اُن کے تم نے رکھ لیے ہیں- خدا تعالیٰ نے تو اس کے بارے میں کوئی سند اتاری نہیں ہے" (ترجمہ مقبول)

(۲) قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم کے جواب میں قوم نے کہا:- قالوا نعبد اصنامًا فنظلّ لها عٰکفین ۰ قال ھل یسمعونکم اذ تدعون ۰ اوْ ینفعونکم اوْ یضرّون قالوا بل وجدنا اٰباء نا کذٰلك یفعلون ۰ (پ ۱۹- سورۃ الشّعرا ع ۵) مولوی فرمان علی صاحب شیعی مفسّر اس آیت کا ترجمہ لکھتے ہیں کہ:- "تم لوگ کس کی عبادت کرتے ہو- وہ بولے ہم بُتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کے مجاور بن جاتے ہیں- ابراہیم نے کہا بھلا جب تم لوگ انہیں پکارتے ہو تو وہ تمھاری کچھ سنتے ہیں یا کچھ تمھیں نفع یا نقصان، پہنچا سکتے ہیں کہنے لگے! (کہ یہ تو کچھ نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے پایا ہے" اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:- ہمارے زمانہ اور ملک کے ہندو بھی ان ہی وجوہ سے مشرک اور کافر ہیں- اگرچہ ان کا زبانی دعوٰی یہ ہے کہ ہم ان بتوں کی پرستش نہیں کرتے- بلکہ جن کی یہ مورتیاں ہیں حالانکہ یہ محض غلط ہے کیونکہ وہ اُن کو جاندار سمجھتے ہیں، اُن کو سُلاتے ہیں، جگاتے ہیں، اُن کے سامنے کھانا رکھتے ہیں، انہیں طرح طرح کے کپڑے پہناتے ہیں، ان کے سامنے ہاتھ جوڑتے اور سجدہ کرتے ہیں"

شیعہ مفسر مولوی فرمان علی صاحب نے ہندوؤں کے شرک کا جو نقشہ پیش کیا ہے، اور اس کی جو بنیاد بتائی ہے مصنف "فلاح الکونین" اپنے ہاں کے تعزیہ اور ذوالجناح کے نقشہ سے اس کو ملا کر دیکھیں اور قریشِ مکہ کی بت پرستی کی تصویر بھی سامنے رکھیں وہاں بھی تو اولیاء اللہ اور شہدائے کرام کے ناموں پر بت تھے لیکن تھے تو سب فرضی- جن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ تو صرف نام ہیں جو تم نے مقرر کر لیے ہیں- اللہ تعالیٰ کی طرف سے تو اس پر کوئی دلیل نہیں اتاری گئی- اس سے معلوم ہوا کہ فرضی چیزوں اور فرضی ناموں کی تعظیم و تکریم ہی بُت پرستی کی روح ہے- پھر خواہ ان کی براہ راست عبادت کی جائے یا ان کی تعظیم کو اللہ کی رضا و قرب کا ذریعہ سمجھا جائے، دونوں شرک کے مظاہر ہی ہوں گے- چنانچہ شیعی علامہ محمد حسین صاحب اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :- بت پرستوں کو اسی بنا پر مشرک قرار دیا گیا ہے کہ وہ خود ساختہ اصنام کی عبادت کرتے تھے، اور اُن کے سامنے سجدہ ریز ہوتے تھے، وہ ہرگز ان کو حقیقی خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ تو ان بتوں کی عبادت کو باعث تقرب خدا قرار دیتے تھے- چنانچہ خلاقِ عالم نے ان کے اس نظریہ فاسدہ کی اس طرح ترجمانی فرمائی ہے :- وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى، اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (پ ۲۳- سورۃ الزمر ع ۱۵) :- (اور جن لوگوں نے اس کے سوا اوروں کو اپنا کارساز بنا لیا ہے (وہ یہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی پرستش صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کے نزدیک کر دیں- ضرور خدا تعالیٰ ان تمام باتوں کا جن میں وہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے، فیصلہ فرما دے گا-) (احسن الفوائد ص۱۰۹) کاش! شیعہ علماء و مجتہدین اپنے ماتمیوں کو تعزیہ اور ذوالجناح کی تعظیم و پوجا سے سختی کے ساتھ روکتے اور ان کو شرک کی اس دلدل سے نکالنے کی کوشش کرتے- (اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ)

تعزیہ پرستی پر محدث دہلویؒ کا تبصرہ

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی روافض کے اوہام کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :- "کسی چیز کی صورت کو وہی چیز سمجھنا اور اس کا حکم دینا، اس وہم نے بت پرستوں کی راہ بہت ماری ہے اور گمراہی میں ڈالا ہے، اور بچے کم عمر بھی اس وہم میں بہت گرفتار ہوتے ہیں-

گھوڑوں اور ہتھیار اور چیزوں کو جو لکڑی، مٹی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں، کیسے اُن سے خوش ہوتے ہیں، گویا سچ مچ کی پا گئے، اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گڑیوں کی شادی و نکاح کرتی ہیں اور کیسے خوش ہوتی ہیں اور شیعوں میں یہ وہم بہت غلبہ کیے ہوئے ہے۔ حضرات امامین (یعنی امام حسنؓ و امام حسینؓ) اور حضرت امیرؓ اور حضرت زہراؓ کی قبروں کی صورت بناتے ہیں، اور گمان کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ قبریں مجمع النور ان بزرگوں کی ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ بلکہ سجدوں کی نوبت پہنچتی ہے اور فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام و درود پہنچاتے ہیں اور اچھے اچھے چنوَر اور مورچھل منقش لے کر آس پاس اُن کے کھڑے ہوتے ہیں مجاوروں کی طرح اور حق شرک کا ادا کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے نزدیک بچوں کی حرکت اور اُن پیرنا بالغوں کی حرکت میں کچھ فرق نہیں ہے۔" (تحفہ اثناء عشریہ باب یازدھم ۲۲۷)

۴۶- تولہ وزنی تعزیہ

شریعتِ مقدسہ میں اس بات کا کوئی وجود نہیں ہے کہ اصلی قبر کی صورت و شبیہ بنا کر اُس کی تعظیم کی جائے، یا اُس کے ساتھ اصلی قبر کا معاملہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شہدائے بدر و اُحد کی قبور کی شبیہیں بنا کر اُن کی تعظیم نہیں کی گئی، اور نہ ہی اُن کے ماتمی جلوس نکالے گئے۔ اگر اس کا کوئی جواز ہوتا، تو شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد اپنے ششماہی دَورِ اقتدار میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزار حیدرِ کرّار کی شبیہ کے ضرور جلوس نکالتے، اور حضرت امام حسین اور شہدائے کربلا کی قبور کی شبیہیں بنا کر امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق اور دوسرے ائمہ اہل بیت نے بھی کبھی کوئی تعزیہ نہیں نکالا۔ بلکہ ابن بابویہ قمی نے "مَنْ لَّا یَحْضُرُہُ الفقیہ" میں یہ حدیث درج کی ہے :- قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلام مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا اَوْمَثَّلَ مِثَالًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ :- "امیر المومنین حضرت علی نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی قبر کو نیا بنایا یا اس نے کوئی مثال بنائی۔ تو وہ یقیناً اسلام سے خارج ہوگیا" جب حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد موجود ہے تو ائمہ اہل بیت کے ہاں تعزیہ کیسے بنایا جاتا۔ بلکہ ۸۰۰ ھ تک ہندوستان میں بھی اس تعزیہ کا نام و نشان نہ تھا، اور سب سے پہلا تعزیہ جو ہمایوں بادشاہ کے دور میں ۹۶۲ ھ میں بیرم خان کو بھیج کر

ہندوستان میں منگوایا گیا، اس کا وزن ۴۶ تولے تھا۔ (بحوالۂ النجم لکھنؤ) اور پھر ماتمی جذبات کے تحت اس کے وزن میں اضافہ ہوتا گیا، حتیٰ کہ تعزیہ اپنی شکل وصورت اور وزن ومقدار میں اس حد تک پہنچ گیا جس کا مظاہرہ آجکل پاکستان میں ماتمی جلوسوں کے اندر کیا جاتا ہے۔ اگر شیعہ علماٗ ومجتہدین اپنی احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں ہی اس پر فکر کرتے رہتے تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی کہ انسان جو خالقِ کائنات کی بندگی کے لیے پیدا ہوا ہے۔ محض بے جان مورتیوں یا لایعقل جانوروں کی تعظیم وتکریم کرے اور بجائے خادم کے ان کو مخدوم بنا کر اپنے شرفِ انسانیت کو داغدار کرے۔ ؎

کس کو باغ میں جانے نہ دیجو! | کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا!

ایک اور کم فہمی

رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ سوال بھی تھا کہ :۔ امام عالی مقام کو دعوت دینے والے بھی کوفی ہیں اور یزید کی حمایت میں شہید کرنے والے بھی کوفی ہیں۔ جو ماتم امام حسین نے ساری عمر نہیں کیا، اس کا ارتکاب حیثیت کی حمایت ہے یا مخالفت؟ اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" نمبر کے تحت لکھتے ہیں :۔ "واہ! کیا عقل کی بات ہے، کبھی کسی نے اپنی زندگی میں بھی ماتم کیا ہے جو حضرت امام حسین ایسا کرتے"! (فلاح الکونین ص ۱۳۲)

الجواب

عقل کی بات تو کوئی عقل والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ میرے سوال کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر شہداء اور صالحین کا ماتم سُنّت وعبادت ہے، جیسا کہ آپ نے حضرت حمزہؓ وغیرہ کے واقعات سے استدلال کیا ہے (گو آپ کا یہ استدلال باطل ہے) تو پھر اس سُنّت وعبادت ماتم پر حضرت حسینؓ نے اپنی زندگی میں کیوں نہیں عمل کیا۔ حالانکہ شہدائے بدر واُحد کے بعد شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ بھی ان سے پہلے شہید ہو چکے تھے۔ لیکن حضرت حسین نے نہ شہدائے سابقین کا اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ کا سال بسال ماتم منایا ہے۔ آپ تو اُردو عبارت کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ یہ عجیب بات ہے کہ نماز، روزہ، تلاوت قرآن، نوافل وغیرہ اعمالِ صالحہ کی پیروی تو حضرت حسینؓ ساری زندگی میں کریں۔ لیکن یہ سُنّتِ ماتم آپ نے کبھی بھی ادا نہیں کی۔ جس پر آپ

اُمّتِ محمّدیہ سے عمل کرانا چاہتے ہیں۔لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کا یہ محبوب و مطلوب ! ماتم رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سُنَنِ مُبارکہ میں کہیں موجود نہیں ۔ یہ محض ماتمیوں کی اختراع ہے ۔ !!!

یزید کی بیوی نے امام حُسین کا ماتم کیا

(۲) میں نے "اخبارِ ماتم" کا حوالہ پیش کیا تھا کہ :۔"سب سے پہلے شہادتِ حسین کا ماتم یزید کے گھر میں یزید کی بیوی ہندہ نے بپا کیا تھا" توجواب الجواب میں آپ نے لکھا ہے کہ :۔"اخبار ماتم" شیعوں کی کوئی مستند کتاب نہیں ، لہذا اس کی روایت ہمارے لیے باعث حجت نہیں ہوسکتی اس کے برعکس سرکار ناصر الملّت علامہ سیّد ناصر حُسین اعلی اللہ مقامہ "ہدایاتِ ناصری" میں فرماتے ہیں کہ "بحار الانوار" (مُلاّ مجلسی علیہ الرّحمۃ) میں منقول ہے ! ہند زوجہ یزید عبداللہ بن عامر بن کریز کی بیٹی تھی اور یزید سے پہلے وہ حضرت امام حسین علیہ السّلام کی زوجیّت میں تھی۔ اُس کا دربارِ یزید میں آنا تو روایات میں موجود ہے لیکن زندانِ شام میں آنا کسی معتبر روایت میں مذکور نہیں (ب) آسیہ زنِ فرعون مومنہ تھی ،حضرت موسیٰ علیہ السّلام ، آسیہ اور فرعون کی گود میں پل کر جوان ہوئے ۔فرعون ہی کے گھر میں عبادتِ خدا کرتے رہے ۔اب نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ موسویّت کیا ہے اور فرعونیّت کیا ہے۔(فلاح الکونین ۵۳)

الجواب

(۱) یہ روایت صرف "اخبارِ ماتم" میں ہی نہیں آپ کی دوسری معتبر کُتب میں بھی ہے ۔ چنانچہ علاّمہ باقر مجلسی نے یہ روایت درج کی ہے کہ :۔"جب مُخدّرَاتِ اہلِ بیت عصمت وطہارت اس کے محل میں داخل ہوئے ۔عورات ابوسفیان نے اپنے زیور اُتار دیئے اور لباسِ ماتم پہن کے آوازِ نوحہ وزاری بلند کی ، اور تین روز ماتم رہا ۔ ہند دختر عبداللہ بن عامر کہ اس زمانے میں یزید کی زوجہ تھی اور پیشتر امام حسین کی خدمت میں تھی ، اس نے پردہ کا خیال نہ کیا اور گھر سے نکل کے مجلسِ یزید ملعون میں ،جس وقت کہ مجمع عام تھا آکے کہا ! اے یزید ! تونے سر مبارک امام حُسین پسر فاطمہ زہراء کا میرے دروازہ پر لٹکایا ہے۔

یزید نے دوڑ کے کپڑا اُس کے سر پہ ڈال دیا اور کہا، گھر میں چلی جا اور گھر میں جاکر فرزند رسولِ خدا بزرگ قریش پر نوحہ وزاری کر۔ ابن زیاد نے اُن کے بارہ میں جلدی کی۔ مَیں اُن کے قتل پر راضی نہ تھا مؤلف فرماتے ہیں! یہ بات اُس ملعون نے اپنی زوجہ ہند کو سمجھانے کے لیے کہی تھی ورنہ قاتل امام حسین کا وہی ملعون تھا" (جلاء العیون اُردو جلد دُوم، مطبوعہ انصاف پریس لاہور ۲۲۶)۔

مولوی محمد حسین صاحب شیعی علامہ نے بھی تقریباً ۹ کتابوں کے حوالہ سے اس روایت کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ مصنّف کتاب "مجاہدِ اعظم" کے جواب میں لکھتے ہیں کہ :- یہ واقعہ قریباً قریباً مقتل کی تمام کُتبِ مُعتبرہ وغیر مُعتبرہ میں موجود ہے۔ لہٰذا "مجاہد اعظم" کے فاضل مصنّف کے صرف اس عقل [illegible] کی بنا پر اسے غلط نہیں قرار دیا جاسکتا۔۔۔ کسی کے قیاس میں آئے یا نہ آئے جب ایک واقعہ [illegible] مُعتبرہ میں موجود ہے اُسے اپنی قیاس آرائیوں کی بنا پر مُسترد نہیں کیا جاسکتا۔۔! (سعادت الدارین فی مقتل الحسینؑ صلاہ) ؛

فرمائیے! آپ کی کُتبِ مُعتبرہ کی بنا پر یزید کی بیوی ہند کا ماتمِ حُسین بپا کرنا ثابت ہوا یا نہ؟ (۳) بشرطِ تسلیم آپ نے ہند زوجہ یزید کے ماتم کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ دراصل مومنہ تھی چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ :- "آسیہ زنِ فرعون مومنہ تھی، حضرت موسیٰ علیہ السّلام! آسیہ اور فرعون کی گود میں پل کر جوان ہوئے الخ" اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک آسیہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام پر ایمان لے آئی تھیں لیکن سابقہ شرائع میں مومن عورت اور کافر مرد کا نکاح جائز تھا۔ لیکن شریعتِ محمّدیہ علی صاحبہا الصّلوٰۃ والتّحیۃ میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اب کسی مومن عورت کا کافر کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا ہمارا سوال یہ ہے کہ (۱) ہند نے حضرت حسینؓ کی زوجیّت سے نکل کر یزید کی بیوی بننا کیوں قبول کیا؟ کیا اُس وقت یزید مومن تھا، اگر مومن نہیں تھا تو یہ نکاح ہی صحیح نہیں، پھر ہند کی کیا حیثیت آپ مانیں گے؟ اور اگر پہلے مومن تھا اور حضرت حسینؓ کے قتل کے بعد وہ کافر ہوا تو پھر بھی ہند مومنہ [illegible] کی بیوی نہیں رہ سکتی، اور دونوں کے تعلّقاتِ زوجیّت حرام ہوں گے۔ تو کیا ایسی مومنہ پر آپ کو فخر ہے؟ ہاں ایک صورت آپ کے لیے نکل سکتی ہے یعنی آسیہ گو مومنہ تھی لیکن از رُوئے تقیہ اپنا ایمان

مخفی رکھا اور یزید کی بیوی بن کر تقیّہ کا ثواب لُوٹتی رہی، اور ماتم کرنے کا ثواب جدا حاصل کیا۔ بہر حال یہ بات تو یقینًا ثابت ہوگئی کہ یزید کی بیوی نے یزید کے حکم سے ماتم بپا کیا تھا اور مولوی محمد حسین صاحب موصوف ہند کو مومنہ نہیں تسلیم کرتے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :۔" اگر ہند فی الواقع اس قدر مومنہ ہوتی تو خاندانِ نبوت کے ساتھ تعلقات قطع کرکے یزید لعین جیسے زانی و خمّار اور عدوِّ اہلِ بیت اطہار کے ساتھ عقد نہ کرتی " (سعادت الدارین ۵۱۰) ؛

یزید بھی ماتمی ہے

نہ صرف ہند نے بلکہ خود یزید نے بھی ماتم کیا تھا، چنانچہ جناب سکینہ کے مذکورہ خواب کے سلسلہ میں (کہ جس پر پہلے مفصّل بحث ہو چکی ہے) یہ لکھا ہے کہ :۔" جب یزید نے یہ خواب سُنا اپنے مُنہ پر طمانچے مار کر رونے لگا اور کہا مجھے قتل حسین سے کیا مطلب تھا۔ بروایتِ دیگر اس خواب کو سچ نہ جانا اور اُٹھ کر چلا گیا " (جلاء العیون جلد دوم ۲۴۸) آپ کی معتبر کتابوں سے ہی ثابت ہوگیا کہ یزید کی بیوی اور خود یزید نے بھی امام حسین کا ماتم کیا تھا۔ لہٰذا جس ماتم کے اثبات میں آپ زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں، یہ یزید اور اس کی بیوی کی سُنّت ہے۔ مبارک ہو ! ع ۔

قاتل بھی ہیں مقتول کا ماتم کیا کرتے

مسئلہ زیارتِ قبور

(بحث دلیل نمبر ۱۵) :۔ ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ :۔ فریقین کی معتبر روایتوں میں اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ، جابر بن عبداللہ اور انس وغیرہ سے منقول ہے کہ جناب رسالتمآب نے فرمایا جو شخص کربلا میں امام حسین کی زیارت کرے درانحالیکہ اُن کے حق کو پہچانتا ہو تو اس پر بہشت واجب ہوجاتی ہے " اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ (۱) فریقین یعنی سُنّی و شیعہ کی کتابوں کا حوالہ نہیں لکھا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ روایت کیسی ہے ؟ (۲) امام حسینؓ کے مزار کی زیارت کرنے سے ماتم کا عبادت ہونا کیسے ثابت ہوگیا ؟ (۳) جو شخص امام حسین کے صبر اور نماز کی پیروی نہیں کرتا اور سُنّت کا تارک ہے اور بدعات کا مرتکب، وہ امام حسین کا حق پہچاننے والوں میں شامل ہی نہیں ہوسکتا۔

(ھم ماتم کیوں نھیں کرتے) ۔ اس کے جواب الجواب میں آپ نے لکھا ہے کہ :۔ "آپ نے اس روایت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے کتب فریقین سے حوالہ طلب کیا ہے ۔ اگر سُنّی سے آپ کی مراد دیوبندی ہیں تو پھر ایسا کرنا جوئے شیر لانا ہے ۔ کیونکہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید جو آپ کے بزرگ علماء میں سے ہیں ، اپنی کتاب "تقویتہ الایمان" میں لکھتے ہیں :۔ جو کوئی کسی پیر و پیغمبر یا بھوت ، پری کو یا کسی سچّی قبر کو یا جھوٹی قبر کو یا کسی کے تھان کو ، یا کسی کے چلّہ کو یا کسی کے مکان کو ، یا کسی تبرّک یا نشان کو یا تابوت کو سجدہ کرے ، یا رکوع کرے یا اُس کے نام کا روزہ رکھے یا ہاتھ باندھ کر کھڑا ہووے یا جانور چڑھائے ، یا ایسے مکان میں دُور دُور قصد کرکے جاوے یا وہاں روشنی کرے ، غلاف ڈالے یا چادر چڑھاوے ، یا رخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلے ، ان کی قبروں کو بوسہ دے ، اس پر شامیانہ کھڑا کرے ، چوکھٹ کو بوسہ دیوے ، ہاتھ باندھ کر التجا کرے ، مراد مانگے ، مجاور بن کر بیٹھ رہے ، وہاں کے گردو پیش کے جنگل کا ادب کرے اور اسی قسم کی باتیں کرے تو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے" (تقویۃ الایمان) :

شاہ صاحب کے اس فتویٰ میں قبر رسول کو بھی مُستثنٰی نہیں کیا گیا ۔ جہاں قبر نبی اکرم کی زیارت کرنا ، دعا مانگنا ، بوسہ دینا شرک ہو وہاں حضرت امام حُسینؑ کے زیارات کے اس قدر ثواب کہ قبر حُسینؑ کی زیارت کرنے سے جنّت ملتی ہے" کے متعلق تلاش کرنا بے سود ہے ۔ مدینہ منوّرہ : جنّت البقیع میں اہلِ بیت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مزاروں پر سے قُبّے گرائے گئے ، قبریں مسمار کردی گئیں حضرت عثمان کا قُبّہ گرا کر قبر صاف کردی گئی ۔ کیا اب بھی آپ کو شک ہے کہ آپ کے یہاں سے قبور کی زیارت کے ثواب کے متعلق آپ کے پیش کرنے کے لیے کچھ مل جائے گا ، اور اگر سُنّی سے مراد بریلوی ہیں تو ان کا عمل شاہد ہے کہ وہ انبیاء و اصفیاء اور اولیاء کی قبروں کی زیارت کو جزوِ ایمان سمجھتے ہیں ...... آپ کے خیال میں تو کسی سچّی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز نہیں ، ناجائز ہی نہیں بلکہ شرک ہے ۔ لیکن بریلوی حضرات تو نقلی قبروں کو بھی بوسہ دینا درست جانتے ہیں ۔ امام شعبی کی کتاب کفایہ میں ہے :۔ ان رجلا من الاصحاب جاء الی النبی صلعم فقال یا رسول اللّٰہ انی حلفت ان اقبل عتبۃ باب الجنّۃ و الحور العین فامر النبی صلی

عليه وسلّم ان يقبّل رجل الام وجبهة الاب وروى انّه قال يارسول الله ان لم يكن ابوان فقال فقبل قبرهما فقال ان لم يعلم قبرهما قال خط خطين فاحدهما قبرالام والاٰخر قبر الاب فقبلها ولا تحنث فی یمینك :- "ایک صحابی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس آئے اور عرض کی، مَیں نے قسم کھائی ہے کہ جنّت کے دروازے کی چوکھٹ اور حورعین کو بوسہ دُوں گا۔ رسول اللہ نے حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی کو چومو- مروی ہے کہ صحابی نے عرض کیا، یارسول اللہ! صلعم اگر ماں باپ نہ ہوں، تو ارشاد فرمایا ان کی قبروں کو بوسہ دو۔ صحابی نے عرض کی! اگر قبریں بھی نہ ہوں تو فرمایا، دو نشان بناؤ ایک کو ماں کی قبر اور دوسرے کو باپ کی قبر فرض کرو، دونوں کو چومو اور قسم میں جھوٹے نہ بنو۔

یہ روایت کنز العباد فی شرح الاوراد، خزانۃ الرّوایات، مطالب المومنین اور فتاوٰی عالمگیری میں مذکور ہے۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس مسلک میں نقلی قبروں کو بوسہ دینا جائز، اور باعثِ ثواب ہے۔ اُن کے نزدیک نواسۂ رسول حضرت امام حسین کی زیارت کرنا، بوسہ دینا بدرجہ اَولیٰ ثواب کا باعث ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں اہل سنّت کربلائے معلّٰی اور نجف اشرف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔" (فلاح الکونین ص ۵۴-۵۵)

مولانا شاہ محمّد اسمٰعیل شہیدؒ پر اعتراض کا جواب

(۱) آپ نے جو حوالجات پیش کئے ہیں ان کا تعلق زیارتِ قبور سے ہے، نہ کہ ماتم سے۔ جب ماتمِ مروّجہ کی بحث میں عاجز اور لاجواب ہوگئے تو زیارتِ قبور کا مسئلہ چھیڑدیا، اور اس ضمن میں دیوبندی اور بریلوی اختلاف کی بحث چھیڑدی۔ لیکن اس میں بھی آپ کو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جس طرح آپ کے ماتم کی حرمت پر تمام اہلِ سُنّت متّفق ہیں۔ دیوبندی علماء ہوں یا بریلوی اسی طرح دونوں مکتبِ فکر کے محقّقین علماء کے نزدیک قبروں کو سجدہ کرنا حرام ہے جیسا کہ آئندہ عبارات سے ثابت کیا جائے گا اور حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید بھی زیارتِ قبور کے قائل ہیں۔ البتہ قبور و مزارات پر اُمورِ شرک و بدعت سے منع فرماتے ہیں اور "تقویۃ الایمان" کی جو عبارت

آپ نے پیش کی ہے اس میں بھی نفسِ زیارتِ قبور کا انکار نہیں۔ بلکہ قبُورِ اولیاء پر شرک و بدعت کے افعال سے روکنا مقصود ہے۔ چنانچہ آپ کی پیش کردہ عبارت سے پہلے مسئلہ شرک پر بحث کرتے ہوئے مولانا شہیدؒ نے یہ لکھا ہے کہ :۔ تیسری بات یہ ہے کہ بعضے کام تعظیم کے اللہ نے اپنے لیے خاص کیے ہیں کہ اُن کو عبادت کہتے ہیں۔ جیسے سجدہ اور رکوع اور ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونا اور اس کے نام پر مال خرچ کرنا اور اس کے نام کا روزہ رکھنا، اور اُس کے گھر کی طرف دُور دُور سے قصد کرکے سفر کرنا اور ایسی صورت بنا کر چلنا کہ ہر کوئی جان لیوے کہ یہ لوگ اُس گھر کی زیارت کو جاتے ہیں، اور راستے میں اس مالک کا نام پکارنا اور نامعقول باتیں کرنے سے اور شکار سے بچنا اور اسی قید سے جا کر طواف کرنا الخ اور آپ کی پیش کردہ عبارت کے بعد یہ الفاظ ہیں :۔ اس کو اشتراک فی العبادت کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی چیز کی کرنی۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں، یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے، اور اس تعظیم کی برکت سے اللہ مشکلیں کھول دیتا ہے۔ ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔" (تقویۃ الایمان، مطبع احمدی واقع کشمیری بازار لاہور)

مندرجہ بالا عبارت کے خط کشیدہ الفاظ "یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی کی کرنی" سے حضرت مولانا شہید کا مقصد بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ کیا آپ کے نزدیک کسی مخلوق کی اللہ کی سی تعظیم کرنی اور کسی مقام و مزار کی بیت اللہ (خانۂ کعبہ) کی سی تعظیم کرنی جائز ہے ؟ اگر اللہ کی سی تعظیم شرک نہیں تو پھر شرک کس کا نام ہے؟ آپ نے یا تو اپنی روایتی جہالت کی بنا پر ان الفاظ کا مطلب نہیں سمجھا، یا علمی خیانت کرکے ثواب حاصل کر لیا۔ (ب) مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف نفسِ زیارت بلکہ قبُورِ اولیاء سے روحانی استفاضہ کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اس میں جو مفاسد ہیں اُن پر نکیر فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :۔ صاحبِ باطن لوگوں کو اولیاء اللہ کی قبروں کی طرف سفر کرنے سے کسی قدر فائدہ ہوتا ہے۔ مگر عام مومنوں کو اس سے اس قدر بھاری نقصان پہنچتا ہے کہ نقصان سے باہر ہے۔" (صراطِ مستقیم ۵۴) نیز لکھتے ہیں کہ :۔ چونکہ ارواح کے آثار کا ظاہر ہونا پوشیدہ امر ہوتا ہے تو ممکن ہے کہ شیطان ان کی آواز یا صورت کی نقل کرکے خلافِ شرع کام کا حکم کرے۔" (ایضاً ص۵۵) اور جب مولانا شہیدؒ موصوف بشرطِ صلاحیّت اولیاء اللہ کے مزارات سے روحانی

فیض حاصل ہونے کے قائل ہیں تو آپ کا اُن پر یہ ایک بہتان ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کے قائل نہیں۔

کمالاتِ انبیاء علیہم السلام

مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کمالاتِ انبیاء پر تفصیلی بحث کی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ :۔" واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کو خدائے رحمٰن کے حضور میں تمام انسانوں کی نسبت ایک قسم کا امتیاز ثابت ہے۔ کیونکہ وہ عنایاتِ خداوندِ ذوالجلال کے منظورِ نظر ہیں، اور الطافِ ربانی سے ہر وقت سرور و خوشحال اور بے حد انعاماتِ الٰہیہ سے ممتاز ہیں۔ محبوبیت کے چمن کے یاسمین اور مقبولیت کی انجمن کے تخت نشین ہیں...... اُن کی ہمت اور اولوالعزمی بند دروازوں کی کنجی اور اُن کی دعا بیشک مستجاب ہے۔ اُن سے محبت رکھنے والا، اللہ ربّ العزت کی بارگاہ کا محبوب اور اُن سے بغض رکھنے والا اللہ کا معتوب۔ اُن کی محبت درجات کی بلندی کا باعث اور اُن کا توسل وسیلۂ نجات ہے، اُن کی پیروی باعثِ حصول عطیات اور اُن کا اتباع دافع بلیات ہے۔ غیبی فیوض کا منبع اور اسرار قدس کے خزانے ہیں۔ اُن کا وسیلہ پکڑنے والے کی ادنیٰ کوشش بدرجۂ غایت مشکور اور ان کے فرمانبرداروں کا کبیرہ گناہ بہت جلد قابلِ عفو ہے ...... اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اُنہی کا توسل شاہراہ ہے اور سالکانِ طریقت کے لیے اُن کی اتباع سے منازل طے کرنا نہایت آسان اور اُن کے توسل کے سوا صرف ہرزہ گری اور بے سروسامانی ہے۔ پس وجاہت سے یہی مراد ہے جو مذکور ہوئی"۔ (منصبِ امامت ص ۲-۳) (ب) اولیاء اللہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ :۔" واضح ہو کہ کتاب وسنّت کے براہین اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مذکورہ بالا کمالات سے انبیاء کے علاوہ دیگر مقبولانِ خُدا کو بھی حصہ ملتا ہے"۔ (ایضاً منصب امامت) (ج) مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید اپنی تالیف "صراطِ مستقیم" میں شہدائے کرام کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :۔" اگر اس طرف نظر کی جائے کہ چند روز کی یہ ظاہری مصیبت اور تکلیف حضرت سیّد الشہداء اور باقی شہدائے کربلا اور اس مشہدِ مقدس کے حاضرین کے مرتبے کی کمال بلندی کا باعث ہوئی ہے۔ پھر ہرگز غم و اندوہ کا مقام نہیں بلکہ خوشی اور فرحت کی جگہ ہے، اور جو لوگ اپنے زعم باطل

سے اپنے آپ کو حضراتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اجمعین کا مُحبّ قرار دے کر صریح ممنوع اور حرام اُمور کو عمل میں لاتے ہیں بالکل اس جناب کے مردود و مطرود ہیں۔ اس لیے کہ ان بزرگوں نے تو مشروع اُمور کے قائم کرنے اور نامشروع کے موقوف کرنے کے لیے بڑی جانبازی کے کام کیے ہیں۔ پس جو شخص اُمورِ مذکورہ بالا بجا لاکر اُن کو خوش کرنا چاہتا ہے گویا وہ یزید کی طرح حضرت امام حسین کا مقابل ہے کیونکہ یزید کے ساتھ جنگ کرنے کا باعث اُس سے ناجائز اُمور کے صادر ہونے کے سوا اور کوئی نہ تھا اور جب یہ آدمی ناجائز کام کا مرتکب ہوا اور اس پر اعتراض کیا اور اس کام کو بہتر اور عبادت جانا، تو حضرت امام ہمام کی جناب سے دھتکارنے کے لائق ہوگیا، اور آپ کے دشمنوں کے متابعت کنندں میں داخل ہوگیا، اور اصل یہ ہے کہ اپنے فاسد گمانوں کی متابعت مسلمان آدمی کے لیے زہرِ قاتل ہے ...... چونکہ شارع علیہ السّلام نے ماتم وغیرہ اُمور کی اجازت نہیں دی اور مطلقاً اس سے منع فرمایا ہے۔ تو اپنی محبّت کے گمان پر ان ناجائز کاموں کا مرتکب ہونا گویا اپنی ناقص عقل کو حکم شرع پر راجح کرنا ہے" (ص ۶۵) مولانا شہید کی مذکورہ عبارات میں توحید و شرک اور سُنّت و بدعت کے دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خدا کرے کچھ آپ بھی سمجھ جائیں۔ واللہ الہادی ؛

اہلِ سُنّت کے نزدیک بوسہ و سجدہ قبُور حرام ہے

آپ نے کفایہ کی جو روایت پیش کی ہے، بالکل ناقابل اعتبار ہے اور عقل و نقل کے خلاف ہے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے کوئی صحابی یہ قسم کھا سکتے تھے کہ میں جنّت کے دروازے کی چوکھٹ اور حُورِ عین کو اس دُنیا میں بوسہ دُوں گا۔ اس کی کیا ضرورت پیش آئی تھی ؟ یہ روایت عالمگیری میں نہیں ملی، بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں تو صراحتاً اصلی قبر کو بوسہ دینا بھی حرام لکھا ہے۔ جس کی عبارات دوسرے حوالجات کے تحت درج کی جائیں گی۔ روایت مذکورہ کے متعلق حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی کسی سائل کے جواب میں فرماتے ہیں :" یہ روایت کفایہ شعبی میں ہے، چنداں معتبر نہیں۔ بہرحال اس روایت میں سفر اور بُعدِ مسافت کا ذکر نہیں صرف یہ مذکور ہے کہ ماں باپ کی قبر کی جگہ معلوم نہ ہو۔ تو معلوم کا قیاس

مجہول پر نہیں ہو سکتا اس واسطے کہ اگر قبلہ مجہول ہو یعنی معلوم نہ ہو تو تحرّی (یعنی کوشش سے معلوم کرنا) جائز ہے، اور حضرت امام کی قبر معلوم ہے تو تابوت مصنوعی کی زیارت جائز نہیں۔ ورنہ اگر ایسا ہی ہے تو یہ بھی جائز ہو جائے گا کہ اسی طرح سے کوئی نشان بنا دیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خیال کرکے اس نشان کی زیارت کریں اور یہ سمجھیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قبر مبارک کی زیارت نصیب ہو گئی یا کوئی مصنوعی عرفات اور مصنوعی کعبہ بنا کر حج ادا کر لیویں۔ حالانکہ یہ سب فضول ہے جائز نہیں" (فتاویٰ عزیزی مبوّب صـ۱۸ مطبوعہ کراچی) (۲) حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "یہ چنداں معتبر نہیں اور اگر معتبر مان بھی لی جائے تو حدیث میں ماں اور باپ کے قبور کے مجہول ہونے کی صورت مذکور ہے، اور معلوم کو مجہول پر قیاس کرنا جہالت سے خالی نہیں جیسے اگر سمتِ قبلہ معلوم نہ ہو تو تحرّی جائز ہے۔ پس جبکہ حضرات حسنینؓ کے قبور اور جگہیں معلوم ہیں تو تابوت مصنوعی کی زیارت کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور اگر اس کو جائز سمجھ لیں تو یہ بھی لازم آئے گا کہ مصنوعی قبر کی زیارت کرنا اور مصنوعی کعبہ کا حج کرنا بھی جائز ہو جائے اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ نصاریٰ بھی حضرت عیسٰی کی یادگاری کے لیے صلیب تیار کرتے ہیں، پس اس میں اور اس میں کیا فرق ہوگا۔" (مجموعۃ الفتاوی)

قبروں کو بوسہ دینا یہود و نصاریٰ کی عادت ہے

(۱) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:۔ ولا یمسح القبر ولا یقبلہ فان ذلک من عادۃ النصاریٰ ولا بأس بتقبیل قبر والدیہ کذا فی الغرائب۔ (باب زیارۃ القبور)

:۔ (اور نہ ہاتھ لگائے قبر کو (یعنی تعظیم کی بنا پر) اور نہ اس کو بوسہ دے کیونکہ یہ عیسائیوں کی عادت ہے، اور اپنے ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے میں باٗس نہیں ہے۔ اسی طرح غرائب میں ہے۔") یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ والدین کی قبر کے بوسے میں اختلاف ہے اور راجح اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ بھی ناجائز ہے، اور لا بأس کے الفاظ بھی ترکِ اَولیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن مصنوعی قبر اور صرف خط کھینچ کر اس کو قبر تصوّر کر لینا اور اُس کو چومنا، اس کا جواز تو بالکل نہیں ہے۔

غوث الاعظم کا فتویٰ

محبوب سبحانی حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- اذا زار قبراً لم یضع یدہ علیہ ولا یقبّلہٗ فانّہٗ عادۃ الیہود :-(غنیۃ الطالبین) :-"(جب کسی قبر کی زیارت کرے تو اس پر اپنا ہاتھ نہ رکھے، اور اس کو بوسہ نہ دے کیونکہ یہ یہودیوں کی عادت ہے")

امام غزالی کا فتویٰ

ولا یمسح القبر ولا یمسح ولا یقبلہ فان ذلک من عادۃ النصاریٰ - (احیاء العلوم جلد ۲ ص۲۹۱) :-
(اور نہ ہاتھ لگائے قبر کو اور نہ اس کو چھوئے، اور نہ اس کو بوسہ دے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کا فتویٰ

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی فرماتے ہیں :- دبوسہ دادن قبر را وسجدہ کردن آں را وکلہ نہادن حرام وممنوع است و در بوسہ دادن قبر والدین روایت فقہی نقل می کنند، وصحیح آنست کہ لایجوز است - (مدارج النبوّۃ فارسی جلد دوم ص۵۴۲) ترجمہ :-"اور قبر کو بوسہ دینا اور اُسے سجدہ کرنا اور پیشانی رکھنا حرام اور ممنوع ہے، اور والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے" (مدارج النبوّۃ جلد دوم مترجم ص۶۲۲)

اس میں عالمگیری کی مندرجہ عبارت میں والدین کی قبر کو بوسہ دینے کا بھی جواب آگیا کہ جائز نہیں ہے فرمائیے! اصحاب فتاویٰ عالمگیری، حضرت غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، اور شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی بھی اہلِ سُنّت کے بزرگوں میں سے ہیں یا نہیں جو قبروں کو بوسہ دینے کو حرام اور یہود و نصاریٰ کی عادت قرار دے رہے ہیں۔ تو اگر انہی اکابر اہل سنّت کی تحقیق کے مطابق حضرت مولانا شاہ محمّد اسمٰعیل شہید نے قبر کو بوسہ دینا حرام لکھ دیا تو اہل سُنّت کی تائید کی یا مخالفت؟

مولانا احمد رضا خانصاحب کا فتویٰ

آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ :- آپ کے خیال میں تو کسی سچّی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز نہیں بلکہ شرک ہے لیکن بریلوی حضرات تو نقلی قبروں کو بھی بوسہ دینا درست جانتے ہیں۔ امام شعبی کی کتاب کفایہ میں

ہے الخ میاں کس قدر آپ نے تلبیس سے کام لیا ہے۔ دیوبندی اور بریلوی کی نسبت تو اس صدی میں دیوبند اور بریلی کے دو دینی مدارس کی بنا پر مشہور ہوگئی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے بریلوی اور دیوبندی نسبتیں کہاں تھیں اور کیونکر ہو سکتی تھیں؟ کیا امام شعبیؒ سے پہلے حنفی علماء و فقہاء بھی بریلوی تھے؟ رہا سُنّی عوام کا عمل تو خواہ وہ بریلوی علماء کے معتقد ہوں یا دیوبندی علماء کے شرعاً کوئی حجّت نہیں ہے کہ اگر کوئی سُنّی جاہل کسی قبر کو بوسہ دیدے یا سجدہ کرے تو آپ اُس کو سُنّی مذہب قرار دیدیں۔ اگر آپ کو تحقیق مطلوب ہوتی تو بریلوی اکابر علماء کی تصانیف اور فتاویٰ دیکھ کر زیرِ بحث مسئلہ میں کوئی حکم لگاتے۔ بریلوی مکتبِ فکر کے امام و پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی تو تحریر فرما رہے ہیں کہ :- "بلاشبہ غیر کعبۂ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے اور بوسۂ قبر میں علماء کو اختلاف ہے اور احوط منع ہے۔ خصوصاً مزارات طیّبہ اولیائے کرام کے متعلق ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلہ سے کھڑا ہو یہی ادب ہے۔ پھر تقبیل کیونکر متصوّر ہے یہ وہ ہے جس کا فتویٰ عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔" (احکام شریعت حصّہ سوم ص۱۵) "اور احوط منع ہے" کا یہ مطلب ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ قبر کو بوسہ دینا ممنوع اور ناجائز قرار دیا جائے۔

مولانا امجد علی صاحب رضوی بریلوی کا فتویٰ

قبر کو بوسہ دینا بعض علماء نے جائز کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ منع ہے (اشعۃ اللمعات" شیخ عبد الحق محدث دھلوی - اور قبر کا طواف تعظیمی منع ہے۔ اور اگر برکت لینے کے لئے گرد مزار پھرا تو حرج نہیں مگر عوام منع کئے جائیں بلکہ عوام کے سامنے کیا بھی نہ جائے کہ کچھ کا کچھ سمجھیں گے (بہار شریعت حصّہ چہارم، ص ۱۶۶ مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

روضۂ مقدّسہ کی جالی کو بھی بوسہ نہ دے

مولانا امجد علی صاحب بریلوی موصوف رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے روضۂ مقدّسہ کی زیارت کے متعلق لکھتے ہیں کہ :"- خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔" (بہار شریعت حصّہ ششم ص ۱۷۶)

عورتوں کیلئے زیارتِ قبور منع ہے

مولانا امجد علی صاحب بریلوی موصوف فرماتے ہیں کہ :- "اسلم یہ ہے کہ عورتیں مطلقاً منع کی جائیں کہ اپنوں کی قبور کی زیارت میں تو وہی جزع فزع ہے اور صالحین کی قبور پر یا تعظیم میں حد سے گذر جائیں گی یا بے ادبی کریں گی کہ عورتوں میں یہ دونوں باتیں بکثرت پائی جاتی ہیں"۔ فتاویٰ رضویہ - (بہارِ شریعت حصہ چہارم ص۱۶۰) اور کتاب "بہارِ شریعت" حصہ چہارم پر تقریظ میں حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے لکھا ہے کہ :- الحمد للہ مسائلِ صحیحہ رجیحہ محققہ منقحہ پر مشتمل پایا - آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی"۔

بزرگوں کی تصاویر ناجائز ہیں

حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ :- بزرگانِ دین کی تصاویر بطور تبرک لینا کیسا ہے ؛ تو ارشاد فرمایا :"کعبہ معظمہ میں حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل وحضرت مریم کی تصاویر بنی تھیں کہ یہ متبرک ہیں ناجائز فعل تھا - حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دستِ مبارک سے انہیں دھویا" (ملفوظات حصہ دوم ص۸۷) - فرمائیے ! بریلوی علماء کے مقتدا ر تو فتویٰ دے رہے ہیں کہ قبروں کو بوسہ دینا ناجائز ہے - اُن کو سجدہ کرنا اور اُن کا طواف کرنا حرام ہے ، حتّٰی کہ رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مقدسہ کی جالی کو بھی بوسہ نہ دے ، اور بزرگانِ دین کی تصاویر بھی بطورِ تبرک رکھنا ناجائز ہے ، اور آپ انہی بریلوی علماء پر بہتان تراشی کر رہے ہیں کہ اُن کے نزدیک فرضی اور مصنوعی قبر کو بھی بوسہ دینا جائز ہے - لیکن اگر آپ ایسا نہ لکھتے تو تقیہ کا ثواب کیسے حاصل کرتے ؟

حضرت پیر صاحب گولڑوی کا فتویٰ

حضرت پیر صاحب گولڑوی کے متعلق لکھا ہے کہ :- "شخصے عرض داشت کہ مالیدن رُخسارہ وسجدہ در پیش مزاراتِ متبرکہ وطوافِ حوالیٔ الیشاں جائز است یانہ ؟ فرمودند کہ ظاہر شرع مجیز ایں اُمور نیست وما بہ چہ طور فتویٰ دہیم ، وہم باز آں شخص عرض کرد کہ شنیدم کہ از خواجہ شمس الدین سیالوی اجازتش در ملفوظاتِ ایشاں ثابت شدہ است - فرمودند ! کہ حضرت ایشاں پیر ومرشد ما بودند ما از حال شمس سیال بہ

نسبتِ شما مردماں زیادہ واقف ہستیم، و باید دانست کہ ہرچہ حق تعالیٰ فرمودہ است و رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمودہ از برائے ما شرع است بروَے اعتقاد محکم باید داشت۔" (ملفوظاتِ طیّبہ صفحہ ۱ مطبوعہ ۱۴- رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ) :- "(ایک آدمی نے عرض کیا کہ مزاراتِ متبرکہ پر چہرہ ملنا اور اُن کو سجدہ کرنا، اور اُن کے گرد طواف کرنا جائز ہے یا نہ؟ تو آپؒ نے فرمایا کہ ظاہر شریعت اِن اُمور کی اجازت نہیں دیتی- ہم کیونکر ان کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں- پھر اُس شخص نے عرض کیا کہ مَیں نے سُنا ہے کہ خواجہ شمس الدّین صاحب سیالوی کے ملفوظات میں ان کی اجازت ثابت ہے- تو آپ نے فرمایا کہ حضرت سیالوی میرے پیرو مرشد تھے، اُن کا حال بہ نسبت تم لوگوں کے مَیں زیادہ جانتا ہوں، اور جاننا چاہیئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہمارے لیے وہی شریعت ہے- اس پر مضبوط اعتقاد رکھنا چاہیئے

حضرت شاہ عبد العزیز مُحدّث دہلوی کا فتویٰ

حضرت شاہ صاحب محدّث دہلوی ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں :- "پرستش سے مراد یہ ہے کہ کسی کو سجدہ کرے یا کسی چیز کی عبادت کی نیّت سے اس چیز کا طواف کرے، یا بطریق تقرب کے کسی کے نام کا وظیفہ کرے، یا اُس کے نام سے کوئی جانور ذبح کرے، یا اپنے کو کسی کا بندہ کہے اور جو جاہل مسلمان اہلِ قبور کے ساتھ ایسا کوئی امر کرے مثلاً اہلِ قبور کا سجدہ کرے تو وہ فی الفور کافر ہوجائے اور اسلام سے خارج ہوجائے گا۔" (فتاویٰ عزیزیہ مبوّب ۱۵۴) نیز فرماتے ہیں :- جو چیزیں خالص اللہ کی قدرت میں ہیں مثلاً لڑکا دینا، پانی برسانا یا بیماریوں کو دفع کرنا، یا عمر زیادہ کرنا یسی اور چیزیں جو خاص اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں- ایسی چیزوں کے لیے کسی مخلوق سے کوئی شخص التجا کرے- اور اُس شخص کی نیّت یہ نہ ہو کہ وہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہمارا یہ مطلب حاصل ہو تو یہ حرام مطلق ہے بلکہ کُفر ہے، اور اگر کوئی مُسلمان اولیاء اللہ سے اُس ناجائز طور سے مدد چاہے یعنی ان کو قادرِ مطلق سمجھے خواہ وہ اولیاء اللہ زندہ ہوں یا وفات پائے ہوں تو وہ مُسلمان سلام سے خارج ہوجائے گا۔" (ایضاً فتاویٰ عزیزیہ) سجدہ تعظیمی، بوسہ قبر اور طوافِ قبر کے ناجائز اور حرام ہونے کے متعلق بطورِ نمونہ علماء و بزرگانِ اہلِ سُنّت[1] کے اقوال درج کیے گئے ہیں- ورنہ اگر محققین اہلِ سُنّت اور فقہائے

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو

حنفیہ کی کتابوں سے عبارتیں جمع کی جائیں تو ایک کتاب بن سکتی ہے، اور اکابر علمائے دیوبند کے اقوال بھی اِن اُمُورِ مذکورہ کی حرمت میں بخوفِ طوالت درج نہیں کئے۔ البتہ آپ نے جو ناواقف قارئین کو اس اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کی ہے کہ عُلمائے دیوبند زیارتِ قبُورِ اولیاء حتیٰ کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے روضۂ مقدّسہ کی زیارت کے بھی قائل نہیں۔ اس کے ازالہ کے لیے چند حوالجات درج ذیل ہیں

دُعا میں انبیاء و اَوْلیاء کا توسُّل جائز ہے

ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:- ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء و صلحاء و اولیاء و شہداء و صدیقین کا توسُّل جائز ہے، اُن کی حیات میں یا بعد وفات۔ بایں طور کہ کہے یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دُعا کی قبولیّت اور حاجت برآری چاہتا ہوں۔ اسی جیسے اور کلمات کہے الخ (ترجمہ المهند علی المفنّد مؤلّفہ مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری

زیارت روضۂ مقدّسہ کیلئے سفر جائز ہے

فرماتے ہیں:- ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلین (ہماری جان آپ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب، اور سبب حصول درجات ہے بلکہ واجب کے قریب ہے، گو شدِّ رِحال اور بذل جان و مال سے نصیب ہو اور سفر کے وقت آپ کی زیارت کی نیّت کرے اور ساتھ میں مسجد نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہائے متبرّکہ کی بھی نیّت کرے بلکہ بہتر یہ ہے جو علّامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ خالص قبر شریف کی زیارت کی نیّت کرے پھر جب و ...

(تحت المتن صـ۸۷ا)۔ قبل ازیں شرک کی بحث میں مذہب شیعہ کی اصح الکتب فروع کافی کے حوالہ سے حضرت امام رضا کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ :- "قبر کو اور اُس کے اجزاء چونہ وغیرہ کو سجدہ نہ کرو" لهٰذا اہل تشیّع اور اہل سُنّت دونوں کی کتابوں سے ثابت ہوگیا کہ قبر کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ لیکن اس کے باوجود مُصنّف "فلاح الکونین" کی عبارت دیکھئے کہ ناواقف قارئین کو یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور دیوبندی علماء ہی اس کے خلاف ہیں۔ ورنہ بریلوی علماء کے نزدیک تو مصنوعی قبر کو بوسہ دینا بھی جائز ہے۔ کیا یہ بریلوی علماء پر بہتان عظیم نہیں ہے؟

حاضر ہوگا تو مسجد نبوی کی بھی زیارت حاصل ہو جائے گی۔ اس صورت میں جناب رسالتآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم زیادہ ہے اور اس کی موافقت خود حضرت کے ارشاد سے ہو رہی ہے کہ جو میری زیارت کو آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت اس کو نہ لائی ہو تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن اس کا شفیع بنوں اور ایسا ہی عارف مُلا جامی سے منقول ہے کہ انہوں نے زیارت کے لیے حج سے علیحدہ سفر کیا اور یہی طرز مذہب عشاق سے زیادہ ملتا ہے الخ (ترجمہ المہنّد علی المفنّد)

حیاتُ النّبی کا عقیدہ

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے متعلق سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ :۔ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا مُکلّف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرتؐ اور تمام انبیاء علیہم السّلام اور شُہداء کے ساتھ۔ برزخی نہیں ہے! جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو الخ (ایضاً ترجمہ المہنّد)

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا عقیدہ

دیوبندی بزرگوں کے شیخ المشائخ حضرت مولانا رشید احمد صاحب محدّث گنگوہی فرماتے ہیں کہ :۔" اب جان لے کہ زیارت روضۂ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام افضلُ المستحبات ہے بلکہ بعض نے قریب واجب کے لکھا ہے اور فخر عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میری قبر کی زیارت کرے، اُس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگئی اور فرمایا ہے کہ جو کوئی میری زیارت کو آوے اور اس آنے میں اس کو محض زیارت ہی مقصود ہو اور کوئی حاجت نہ ہو تو مجھ پر حق ہو گیا کہ میں اس کا قیامت کو شفیع ہوں۔ (زبدۃ المناسک ص ۸۷) اور زیارت روضۂ مقدسہ کے آداب میں مولانا گنگوہی موصوف لکھتے ہیں کہ :" پھر روضہ کے پاس حاضر ہو اور سرہانے کی دیوار کے کونہ میں جو ستون ہے، اُس سے تین چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہو اور پشت قبلہ کی طرف کرے کچھ بائیں طرف مائل ہو کر تا چہرہ شریف کے خوب مُواجہ ہووے اور باادب تمام اور باخشوع کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو۔ اور دیوار کو ہاتھ نہ لگاوے کہ محلِّ اَدَب وہیبت ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو لحد شریف میں قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے۔ لیٹے ہوئے تصوّر کرے اور کہے :۔ السلام علیك یا

رسول اللّٰہ - السّلام علیك یاخیر خلق اللّٰہ ...... السّلام علیك یاحبیب اللّٰہ - السّلام علیك یا سیّد ولد اٰدم - السّلام علیك ایّھا النّبی ورحمة اللّٰہ وبرکاتہٗ الخ ....

اس کے بعد فرماتے ہیں :- اور پھر حضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے وسیلہ سے دعا کرے اور شفاعت چاہے اور کہے - یارسول اللّٰہ اسأئك الشفاعة و اتوسّل بك الی اللّٰہ فی ان اموت مُسْلِمًا علیٰ ملّتك وسُنّتك ۔ (اے اللّٰہ کے رسول صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ! مَیں آپ کی شفاعت کا طلبگار ہوں اور آپ کے توسّل سے اللّٰہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مَیں آپ کی ملّت اور آپ کی سُنّت پر مسلمان ہونے کی حالت میں مروں) اور ان الفاظ میں جس قدر چاہے زیادہ کرے، مگر ادب اور عجز کے کلمات ہوں لیکن سَلَف یہاں الفاظ مختصر کہنے کو جہاں تک اختصار ہو مستحسن رکھتے ہیں، اور بہت پُکار کر نہ بولے بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بزمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے الخ (زبدۃ المناسك) - ۹۰

مصنّف "فلاح الکونین" کو چاہیئے کہ علم و دیانت کی روشنی میں "المھنّد" کی مندرجہ عبارات اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کے الفاظ کو پڑھیں اور سمجھیں، اور اللّٰہ تعالیٰ کے خوف کے تحت ان علمائے دیوبند پر اپنے بہتانات سے رجوع کریں - لیکن جو لوگ خلفائے راشدین اور اصحاب و ازواج رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کو نہیں مانتے، وہ اُن عُلماء کے متعلق کیا دیانت اختیار کریں گے - بہرحال اللّٰہ تعالیٰ ہر ایک کو ہدایت نصیب فرمائیں - آمین

شرح جامی کی عبارت کا مطلب

مُصنّف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں کہ :- مولانا جامیؒ، شرح جامی کے صـ۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں (ترجمہ) "مندوب جس کا نُدبہ کیا جاتا ہے لُغت میں اُس مرحوم یا مقتول کو کہتے ہیں جس پر کوئی اس غرض سے ماتم کرے کہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اُس کی موت امر عظیم ہے تاکہ لوگ اس کو معذور سمجھیں بلکہ شریک غم ہو جائیں" یہ ہے اصل تعریفِ نُدبہ ...... ہم حضرت امام حسین علیہ السّلام کے غم میں روتے پیٹتے، ماتمی جلوس نکال کر بازاروں اور گلی کوچوں میں صرف اس لیے پھراتے ہیں کہ لوگوں کو اس امر عظیم کی عظمت کا پتہ چل جائے - صـ۵۹ ؎

الجواب

(الف) آپ نے ترجمہ میں بھی خیانت کی ہے چنانچہ شرح جامی کی عربی عبارت یہ ہے :- والمندوب فی اللغۃ میتٌ یبکی علیہ احدٌ ویعدّ محاسنہ لیعلم النّاس ان موتہ امرٌ عظیم لیعذروہ فی البکاء ویشارکوہ فی التفجّع الخ :- (اور مندوب لغت میں وہ میّت ہے جس پر کوئی آدمی روتا ہے اور اُس کی خوبیاں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ یہ جانیں کہ اس کی موت ایک عظیم امر ہے تاکہ وہ اس کو رونے میں معذور سمجھیں اور اس دُکھ میں وہ اس کے شریک ہوجائیں الخ۔ عربی عبارت میں لفظ میّت کا تھا جس کا معنی ہے مرنے والا۔ لیکن آپ نے اس کا ترجمہ مرحوم یا مقتول لکھا فرمائیے! یہ مرحوم اور مقتول کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ آپ نے مقتول کا لفظ اس لیے لکھا ہے تاکہ شہداء کو اس میں داخل کر سکیں اور کوئی یہ نہ کہے کہ میّت تو مُردہ کو کہتے ہیں۔ جس کو یہاں مندوب کہا گیا ہے اور حضرت امام حسینؓ بوجہ شہید ہونے کے زندہ ہیں پھر اُن پر مندوب کی تعریف تو صادق نہیں آئے گی اور آپ کا نُدبہ سارا ختم ہوجائے گا۔ کیا یہ علمی بددیانتی نہیں؟ اور آپ نے حضرت حمزہ شہید کے تذکرہ میں مولانا شبلی نُعمانی کے ان الفاظ کا کہ :- "مُردوں پر نوحہ جائز نہیں" یہی جواب دیا تھا کہ یہاں مُردوں پر نوحہ کرنے کی مخالفت ہے اور شہید زندہ ہیں نہ کہ مُردہ، تو یہی اعتراض اگر آپ پر مندوب کی مذکورہ تعریف کے تحت کیا جائے تو آپ کا سارا استدلال ھباءً منثورًا ہوجائے گا۔ جس پر آپ ماتم کی عمارت کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔ (ب) عربی عبارت میں صرف بُکاء کا لفظ ہے جس کا معنی صرف رونا ہے یعنی آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا۔ لیکن آپ نے اس کا ترجمہ ماتم سے کیا ہے اور یہ آپ کی دوسری علمی خیانت ہے۔ کیونکہ ماتم سے آپ کی مُراد تو مُنہ پیٹنا اور سینہ کوبی وغیرہ ہوتا ہے۔ صرف رونا تو زیرِ بحث ہی نہیں۔ (ج) شرح جامی میں تو صرف لفظ مندوب کی لُغوی اور اصطلاحی تعریف کی گئی ہے، اور اس بحث میں یہ لکھا ہے کہ حرفِ ندا یا واؤ کا استعمال کیسے ہوتا ہے۔ اس سے یہ شرعی حکم تو نہیں ثابت ہوجاتا کہ ہم بھی میّت کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کریں۔ ہاں اگر آپ قرآن یا حدیث سے نُدبہ کا لفظ پیش کرتے تو پھر اُس کے لُغوی معنیٰ سے آپ اِستدلال کر سکتے تھے۔ ورنہ محض اہلِ عرب کے تعامل سے تو شریعت کا حکم ثابت نہیں ہوجاتا۔ مثلاً قریشِ مکہ کی نماز سیٹیاں اور تالیاں بجانا تھی چنانچہ قرآن مجید میں ہے :- مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً

:۔ "(اور بیت اللہ کے پاس اُن کی نماز سوائے سیٹیاں بجانے اور تالیاں پٹخارنے کے اور کچھ بھی نہ تھی ۔") (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب شیعی مفسّر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :" تفسیر مجمع البیان میں روایت کی گئی ہے کہ جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم جب مسجد الحرام میں نماز پڑھتے تو قبیلہ عبدالدار کے دو آدمی آنحضرت کے دائیں کھڑے ہوکر سیٹیاں بجانے لگتے اور، دو آنحضرت کے بائیں کھڑے ہوکر تالیاں پٹخارتے اور مقصود یہ تھا کہ آنحضرت کی نماز کو باطل کریں۔" اور شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے :۔ قال ابن عباس کانت قریش یطوفون بالبیت عُراۃً یصفرون ویصفقون وصلاتہم معناہ دعاءھم ای یقیمون المکاء والتصدیہ مکان الدعاء والتسبیح۔

(تفسیر مجمع البیان پارہ ۹ آخری رکوع) :" یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے کہ قریش بیت اللہ کا طواف ننگے ہوکر کرتے تھے۔ شور مچاتے اور تالیاں بجاتے تھے اور اُن کی صلوٰۃ کا مطلب اُن کی دُعا ہے، یعنی دُعا اور تسبیح کی جگہ انہوں نے سیٹیاں اور تالیاں مقرر کرلی ہیں ۔" ؎

فرمائیے! قرآن مجید نے مشرکینِ مکّہ کی سیٹیوں اور تالیوں کو بھی اُن کی صلوٰۃ (نماز) فرمایا ہے تو کیا آپ اس سے یہ استدلال کریں گے کہ ہم بھی نماز تالیوں اور سیٹیوں کی صورت میں قائم کریں۔ ہرگز نہیں بلکہ ہماری صلوٰۃ (نماز) وہ ہوگی جو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سکھلائی ہے۔ (ج) اگر کسی کی موت امرِ عظیم ہو اور اس کی تشہیر و اشاعت کا یہی طریقہ ہو کہ ماتمی جلوس نکالے جائیں۔ تو کیا سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات امرِ عظیم نہیں ہے، بلکہ سب سے عظیم امر ہے تو کیا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے بھی اسی طرح کے ماتمی جلوس نکالنے چاہئیں یا آپ ایسے جلوس نکالا کرتے ہیں جس میں نعوذ باللہ ہائے محمدؐ! ہائے محمدؐ! پکارا جاتا ہو؛ خلاصہ جواب یہ ہے کہ میّت کے ساتھ اُسی حد تک معاملہ جائز ہوگا جس کی شریعت میں اجازت ہو اور جس کی صراحتاً ممانعت ہوجائے وہ ممنوع اور حرام ہوگا۔ جیسا کہ آپ کے ماتمِ مروّجہ کا حکم ہے۔

نوحہ حرام ہے

مولانا امجد علی صاحب رضوی بریلوی فرماتے ہیں :۔ نوحہ، یعنی میّت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کرکے آواز سے رونا جس کو بین کہتے ہیں بالاجماع حرام ہے۔ یونہی واویلا وا مُصیبتاہ کہہ کے چلّانا وغیرہ (جوہرہ) مسئلہ :۔ گریبان پھاڑنا، مُنہ نوچنا، بال

کھولنا۔ سر پر خاک ڈالنا۔ سینہ کوٹنا۔ ران پر ہاتھ مارنا، یہ سب جاہلیت کے کام ہیں اور حرام۔ ع لمکیں
(بہارِ شریعت حصّہ چہارم ص۱۶۹) نیز مولانا موصوف لکھتے ہیں:۔ آواز سے رونا منع ہے اور آواز بلند نہ ہو
تو اس کی ممانعت نہیں بلکہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر
بکار فرمایا (جوہرہ) اس مقام پر بعض احادیث جو نوحہ وغیرہ کے بارے میں وارد ہیں ذکر کی جاتی ہیں کہ مسلمان
بغور دیکھیں اور اپنے یہاں کی عورتوں کو سنائیں کہ یہ بلا ہندوستان کی اکثر عورتوں میں ہندوؤں کی تقلید
سے پائی جاتی ہے۔ حدیث ۱ بخاری و مسلم، عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم
فرماتے ہیں:۔ جو منہ پر طمانچے مارے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا پکارنا پکارے یعنی نوحہ کرے، وہ ہم
میں سے نہیں الخ (بہارِ شریعت حصّہ چہارم ص۱۷۰) آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن ان حوالجات سے یہ تو ثابت
ہوجاتا ہے کہ بریلوی علماء بھی دیوبندی علماء کی طرح آپ کے پسندیدہ نوحہ اور ماتم کو حرام سمجھتے ہیں۔

ایک دوسرے طعن کا جواب

آپ لکھتے ہیں کہ:۔ وہ لوگ جو ذکرِ حسین سے منع کرتے ہیں۔ ماتمی جلوسوں کو روکتے ہیں، وہ شہادتِ حسینؓ کے
نقش کو مٹانا اور عظمتِ حسینؓ کو گھٹانا چاہتے ہیں۔۔۔۔ امام غزالی کا فتویٰ۔ ویحرم علی الواعظ و
غیرہ روایۃ مقتلِ الحسن والحسین وحکایاتہ:۔ "واعظ پر ذکرِ شہادت حسن اور حسین حرام ہے"
(صواعق محرقہ ص۱۳۳) ۔ رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ۔ محرّم میں ذکرِ حسین کرنا اگرچہ بروایاتِ صحیحہ ہو روافض
کی وجہ سے حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم ص۱۱۳)۔

الجواب

آپ نے صواعق محرقہ کی جو عبارت فتویٰ امام غزالی کے تحت پیش کی ہے، اس کے بعد کی حسب ذیل عبارت چھوڑ دی ہے:۔ وماجری بین الصحابۃ
من التشاجر والتخاصم فانہ یہیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیہم وھم اعلام الدین وتلقی
ائمۃ الدین عنہم روایۃ ونحن تلقیناہ من الائمۃ درایۃ فالطاعن فیہم مطعون طاعن فی نفسہ
ودینہ قال ابن الصلاح والنووی الصحابۃ کلھم عدول وکان للنبی صلّی اللہ علیہ وسلّم مائۃ الف
واربعۃ عشر الف صحابی عند موتہ صلّی اللہ علیہ وسلّم والقرآن والاخبار مصرحان بعدالتہم

وجلالتہم وما جری بینہم معامل لا یتحمل ذکرھا ھذا الکتاب ۔ انتھی ملخصًا :" اور صحابہ کے مابین جھگڑے اور مخالفت کے واقعات بھی واعظ پر بیان کرنے منع ہیں کیونکہ یہ ذریعہ بنتا ہے صحابہ سے بغض رکھنے اور اُن پر طعن کرنے کا ۔ حالانکہ وہ دین کے نشانات ہیں، ان سے ائمہ دین نے روایتیں لی ہیں اور ہم نے دین کو ان ائمہ سے سمجھا ہے ۔ پس صحابہ پر طعن کرنے والا خود مطعون ہے جو اپنی ذات اور اپنے دین پر طعن کرتا ہے ۔ ابن صلاح اور نووی (شارح مسلم) نے فرمایا ہے کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابہ موجود تھے اور قرآن اور احادیث اُن کی عدالت اور ان کی جلالت پر تصریح کرتی ہیں، اور اُن کا آپس میں جو جھگڑا ہوا ہے، اُن کے اپنے اپنے مواقع اور وجوہ ہیں کہ اس کتاب میں اُن کے بیان کی گنجائش نہیں ہے "

یہ عبارت درج کرنے کے بعد ابن حجر مکی مصنف "صواعق محرقہ" لکھتے ہیں کہ :- وما ذکرمن حرمة روایة قتل الحسین وما بعدھا لا ینافی ما ذکرتہ فی ھذا الکتاب ان ھذا البیان الحق الذی یجب اعتقادہ من جلالة الصحابة وبراءتہم من کل نقص بخلاف ما یفعلہ الوعاظ الجھلة فانھم یاتون بالاخبار الکاذبة الموضوعة ونحوھا ولا یبیّنون المحامل والحق الذی یجب اعتقادہ فیوقعون العامة فی بغض الصحابة وتنقیصہم بخلاف ماذکرناہ فانہٗ لغایة اجلالھم وتنزیھھم الخ :" اور یہ جو ذکر کیا ہے کہ حضرت حسین کے قتل اور بعد کے واقعات کا بیان کرنا حرام ہے تو اس کے خلاف نہیں ہے جو ہم نے اپنی اس کتاب میں بیان کیا ہے ۔ کیونکہ یہ بیان حق ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے ، جس میں صحابہ کرام رض کی جلالتِ شان اور ہر عیب سے اُن کا بری (پاک) ہونا پایا جاتا ہے ۔ برعکس اس کے کہ جو جاہل واعظوں کا کام ہے کہ وہ جھوٹی اور موضوع روایات پیش کرتے ہیں اور ان کے صحیح محامل اور وجوہ ، اور جس حق کا اعتقاد ضروری ہے وہ بیان نہیں کرسکتے ۔ پس وہ عوام کو صحابہ کی تنقیص اور اُن کے بغض میں مبتلا کر دیتے ہیں بخلاف ہمارے بیان کے کہ ہم نے صحابہ کرام کی شان بیان کر دی ہے اور اُن کا عیوب سے پاک ہونا ثابت کر دیا ہے "

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالی وغیرہ علمار نے ایسے واعظوں کے لیے حضرت امام حسین کی شہادت کے واقعات اور صحابہ کرام کے باہمی نزاعات کا بیان کرنا اس لیے ممنوع قرار دیا ہے کہ وہ ان باتوں کو سمجھا

نہیں سکتے اس وجہ سے عوام کے اندر صحابہ کرام کا بغض پیدا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ہر بات ہر آدمی نہیں سمجھ سکتا اور پھر عام مجمعوں میں سمجھانا بھی مشکل ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا اختلاف

مثلاً قرآن مجید میں سامری کے بہکانے پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی قوم (بنی اسرائیل) کی گئوسالہ پرستی کا واقعہ مذکور ہے، اور اس سلسلے میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السّلام کا اختلاف و تنازع اس حد تک مذکور ہے کہ :- اَخَذَ بِرَأْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ۔ (حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا-) اس پر حضرت ہارون نے کہا :- یَا ابْنَ اُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ۔ (اے میری ماں کے بیٹے ! آپ میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑیں -) اگر ان آیتوں کا ترجمہ اور ذکر عام مجمع میں بیان کیا جائے تو کیا عوام اس شبہ میں نہیں پڑ سکتے کہ نبی ہو کر یہ دونوں آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں ؟ اُن میں ایک ہی سچا ہو سکتا ہے، نعوذ باللہ! حالانکہ دونوں معصوم پیغمبر ہیں۔ بے شک اُن کے اختلاف کی ظاہری صورت تو یہی ہے لیکن اُن کا منشاء دین ہی ہے، نفسانیت اور دنیوی اغراض کا اس میں دخل نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب عوام کے سامنے یہ بیان کیا جائے کہ ایک طرف حضرت علی المرتضٰے تھے اور دوسری طرف اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت امیر معاویہ اور ان کی آپس میں جنگیں ہوئیں۔ تو اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ قرآن کے حکم کے مطابق تو حضرت عائشہ صدیقہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بیوی اور تمام مومنوں کی ماں ہیں اور حضرت علیؓ کی بھی ایمانی اور روحانی ماں ہیں تو حضرت علیؓ نے باوجود بلند دینی مقام رکھنے کے اپنی ماں کے ساتھ کیوں جنگ کی۔ تو کیا حضرت علی المرتضٰے کے متعلق نعوذ باللہ وہ کسی بُغض میں مبتلا نہیں ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ ان جنگوں کی وجہ سے ایک گروہ خارجیوں کا پیدا ہوا جو العیاذ باللہ حضرت علیؓ کو مومن بھی نہیں سمجھتے تھے اور گو حضرت معاویہؓ کا درجہ حضرت علی المرتضیٰؓ سے کم ہے۔ لیکن یہ واقعات عوام کے سامنے آئیں کہ حضرت معاویہؓ کی حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ ہوئی اور آخر کار اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ فریقین کی طرف سے ثالث چنے جائیں اور وہ جو فیصلہ کریں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اس کو تسلیم کریں گے تو ایک شخص کے دل میں

شبہ واقع ہوتا ہے کہ اگر حضرت علی برحق خلیفہ تھے اور حضرت معاویہ باغی تھے تو حضرت علی المرتضیٰ کو باغیوں کے ساتھ آخردم تک جنگ کرنی چاہیئے تھی، نہ یہ کہ باغی گروہ کو اپنے مساوی حیثیت دیدیں۔ جس فریق کا مساوی درجہ خلیفہ برحق تسلیم کرلے تو اس فریق کو دین کا مخالف اور دشمن کیسے قرار دے سکتے ہیں اور اسی بنا پر اس واقعہ تحکیم (یعنی دونوں طرف سے ثالث اور حکم ماننے) کے بعد کئی آدمی حضرت علیؓ کے مخالف ہوگئے تھے، اور پھر حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد چھ ماہ تک حضرت امام حسنؓ آپ کے جانشین رہے اور پھر حضرت معاویہ سے مصالحت کرکے ان کی خلافت تسلیم کرلی، اور سالانہ وظیفہ لیتے رہے۔ تو کیا فرماتے ہیں مصنف "فلاح الکونین" کہ اگر حضرت معاویہ نعوذ باللہ ایسے ہی تھے جیسا کہ اہل تشیع کا اعتقاد ہے۔ تو جن کو وہ دوسرا امام معصوم مانتے ہیں یعنی امام حسن۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی خلافت کیوں تسلیم کرلی؟ یہ ایسے نازک واقعات ہیں جن کو سن کر حقائق سے ناآشنا لوگ صحابہ سے بدظن ہو سکتے ہیں خواہ حضرت علی المرتضیٰ سے ہوں جیسا کہ خوارج یا اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ اور حضرت امیر معاویہ سے ہوں جیسا کہ روافض، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اگر کوئی فرقہ اور گروہ مشاجرات صحابہ (یعنی ان کے باہمی جھگڑوں) میں صحیح اور عادلانہ موقف پر قائم رہا ہے تو وہ اہل سُنّت والجماعت ہیں کیونکہ یہ ہر ہر صحابیؓ کو واجب الاحترام مانتے ہیں۔

• کسی صحابی نے بھی نفسانیّت، ذاتی اور دنیوی مفاد کے لیے جھگڑا نہیں کیا کیونکہ رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیضِ صحبت سے اُن کے نُفُوس پاک ہوچکے تھے اور اُن کو اخلاصِ نیّت کا اعلیٰ مقام نصیب ہوا تھا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خُلوصِ نیّت کے بارے میں شہادت دی ہے:۔ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔ (سورۃ الفتح):۔ "حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت اور سنگت میں رہنے والے اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں" دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ۔ :۔ "وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے طالب ہیں" تو اللہ تعالیٰ کی اس شہادت کے بعد کسی مومن کو اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نیّت کی صفائی میں کیا شک ہوسکتا ہے۔ لیکن باوجود خلوصِ نیّت کے رائے اور طریق کار میں غلطی ہوسکتی ہے، اس لیے اہلِ سُنّت کا اس بارے میں یہ موقف ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے اس معاملہ میں خطا ہوگئی تھی۔ لیکن اس کا منشار چونکہ نفسانیت نہیں اس لیے اس کو اجتہادی خطا کہا جائے گا۔

صحابہ کے جھگڑوں میں امام غزالیؒ کی تحقیق

چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔ (ا) ان افضل الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم وان یُحسن الظن بجمیع الصحابۃ ویثنی علیہم کما اَثنی اللہ عزّوجلّ ورسولہٗ صلی اللہ علیہ وسلم الخ :۔ "بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام امت سے افضل حضرت ابوبکرؓ ہیں پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ رضی اللہ عنہم اور تمام صحابہ سے اچھا گمان رکھے اور ان کی تعریف کرے جس طرح ان کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی ہے۔" (ب) وما جری بین معاویۃ وعلی رضی اللہ عنہما کان مبنیاً علی الاجتہاد لا منازعۃ من معاویۃ فی الامامۃ اذظن علیٌّ رضی اللہ عنہ ان تسلیم قتلۃ عثمان مع کثرۃ عشائرھم واختلاطھم فی العسکر یؤدّی الی اضطراب امر الامامۃ فی بدایتھا فرأی التاخیر اصوب وظن معاویۃ ان تاخیر امرھم مع عظم جنایتھم یوجب الاغراء بالائمۃ ویعرّض الدماء للسفک وقد قال افاضل العلماء کل مجتہد مصیب وقال قائلون المصیب واحدٌ۔ ولم یذھب الی تخطئۃ علیٍّ ذو تحصیلٍ اصلاً۔ (احیاء العلوم جلد اوّل صـ۸۳-۱۰۲)

:۔" اور جو کچھ حضرت معاویہؓ اور حضرت علی کے درمیان اختلاف ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا۔ حضرت معاویہ کی طرف سے حضرت علی کی امامت (خلافت) میں کوئی نزاع نہ تھا۔ حضرت علیؓ کا خیال یہ تھا کہ چونکہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کی کثرت ہے اور وہ لشکر میں ملے جلے ہوئے ہیں اس لیے اُن سے قصاص لینا ابتدار ہی سے خلافت کے کام میں اضطراب کا باعث ہوجائے گا۔ اس لیے آپ نے تاخیر کرنے کو زیادہ صحیح سمجھا اور حضرت معاویہ کا خیال یہ تھا کہ قاتلین کے بارے میں تاخیر کرنا باوجود اس کے کہ ان کا جرم عظیم ہے خلفار کے سامنے بغاوت کا موجب اور خونریزی کا سبب بن جائیگا، اور اکابر علمار نے فرمایا ہے کہ ہر مجتہد کا اجتہاد صحیح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اجتہاد کرنے والوں میں صرف ایک کا قول صحیح ہوتا ہے اور کوئی اہل تحقیق اس طرف نہیں گیا کہ حضرت علی اس

بارے میں خطا پر تھے۔"

حضرت مجدد الفِ ثانی کا ارشاد

امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ :- دراں مشاجرات و محاربات کہ در خلافت امیر واقع شدہ بود حق بجانب حضرت امیر بودہ است رضی اللہ تعالیٰ عنہ و مخالفان او مخطی بودند بخطائے اجتہادی کہ مجال ملامت و طعن ندارد و تفسیق خود چہ گنجائش دارد کہ صحابہ ہمہ عدول اند و مرویات ہمہ مقبول و مرویات موافقانِ امیر و مخالفین امیر ہردو در صدق و وثوق برابر اند و علّتِ مشاجرۃ و محاربتہ جرح احدی نہ شدہ است۔ پس ہمہ را دوست باید داشت کہ دوستی ایشاں بدوستی پیغمبر است علیہ و علیہم الصّلوات والتسلیمات کہ فرمودہ مَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ و از بغض و دشمنی ایشاں اجتناب باید نمود کہ بغض ایشاں بغض آں سرور است علیہ و علیہم الصّلوٰۃ و التحیات کہ فرمودہ مَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ در تعظیم و توقیر آں بزرگواراں تعظیم و توقیر آں خیر البشر است و علیہ و علیٰ آلہ الصّلوٰۃ و السّلام الخ (مکتوبات جلد ثالث ص۳۰) :- "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں جو جھگڑے اور لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں حق حضرت امیر (علی المرتضیٰ) کی طرف تھا اور آپ کے مخالف خطا کرنے والے تھے مگر یہ ان کی اجتہادی خطا تھی کہ جس میں طعن و ملامت کی مجال نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ ان کی طرف فسق کی نسبت کی جائے کیونکہ صحابہ سب عادل ہیں اور ان کی روایات تمام مقبول ہیں اور صدق و ثقاہت میں حضرت علی کے موافقین و مخالفین کی روایات برابر ہیں اور باہمی جنگ وجدل کی وجہ سے وہ مجروح نہیں ہوسکتے۔ پس سب کو دوست رکھنا چاہیئے کہ ان کی دوستی پیغمبر خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دوستی کی وجہ سے ہے کیونکہ حضور نے خود فرمایا ہے جس نے میرے صحابہ کے ساتھ محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے کی، اور ان کے بغض و عناد سے بچنا چاہیے کیونکہ ان سے بغض رکھنا خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے بغض رکھنا ہے۔ خود حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے میرے صحابہ کے ساتھ بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ ان حضرات صحابہ کی تعظیم و عزت دراصل حضور خیر البشر صلّی اللہ علیہ وسلّم کی توقیر و عزت ہے"۔ یہ ہے اکابر اہل سنّت والجماعت کا صحیح اور معتدل موقف جس میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تمام صحابہ کرام کی عظمت دینی محفوظ رہتی ہے۔ لیکن اس موقف حق سے اگر کوئی شخص اپنے

وہم و گمان کی بنا پر ہٹ جائے تو پھر وہ افراط و تفریط سے بچ نہیں سکتا۔ خوارج اور روافض کی بنیاد یہی افراط و تفریط ہی ہے۔

حضرت علیؓ پر تنقیدِ مودودی

اس دور کے ایک اور فلسفی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعتِ اسلامی چونکہ اپنی عقل ناقص سے شرعی اصول و عقائد کو حل کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کی بھی خوب تنقیص کی اور بالخصوص حضرت امیر معاویہؓ کی تو صریح توہین کے مرتکب ہوئے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضرت علی المرتضیٰ کی پوزیشن کی بھی پورے طور پر صفائی نہ کر سکے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ :۔ حضرت علیؓ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفۂ راشد کے شایانِ شان تھا۔ البتہ ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ کہ جنگِ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا جنگِ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے۔ بادلِ ناخواستہ ان کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے ...... پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو ان کے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان ہوئی اس میں حضرت طلحہؓ نے ان پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمانؓ کے ذمہ دار ہیں اور انہوں نے جواب میں فرمایا لعن اللہ قتلۃ عثمان :۔ (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت) لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ اُن کے ہاں تقرب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری تک دے دیے۔ درانحالیکہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں[1] کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ حضرت علیؓ کے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے، جس کو غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں۔!!! (خلافت و ملوکیت ص ۱۳۶) لیکن اگر حضرت علی المرتضیٰ کے ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفۂ برحق ہونے کے مقام کو

---

[1] حضرت محمد بن ابی بکر نے اگرچہ پہلے مخالفت حضرت عثمانؓ میں حصہ لیا تھا۔ لیکن وہ قتل عثمان سے بری ہیں اور بعد میں انہوں نے توبہ و ندامت کا بھی اظہار کیا جیسا کہ البدایہ کے حوالہ سے یہ بات پہلے ثابت کی جا چکی ہے۔ ۱۲

ملحوظ نہ رکھا جائے اور جس ذہنیت کے تحت روافض حضرت امیر معاویہؓ اور فاتح مصر حضرت عمرو ابن العاص وغیرہ صحابہ کرام کو طعن و ملامت کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُسی کے تحت حضرت علی المرتضیٰ پر تنقید کی جائے تو جس امر کو مودودی صاحب نے صرف ایک غلط کام قرار دیا ہے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ کی شخصیت کو مجروح کرنے کا بہت بڑا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کے نزدیک قاتلانِ عثمانؓ ملعون و مردود ہیں جیسا کہ آپ نے حضرت طلحہ سے فرمایا ہے تو پھر بجائے اس کے کہ حسبِ وعدہ خلیفۂ برحق حضرت عثمان ذُو النّورَین کے قاتلوں سے قصاص لیں اور اُن کی قوّت و شوکت کو توڑنے کی کوشش کریں۔ اُن کو گورنری جیسے بڑے بڑے مَناصبِ مُلکی عطا فرمارہے ہیں، یہ کیا پالیسی ہے ؟ ۔ اس سے تو بظاہر اس شبہ کو تقویّت پہنچتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں آپ کا بھی ہاتھ تھا، اور اسی طرح کے وجوہات کی بنا پر خوارج حضرت علیؓ کے بدترین مخالف بن گئے تھے اور آج بھی اس ذہن کے لوگ موجود ہیں۔ لہٰذا مسلکِ اہلِ سُنّت والجماعت کے مطابق یہی کہا جائے گا کہ اصحابِ رسول اور خلفائے رسول صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم تسلیم کر لینے کے بعد اُن کے کام کی ظاہری سطح کے پیشِ نظر بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ جو کچھ انہوں نے کیا دین کے لیے کیا اور رضائے الٰہی کے حُصول کے لیے کیا۔ سوائے اجتہادی خطا کے اُن کی طرف کسی امر کو منسوب کرنا اپنے ایمان کی بربادی کا موجب بن سکتا ہے۔ کیونکہ ان سب صحابہ پر اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ۔ ؛

شیعی موقف

شیعی موقف کے تحت تو حضرت علی المرتضیٰ کی کوئی عظمت باقی ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ بقول اُن کے اگر آپ امام معصوم اور خلیفہ بلافصل تھے اور منجانب اللہ اُن کی خلافت منصوص ہو چکی تھی ۔ تو پھر خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے جنگ کیوں نہیں کی اور ان کی خلافت کو ۲۴ سال تک کیوں قبول کیا، اور اُن ہی کی اقتداء میں کیوں نمازیں پڑھتے رہے۔ مذہب شیعہ کی موجودہ اذان و نماز پر بھی عمل نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ اپنے دَورِ خلافت میں بھی انہی حضرات خلفائے ثلاثہ کے نظام کی پیروی کی، اور شیعہ مذہب کو نافذ نہ کر سکے لیکن دوسرے پہلو سے اپنی ماں اور تمام اُمتِ مُسلمہ کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ سے جنگ کرنے سے بھی،

اجتناب نہ کیا اور حضرت امیر معاویہؓ سے بھی مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے۔ اگر آپ نے خلفائے ثلاثہ کے زمانہ میں تقیہ کیا تھا اور اس سے آپ کی عظمتِ شان میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، اور دین اسلام کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا تو امّ المومنین اور امیر معاویہؓ کے بارے میں بھی تقیہ جیسی عبادت پر ہی عمل فرماتے تو اس قدر شدید خونریزی سے اُمّت بچ جاتی۔

ذکرِ امام حسینؓ کی نوعیت

باوجود اختصار کی کوشش کے یہ بحث طویل ہو گئی ہے۔ بہرحال اگر امام غزالی وغیرہ علماء صرف یہ فرماتے کہ امام حسینؓ کی شہادت کا ذکر نہ کرو، تو ایک وجہ اہلِ تشیع کے لیے اعتراض کی بن سکتی تھی۔ لیکن اگر انہوں نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ صحابہ کرام کی باہمی جنگوں کا بھی عوام کے سامنے ذکر نہیں کرنا چاہیئے، تو اس کا مبنیٰ حضرت حُسینؓ کی عدمِ محبّت نہیں ہے بلکہ اس میں یہ قوی اندیشہ ہے کہ حقیقتِ حال کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے عوام بعض صحابہ سے بدظن ہو جائیں گے۔ خواہ وہ بدظنی حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق ہی پیدا ہو جائے، جیسا کہ خوارج کو پیدا ہوئی یا حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت امیر معاویہؓ سے بدظن ہو جائیں جیسا کہ روافض کے دلوں میں ان حضرات سے بغض و عناد پیدا ہو گیا۔ یہ وجہ بھی ہے کہ کسی اللہ کے مقبول و محبوب بندے کا ذکرِ خیر دہی صحیح اور جائز ہے جو حُدُودِ شریعت سے متجاوز نہ ہو، اور اگر خلافِ شرع اُمور اس کے ساتھ شامل ہو جائیں تو ذکرِ حُسینؓ تو کیا خود اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ممنوع ہو جاتا ہے مثلاً نماز بھی ذکر اللہ کی ایک جامع اور اعلیٰ صورت ہی ہے۔ لیکن نماز میں اگر شرعی حُدُود سے تجاوز کیا جائے تو وہ نماز عبادت کی بجائے گناہ بن جائے گی۔ اسی طرح ہر عملِ صالح کا حکم ہے۔ اگر حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صحیح فضائل بیان کئے جائیں اور مقصدِ شہادت کے پیشِ نظر آپ کی شہادت کا صحیح تذکرہ کیا جائے، اور کسی دن کے تعین کو ضروری نہ سمجھا جائے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن عموماً تذکرہ حُسینؓ میں جھوٹی اور موضوع روایات بیان کی جاتی ہیں اور اہلِ تشیع نے تو شہادتِ حُسینؓ کو اس طرح افسانوی طرز پر اختراع کیا ہے، کہ داستانِ الف لیلیٰ کا گمان ہوتا ہے۔ پیشہ ور ذاکرین جو بہ نمونہ [illegible] راوی کی نسبت سے بیان کرتے ہیں کہ راوی یہ کہتا ہے، راوی کا یہ بیان ہے تو

واقعۂ کربلا کا مشاہدہ کرنے والے کتنے راوی حضرات ہیں ظاہر ہے کہ مردوں میں سے تو سوائے امام زین العابدین کے خاندانِ نبوّت میں سے سب شہید ہو گئے تھے، اور امام موصوف بھی سخت بیمار تھے اور بالکل نو عمر تھے کہ آپ کے بالغ وناباؔلغ ہونے میں بھی شک ہوتا تھا۔ مستورات خود پردوں اور خیموں میں تھیں۔ تو روایات میں جو جنگِ کربلا کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں، اُن کا راوی کون ہے؟ اگر ان کا راوی کوئی ہو سکتا ہے تو وہ دشمنان و قاتلانِ حُسین ہی کا گروہ ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا ایسے راویوں پر اعتماد ہو سکتا ہے؟ ہم اہلِ سُنّت اگر حضرت حُسینؓ کو مجاہدِ حق اور شہید مانتے ہیں تو احادیثِ صحیحہ کی بنا پر مانتے ہیں نہ کہ جنگِ کربلا کی من گھڑت اور جھوٹی روایات کی بنا پر۔

ابو مخنف راوی شیعہ ہے!

حافظ ابن کثیر محدّث رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۷۷۴ھ) مقتلِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کے متعلق فرماتے ہیں:-

وللشیعۃ والرافضۃ فی صفۃ مصرع الحسین کذب کثیر واخبارٌ باطلۃ وفیما ذکرنا کفایۃ۔ وفی بعض ما اوردناہ نظر۔ ولولا ان ابن جریر وغیرہ من الحفاظ والائمۃ ذکروہ ماسقتہ واکثرہ من روایۃ ابی مخنف لوط بن یحیی وقد کان شیعیًا وھو ضعیف الحدیث عند الائمۃ الخ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۰۲)

:- "اور قتلِ حسین کے متعلق شیعوں نے اور رافضیوں نے بہت سی جھوٹی اور باطل خبریں بنائی ہیں اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ کافی ہے، اور جو ہم نے درج کی ہیں ان میں بھی بعض محلِّ نظر ہیں اور اگر ابن جریر وغیرہ حُفّاظ و ائمہ اُن کو نہ ذکر کرتے تو میں بھی اُن کو نہ درج کرتا، اور اُن میں اکثر روایتیں ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی ہیں۔ اور تحقیق وہ شیعہ تھا اور ائمۂ حدیث کے نزدیک وہ ضعیف ہے الخ"۔ علاوہ ازیں شیعہ مذہب کی مستند کتاب "رجال تنقیح المقال" میں بھی لکھا ہے کہ:- کان شیعیًا امامیًا یعنی ابو مخنف راوی شیعہ امامیہ تھا۔

لے تاریخ ... ص ... دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت زین العابدین شادی شدہ تھے اور آپ کے فرزند امام محمد باقر اس وقت تین چار سال کی عمر کے تھے۔ چنانچہ جلاء العیون جلد دوم میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۵۷ھ میں مدینہ منوّرہ میں ہوئی تھی۔ ص ۳۲۲ مطبوعہ لاہور)

تاریخ طبری کی حیثیت

تاریخ طبری بہت مشہور ہے۔ اس کے مؤلف علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) ہیں اور تفسیر ابن جریر بھی انہی کی تصنیف ہے۔ لیکن اُن کی تاریخ میں تحریف ہو چکی ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی مکائدِ روافض کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ "اور ایک طرح پر مؤرخین اہل سُنت کو فریب دیتے ہیں مثلاً ایک کتاب تاریخ میں لکھیں۔ اس کتاب میں تواریخ معتبرہ اہل سُنت سے نقل کریں اور ذرا خیانت نقل میں نہ کریں لیکن جب نوبت ذکر صحابہ اور ان کے جھگڑوں کی پہنچے تو بعض قدحیات یعنی بری مذمت کی باتیں کتاب محمد بن جریر طبری[1] شیعہ سے جو ذمِ صحابہ میں تصنیف کر رکھی ہے اور اس کتاب سے جو امامت میں لکھی ہے اور ایضاح المسترشد نام رکھا ہے۔ اس میں سے نقل کریں لیکن نام کتاب منقول عنہ کا صریح نہ لیں۔ پس یہاں دیکھنے والا غلطی میں پڑجاتا ہے کہ شاید کتاب محمد ابن جریر طبری شافعی سے ہے کہ تاریخ کبیر کرکے مشہور ہے اور واضح التواریخ ہے پھر مؤرخ نقل در نقل کرتے ہیں اور معتبر سمجھتے ہیں اور نیز بہیر و اس نقل کے ورطۂ گمراہی میں گرفتار ہوتے ہیں اور یہ کتاب تاریخ کبیر نہایت عزیز الوجود اور کمیاب ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جن کو پورا نسخہ ان کا میسر ہوا ہو اور یہ جو لوگوں کے پاس ہے مختصر اس کا ہے کہ اس میں سمساطی الشیعی کی تحریف بہت ہوئی ہے۔

انشاء اللہ! اس کا حال قریب آتا ہے اور ترجمہ کرنے والے اس مختصر کے بھی شیعہ گذرے ہیں۔ پس تحریف در تحریف اس میں ہو گئی" (تحفہ اثناء عشریہ صنا)۔

---

[1] مولوی محمد حسین صاحب شیعی علامہ نے بھی ایک ابن جریر طبری کا شیعہ ہونا تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ ابوجعفر محمد ابن جریر بن رستم الطبری الآملی کے متعلق لکھتے ہیں: علمائے امامیہ میں سے جلیل القدر عالم و متکلم تھے۔ اکثر کم علم لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے اور وہ محمد ابن جریر طبری صاحب تاریخ طبری و تفسیر ابن جریر کو یہی ابوجعفر بن رستم آملی سمجھ بیٹھتے ہیں..... جناب ابوجعفر (یعنی شیعہ) کی مسئلہ امامت پر مشہور تصنیف "المسترشد فی الامامۃ" ہے جو حال ہی میں نجف اشرف میں طبع ہوئی ہے۔ (احسن الفوائد ص۱۴۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تاریخ طبری کے جو نسخے آج کل پائے جاتے ہیں اور جو طبری مترجم شائع ہو رہی ہے، وہ قابلِ اعتماد نہیں ہے۔ بہر حال تاریخی افسانوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ہمارا ایمان وعقیدہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسب ارشاد نبوی جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اس لیے ایسی عظیم دینی شخصیت کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے نعوذ باللہ محض ذاتی اور دنیوی اقتدار کی خاطر یزید کے اقتدار کو چیلنج کیا تھا (جیسا کہ خوارج کا نظریہ ہے) اور جس راہ کو آپ نے حق سمجھا اس پر ثابت قدم رہ کر اپنی اور اپنے اعزہ کی جانیں بخوشی قربان کر دیں اور جنت کے مکیں بن گئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن　　　خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ذکر امام حسین رضؓ کے متعلق حضرت گنگوہیؒ کا فتویٰ

مصنف "فلاح الکونین" نے دیوبندی علماء کے مقتدا حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ "محرم میں ذکر حسینؓ کرنا اگرچہ بروایاتِ صحیحہ ہو روافض کی وجہ سے حرام ہے" (فتاوی رشیدیہ جلد ۳ ص۱۱۳)

الجواب

(الف) جو فتویٰ آپ نے نقل کیا ہے اس کی پوری عبارت حسب ذیل ہے: "محرم میں ذکرِ شہادتِ حسنینؓ کرنا اگرچہ بروایاتِ صحیحہ ہو، سبیل لگانا، شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں" (فتاوی رشیدیہ کامل مبوّب ص۱۵۶) (ب) سوال: غم کرنا امام حسینؓ کا شہادت کا جائز ہے یا نہیں؟ جواب: غم اس وقت تھا جب آپ شہید ہوئے۔ تمام عمر غم کرنا کسی کے واسطے شرع میں حلال نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رشیدیہ ص۱۵۶) (ج) غم کی مجلس تو کسی واسطے درست نہیں کہ حکم صبر کا اور غم کے رفع کرنے کا ہے۔ تعزیہ اور تسلیہ اسی لیے کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف غم پیدا کرنا خود معصیت ہوگا اور شہادتِ حسینؓ کا ذکر مجمع کر کے سوائے اس کے کہ مشابہت روافض کی بھی ہے اور تشبہ ان کا حرام ہے۔ لہٰذا عقد مجلس غم کسی کا درست نہیں۔ واللہ اعلم (فتاوی رشیدیہ ص۱۰۵) مندرجہ تینوں حوالوں

سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کا فتویٰ حدودِ شریعت کے تحفظ پر مبنی ہے نہ کہ امام حسین کی عدم محبت پر، کیونکہ جو طبعی غم کسی بزرگ کی موت یا قتل پر لاحق ہوتا ہے وہ آپ نے تسلیم کرلیا ہے کہ :- "غم اس وقت تھا جب آپ شہید ہوئے" لیکن اس غم کو دائمی غم رکھنا اور بڑھانا چونکہ شرعاً ممنوع ہے کیونکہ مصیبت زدہ کو صبر اور تسلی دلانے کا حکم شریعت نے دیا ہے جس کو تعزیت کہتے ہیں نہ کہ غم بڑھانے کا۔ لیکن برعکس اس کے ماتمی لوگ جو امام حسین کی مجالس منعقد کرتے ہیں، وہ غم کے اظہار اور اُس کی ترویج و اشاعت کے لیے کرتے ہیں۔ لہٰذا اس مقصد کے لیے مجلس حُسین کا انعقاد ہی شرعاً ممنوع ہے، خواہ اس میں شہادتِ حُسینؓ کے صحیح واقعات ہی بیان کیے جائیں تو اس ممانعت کا مبنیٰ ذکرِ حُسین نہیں بلکہ مجلس غم کا انعقاد ہے، اور نہ صرف امام حسینؓ بلکہ کسی بزرگ و شہید کا ذکر بطور غم منانے کے جائز نہیں، اور یہی مسئلہ اس کتاب میں بھی زیر بحث ہے کیونکہ آج تک مصنف "فلاح الکونین" یہ نہیں ثابت کر سکے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جن اعزّہ اور شُہداء کی وفات سے وقتی تاثر میں گریہ فرمایا۔ پھر سال بسال اس کے لیے مجلسِ گریہ بکاء منعقد فرمائی۔

مولانا امجد علی صاحب بریلوی کا فتویٰ

اِسی بنار پر مولانا امجد علی صاحب رضوی (بریلوی) نے فرمایا ہے کہ :- تعزیت کیلئے عورتیں رشتہ دار جمع ہوتی ہیں اور روتی پیٹتی اور نوحہ کرتی ہیں۔ انہیں کھانا نہ دیا جائے کہ گناہ پر مدد دینا ہے۔ (بہارِ شریعت جلد ۴ صـ۱۶۹) اور اسی وجہ سے مولانا گنگوہیؒ موصوف نے فرمایا ہے کہ ایسی خلافِ شرع غم کی مجالس کے لیے چندہ جمع کرنا، سبیل لگانا اور شربت پلانا بھی منع ہے کیونکہ یہ بھی اُن کو گناہ پر مدد دینا ہے۔

مجالسِ غم میں شربت و چائے

اور یہ بھی عجیب و غریب غم ہے کہ سردیوں میں چائے کے دَور چلتے ہیں، اور گرمیوں میں ماتمی لوگ خوب ٹھنڈے شربت اور سوڈا واٹر کی مزیدار بوتلیں نوش فرماتے ہیں، اور مجالس میں بیان یہ کرتے ہیں کہ ان دنوں میں امام حسین اور آپ کے بچوں پر یزیدیوں نے پانی بند کردیا تھا، اور انہوں نے سخت پیاس کی حالت میں جامِ شہادت

نوش کیا۔ لیکن یہاں محبّت کی گنگا اُلٹی بہتی ہے، ماتمیوں سے یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اگر انہوں نے غم و اندوہ کا اظہار کرنا ہی ہے خواہ مصنوعی ہی سہی تو بہ تکلف ان ایام غم میں تو بھوکے پیاسے رہ کر ان شہداً کا نمونہ بنالو۔ کیا مصنّف "فلاح الکونین" اپنی جان کو ایسا دُکھ دینے کے لیے تیار ہیں؟ جوشؔ ملیح آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

عشرۂ ماہِ محرّم عید ہے تیرے لیے
مشقِ گریہ عیش کی تمہید ہے تیرے لیے

مولانا احمد رضا خانصاحب کا فتویٰ

بریلوی علماء کے پیشوا مولانا موصوف فرماتے ہیں :- (مسئلہ) محرّم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں ؟ (الجواب) ناجائز ہے کہ وہ مناہی و منکرات سے مملو ہوتے ہیں" واللہ تعالیٰ اعلم (عرفان شریعت ص۱۵) ۔

فتویٰ امام غزالی کی تائید

اور ایک سوال کے جواب میں مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی موصوف تحریر فرماتے ہیں :- شہادت نامے نثر ہوں یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایاتِ باطلہ و بے سروپا سے مملو اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں ایسے بیان کا پڑھنا سننا..... خواہ کہیں ہو مطلقاً حرام و ناجائز ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متضمن ہو جن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہو تو پھر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے۔ ایسے وجوہ پر نظر فرماکر امام غزالی.... وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا ہے کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے.... یونہی جبکہ اس سے مقصود غم پروری و تصنع حُزن ہو تو یہ نیّت بھی شرعًا نامحمود۔ شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غم معدوم کو بہ تکلف و زور لانا نہ کہ بہ تصنع بنانا۔ نہ کہ اسے باعث قربت و ثواب ٹھیرانا، یہ سب بدعاتِ شنیعہ روافض ہیں..... مجلس خوانی اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیحہ بروجہ صحیح پڑھیں تاہم جو ان کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکر شہادت پڑھنے سے اُن کا مطلب بھی بہ تصنع رونا، بہ تکلف رُلانا اور اس رونے رُلانے سے رنگ جمانا ہے اس کی شناعت (برائی) میں کیا شبہ ہے الخ (رسالہ تعزیہ داری ص۷)۔ یہاں مولانا موصوف نے صراحتًا امام

غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کردی ہے۔ علاوہ ازیں جو کچھ مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نے مختصراً لکھا ہے وہی مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس مسئلہ میں مفصل لکھ دیا ہے۔ اب مصنف صاحب "فلاح الکونین" پر سکتہ طاری ہو جائے گا کہ مقصد تو دیوبندی علماء کو ذکرِ حسین کا مخالف ثابت کرنا تھا۔ لیکن بریلوی حضرات کے فتویٰ نے تو کمر ہی توڑ دی ہے

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ؛ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے!

لعنِ یزید کا مسئلہ

ماتمِ حسین کے سلسلہ میں مصنف "فلاح الکونین" نے لعنِ یزید کا مسئلہ چھیڑ کر اہلِ سنت کو مطعون کرنے کی ناکام کوشش کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ :- "امام ابن صلاح ، اکابر ائمہ اور محدثینِ اہلِ سنت فرماتے ہیں ، اماسب یزید ولعنہ لیس شأن المومنین وان صح انہ قتلہ او امر بقتلہ۔ (یزید پر سب اور لعنت کرنا مومنین کی شان نہیں اگرچہ یہ بھی صحیح ہو کہ یزید خود قاتلِ حسین ہو یا قتل کا حکم دینے والا ہو" ذرا گریبان میں مُنہ ڈالیں ، اور سوچیں جن کے اکابر ائمہ اور محدثین کے یہ فتوے ہوں کیا وہ حسینؓ کی محبت اور حسینؓ کا حق پہچاننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کے دل میں اسلام اور انصاف کی کچھ بھی روشنی ہے تو آپ یقیناً تسلیم کریں گے کہ اس کا ۔۔نیت نہیں بلکہ یہ عین عداوتِ حسین ہے" (فلاح الکونین ص۶۶)

الجواب

(۱) اگر آپ کا یہ ماتمی اُصول صحیح ہے کہ محبوب کے دشمن پر ضرور لعنت کرنی چاہیئے اور جو ایسے دشمن پر لعنت نہ کرے وہ محبوب کا محب نہیں بلکہ دشمن ہے۔ تو فرمائیے ! (الف) حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا دشمن فرعون تھا اور حضرت ابراہیم خلیل کا دشمن نمرود جس نے آپ کو آگ میں ڈالا تھا۔ تو کیا آپ نے اور دیگر ماتمیوں نے فرعون اور نمرود جیسے اعداءِ انبیاء پر لعنت کی ہے جس طرح یزید پر لعنت کرتے ہیں۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر آپ بھی حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دشمن ثابت ہوئے ! (ب) سرورِ کائنات ، محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سگا چچا ابولہب بھی دشمن تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی بڑی اذیتیں پہنچائیں اور سورۃ لہب میں اللہ تعالیٰ نے اُس کے جہنمی ہونے کا اعلان کیا ہے ، اور ابوجہل بھی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کا بدترین دشمن تھا۔ جس کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس اُمّت کا فرعون فرمایا ہے تو کیا آپ نے یزید کی طرح کبھی ابوجہل پر لعنتیں ڈالی ہیں۔ اگر نہیں تو پھر آپ بھی رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دشمن ثابت ہوئے۔ عبرت ! عبرت ! عبرت ! ٭

(۲) لعنت کی گردان کوئی شرعی وظیفہ نہیں ہے جس کو محبّت وعداوت کا معیار قرار دیا جائے، اور لعنت کا لُغوی معنی طردِ رحمت ہے اور اللہ کی لعنت کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو اپنی رحمت سے دُور کر دیا۔ ابلیس بھی راندۂ درگاہ ہے اور ملعون لیکن کیا آپ نے کبھی ابلیس کے خلاف بھی لعنت کا وظیفہ پڑھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا اس کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح ہوگا کہ آپ ابلیس کے مُحبّ ہیں؟ اور حضرت آدمؑ بلکہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں؟ آخر کسی اُصُول پر بات ہونی چاہیئے! کیا حضرت آدم علیہ السّلام کی اولاد میں صرف یزید ہی ملعون ہے اور کوئی نہیں؟ -

(۳) اہلِ سُنّت کی احادیث میں ہے کوئی مومن لَعّان نہیں ہوتا چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :- قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم المؤمن لیس بِلعانٍ :- (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ مومن لعّان (یعنی زیادہ لعنتیں ڈالنے والا) نہیں ہوتا، اور یہی مطلب ہے ان الفاظ کا جو آپ نے امام ابن صلاح وغیرہ ائمہ کے حوالہ سے لکھے ہیں :" یزید پر سبّ اور لعنت کرنا مومنین کی شان نہیں" تو ان ائمہ اہلِ سُنّت نے یہ ایک ضابطہ سمجھایا ہے کیونکہ اگر یزید پر لعنت کرنا ایمان کی نشانی ہو تو جن کا قطعی کفر قرآن سے ثابت ہے مثلاً شیطان، فرعون، ابولہب وغیرہ تو ان پر بھی مومنین کے لیے لعنت کا وِرد وظیفہ ہونا چاہیئے اور جو ان کُفّار پر لعنت کا وظیفہ نہ پڑھے اُس کو مومن نہیں سمجھنا چاہیئے ۔

(۴) مسئلہ لعن کے متعلق امام غزالی فرماتے ہیں کہ :- وَاللّعن عبارۃ عن الطرد والابعاد من اللہ تعالیٰ وذٰلک غیر جائزٍ الّا علی من اتّصف بصفۃٍ تُبعدہ مِنَ اللہِ عزّوجلّ وھو الکفر والظلم بان یقول لعنۃ اللہ علی الظالمین والکافرین ... والصفات المقتضیۃ لِلّعنِ ثلٰثۃ الکفر والبدعۃ والفسق۔ (احیاء العلوم جلد سوم) :-" (اور لعنت کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ سے دور کرنا اور ہٹانا، اور یہ جائز نہیں ہے مگر اس شخص پر جس میں کوئی ایسی (بُری) صفت پائی جائے جو اس کو اللہ تعالیٰ سے دُور کردے اور وہ کفر اور ظلم ہے۔ بایں طور کہ کوئی

کہے کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں اور کافروں پر ..... اور جو صفتیں کسی پر لعنت کا تقاضا کرتی ہیں تین ہیں، کُفر، بدعت اور فسق ") امام غزالی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان تین صفتوں کی وجہ سے ان لوگوں پر لعنت کی بددُعا کر سکتا ہے۔ جن میں یہ صفتیں پائی جائیں مثلاً یہ الفاظ کہ کافروں پر لعنت وغیرہ لیکن اس کا مقصد بھی کوئی لعنت کا وِرْد کرنا نہیں ہے بلکہ ایک جواز کی صورت ہے۔ (ب) اسی بحث میں امام غزالیؒ فرماتے ہیں :۔ الثالثة اللعن للشخص المعين وهذا فيه خطر كقولك زيد لعنه الله وهو كافر او فاسق او مبتدعٌ ۔ والتفصيل فيه ان كل شخص ثبتت لعنته شرعاً فتجوز لعنته كقولك فرعون لعنه الله وابوجهل لعنه الله لانّه قد ثبت ان هؤلآء ماتوا على الكفر وعرف ذلك شرعاً ۔ اما شخص بعينه فی زماننا كقولك زيد لعنه الله وهو يهودی مثلاً فهذا فيه خطر ۔ و على الجملة ففی لعن الاشخاص خطرٌ فليجتنب ولاخطر فی السّكوت عن لعن ابليس مثلاً فضلاً عن غيره ۔ :۔ "تیسری بات کسی شخص معین پر لعنت کرنا ہے اور اس میں خطرہ ہے مثلاً تو یہ کہے کہ زید پر اللہ کی لعنت ہو اور وہ کافر ہے یا فاسق یا بدعتی، اور اس مسئلہ میں تفصیل یہ ہے کہ ہر وہ شخص کہ جس پر شرعاً لعنت ثابت ہوچکی ہو تو اس پر لعنت جائز ہے۔ مثلاً تو کہے کہ فرعون پر اللہ کی لعنت اور ابوجہل پر اللہ کی لعنت کیونکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ یہ (یعنی فرعون اور ابوجہل) کفر پر مرے ہیں اور شرعاً یہ مشہور ہے۔ لیکن ہمارے زمانہ میں کسی شخص معین پر لعنت کرنا مثلاً تو یہ کہے کہ زید پر اللہ کی لعنت اور مثلاً وہ یہودی ہے تو اس میں خطرہ ہے کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مسلمان ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب ہونے کی حالت میں اس کی موت واقع ہو تو پھر اس کے ملعون ہونے پر کس طرح حکم لگایا جاسکتا ہے .... اور اس کے لعنت نہ کرنے میں کوئی خطرہ نہیں ہے اور حاصل کلام یہ ہے کہ اشخاص (معینہ) پر لعن کرنے میں خطرہ ہے۔ اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور اگر ابلیس پر بھی لعنت نہ کرے اور خاموش رہے تو اس میں بھی کوئی خطرہ نہیں ہے چہ جائیکہ ابلیس کے ماسوا کسی پر لعنت نہ کرنے میں خطرہ ہو")۔ ؛ (احیاء العلوم)

فرمائیے! یہ کیسا ہی عدل و تقویٰ پر مبنی نظریہ ہے کہ اس زمانے کے کسی شخص معین پر لعنت نہ کرنی ہی بہتر ہے، اور اس میں کوئی حرج اور خطرہ بھی نہیں ہے۔ اسی بنا پر یزید پر لعنت کرنے میں بھی احتیاط ملحوظ رکھی گئی

ہے۔ چنانچہ اس کے بعد امام غزالیؒ اس کے متعلق فرماتے ہیں :۔ فان قیل ھل یجوز لعن یزید لانہ قاتل الحسین او امر بہ قلنا ھذا لم یثبت اصلاً فلا یجوز ان یقال انہ قتلہ او امر بہ مالم یثبت فضلاً عن اللعنۃ لانہ لا تجوز نسبۃ مسلم الی کبیرۃ من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیاً وقتل ابو لؤلؤ عمرؓ رضی اللہ عنہم فان ذٰلک ثبت متواتراً۔ "پس اگر یہ کہا جائے کہ کیا یزید پر لعنت جائز ہے کیونکہ وہ حضرت حسینؓ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اصلاً ثابت نہیں ہے اس لیے جب تک یہ (قطعی طور پر) ثابت نہ ہو اس کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ وہ آپؓ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، چہ جائیکہ لعنت کی جائے۔ کیونکہ بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو قتل کیا اور اَبُو لُؤلُؤ نے حضرت عمرؓ کو قتل کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہو چکا ہے۔" یہاں یہ ملحوظ رہے کہ گویہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرۃ علی المرتضیٰ کا قاتل ابنِ مُلجم خارجی ہے اور حضرۃ عمرؓ فاروق کا قاتل اَبُو لُؤلُؤ فیروز مجوسی ہے۔ لیکن پھر بھی اہل سُنّت کا یہ معمول نہیں ہے کہ ابنِ مُلجم اور اَبُو لُؤلُؤ پر لعنتیں بھیجتے پھریں کیا اِس کا یہ مطلب ہے کہ اہلِ سُنّت کو حضرۃ فاروق سے یا حضرۃ علی المرتضیٰ سے محبّت نہیں ہے؟ جیسا کہ ماتمی لوگ یزید پر لعنت نہ کرنے سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ نعوذ باللہ اہل سُنّت کو حضرۃ حُسینؓ سے محبّت نہیں ہے۔ (د) اِس کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

فان قیل فھل یجوز ان یقال قاتل الحسین لعنہ اللہ او الآمر بقتلہ لعنہ اللہ قلنا الصواب ان یقال قاتل الحسین ان مات قبل التوبۃ لعنہ اللہ لانہ یحتمل ان یموت بعد التوبۃ فان وحشیاً قاتل حمزۃ عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتلہ وھو کافر ثم تاب عن الکفر والقتل جمیعاً :۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ قاتلِ حسینؓ پر اللہ کی لعنت ہو یا آپ کے قتل کا حکم دینے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے کہ قاتل حسین اگر توبہ سے پہلے مر گیا ہے تو اُس پر اللہ کی لعنت کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ توبہ کے بعد مرا ہو۔ مثلاً وحشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا قاتل ہے اور اُس نے آپ کو کافر ہونے کی حالت میں قتل کیا تھا۔ پھر اُس نے کُفر اور قتل دونوں سے توبہ کر لی تھی۔

فرمائیے! اب تو بات بالکل صاف ہو گئی کہ یہ کہنا جائز ہے کہ اگر امام حُسینؓ کے قاتل نے توبہ نہیں کی تو اس پر لعنت۔ تو امام غزالیؒ کے نزدیک امام حسینؓ کے قاتل کا بغیر توبہ کے مر جانا اُس کے ملعون ہونے

کا ثبوت ہے تو اس سے امام غزالیؒ کی حضرت امام حسینؓ سے دینی محبت ثابت ہوتی ہے یا عداوت؟ اصل مسئلہ تو قاتل حسینؓ کا ہے اور اس کے متعلق امام غزالیؒ نے وضاحت فرمادی ہے۔

مولانا گنگوہیؒ کا ارشاد

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ تکفیر و لعن یزید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :" بعض ائمہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کفِ لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے۔ کیونکہ حسینؓ کے قتل کو حلال جاننا کفر ہے مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا متحقق نہیں، لہذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے مگر فاسق بیشک تھا" (ب) نیز لکھتے ہیں : پس جب تک کسی کا کفر پر مرنا متحقق نہ ہو جائے اس پر لعنت کرنا نہیں چاہیے کہ اپنے اوپر عودِ لعنت کا اندیشہ ہے لہذا یزید کے وہ افعالِ ناشائستہ ہرچند موجب لعن کے ہیں مگر جس کو محقق اخبار سے اور قرائن سے معلوم ہو گیا کہ وہ افعال سے راضی اور خوش تھا، اُن کو مستحسن اور جائز جانتا تھا اور بدوں توبہ کے مر گیا تو وہ لعن کے جواز کے قائل ہیں اور مسئلہ یونہی ہے اور جو علماء اس میں تردّد رکھتے ہیں کہ اوّل میں وہ مومن تھا۔ اس کے بعد ان افعال کا وہ مستحل تھا یا نہ تھا اور ثابت ہوا یا نہ ہوا؟ تحقیق نہیں ہوا۔ پس بدون تحقیق اس امر کے لعن جائز نہیں۔ لہذا وہ فریقِ علماء کا بوجہ حدیث منع لعن مسلم کے لعن سے منع کرتے ہیں اور یہ مسئلہ بھی حق ہے۔ پس جوازِ لعن و عدم لعن کا مدار تاریخ پر ہے اور ہم مقلدین کو احتیاط سکوت میں ہے کیونکہ اگر لعن جائز ہے تو لعن نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لعن نہ فرض ہے نہ واجب، نہ سُنّت نہ مستحب محض مُباح ہے اور جو وہ محل نہیں تو خود مبتلا ہونا معصیت کا اچھا نہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص۳۹) حضرت گنگوہی نے بھی یہاں اہلِ سُنّت کے اُصول پر اس مسئلہ کے دونوں پہلو فرمادیے ہیں کہ جس کے نزدیک جو امر ثابت ہوا اُس کے مطابق اس نے لعن کے جواز یا عدم جواز کا حکم بتایا؛ اور بہر حال لعن نہ کرنے میں ہی احتیاط ہے۔

مولانا بریلوی کا فتویٰ

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی یزید کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں : ۔ (مسئلہ) کیا فرماتے ہیں علمائے اہلِ سُنّت اس مسئلہ میں کہ از روئے فرمان اللہ و رسول! یزید بخشا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(الجواب) یزید پلید کے بارے میں ائمہ اہل سُنّت کے تین قول ہیں امام احمد وغیرہ اکابرات کافر جانتے ہیں تو ہرگز بخشش نہ ہوگی اور امام غزالی وغیرہ مسلمان کہتے ہیں تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہے اور ہمارے امام (یعنی امامِ اعظم ابوحنیفہؒ) سکوت فرماتے ہیں کہ ہم نہ مسلمان کہیں نہ کافر۔ لہٰذا یہاں بھی سکوت کریں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (احکام شریعت حصّہ دوم، مسئلہ نمبر ۱۸)

مولانا امجد علی صاحب بریلوی کا ارشاد

مولانا امجد علی صاحب رضوی فرماتے ہیں "ہاں یزید کو کافر کہنے اور اس پر لعنت کرنے میں علمائے اہل سُنّت کے تین قول ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلک سکوت یعنی ہم اسے فاسق فاجر کہنے کے سوا کافر کہیں نہ مسلمان" (بہار شریعت حصّہ چہارم)

مقامِ امیر معاویہؓ مولانا بریلوی کے قلم سے

یزید کے بارے میں اہل سُنّت کے مندرجہ اقوال پیش کردیئے گئے ہیں لیکن یزید فاسق ہو یا کافر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یزید کے والد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زبان طعن دراز کی جائے۔ چنانچہ بریلوی علماء کے مقتدار وپیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے حضرت معاویہؓ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ...... رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ہر صحابی کی شان اللہ عزّوجلّ بتاتا ہے۔ تو جو کسی صحابی پر طعنہ کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے اور اُن کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ اللہ عزّوجلّ نے اس آیت میں (یعنی وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى :۔ دونوں فریق سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا) اس کا منہ بھی بند فرمادیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا :۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ :۔ "اور اللہ تعالیٰ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کروگے"۔ بایں ہمہ میں تم سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا اس کے بعد جو کوئی بکے اپنا سر کھلائے خود جہنّم جائے۔ علاّمہ شہاب الدّین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں :۔ ومن یکون یطعن فی معاویۃ فذاک من کلاب الھاویۃ :۔ "جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتّوں سے ایک کتّا ہے"۔ (احکامِ شریعت حصّہ

اوّل صہ ۵۵)۔ ؏

امیر معاویہؓ خلیفۂ راشد تھے

کسی نے سوال کیا کہ خلافت راشدہ کس کس کی خلافت تھی تو حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے فرمایا کہ :۔ ابوبکر صدّیق، عمر فاروق، عثمان غنی، مولیٰ علی، امام حسن، امیر معاویہ، عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی خلافت راشدہ تھی اور اب سیّدنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت راشدہ ہوئی۔ الملفوظ ۴/۱۔ (خلفائے راشدین اور امیر معاویہؓ صہ ۲۲، ناشر۔ دار الاشاعت اہل سُنّت ۱۲/۵ بلکی بازار بنارس کینٹ)۔

صحابہؓ کو بُرا کہنے والے کے پیچھے نماز حرام ہے

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدّس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ صحابہ کرام مثل امیر معاویہ وعمرو بن العاص وابوموسیٰ اشعری ومُغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو بُرا کہتے ہیں۔ اُن کے پیچھے نماز بکراہتِ شدیدہ تحریمہ مکروہ ہے۔ کہ انہیں امام بنانا حرام اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں، سب کا پھیرنا واجب۔" احکام شریعت جلد اوّل صہ ۹۱" (ایضاً کتاب خلفائے راشدین اور امیر معاویہ مطبوعہ بنارس)۔

کیا یزید امام حُسینؓ کے قتل پر راضی تھا

یزید امام حُسین کے قتل پر راضی تھا یا نہ ؟ اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ہم یہاں وہ روایات درج کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے حضرت حسین کے قتل پر نہ پسندیدگی کا اظہار کیا چنانچہ (۱) "تاریخ ابن خلدون میں ہے کہ جب زحر بن قیس نے یزید کو فتح کی خبر سنائی تو تو :۔ اس خبر کے سننے سے یزید کی آنکھیں پُر اشک ہوگئیں۔ بولا ! مَیں تم لوگوں سے بغیر قتل حُسین کے بھی راضی ہوجاتا۔ اللہ کی لعنت ابن سمیّہ (یعنی ابن زیاد) پر ہو۔ اللہ کی قسم اگر مَیں اس کی جگہ پر ہوتا تو مَیں حُسین سے درگذر کرجاتا۔ اللہ تعالیٰ حسینؓ پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ یزید یہ کہہ کر خاموش ہوگیا اور زحر کو کچھ صلہ نہ دیا۔" (تاریخ ابن خلدون مترجم صہ ۱۳۴) (۲) جب ان لوگوں نے روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو یزید نے

علی بن حسین (یعنی امام زین العابدین) کو بلا بھیجا اور اُن سے کہا خدا ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ واللہ اگر حسین میرے پاس آتے جس بات کے مجھ سے وہ خواستگار ہوتے، وہی میں کرتا ان کے ہلاک ہونے سے جس طرح بن پڑتا میں بچا لیتا۔ اگرچہ اس میں میری اولاد میں سے کوئی تلف ہو جاتا لیکن خدا کو یہی منظور تھا جو تم نے دیکھا۔ تمہیں جس بات کی ضرورت ہو مجھے خبر کرنا، میرے پاس لکھ کر بھیج دینا۔ پھر یزید نے سب کو کپڑے دیئے اور اس بدرقہ سے ان لوگوں کے باب میں تاکید کردی" (تاریخ طبری مترجم حصہ چہارم ص۲۰۴) (ب) یہ بھی لکھا ہے کہ:۔ اس کے بعد یزید نے کسی کو بھیج کر اہل حرم سے پوچھا کہ کیا کیا چیزیں ان کی لوٹ لی گئیں اور جس بی بی نے جو کچھ بتایا اس کا المضاعف (یعنی دُگنا) یزید نے دیا۔ سکینہ کہا کرتی تھیں میں نے کسی کافر کو یزید سے بڑھ کر اچھا نہیں دیکھا" (ایضاً طبری ص۳۰۶) (۳) مؤرخ ابن خلدون نے بھی لکھا ہے کہ:۔ پھر جس وقت اہل بیت امام مدینہ کی جانب روانہ ہونے لگے تو نعمان ابن بشیر نے یزید کے حکم سے ایک نہایت متدین، با ایمان شخص کو مع چند سواروں کے ہمراہ کر دیا اور بار برداری و اسباب جس قدر لوٹ لیا گیا تھا اس سے دوگنا دے کر رخصت کیا" اور امام زین العابدین سے یہ بھی کہا کہ:۔ اے صاحبزادے! جو تم کو آئندہ ضرورتیں پیش آئیں مجھے لکھنا" پھر محافظین کی طرف متوجہ ہو کر بولا، دیکھو ان لوگوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے

غرض یزید سے امام زین العابدین رخصت ہو کر مع اپنے اہل بیت منزل بمنزل سفر کرتے ہوئے مدینہ پہنچ گئے۔ محافظین اس وجہ سے نہیں کہ یزید کا حکم تھا بلکہ بخیال قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عزت و احترام و آرام سے لائے۔ کسی قسم کی تکلیف اثنائے راہ میں نہ ہونے پائی۔ جہاں پر قیام پذیر ہوتے تھے چوکیداروں کی طرح سے محافظت و نگہبانی کرتے تھے" (تاریخ ابن خلدون حصہ دوم ص۱۳۵ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی) (۴) ان تاریخی کتب کے علاوہ مذہب شیعہ کی مستند کتابوں میں بھی اسی طرح کی روایات مذکور ہیں۔ چنانچہ شیعوں کے رئیس المجتہدین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: بعد ازاں امام زین العابدین کو طلب کر کے بخیال رفع تشنیع کہا کہ ابن مرجانہ پر خدا لعنت کرے۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو امام حسین جو کچھ مجھ سے طلب کرتے میں اُن کو دیتا اور ان کے قتل پر راضی نہ ہوتا۔ آپ ہمیشہ مجھ کو خط لکھا کریں

اور جو حاجت ہو وہ مجھ سے طلب فرمائیں کہ میں بجا لاؤں گا بعد ازاں جس شخص کو ان کی رفاقت و نگہبانی پر مقرر کیا تھا اس کو طلب کر کے حضرت کی رعایت کے بارے میں اس سے بہت کچھ کہتا رہا۔الخ (جلاء العیون جلد دوم ص۲۵۱ مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور) - مندرجہ بالا روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یزید امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر راضی نہ تھا اور اس نے امام زین العابدین وغیرہ خاندانِ نبوت سے حسنِ سلوک کیا - واللہ اعلم ، انہی تاریخی روایات کی بنا پر علمائے اہل سنّت کے ایک گروہ نے یزید کی تکفیر یا اس کے مستحقِ لعن ہونے میں توقف کیا ہے جیسا کہ دیوبندی علماء میں سے مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور بریلوی علماء میں سے مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ کے اقوال قبل ازیں نقل کر دیئے گئے ہیں -

حضرت معاویہؓ کی یزید کو وصیّت

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو جو وصیتیں کی تھیں ان میں یہ بھی فرمایا کہ :-

حسین بن علیؓ ایک سیدھی سادی طبیعت کے آدمی ہیں مگر اہل عراق ان کو خروج کرنے پر ضرور تیار کریں گے پس اگر یہ تم پر خروج کریں اور تم کو ان پر کامیابی حاصل ہو تو درگذر کرنا ، اُن کا بہت بڑا حق ہے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ نواسے ہیں " (تاریخ ابن خلدون مترجم ص۶۵) (۲) اور تاریخ طبری میں بھی یہی وصیّت لکھی ہے :- اور حسینؓ بن علیؓ کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کریں گے ہرگز نہ چھوڑیں گے - اگر تجھ پر خروج کریں اور تو اُن پر قابو پا جائے تو درگذر کرنا ، اُن کو قرابت قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں - (ص۱۶۱) (۳) اور شیعی محدث علامہ باقر مجلسی نے بھی حضرت معاویہ کی اس وصیّت کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :- ولیکن امام حسین پس ان کی نسبت قرابت کا حال رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تجھے معلوم ہے کہ وہ پارۂ تن حضرت رسول کے ہیں اور ان کے گوشت و خون سے پرورش ہوئے ہیں - میں جانتا ہوں کہ بیشک اہل عراق ان کو بلائیں گے اور یاری و نصرت نہ کریں گے بلکہ ان کو تنہا چھوڑ دیں گے - لازم ہے اگر ان پر تو ظفر پائے ، اُن کے حق حرمت کو پہچاننا اور ان کی منزلت و قرابت جو رسول خدا سے ہے اس کو یاد کرنا اور ان کی باتوں پر ان کو مؤاخذہ نہ کرنا اور جو روابط میں نے اس مدّت میں اُن سے محکم کئے ہیں اُن کو

قطع نہ کرنا اور ہرگز ہرگز ان کو کوئی صدمہ و ضرر نہ پہنچانا۔" مؤلف فرماتے ہیں کہ غرض اس کی ان نصیحتوں سے حفظ ملک و بادشاہی یزید تھی۔ اس لیے کہ جانتا تھا کہ بعد شہادت امام حسینؓ سلطنت میں تزلزل ہوگا۔"
(جلاء العیون مترجم ص ۱۲۹-۱۳۰ مطبوعہ انصاف پریس لاہور) گو مؤلف مذکور یعنی علامہ مجلسی نے یہاں بدظنی کی بنا پر اپنا نوٹ لکھ دیا ہے لیکن اس بات کا انکار نہیں کر سکے کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو امام حسینؓ کے بارے میں یہ وصیت کی تھی۔

امام زین العابدین نے یزید کی بیعت کی

اہل سنّت علماء تو دوسری وجوہات کی بنا پر یزید کی تکفیر و لعن میں احتیاط و توقف کرتے ہیں لیکن اہل تشیع کیونکر یزید کو ملعون قرار دے سکتے ہیں۔ جبکہ ان کی مستند کتب حدیث سے ثابت ہے کہ خود حضرت امام زین العابدین نے یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ فروع کافی میں ہے :-

ثم ارسل الی علی بن الحسین علیہما السّلام فقال له مثل مقالة للقرشی فقال له علی بن الحسین علیہما السّلام اُرایت ان لم اقرّلك الیس تقتلنی کما قتلت الرجل بالامس فقال له یزید لعنه الله بلی۔ فقال له علی بن الحسین علیہما السلام قد اقررتُ لك بما سألت انا عبدٌ مُکرَهٌ لك فان شئت فامسك وان شئت فبع فقال له یزید لعنه الله اولی لك حقنت دمك ولم ینقصك ذلك من شرفك۔ (جلد ۳ کتاب الروضہ ۱۱۰) :- "پھر یزید نے امام زین العابدین کے پاس آدمی بھیجا اور اُن کو وہی بات کہی جو ایک قریشی مرد کو کہی تھی۔ تو امام زین العابدین نے اس سے کہا کہ بتاؤ اگر میں تیری (خلافت و بیعت) کا اقرار نہ کروں تو کیا مجھ کو بھی قتل کر دے گا۔ جیسا کہ تو نے کل اس مرد کو کیا ہے تو یزید نے کہا کہ ہاں۔ پس امام زین العابدین نے یزید سے کہا کہ تو جو چاہتا ہے میں تیرے لیے اس کا اقرار کرتا ہوں۔ مَیں تو تیرا مجبور غلام ہوں۔ اگر تو چاہے تو اپنے پاس رکھ اور اگر تو چاہے تو بیچ دے۔ پس آپ کو یزید نے کہا کہ تو نے اچھا کیا اپنا خون بھی بچا لیا اور اس بات نے تیری شان کچھ کم بھی نہیں کی۔" اور شیعوں کے علامہ باقر مجلسی نے بھی لکھا ہے :- " اور کچھ لوگوں کو بھیج کر حضرت علی بن الحسین (امام زین العابدین) کو طلب کیا اور وہی کہا جو اس مرد سے کہا تھا۔ حضرت نے فرمایا اگر مَیں اقرار نہ کروں اس وقت تو مجھے قتل کریگا

جس طرح اس مرد کو قتل کیا۔ یزید نے کہا ہاں! حضرت نے فرمایا جو کچھ تو نے کہا ئیں نے اقرار کیا۔ یزید نے کہا تو نے اپنی جان کی حفاظت کی اور تمہارے شرف و بزرگی سے کچھ کم نہ ہوا۔" مؤلف فرماتے ہیں کہ یزید کا بعد شہادت امام حسین کے مدینہ میں آنا مخالف تواریخ مشہور ہے۔ مگر یہ ہوسکتا ہے کہ راویوں کو اشتباہ ہوا ہو اور مسلم بن عقبہ نے اس ملعون کی طرف سے آکے بیعت لی ہو۔" (جلاء العیون مترجم ص۳۱۶ جلد دوم مطبوعہ لاہور) علامہ باقر مجلسی اس واقعہ بیعت کا انکار نہیں کرسکے صرف اتنی تاویل کی ہے کہ ممکن ہے کہ مسلم بن عقبہ نے یہ بیعت یزید کے لیے لی ہو۔ بہرحال امام زین العابدین کا یزید سے بیعت کرلینا تو ثابت ہوگیا خواہ بالواسطہ ہی ہو۔ یہ بھی عجیب نظریہ ہے کہ جس کی بیعت امام حسینؓ قبول نہ کریں اور اپنے اور اعزہ کی جانیں قربان کردیں اور مستورات کو اس مصیبت میں مبتلا کرنا قبول کرلیں۔ انہیں کے جانشین حضرت زین العابدین جو شیعوں کے نزدیک چوتھے امام معصوم ہیں، جان بچانے کے لیے اسی یزید سے بیعت کرلیں اور اس کو خلیفہ مان لیں جو اہل تشیّع کے نزدیک اتنا ملعون ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس پر لعنتوں کا ورد نہ کرے تو وہ بھی اُن کی نگاہ میں دشمنِ حُسین قرار دیا جاتا ہے۔ کیا یہی وہ امامتِ منصوصہ ہے جو ماتمی گروہ ہر مسلمان سے منوانا چاہتا ہے؟ اگر امام زین العابدین کے تقیّہ کرنے سے اُن کی امامت معصومیّت میں فرق نہیں پڑا تو پھر اگر امام حسینؓ بھی اسی تقیّہ پر عمل کرلیتے تو کیا نقص لازم آتا تھا۔ اعزّہ و احباب کی جانیں بھی بچ جاتیں اور عظمتِ امام میں بھی کچھ فرق نہ پڑتا۔

(ب) جلاء العیون کی مندرجہ روایت کے حاشیہ میں کوثر نیازی بھریلوی صاحب فرماتے ہیں کہ: "یہ روایت بالکل غلط ہے امام زین العابدین کا بھی اپنے والد امام حسینؓ کے بعد وہی مرتبہ اسلام ہے جو امام حسین کا تھا۔ اگر امام زین العابدین یزید کی یا مسلم بن عقبہ کی بیعت کرتے تو امام حسین کیوں سر کٹواتے۔" اس نوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوثر نیازی صاحب یا نیم سُنّی ہیں کہ امام موصوف سے اس قسم کی کمزوری کا صدور تسلیم نہیں کرسکتے اور یا وہ شیعوں کے مسئلہ تقیّہ سے ناواقف ہیں، اور روایت غلط ہونا بھی محض بلادلیل ہے! جب ان کے رئیس المحدّثین علامہ باقر مجلسی اس کو صحیح مان رہے ہیں تو اُن کے مقابلے میں کوثر نیازی صاحب کی تحقیق کی کیا حیثیت ہے اور غالباً کوثر صاحب اصول کافی کے اس آسمانی وصیت نامہ سے بھی ناواقف ہیں کہ

جس میں امام زین العابدین کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقیہ کرنے کا ہی حکم دیا گیا تھا۔ چنانچہ اس طویل وصیت نامہ میں ہے:۔ فلما مضی دفعها الی علی بن الحسین قبل ذلک ففتح الخاتم الرابع فوجد فیها ان اصمت واطرق لما حجب العلم :۔ جب انہوں نے (یعنی امام حسینؓ) شہادت پائی تو وہ وصیت نامہ علی بن حسین (یعنی امام زین العابدین) کو دے دیا۔ انہوں نے چوتھی مہر توڑی، لکھا تھا، چپ رہو اور رضائے الٰہی میں سر جھکائے رہو کیونکہ علم حجاب میں ہے۔" (شافی ترجمہ اصول کافی ص۳۲۱) دوسری روایت میں ہے:" اس میں لکھا تھا کہ سر تسلیم خم کرو۔ خاموشی کے ساتھ اپنے گھر میں بیٹھ کے مرنے دم تک عبادتِ خدا کرو۔" (شافی ص۳۲۲) اس وصیت نامہ پر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل کی گواہی بھی موجود ہے تو جب آپ کو خدائی حکم ہی سرتسلیم خم کرنے کا تھا تو آپ یزید کی بیعت کیوں نہ کرتے؟

امام حسینؓ نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کی

کوثر زیدی صاحب تو امام زین العابدین کی بیعت کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ امامِ کربلا حضرت حسین نے حضرت معاویہؓ سے بیعت کر لی تھی۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے اہم کتابِ رجال (یعنی رجال کشی) میں ہے:۔ سمعت اباعبداللہ علیہ السلام یقول ان معاویہ کتب الی الحسن بن علی صلوات اللہ علیہما ان اقدم انت والحسین واصحاب علیؓ۔ فخرج معهم قیس بن سعد بن عبادۃ الانصاری وقدموا الشام فأذن لهم معاویة واعد لهم الخطباء فقال۔ یاحسن قم فبایع فقام فبایع۔ ثم قال للحسین علیہ السلام قم فبایع فقام فبایع الخ (رجال کشی مطبوعہ کربلا ص۱۰۲) :۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سُنا آپ نے فرمایا کہ معاویہ نے (امام) حسن کی طرف لکھا کہ آپ اور (امام) حسین اور حضرت علی کے اصحاب میرے پاس آجائیں۔ پس ان کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری بھی نکلے اور شام میں آئے تو امیر معاویہ نے اُن کو ملاقات کی اجازت دے دی اور اُن کے لیے خطیب (کلام کرنے کیلئے) مقرر کیے۔ پھر کہا اے حسن! کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے بیعت کریں۔ پس امام حسن کھڑے ہوئے اور آپ نے بیعت کی۔ پھر امیر معاویہؓ نے امام حسینؓ سے فرمایا کہ اے حسین! آپ کھڑے ہوں اور مجھ سے بیعت کریں۔ پس امام حسینؓ کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ سے بیعت کی۔" کیا اب بھی کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے؟

تعجب ہے کہ جنت کے جوانوں کے سردار حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ نے تو باضابطہ حضرت امیر معاویہ کی بیعت کی اور ان کو خلیفۂ اسلام تسلیم کر لیا۔ لیکن شیعہ حضرات اب تک امیر معاویہؓ کو معاف نہیں کرتے اور ان پر لعن طعن کرنا باعث ثواب سمجھتے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر حضرت معاویہؓ ظالم بادشاہ تھے تو حضرات حسنین نے ان کی کیوں بیعت کی ؟ آخر ان حضرات کی کیا پوزیشن باقی رہ جاتی ہے اور اگر خلیفۂ حق تھے تو پھر ان کو لعن طعن کرنا در اصل حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو مطعون کرنا ہے۔ مجبور ہو کر یہاں شیعہ مجتہدین ان حضرات کی بیعت کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن ایسے ائمہ کبار کی طرف اس قسم کے تقیہ کو منسوب کرنا بھی ان کی سخت توہین ہے، اور سوائے مذہب اہل سنت اختیار کرنے کے ان حضرات کی دینی عظمت قائم ہی نہیں رہ سکتی۔

بحث دلیل نمبر ۱۶

ماتمی ٹریکٹ میں یہ لکھا تھا کہ :۔"حضرت محمد رسول اکرم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حسین پر ان کا حق پہنچاتے ہوئے روئے اس پر جنت واجب ہے۔ اس کے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ (۱) اس روایت کا بھی حوالہ نہیں پیش کیا گیا (۲) پھر اس میں ماتم مروجہ کا کوئی ذکر نہیں۔ (۳) اگر صرف رونے سے جنت ملتی ہے تو پھر شریعت کی کیا ضرورت ہے۔ (۴) ائمہ اہل بیت امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق نے ایسی مجالس ماتم کیوں قائم نہیں کیں بلکہ ان امور کو حرام قرار دیا ہے، جیسا کہ آئندہ حوالجات میں پیش کیا جائے گا۔" (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے) ؛

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں کہ :۔ (۱) حضرت امام حسین کے رونے سے جنت مل جاتی ہے یہ صرف ایک روایت نہیں بلکہ کئی روایات مع حوالہ پیش خدمت ہیں، ملاحظہ کیجئے (ا) مولانا محمد مبین فرنگی محلی (لکھنوی)، بحوالہ مسند احمد حنبل وسیلۃ النجاۃ ص۳۰۵ پر لکھتے ہیں :۔ فی مسند احمد بن حنبل من دمعت عیناہ بقتل الحسین دمعۃ او قطرۃ بواہ الجنۃ۔ ("احمد بن حنبل کی کتاب مسند میں ہے کہ جس شخص کی آنکھوں نے امام حسین پر آنسو بہائے۔ چاہے ایک قطرہ ہی آنسو کیوں نہ ہو، خدا اس کو بہشت میں جگہ دے گا۔") (ب) ملا حسین واعظ کاشفی "روضۃ الشہداء" میں لکھتے ہیں۔ (ترجمہ فارسی) :۔ "اے عزیزو! غور کرو کہ امام حسین پر رونے کا کس قدر ثواب ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے مروی ہے کہ ماتم حسین میں آنکھ سے آنسو کا جو قطرہ ٹپکے اس کو ملائکہ شرف کے صدف میں موتی بنا کر رکھتے ہیں اور اس

کے اعمال کے ہار میں اس کو پہنا دیتے ہیں۔ اس موتی کی قدر و قیمت قیامت کے بازار میں لوگوں پر عیاں ہوگی۔" (ج) علامہ ابن حجر عسقلانی اہل حدیث کے مشہور و معروف محدث اپنی کتاب "اصابہ فی احوال الصحابہ" جلد اوّل صـ۲۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ قال ما من عبد یبکی یوم صیب ولدی الحسین الا کان یوم القیامۃ مع اولی العزم من الرسل۔ وقال البکاء یوم عاشوراء نور تام یوم القیامۃ۔ "فرمایا جو شخص میرے فرزند حسینؑ پر بروز عاشوراء روئے گا۔ خدا اس کو قیامت کے دن اولی العزم انبیاء کے ساتھ بہشت میں رکھے گا اور یہ بھی فرمایا، عاشوراء کے دن بروز قیامت اعلیٰ درجہ کا نور ہوگا۔" بعض علماء نے تو اپنی کتابوں میں ایک مستقل باب قرار دے کر ایسی احادیث کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جن میں حضرت امام حسینؑ پر رونے کا ثواب وارد ہے جیسے "وسیلۃ النجاۃ" اور "ینابیع المودۃ" وغیرہ (۲) جب ماتم کا معنیٰ رونا پیٹنا ہے تو پھر مروّجہ یا غیر مروّجہ ماتم کے اثبات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا الخ (فلاح الکونین صـ۶۰ - ۶۱)

الجواب

(۱) آپ نے "وسیلۃ النجاۃ" کے حوالہ سے مسند احمد بن حنبل کی جو روایت لکھی ہے وہ باوجود تلاش کے مسند احمد بن حنبل میں نہیں مل سکی اور نہ ہی آپ نے اس قول کے قائل کا نام بتایا ہے اور نہ راوی کا تو اس کا نشان دیا۔ کیونکر حجت بن سکتی ہے (۲) جب تک اس روایت کی صحت ثابت نہ ہو اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں ضعیف احادیث بہت ہیں چنانچہ (۱) علامہ قاری علی حنفی لکھتے ہیں :۔ والحق ان فیہ احادیث کثیرۃ ضعیفۃ وبعضھا اشد فی الضعف من بعض حتی ان ابن الجوزی قد ادخل کثیرا منھا فی موضوعاتہ ولکن تعقبہ فی بعضھا بعضھم وفی سائرھا شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی وحقق نفی الوضع عن جمیع احادیثہ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل صـ۲۳) : (اور حق یہ ہے کہ مسند احمد میں بہت احادیث ضعیف ہیں اور بعض ان میں سے بعض سے زیادہ ضعیف ہیں۔ حتیٰ کہ ابن جوزی نے ان میں سے بہت سی روایات کو اپنی موضوعات میں درج کیا ہے۔ لیکن بعض محدثین نے اس کی بعض روایات کے موضوع ہونے پر گرفت کی ہے، اور شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے ان سب روایات کے موضوع ہونے پر گرفت کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کی احادیث میں کوئی حدیث بھی موضوع نہیں۔" لیکن ان روایات کے موضوع نہ ہونے

سے ان کے ضعیف ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ (ب) حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :- در مسند احمد ضعاف بسیار اند۔" یعنی مسند امام احمد بن حنبل میں ضعیف حدیثیں بہت ہیں" (عجالۂ نافعہ ص۲۵)

(۳) اس روایت کے نا قابل اعتبار ہونے کی ایک یہ علامت بھی ہے کہ اس میں صرف ایک قطرہ آنسو بہانے پر جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی موضوع احادیث کی علامات میں سے ایک یہ علامت بھی بیان فرماتے ہیں کہ :" بر عملِ قلیل ثوابِ حج وعمرہ ذکر نماید۔ یعنی کسی روایت میں تھوڑے عمل پر حج وعمرہ کا ثواب مذکور ہو تو وہ موضوع ہو گی :(عجالۂ نافعہ ص۲۶) (۴) کسی مصیبت پر وقتی تأثر کے تحت رو پڑنا چونکہ غیر اختیاری ہوتا ہے اس لیے یہ جرم نہیں ہے لیکن مصیبت پر رونا شریعت میں کوئی عبادت نہیں ہے۔ کہ اس پر جنّت واجب ہو جائے۔ مصیبت امام حسین پر رونے کے فضائل میں من گھڑت روایات کا بعض کتابوں میں جو انبار لگا ہوا ہے یہ سب مقام صبر وشہادت کی عظمت کو زائل کرنے کے لیئے ایک سازش ہے۔ ورنہ اگر کسی مصیبت پر رونا موجبِ جنّت ہوتا تو رحمۃ للعالمین، خاتم النبیّین، امام الانبیاء والمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جنگِ اُحد میں دندان مبارک شہید ہونے کی مصیبت پر رونے کی فضیلت اور اس پر جنّت کے واجب ہونے کی بشارت دی جاتی۔ بدر اور اُحد کے شہداء کی مصیبت پر رونے کے فضائل میں بھی احادیث وارد ہوتیں۔ سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیشانی مبارک جنگِ اُحد میں زخمی ہوئی اور خون جاری ہو گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بدنِ اطہر کے خون کا ایک قطرہ رُوئے زمین کے تمام شہیدوں کے لہو سے زیادہ شان رکھتا ہے۔ لیکن اس مصیبت پر رونے دھونے کے متعلق کوئی فضیلت نہیں بیان کی گئی۔

اگر اللہ تعالیٰ کو مصائب پر رونا رُلانا مطلوب ہوتا تو قرآنِ عظیم میں بجائے صبر کے رونے پیٹنے کا حکم دیا جاتا۔ لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے مومنین کو شہداء اُحد کے صدمہ کے بعد یہ فرمایا کہ لَا تَحْزَنُوْا (تم غم نہ کھاؤ) جب غم جاری رکھنے کی ہی نہی فرمادی تو آپ کے ماتمی سلسلہ کی کہاں گنجائش رہ گئی۔ علاوہ ازیں ماتم کا معنیٰ آپ جو پیٹنا لکھتے ہیں یہ آپ کی جہالت یا تلبیس ہے۔ جس کی تردید کردی گئی ہے۔

"مقصدِ شہادت" از شاعرِ اسلام ابوالاثر حفیظ جالندھری

شہید اک مقصدِ اعلیٰ کی خاطر دے کے قربانی — نویدِ زندگی لاتے ہیں بہرِ نوعِ انسانی
شہید احسان فرماتے ہیں فرزندانِ آدم پر — لہو اُن کا نویدِ امن برساتا ہے عالم پر
بظاہر خاک میں ملتی نظر آتی ہے خاک اُن کی — مگر ہے زندہ و پائندہ ہر دم جانِ پاک اُن کی

ہمیشہ احترام اُن کا فروغِ آدمیّت ہے
مگر یہ پیٹنا رونا تو رسمِ جاہلیّت ہے

(۵) آپ نے "روضۃ الشہداء" سے مُلّا حُسین کاشفی کی جو عبارت پیش کی ہے تو یہ بھی کوئی شرعی حجت نہیں ہے اور قبل ازیں یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ مُلّا صاحب مذکور اہلِ تشیع میں سے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اسی "روضۃ الشہداء" میں آیت وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ کے تحت آپ کے ماتم کے خلاف یہ لکھتے ہیں :- وبشارت دہ صبر کنندگان را کہ دریں بلیّات طریقۂ شکیبائی پیش آرند و رسوم جزع فزع و شکایت فرو گذارند :- "یعنی اے اللہ کے رسول ! آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں جو کہ مصیبتوں میں صبر کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور جزع و فزع کی رسموں اور شکایت کو چھوڑ دیتے ہیں" فرمایئے ! اس میں آپ کے مروّجہ ماتم کی تردید ہے یا تائید ؟

اِصابہ کا غلط حوالہ

(۶) آپ نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "الاصابہ فی تمیز الصّحابہ" جلد اوّل کے حوالہ سے جو روایت درج کی ہے وہ اس میں حضرت امام حسینؓ کے تذکرہ میں نہیں پائی جاتی۔ ہمارے پاس "الاصابہ" مطبوعہ مصر اور بیروت دونوں موجود ہیں لیکن ان میں اس روایت کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ پھر آپ نے یہ غلط حوالہ کیوں پیش کردیا ؟- (ب) آپ نے علّامہ ابنِ حجر عسقلانی کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں :- "اہلِ حدیث کے مشہور و معروف محدّث" تو اگر آپ کی مراد اہلِ حدیث ہونے سے یہ ہے کہ وہ حدیثِ نبویؐ کو تسلیم کرنے والے ہیں تو صحیح ہے۔ لیکن اگر آپ کی مراد اس سے وہ علماء ہیں جو کسی امام مجتہد کی فروعی و اجتہادی مسائل میں تقلید نہیں کرتے تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ ابنِ حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری امام

شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ چنانچہ "کتاب الاصابہ" کے ٹائیٹل پر اُن کے نام کے ساتھ "العسقلانی الشافعی" لکھا ہوا ہے۔

یزید کا رونا اور ماتم کرنا

(۷) آپ نے جو روایات پیش کی ہیں اُن میں بھی صرف آنسو بہانے کا ذکر ہے۔ نہ کہ ماتم مروّجہ یعنی منہ پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے کا۔ اس لیے ان روایات سے آپ کا دعویٰ ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا اور اگر مصیبت حسین پر آنسو بہانے اور ماتم کرنے سے ضرور جنّت مل سکتی ہے تو یہ عبادت تو یزید کو بھی نصیب ہوچکی ہے پھر آپ اس کو کیوں جہنمی سمجھتے ہیں چنانچہ (ا) جناب سکینہ کے مذکورہ زیر بحث خواب کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ :- جب یزید نے یہ خواب سُنا اپنے مُنہ پر طمانچے مار کے رونے لگا اور کہنے لگا مجھے قتل حسین سے کیا مطلب تھا الخ (جلاء العیون علامہ باقر مجلسی جلد دوم ۲۴۸ مطبوعہ لاہور)۔

(ب) یزید نے نہ صرف یہ کہ خود ماتم کیا بلکہ مستورات اہل بیت کو بھی ماتم حسین کی اجازت دے دی اور اس کے لیے مکان خالی کرادیا چنانچہ علاّمہ باقر مجلسی مذکورہ خواب کے سلسلہ میں جناب سکینہ کا خواب لکھتے ہیں کہ :- جب اس نے میرا خواب سُنا، اس کا غم واندوہ زیادہ ہوا اور سر جھکا کے کچھ جواب نہ دیا صبح کو اہل بیت رسالت کو طلب کرکے اُن کو شام میں رہنے یا مدینہ کی طرف جانے کا اختیار دیا۔ انہوں نے کہا اوّل ہم کو امامِ مظلوم کا ماتم برپا کرنے کی اجازت دے۔ اُس نے کہا جو تمہیں منظور ہو وہ کرو، اور ایک مکان اہل بیت کو دیا۔ اہلِ بیت نے جامہ ہائے سیاہ پہنے۔ اور ملکِ شام میں جس قدر قریش وبنی ہاشم تھے، ماتم وگریہ وزاری وتعزیت وسوگواری میں اُن کے شریک ہوئے اور سات روز تک آنحضرت پر نوحہ وزاری کی" (جلاء العیون جلد دوم ص۲۵۱)۔

فرمائیے ! جب امام حسین رضی اللہ عنہ کی مصیبت پر ایک قطرہ آنسو بہانے سے آپ کے نزدیک جنّت واجب ہوجاتی ہے تو پھر یزید تو روتا بھی رہا اور اس نے ماتم بھی کیا۔ بلکہ سات روز تک جو مجالسِ ماتم اس کی اجازت سے برپا رہیں اور ان میں جتنا رونا دھونا ہوتا رہا، اس کا ثواب بھی اس کو ملنا چاہیئے تو کیا اس کے باوجود بھی آپ یزید کے جنّتی ہونے میں شبہ کرسکتے ہیں۔ آج اگر کوئی بھکاری اُجرت لے کر

ماتم بپا کرتا ہے تو ماتمیوں کے نزدیک وہ بھی جنّت کا مستحق بن جاتا ہے۔ تو پھر یزید کیونکر جنّت سے محروم رہ سکتا ہے جبکہ اس نے اہل بیت کو ماتم کی کھلی اجازت دے کر اُن پر یہ عظیم احسان کیا ہے، اور آج بھی مجالس ماتم کی پیروی میں ہر جگہ ماتمی لوگ مجالس برپا کر رہے ہیں۔ تو پھر یہ فرق کیوں ہے کہ ماتمی مجالس کا بانی تو جہنّم میں جائے اور صدیوں بعد کے ماتمی لوگ جنّت کا ٹکٹ لے جائیں۔ (ب) اور اگر یہ فرمائیں کہ یزید کا ماتم اور اس کی طرف سے مجالسِ ماتم کی اجازت دینا محبّتِ حسین پر مبنی نہیں بلکہ یہ اس کی سیاسی چال تھی۔ اور دکھلاوے کے لیے اُس نے خود بھی ماتم کیا، اُس کی بیوی بھی ننگے سر ماتم کرتی ہوئی اُس کے دربار میں آئی اور مستورات اہل بیت کو بھی اس نے ماتمی مجالس کے انعقاد کی اجازت دے دی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تاویل ناقابلِ اعتبار ہے۔ کیونکہ اتنے بڑے ذی اقتدار جابر و ظالم سلطان کو حُبِّ حسین کے اس قدر عظیم الشّان مظاہرے کی کیا ضرورت تھی۔ جبکہ وہ امامِ حُسین اور آپ کے اعزّہ کو بے رحمی سے قتل کرا چکا تھا تو مستوراتِ اہلِ بیت کی اس کو کیا پرواہ ہو سکتی تھی، اور اگر آپ کا یہی یقین ہے کہ اس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف تھا۔ بظاہر اس نے ماتم کا مظاہرہ کیا لیکن دل سے وہ اس کے خلاف تھا، تو پھر ہم کہتے ہیں کہ یہی تو وہ تقیہ ہے جو آپ کے نزدیک ایک عظیم عبادت ہے۔ جس میں دین کے نو حصے پائے جاتے ہیں تو اس وجہ سے بھی وہ آپ ہی کا ہم مذہب ثابت ہوا۔ عبرت! عبرت! عبرت! (۸) اگر یہ روایت صحیح ہوتی کہ رسولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ: "جو شخص میرے فرزند حُسین پر بروز عاشوراء روئے گا، خدا اس کو قیامت کے دن اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ بہشت میں رکھے گا" (فلاحُ الکونین ص۶۱)۔

تو عہد رسالت میں ہی عاشوراء کے دن امام حسین کی آنے والی مصیبت کے تحت مجالس گریہ و ماتم بپا کی جاتیں پھر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرتِ حسن مجتبیٰ بلکہ حضرت فاطمۃ الزہراء بھی ہر سال اس دن ماتمی مجالس کا اہتمام کرتیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں کیا گیا تو کیا مذکورہ فضائل صرف آج کل کے ماتمیوں کے نصیب میں تھے اور وہ حضرات ان سے محروم رہ گئے، جنہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے خود یہ ارشادات سنے تھے۔ کیا عاشوراء کے دن رو کر اُن کو جنّت حاصل کرنے کی حاجت نہ تھی۔ یہ بھی عجیب قسمت ہے

کہ جن حضرات ائمہ کی طرف اس قسم کی روایات منسوب کی جاتی ہیں، اُن کی مبارک زندگیوں میں تو اس ماتم مرّوجہ کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ اُن کے لمحاتِ حیات تو اسلامی فرائض نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ اور تلاوت و تعلیم قرآن، اتباعِ سُنّت، تحفظِ حُدُودِ شریعت اور تبلیغ و اشاعتِ دین میں گذرے ہیں، اور الحمد للہ ان اعمالِ صالحہ میں ان حضرات کی پیروی اہل سنّت کے بزرگوں کو نصیب ہے، اور مدّعیانِ محبّت اہل بیت میں مذکورہ اعمالِ صالحہ تو عموماً مفقود ہیں۔ البتہ منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا وغیرہ ماتمی افعال ان کے نامہ اعمال میں زیادہ ہیں جن سے ان ائمہ کبار کا دامن پاک ہے، اور تعجب ہے کہ قرآن مقدس میں تو نماز، حج و زکوٰۃ، ذکر اللہ، تعلیم و تبلیغ دین اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ فرائض و احکامِ شریعت اور دیگر اعمالِ صالحہ کا ذکر تو جا بجا ملتا ہے لیکن ماتم کا لفظ تک مذکور نہیں اور اگر بُکاء کا ذکر ملتا ہے تو لَا تَحْزَنْ اور لا تحزنوا کی نہی بھی اس میں مذکور ہے۔ لیکن پھر بھی یار لوگوں کے نزدیک حُسینی مشن کی بنیاد ماتم ہی ہے۔ اور ان کی تحریر و تقریر کا سارا زور اسی پر خرچ ہو رہا ہے کہ ماتم کرنا ہی جنّت کی کنجی ہے اور جو مسلمان اُن کے ایجاد کردہ ماتم کی پیروی نہیں کرتا وہ جنّت کا مستحق نہیں ہو سکتا ؂

کسی کا بخت ہے ماتم کسی کا حصہ قرآں ہے
یہ اپنی اپنی قسمت ہے شکایت کیوں گلہ کیسا؟

"ینابیع المودّت" کا مُصنّف شیعہ ہے؟

بحث دلیل نمبر ۱۰ ماتمی ٹریکٹ میں لکھا تھا کہ :"حضرت امام حسین کا غم تو وہ غم ہے جس پر انسان تو کجا جنّ و ملک، چرند و پرند، آسمان و درخت سب نے گریہ کیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ آسمان حضرت امام حسین پر چالیس دن تک روتا رہا" (ینابیع المودّت از علّامہ شیخ سلیمان حنفی قندوزی مطبوعہ قسطنطنیہ ص۳۹) ثابت ہوا کہ مرثیہ پڑھنا، رونا اور ماتم کرنا انبیاء کی سُنّت اور سیرت اصحاب رسول اکرم ہے" اس کا جواب یہ دیا گیا تھا کہ (۱) "ینابیع المودّت" حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں۔ پھر قرآن و حدیث کے صریح ارشادات کے خلاف ایسی روایتیں کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہیں (۲) اس عبارت میں منہ پیٹنے اور سینہ کوبی کا کوئی ذکر تک نہیں۔ (۳) کیا فرشتوں کی فطرت بھی رونا اور ماتم کرنا ہے، العیاذ باللہ۔ (۴) کیا ہر سال زمین و آسمان ماتم کرتے ہیں؟ (۵) ہم ماتم

کیوں نہیں کرتے ص۱۷۱) ۔

اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاح الکونین" لکھتے ہیں :۔"(۱) بقول آپ کے "ینابیع المودۃ" حنفیوں کی کوئی مستند کتاب نہیں، چلئے نہ سہی ۔ اگر آپ علامہ شیخ سلیمان حنفی مفتیِ اعظم قسطنطنیہ جیسے معتبر عالم کی لکھی ہوئی کتاب کو مستند نہیں سمجھتے، نہ سمجھیں ۔ بوقتِ ضرورت اپنی کتاب سے منکر ہوجانا آپ کا اور آپ کے عُلماء کا پُرانا شیوہ ہے ۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی مُصنّف "تُحفۂ اثناعشریہ" کے معتبر عالم ہونے اور اور اُن کی لکھی ہوئی کتابوں کے مستند ہونے کا اقرار تو آپ کو بھی ہوگا ۔ چنانچہ شہادتِ حسین پر زمین و آسمان کے رونے کا ثبوت ہم شاہ صاحب موصوف کی کتاب "سِرُّالشہادتین" سے دلیل نمبر۳ کے جواب الجواب میں پیش کرچکے ہیں ۔ شاہ صاحب کے علاوہ ان قدرتی آثار کا ظہور پذیر ہونا جن کو زمین و آسمان کا رونا کہا گیا ہے ۔ علّامہ ابن اثیر جزری، علّامہ ابن حجر، ابنِ سعد اور سبط ابن جوزی وغیرہم عُلماءِ اہلِ سنّت نے بھی اپنی کتابوں میں بیان کیاہے ۔ آپ کس کس کا انکار کریں گے اور کس کس کو جھٹلائیں گے"؟(فلاح الکونین ص۲۶۲)

الجواب

بحث دلیل نمبر۳ کے تحت آپ کی پیش کردہ روایات کا جواب گذرچکا ہے، جس میں سبط ابن جوزی کا شیعہ ہونا ثابت کیا گیا ہے ۔ اور حافظ ابنِ کثیر محدّث کی تحقیق، اُن کی تفسیر اور اُن کی کتاب "البدایہ والنہایہ" سے نقل کردی گئی ہے کہ اُن میں سے اکثر روایات وضعی اور من گھڑت ہیں ۔ اور "صواعق محرقہ" میں علّامہ ابن حجر مکی نے اس قسم کی جو روایات درج کی ہیں وہ بھی سبط ابن جوزی وغیرہ کے حوالہ سے ہیں اور ان کتابوں سے منقول ہیں، جن میں رطب ویابس اور صحیح و غلط ہر قسم کی روایات درج ہیں ۔ لہٰذا ان روایات کو کسی شرعی مسئلہ پر بطورِ حجّت پیش نہیں کیا جاسکتا ۔ خصوصاً جبکہ آپ کے مرّوجہ ماتم کے

۱؎ ہر وہ کتاب جو کسی سنّی عالم کی طرف منسوب ہو حجّت نہیں ہوسکتی، جو بات مذہب اہل سنّت کے اصول و قواعد کے خلاف ہوگی وہ قابل قبول نہیں خواہ وہ کسی کتاب میں ہو اور اس کا لکھنے والا کوئی سُنّی عالم ہی ہو اور "ینابیع المودۃ" تو اہل سُنّت کی کوئی مستند کتاب ہے ہی نہیں ۔ ۱۲

خلاف کتاب اللہ اور احادیثِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نصوص موجود ہیں۔ جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں حرمتِ ماتم کے دلائل کی بحث میں آنے والی ہے۔ (ب) اور جن علماء نے اس قسم کی روایات کو درج کیا ہے، ان کے نزدیک بھی مندرجہ واقعات سے آپ کا ماتم ثابت نہیں ہوتا بلکہ مستقل شرعی دلائل کی بنا پر وہ بھی اس ماتم کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ علّامہ ابن حجر مکی نے "صواعق محرقہ" میں ہی یہ فرمایا ہے کہ :- اعلم ان ما اصیب به الحسین رضی الله عنه فی یوم عاشوراء کما سیأتی بسط قصة انما هو الشهادة الدالة علی مزید خطوته و رفعة درجته عند الله و الحاقه بدرجات اهل بیته الطاهرین فمن ذکر ذلک الیوم مصابه لم ینبغ ان یشتغل الّا بالاسترجاع امتثالاً للامر واحرازاً لما رتبهٔ تعالیٰ علیه بقوله اُولٰٓئک علیهم صَلَوٰتٌ مِن رّبّهم وَرَحْمَة واُولٰٓئک هُمُ المهتدون ولا یشتغل ذلک الیوم الا بذلک ونحوه من عظائم الطاعات کالصوم و ایاه ثم ایاه ان یشغله ببدع الرافضة ونحوهم من الندب والنیاحة والحزن اذلیس ذلک من اخلاق المومنین و الا لکان یوم وفاته صلّی الله علیه وسلّم اولیٰ بذلک واحری اوببدع الناصبة المتعصبین علی اهل البیت او الجهال المقابلین الفاسد بالفاسد والبدعة بالبدعة والشرّ بالشرّ من اظهار غایة الفرح والسرور واتخاذه عیداً واظهار الزینة فیه کالخضاب و الاکتحال ولبس جدید الثیاب وتوسیع النّفقات وطبخ الاطعمة والحبوب الخارجة عن العادات واعتقادهم ان ذلک من السنة والمعتاد والسنة ترک ذلک کله فانّه لم یرد فی ذلک شیٔ یعتمد علیه ولا اثر صحیح یرجع الیه۔ (صواعق محرقہ ص ۱۰۹)" جان لو کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عاشوراء کے دن جو مصیبت پہنچی ہے جس کا مفصل قصّہ عنقریب آنے والا ہے۔ وہ آپ کی ایسی شہادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے مقام کی زیادتی اور درجہ کی بلندی پر دلالت کرتی ہے اور اس کی وجہ سے آپ کو اہل بیت طاہرین کے درجات پر فائز ہونا نصیب ہوا ہے۔ پس جو شخص اس دن آپ کی مصیبت شہادت بیان کرے اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی میں سوائے انا للہ و انا الیہ راجعون کہنے کے اور کوئی فعل نہ کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ نے جن عنایات اور رحمتوں کے ملنے کا

ذکر فرمایا ہے ان کو حاصل کرے، اور اس دن وہ اسی قسم کی دوسری بڑی عبادتوں مثلاً روزہ وغیرہ میں مشغول رہے اور اپنے آپ کو وہ رافضیوں کی بدعتوں کے ارتکاب سے بچائے رکھے مثلاً ندبہ، نوحہ اور غم کرنا۔ کیونکہ یہ باتیں مومنین کے اخلاق میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ اُمور جائز ہوتے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا دن ان کے لیے زیادہ لائق اور زیادہ مناسب تھا، اور ناصبیوں کی بدعتوں کا ارتکاب بھی نہ کرے جو اہل بیت پر تعصب رکھتے ہیں اور ان جاہلوں کی طرح بھی نہ کرے جو ایک خرابی کا مقابلہ دوسری خرابی سے اور بدعت کا مقابلہ بدعت سے اور برائی کا مقابلہ برائی سے کرتے ہیں۔ مثلاً انتہائی خوشی کا اظہار کرنا اور اس دن کو عید بنانا اور اس میں زینت کا اظہار کرنا مثل عادت کے خلاف خضاب لگانے اور سرمہ ڈالنے اور نئے کپڑے پہننے اور زیادہ خرچ کرنے اور طرح طرح کے کھانے پکانے کے۔ بوجہ ان کے اس اعتقاد کے کہ یہ کام اس دن میں سُنّت ہیں، حالانکہ معمول اور سُنّت تو ان کاموں کا نہ کرنا ہے۔ کیونکہ ان کے لیے کوئی قابل اعتماد حدیث اور صحیح اثر ثابت نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے۔"

یوم عاشوراء کے بارے میں چونکہ افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ رافضی اس دن غم اور نوحہ و ماتم کرنا ضروری سمجھتے ہیں اس لئے اِن خلافِ شرع اُمور سے بھی بچنا چاہیے، اور ناصبی جو حضرت امام حسینؓ و دیگر ائمہ اہل بیت سے بغض رکھنے کی وجہ سے ایسے اُمور بجالاتے ہیں۔ جن میں ان حضرات کی تنقیص پائی جاتی ہے، اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے اور جاہل لوگ جو عاشوراء کے دن کو خوشی اور عید کا دن سمجھ کر مناتے ہیں اور اس کو سُنّت سمجھتے ہیں تو ان کے رواج کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے، اور بجائے اُن ناجائز اُمور کے صابرین کی طرح اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھے اور روزہ وغیرہ عبادات میں مشغول رہے۔ یہ ہے وہ طریقہ جو افراط و تفریط سے محفوظ ہے۔ اور جبکہ علامہ ابن حجر مکی یہ تصریح فرمارہے ہیں کہ عاشوراء کے دن کو رافضیوں کی طرح بطور غم کے بھی نہیں منانا چاہیئے تو پھر مصنّف "فلاح الکونین" کو "صواعق محرقہ" کی مندرجہ روایات سے مروّجہ ماتم کے اثبات میں کیا فائدہ پہنچتا ہے جبکہ ماتم کی بنیاد ہی انہوں نے ختم کردی اور نوحہ اور ندبہ کو بھی ناجائز قرار دے دیا۔ (۲) "ینابیع المودّت" کے مصنّف علامہ شیخ سلیمان بھی سُنی اور حنفی نہیں بلکہ شیعہ ہیں۔ "ینابیع المودّۃ" عربی مطبوعہ نجف اشرف اور "ینابیع المودّۃ" مترجم اردو مطبوعہ

شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور، دونوں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس کتاب میں عموماً شیعہ عقائد کا ہی بیان ہے مثلاً لکھا ہے کہ (۱) موفق ابن احمد نے حدیث وصیت برائے علیؓ کو بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہر نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے، میرے وصی اور میرے وارث علیؓ ہیں۔" (ینابیع المودۃ اُردو ص۱۲۷) فرمائیے حضرت علیؓ کا وصی رسول ہونا جس کا وہ اذان میں اعلان کرتے ہیں، سُنّیوں کا عقیدہ ہے یا شیعوں کا؟ (۲) (رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا) اے علیؓ! میرے بعد فضیلت تیرے لیے ہے۔ تیرے بعد ان ائمہ کے لیے ہے جو تیرے فرزند کی اولاد میں سے ہوں گے ص۴۷) یہ بھی شیعوں کا عقیدہ ہے کیونکہ اہلِ سُنّت کے عقیدہ میں تو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد امّتوں میں سب سے افضل حضرت ابوبکر صدّیقؓ ہیں۔ (۳) اس میں لکھا ہے کہ:۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا صدّیق تین شخص ہیں۔ (۱) حبیب نجّار۔ یہ وہ مومن ہیں جنہوں نے کہا تھا اے میری قوم رسولوں کی تابعداری کرو۔" (۲) حزقیل۔ مومن آلِ فرعون جس نے کہا تھا کہ تم اس آدمی کو قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ (۳) علی بن ابی طالب ہیں، آپ اُن سے افضل ہیں۔" (ص۱۹۴) یہ بھی عقیدہ شیعہ کے مطابق ہے کیونکہ اہلِ سُنّت کے عقیدہ میں حضرت ابوبکر نہ صرف صدّیق ہیں بلکہ صدّیقِ اکبر ہیں یعنی امّتوں میں سب صدّیقوں سے افضل ہیں۔

تو فرمائیے! اس کتاب "ینابیع المودّۃ" کے مصنّف[۱] کو ہم سُنّی حنفی کیسے مان لیں۔ البتہ ایسے حنفی ضرور ہیں جیسا کہ آپ کے قاضی نور اللہ شوستری نے "مجالس المؤمنین" میں لکھا ہے کہ ہمارے شیعہ علماء حنفی و شافعی بن کر کام کرتے رہے ہیں اور اگر شیخ سلیمان موصوف فی الواقع سُنّی اور حنفی ہیں تو پھر "ینابیع المودّۃ" اُن کی تصنیف نہیں بلکہ اس کا مصنّف کوئی اور شیعہ عالم ہے اور ازروئے تلبیس اس کو شیخ سلیمان قندوزی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی

---

[۱] اہل سنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی فرماتے ہیں:۔ بہت سے شیعہ عمر بھر سُنّی بنے رہے اور ان میں سے بعض کا تشیّع مرتے وقت ظاہر ہُوا اور بعض کا مرنے کے وقت بھی ظاہر نہ ہوا۔ سوا ان کے چند مخصوص لوگوں کے، کوئی ان کے تشیّع سے واقف نہ ہو سکا۔ (النجم لکھنؤ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ)

نے "تحفۂ اثناء عشریہ" میں اہل تشیّع کے کارناموں میں اس امر کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ خود کتاب لکھ کر کسی عالم اہل سُنّت کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ بہرحال چونکہ "ینابیع المودۃ" شیعہ عقائد پر مشتمل ہے اس لیے اہل تشیّع کو اس کتاب سے خاص دلچسپی ہے۔ چنانچہ اب شیعہ جنرل بک ایجنسی انصاف پریس لاہور نے بھی اسی بنا پر اس کو طبع کرایا ہے ورنہ اگر "ینابیع المودۃ" عقائد اہل سُنّت پر مشتمل ہوتو شیعوں کو اس پر سرمایہ لگانے اور اس کی اشاعت کرنے میں کیا فائدہ ہے؟ (۳) کتاب "سرّ الشہادتین" کے متعلق بھی پہلے عرض کر دیا ہے کہ یہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلویؒ کی طرف منسوب ہے اور اس میں ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جو مصنّف "تحفۂ اثنا عشریہ" یعنی حضرت شاہ صاحب موصوف کے واضح مسلک کے خلاف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس موضوع پر نظر رکھنے والے علمائے اہل سنّت نے اس کو حضرت شاہ صاحب کی تصنیف تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ امام اہل سُنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "النجم" لکھنؤ کے ایک مضمون میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کانپوری ایک معترض شیعہ کے جواب میں فرماتے ہیں: "

اور آپ نے یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ حسب ارشاد شاہ صاحب امام حسین علیہ السّلام کی شہادت رسول اللہ کی شہادت تھی، یہ محض غلط ہے حضرت شاہ صاحب نے کہیں ایسا نہیں لکھا۔ سُبْحَانَکَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ط "سرّ الشہادتین" کے متعلق میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ کتاب شاہ صاحب کی تالیفات میں سے نہیں ہے۔ یہ بھی حضرات شیعہ کا اُن پر احسان ہے کہ ایک کتاب خود ہی تالیف کر کے حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دی جس سے اہلِ سنّت کے بعض علماء بھی دھوکہ کھا گئے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت شاہ صاحب وہی بزرگ ہیں جنھوں نے "تحفہ اثناعشریہ" جیسی جامع کتاب ردِّ مذہبِ شیعہ میں تصنیف فرمائی۔ جس کا کوئی معقول جواب آج تک فرقہ شیعہ سے نہ ہوسکا اور نہ انشاء اللہ ہوسکے گا۔ پھر حضرت شاہ صاحب سے کیونکر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ "سرّ الشہادتین" جیسی کتاب تالیف فرمائیں گے۔ جس میں مذہبِ شیعہ کے عقاید کی تائید ہوتی ہے"۔ (النجم لکھنؤ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ)

اور شیعوں کو اس کتاب "سرّ الشہادتین" سے اتنی دلچسپی ہے کہ ادارہ علوم اسلام اصغری سانڈہ

کلاں لاہور کی طرف سے اپریل ۱۹۷۱ء میں اس کو طبع کرایا گیا ہے، جو ہمارے پاس موجود ہے۔ جواب نمبر۲ میں تو مصنّف نے اپنا ماتمی فلسفہ ہی بیان کیا ہے کہ :"جہاں رونے کی شدّت ہوگی وہاں منہ پیٹنا اور سینہ کوبی لازماً ہوگی الخ اس من گھڑت فلسفہ کی پہلے کئی مرتبہ تردید کی جاچکی ہے۔ اگر منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا شرعاً کوئی نیکی اور عبادت ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام اور اہل بیتِ عظام سے اس کا ثبوت ملتا۔ لیکن آپ سوائے اپنے اختراعی ماتمی فلسفہ کے بیان کے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں پیش کر سکے اور جن واقعات میں کسی مصیبت پر وقتی تاثر کے تحت حُزن یا بُکاء کا ثبوت ملتا ہے وہ زیرِ بحث ہی نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی اختلاف ہے، اور اگر دل میں غم ہو اور آنکھوں سے آنسو آجائیں تو اس سے آپ کا ماتم کیونکر ثابت ہوسکتا ہے؟"

جواب نمبر۳ میں آپ نے لکھا ہے کہ :۔کیا فرشتوں کی فطرت میں بھی ماتم کرنا اور رونا ہے؟ اس پر آپ کا العیاذ باللہ کہنا تو یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کوئی بڑا ہی کلمۂ کفر ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر اپنے غوث الاعظم محبوب سُبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (جن کو تمام اہلِ سنّت والجماعت پیر دستگیر اور پیران پیر کہتے ہیں) کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا وہ بھی ایسا کلمۂ کفر زبان سے نکال سکتے ہیں؟ حضرت موصوف نے اپنی مشہور ومعروف کتاب "غنیۃ الطالبین" کے ص۲۰۲ پر تحریر فرمایا ہے :۔ھبط علی قبر الحسین بن علیؓ یوم اصیب سبعون الف ملکٍ یبکون علیہ الی یوم القیٰمۃ :۔یعنی حضرت امام حسین علیہ السّلام کی قبر پر روز عاشوراء ستّر ہزار فرشتے نازل ہوئے جو قیامت تک حضرت پر رویا کریں گے۔ فرمائیے! ملائکہ کی فطرت میں رونا ہے یا نہیں؟" (فلاح الکونین ص۶۳)

الجواب

(۱) آپ کا یہ سمجھنا جہالت پر مبنی ہے کہ العیاذ باللہ کلمۂ کفر پر بولا جاتا کیونکہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا، اور یہ ہر چھوٹی یا بڑی خرابی یا بُرائی سے بچنے کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے :۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۔ اس کا ترجمہ آپ کے مفسّر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی یہ لکھتے ہیں :۔تم کہہ دو کہ میں سپیدۂ صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس چیز کی شر سے جس کو اُس

نے پیدا کیا اور اندھیری رات کی شرّ سے جبکہ وہ چھا جائے"۔ (ترجمہ مقبول) فرمایئے! یہاں ہر قسم کی شرّ اور نقصان دہ چیز سے بچنے کے لیے تعوّذ یعنی اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے کیونکہ بندہ عاجز و محتاج ہے اور ہر شرّ سے بچنے کے لیے اپنے رب کی پناہ میں ہی اس کو امن حاصل ہو سکتا ہے کیا آپ کے نزدیک شرّ اور برائی صرف کفر ہی ہے اور سب خیر و بھلائی ہی ہے؟ (۲) اس روایت کی سند یہ لکھی ہے:۔ واخبرنا ابو نصر عن والدہ باسنادہ عن ابی السامۃ عن جعفر بن محمد۔ یعنی جعفر بن محمدؒ نے یہ بتایا ہے کہ ستر ہزار فرشتے حضرت حسینؓ کی قبر پر آسمان سے اترے ہیں۔ تو فرمایئے!! آسمانوں سے فرشتوں کے نازل ہونے کی خبر تو صرف وحی کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم پر وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے تو پھر اس خبر کا ذریعہ کیا ہے اور شیعہ مذہب کی مستند کتاب "نہج البلاغۃ" سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد آسمانی خبروں کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو غسل دینے کے وقت حضرت علی المرتضیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ:۔ بابی انت و امی لقد انقطع بموتک مالم ینقطع بموت غیرک من النبوۃ والانباء واخبار السماء:۔ (اے رسول خدا) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کی وفات سے نبوّت اور وحی اور آسمانی خبروں کا سلسلہ ختم ہو گیا جو کسی اور کی موت سے ختم نہیں ہوا"۔ تو حضرت علی کے اس ارشاد کی روشنی میں بھی آسمان سے فرشتوں کے نازل ہونے کی خبر غلط ثابت ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ روایت وضعی اور من گھڑت ہے جو بعد میں "غنیۃ الطالبین" میں کسی نے شامل کر دی ہے۔ کیونکہ غوث الاعظم حضرت سیّد عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مقدّس بزرگ کوئی ایسی روایت خود درج نہیں کر سکتے جو عقائد اہل سنّت کے صراحتاً خلاف ہو، اور حسب حوالہ "نہج البلاغۃ" حضرت علیؓ کے ارشاد کے بھی یہ خلاف ہے، اور اس قسم کے تصرّفات اکابر اہل سُنّت کی تصانیف میں بکثرت کئے گئے ہیں جن میں کتاب "غنیۃ الطالبین" بھی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب فرہارویؒ نے اپنی کتاب "مرام الکلام فی عقائد الاسلام" صفہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت سیّد عبد القادر جیلانی کی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں بہت سی موضوع روایات بکثرت شامل کر دی گئی ہیں۔ (۲) اور اس

روایت کے الحاقی ہونے کا یہ بھی ایک قوی قرینہ ہے کہ اس کے بعد ہی دوسرے باب میں پیرانِ پیر حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے عاشوراء کے دن کو بطور غم منانے کی تردید کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

ولو جاز ان یتخذ یوم موته یوم مصیبة لکان یوم الاثنین اولیٰ بذالك اذ قبض الله تعالیٰ نبیه محمداً صلی الله علیه وسلّم فیه وکذالك ابوبکر الصدیق قبض فیه وهو ما روی هشام بن عروة عن عائشة قالت قال ابوبکر ای یوم توفی النبی صلی الله علیه وسلّم فیه قلت یوم الاثنین قال رضی الله تعالیٰ عنه انی ارجوا ان اموت فیه فمات فیه وفقد رسول الله صلی الله علیه وسلّم وفقد ابی بکر رضی الله عنه اعظم من فقد غیرهما۔ (غنیة الطالبین عربی مطبوعہ لاہور)

یعنی اگر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے دن کو مصیبت کا دن منانا جائز ہوتا تو پیر کا دن اس کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ جبکہ اس دن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے وفات پائی ہے اور اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بھی اسی دن وفات ہوئی ہے اور ہشام ابن عروہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے حضرت ابوبکرؓ صدیق نے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کس دن ہوئی تھی، تو میں نے عرض کیا کہ پیر کے دن، تو آپ نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ میری وفات بھی اسی دن ہو گی۔ پس حضرت ابوبکر صدیق کی وفات بھی اسی دن ہوئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات اور حضرت ابوبکر صدیق کی وفات باقی سب کی وفات سے بڑا حادثہ ہے (لہذا جب پیر کے دن کو غم اور مصیبت کا دن نہیں منایا گیا تو عاشوراء کو غم اور مصیبت کا دن منانا کیونکر جائز ہو سکتا ہے ؟)۔

جب حضرت غوث الاعظم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دن کو بطورِ غم منانا جائز ہی نہیں سمجھتے تو اس قسم کی روایت کو آپ کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔ جس میں قیامت تک فرشتوں کے رونے کا ذکر ہے اور جس کا ثبوت بھی بغیر اللہ تعالیٰ کی وحی کے نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ روایت یقیناً من گھڑت ہے اور اغیار نے بعد میں "غنیة الطالبین" میں شامل کر دی ہے۔ (۳) میں نے لکھا تھا کہ کیا فرشتوں کی فطرت میں رونا اور ماتم کرنا ہے العیاذ باللہ ؟ تو اس کا جواب ابھی آپ کے ذمّہ باقی ہے اور ہرگز

میں قریب سے سن لیتے ہیں۔" (شافی ترجمہ فروع کافی کتاب الحج جلد اوّل حصّہ دوم ص ۵۷۸) اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسم مبارک بھی تین دن کے بعد قبر میں نہیں رہا ہوگا اور آسمان پر اس کو لے گئے ہوں گے۔ پھر تعجب ہے کہ فرشتے بجائے اس کے کہ امام حسین کے پاس جا کر آسمان پر ان کا ماتم کریں زمین پر کیوں ٹھہر گئے ہیں۔ انسانوں میں سے ماتمی لوگ تو آسمان پر اور جنّت میں جا ہی نہیں سکتے اس لیے زمین پر ہی ماتم کرتے ہیں اور امام حسین کی قبر کے آثار ہی کی زیارت کر لیتے ہیں لیکن فرشتوں کے لیے کیا مجبوری ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آسمانوں پر تو ماتم ممنوع ہو اور وہ زمین پر ہی ضد کر کے بیٹھے ہوئے ہوں۔ آخر یہ معمّہ کیسے حل ہو گا؟

بحث دلیل نمبر ۱۸

ماتمی ٹریکٹ میں دلیل نمبر ۱۸ کے تحت صرف یہ دو شعر لکھے تھے :- ؎

اے منکرِ غم گرچہ میرے پیر نہ ہوتے — مسمارِ محل دیں کے تعمیر نہ ہوتے
حسینؓ کی قربانی سے زندہ ہے یہ اسلام — مٹ جاتا اگر دنیا میں شبیر نہ ہوتے

اس کے جواب میں لکھا گیا تھا کہ :- (۱) ان اشعار میں تو دعویٰ ہے نہ کہ دلیل (۲) اس کو ماتم سے کیا تعلق (۳) کیا دین کے محل میں رحمۃ للعٰلمین حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی ہے؟ یا دین کا محل نماز، روزہ، صبر و روزہ جیسے اعمالِ صالحہ سے تعمیر کیا گیا ہے۔" (ھم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۱۸)۔ اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنّف لکھتے ہیں (۱) "اشعار میں بے شک دعویٰ ہے لیکن دعویٰ بے دلیل نہیں۔ مفکّرِ اعظم، شاعرِ مشرق علّامہ اقبال کی زبان سے سنیئے :- ؎

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است — پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است
نقشِ اِلّا اللہ بر صحرا نوشت — سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت
تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

اے صبا! اے پیکِ دور اُفتادگاں!!
اشکِ ما بر خاکِ پاکِ او رساں!!

(۲) حسین کی قربانی نے اسلام کو زندہ کیا۔ ماتم نے اس قربانی کو آج تک زندہ رکھا۔ ذکرِ حسین اور ماتم کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جہاں ذکرِ حسین ہوگا وہاں لازمًا ماتم بھی ہوگا۔ (۳) دین کا وہ محل جس کو سرکار رحمۃ للعلمین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلّم نے تعمیر کیا تھا۔ اس کی بنیادیں تو بنی اُمیّہ کے قیصرو کسریٰ نے متزلزل کر دی تھیں اور وہ محل قریب بانہدام ہو چکا تھا۔ یہ حُسین کی قربانی تھی جس نے اس گرتے ہوئے محل دین کو سہارا دیا۔ اپنے اور اپنے اعزّہ و اقارب اور یار و انصار کے خون سے اس کو مضبوط کیا۔ اسی لئے تو سلطان الہند، فخر الاولیاء حضرت خواجہ معین الدّین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

شاہ ہست حُسین! بادشاہ ہست حُسینؓ	دیں ہست حُسین! دیں پناہ ہست حُسینؓ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید	حقا کہ بنائے لا اِلٰہ ہست حُسینؓ

کوتاہ نظروں، شپرّہ چشموں کو چھوڑیئے! ؎

ہر دَور کے بلند خیالوں سے پوچھ لو	انسانیت کے نام پہ کیا کر گئے حُسین

گویا حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی منہدم اسلام کی تعمیر کی بنیادی اینٹ تھی اور ماتم ہر سال اس قربانی کی یاد تازہ کرتا ہے۔" (فلاح الکونین ص ۶۴، ۶۵)

الجواب

(۱) ماتمی ٹریکٹ میں دلیل نمبر ۱۸ کے تحت جو دو شعر لکھے گئے ہیں ان کے پہلے مصرعہ میں گرچہ کا لفظ غلط استعمال ہوا ہے، اور دوسرے شعر کے پہلے مصرعہ کا وزن بھی صحیح نہیں، کسی شاعر سے دریافت کر لیں۔ (ب) ان شعروں کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ امام حسین نے دین کے مسمار شدہ محل کی تعمیر اپنی قربانی سے کی، اور اگر حسین نہ ہوتے تو اسلام مٹ جاتا یعنی آپ نے اسلام کو بچا لیا۔ تو اگر آپ کا یہی قلبی یقین ہے تو یہ مقامِ مسرّت ہے نہ کہ مقامِ رنج و الم۔ پھر آپ کو اللہ کے دین کا محل تعمیر ہونے سے کیوں دکھ پہنچا ہے، محل دین کے تعمیر ہونے کی خبر سے تو ان دشمنوں کو رنج و الم پہنچتا تھا جو اس دین کی بربادی کے خواہاں تھے۔ کیا آپ بھی انہیں لوگوں میں شامل ہیں جو یہ نہیں چاہتے کہ پرچمِ حق بلند ہو، اور اللہ کا دین محفوظ ہو جائے۔ اس وجہ سے قیامت تک ان کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی ہے۔ (۲) یہاں تو آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ امام حسینؓ نے دین کے محل کو

سہارا دیا اور دین محفوظ ہوگیا۔ لیکن شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی امام زین العابدین کے رونے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ :۔ امام زین العابدین اپنے پدر بزرگوار کو اوروں سے بہتر اور فوائد وجود ان بزرگوار اور مفاسد عدم وجود اس امام اخیار کے اوروں سے زیادہ جانتے تھے اور معلوم تھا کہ وہ اپنے زمانہ میں محبوب ترین خلق خدا تھے۔ ان کے قتل سے ایک عالم کی گمراہی متصور ہے دینِ خدا ضائع ہوا، حضرت رسول کی سُنّت ضائع ہوئی۔ بنی اُمیّہ کی بدعتیں ظاہر ہوئیں اس سبب سے گریہ کرتے تھے اور تھوڑے غور سے صاف ظاہر ہے کہ یہ گریہ خدا کی طرف راجع ہے۔" (جلاء العیون جلد دوم صفحہ ۲۵۴ مطبوعہ انصاف پریس لاہور)۔

تو فرمائیے! آپ کی بات صحیح ہے کہ امام حسین کی قربانی سے اسلام زندہ ہوا یا علامہ باقر مجلسی کی تحقیق صحیح ہے کہ امام حسین کی شہادت سے دین خدا ضائع ہوا اور حضرت رسول کریم کی سُنّت ضائع ہوئی؟ نیز امام زین العابدین کی کثرت بکار کی وجہ علامہ مجلسی یہ لکھتے ہیں :۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت کا گریہ محبت و خوفِ حق تعالیٰ سے ہو۔" (صفحہ ۲۵۴) (ب) ہم نے یہ بھی سوال کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے محل کی تعمیر میں کیا کوئی ماتم کی اینٹ بھی لگائی تھی؟ لیکن اس کا مصنف "فلاح الکونین" نے کوئی جواب نہیں دیا۔ (۲) امام الاولیا حضرت سید معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے جو اشعار لکھے ہیں۔ وہ از روئے تحقیق حضرت کے ثابت نہیں ہوتے۔ چنانچہ دیوان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا جو "اللہ والے کی قومی دکان (لاہور) رجسٹرڈ" نے چھپوایا ہے، ہمارے پاس موجود ہے اس میں یہ اشعار موجود نہیں ہیں۔ (ب) ان اشعار سے آپ کا ماتم تو کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا، پھر آپ کو زیر بحث مسئلہ میں ان سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟ (ج) پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ :۔ دین است حسین دین پناہ است حسین شرعی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت حسینؓ خود دین نہیں ہیں بلکہ وہ دین کو ماننے والے ہیں۔ دین اور حسینؓ دو جدا جدا چیزیں ہیں نہ کہ ایک۔ (د) حضرت سیّد معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اہل سُنّت کے بزرگ ہیں نہ کہ ماتمیوں کے، آپ قطب الاقطاب ہیں۔ آپ سے فیض پاکر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اور پھر حضرت فرید الدین گنج شکر نے، اور آپ سے فیض یافتہ ہوکر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ دہلوی

اور حضرت خواجہ علاؤالدین صابر کلیری (کلیر شریف) نے ایک عالم کو روحانی فیوضات سے مشرف کیا۔ ان حضرات نے مذہب اہل سنت والجماعت کا نور پھیلایا۔ سنت وشریعت کے ہمیشہ پاسبان رہے، ان کے ذریعہ عوام کو خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی مرتضیٰ اور تمام صحابہ کرام، اہل بیت عظام، ازواج مطہرات کی عقیدت ومحبت نصیب ہوئی۔ شیعیت اور ماتم سے ان اولیاء اللہ کو کسی قسم کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اور یہ خصوصیت مذہب اہل سنت کو ہی نصیب ہوئی ہے کہ چشتی و قادری نسبت کے اولیاء اللہ ہوں یا نقشبندی وسہروردی نسبت کے تمام اہل سنت ہی ہوئے ہیں، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ (۳) آپ نے علامہ اقبال مرحوم کے جو اشعار پیش کئے ہیں ان سے بھی آپ کا ماتم ثابت نہیں ہوتا۔ اقبال مرحوم سنی تھے، خلفائے راشدین کو ماننے والے، چاریار کی حقانیت کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے۔ کیا کبھی علامہ اقبال نے ماتم کیا تھا؟ پھر آپ کو ان اشعار سے کیا فائدہ؟ ان اشعار میں تو شاعر اسلام اقبال مرحوم نے یہی بتایا ہے کہ حضرت حسینؓ نے صحرا پہ الا اللہ کا نقش لکھا یعنی توحید کا پرچم بلند کیا۔ لیکن آپ بجائے توحید کے ماتم کا علم بلند کرتے ہیں۔ ماتمی لوگ ذوالجناح کو بوسے دیتے ہیں اور شرک وبدعت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیا یہ مظاہر ماتم اس لئے ہیں کہ توحید وسنت کے نور کو معاذ اللہ ماتم کی آندھیوں سے بجھا دیا جائے لیکن یاد رکھئے۔ ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

آپ اپنے ماتمی کردار کا حضرت حسینؓ کی حیات مقدسہ سے کچھ تو تعلق ثابت کریں۔ (ب) بے شک حضرت حسینؓ نے الا اللہ یعنی توحید کا نقش لکھا لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہر شہید اپنے خون سے الا اللہ کا نقش ہی ثبت کرتا ہے۔ کیا شہدائے بدر و احد نے الا اللہ کے نقوش نہیں لکھے تھے۔ جن غازیان اسلام اور مجاہدین فی سبیل اللہ نے بدر و احد وغیرہ غزوات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے جانیں قربان کیں، اور جن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اعزازی طور پر آسمان سے فرشتے نازل کئے گئے تھے، اور انہوں نے باذن خداوندی کفار کو قتل بھی کیا تھا۔ (وہ ایسے فرشتے نہیں تھے جو کربلا میں لیٹ پہنچے) اور کیا خلافت فاروقی کے زمانہ میں جنگ یرموک اور جنگ قادسیہ کے شہدائے

توحید کے انمٹ نقوش نہیں چھوڑے تھے ؟ ۔کیا ان سب شہدائے کرام کا دین اسلام کی تعمیر میں کوئی حصہ نہیں ہے ؟ یقیناً اُن کا حصہ ہے بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دین حق کو غالب کرنے والے ہیں وہ ایسے مجاہدینِ اسلام ہیں جنھوں نے براہ راست محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مستفیض ہوکر طاغوتی اور ابلیسی محلاتِ اقتدار کو مسمار کر دیا، اور نہ صرف صحراؤں بلکہ دریاؤں پر بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا نقش قائم کر دیا ۔

علامہ اقبالؒ اور اسلامی فتوحات

ان نقوش توحید وسُنّت اور ان فتوحاتِ اسلامی کا نقشہ شاعر اسلام حضرتِ اقبال ہی کی زبان سے سن لیجئے :۔

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی — اہل چیں، چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورے میں آباد تھے ، یونانی بھی — اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی

پر ترے نام پہ تلوار اٹھائی کس نے ؟
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے ؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں — خشکیوں میں کبھی لڑتے ، کبھی دریاؤں میں
دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں — کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے — پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے — تیغ کیا چیز ہے ؟ ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیرِ خنجر بھی یہ پیغام سُنایا ہم نے

تو ہی کہہ دے کہ اُکھاڑا درِ خیبر کس نے — شہر قیصر کا جو تھا اس کو کیا سر کس نے
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے — کاٹ کر رکھ دیئے کفّار کے لشکر کس نے

کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو ؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو ؟

کون سی قوم فقط تیری طلب گار ہوئی — اور تیرے لیے زحمت کشِ پیکار ہوئی
کس کی شمشیر جہانگیر، جہاندار ہوئی — کس کی تکبیر سے دنیا تری آباد ہوئی

کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے
مُنہ کے بل گر کے ھُوَ اللّٰہُ اَحَد کہتے تھے

(شکوۂ اقبالؒ)

فرمائیے! شاعرِ اسلام علّامہ اقبال علیہ الرّحمۃ نے کن مجاہدوں اور غازیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ قیصر کا شہر کس نے فتح کیا تھا؟ اور ایران کا آتشکدہ کس نے ٹھنڈا کیا؟ یزدگرد شاہِ ایران کو کس نے شکست دی اور شاہ ایران کسریٰ کی بیٹی شہر بانو کس کے دورِ خلافت میں لونڈی بن کر آئی اور امام حسین کی زوجیّت کا شرف حاصل کیا اور اس سے امام زین العابدین پیدا ہوئے۔ فرمائیے افریقہ کے صحراؤں اور یورپ کے کلیساؤں میں کس کی خلافت میں اذانیں دی گئیں؟ بیت المقدّس کو کس نے فتح کیا؟ کیا اقبال مرحوم نے ان شعار میں فاتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ کے علاوہ عظمتِ خلافتِ صدیقی، سطوتِ خلافت فاروقی اور شوکتِ خلافتِ عثمانی کو خراج تحسین پیش نہیں کیا؟ کیا سیف اللہ حضرتِ خالد کی تلوار نے اِلاَّ اللہ کے نقوش صفحۂ دہر پر ثبت نہیں کیے تھے؟ کیا بنو امیّہ کو مطعون کر کے اسلام کی اس عظیم الشّان تاریخ کو مٹایا اور بھلایا جاسکتا ہے؟ آپ کے نزدیک نعوذ باللہ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدّیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنّورین کے دورِ خلافت میں دین کا محل مسمار ہو رہا تھا، اور آپ کا عقیدہ یہی ہے تو فرمائیے شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ نے خلفائے ثلاثہ کے اس چوبیس سالہ دَور میں اپنی قربانی دے کر محلّ دین کو سہارا کیوں نہ دیا، اور پھر بنو امیّہ کے امیر معاویہؓ کے دَور میں اگر دین کے محل کو مسمار کیا جا رہا تھا تو حضرت حسین نے قربانی دے کر اس

کی کیوں حفاظت نہ کی۔ بلکہ برعکس اس کے دین کا محل مسمار کرنے والوں کا وظیفہ خوار بن کر تقریباً بیس سال اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کیوں ضائع کر دیئے۔ کیا تقیّہ کا نام لے کر ان حقائق پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے آپ کے اس ماتم کی بنیاد شہادتِ حسین کی عظمت نہیں بلکہ ماتم کے شور و شین میں صبر و شہادت کے مرتبہ کو عوام کی نظروں میں کم کرنا اور خلفائے راشدین کی قربانیوں اور فتوحاتِ صحابہ کی شاندار اسلامی تاریخ کو نظرانداز کرنا مقصود ہے۔ یہ ماتمی تحریک جہاد فی سبیل اللہ کے خلاف ایک سازش ہے جو محبتِ حسین کے نام پر چلائی گئی ہے اور عوام کے جذبات سے کھیل کر اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن انشاء اللہ! وہ وقت آنے والا ہے کہ باطل کے تاریک پردے ہٹ جائیں گے اور نورِ حق جلوہ گر ہو جائے گا۔ (ج) غالباً آپ نے اقبال مرحوم کے اس شعر سے اپنا ماتم ہی مراد لیا ہوگا کہ :— ؎

اے صبا! اے پیکِ دُور اُفتادگاں ! اشکِ ما بر خاکِ پاکِ اُو رساں !

لیکن اگر اقبالؒ کا مقصد اس سے ماتمی ذہنیت کے مطابق رنج و الم کا اظہار ہوتا تو وہ امام حسینؓ کی قربانی پر فخر نہ کرتا۔ اس لیے اس کے تحفۂ اشک کا تعلق آپ کے ماتم سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا باعث ایک قسم کا وہ سُرور و فخر ہے جو عظمتِ حسین کے تحت شاعر کے قلب میں جاگزیں ہے، اور مسرت و افتخار کے موقع پر بھی رقیق القلب انسان کی آنکھیں اشکبار ہو جایا کرتی ہیں۔

غزوۂ تبوک میں صدیقؓ و فاروقؓ کا ایثار

(از شاعرِ اسلام علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

اک دن رسولِ پاک نے اصحاب سے کہا — دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے — اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور — بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسولِ امیںؐ کے پاس — ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرورِ عالمؐ نے اے عمرؓ! — اے وہ کہ جوشِ حق سے تیرے دل کو ہے قرار

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟ مُسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملّتِ بیضا پہ ہے نثار

اتنے میں وہ رفیقِ نبوّت رضؓ بھی آگیا جس سے بنائے عشق و محبّت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
مِلکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس اسپِ قمر سُم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضور! چاہیئے فکرِ عیال بھی کہنے لگا وہ عشق و محبّت کا رازدار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدّیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس (بانگِ درا)

غازیانِ جنگِ بدر

از شاعرِ اسلام ابو الاثر حفیظ جالندھری

نہتّے تھے غلامانِ نبی تعداد میں کم تھے مگر اللہ والے تھے، مگر مردانِ عالم تھے
یہ بے ساماں لڑے کچھ اس طرح سامان والوں سے کہ اُن کے ہاتھ رکتے تھے نہ خود سے نہ ڈھالوں سے
ابوبکرؓ اپنے بیٹے پر بڑھے تیغہ عَلَم کرکے جو آیا راہ میں سر رکھ دیا اس کا قلم کرکے
عمر فاروقؓ نے بھی ہاتھ جس مغرور پر ڈالا پچھاڑا اور چھاتی پر چڑھے اور قتل کر ڈالا
جو اتراتے تھے مدعیانِ نام و ننگ ہو ہو کر علیؓ کی ضربتوں سے رہ گئے چور ننگ ہو ہو کر
بہادر بو دجانہؓ شیر کی صورت جھپٹتے تھے! عدو اللہ کو بے قتل کر ڈالے نہ ہٹتے تھے!
غلامانِ محمد میں کسی سے کم نہ تھا کوئی نحیف اور بھوکے پیاسے تھے مگر بیدم نہ تھا کوئی
لڑے اس طرح حق کی راہ میں سینہ سپر ہو کر کہ اکثر حملہ آور رہ گئے زیر و زبر ہو کر!

زباں تکبیر میں مشغول، بازو قتلِ دشمن میں
فزوں ہوتا تھا اک اک زخم پر سیروں لہو تن میں
ثبات و صبر تھا ذوقِ یقیں کی کارسازی سے
تھے ورنہ تین تیں اُلجھے ہوئے ایک ایک غازی سے

سرکارِ مدینہؐ کی دُعا

نظر آتے تھے مردانِ خدا کُل تین سو تیرہ
جنھیں میدان میں شیطان کے لشکر نے آگھیرا
نہتے تین سو تیرہ مگر پُتلے تھے غیرت کے
علمبردار تھے یہ ایک غیر تمندہ اُمّت کے
کھڑے تھے اس طرح اس لشکرِ کذّاب کے آگے
ہٹائیں ڈٹ گئی ہوں جس طرح سیلاب کے آگے
صحابہ کو جو دیکھا محوِ ذوقِ جاں سپاری میں
سَرِ سَردارِ عالم جُھک گیا درگاہِ باری میں
طبیعت پر وہی کیفیّتِ رقّت ہوئی طاری
کہ جس سے جُز محمّدؐ ہر بشر کا قلب ہے عاری
وہ جس کے گھر قبولیّت مرادیں مانگنے آئے
وہی اُس وقت سجدے میں پڑا تھا ہاتھ پھیلائے
بہت نازک تھیں یہ باہم نیاز و ناز کی گھڑیاں
لئے تھے دو صدف دُر دانہ ہائے اشک کی لڑیاں
قریبِ سجدگہ صدیقؓ محوِ اشک باری تھے!
لبِ محبوبؐ پر اُس وقت یہ الفاظ جاری تھے
الٰہی یہ ترے بندے ہیں تیری راہ میں حاضر
ہوئے ہیں سر بکف ہو کر شہادت گاہ میں حاضر
ترے پیغام کی آیات ہیں اُن کی زُبانوں پر
مدارِ قسمتِ توحید ہے ان چند جانوں پر!
اگر اغیار نے ان کو جہاں سے محو کر ڈالا
قیامت تک نہیں پھر کوئی تجھ کو ماننے والا

الٰہی اب وہ عہدِ لیلۃ المعراج پورا کر
محمّدؐ سے جو وعدہ ہو چکا ہے آج پورا کر

کُفّار کی شکست

مجاہد جا پڑے کفّار پر گھبرا گئے کافر
ہَوا کا رُخ بدلتے ہی ہزیمت کھا گئے کافر
بھری تھی خاک آنکھوں میں سجھائی کچھ نہ دیتا تھا
سِوا اللہ اکبر کے سُنائی کچھ نہ دیتا تھا

سراسیمہ، ہراساں، بدحواس ومنتشر بھاگے — یہ اس سے دس قدم آگے وہ اس سے دس قدم آگے
ہوا جب منتشر جمعیّتِ باطل کا شیرازہ — کیا شیطان نے اللہ کی قدرت کا اندازہ
اتارا جا چکا تھا دستِ حق سے تاج باطل کا — سرِ میداں تعاقب ہو رہا تھا آج باطل کا
وہ باطل چھٹ گیا آخر وہ لشکر کٹ گیا آخر — معیّن وقت آیا زورِ باطل گھٹ گیا آخر
غرور و ناز تھا جس قوتِ ناپاک کے اوپر — وہ قوّت ہر طرف بکھری ہوئی تھی خاک کے اوپر

مسلّط تھا زبردستوں پہ خوف اب زیر دستوں کا
خدا والے تعاقب کر رہے تھے خود پرستوں کا

(شاہنامۂ اسلام جلد دوم)

کیا ماتمیوں میں غازیانِ بدر کے نقوشِ شہادت وجہاد کو بھی کوئی محفوظ رکھنے والا پایا جاتا ہے اور کیا مجاہدین بدر کا تعمیرِ دین میں کوئی حصّہ نہیں۔ عبرت! عبرت! عبرت!

بحث دلیل نمبر ۱۹

ماتمی ٹریکٹ میں مندرجہ ۱۸ دلائل کے جوابات اور پھر مصنّف صاحب "فلاحُ الکونین" کی طرف سے ان کے جواب الجواب کا مذکورۂ زیرِ بحث نمبروں میں پورا ابطال کر دیا گیا ہے۔ میرے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کے جواب میں تلہ گنگ سے ملک غلام عباس صاحب بی۔ اے نے ایک معمولی سا اشتہار بنام "کھلی چٹھی بنام مظہر حسین مولوی چودھویں صدی" شائع کیا تھا۔ جس کے جواب الجواب میں ایک ٹریکٹ بعنوان "ملک غلام عباس بی۔ اے کی ماتمی کھلی چٹھی کا جواب اور چار لاکھ روپیہ انعام" شائع کیا گیا تھا جو رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کے دوسرے ایڈیشن میں شامل کر دیا گیا۔ ملک صاحب موصوف کی اس کھلی چٹھی میں قرآن مجید کی آیت فصکت وجہھا سے بھی استدلال کیا گیا تھا جس کا جواب دے دیا گیا تھا۔ اب اس کے جواب الجواب میں مصنّف "فلاح الکونین" نے بھی اس پر بحث کی ہے۔ اس لئے دلائل مذکورہ کی بحث کے ساتھ ہی یہاں دلیل نمبر ۱۹ کے تحت مذکورہ آیت پر بحث لکھ دی گئی ہے تاکہ قارئین کرام کو ماتمی دلائل اور اُن کے جوابات پڑھنے اور سمجھنے میں آسانی رہے۔

آیت فَصَکَّتْ وَجْهَهَا کا مطلب

پوری آیت یہ ہے :- وَبَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ (پارہ ۲۶-سورۃ الذّاریات ع ۲) :- "اور فرشتوں نے ان کو (حضرت ابراہیم کو) ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا۔ اتنے میں اُن کی بی بی بولتی آئیں، پھر ماتھے پہ ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اوّل تو) بڑھیا پھر بانجھ" (ترجمہ مولانا تھانوی) اس آیت کے تحت ملک صاحب موصوف نے لکھا تھا :- (ترجمہ) "پس آئی بیوی ابراہیم کی چلاتی ہوئی اور اس نے اپنا مُنہ پیٹ لیا" بی بی سارہ نے جو اپنا مُنہ پیٹا محرومیٔ اولاد اور حیرت کی وجہ سے تھا۔ لیکن سیّدالشہداء کا واقعہ زیادہ حیرت انگیز ہے الخ اس کا جواب رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کے ضمیمہ میں یہ دیا گیا تھا کہ (ل) ملک صاحب! اگر اس آیت کی وجہ سے مصیبت کے وقت منہ پیٹنا عبادت ہوتا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور امام جعفر صادق اس سے کیوں منع فرماتے؟ (ب) فَصَكَّتْ وَجْهَهَا کا معنی یہ ہے کہ بی بی سارہ نے اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور یہ اس موقعہ کا ذکر ہے کہ جب حضرت سارہ زوجہ حضرت ابراہیم کو بیٹا پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔ تو اگر ماتمی لوگ بی بی سارہ کی سُنّت ادا کرنا چاہتے ہیں تو اپنے بیٹوں کی پیدائش کے موقعہ پر مجلسِ ماتم بپا کیا کریں۔ (ج) قرآن مجید سے تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بی بی سارہ نے بیٹا پیدا ہونے کی بشارت سُنی، تو چونکہ آپ بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اس لیے آپ نے تعجّب کی بنا پر دفعتہً اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور یہ ایک وقتی تاثّر تھا جس کے جواب میں فرشتہ نے کہا :- اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ - (پارہ ۱۲، رکوع ۷، سورۃ ھود) :- (کیا تو اللہ کے امر پر تعجب کرتی ہے؟ اے ابراہیم کے گھر والی تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں) اس کو ملک صاحب کے ماتم سے کیا تعلق؟ کیا بی بی سارہ نے پھر ہر سال اس دن ماتم کی مجلس قائم کی یا ایک سے زیادہ بار مُنہ پر ہاتھ مارا۔ ایک آدھ ہاتھ مارنے سے تو ماتم ثابت نہیں ہوتا۔ (د) اگر تعجب کی بنا پر بی بی سارہ کی سنّت ادا کرنی ہے تو پھر تعجّب اور حیرت کے موقعہ پر بھی مجلس ماتم بپا کیا کریں، کیا خوب سمجھ ہے الخ (ص۳۹) اس کے جواب الجواب میں مصنّف "فلاح الکونین" نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا بیٹا ہونا بھی

کوئی تعجّب کی بات ہے جس کے لیے آپ حضرت امام حسین علیہ السّلام کا ماتم کرنے والوں سے ایسے موقعہ پر مجلسِ ماتم بپا کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس کو تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جناب سارہ نے حیرت و استعجاب کے عالم میں یہ کہہ کر منہ پر ہاتھ مارا کہ مَیں بانجھ عورت، میرا شوہر بوڑھا لیکن قرآن کریم کی رُو سے یہ امر اس قدر تعجب خیز نہیں جتنا کہ حیرت و استعجاب میں غرق کر دینے والا واقعہ اصحابِ کہف ہے، نیز اصحابِ کہف کے واقعہ سے اور زیادہ تعجّب میں ڈالنے والا سانحۂ کربلا ہے۔ جس کے تعجب خیز ہونے کی تصدیق حضرت امام حسین کے کٹے ہوئے سَر نے کی" اس کے بعد وہ روایات درج کی ہیں جن میں یہ تذکرہ ہے کہ امام حسین کے کٹے ہوئے سَر نے سورۂ کہف کی آیات تلاوت کیں اور پھر لکھا ہے کہ اس قدر تعجب خیز امر پر جو اصحاب کہف و رقیم سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے) روئیں اور سینہ پیٹیں تو آپ ہی بتائیں اس سے اسلام کے کس رکن کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ جس کے لیے آپ اس قدر پریشان ہیں اور ماتمِ حسینؑ کو بند کرانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں" (ذلالحج الکونین ۱۲۳-۱۲۴)

الجواب

آپ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سارہ نے تعجّب کی بنا پر منہ پیٹا تھا اور امام حسین کا سانحہ چونکہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے اس لیے اس پر مُنہ پیٹا جاتا ہے وغیرہ۔ تو اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر ماتم کی بنیاد تعجّب ہی ہے تو پھر آپ سورۂ کہف کی آیات تلاوت کرتے وقت یا اصحابِ کہف کا واقعہ یاد کر کے کیوں ماتم نہیں کرتے۔ جبکہ آپ خود یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ اصحابِ کہف کا واقعہ، حضرت سارہ کے واقعہ سے زیادہ عجیب ہے۔ یہ بھی کیا تعجب خیز بات نہیں کہ قرآن کے بیان کردہ تعجّب انگیز واقعہ پر تو ماتم آپ نہ کریں، اور وضعی روایات کی بنا پر (کہ حضرت حسین کے کٹے ہوئے سَر نے سورۂ کہف کی آیات تلاوت کیں) آپ کا ماتم حسین کبھی ختم ہی نہ ہونے پائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ بنائے ماتم تعجّب نہیں کوئی اور امر ہے۔ (۲) اگر بالفرض کٹے ہوئے سر نے تلاوت کی ہے تو یہ ایک خارقِ عادت واقعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظہور ہوا اور ہر خارقِ عادت واقعہ جو قادرِ مطلق کی قدرت سے ظہور پذیر ہوتا ہے، تعجّب خیز ہی ہوتا ہے۔ تو پھر آپ کو ہر خارقِ عادت معجزہ یا کرامت پر بھی ماتم کی مجلس بپا کرنی چاہیئے مثلاً قرآنِ حکیم سے ثابت

کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا عصا اژدھا بن گیا اور آپ کے عصا مارنے سے دریا میں بارہ خشک راستے پیدا ہوگئے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے باذن اللہ مردے زندہ کئے، اور سورۃ القمر میں حضور خاتم النبیّن صلّی اللہ علیہ وسلّم کا معجزہ مذکور ہے کہ چاند پھٹ گیا، اور قرآن و حدیث سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا عظیم الشّان معجزہ معراج بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے جسم مبارک کے ساتھ آسمانوں پر بلکہ مقامِ قَابَ قَوسَین پر تشریف لے گئے اور قرآن کریم خود ایک عجیب و غریب[1] علمی معجزہ ہے کہ آج تک کوئی مخلوق اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کا بھی مقابلہ نہ کرسکی اور نہ کبھی قرآن کے اس چیلنج کا جواب دے سکے گی کہ:- فَأْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ - کیا یہ سب معجزات تعجب خیز نہیں جو قرآن سے ثابت ہیں اور صرف امام حسین کا شہید ہونا اور آپ کے سر مبارک کا تلاوت کرنا ہی عجیب ہے اور اگر آپ تعجب خیز امر کی وجہ سے ماتم کرتے ہیں تو اس بنا پر تو ماتمیوں کو چاہئے کہ وہ ہر معجزہ کا ماتم کریں اور اولیاء اللہ کی ہر کرامت پر صفِ ماتم بچھالیں - کیا حضرت مریم کے حجرے میں بے موسمی پھلوں کا موجود ہونا تعجب خیز امر نہیں ہے؟ اور کیا حضرت زکریا علیہ السّلام کو بڑھاپے میں حضرت یحییٰ جیسا فرزند کا عطا ہونا بھی تعجب خیز نہیں ہے، اور کیا حضرت زکریّا نے یا آپ کی زوجہ مکرّمہ نے یا آپ کی اولاد نے بھی اس پر کبھی ماتم کیا ہے؟ اپنے ماتم کی مجوّزہ بنیاد پر قائم رہ کر کیا آپ ان سوالات کا جواب دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج | تا ثریّا مے رود دیوار کج

(۳) حضرت سارہ کا تعجب کی بنا پر اپنے منہ پر ہاتھ مارنا اس کو عُرف میں ماتم نہیں کہتے - عمومًا یہ عورتوں کی عادت ہے کہ تعجب کے موقعہ پر اس طرح کیا کرتی ہیں -

تفاسیر اہلِ سُنّت

چنانچہ اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیّع دونوں کی تفاسیر سے یہ امر ثابت ہے - (۱) امام رازی مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

---

[1] چنانچہ قرآن مجید میں جنّات کا یہ قول مذکور ہے:- اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّھْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ - (سُوْرَۃُ الْجِنّ) :- "ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو راہِ راست بتلاتا ہے، سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے" (مولانا تھانوی) اور مولوی مقبول احمد شیعی مفسّر لکھتے ہیں :- بے شک ہم نے ایک عجیب کتاب سنی"

:۔ کما جرت عادۃ النّساء حیث یسمعن شیئًا من احوالھن یصحن صیحۃ معتادۃً لھن عند الاستحیاء او لتعجّب ..... وصَکّ الوجہ ایضًا من عادتھن۔ (تفسیر کبیر) :۔ ”جیسا کہ یہ عورتوں کی عادت جاری ہے کہ جب وہ اپنے حالات میں سے کوئی بات سنتی ہیں تو وہ چلّاتی ہیں اور یہ ان کی بوقتِ حیا اور تعجّب عام عادت ہے ----- اور منہ پر ہاتھ مارنا بھی ان کی عام عادت ہے۔“ (۲) حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں :۔ قالَ ابن عباس لطمت وجہھا یعنی جمعت اصابعھا فضربت وجہھا کما ھو عادۃ النّساء عند التّعجب اذا انکرن شیئًا وقیل وجدت حرارۃ دم الحیض فلطمت وجہھا من الحیاء۔ ”حضرت عبداللہ بن عباس نے فَصَکَّتْ وَجْھَھَا کا معنی کیا ہے لَطَمَتْ وَجْہَہَا یعنی اپنی انگلیوں کو جمع کیا اور پھر اپنے منہ پر مارا جیسا کہ یہ تعجّب کے موقعہ پر عورتوں کی عادت ہے جب وہ کسی بات کو اوپری (عجیب) سمجھتی ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بی بی سارہ نے حیض کے خون کی حرارت محسوس کی اور حیاء کی وجہ سے اپنے منہ پر ہاتھ مارا۔“ (تفسیر مظہری)

(۳) علامہ آلوسی لکھتے ہیں :۔ قال مجاھد ضربت بیدھا علیٰ جبھتھا وقالت یا ویلتاہ وقیل انّھا وجدت حرارۃ الدمّ فلطمت وجہھا من الحیاء وقیل انّھا لطمت تعجبا وھو فعل النساء اذا تعجبن من شئ۔ (روح المعانی) :۔ (مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت سارہ نے اپنا ہاتھ اپنے ماتھے پر مارا اور کہا یا ویلتاہ، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہوں نے خون کی حرارت محسوس کی۔ پس حیاء کی وجہ سے اپنے چہرہ پر ہاتھ مارا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے تعجّب کی وجہ سے ہاتھ مارا، اور یہ عورتوں کا عام فعل ہے جب وہ کسی بات پر تعجّب کرتی ہیں)

اسی طرح دیگر تفاسیر اہلِ سُنّت میں بھی لکھا ہے اور مندرجہ بعض اقوال سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ نے حیا و شرم کی وجہ سے چہرہ پر ہاتھ مارا۔ بہرحال تعجّب کی بنا پر ہو یا حیاء کی وجہ سے منہ یا ماتھے پر ہاتھ مارنا عورتوں کی عام عادت بیان کی گئی ہے اور آج کل بھی وہ عمومًا ایسا ہی کرتی ہیں۔ تو فرمائیے جب کوئی عورت تعجّب یا حیاء کے موقعہ پر اپنے مُنہ پر ہاتھ مارتی ہے تو کیا اس کو عُرفًا پیٹنا اور ماتم کہا جاتا ہے ہرگز نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ ضروری نہیں کہ عورتوں کا چہرہ پر ہاتھ مارنا کسی بہت بڑے تعجب انگیز امر

پر ہی ہو بلکہ عام طور پر کوئی بات بھی ان کو اوپری (عجیب) لگے تو ایسا کیا کرتی ہیں۔ لہٰذا اگر آپ اس آیت سے معروف پیٹنا اور ماتم ہی مراد لینے پر مصر ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ تعجب کی باتوں پر اور حیاو شرم کے موقعہ پر بھی ماتم کیا کریں۔ صرف امام حسین کے سانحۂ کربلا کے ساتھ اس کو مختص کیوں کیا جاتا ہے۔؟ علاوہ ازیں حضرت سارہ نے تو عورت ہونے کی وجہ سے عورتوں کی عام مروّجہ عادت کے مطابق مُنہ پر ہاتھ مارا تھا۔ تو اگر مردانِ ماتم عورتوں کی عادت وجبلّت کی پیروی کو ہی مردانہ بلکہ مومنانہ کمال سمجھتے ہیں تو یہ ان کو مبارک ہو ۔ ع :- ادا اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی ۔

تفاسیرِ شیعہ

گو فَصَكَّتْ وَجْهَهَا کا ترجمہ شیعہ مترجمین مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی اور مولوی فرمان علی صاحب نے مُنہ پیٹنا ہی کیا ہے، لیکن اس کا جو مطلب متقدّمینِ شیعہ نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے۔ (۱) قدیم شیعہ مفسّر شیخ قمی فَصَكَّتْ وَجْهَهَا کا معنی لکھتے ہیں :- ای غطّتہٗ بما بشرھا جبرئیل (ع) باسحٰق (ع) یعنی حضرت سارہ نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا بوجہ اس کے جو حضرت جبرئیل نے آپ کو حضرت اسحٰق کی بشارت دی تھی ۔) فرمائیے! شیخ قمی نے تو ماتم کے درخت کی جڑ ہی کاٹ دی، لہٰذا ماتمیوں پر لازم ہے کہ وہ اس آیت کے تحت تعجب یا ماتم کے وقت اپنے چہروں کو چھپا لیا کریں (۲) آپ کے شیخ طبرسی بھی یہی معنی لکھتے ہیں :- ای غطّتہٗ بما بشرھا جبرئیل (ع) باسحٰق (ع) یعنی آپ نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اس وجہ سے کہ آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی تھی۔) یہ ہے وہ حق جو چھپانے سے چھپتا نہیں اور مٹانے سے مٹتا نہیں۔ مذکورہ آیت کی بنا پر آپ نے جو ماتم کا فلسفہ بیان کیا ہے اور تعجب خیز روایات کے شواہد پیش کیے ہیں۔ آپ کے قدیم مفسّرین نے اس ساری بنیاد کا ہی خاتمہ کر دیا ۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ جواب دیا ہے کہ، قاضی صاحب! ہوش کی دوا کریں، بیٹا پیدا ہونا بھی کوئی تعجب کی بات ہے الخ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت سارہ کو بیٹے کی پیدائش کی ہی تو بشارت دی گئی تھی جس پر وَبَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ کے الفاظِ قرآنی دلالت کرتے ہیں ۔ یہ جدا بات ہے کہ اس بشارت فرزند کے وقت آپ کو اپنے بانجھ ہونے کی وجہ سے تعجب بھی لاحق ہو گیا، اور میرا مطلب یہی تھا کہ اگر آپ

ضرت سارہ کی سنّت کے تحت ماتم کرتے ہیں تو پھر پوری سُنّت کی پیروی تو یونہی ہو سکتی ہے کہ بچوں
ی پیدائش پر بھی ماتم کی مجلس بپا کیا کریں۔ کیا قطرہ سے بچّہ کا پیدا ہوجانا آپ کے لیے تعجب خیز امر نہیں ؟

ایک اور جہالت

آپ نے نمبر ۳ کے تحت لکھا ہے کہ :- کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی نبی یا رسول یا کسی اوصیاء یا اولیاء کا ایک مرتبہ کیا ہوا عمل سنّت بن
اتا ہے اور آنے والی نسلیں ہر سال اور ہر مقام پر اس کی یادگار مناتی ہیں۔ چنانچہ ابراہیم خلیل اللہ کی
ربانی اس کی بیّن دلیل ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے منیٰ کے میدان میں صرف ایک دُنبہ ذبح
یا۔ مسلمان آج تک دنیا کے ہر ملک اور ہر مقام پر حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کی اس قربانی کی یاد منانے
کے لیے لاکھوں جانور ذبح کرتے ہیں۔ یونہی جناب سارہ نے اگرچہ ایک ہی مرتبہ منہ پر ہاتھ مارا لیکن اللہ
ائی نے جناب سارہ کے اس عمل کو قرآن مجید میں صاف بتا دیا، ایسا کرنا گناہ نہیں۔ نیز نمونہ دینے یا مثال
ائم کرنے کے واسطے کسی عمل کو بار بار دُہرایا نہیں جاتا۔ جناب سارہ نے خواہ ایک ہاتھ یا دونوں، ایک
ی مرتبہ مارا یا متعدد بار، اس عمل کو پیٹنا ہی کہا جائے گا۔ مانیں یا نہ مانیں یہ آپ کی مرضی۔ (فلاح الکونین ص ۱۲۴)

الجواب

(۱) قربانی پر ماتم کو قیاس کرنا آپ کی نری جہالت ہے یا تلبیس و فریب۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السّلام
کو لٹا کر ذبح کرنا تو سورۃ الصّٰفّٰت میں صراحتاً مذکور ہے (گو اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت ذبح ہونے
یں مانع ہوئی) اور سورۃ الحجّ میں سابقہ امّتوں کے لیے قربانی کا حکم بھی موجود ہے :- وَلِكُلِّ أُمَّةٍ
جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ :- " ہم نے ہر اُمّت کے لیے قربانی
کرنا اس غرض کے لیے مقرر کیا تھا کہ وہ ان (مخصوص) چوپاؤں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو عطا فرمائے
تھے :- (ترجمہ مولانا تھانوی) اور پھر اسی سورۃ میں نہ صرف یہ کہ اس اُمّتِ محمّدیہ علی صاحبہا الصّلوٰۃ
والتحیۃ کے لیے قربانی دینے کا حکم دیا گیا۔ بلکہ قربانی کے لیے اونٹوں کو ذبح کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے
:- وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ
جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ :- " اور قربانی کے

اونٹ اور گائے (اور اسی طرح بھیڑ اور بکری کو بھی) ہم نے اللہ (کے دین) کی یادگار بنایا ہے ان (جانوروں) میں تمہارے (اور بھی) فائدے ہیں۔ سو تم ان پر کھڑے کرکے (ذبح کرنے کے وقت) اللہ کا نام لیا کرو پس جب وہ (کسی) کروٹ کے بل گر پڑیں (اور ٹھنڈے ہو جائیں) تو تم خود بھی کھاؤ اور بے سوال اور سوالی (محتاج) کو بھی کھانے کو دو اور ہم نے ان (جانوروں) کو اس طرح تمہارے زیر حکم کر دیا تاکہ تم (اس تسخیر پر اللہ کا) شکر ادا کرو" (پ ۱۷ - سورۃ الحج ع ۵)۔

قرآن حکیم اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات کے تحت حجاج منیٰ میں قربانیاں کرتے ہیں اور دوسرے مقامات پر بھی حکم نبوی اور سُنّتِ نبوی کے مطابق مسلمان ہر سال ان ایّام میں قربانی کا حکم بجا لاتے ہیں اور یہ شریعت کے واضح احکام کے تحت قربانی کا سلسلہ قائم ہے۔ اس لیے اس پر ماتم کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ماتم کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یہ ماتم خود کسی شہید کا کیا ہے۔ نہ ہی اس کا حکم دیا ہے اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے آپ نے جو استدلال کیا ہے اس کا مفصّل ابطال پہلے کیا جا چکا ہے اور نہ ہی ہر سال آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے یا صحابہ کرام نے اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کسی کا یہ ماتم کیا ہے جو آپ کرتے ہیں اور نہ ہی ہر سال کسی کا کبھی غم ہی منایا ہے۔ (۲) آپ کا نفس جس کام کو چاہے وہ شرعاً سنّت نہیں بن جاتا بلکہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السّلام کی ہر سنّت کی پیروی بھی ہمارے لیے نہیں ہے۔ جب تک کہ شریعتِ محمّدیہ سے اس کا ثبوت نہ مل جائے کیونکہ سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو چکی ہیں (۳) حضرت سارہ کے عمل کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے اور آپ کے شیعہ مفسّرین شیخ قمی اور شیخ طبرسی یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ انہوں نے ایک بار بھی منہ پر ہاتھ مارا تھا۔ کیونکہ وہ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا کا یہ معنی کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنا منہ ڈھانپ لیا تھا اور جو مفسّرین یہ معنی کرتے ہیں کہ حضرت سارہ نے منہ پر ہاتھ مارا تھا تو وہ بھی ماتم مراد نہیں لیتے بلکہ عورتوں کی عام عادت کے ماتحت تعجّب سے منہ پر ہاتھ رکھنا ہی مراد لیتے ہیں، اور عورتیں اب بھی ایسے مواقع پر ایسا ہی کرتی ہیں اور کوئی اس کو ماتم نہیں سمجھتا اور تعجّب ہے کہ نہ لغوی معنیٰ میں یہ ماتم ہے اور نہ عرفی معنیٰ میں۔ تو آپ خواہ مخواہ ایسے رکیک استدلالات پیش کرکے کیوں اپنی جہالت کا مزید

ثبوت دیتے ہیں۔ آپ تو ایسے ڈوبنے والے ہیں جن کو تنکے کا سہارا بھی نصیب نہیں ہے۔

بحث دلیل نمبر ۲۰

آیت لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ۝

مصنف "فلاح الکونین" نے مندرجہ بالا آیت سے بھی اپنے ماتم کا استدلال کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ :۔ شیعہ ہر ماتم کے جواز کے مدعی نہیں لیکن حضرت امام حسین کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً قائل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں، اور قرآنِ حکیم مظلوم کے لیے جزع فزع کی اجازت دیتا ہے :۔ قال اللہ تعالیٰ، لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ۝ (پ ۶ سورۃ النسآء آیت ۱۴۸) :۔ "اللہ تعالیٰ بری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے ہیں اور خوب جانتے ہیں" یعنی مظلوم اگر اپنے ظالم کی نسبت حکایت و شکایت کریں گے تو وہ گناہ نہیں۔" (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ)

تعریفِ قولِ سُوء

اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ قولِ سُوء کیا ہے جس کے کہنے کی اجازت مظلوم کو ہے۔ الجزع القول السیّئُ اراد بہ تجویز الجزع الممنوع :۔ "قولِ سُوء سے مراد جزع ممنوع ہے جو مظلوم کے لیے جائز ہے" فرمائیے قاضی صاحب امام علیہ السّلام کا فتویٰ اپنے جدِّ نامدار حضرت امام حسین علیہ السّلام کے ماتم کے واسطے ہے یا عام لوگوں پر جزع فزع کے لیے۔ ایسی ضعیف روایات کا سہارا لے کر ماتمِ حسین کو روکنے اور ذکرِ حسین کو بند کرانے کی کوششیں کبھی کامیاب نہ ہوں گی" (فلاح الکونین ص۳۷) اور اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :۔ آیتِ مجیدہ مظلوم کو یہ حق ادا کر رہی ہے کہ ظلم وستم جو اس پر روا رکھے گئے ان کو بیان کرے اور ظالم کی شکایت کرے۔ ہماری مجالس، ہمارا گریہ و ماتم کا مقصد امامِ مظلوم کی حمایت اور کربلا کے سانحۂ عظیم کو دنیا کے سامنے آشکارا کرنا ہے۔ جس سے بڑھ کر وحشت و بربریّت، ظلم وستم، عداوت شقاوت کی رُوئے زمین پر اور کوئی مثال نہیں۔ اب بتائیں اس سے زیادہ قرآن کریم سے مرثیہ خوانی اور سینہ زنی کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ (ص۱۲۱)۔

الجواب

(۱) آیت میں مظلوم کو صرف زبان سے ظالم کی شکایت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مِنَ الْقَوْلِ کو ملحوظ رکھیں چنانچہ مولوی مقبول احمد شیعی مفسّر نے بھی یہ ترجمہ کیا ہے :" اللہ لفظوں میں کھول کر بدی بیان کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جو ستایا گیا ہو۔" (ترجمہ مقبول) اس آیت میں صرف یہ ہے کہ مظلوم کے لیے اجازت ہے کہ وہ ظالم کی شکایت بیان کرے، لیکن یہ کوئی نیکی اور عبادت بھی نہیں ہے کہ مظلوم ایسا ہی کرے بلکہ بہتر یہ ہے کہ مظلوم ظالم کو معاف کردے۔ چنانچہ دوسری آیت میں فرمایا :- اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے :- (اور ہر چند ایسی شکایت جائز تو ہے لیکن) اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو (جس میں معاف کرنا بھی آگیا) یا (بالخصوص) کسی (کی) برائی کو معاف کردو (تو زیادہ افضل ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ (بھی) بڑے معاف کرنے والے ہیں (باوجودیکہ) پوری قدرت والے ہیں۔" (کہ اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کردیتے ہیں۔ پس اگر تم ایسا کرو تو اوّل تو تخلّق باخلاق الٰہیہ ہے پھر تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی اُمّید ہوگی۔ (تفسیر بیان القرآن)

تفاسیرِ شیعہ

(۱) مولوی مقبول احمد صاحب، آیت :- أَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْءٍ کا ترجمہ لکھتے ہیں :" اگر تم کسی نیکی کا اظہار کروگے یا اس کو چھپاؤگے یا کسی برائی سے درگذر کروگے تو اللہ بھی بڑا درگذر کرنے والا ہے، قدرت رکھنے والا ہے۔" شیخ طبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :- معناه أو تصفحوا عمن اساء اليكم مع القدرة على الانتقام منه فلا تجهروا له بالسّوء من القول الّذى اذنت لكم فى ان تجهروا به۔ (تفسیر مجمع البیان) :" اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یا تو تم اس کو معاف کردو جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے۔ باوجود اس کے کہ تم اس سے انتقام لینے پر طاقت رکھتے ہو پس تم اس کی برائی (اور ظلم) کا اعلان نہ کرو، جس کے اعلان کی میں نے تم کو اجازت دی ہے۔" اس سے بھی ثابت ہوا کہ انتقام نہ لینا اور ظالم کی شکایت نہ کرنا ہی بہتر ہے

(۳) مولوی مقبول احمد صاحب موصوف اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں : تفسیر مجمع البیان میں

جناب امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ مدد طلب کرنے میں کسی کو بُرا بھلا کہا جائے اِلاّ جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو اس کے لیے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ ظالم کے برخلاف اتنی مدد مانگے جتنی مدد دینی دین میں جائز ہے اور اس مدد مانگنے میں اگر وہ ظالم کی برائیاں بیان کرے تو کوئی حرج نہیں۔ طلبِ نصرت کی نظیر دوسری جگہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے:۔ وَانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا۔ (بعد اس کے کہ اُن پر ظلم کیا گیا، انہوں نے مدد مانگی) مجمع البیان کے حوالہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظالم کی شکایت کرنے کا مقصد لوگوں سے مدد طلب کرنا ہے تاکہ ظالم سے انتقام لیا جائے

ماتمیوں سے ایک سوال

ہم پوچھتے ہیں کہ ظالم کی شکایت کرنے اور اس کی برائی لوگوں کو بتانے کا مقصد تو یہ تھا کہ ظالم سے انتقام لیا جائے اور مظلوم کی مدد کی جائے۔ لیکن اب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل تو موجود ہی نہیں تو ان سے بدلہ لینے کی کیا صورت ہو سکتی ہے، اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم نے قاتلانِ حسین کے حامیوں سے انتقام لینا ہے تو فرمائیے! پاکستان میں قاتلانِ حسین کے حامی کون لوگ ہیں، اور اگر آپ کے نزدیک ایسے لوگ موجود ہیں تو ان سے آپ جنگ کر کے حضرت حسین کا انتقام کیوں نہیں لیتے۔ کیا ظالم سے انتقام لینے کا طریقہ شریعت نے یہ سکھایا ہے کہ بجائے اس کا مقابلہ کرنے کے خود ہی اپنے منہ پر طمانچے مارو اور اپنے ہی بدن کو لہولہان کرو۔ اس سے تو ظالم کا مقصد ہی پورا ہوتا ہے کہ اس نے جس کو زد و کوب کرنا تھا اُس نے خود ہی وہ کام کر دیا۔ کیا ظالم سے انتقام لینے کا یہ طریقہ بھی سُنّت سے ثابت ہے؛ اور کیا انتقام کا یہ طریقہ معقول بھی ہے؟

اِلاَّ مَنْ ظُلِمَ کی مثالیں

مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں:۔ تفسیر قمی میں مضمون مندرجہ بالا کے قریب قریب ہے اور ایک اور حدیث اس کی تفسیر میں یہ وارد ہے کہ فرمایا اگر تمہارے پاس کوئی شخص آکر یہ کہے کہ تم میں کوئی خیر و خوبی نہیں تو اس کی اس بات پر خاموش نہ رہو بلکہ اس کو جھٹلاؤ کیونکہ اس نے تم پر ظلم کیا۔" نیز لکھتے ہیں:۔ تفسیر "مجمع البیان" میں جناب امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اگر مہمان کسی

کے یہاں آکر اترے اور وہ اس کی ٹھیک ٹھیک مہمانی نہ کرے تو اُس کے ذمّہ کچھ خرابی نہیں ہے کہ اگر میزبان کی اس بدسلوکی کا ذکر زبان پر لائے الخ (ترجمہ مقبول) مذکورہ دونوں مثالوں سے آیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ لیکن مصنّف "فلاح الکونین" کے نزدیک اگر قولِ سُوء کا مطلب ماتم کرنا ہی ہے تو پھر اس کا تو یہ تقاضا ہوگا کہ اگر کوئی کسی شخص کو کہے کہ تجھ میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے تو وہ جواب میں ماتم شروع کر دے اور کوئی میزبان اپنے مہمان سے اچھا سلوک نہ کرے تو وہ اس کے دروازے پر مجلسِ ماتم بپا کرکے اپنا سینہ کوٹنے لگ جائے، اور اگر لوگ پوچھیں کہ یہ کیسا ماتم ہے؟ تو جواب میں کہے کہ قرآن حکیم کا یہی حکم ہے اور تم بھی میرے ساتھ اس نیک عمل میں شریک ہو جاؤ۔ یہ ہے ماتمی ذہنیت،

جہالت ہی جہالت

آپ لکھتے ہیں کہ:- اب بتائیں اس سے زیادہ قرآنِ حکیم سے مرثیہ خوانی اور سینہ زنی کا اور کیا جواز ہو سکتا ہے؟ (ص ۱۲۱)

الجواب (ک)

ان آیات میں نہ تو رونے کا کوئی لفظ ہے، نہ سینہ کوبی کا اور نہ مرثیہ کا۔ پھر آپ کا دعویٰ ماتم کیسے ثابت ہو گیا؟ آیت میں تو صرف ظالم کی زبان سے شکایت کرنے اور اس کی برائی ظاہر کرنے کی اجازت ہے اور یہ بھی کوئی خوبی نہیں کہ اس کو مستقل مشن قرار دیا جائے۔ یعنی جس بات کی اجازت ہے وہ بھی وقتی ہے اور بضرورت اس پر عمل کیا جا سکتا ہے (منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا تو اس میں مذکور ہی نہیں) اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ مرثیہ کا مطلب بھی نہیں سمجھتے۔ مرثیہ اس کو کہتے ہیں کہ نظم یا نثر میں میّت کی خوبیاں بیان کی جائیں اور آیت میں تو ظالم کی برائی بیان کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن آپ نے اس کے خلاف یہ سمجھ لیا کہ آیت میں مظلوم کی خوبیاں بیان کرنے کی اجازت ہے۔ ؎

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی   پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

اور آپ نے یہ بھی نہ سمجھا کہ جس بات کی اجازت ہے وہ فی نفسہٖ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے صرف مظلوم کے لیے مباح ہے کیا آپ کے نزدیک میّت کی صحیح تعریف کرنی بھی ناپسندیدہ ہے جو شرعی حدود کے مطابق ہو، اور صحیح تعریف تو ہر میّت کی بیان کی جا سکتی ہے۔ اس میں مظلوم، غیر مظلوم کا

کوئی فرق نہیں ہے، اور اگر آپ کے نزدیک مرثیہ کا معنیٰ میّت پر رونا ہے تو اس کا آیت میں کوئی ذکر نہیں اور عام طور پر مرثیہ کے لفظ سے ماتمی لوگ اور ناواقف عوام تو یہی مطلب سمجھتے ہیں جس کا منظر ماتمی مجالس میں ذاکرین پیش کرتے ہیں، اور غالباً آپ نے بھی مرثیہ کا جواز آیت سے اس لیے لکھا ہے کہ ماتمی گروہ یہی سمجھے کہ یہ سب کچھ قرآن سے ثابت ہے۔ العیاذ باللہ! اور یہ بھی فرمائیں کہ مرثیہ خوان ذاکرین کے ساتھ ساتھ جو سوزخوان حضرات اپنا پارٹ ادا کرتے ہیں، یہ کس کی سُنّت ہے؟

(ب) اور اگر آپ کے نزدیک اس آیت سے جزع فزع کا ثبوت نکلتا ہے، جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ:۔" قولِ سُوء سے مراد جزع فزع ممنوع ہے جو مظلوم کے لیے جائز ہے" تو پھر یہ تو ہر مظلوم کے لیے جائز ہوگا کیونکہ آیت کے الفاظ اِلّا مَنْ ظُلِمَ میں تعمیم ہے۔ پھر امام جعفر صادق سے منقول آپ کا یہ ضابطہ بالکل غلط ثابت ہوا کہ سوائے امام حسین کے اور کسی پر جزع فزع کرنا قبیح ہے" اب اگر آپ اس ضابطہ کو صحیح مانتے ہیں تو پھر آیت سے جزع فزع کی عام اجازت ثابت نہیں ہوسکتی اور اگر آیت سے مراد آپ جزع فزع کی عام اجازت لیتے ہیں تو پھر مذکورہ ضابطہ باطل ہوگیا۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن۔ باقی رہا جزع کا مفہوم اور مطلب تو انشاء اللہ حرمتِ ماتم کے دلائل اور فروعِ کافی کی روایات کی بحث میں وہ مذکور ہوگا۔ ماتمی ٹریکٹ اور "فلاح الکونین" میں جن آیات سے ماتم مروّجہ کا ثبوت پیش کیا گیا تھا۔ ان کی نمبروار بحث ختم ہوچکی ہے لہٰذا اس کے بعد حرمتِ ماتم کے دلائل پیش کئے جارہے ہیں۔ قارئین حضرات بغور اس بحث کا مطالعہ فرمائیں۔

مروّجہ ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کے دلائل

ماتمی ٹریکٹ کے مندرجہ دلائل ماتم کا نمبروار جواب دینے کے بعد رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے پر ۱۸ دلائل پیش کیے گئے تھے جن میں قرآن مجید کی ۹ آیات اور مذہبِ شیعہ کی ۹ روایات سے استدلال کیا گیا تھا جن کا جواب الجواب دینے کی مصنّف "فلاح الکونین" نے لاحاصل کوشش کی ہے اور جن آیات سے حرمتِ ماتم مروّجہ پر ہم نے استدلال کیا تھا وہ یہ ہیں۔

آیات حرمتِ ماتم

(آیت نمبر ۱) قرآن مجید میں فرمایا :- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (سورۃ بقرہ)

"اے ایمان والو! مدد حاصل کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔"

(آیت نمبر ۲) وَ الصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (پارہ ۲) :- "اور مسلمان وہ ہیں جو سختی تکلیف اور لڑائی میں صبر کرنے والے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں" اس آیت سے ثابت ہوا کہ صبر کرنے والے ہی سچے اور متقی ہیں۔ یہ کسی جگہ نہیں فرمایا کہ صبر چھوڑنے والے اور سینہ کوبی کرنے والے سچے اور جنتی ہیں یا ماتم کرنے والوں کے ساتھ اللہ ہے۔ (آیت نمبر ۳) وَ الَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً وَّ یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ (پارہ ۱۳- سورۃ الرعد رکوع ۳) "اور جن لوگوں نے اپنے رب کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہم نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کیا اور وہ بھلائی سے برائی کو ہٹاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے آخرت کا گھر اور بہشت ہے" اس آیت میں نماز پڑھنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جنّت کی خوشخبری سنائی گئی ہے نہ کہ ماتم کرنے والوں کو۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۰-۲۱)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنّف لکھتے ہیں :- قاضی صاحب نے ماتم کے حرام ہونے کی دلیل میں پارہ ۲ سورۃ البقرہ کی آیت پیش کی ہے۔ شاہ عبد القادر محدّث دہلوی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے :- "اے مسلمانو! قوت پکڑو ثابت رہنے سے اور نماز سے ۔ بے شک اللہ ساتھ ہے ثابت رہنے والوں کے"۔ شاہ صاحب موصوف نے صبر کا ترجمہ ثابت رہنا کیا ہے۔ درحقیقت یہاں صبر کے معنی سوائے ثبات اور استقامت کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ اگلی آیت میں لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ الخ ان لوگوں کے لیے جو جنگ کرتے ہوئے شہید ہو جائیں۔ معلوم ہوا کہ آیت مجیدہ میدان جنگ میں لڑنے والوں کو صبر اختیار کرنے یعنی قدموں میں ثبات اور استقامت پیدا کرنے کی تلقین فرما

رہی ہے نہ کہ حضرت امام حسین علیہ السّلام کا ماتم کرنے سے منع فرما رہی ہے۔ فرمائیے گریہ اور ماتم صبر کے منافی ہے یا میدانِ جنگ (جہاد) سے فرار صبر کے خلاف ہے۔ (۲) دوسری آیت شریفہ جو ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنائی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس طرح کیا ہے :۔"جو لوگ مستقل رہنے والے ہیں تنگ دستی، بیماری اور قتال میں یہی لوگ سچے اور متقی (کہے جا سکتے) ہیں۔" مولانا تھانوی کے بعد شاہ عبد القادر محدث دہلوی کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے :۔ جو ٹھہرنے والے ہیں سختی اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے وہی سچے ہوئے اور وہی بچاؤ میں آئے۔" یہاں بھی شاہ صاحب کا ترجمہ ہی حقیقت پر مبنی نظر آتا ہے۔ دراصل آیت کا مدّعا بھی یہی ہے کہ لڑائی (جہاد) میں جتنی سختی ہو، جنگ میں جتنی تکلیف ہو، میدانِ قتال میں ٹھہرے رہو، ڈٹے رہو اور بنیانِ مرصوص بنے رہو۔ اس آیت مجیدہ میں بھی صبر سے مراد میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا ہے اور جنگ (جہاد) سے فرار ہونا صبر کو چھوڑ دینا ہے۔ آپ کی پیش کردہ اس آیت سے بھی کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ماتم کرنا ترکِ صبر ہے لہذا اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں۔ اس کے برعکس آیت تو یہ بتا رہی ہے کہ صبر کو ترک کرنے والے وہ ہیں جو رسول اللہ صلعم کو نرغۂ اعداء میں تنہا چھوڑ دیں اور جان بچانے کے لیے جہاد سے پیٹھ پھیر کر پہاڑ پر جا چڑھیں۔ حقیقت میں یہی لوگ تارکِ صبر ہوئے، سچائی سے دور ہوئے، جنّت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا

ماتم کرنا صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں لہذا سیّد الشّہداء علیہ السّلام کے ماتمی انشاء اللہ سچے اور جنتی ہیں اور یقیناً اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (۳) پارہ ۱۳ سورۃ الرّعد رکوع ۳، آیت ۲۲۔ ترجمہ شاہ عبد القادر محدث دہلوی :۔" اور وہ جو ثابت رہے چاہتے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھی نماز اور خرچ کیا ہمارے دیئے میں سے چھپے اور کھلے اور کرتے ہیں برائی کے مقابلے میں بھلائی، ان لوگوں کو ہے پچھلا گھر۔" ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ :"یہ لوگ ایسے ہیں کہ اپنے ربّ کی رضا مندی کے جویاں رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو روزی دی ہے اس میں سے چپکے بھی اور ظاہر کر کے بھی خرچ کرتے ہیں اور بدسلوکی کو حسنِ سلوک سے ٹال دیتے ہیں اس

جہان میں نیک انجام اُن کے لیے ہے" اگران مختلف تراجم پر تعصّب اور تنگ نظری کو بالائے طاق رکھ کر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیت کا مروّجہ یا غیر مروّجہ ماتم سے کسی طرح کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ لہذا کھینچ تان کر اس آیت مجیدہ کو ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنانا علمائے فریقین کے نزدیک حرام ہے، صرف حرام ہی نہیں بلکہ بے حد گمراہ کن بھی ہے۔ حضرت نعمت اللہ ولی اپنی مشہور و معروف پیشگوئی میں فرماتے ہیں۔ ؎

دو کس بنامِ احمد گمراہ کنند بے حد   سازند از دلِ خود تفسیر فی القرآن

حاشیہ میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :"ابوبکر ابن مردویہ جو اہلِ سُنّت کے ایک جلیل القدر عالم ہیں وہ کہتے ہیں یہ آیت امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے" (فلاح الکونین ص ۶۷ تا ۶۹)

الجواب (۱) آپ نے جو کچھ جواب الجواب میں لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) مذکورہ تینوں آیات میں شاہ عبد القادر صاحب محدّث دہلوی اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمہ کے تحت صبر کا معنی ثابت قدم رہنا ہے، اور صابرین وہ ہیں جو مصائب اور میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں۔ (ب) آپ کا ماتم صبر کے خلاف نہیں۔ (ج) اللہ یقیناً ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مدارِ بحث آپ کے مروّجہ ماتم میں جزع فزع کرنا، مُنہ پیٹنا، سینہ کوٹنا وغیرہ افعال پائے جاتے ہیں اور آپ ان افعال کو اور جزع کرنے کو صبر کے خلاف نہیں سمجھتے اور خصوصیت سے آپ نے جزع کے خلافِ صبر نہ ہونے پر یوں استدلال کیا ہے کہ :"حضرت یعقوب علیہ السّلام باوجود جزع کرنے کے صبرِ جمیل کے درجہ میں رہے" (ص ۱۷) لہذا اب مدارِ بحث صرف یہی امر رہ جاتا ہے کہ جزع کرنا صبر کے خلاف ہے یا نہیں؛ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ جزع صبر کے خلاف نہیں تو آپ کا ماتم میں جزع کرنا جائز قرار دیا جاسکتا ہے اور یہ فیصلہ لفظِ صبر اور لفظِ جزع کے معنی کی تحقیق پر مبنی ہے، اس لیے صبر اور جزع کا معنی بیان کیا جاتا ہے۔

صبر کا لُغوِی مَعنیٰ

عربی لغت میں صبر بمعنی روکنے کے آتا ہے (۱) قاموس میں ہے :- صبرٗ حبسہ یعنی اس کو روک لیا (۲) امام لغت علّامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :- الصبر الامساک فی ضیقٍ :- یعنی صبر تنگی و مصیبت میں روک لینے کو کہتے ہیں۔ یقال صبرت الدابۃ حبستہا بلا علفٍ :- "مَیں نے جانور کو بغیر چارہ کے روکے رکھا" اسی لُغوی معنی کی بنا پر علّامہ راغب صبر کی یہ تعریف کرتے ہیں :- الصبر حبس النفس علی مایقتضیہ العقل والشرع او عمّا یقتضیان حبسہا عنہ :- "جس بات کا تقاضا عقل یا شریعت کریں اس پر نفس کو روک رکھنا یا حبس سے روکنے کا تقاضا عقل اور شرع دونوں کریں اس سے روک لینا" (۳) المنجد میں ہے :- الصبر التجلّد وعدم الشکوی من الم البلوی :- صبر کہتے ہیں مضبوط رہنے کو اور مصیبت کے الم (دکھ) کی وجہ سے شکایت نہ کرنے کو" اور آپ نے بھی لکھا ہے :- صبر کے معنی ہیں کف النفس عمالا ینبغی یعنی نفس سے وہ اُمور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں" (۴) شاہ عبدالقادر صاحب محدّث دہلوی اور مولانا اشرف صاحب تھانوی نے اسی معنی کی بنا پر مندرجہ آیات میں صابرین کا ترجمہ :- ٹھہرنے والے، مستقل رہنے والے، ثابت رہنے والے کیا ہے۔

جزع کا لُغوِی مَعنیٰ

علّامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :- واصل الجزع قطع الحبل من نصفہ :- "اور اصلی معنی جزع کا یہ ہے کہ رسّی کو اس کے نصف میں سے کاٹ دیا جائے" (۲) قاموس میں ہے :- جزع الارض و الوادی قطعہ :- "یعنی اس نے زمین اور وادی کو قطع کیا" اس لغوی معنی کی بنا پر جزع بیقراری اور پریشانی کے اظہار کو کہتے ہیں، کیونکہ جزع آدمی کو سکون و اطمینان سے قطع (جدا) کر لیتا ہے چنانچہ (۳) علّامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :- والجزع ھو حزن یصرف الانسان عمّا ھو بصددہ و یقطعہ عنہ :- "اور جزع وہ غم ہے جو انسان کو اس کام سے ہٹاتا ہے اور جدا کرتا ہے جس میں وہ مشغول ہے" (۴) اسی لغوی معنی کی بنا پر "منتہی الارب" میں لکھا ہے - جَزَع ناشکیبائی ضد صبر یعنی جزَع بے صبری ہے - (۵) غیاث اللغات میں ہے - جزع - ناشکیبائی - یعنی جزع کا معنی بے صبری ہے

(۶) المنجد میں جَزَع کا معنی لکھا ہے :۔ لم یصبر علیہ :"اس پر اس نے صبر نہ کیا" چونکہ صبر کا لغوی معنی روک رکھنا آتا ہے اور جزع کا معنی قطع کرنا اور جدا کرنا آتا ہے اس لیے جزع بیقراری اور پریشانی کو کہتے ہیں اور صبر برقرار رہنے اور پریشانی نہ کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور یہ دونوں حالتیں یعنی قرار اور بیقراری ضِدَّین ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی مخالف ہیں نہ کہ مطابق و موافق۔ چنانچہ قاموس میں ہے :۔ والصبر نقیض الجزع :"اور صبر جزع کی نقیض ہے"(۲) "منتہی الارب" میں ہے :۔ الصبر شکیبائی نقیض جزع :"صبر جزع کی نقیض ہے" وجزع ناشکیبائی ضد صبر :۔ اور جزع بے صبری کو کہتے ہیں جو صبر کی ضد ہے (۳) غیاث اللغات میں ہے :جزع ، ناشکیبائی :۔ جزع بے صبری کو کہتے ہیں (۴) علّامہ اصفہانی لکھتے ہیں :۔ فان کان حبس النفس لمصیبۃ سُمّی صبرًا ویضادہ الجزع :"اور اگر کسی مصیبت میں نفس کو روک رکھا جائے تو اس کا نام صبر ہے اور جزع اس کی ضد ہے"

نقیض اور ضد کا مفہوم

دو چیزیں معنی میں ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو ان کو ضِدَّین اور نقیضَین کہا جاتا ہے اور ان دونوں میں بھی کچھ فرق ہے۔ ضِدَّین وہ دو امر ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے لیکن دونوں اُٹھ سکتے ہیں مثلاً سیاہ اور سفید۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک چیز سیاہ بھی ہے اور سفید بھی، کیونکہ یا تو وہ چیز سیاہ ہوگی یا سفید لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ سیاہ بھی نہ ہو اور سفید بھی نہ ہو بلکہ سبز یا سُرخ ہو (ب) اور نقیضین ان دو چیزوں کو کہتے ہیں جو ایک جگہ اکٹھی نہیں ہو سکتیں اور دونوں اُٹھ بھی نہیں سکتیں۔ ان دونوں میں سے ایک کا رہنا ضروری ہوتا ہے مثلاً صابر اور غیر صابر۔ عاقل اور غیر عاقل۔ عالم اور غیر عالم، کہ ان میں سے ایک حالت اور وصف کا ہونا ضروری ہے۔ اگر بے صبری کرنے والا ہے تو اس کو صابر نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ صابر بھی نہیں اور غیر صابر بھی نہیں۔ اسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی عاقل بھی نہیں اور غیر عاقل بھی نہیں یا عالم بھی نہیں اور غیر عالم بھی نہیں۔ یعنی جس جہت سے کسی کا ایک وصف ان میں سے بیان ہوگا اس جہت سے نہ یہ دونوں وصف جمع ہو سکتے ہیں نہ دونوں اٹھ سکتے

ہیں، اسی طرح صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتیں ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ کتبِ لغت میں صبر اور جزع کو آپس میں ضِدّین یا نقیضین کہا گیا ہے۔ لہٰذا جہاں صبر ہو گا وہاں جزع نہیں ہو گا اور جہاں جزع ہو گا وہاں صبر نہیں پایا جائے گا۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک آدمی برقرار بھی ہے اور بے قرار بھی ہے۔ بلکہ یا وہ برقرار ہو گا یا بے قرار، یا صبر کرنے والا ہو گا یا جزع کرنے والا، اور مصنف صاحب "تخلاص الکونین" کی یہ کتنی بڑی جہالت ہے کہ وہ صبر اور جزع کا معنیٰ نہ سمجھتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جزع اور ماتم صبر کے خلاف نہیں، اور جو ماتم اور جزع کرنے والا ہے وہ صابر بھی ہے اس لیے اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" حالانکہ صبر اور جزع کے مذکورہ مفہوم کے تحت یہ لازم آتا ہے کہ حسبِ آیاتِ قرآنیہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ ۔ جب اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ تو لقیناً جزع اور ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں ہے۔ کیونکہ جزع بے صبری کو کہتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو اور بے صبری کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو

از رُوئے قرآن جزع صبر کے خلاف ہے!

نہ صرف یہ کہ کُتبِ لُغت سے صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف اور ضد ثابت ہوتے ہیں بلکہ قرآن مجید سے بھی ان دونوں کے مفہوم کا متضاد اور متخالف ہونا ثابت ہے چنانچہ سورۃ ابراہیم کے رکوع نمبر ۳ میں فرمایا کہ جہنمی لوگ دوزخ میں یہ بات کہیں گے:۔ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ أَجَزِعْنَآ أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی (شیعی مفسر) نے یہ لکھا ہے:۔ "مگر ہمارے لیے تو دونوں حالتیں برابر ہیں، خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر و سکوت اختیار کریں، ہمارے لیے تو کوئی چھٹکارا ہی نہیں ہے۔" اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوا کہ جزع (رونا پیٹنا) اور صبر (سکوت اختیار کرنا) دونوں جُدا جُدا حالتیں ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں، اور جَزِعْنَا کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے روئیں اور پیٹیں ہی کیا ہے لہٰذا جو آپ کے ماتم کی ابتدائی حالت ہے وہ بھی صبر کے خلاف ہے۔ (۲) مولوی فرمان علی صاحب شیعی کا ترجمہ یہ ہے:۔ ہم خواہ بیقراری کریں، خواہ صبر کریں (دونوں) ہمارے لیے برابر ہیں۔ (کیونکہ عذاب سے) ہمیں تو اب

چھٹکارا نہیں" (۳) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں:۔" (اور اب تو ہم سب کے حق میں (دونوں صورتیں) برابر ہیں۔ خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں، ہمارے لیے بچنے کی کوئی صورت نہیں" (۴) حضرت شاہ عبد القادر محدّث دہلوی لکھتے ہیں:۔" اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بیقراری کریں یا صبر کریں، ہم کو نہیں خلاصی" یہاں حضرت شاہ صاحب نے بھی جزع کا معنی بیقراری کیا ہے جو صبر کے مقابلہ میں آیا ہے اور صبر کا معنی شاہ صاحب موصوف دوسری آیات میں ٹھہرنے اور ثابت رہنے کا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے بھی اُن کا ترجمہ پیش کیا ہے تو کیا آپ کے نزدیک ثبات و قرار اور بے قراری (یعنی صبر اور جزع) ایک ہی چیز ہے؟ ہرگز نہیں۔ جو آدمی ثابت اور برقرار ہوگا اس کو بیقرار نہیں کہہ سکتے اور جو بیقرار ہو، اُس کو برقرار نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں! ماتمیوں کی منطق میں برقرار اور بیقرار اور ثابت اور غیر ثابت مستقل اور غیر مستقل کا اگر ایک ہی مفہوم و مطلب ہے تو ان کی یہ سفاہت اور جہالت ہے جس کا عقل و علم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے (۵) علّامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔" اور مصیبت بھی ایسی جس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ نہ صبر کرنے اور خاموش رہنے سے کچھ فائدہ، نہ گھبرانے اور چلانے سے کچھ حاصل" (۶) مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں:۔ ہم پر ایک سا ہے چاہے بیقراری کریں یا صبر سے رہیں، ہمیں کہیں پناہ نہیں۔ (۷) مولانا نعیم الدّین صاحب مراد آبادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔" کفّار کہیں گے اب خلاصی کی کوئی راہ نہیں۔ نہ کافروں کے لیے شفاعت، آؤ روئیں اور فریاد کریں۔ پانچ سو برس فریاد و زاری کریں گے اور کچھ کام نہ آئے گی تو کہیں گے کہ اب صبر کرکے دیکھو شاید اس سے کچھ کام نکلے۔ پانچ سو برس صبر کریں گے، وہ بھی کام نہ آئے گا تو کہیں گے:۔ أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ" (۸) شیعہ مجتہد شیخ طبرسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ یعنی ان الصبر والجزع سیّان مثلان لیس لنا محیص ولا مھرب من عذاب اللّٰہ۔ (تفسیر مجمع البیان) یعنی صبر اور جزع دونوں ہمارے لیے برابر ہیں۔ ہمارے لیے کوئی خلاص اور بھاگنے کی جگہ نہیں ہے"۔ اسی آیت کے تحت شیخ طبرسی موصوف لکھتے ہیں:۔ الجزع انزعاج النفس بورود ما یغمّ ونقیضہ

الصبر :- "اور جزع کہتے ہیں بوجہ غمناک خبر آنے کے دل کا بیقرار ہوجانا اور اُس کی نقیض صبر ہے۔" یہاں علامہ طبرسی نے بھی صبر اور جزع کا آپس میں نقیض و مخالف ہونا بیان کردیا ہے۔ تو جب قرآن مجید کی مندرجہ آیت اور سنی اور شیعہ مفسرین کی تصریح سے یہ ثابت ہوگیا کہ جزع اور صبر ایک چیز نہیں ہیں، بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض اور ضد ہیں۔ یعنی انسان میں یا صبر کی حالت پائی جائے گی، یا جزع کی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ جزع (اور ماتم) کرنے والے کو صابر بھی کہا جائے۔ کیونکہ جو صابر ہوگا وہ جزع نہیں کرے گا اور جو جزع کرے گا وہ صابر نہیں رہے گا۔ اب قارئین حضرات خود ہی از روئے انصاف فیصلہ فرمائیں کہ مذکورہ قرآنی آیت اور سُنّی و شیعہ مفسرین کی تشریحات کے بعد کیا ماتم کرنے والے صابرین میں شامل ہوسکتے ہیں؟ اور جب قرآن کی متعدد آیات میں صبر کا حکم دیا گیا ہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ماتم اور جزع حرام ہیں، اور ماتمی گروہ کا عقیدہ اور عمل قرآن مجید کے بالکل مخالف ہے۔ کیونکہ ماتم مروّجہ کا حرام ہونا (یعنی جزع فزع وغیرہ) قرآنِ حکیم کی نص سے ثابت ہوگیا۔ اب اس کے مقابلہ میں "فلاحُ الکونین" کے ماتمی مصنف کا یہ لکھنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے کہ:-

"ماتم کرنا صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں۔" (ص ۶۸)۔

جہالت ہی جہالت

مصنف "فلاحُ الکونین" لکھتے ہیں کہ:- اگر ان مختلف تراجم پر تعصب اور تنگ نظری کو بالائے طاق رکھ کر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس آیۃ کا مروّجہ یا غیر مروّجہ ماتم سے کسی طرح کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ لہذا کھینچ تان کر اس آیت مجیدہ کو ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنانا علمائے فریقین کے نزدیک حرام ہے۔ صرف حرام ہی نہیں بلکہ بے حد گمراہ کن بھی ہے الخ (ص ۶۹)

الجواب

جب صبر کا معنی ہی جزع نہ کرنا ہے اور جزع کا معنی ہی بے صبری کرنا ہے جیسا کہ "منتھی الارب" میں لکھا ہے :- جزع۔ ناشکیبائی ضدِ صبر۔ یعنی جزع بے صبری کو کہتے ہیں جو صبر کی ضد ہے، اور آپ کے شیخ طبرسی نے بھی اپنی تفسیر میں یہ لکھ دیا ہے کہ جزع کی نقیض صبر ہے، اور سورۃ ابراہیم کی مذکورہ آیۃ أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا میں

بھی جزع اور صبر کو مقابلہ میں استعمال فرمایا ہے۔ تو پھر لفظ صبر سے ماتم اور جزع کا حرام ہونا قرآنی نص سے ثابت ہوگیا۔ یہیں اس میں کھینچ تان کی ضرورت ہی نہیں پڑتی البتہ صبر کے لفظ سے آپ کا ماتم و جزع کو حرام نہ سمجھنا اور صبر اور ماتم میں مطابقت پیدا کرنے کوشش کرنا درحقیقت انتہائی گمراہ کن ہے اور قرآن کے مدلول کا صریح انکار ہے۔ صبر اور جزع میں نہ تو نسبت مساوات کی پائی جاتی ہے اور نہ ہی ان میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے بلکہ ان دونوں میں منافات کی نسبت ہے۔ اس لیے اہل لغت اور اصحاب تفسیر نے صبر اور جزع دونوں کو آپس میں ضدین یا نقیضین لکھا ہے اور ان دونوں اصطلاحوں کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

آیت دُوم کی تفسیر

دوسری آیت جو حرمتِ ماتم کی دلیل میں پیش کی گئی تھی یہ ہے:۔ والصبرین فی الباسآء والضراء وحین الباس اولٰئک الذین صدقوا واولئك هم المتقون (پارہ ۲ سورۃ البقرہ، رکوع ۶/۲۲) مولوی مقبول احمد صاحب شیعی مفسر نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے:۔ "اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کی سختی کے وقت صبر کرنے والے ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے عملاً سچ بولا اور یہی متقی ہیں" ہم نے صبر اور جزع کے مفہوم کے متعلق کتبِ لغت اور تفاسیر اہل سُنّت، اور اہل التشیع سے جو تحقیق پہلے بیان کی ہے اس کے بعد قرآنی آیات صبر میں سے کسی آیت کی تشریح و تفسیر کی زیر بحث مسئلہ میں ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ صبر کا لفظ جہاں بھی مذکور ہے وہاں جزع و ماتم کی نفی لازم آتی ہے۔ کیونکہ جزع اور صبر دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہے لیکن ماتمی مصنّف صاحب کی کم علمی اور ہٹ دھرمی اور عوام کی ناواقفیّت کی بنا پر اس آیت کی مزید تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے۔ تاکہ کسی پہلو سے باطل کو کوئی گنجائش نہ مل سکے۔ اس آیت کی تفسیر سے پہلے صبر کا جامع مفہوم پیش کیا جاتا ہے جس کو سمجھ لینے کے بعد مخالفین کے شبہات کا بالکلیّہ ازالہ ہو جاتا ہے۔

صبر کا جامع مفہوم

امامِ لغت علّامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:۔ فالصبر لفظ عام وربما خولف بین اسمائه بحسب اختلاف مواقعه فان کان حبس النفس لمصیبة سمّی صبرًا لاغیر ویضادہ الجزع وان کان فی محاربة سمّی شجاعة

ویضادہ الجبن وان کان فی نائبۃ مُضجِرۃٍ سمّی رحب الصدر ویضادہ الضجر وان کان فی امساک الکلام سمّی کتماناً ویضادہ المذال وقد سمّی اللہ تعالیٰ کل ذٰلک صبرًا ونبّہ علیہ بقولہ والصابرین فی البأساءِ والضرّاءِ، والصابرین علی ما اصابہم والصابرین والصابرات الخ" پس صبر ایک عام لفظ ہے اور بسا اوقات اس کے مواقع کے اختلاف کی وجہ سے اس (یعنی صبر) کے ناموں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ پس اگر کسی مصیبت کے وقت نفس کو روک رکھنا ہے تو سوائے صبر کے اس کا کوئی اور نام نہیں ہوتا اور اس کی ضد جزع ہے، اور اگر لڑائی میں (نفس کو روکنا) ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد جُبن (یعنی بزدلی) ہے، اور اگر کسی تنگی میں ڈالنے والے حادثہ میں ہو تو اس کا نام سینہ کی کشادگی ہے اور اس کی ضد ضجر (یعنی تنگدلی ہے) اور اگر کلام کے روکنے میں ہو تو اس کا نام کتمان ہے اور اس کی ضد مذال ہے (یعنی بات ظاہر کر دینا) اور اللہ تعالیٰ نے ان سب حالتوں کو صبر کا نام دیا ہے اور اپنے ارشاد والصابرین فی الباساء والضراء وغیرہ آیات میں آگاہ کیا ہے"

لفظ صبر کی اس تشریح سے ثابت ہوا کہ صبر بمعنی نفس کو روک رکھنا ہر جگہ پایا جاتا ہے خواہ بجائے صبر کے اس حالت کا کوئی اور نام ذکر کیا جائے مثلاً شجاعت، تو جس طرح شجاعت کی ضد بزدلی ہے اسی طرح صبر کی ضد جزع و ماتم ہے۔ جس طرح بزدل آدمی کو شجاع نہیں کہہ سکتے اور شجاع کو بزدل نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح صابر کو ماتمی نہیں کہہ سکتے اور ماتمی کو صابر نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن ماتمی مصنّف کا اگر یہ فلسفہ تسلیم کیا جائے کہ ماتمی بھی صابر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بزدل کو بھی بہادر کہا جائے۔ اگر اس طرح اس فلسفہ کو وسیع کیا جائے تو کیا کسی لفظ کا حقیقی مفہوم محفوظ رہ سکتا ہے۔ پھر تو ماتمی مصنّف یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اہل شرک اور بت پرست دونوں اہل توحید ہیں اور اہل سنّت اور اہل تشیع دونوں، ایک ہیں بلکہ اہلِ عقل اور بے عقل، اہلِ علم اور بے علم، اہلِ ایمان اور بے ایمان، اہل عدل اور ظالم سب کا ایک ہی مفہوم و مطلب ہے۔ (۲) امام رازی صبر کے متعلق فرماتے ہیں:۔ ثم اعلم ان الصبر ضربان احدھما بدنی کتحمل المشاق بالبدن والثبات علیہ وھو اما بالفعل کتعاطی الاعمال الشاقۃ او بالاحتمال کالصبر علی الضرب الشدید والالم العظیم۔ والثانی۔ ھو الصبر النفسانی

وهو منع النفس عن مقتضيات الشهوة ومشتهيات الطبع ثم هذا الضرب ان كان صبرًا عن شهوة البطن والفرج سمّی عفّة وان کان علی احتمال مکروہ اختلفت اسامیه عند الناس باختلاف المکروہ الذی علیه الصبر فان کان فی مصیبة اقتصر علیه باسم الصبر ویضادہ حالة نسمّی الجزع والهلع وهو اطلاق داعی الهوی فی رفع الصّوة وضرب الخد وشق الجیب وغیرها وان کان فی حال الغنی یسمّی ضبط النفس ویضادہ حالة تسمّی البطر وان کان فی حرب ومقاتلة یسمّی شجاعة ویضادہ الجبن وان کان فی کظم الغیظ والغضب یسمّی حلمًا ویضادہ النزق وان کان فی نائبة من نوائب الزمان مضجرة سمّی سعة الصدر ویضادہ الضجر والندم وضیق الصدر ۔ وان کان فی اخفاء کلام یسمّی کتمان النفس ویسمّی صاحبه کتومًا وان کان عن فضول العیش سمّی زهدًا ویضادہ الحرص وان کان علی قدر یسیر من المال سمّی بالقناعة ویضادہ الشرہ ۔ وقد جمع الله تعالیٰ اقسام ذلك وسمّی الکل صبرًا فقال والصابرین فی البأساء ای المصیبة والضراء ای الفقر وحین البأس ای المحاربة اولئك الذین صدقوا واولئك هم المتقون ۔ قال القفال رحمه الله لیس الصبر ان لا یجد الانسان الم المکروہ ولا ان لا یکرہ ذلك لان ذلك غیر ممکن ۔ انما الصبر هو حَمْلُ النفس علی ترك اظهار الجزع فاذا کظم الحزن وکف النفس عن ابراز آثارہ کان صاحبه صابرًا وان ظهر دمع عین او تغیّر لون قال علیه السلام الصبر عند الصدمة الاولیٰ وهو کذلك لان من ظهر منه فی الابتداء ما لا یعد معه من الصابرین ثم صبر فذلك یسمّی سلوًا وهو مما لا بد منه ۔ (تفسیر کبیر پارہ ۲)

ترجمہ :۔ پھر جان لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک بدنی صبر ہے جیسا کہ بدنی مشقتوں کا اٹھانا اور اس پر ثابت رہنا اور وہ یا تو کام کرنے سے ہوتا ہے جیسا کہ مشقت والے کام کرنا، یا برداشت کرنے سے جیسا کہ سخت ضرب اور بڑے درد و الم پر صبر کرنا اور دوسری قسم صبر کی نفسانی ہے اور وہ یہ ہے کہ نفس کو نفسانی تقاضوں اور طبعی خواہشات سے روک لینا اور پھر اس دوسری قسم میں نفس کو پیٹ اور فرج (شرمگاہ) کی شہوت سے روکنا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں اور اگر کسی ناپسندیدہ اور

تکلیف دہ امر کو برداشت کرنا ہے، تو جس ناپسندیدہ امر پر صبر کرنا ہے اس کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کے ہاں اس کے مختلف نام ہے۔ اگر مصیبت میں نفس کو روک رکھنا ہے تو اس کا نام صرف صبر ہی ہے اور اس کے خلاف جو حالت ہے اس کو جزع اور ہلع کہتے ہیں (یعنی بیقراری اور پریشانی) اور جزع یہ ہے کہ خواہش نفس کو آزاد چھوڑ دیا جائے، چیخنے چلانے میں اور منہ پیٹنے[1] میں اور گریبان پھاڑنے وغیرہ افعال میں اور اگر جنگ و قتال میں نفس کو روک رکھنا ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد جبن (بزدلی) ہے۔ اور اگر غنا (دولت مندی) کی حالت میں نفس کو روک رکھا جائے تو اس کو ضبطِ نفس کہتے ہیں اور اس کی ضد بطر ہے (یعنی اترانا اور تکبر کرنا) اور اگر یہ لڑائی اور جنگ میں ہے تو اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کی ضد بزدلی ہے، اور اگر یہ غصّے اور غضب کے روکنے میں ہے تو اس کو حلم کہتے ہیں اور اس کی ضد نزاق ہے یعنی گالی دینا، اور اگر یہ حوادثاتِ زمانہ کے کسی تنگی دینے والے حادثہ میں ہے تو اس کو سینہ کی کشادگی کہتے ہیں اور اس کی ضد ضجر۔ ندم اور ضیق صدر ہے یعنی تنگ دلی، اور اگر یہ بات کے چھپانے میں ہے تو اس کا نام کتمان ہے اور بات چھپانے والے کو کتوم کہتے ہیں، اور اگر یہ علیش پرستی سے روکنے میں ہے تو اس کو زُہد کہتے ہیں اور اس کی ضد حرص ہے، اور اگر تھوڑے مال پر نفس کو روک رکھنا ہے تو اس کو قناعت کہتے ہیں اور اس کی ضد شرہ ہے یعنی لالچ، اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب قسمیں جمع کردی ہیں اور سب کا نام صبر رکھا ہے اور فرمایا:۔ والصّابرین فی البأساء:۔ اور صبر کرنے والے ہیں مصیبت میں اور فقر (محتاجی) میں اور لڑائی کے وقت، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔ قفاّل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر اس کو نہیں کہتے کہ انسان کسی تکلیف دہ امر کا دُکھ نہ محسوس کرے اور نہ یہ ہے کہ اس کو ناپسند نہ کرے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اور بے شک صبر یہ ہے کہ وہ

---

[1] اس میں تصریح ہے کہ اگر کسی مصیبت میں چیخنا چلانا، منہ پیٹنا اور گریبان پھاڑنا وغیرہ افعال پائے جائیں تو یہ جزع ہے جو صبر کے خلاف ہے اور یہی افعال مروّجہ ماتم میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ ماتم جس کو ماتمی مصنّف صبر کے خلاف نہیں سمجھتے، یقیناً صبر کے خلاف ہے۔ واللہ الھادی۔

نفس کو جزع (بیقراری اور پریشانی) کے نہ ظاہر کرنے پر مجبور کرے۔ پس جب اس نے غم کو ضبط کیا اور اس کے آثار ظاہر کرنے سے نفس کو روک لیا تو ایسا کرنے والا صابر ہوگا، اگرچہ اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے یا اس کے (چہرے کا) رنگ بدل جائے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ صبر ابتداءِ صدمہ میں ہوتا ہے اور وہ اسی طرح ہے کیونکہ اگر اس آدمی سے ابتداء میں ایسا کام ظاہر ہو کہ جس کی وجہ سے وہ صابرین میں شمار نہیں ہوسکتا (یعنی ابتداء میں جزع فزع اور مروّجہ ماتم کرے) اور پھر صبر کرے (یعنی پھر ایسا نہ کرے) تو اس کو تسلّی کہتے ہیں کیونکہ بعد میں تو ضرور تسلّی ہو جاتی ہے۔" (تفسیر کبیر) امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ صبر کے لفظ میں نفس کو روک رکھنے اور قابو کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ البتہ مختلف پہلوؤں سے اس کے نام مختلف ہو جاتے ہیں مثلاً جنگ و جدال میں شجاعت کا ظہور انسان کے نفس پر کنٹرول کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن اس صبر کا نام شجاعت ہے اور اگر جنگ کے موقعہ پر صبر نہ کر سکے تو اس کو بزدلی کہتے ہیں اور خصوصیّت سے صبر کا اطلاق مصیبت میں نفس کو قابو میں رکھنے اور جزع اور بے قراری کا اظہار نہ کرنے پر ہوتا ہے اور اس کا سوائے صبر کے اور کوئی نام نہیں۔ لیکن اس حقیقت کے خلاف مصنّف "فلاح الکونین" کا عقیدہ یہ ہے کہ جزع (یعنی اظہار بے قراری) بھی صبر میں داخل ہے۔ یہ ان کی کتنی بڑی کم فہمی ہے کہ قرآنی مفہوم (یعنی صبر و جزع کا آپس میں متضاد ہونا) اور آیت أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا کے صریح مدلول کے خلاف حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبّت کے ادّعا پر ایک عقیدہ ماتم کا اختراع کر رہے ہیں اور غلط تفسیر قرآن کا الزام ہم پر عائد کرتے ہوئے حضرت نعمت اللہ ولی کی پیشگوئی کا مندرجہ شعر ہم پر چسپاں کر رہے ہیں۔ حالانکہ اس کا مصداق وہ خود ہیں علاوہ ازیں شعر کا دوسرا مصرع بھی وزنِ شعری کے لحاظ سے غلط لکھا ہے۔ ؎

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند | درجہلِ مرکّب ابد الدّہر بماند

ذٰلِكَ الْكِتَابُ سے مرادِ حضرت علی ہیں

کیا مصنّف "فلاح الکونین" کو یہ معلوم نہیں کہ ان کے مفسّرین نے قرآنی آیات کی

کیسی کیسی عجیب و غریب تفسیریں بیان کی ہیں مثلاً (۱) شیخ قمی جو بزعم شیعہ امام حسن عسکری سے فیض پانے والے ہیں اور ان کی تفسیر شیعہ مذہب کی قدیم ترین تفسیر ہے اور کافی کے مؤلف شیخ یعقوب کلینی نے بھی اُن سے روایتیں لی ہیں۔ سورۃ بقرہ کی پہلی آیت ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال الکتاب علیٌّ (ع) لا شك فیه یعنی امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ الکتاب سے مراد حضرت علی ہیں، جن میں کوئی شک نہیں ہے (تفسیر قمی) حالانکہ یہاں الکتاب سے مُراد قرآن ہے اور اس سے حضرت علی مراد لینا قرآن مجید کی صریح معنوی تحریف ہے (۲) مولوی مقبول احمد دہلوی آیت کا ترجمہ تو یہ لکھتے ہیں :" یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں۔" (ترجمہ مقبول) لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :" تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں۔" (۳) قرآن مجید میں حضرت آدمؑ اور حضرت حوّا کے متعلق فرمایا :۔ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ - اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں :" اس درخت کے پاس نہ جانا۔" (ترجمہ مقبول) اور اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں، "الشجرۃ، محمد وآلِ محمد کے علم کا درخت مراد ہے۔" (ترجمہ مقبول)

(۲) قرآن مجید پارہ ۴ سورۂ آلِ عمران میں غزوۂ بدر کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے :— وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے :۔ "بے شک اللہ نے بدر میں تمھاری مدد کی تھی جبکہ تم حقیر تھے۔" اور اس کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں :۔ تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جس حال میں جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم ان میں موجود تھے، وہ لوگ ہرگز ذلیل نہ تھے بلکہ یہ آیت اس طرح نازل ہوئی تھی وَاَنْتُمْ ضُعَفَاءُ - تفسیر عیاشی میں انہی حضرت سے منقول ہے کہ ابو بصیر نے یہ آیت آنحضرت کے سامنے پڑھی تو آنحضرت نے فرمایا کہ ٹھہر جا خدا نے اس طرح نازل نہیں فرمایا ہے بلکہ وہ یوں نازل ہوئی ہے وَاَنْتُمْ قَلِيْلٌ۔ (ترجمہ مقبول ناشران افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور) - اور شیعوں کے شیخ قمی نے یہ لکھا ہے :۔ قال

ابوعبد اللہ علیہ السلام ما کانوا اذلۃ وفیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وانما نزل ولقد نصرکم ببدرٍ وانتم ضعفاء :- امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں موجود تھے۔ تو وہ ذلیل نہیں تھے۔ بے شک آیت اس طرح نازل ہوئی تھی :- وانتم ضعفاء۔ (تفسیر قمی جلد اول صـــ۱۲۲) مفسرین شیعہ مولوی مقبول احمد اور شیخ قمی وغیرہ نے تصریح کر دی ہے کہ موجودہ قرآن مجید میں جو وَ اَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ کے الفاظ ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہیں بلکہ منجانب اللہ تو وَاَنْتُمْ ضُعَفَاءُ یا اَنْتُمْ قَلِیْلٌ کے الفاظ نازل ہوئے تھے۔ تو اس سے شیعوں کا عقیدہ تحریفِ قرآن واضح ہوجاتا ہے کہ وہ قرآن مجید میں لفظی تحریف کے بھی قائل ہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نعوذ باللہ قرآن کے الفاظ میں بھی تبدیلی کر دی گئی ہے لہٰذا ان کا موجودہ قرآن پر کیسے ایمان ہوسکتا ہے جس میں وَ اَنْتُمْ اَذِلَّۃٌ کے ہی الفاظ لکھے ہیں کیونکہ اگر ایک آیت میں تبدیلی ہوجائے تو سارا قرآن غیر قابل اعتماد رہ جاتا ہے۔ اس قسم کے عقیدہ والے لوگ اگر زبان سے یہ کہتے ہیں کہ ہمارا اس قرآن پر ایمان ہے تو یہ اُن کا تقیہ ہے۔ (ب) یہ بھی واضح ہو کہ اَذِلَّۃٌ جمع ذلیل کی ہے اور لفظ ذلیل عربی زبان میں اس معنی میں نہیں مستعمل ہوتا جس معنی میں ہماری اُردو یا پنجابی زبان میں استعمال ہوتا ہے بلکہ عربی زبان میں ذلیل کا معنی کمزور ہونا آتا ہے اور عالمِ اسباب میں تعداد اور وسائل جنگ کی بنا پر غزوۂ بدر میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش مکہ کی جنگی طاقت کے مقابلہ میں کمزور ہی تھے اور صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ اَذِلَّۃٌ کا لفظ دوسری جگہ بھی مذکور ہے، فرمایا :- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ - (پ ۶- سورۃ المائدہ ع ۸) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ لکھا ہے :- "اے ایمان والو! جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا (تو خدا کا کچھ نقصان نہیں) خدا عنقریب ایسے لوگوں کو لائے گا، جن کو وہ دوست رکھتا ہے اور اس کو وہ دوست رکھتے ہیں۔ مومنوں کے لیے وہ رحمدل ہیں (اور) کافروں کے لیے سخت" (ترجمہ مقبول) اور شیعہ مترجم مولوی امداد حسین صاحب کاظمی اَذِلَّۃٌ کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں :- "وہ مومنوں پر نرم

دل ہوں گے" تو جب شیعہ مترجمین اس آیت میں اَذِلَّۃ کا ترجمہ رحمدل اور نرم دل لکھ رہے ہیں تو جنگِ بدر کے سلسلہ میں اَذِلَّۃ کے مطلب میں کیا اُلجھن پیش آگئی کہ تحریفِ قرآن کا قائل ہونا پڑا۔ ع

کچھ بہانہ چاہیئے انکار کرنے کے لیے۔ (ج) کوئی یہ نہ سمجھے کہ قرآن میں لفظی تبدیلی (تحریف) کا عقیدہ امام جعفر صادق کا تھا العیاذ باللہ۔ یہ ان ائمہ عظام پر صریح بہتانات ہیں ورنہ وہ اس قسم کے عقائدِ باطلہ سے بالکل پاک تھے اور وہ اپنے اپنے دور میں اہل سنّت والجماعت کے مذہبی اور روحانی پیشوا اور بزرگ تھے۔ اس قسم کی خلافِ کتاب وسُنّت باتیں ان حضرات کی طرف اسی طرح غلط منسوب کر دی گئی ہیں جس طرح نصاریٰ نے اپنے مشرکانہ عقائد تثلیث وغیرہ کو حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السّلام کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

آیت نمبر ۳

تیسری آیت جس سے حرمتِ ماتم پر استدلال کیا گیا تھا یہ ہے:- وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۔ (پارہ ۱۳۔ سورۃ الرعد ع ۳) مولوی مقبول احمد صاحب شیعی نے یہ ترجمہ لکھا ہے:- جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صبر کیا اور نماز پڑھی، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا اس میں سے چھپا کر اور ظاہر طور پر (راہ خدا میں) خرچ کیا اور بدی کا بدلہ نیکی سے کرتے رہے، عاقبت کا گھر انہیں کے لیے ہے۔ (ترجمہ مقبول)۔ مصنف "فلاح الکونین" کہتے ہیں کہ اس آیت کا ماتم مروّجہ یا غیر مروّجہ سے کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ ان کی کم فہمی پر مبنی ہے۔ کیونکہ صَبَرُوا کا لفظ مطلق ہے اور اس کے تحت صبر کی وہ تمام قسمیں آجاتی ہیں جن کی تفصیل امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر سے نقل کی جا چکی ہے یعنی وہ لوگ مصیبت میں بھی صبر کرنے والے ہیں اور جنگ وقتال کے وقت بھی اور فقر وفاقہ وغیرہ کے احوال میں بھی۔ تو جب حسبِ لغت وتفسیر قرآن جزع کرنا صبر کے خلاف ہے تو صابرین کی صفات کے بیان میں ماتم مروّجہ کا تعلق کیوں نہیں ہوگا؟ اگر صابرین اللہ کے ہاں فضیلت والے ہیں تو یقیناً ماتمی لوگ جن کا فعل ماتم صبر کے خلاف ہے، اللہ کے ہاں بے وقار ہوں گے۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ لکھا ہے

کہ اس آیت سے مراد حضرتِ علیؓ ہیں۔ اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کے سوا اور کوئی صحابی اس آیت کا مصداق نہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ اس آیت میں صابرین کی ایک جماعت مراد ہے جن میں حضرت علیؓ بھی ہیں، اور یہ بھی فرمائیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی جو صفت اس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے، کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان ذُوالنّورینؓ اس صفت میں حضرت علیؓ سے افضل نہیں ہیں؟ حضرت ابوبکر صدّیق نے تو سارا مال دربارِ رسالت میں پیش کر دیا تھا۔ جس کے متعلق شاعرِ اسلام علامہ اقبال علیہ الرّحمۃ یہ کہہ چکے ہیں۔ ؎

پروانے کو چراغ ہے بُلبُل کو پھول بس   صدّیقؓ کے لیے ہے خُدا کا رسولؐ بس

اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا تو اتنی واضح حقیقت ہے کہ کوئی دشمن بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ (۱) غزوۂ تبوک میں حضرت عثمان نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار اشرفیاں رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں پیش کر دیئے تھے۔ (۲) اوائلِ ہجرت میں مدینہ منوّرہ میں ایک میٹھا کنواں جس کا نام "رُومہ" تھا، خرید کر اللہ کی راہ میں وقف کر دیا تھا (۳) مسجد نبوی کے ساتھ ملحقہ زمین تقریباً پچیس ہزار روپیہ کی خرید کر مسجد میں شامل کر دی وغیرہ وغیرہ کیا مصنف "فلاحُ الکونین" بتا سکتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے غزوۂ تبوک یا دوسرے مواقع پر کتنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا؟

جنگِ اُحد اور صحابہؓ

مصنّف "فلاحُ الکونین" اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم پر طعنہ زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- "آپ کی پیش کردہ اس آیت سے بھی کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ماتم کرنا ترکِ صبر ہے لہٰذا اللہ ماتم کرنے والوں کے ساتھ نہیں۔ اس کے برعکس آیت تو یہ بتا رہی ہے کہ صبر کو ترک کرنے والے وہ ہیں جو رسول اللہ صلعم کو نرغۂ اعداء میں تنہا چھوڑ دیں اور جان بچانے کے لیے جہاد سے پیٹھ پھیر کر پہاڑ پر جا چڑھیں۔ حقیقت میں یہی لوگ تارکِ صبر ہوئے، سچائی سے دُور ہوئے، جنّت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا"۔ (فلاحُ الکونین ص ۶۸) ÷

الجواب

یہ پہلے ثابت کر دیا گیا ہے کہ ماتم کرنا ترکِ صبر ہے کیونکہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے۔ جزع اور ماتم کرنے والے کو کسی حیثیت سے بھی صابر نہیں کہہ سکتے۔ (۲) جنگِ اُحد میں میدان سے ہٹ جانے اور بھاگ جانے کا آپ جو الزام صحابہ کرام پر رضی اللہ عنہم پر لگا رہے ہیں اس کا تفصیلی جواب دلیل نمبر۱۲ کے تحت دے دیا ہے، اور سب سے بڑی بات اہلِ ایمان والوں کے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ چنانچہ سورۃ آلِ عمران میں فرمایا:- وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ :- "اور یقیناً خدا نے تم سے درگذر کی" (ترجمہ مقبول) اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا:- وَلَقَدْ عَفَا اللهُ عَنْهُمْ :- "اور اللہ نے اُن کے قصور سے درگذر کی" (ترجمہ مقبول سورۃ آل عمران ع ۱۶) تو جب اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قصور معاف کر دیا ہے تو اس کے بعد جو ان کو مطعون کرتا ہے وہ صرف اُن کا دشمن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور اس قرآنِ عظیم کا منکر ہے جس میں ان کی معافی کا اعلان فرمایا گیا ہے، اور یہی وہ حضرت عثمان ذُو النّورین ہیں جن کی برحق خلافت کو حضرت علی رضؓ نے بارہ سال تک تسلیم کیے رکھا۔ فرمائیے کیا آپ حضرت علی المرتضیٰ کے اس طرزِ عمل سے خوش ہیں؟

حضرت علی رضؓ المرتضیٰ کا صبر

ہم اہلِ سُنّت والجماعت چونکہ دیگر خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور ازواج مطہرات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبت کی طرح حضرت علی رضؓ المرتضیٰ، حضرت امام حسن رضؓ، حضرت امام حسین رضؓ اور خاتونِ جنّت حضرت فاطمہ زہرا رضؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبت کو بھی اپنے ایمان کی جُزء مانتے ہیں۔ اس لیے روافض کے مطاعن کے سلسلہ میں ہمیں ان حضرات اہل بیت کی عظمتِ شان کو ملحوظ و محفوظ رکھتے ہوئے جواب دینا پڑتا ہے ورنہ اگر روافض کے عقائد و نظریات کو دیکھا جائے تو نعوذ باللہ حضرت علی المرتضیٰ کی کوئی دینی حیثیت باقی نہیں رہتی بلکہ ایک فرضی علی کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ جس کی اصلی علی رضؓ کی حقیقی تصویر سے کوئی مناسبت و مشابہت نہیں پائی جاتی۔ ہم الزامًا کہتے ہیں کہ جو صحابہ میدانِ جنگ سے ہٹ گئے تھے اُن کو تو علّامُ الغیوب اور رحیم و کریم خدا نے معاف کر دیا لیکن روافض جو حضرت علی رضؓ المرتضیٰ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ (۱) وہ اللہ کی دی ہوئی خلافت کو حاصل نہ کر سکے اور چوبیس ۲۴ سال تک

وہ حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمرؓ فاروق اور حضرت عثمانؓ غنی سے اپنی خلافت واپس نہ لے سکے، بلکہ از رُوئے تقیہ ان خلفاء سے بیعت بھی کی اور اُن کی اقتدار میں نمازیں بھی پڑھتے رہے۔ (۲) حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا فدک بھی چھین لیا گیا اور وہ بے بس ہو گئے حتیٰ کہ نعوذ باللہ ان کے سامنے حضرت خاتون جنت کا بازو توڑا گیا، اُن کا حمل گرایا گیا۔ بلکہ حضرت علیؓ کے گلے میں رسّی ڈال کر اصحاب ان کو حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کے لیے مسجد میں لے گئے۔ (ملاحظہ ہو جلاء العیون اُردو مطبوعہ لکھنؤ ۱۵۳) کیا صابرین کی یہی شان ہوتی ہے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰؓ کی یہی حقیقی تصویر ہے، اور کیا ایسے کمزور شخص کو کوئی اَسَدُ اللہ (اللہ کا شیر) تسلیم کر سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ اگر صاحبِ کمالات و فضائل اور خلیفۂ راشد مانے جا سکتے ہیں تو صرف مذہب اہل سُنّت کے عقیدہ کی بنا پر، ورنہ خارجی تو حضرت علی المرتضیٰ کے کھلے دشمن ہیں اور آپ کو مومن بھی نہیں سمجھتے، اور رافضی بظاہر محبت و ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جن اُمور کو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ بھی دشمنی ہی ہے مگر بصورتِ محبت، اور یہ زیادہ خطرناک نظریہ ہے۔

اَحادیثِ شیعہ کی رُو سے بھی جزع صبر کے خلاف ہے

گو کُتبِ لُغت اور اور اہل سُنّت اور اہل تشیّع دونوں کی تفاسیر سے یہ ثابت کر دیا گیا کہ جزع کرنا صبر کے خلاف ہے اور ماتم کی ابتدار جزع کرنا ہی ہے۔ کیونکہ جزع کہتے ہیں دل کی بیقراری اور پریشانی کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ لہٰذا شیعوں کا ماتم مرّوجہ صبر کے خلاف ہے لیکن مزید اتمام حجّت کے لیے ہم شیعہ مذہب کی کتبِ حدیث سے بھی یہ ثابت کرتے ہیں کہ جزع اور صبر دو متضاد حالتیں ہیں، اور جزع کرنا یقیناً صبر کے خلاف ہے۔ (۱) شیعہ مذہب کی کتب "اُصول اَربعہ" میں سے سب سے زیادہ صحیح کتاب فروعِ کافی میں ہے:

عن جابر قال قلت لابی جعفر یرحمک اللہ ما الصبر الجمیل قال صبرٌ لیس فیہ شکوی الی الناس۔ :- اس کا ترجمہ اہلِ تشیّع کے ادیبِ اعظم یہ لکھتے ہیں:- "جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا صبر جمیل کیا ہے، فرمایا! وہ صبر ہے جس میں لوگوں کی طرف شکایت نہ ہو" (شافی ترجمہ فروع کافی حصہ ۱۱۵)

امام محمد باقر کے قول سے بھی ثابت ہوگیا کہ اگر غم کی لوگوں کے سامنے شکایت کی جائے تو یہ صبر جمیل کے خلاف ہے۔ لیکن امام موصوف کے خلاف مصنّف "فلاح الکونین" کا یہ مذہب ہے کہ جزع فزع کرنا بلکہ اس کے جلوس نکالنا بھی صبر کے خلاف نہیں۔ (۲) فروعِ کافی جلد ۳ کتاب الروضہ میں ہے کہ امام حسینؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا کہ :- فعلیك بالصبر فان الخیر فی الصبر والصبر من الکرم ودع الجزع فان الجزع لا یغنیك :- "پس آپ صبر کو اپنے اوپر لازم کریں کیونکہ صبر میں بھلائی ہے اور صبر جوانمردی سے ہے اور جزع کو چھوڑے رکھنا کیونکہ جزع آپ کو کوئی فائدہ نہیں دے گا۔" اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ جزع صبر کے خلاف ہے کیونکہ امام حسینؓ صبر اختیار کرنے اور جزع کو چھوڑنے کی نصیحت کر رہے ہیں۔ لہٰذا مصنّف "فلاح الکونین" کا نظریہ امام حسینؓ کے خلاف ہے۔ (۳) "اُصولِ کافی" میں ایک طویل حدیث ہے جس کا ترجمہ اَدیبِ اعظم یہ لکھتے ہیں :- فرمایا ابوعبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا، مَیں نے دنیا میں اپنے بندوں کے درمیان قرضِ حَسَنہ کو جاری کیا ہے، پس جس نے مجھے قرضِ حَسَنہ دیا یعنی مستحق بندوں کو دیا تو مَیں اُس کے بدلہ میں دس سے لے کر سات سو تک دوں گا، بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ، اور جس نے مجھے قرض نہ دیا تو مَیں اپنے انعام کو اس سے کچھ کم کردوں گا۔

اگر اس نے اس پر صبر کیا تو اس کو تین ایسی فضیلت دوں گا کہ اگر ان میں سے ایک اپنے ملائکہ کو دے دوں تو وہ میرے اس عطیہ کو پسند کریں پھر حضرت نے یہ آیت تلاوت فرمائی :- الذین اذا اصابتھم مصیبة قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون الخ :- "اُن لوگوں پر جب کوئی مصیبت نازل ہوئی تو انھوں نے کہا ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ ہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کا درود[۱] اور رحمت[۲] ہے اور یہی ہدایت[۳] یافتہ ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ تو اس کے لیے ہے جو تھوڑی سی کمی پر صبر کرے اور جو بڑے بڑے مصائب پر صبر کرنے والے ہیں، اُن کے اجر کا کیا ٹھکانہ ہے۔" (الشافی ترجمہ اُصولِ کافی جلد ۲ صفحہ ۱۱) - اس حدیث کے عربی الفاظ :- فصبر اَعطیتهٗ ثلث خصال کا ترجمہ علامہ خلیل

قزوینی نے صافی ترجمہ اصول کافی میں یہ کیا ہے :- پس صبر کرد و جزع نہ کرد اصلا - (پس اس نے صبر کیا اور جزع بالکل نہ کیا) اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جزع صبر کے خلاف ہے اور اس حدیث میں بھی آیت شریفہ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ سے ہی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صبر کرنے والوں کے لیے تین فضیلتیں ہیں اور صبر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بالکل جزع نہ کیا جائے اور اسی آیت سے میں نے یہ استدلال کیا ہے کہ جزع صبر کے خلاف ہے جس کے جواب میں مصنف صاحب "فلاح الکونین" یہ فرما رہے ہیں کہ یہاں صبر سے مراد جنگ میں ثابت قدم رہنا ہے اور یہ کہ ماتم کرنا صبر سے دور ہونے کی دلیل نہیں - لیکن اب اپنے علامہ خلیل قزوینی شارح اصول کافی کا کیا جواب دیں گے جو فرما رہے ہیں کہ :- صبر کرد و جزع نہ کرد اصلا - (ب) مندرجہ حدیث کے الفاظ :- ممن افوضنی منها فوضاً کا ترجمہ ادیب اعظم صاحب نے یہ لکھا ہے :- "جس نے مجھے قرضِ حسنہ دیا"

لیکن علامہ قزوینی کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں حرفِ فاء ہے نہ کہ قاف ، اور جن نسخوں میں قاف ہے یہ کاتبوں کی غلطی کی وجہ سے ہے اور افوضنی فاء کے ساتھ ہو تو علامہ قزوینی اس کا معنی کرتے ہیں :- "الافواض ، دادن کسے را چیزے" یعنی افراض کا معنی ہے کسی کو کوئی چیز دینا ، واصل آں واکردن راہ آشنائی میان خود و دیگرے است - (اور اس کا اصلی معنی ہے اپنے اور کسی دوسرے کے درمیان دوستی کی راہ کا کھول دینا) لہذا ان کی تحقیق پر ادیب اعظم کا ترجمہ محلِ نظر ہے واللہ اعلم

(۴) فروع کافی میں ہے :- قال ابو عبد اللہ علیہ السلام یا حمص ان من صبر صبر قلیلاً وان من جزع جزع قلیلاً ثم قال علیك بالصبر فی جمیع امورك - اس کا ترجمہ ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں " فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السلام نے اے حمص (راوی) جس نے صبر کیا تو اس نے تھوڑی مدت صبر کیا لیکن اس کا اجر باقی رہنے والا ہے اور جس نے بیتابی کا اظہار کیا تو اس کی بیتابی تو تھوڑی دیر رہی لیکن اس کی شرمندگی دیرپا ہے - پھر فرمایا صبر کو اپنے لیے لازم قرار دے اپنے تمام امور میں" (شافی ترجمہ فروع کافی) اس حدیث میں بھی جزع کا لفظ صبر کے مقابلہ میں ہے - اور ادیبِ اعظم نے جزع کا ترجمہ بیتابی کے اظہار کرنے کا کیا ہے - تو امام جعفر صادق کے قول سے

بھی ثابت ہوگیا کہ جزع اور ماتم صبر کے خلاف ہے۔ (۵) فروع کافی کی ایک حدیث کا ترجمہ یہ ہے :۔ فرمایا ابو عبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السّلام نے کہ رسول اللہ اپنے ایک صحابی کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ مرنے کے قریب تھا اور فرمایا اے ملک الموت! میرا یہ صحابی مومن ہے۔ اس نے کہا اے محمدؐ! بشارت ہو کہ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کرتا ہوں اور جان لو اے محمد! جب میں اولاد آدم میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہوں تو گھر والے جزع فزع کرتے ہیں۔ میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں جاتا ہوں اور کہتا ہوں یہ رونا پیٹنا کیسا ؟ خدا کی قسم میں اس کی موت کے وقت سے پہلے نہیں آیا اور نہ میں نے اس کے گناہوں کی وجہ سے قبض روح کیا ہے۔ اگر تم چپ رہوگے اور صبر کروگے تو جزا پاؤگے اور اگر بے قراری کا اظہار کروگے تو گنہگار ہوگے۔ (شافی ترجمہ فروع کافی ص۱۱۳)

اس روایت کے آخری جملہ کے عربی الفاظ یہ ہیں :۔ وان تجزعوا تأثموا۔ (اور اگر تم جزع کروگے تو گنہگار ہوگے) یہاں بھی جزع صبر کے مقابلہ میں ہے اور جزع کا ترجمہ ادیبِ اعظم نے بے قراری کے اظہار کرنے کا کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ جزع اور ماتم یعنی بے قراری کا اظہار کیا جائے تو یہ صبر کے خلاف ہے اور ایسا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔ لہٰذا ماتم مروّجہ حرام اور ممنوع ثابت ہوا (۶) فروع کافی میں ہے امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب ملک الموت قبض روح کے لیے آتا ہے تو وہ مومن سے کہتا ہے یا ولی اللہ لا تجزع :۔ "اے خدا کے دوست بے چین نہ ہو، ڈر مت" (شافی ترجمہ فروع کافی) اس حدیث سے بھی صراحتاً ثابت ہوا کہ ملک الموت جزع کرنے سے منع کرتا ہے لیکن مصنف "فلاح الکونین" نے تو بہر حال جزع فزع کرنے کو سُنّت اور عبادت تسلیم کرنا ہی ہے کیونکہ یہ ان کے نفس کا شدید تقاضا ہے۔ آخر اس ضد اور کم فہمی کا کیا علاج ہے؟ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ چھ احادیث جن سے ہم نے جزع اور ماتم کا خلاف صبر ہونا ثابت کیا ہے۔ ان کی سند میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے جس کی بنا پر مصنف موصوف کافی کی احادیث کو ضعیف کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

روایاتِ کافی کی بحث

ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے پر ہم نے رسالہ "ھم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں شیعہ مذہب کی ۱۹ عدد روایات سے استدلال کیا تھا۔ جن میں روایت نمبر ا کے تحت یہ لکھا تھا کہ :۔ اُصُولِ کافی ماتمیوں کے نزدیک وہ مستند کتاب ہے جس کے ٹائیٹل پر لکھا ہوا ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السّلام نے اس کتاب کے متعلق فرمایا :۔ ھٰذا کافٍ لشیعتنا ۔ (یہ کتاب ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) اس میں یہ روایت ہے :۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال الصبر من الایمان بمنزلۃ الرأس من الجسد فاذا ذھب الرأس ذھب الجسد کذلک اذا ذھب الصبر ذھب الایمان۔ (اصول کافی جلد اوّل، کتاب الکفر والایمان صہ ۱۰۱)۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لیے سَر۔ پس جب سر نہ رہے تو جسم نہیں رہتا اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں رہتا (صہ ۲۲) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :۔ اصول کافی کے مستند ہونے سے ہم انکار نہیں کرتے جیسا کہ آپ نے دلیل نمبر ۷ کے جواب میں "ینابیع المودّت" کو حنفیوں کی مستند کتاب تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے۔ لیکن ھٰذا کافٍ لشیعتنا جو کافی کے Title page (سرورق) پر لکھا ہوا ہے۔ اس کو امام آخر الزمان علیہ السّلام کا فرمان ماننے کے لیے تیار نہیں کیونکہ یہ فقرہ مطبع نولکشور لکھنؤ کی مطبوعہ کتاب پر کارپردازان مطبع نے کتاب کو اور زیادہ پرکشش بنانے کے لیے لکھ دیا ہے۔ حالانکہ دوسرے مطابع کی طبع شدہ کتابوں پر یہ فقرہ جو فرمان امام سے منسوب کیا گیا ہے کہیں نظر نہیں آتا بلکہ صاحبِ "رَوضات الجنّات" نے اس کی تردید کی ہے لیکن ہم اس پر بھی مصر نہیں کہ اس کی تمام احادیث و رواۃ مستند اور صحیح ہیں جیسا کہ آپ بخاری و مسلم وغیرہ کو مانتے ہیں۔ قالوا ھما اصح الکتب بعد کتاب اللہ کما فی رسالۃ ملحقۃ بسنن الترمذی وجعلوا رُواتھما راجحینَ علی کلٍ سواءً کانوا مرجیۃ اوقدریۃ اوخارجیۃ :۔ "کہتے ہیں یہ دونوں کتابیں (بخاری اور مسلم) سب کتب سے بعد کتاب اللہ زیادہ صحیح ہیں اور ہر دو کتب مذکورہ کے رُواۃ کو اگرچہ وہ مرجیہ، قدریہ یا خارجیہ سے ہی

ہوں، سب پر ترجیح دیتے ہیں۔" یہ روایت بطریق ضعیف ہے۔ مرأۃ العقول شرح کافی ص۱۰۸ ج ۳۔ الثانی ضعیف علی المشہور۔ (فلاح الکونین ص۲۷) ھٰذا کافٍ لشیعتنا کا حوالہ۔

الجواب

(۱) آپ کی یہ تاویل کافی نہیں ہے کہ مطبع نولکشور والوں نے ھذا کافٍ لشیعتنا کے الفاظ لکھ دیئے ہیں۔ ہمارے پاس اصول کافی کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۲ھ کا چھپا ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آج سے قریباً ۹۱ سال پہلے یہ کتاب اُصولِ کافی لکھنؤ میں طبع ہوئی تھی جو ہندوستان میں شیعوں کا اہم مرکز تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ مطبع والوں نے یہ جملہ کہاں سے لیا ہے اور پھر کس بنا پر انہوں نے اس کو حضرت امام مہدی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ کیا لکھنؤ کے شیعہ مجتہدین نے کتاب کی تصحیح نہیں کی تھی؟ یقیناً انہوں نے تصحیح کی ہو گی پھر انہوں نے کیوں اتنی غلط نسبت کو حذف نہ کیا۔ اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت کے شیعہ مجتہدین ھٰذا کافٍ لشیعتنا کو امام غائب (حضرت مہدی) کا قول ہی سمجھتے ہوں گے۔ (۲) اس فقرہ کا ذمہ دار صرف اہلِ مطبع کو ٹھہرانا یہ آپ کی تلبیس ہے کیونکہ اسی اصول کافی کے خاتمۃ الطبع میں اس کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے ترجمہ (یعنی حالات) میں یہ لکھا ہے کہ:۔ وقد اتفق تصنیفہ فی الغیبۃ الصغریٰ بین اظہر السفراء فی مدۃ عشرین سنۃ کما صرح بہ النجاشی ویقال ان ھٰذا الکتاب عرض علی القائم علیہ السلام فاستحسنہ :۔" اور حُسنِ اتفاق سے آپ کی یہ تصنیف بیس[۲۰] سال کے عرصہ میں حضرت مہدی کے سفیروں کے سامنے مکمل ہوئی ہے جیسا کہ نجاشی نے اس کی تصریح کی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ کتاب حضرت قائم یعنی مہدی علیہ السلام پر پیش کی گئی اور آپ نے اس کو پسند فرمایا" (اُصول کافی ص۹۹۴)۔

یہاں یہ بھی پیش نظر رکھیں کہ اس کتاب کی تصحیح کرنے والے اور طبع کرانے والے مولوی سیّد محمد علی صاحب لکھنوی ایک شیعہ فاضل ہیں اور انہوں نے یہ ترجمہ خود نہیں لکھا بلکہ کتاب شیعہ "منتہٰی المقال فی تراجم الاعیان" سے نقل کیا ہے اور اس کا ذکر صافی شرح کافی (مصنفہ علامہ خلیل قزوینی) کی تقریظ میں ان الفاظ میں موجود ہے:۔ "چنانچہ ترجمہ خود مصنف علیہ الرحمۃ در آخر اُصولِ کافی

از شذور العقیان فی تراجم الاعیان مرسوم گشتہ من شاء الاطلاع علیہا فلیرجع الیہا (چنانچہ خود مصنف یعنی شیخ کلینی کا ترجمہ اصول کافی کے آخر میں شذور العقیان فی تراجم الاعیان سے لکھا ہوا ہے۔ جو اس سے واقف ہونا چاہے وہ اس کی طرف رجوع کرے۔) (۲) اُصولِ کافی مطبوعہ مکتبۃ الصدوق طہران ۱۳۸۱ھ کے مقدمہ میں لکھا ہے:۔ و یعتقد بعض[1] العلماء انہ عرض علی القائم صلوات اللہ علیہ فاستحسنہ وقال "کافٍ لشیعتنا" اور بعض علماء کا یہ اعتقاد ہے کہ کتاب کافی حضرت مہدی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی گئی تو آپ نے اس کو پسند کیا اور فرمایا یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ (۳) علامہ خلیل قزوینی نے الصافی شرح اُصول کافی صفحہ میں لکھا ہے:۔ از رُوئے احتیاط تمام آں را در بست سال تصنیف کردہ در زمان غیبتِ[2] صُغریٰ صاحب الزّمان علیہ و علی آبائہ صلوات اللہ الرحمٰن کہ شصت و نہ سال بودہ و دراں زمان مومنان عرض مطلب می کردند بتوسّط سفراء یعنی آوردگان از آنحضرت والیشاں چہار کس بودہ اند۔ بترغیب ایشاں وکلائے بسیار بودہ اند کہ اموال از شیعۂ امامیہ می گرفتہ اند و می رسانیدہ اند و محمد بن یعقوب در بغداد نزدیک سفراء بودہ و در سال فوت آخر سفراء ابوالحسن علی بن محمد السمری رحمہ اللہ تعالیٰ کہ سال سہ صد و بست و نہ ہجری باشد فوت شدہ یا یک سال قبل ازاں۔ پس می تواند بود کہ ایں کتاب مبارک بنظر اصلاح آں حجت خدائے تعالیٰ رسیدہ باشد واللہ اعلم "شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے اس کتاب کافی کو از روئے احتیاط بیس۲۰ سال میں مکمل کیا ہے حضرت مہدی کے غیبت صغریٰ کے زمانہ میں جو انہتّر واں (۶۹) سال ہے اور اس زمانہ میں مومنین سفیروں کے

---

[1] اس سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ بعض علمائے شیعہ اس بات کے قائل ہیں کہ الکافی حضرت مہدی کی خدمت میں پیش کی گئی ہے۔ لیکن اس کے خلاف شیعوں کے ادیبِ اعظم سیّد ظفر حسن صاحب امروہوی تجاہل عارفانہ کے طور پر فرماتے ہیں:۔ یہ قول کہ حضرت حجت نے اس کتاب کے متعلق فرمایا ھٰذا کافٍ لشیعتنا۔ (یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے) صحیح نہیں۔ ہمارے کسی عالم نے ایسا نہیں کہا۔ (شافی ترجمہ اصول کافی) [2] شیعوں کے عقیدہ میں غَیبتِ صغریٰ وہ زمانہ ہے (باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ذریعہ اپنا مطلب عرض کیا کرتے تھے اور وہ چار سفیر تھے جو حضرت مہدی سے خبریں لاتے تھے اور ان کی ترغیب سے اور بھی بہت وکلا رہتے تھے جو شیعوں سے مال لے کر آپ تک پہنچاتے تھے اور محمد بن یعقوب کلینی بغداد میں ان سفیروں کے قریب رہتے تھے اور جس سال میں آخری سفیر ابو الحسن علی بن محمد السمری نے وفات پائی ہے یعنی ۳۲۹ ھجری میں اسی سال شیخ محمد بن یعقوب کلینی کی وفات ہوئی ہے یا ان سے ایک سال پہلے۔ پس ہوسکتا ہے کہ یہ مبارک کتاب اس حجت خدا تعالیٰ یعنی حضرت مہدی کی اصلاحی نظر میں پہنچائی گئی ہو" اور غالب قرینہ بھی یہی ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب آپ کی خدمت میں پیش کی گئی ہو اور آپ نے اس کے متعلق ھذا کافٍ لشیعتنا کے الفاظ فرمائے ہوں۔ کیونکہ جب حسبِ زعم شیعہ سفیروں کے ذریعہ ان کے احوال حضرت موصوف کی خدمت میں پہنچائے جاتے تھے تو کوئی وجہ نہیں کہ جو کتاب احادیثِ ائمہ پر مشتمل ہو اور جس پر مذہب شیعہ کا دارومدار ہو وہ آپ تک نہ پہنچائی جائے جبکہ الکافی کے مصنف بغداد میں ان سفیروں کے قریب ہی رہتے تھے اور بیس[۲] سال تک یہ کتاب لکھتے رہے۔ ان حالات میں اگر شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے حضرت امام مہدی کی خدمت میں یہ کتاب پیش نہیں کی تو اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اس کی اصلاح ہی نہیں چاہتے تھے یا ان کو حضرت مہدی کے وجود کا یقین و اعتقاد ہی نہ تھا، اور اگر بالفرض ان سے حضرت کی خدمت میں کتاب پہنچانے میں کوتاہی

بقیہ تحت المتن ۲۷۳ :- جس میں سفیروں کے ذریعہ حضرت مہدی کے احوال و ارشادات معلوم ہوتے رہتے تھے اور وہ چار سفیر یہ ہیں۔ (۱) پہلے سفیر ابو عمرو عثمان بن سعید ہیں۔ (۲) دوسرے سفیر ان کے بیٹے جعفر محمد بن عثمان ہیں۔ (۳) تیسرے سفیر ابو القاسم حسین بن روح ہیں متوفی شعبان ۳۳۸ ھجری۔ (۴) اور چوتھے سفیر علی بن محمد ہیں جن کا ذکر الصافی شرح الکافی کی مندرجہ عبارت میں ہے اور ان کو خاتم السفراء کہتے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد آج تک اور ان کے ظہور تک غیبتِ کبریٰ کا زمانہ ہے۔ جس میں حضرت مہدی سے شیعوں کا کوئی رابطہ نہیں رہا لیکن جمہور اہل سنّت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امام مہدی پیدا نہیں ہوئے، قربِ قیامت میں پیدا ہوں گے اور آپ کے ذریعہ اس وقت اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ہوگئی تھی تو پھر حضرت مہدی پر لازم تھا کہ وہ خود ہی یہ کتاب منگوا لیتے۔ کیونکہ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ ہر بات اور ہر حال جانتے ہیں اور بالخصوص شیعوں کے ناموں کا رجسٹر اماموں کے پاس ہوتا ہے۔ لہذا شیعہ علماء یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ حضرت مہدی کو الکافی اور اس کے مصنف شیخ کلینی کا علم ہی نہ تھا، اور جب آپ کو علم تھا تو پھر یا تو آپ نے اس لیے یہ کتاب اپنے پاس نہیں منگوائی کہ اس میں تمام احادیث اُن کے نزدیک صحیح تھیں، اور آپ کو کتاب اپنے پاس طلب کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ حسبِ عقیدہ شیعہ وہ اپنی جگہ سے ہی سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں اور اگر الکافی میں نصف سے زائد احادیث ضعیف تھیں، جیساکہ متاخرین شیعہ کا گمان ہے اور باوجود علم رکھنے کے حضرت مہدی نے اس کتاب کی اصلاح نہیں فرمائی۔ تو پھر اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ امام غائب کو مذہبِ اہلِ تشیّع سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی اور نہ شیعوں کی گمراہی کا احساس تھا۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ حضرت مہدی شیعوں کے اموال سے تو فائدہ اٹھاتے رہیں اور خود اُن کو دینی نفع نہ پہنچائیں اور ان کو ورطۂ ضلالت میں یونہی رہنے دیں، اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر اُن کو امامِ زمانہ تسلیم کرنے سے اُمّت کو کیا فائدہ ؟ اور اب تو صدیاں گذر چکی ہیں ان کے ساتھ اُمّت کا کوئی رابطہ ہی نہیں رہا۔ شیعہ علماء و مجتہدین دعائیں کرتے رہتے ہیں لیکن خدا جانے آپ کا ظہور کس کو نصیب ہوتا ہے۔

۳۱۳ شیعہ پورے ہونگے تو امام مہدی ظاہر ہونگے

علامہ خلیل قزوینی شارح اُصولِ کافی لکھتے ہیں :- ومنقول است کہ اگر عدد ایشاں بسی صد و سیزدہ کس باہیئتِ اجتماعی رسد، امام ظاہر می شود۔ (صافی شرح اصول کافی کتاب الحجّۃ حصّہ سوم ص۳۶) :- "اور منقول ہے کہ جب اُن کی (یعنی شیعہ حضرات کی) تعداد اجتماعی طور پر ۳۱۳ ہو جائے گی تو امام صاحب ظاہر ہوں گے" اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تک اہلِ تشیّع کی تعداد ۳۱۳ تک نہیں پہنچی ورنہ امامِ غائب ضرور ظاہر ہو جاتے تو پھر مصنف "فلاحُ الکونین" نے شیعوں کی ترقی کے جو گیت گائے ہیں، یہ سب غلط ہے، اور اکثر مدّعیانِ شیعیّت در اصل شیعہ نہیں ہیں محض محبّتِ اہلِ بیت کے نام پر عوام کے جذبات سے کھیل رہے ہیں۔ واللہ اعلم (۴) ابو علی محمد بن اسمٰعیل نے

بھی اپنی کتاب "منتہی المقال" مطبوعہ طہران میں مصنف کافی شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ :- الکافی الذی لم یصنف مثلہ، عرض علی القائم صلوات اللہ علیہ فاستحسنہ ؎" کتاب کافی ایسی کتاب ہے جس کی مثل کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی اور وہ حضرت مہدی کی خدمت میں پیش کی گئی تھی اور آپ نے اس کو پسند فرمایا تھا" (۵) مرزا باقر اصفہانی نے بھی اپنی کتاب "روضات الجنات" میں کتاب "تمینۃ المرتاد" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :- حکی انہ عرض علیہ فقال، کاف لشیعتنا :" بیان کیا گیا ہے کہ یہ کتاب آپ پر پیش کی گئی تھی تو آپ نے فرمایا یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے"

(۶) "فلاح الکونین" پر تقریظ لکھنے والے مولوی محمد حسین صاحب (جن کے نام کے ساتھ سلطان المتکلمین، رئیس المحدثین اور مجتہد وغیرہ القاب لکھے گئے ہیں) الشافی ترجمہ اصول کافی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :- یہ کتاب حضرت صاحب العصر و الزمان عجل اللہ فرجہ کی غیبتِ صغری اور نواب اربعہ کی موجودگی میں لکھی گئی ہے لہذا اگرچہ عند التحقیق اس کتاب کا امام العصر کی بارگاہ میں پیش ہونا اور آنجناب کا یہ فرمانا کہ :- "الکافی کاف لشیعتنا" پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکا۔ مگر اس کا آنجناب کے مخصوص وکلاء کی موجودگی میں لکھا جانا اور اس حقیقت کا مسلّم ہونا کہ یہ کتاب تمام ملّتِ جعفریہ کی دینی فلاح و بہبود اور اُن کی رشد و ہدایت کے لیے لکھی جا رہی ہے جو زمانہ غیبت میں ان کی توجّہ کا مرکز بنے گی۔ مگر اس کے باوجود اس کی رو میں نہ ناحیہ مقدسہ سے کسی توقیع مبارک کا صادر ہونا اور نہ وکلائے امام کا روکنا، ٹوکنا اس سے کم از کم ان کی تائید و رضائے سکوتی تو ضرور ہو جاتی ہے اور یہی امر اس کتاب کی وثاقت و جلالت کی قطعی دلیل ہے۔ (کذا) استدل العلامۃ المجلسی فی المرأۃ جلد اوّل ص۳) :- انہی حقائق کی بنا پر سیّد جلیل سیّد بن طاؤس علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ فتصانیف ھذا الشیخ محمّد بن یعقوب و روایاتہ فی زمن الوکلاء المذکورین یجد طریقاً الی منقولاتہ :" شیخ جلیل محمد بن یعقوب کی تصانیف و روایات کا وکلائے امام علیہ السّلام کے دور میں ہونا، ان کے منقولات کی تحقیق و وثاقت کی طرف ایک راستہ کھول دیتا ہے" انہی خصوصیات کی بنا پر بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائے اسلام سے آج تک فن احادیث میں اصول کافی کے پایہ کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔ (مقدمہ شافی شرح اصول کافی ص۴،۵)۔

بہرحال اعتقاداتِ شیعہ کی بنا پر یہی بات راجح ہو سکتی ہے کہ کتاب الکافی حضرت مہدی کی خدمت میں پیش کی گئی اور آپ نے اس کو ھذا کافٍ لشیعتنا۔ "یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے" کی سند عطا فرمائی ہے اور خود مولوی محمد حسین صاحب نے بھی حضرت امامِ غائب کی رضائے سکوتی تسلیم کر لی ہے یعنی اس کتاب کے متعلق حضرت امام کا کچھ نہ فرمانا بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ کی اس کو تائید و تصدیق حاصل ہے اور اس کی مندرجہ تمام احادیث مذہبِ شیعہ کی رُو سے صحیح ہیں۔

کافی کی روایات کی تعداد

مولوی محمد حسین صاحب شیعی علامہ، مقدمہ شافی ترجمہ اُصولِ کافی ص۵ میں لکھتے ہیں کہ :۔ "کافی کی سولہ ہزار ایک سو ننا دے (۱۶۱۹۹) احادیث میں صرف پانچ ہزار بہتّر (۵۰۷۲) صحیح ہیں۔ باقی ایک سو چوالیس (۱۴۴) حسن اور ایک ہزار ایک سو سولہ (۱۱۱۶) موثق اور تین سو دو (۳۰۲) قوی اور نو ہزار چار سو پچاس (۹۴۵۰) ضعیف ہیں" (بحوالہ قصص العلماء جلد اوّل ص۱۸۷) اور یہ بھی عجیب انکشاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس کتاب حدیث میں نصف سے زیادہ احادیث ضعیف ہوں اور صحیح احادیث صرف ۵۰۷۲ ہوں اس کو تمام کتب حدیث اور شیعوں کی اُصولِ اربعہ میں سب سے زیادہ صحیح اور مستند کتاب کس بنا پر قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب موصوف کا یہ دعوی کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ :۔ "ابتدائے اسلام سے آج تک فنِ احادیث میں اُصولِ کافی کے پایہ کی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی" ہم کہتے ہیں کہ بے شک اسلامی تاریخ میں کسی ایسی اصح ترین کتاب حدیث کا وجود نہیں ملتا جس میں نصف سے زائد احادیث ضعیف ہوں اور صرف تیسرا حصّہ احادیث صحیح ہوں۔ یہ ایک عجیب ترین علمی نظریہ ہے جو شیعہ مذہب کے خصائص میں سے ہے اور جب آپ کے نزدیک کافی کی صحیح احادیث صرف ۵۰۷۲ ہیں تو پھر اس تعلّی و تفاخر کا کیا مطلب جو آپ نے لکھا ہے کہ :۔ کافی کی احادیث جو کہ سولہ ہزار ایک سو ننا دے ننا دے (۱۶۱۹۹) ہیں۔ (قصص العلماء جلد دوم ص۱۸۷۔ فوائد رضویہ جلد ۷ ص۶۵) مجموعی طور پر برادرانِ اسلامی کی بخاری و مُسلم بلکہ تمام صحاح ستّہ کی احادیث سے زیادہ ہیں۔ کیونکہ احادیث بخاری و مسلم کی تعداد سات ہزار دو سو پچھتّر (۷۲۷۵) ہے اور اگر احادیثِ مکرّرہ کو حذف کر دیا جائے تو باقی صرف چار ہزار احادیث رہ جاتی ہیں" (مقدمہ ابن الصّلاح،

نہایۃ الدرایۃ صـ۲۲۵۔ کشف الظنون جلد صـ۵۴۳،۵۴۴) مولوی محمد حسین صاحب کی یہ تحقیق بالکل غلط ہے کہ بخاری ومسلم دونوں کی احادیث کی مجموعی تعداد (۷۲۷۵) ہے کیونکہ یہ تعداد تو صرف صحیح بخاری کی حدیثوں کی ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔ و مبلغ ما اورد فی ھذا الکتاب مع التکرار سبعۃ الاف ومأتان وخمس وسبعون حدیثا و بعد حذف التکرار اربعۃ الاف :۔ "اور امام بخاری نے اس کتاب میں جو احادیث درج کی ہیں ان کی تعداد مکرر احادیث کے ساتھ ۷۲۷۵ ہے اور اگر مکرر حدیثوں کو حذف کیا جائے تو کل تعداد چار ہزار ہے" یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بعض محققین نے فرمایا ہے کہ حقیقتاً مکرر حدیث صرف ایک ہے۔ یعنی ایسی روایت جس کی سند اور متن میں کسی قسم کا تغیر نہ ہو اور وہ ایک ہی طریقہ پر ہو، صرف ایک روایت ہے ورنہ کچھ نہ کچھ تغیر ضرور کیا گیا ہے۔ لہٰذا کافی کو عددی پہلو سے بھی صحیح بخاری پر فوقیت حاصل نہیں ہوسکتی اور جب کہ نصف سے زیادہ احادیث کافی میں ضعیف ہیں تو اس کو تغلیباً بھی حدیث کی صحیح کتاب نہیں کہہ سکتے اور نہ ہی یہ دعویٰ ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ الکافی جیسی کوئی کتاب فنِ حدیث میں اب تک تصنیف نہیں ہوئی۔

دفعِ تعارض

مولوی محمد حسین صاحب نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ کافی کی سولہ ہزار ایک سو ننانوے (۱۶۱۹۹) احادیث میں سے نو ہزار چار سو پچاس حدیثیں ضعیف ہیں، اور یہ بھی مانتے ہیں کہ الکافی کو حضرت امامِ غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ:۔ حضرت شیخ کلینی نے مقدمہ کافی میں یہ ادعا کیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب میں تمام اخبار و آثار صحیحہ جمع فرمائے ہیں۔ چنانچہ اُن کے عین الفاظ یہ ہیں۔ (مقدمہ اُصول کافی) انک تحب ان یکون عندک کتاب کاف یجمع من جمیع فنون علوم الدین ما یکتفی بہ المتعلم ویرجع الیہ المسترشد ویاخذ منہ من یرید علم الدین والعمل بہ بالآثار الصحیحۃ عن الصادقین علیھم السلام والسنن القائمۃ التی علیھا العمل الخ حالانکہ ان دونوں باتوں میں صریح تعارض پایا جاتا ہے کہ خود مصنف شیخ کلینی کے نزدیک تو کافی کی تمام احادیث صحیح ہوں اور متاخرین علمائے شیعہ اس میں سے نصف سے زائد احادیث کو ضعیف قرار دیں، تو اس تعارض کو رفع کرنے اور دونوں قولوں

میں تطبیق دینے کے لیے مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ :- اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض متقدّمین و متاخرین کی اصطلاح سے عدم واقفیت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے ورنہ حقیقتِ حال سے واقف کار جانتے ہیں کہ مؤلّف علّام کی فرمائش بھی صحیح ہے اور مذکورہ بالا تقسیم بھی درست ہے کہ حدیث صحیح کے بارہ میں متقدّمین و متاخرین کی اصطلاح علیحدہ علیحدہ ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ اعتراض پیدا ہوا ہے۔ اس اجمال کی بقدر ضرورت و گنجائش تفصیل یہ ہے کہ ہر خبر دو حال سے خالی نہیں یا متواتر یا واحد یعنی اگر کسی خبر کو ہر طبقہ میں اس قدر جماعتِ کثیر نقل کرے جس کا کذب و افترار پر اتفاق کرنا عادۃً محال ہو تو اس خبر کو متواتر کہا جاتا ہے، اور جو خبر ایسی نہ ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے۔ (ھدایۃ المحدثین ص۳۵۔ نہایۃ الدرایہ)۔

اب اس خبر واحد کی متقدّمین کے نزدیک صرف دو ہی قسمیں تھیں، صحیح اور غیر صحیح۔ وہ خبر صحیح ہر اس حدیث کو کہتے تھے جس کے ساتھ کچھ ایسے قرائن داخلیہ و خارجیہ ہوں جن کی بنا پر اس پر اعتماد و وثوق کیا جا سکے۔ ائمۂ اطہار کے قریب العہد ہونے کی وجہ سے متقدّمین کے پاس ایسے قرائن بکثرت تھے کہ جو حدیث اس طرح محفوف بالقرائن نہیں ہوتی تھی وہ اسے غیر صحیح سمجھتے تھے۔ چنانچہ محدّث جلیل شیخ علی اکبر مروج الاسلام فرماتے ہیں (ھدایۃ المحدثین ص۲۳) نزد قدماء صحیح اطلاق می شد بر اں حدیثیکہ معتضد بود بآنچہ اقتضاء می کرد اعتقاد ایشاں براں۔ یہاں بخوفِ طوالت ان قرائن کا تذکرہ نہیں کیا جا سکتا اور متاخرین کے نزدیک (اور اس اصطلاح کے بانی سید جلیل احمد بن طاؤس متوفی ۶۷۳ھ استاذ حضرت علامہ حلی یا بقول بعض علماء خود علامہ حلی قدس سرہٗ ہیں) خبر واحد کے متعدد اقسام ہیں۔ بعض اقسام کا تعلق راویانِ اخبار کے صفات و اطوار سے ہے اور بعض کا متن اخبار سے اور بعض کا ربط راویوں کے مذکور و محذوف ہونے سے ہے نیز ان کے نزدیک صحیح کا میزان و معیار اور ہے۔ ہم یہاں خبر واحد کے صرف اُن بعض اہم انواع و اقسام کا ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق راویانِ اخبار کے عقائد و اعمال کے ساتھ ہے اور یہ بنا بر مشہور پانچ قسمیں ہیں۔ حدیث صحیح (ھدایۃ المحدثین از ۳۵ تا ۴۵۔ و نہایۃ الدرایہ)

اصطلاح متأخرین میں حدیث صحیح اس کو کہا جاتا ہے جس کا سلسلہ سند معصوم تک منتہی ہوتا ہو اور ہر طبقہ میں اس کے راوی اثنا عشری اور عادل ہوں الخ (مقدمہ شافی شرح اُصول ص۷)

ہمارا سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن احادیث کو متقدّمین محدّثین شیعہ صحیح کہتے ہیں اُن کو متأخرین شیعہ کیونکر غیر صحیح کہہ سکتے ہیں۔ جبکہ اُن کو ائمہ کے زمانہ کا قُرب بھی نصیب نہیں اور اُن کی تحقیق کے ذرائع بہر حال متقدّمین کے مقابلہ میں کمزور اور ناقابل اعتبار ہو سکتے ہیں۔ قرائنِ داخلہ و خارجہ کا علم جو متقدّمین کو ہو سکتا ہے وہ متأخرین کو نہیں ہو سکتا اس لیے شیعہ علماء کے لیے بغیر متقدّمین کی تحقیق پر اعتماد کرنے کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے اور پھر الکافی کی احادیث کو حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی کا حاصل ہونا اتنی بڑی حجّت ہے کہ اس کے مقابلہ میں متأخرین شیعہ کی تحقیق و تنقید کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور خواہ کیسی ہی آپ تاویل و توجیہ پیش کریں الکافی کی صحیح احادیث میں سے نصف سے زیادہ احادیث کو ضعیف قرار دینا اس کی وثاقت و جلالتِ شان کو مجروح کرنا ہے اور اس کے بعد الکافی کی یہ تعریف لغو ہو جاتی ہے کہ :۔ محدّث جلیل ملّا حسن فیض کاشانی وافی میں قمطراز ہیں :۔ الکافی اشرفہا و اوثقہا و اتمہا و اجمعہا لاشتمالہ علی الاصول من بینہا وخلوہ من الفضول وشینہا الخ۔ "تمام کُتبِ اربعہ میں سے اشرف و اوثق و اتم و اجمع کافی ہے کیونکہ یہ علاوہ فروع کے اُصول پر بھی مشتمل ہے اور فضول اور باعثِ عیب باتوں سے خالی ہے۔" (مقدمہ شافی ترجمہ اُصولِ کافی ص۵)۔

(۲) مولوی محمد حسین صاحب موصوف نے جو خبرِ متواتر کی تعریف لکھی ہے کہ :۔ "اگر کسی خبر کو ہر طبقہ میں اس قدر جماعتِ کثیر نقل کرے جس کے کذب و افترا پر اتّفاق کرنا عادۃً محال ہو تو اس خبر کو متواتر کہا جاتا ہے۔" تو اس تعریف کی بناء پر تو شیعہ مذہب کی کوئی حدیث بھی متواتر نہیں ہو سکتی کیونکہ حسبِ اعتقاد شیعہ ائمہ سے روایت کرنے والے اتنی تعداد میں ہو ہی نہیں سکتے، چنانچہ :۔

بعد وفات رسولؐ صرف تین چار مومن رہ گئے۔

(۱) فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ ص۱۱۵ میں ہے۔ عن ابی جعفر علیہ

السّلام قال کان النّاس اھل ردۃ بعد النّبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ الّا ثلٰثۃ فقلت ومن الثلاثۃ فقال مقداد بن الاسود و ابوذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمۃ اللّٰہ علیھم وبرکاتہ۔ (امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے تھے سوائے ان تین کے، مقداد، ابوذر غفاری، اور سلمان فارسی رحمۃ اللّٰہ علیہم وبرکاتہ) (۲)، شیعوں کے علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں :۔" اور جب سیّد اوصیاء دفن سرور انبیاء سے فارغ ہوئے اور بے وفائی اصحاب اور کفر و نفاق ان لوگوں کا مشاہدہ کیا غمگین ہوئے۔ جب رات ہوئی جناب امیر حسنینؓ کو اپنے ہمراہ لے کر ایک ایک گھر میں مہاجر و انصار کے تشریف لائے اور اُن کو عقوباتِ الٰہی سے ڈرایا اور وصیّتِ رسول خدا کو جو بمقام غدیر فرمائی تھی، پڑھ کر سُنایا اور اُن سے نصرت و یاری چاہی مگر سوائے چوبیس ۲۴ آدمیوں کے اس گروہِ بے شرم سے کسی نے قبول نہ کیا اور جب صبح ہوئی چار آدمیوں سے زیادہ بیعت جنابِ امیر پر قائم نہ تھے۔ اسی طرح تین رات تک ہر شب جناب امیر اُن، لوگوں کو دعوتِ بیعت فرماتے اور اُن سے طلب یاری کرتے تھے مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایتِ دیگر تین آدمیوں کے سوا اور کسی نے بیعت قبول نہ کی" (جلاء العیون جلد اوّل مطبوعہ لکھنؤ ۱۴۹)

(۳) شیعوں کے ادیبِ اعظم سیّد ظفر حسن امروہوی بھی تسلیم کرتے ہیں کہ :۔ اب امیر المؤمنین علیہ السّلام سے احادیث کو نقل کرنے والی اصحاب رسول میں چند ہستیاں رہ گئیں۔ جن میں جناب سلمان، ابوذر، عمار بن یاسر، مقداد اور حذیفہ یمانی وغیرہ وغیرہ پیش پیش تھے۔ لیکن سطوتِ حکومت کے غُل غپاڑہ میں اُن بے چاروں کی سُنتا کون تھا۔ جب حضرت علیؓ کی حکومت کا زمانہ آیا تو ان احادیث کی نشر و اشاعت پر یوں اوس پڑی کہ امیر معاویہ کی دیرینہ عداوت رنگ لائی۔ سازشوں کے جال بچھے، حضرت علی کے خلاف وہ پروپیگنڈے ہوئے کہ خدا کی پناہ۔ خلافت کا سارا زمانہ حضرت علیؓ کو باطل کوشوں سے لڑتے گذر گیا۔ اس پر بھی چین نہ آیا تو حدیث سازی کی ایک ایسی ٹکسال قائم ہوئی جس میں صبح سے شام تک سینکڑوں حدیثِ رسول ڈھلنے لگیں۔ منبر پر واعظوں نے بیان کرنے کا بیڑا اٹھایا اور مکاتب و مدارس میں ملّاؤں نے موضوعہ احادیث کا درس دینا شروع کیا تھوڑے ہی عرصہ میں ڈھیر لگ گئے الخ (دیباچہ شافی ترجمہ فروع کافی جلد اوّل ص۷) حسب تصریح علمائے شیعہ نعوذ باللہ جب رسول خدا صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے بعد صرف تین چار اصحاب ہی مومن رہ گئے تھے، تو

پھر خلفائے اربعہ کے تیس ۳۰ سالہ دور میں اہلِ اسلام نے احکامِ شریعت پر کس طرح عمل کیا ہوگا جب کہ احادیث نبویہ کی اشاعت ہی کے ذرائع بند کر دیئے گئے تھے، اور جو احادیث دوسرے صحابہ کرام سے اہلِ اسلام نے سُنی تھیں اور اُن کا سلسلہ عالمِ اسلام میں پھیلا تو اُن پر تو شیعہ علماء کو اعتماد نہیں ہے جیسا کہ ادیب اعظم صاحب موصوف اس کے متعلق یوں بیان فرمار ہے ہیں کہ :۔ "حدیث سازی کی ایک ٹکسال قائم ہوئی" تو اللہ کے دین اور قرآنی احکام و اعمال کا تحفظ اس دور میں تو ہو ہی نہیں سکا پھر آج جو مسلمانوں کے پاس دین ہے اس پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے۔

سب مُہاجرین و انصار جنّتی ہیں

قرآن مجید میں ہے :۔ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ (پ ۱۱- ع ۱) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے :۔ "اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) سابق اور مقدّم ہیں اور (بقیہ اُمّت میں) جتنے اخلاص کے ساتھ اُن کے پیرو ہیں۔ اللہ اُن سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے (یعنی اللہ سے) راضی ہوئے اور اُس نے (یعنی اللہ تعالیٰ نے) اُن کے لیے ایسے باغ مہیّا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (اور) یہ بڑی کامیابی ہے" یہ آیت نصِ قطعی ہے ... مہاجرین و انصار سب کے جنّتی ہونے میں، پھر اُن کے تابعداروں کے جنّتی ہونے میں اور مہاجرین میں بھی سب سے بڑا درجہ اصحاب میں سے حضرت ابوبکر صدّیق کا ہے۔ جن کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ خداوندی شبِ ہجرت میں اپنے ہمراہ لیا اور پھر تین دن صدّیقِ اکبر نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں غارِ ثور میں گذارے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدّیق کو صاحبِ رسول فرمایا۔ سورۃ توبہ میں ہے :۔ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ :۔ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحب (یعنی رفیق و یارِ غار) سے فرمار ہے تھے کہ غم نہ کریں، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ اور بالخصوص افضل المہاجرین کی پیروی کرنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور جنّت کی بشارت

دیدی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو خلیفہ برحق تسلیم کرلیا اور زندگی اُن کی پیروی میں گذاری اور کسی طرح کی مخالفت بھی نہ کی۔ اسی طرح حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین بھی سابقین اور مہاجرین صحابہ میں سے ہیں اور ان کی خلافتِ راشدہ کو بھی حضرت علی المرتضیٰ نے برضا و رغبت تسلیم کرلیا تھا۔ حتیٰ کہ اپنے دَورِ خلافت میں بھی حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی خلافت کے برحق ہونے پر ان مہاجرین و انصار کی بیعت سے ہی استدلال کیا تھا۔ چنانچہ "منہج البلاغۃ" میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ارشاد فرمایا:۔ انہٗ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان علی ما بایعوھم علیہ فلم یکن للشاھد ان یختار و لا للغائب ان یردّ و انما الشوریٰ للمھاجرین و الانصار فان اجتمعوا علی رجلٍ فسمّوہ اماماً کان ذٰلک للہ رضیً۔ (ص۳۹۸ مطبوعہ طہران) "بے شک میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی اور اسی امر پر کی ہے جس پر اُن سے کی تھی۔ پس جو شخص حاضر ہے اس کو اس کے خلاف کوئی اختیار نہیں ہے اور جو موجود نہیں اس کے لیے ردّ کرنا جائز نہیں ہے، اور تحقیق مشورہ مہاجرین و انصار کا حق ہے۔ پس اگر وہ کسی ایک شخص پر اتّفاق کرلیں اور اس کو امام قرار دیدیں تو یہ اللہ کی رضا کے مطابق ہی ہوگا۔"

جن مہاجرین و انصار کو اللہ تعالیٰ نے جنّتی فرمایا ہے اور ان سے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے انہی کو انتخاب خلیفہ کا حق حضرت علیؓ دے رہے ہیں اور جس کو وہ امام و خلیفہ تجویز کرلیں اس کو اللہ تعالےٰ کی رضامندی کی علامت قرار دے رہے ہیں۔ لیکن اعلانِ خداوندی اور ارشادِ مرتضوی کے خلاف علماء و مجتہدین شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے تین چار کے باقی سب مہاجرین و انصار العیاذ باللہ مرتد ہو گئے تھے اور کسی نے بھی حضرت علیؓ کی مدد نہ کی۔ باوجود اس کے کہ آپ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بھی ساتھ لے کر ان مہاجرین و انصار صحابہ کے دربدر پھرتے رہے۔ کیا اس عقیدہ کے بعد قرآنِ عظیم پر ایمان باقی رہ جاتا ہے؟

عہد امام حسنؓ

ادیبِ اعظم صاحب موصوف لکھتے ہیں :۔ "یہی صورت امام حسن علیہ السلام کو پیش آئی، دمشقی حکومت زور و زر دونوں طاقتوں سے کام لیکر ان احادیث کی روک تھام کر رہی تھی جن کے ناقل امام حسن علیہ السّلام تھے۔ سازشوں کے ہر طرف جال بچھے ہوئے تھے۔ منبروں پر حضرت علی علیہ السّلام پر سب و شتم کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ بنو اُمیّہ کے متشددانہ انداز نے شیعوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تھا۔ حکومت کا شہد چاٹنے والے بھوکے بھیڑیوں کی طرح شیعوں کا خون پی رہے تھے۔ ایسی خوفناک حالت میں شیعی احادیث کی تدوین کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا" ؎

عہد امام حُسینؓ اور حدیث

نیز لکھتے ہیں :۔ " امام حسن علیہ السّلام کے بعد جب امام حسین علیہ السّلام کا دَورِ امامت آیا تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک بن گیا۔ جس کی انتہا واقعہ کربلا پر ہوئی۔ ایسے آغشتہ بکفر دَور میں ترویج و تدوین و تعلیم احادیث کا کیا ذکر" الخ ؎

عہد امام زینُ العابدین

لکھتے ہیں :۔ "چوتھا دَور امام زین العابدین کا تھا واقعہ کربلا کے بعد اہلِ بیتِ رسولؐ کا رہا سہا روحانی وقار بھی دنیا پرستوں اور بنو اُمیّہ کے نمک خواروں کی نظر میں ختم ہو گیا تھا۔ صد حیف جس گھر میں وحی آتی تھی اب وہ ویران تھا..... اب درسِ حدیث کون سُنے اور کون دے۔ کیا وہ پیکرِ حُزن و ملال، مجسّمۂ حیرت و یاس جو بہتر (۷۲) کا سوگوار ہے، جس کے دل و جگر پر ہزار زخم ہیں اب اس قابل ہے کہ مسجدِ رسول میں بیٹھ کر لوگوں کو بھولی ہوئی حدیثیں یاد دلائے۔ کیا ظالم حکومت اس بات کی اجازت اسے دیگی؟ حاشا و کلّا، ثم حاشا و کلّا۔ (دیباچہ شافی ص۷،۸) فرمائیے! جب حضرت علی المرتضیٰ سے لے کر امام زینُ العابدینؓ کے زمانہ تک درس و اشاعتِ حدیث کا کوئی انتظام ہی نہ ہو سکا اور یہ ائمہ کرام تبلیغ حق بھی نہ کر سکے۔ تو اتنے طویل عرصہ میں عامّۃ المسلمین ارشادات و اعمالِ رسول صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم سے محروم رہے اور ادھر اصلی اور مکمّل قرآن کو حضرت علیؓ نے غصّہ میں آکر بالکل ہی غائب کر دیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ تم

اس قرآن کو حضرت مہدی کے ظہور تک ہرگز نہ دیکھ سکو گے (اصول کافی، جلاء العیون) کتابُ اللہ یوں غائب ہوئی اور احادیثِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تدریس و اشاعت بھی نہ ہو سکی۔ تو دین و شریعت کو کون سمجھتا اور کون عمل کرتا، امّت کے پاس نہ علم رہا اور نہ عمل۔ تو بارہ اماموں میں سے پہلے چار ائمہ معصومین حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت زین العابدین سے اُمّت کو کیا دینی فائدہ پہنچا اور اُن کو اللہ تعالیٰ نے کس فائدہ کے لیے معصوم امام بنا کر بھیجا اور اُمّت پر اُن کی امامت و خلافت کا تسلیم کرنا لازم قرار دیا۔ جو نہ قرآن کی حفاظت کر سکیں اور نہ حدیث و سُنّت کی اور نہ اپنی خلافت کا تحفّظ کر سکیں نہ امامت کا بلکہ جو ان کے حقوق غصب کرنے والے تھے بظاہر اُن کی اطاعت میں ہی اپنی زندگیاں گذار دیں۔ حتّٰی کہ حضرت حسین نے اگر یزید کے مقابلہ میں اپنی اور اپنے اعزّہ کی جانیں قربان کیں تو آپ کے جانشین نے اپنی جان بچانے کے لیے اُسی یزید کی بیعت کر لی جیسا کہ مذہب شیعہ کی مستند کتابوں سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

دَورِ امام محمد باقر و امام جعفر صادق

امام زین العابدین تک اشاعت حدیث کا انتظام نہ ہونے اور ائمہ حضرات کا اس بارے میں لاچار و مجبور ہونے کا اقرار کرنے کے بعد علمائے شیعہ نے ائمہ کی تاریخ کا ایک دوسرا رخ پیش کر دیا کہ ان دونوں اماموں کے ذریعہ احادیثِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نشر و اشاعت کا اللہ تعالیٰ نے انتظام کر لیا اور اس طرح دین خداوندی گویا کہ محفوظ ہو گیا۔ چنانچہ شیعوں کے ادیبِ اعظم سیّد ظفر حسن صاحب امروہوی لکھتے ہیں:۔ پانچواں دور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السّلام کا تھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول کی تعلیم کو تاقیامت رکھنا منظور تھا، لہٰذا اس نے یہ بندوبست کیا کہ اہل بیت سے عناد رکھنے والوں کو باہم دست و گریباں کر دیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ بنو امیّہ کے ایوانِ حکومت میں زلزلہ آ رہا تھا اور بنی عباس اپنی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ حصولِ اقتدار کی جدّ و جہد میں خون کی ندیاں بہ رہی تھیں۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پگڑی سنبھالنی دشوار تھی لہٰذا عداوتِ اہل بیت کی تلوار کچھ دنوں کے لیے نیام میں چلی گئی اور اپنی فکر نے فریقین کو امامین ہمامین سے غافل

کردیا۔ ہمارے دونوں اماموں کو اس وقفہ میں اتنا موقعہ مل گیا کہ مسجد رسول میں درس کا آغاز کردیا لوگ موضوعہ احادیث سُنتے سُنتے اُکتا گئے تھے۔ قرآن کے صحیح مفہوم کا پتہ نہ چلا سکتے تھے۔ مسائل فقہیہ اپنی اصل سے ہٹ کر کچھ سے کچھ ہوگئے تھے۔ لوگوں کی ترستی ہوئی نگاہیں امام محمدؐ باقر علیہ السلام پر پڑیں اور جوق در جوق لوگ اس مقدّس درس میں شریک ہونے کے لیے دُور دُور سے آنے لگے۔ قمدان کھل گئے اور امام کی زبان سے احادیثِ صحیحہ سُن سُن کر ضبطِ تحریر میں لانے لگے۔ یہ احادیث لکھنے والے چار ہزار سے زائد اہل فضل و کمال تھے۔ اسلامی حکومت کا کوئی شہر، کوئی قصبہ ایسا نہ رہا جہاں کے لوگ اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہے ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ جیسے لوگ بھی اس درس میں شریک ہوئے۔ جس کو جتنی احادیث لکھنے کا موقعہ مل گیا وہ لکھ کرلے گیا اور اپنی بستی کے مومنین کو جا کر سنائیں۔ اس دور میں چار سو کتابوں میں احادیث جمع ہوئیں جو اُصُولِ اربعہ مأۃ کہلاتی ہیں۔ ان چار سو کتابوں میں جو احادیث جمع ہوئیں وہ پراگندہ تھیں۔ نہ کوئی ترتیب تھی نہ تقسیم ابواب۔ جو حدیث جس وقت سُن لی تھی، لکھ لی تھی۔ سب سے پہلے جس نے بقیدالابواب احادیث کو جمع کیا وہ صاحبِ کافی جناب ابوجعفر یعقوب کلینیؒ علیہ الرّحمۃ تھے۔ انہی چار سو کتابوں کی جستجو میں وہ بیس برس سرگرداں رہے۔ کافی میں زیادہ تر احادیث وہی ہیں جن کا سلسلہ روایت یا تو امام محمد باقر علیہ السّلام تک پہنچتا ہے یا امام جعفر صادق علیہ السّلام تک۔ ابوجعفر علیہ السّلام سے مراد امام محمد باقر علیہ السّلام اور ابو عبد اللہ سے امام جعفر صادق ہیں۔

وہ چار سو حدیث کی کتابیں بھی برباد ہوگئیں

مندرجہ بیان سے تو یہ امید بندھتی تھی کہ جب امام محمد باقر کے درس میں چار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے، اور حکومت کی طرف سے کوئی روک ٹوک بھی نہیں تھی، اور چار سو حدیث کی کتابیں بھی تیار ہوگئیں تو احادیث نبویّہ اور علوم دینیّہ محفوظ ہوگئے ہونگے اور سابقہ زمانوں کی تلافی پوری ہوگئی لیکن ع - اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ پھر ان احادیث کی نشر و اشاعت پر آدس نہ رہی اور ساری محنت برباد ہوگئی۔ چنانچہ ادیب اعظم لکھتے ہیں :- اگر یہ چار سو کتابیں ظالموں کی دستبرد

سے محفوظ رہتیں تو کتنا بڑا علمی سرمایہ ہوتا۔ مگر جن بے درد ناحق شناسوں نے معصوموں کے گلے پر چھری پھیر دی وہ ان کی احادیث کے ذخیروں کو کہاں چھوڑنے والے تھے۔ چنانچہ جہاں کہیں شیعوں کا قتل عام ہوا۔ ان کے مال و اسباب کے ساتھ ان کے کتب خانے بھی پھونک دیئے گئے۔ سب سے زیادہ کتابیں بغداد میں بالخصوص محلہ کرخ میں تھیں وہ سب نذرِ آتش ہوگئیں الخ تو گویا علم حدیث کا جو چراغ ان ائمہ نے جلایا تھا وہ بھی بجھ گیا۔ جب احادیث کا سارا ذخیرہ ہی تباہ ہوگیا تو شیعہ مذہب ہی گویا کہ غائب ہوگیا۔

ے مازیاراں چشمِ یاری داشتیم — خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

دَورِ امام مُوسیٰ کاظم

ادیبِ اعظم صاحب لکھتے ہیں:۔ "اس کے بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کا دورِ حکومت آیا تو وہی جان و مال و آبرو کے خطرے ساتھ لایا۔ اب عباسی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہوچکی تھیں لہذا آلِ رسول کی دبی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ جس کے نتیجہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام پندرہ سال سے زیادہ قید رہے۔" (شافی ترجمہ فروع کافی ص۹)

دَورِ امام رضا

آپ کے بعد امام رضا علیہ السّلام کو کچھ وقت ایسا مل گیا کہ آپ نے لوگوں سے احادیث کو بیان فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت کے دَورِ امامت میں تدوینِ حدیث کا کام پھر از سرِ نو شروع ہوا۔ آپ کی احادیث کا ایک مجموعہ "عیون اخبار الرّضا" ہے۔ زمانہ کی ناسازگاری اور شیعوں کی بے بسی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے ائمہ کی صورت دیکھنے اور اُن کی زبان سے حدیثِ رسول سننے کو ترس گئے تھے۔" (ص۹)

شامتِ تقیہ

یہ ہے مذہب شیعہ کی اشاعت و تدوینِ حدیث کی وہ تاریخ جس کا اُن کے ادیب اعظم خود اقرار کر رہے ہیں۔ مذکورہ حالات سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ احادیث نبویہ ان ائمہ کرام کے سینوں میں ہی رہیں، اور اگر وہ کتابوں میں کبھی جمع کی گئیں تو پھر وہ بھی برباد ہوگئیں، اور اگر خواص نے ائمہ سے کچھ احادیث حاصل بھی کیں تو وہ بھی تقیہ کی نذر ہوگئیں۔ چنانچہ ادیب اعظم صاحب لکھتے ہیں:۔ غور کرو کیسے کیسے نازک دور حیاتِ

اہل بیت پر گذرے ہیں وہ نہ تو آزادانہ طور پر اپنے ائمہ سے مل سکتے تھے نہ ان کی زبان سے احادیث سن سکتے تھے اور نہ ان سے سنی ہوئی احادیث کو بالاعلان نقل کر سکتے تھے۔ بلکہ کافی ہیں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں کہ ان کو بیان کر کے امام نے تاکید فرمائی ہے، کہ چونکہ یہ عقائد عامہ کے خلاف ہیں لہذا ان کو بیان نہ کریں ورنہ ان کی جانیں خطرہ میں پڑ جائیں گی اور ہمارے لیے مصیبت ہوگی۔ اگر بضرورت کوئی نقل کرتا بھی تو یہ کہہ کر قال الرّجل (ایک شخص نے بیان کیا) یا کسی صحابی امام کا نام لے کر بیان کرتا کہ میں نے فلاں سے سنا ہے کیونکہ امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہا السلام کا نام لے کر کوئی حدیث بیان کرنا جرم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام احادیث ان حضرات کی کُنیت سے منقول ہیں یعنی قال ابو جعفر (مراد امام محمد باقر علیہ السّلام) قال ابو عبد اللہ (مراد امام جعفر صادق) قال رجلٌ صالح (مراد امام موسیٰ کاظم) قال ابوالحسن (یعنی امام رضا علیہ السّلام) چونکہ عام لوگ کنیت سے ناواقف تھے لہذا راوی خطروں سے محفوظ رہتے تھے۔ (ص۱)

دور امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری

امام رضا علیہ السّلام کے بعد پھر کوئی دور ایسا نہ آیا کہ کسی امام سے سن کر تدوین احادیث کا کام کیا جاتا، کیونکہ امام محمد تقی اور امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہم السّلام کی زندگیاں یا تو قید میں گذریں یا ان کے دروازوں پر پہرے رہے یا حکومتوں کے جاسوس ان کے اور ان کے شیعوں کے پیچھے لگے رہے۔ جو لوگ جان پر کھیل کر ان تک پہنچ جاتے وہ کچھ فیض پا لیتے الخ۔ (ص۱)

مذکورہ بیان سے یہ بھی ثابت ہوا کہ راوی ائمہ کرام کا نام تک بھی نہیں لے سکتا تھا یا ان کی کُنیت ذکر کرتا تھا، اور یا صرف یہ کہہ دیتا تھا کہ قال الرّجل یعنی ایک آدمی نے یہ کہا ہے۔ تو جب جان کے خوف کا یہ حال ہے تو پھر ایسی روایات کے سننے والوں کو کیسے یقین آتا ہوگا کہ یہ حدیث کسی امام معصوم نے بیان کی ہے، اور یہ حجّت ہے اور واجب العمل، اور پھر عقیدہ تقیّہ کی نحوست بھی ساتھ لگی ہوئی ہے۔ یعنی یہ کیسے یقین آسکتا ہے کہ یہ بات کسی امام نے ہی فرمائی۔ خواہ ان کی کُنیت کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ کیونکہ ہر حدیث میں راوی کے متعلق یہ احتمال ہے کہ وہ از رُوئے تقیّہ یہ حدیث امام کی طرف منسوب کر رہا ہو۔ لہذا اگر

کسی پہلو سے اس روایت کی صحت کا گمان بھی ہو سکتا تھا تو تقیہ کی بنا پر وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

ایک مسئلہ کے تین مختلف جواب

اصول کافی میں ہے :- زرارہ بن اعین سے مروی ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے میں نے ایک مسئلہ پوچھا، حضرت نے اس کا جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا اور یہی مسئلہ پوچھا آپ نے میرے جواب کے علاوہ جواب دیا، پھر ایک اور شخص آیا اس کو میرے جواب سے علیحدہ جواب دیا اور دوسرے کے جواب سے بھی الگ۔ جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے کہا یا ابن رسول اللہ! یہ دونوں عراقی آپ کے پرانے شیعوں میں سے ہیں۔ ان سوالوں کے جواب آپ نے الگ الگ کیوں دیئے۔ فرمایا اے زرارہ یہی بہتر ہے ہمارے اور تمہارے لیے۔ اگر تم ایک ہی امر پر جمع ہو جاؤ تو مخالف تم کو اپنی مجلس سے نکال دیں گے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اوّل ص۲۷)

امام کا خلافِ حق بات کہنا۔ (۲) سمعت اباعبد اللہ علیہ السّلام یقول من عرف انا لا نقول الاحقاً فلیکتف بما یعلم فان سمع منا خلاف ما یعلم فلیعلم ان ذٰلك دفاعٌ منا عنه۔ ترجمہ :- میں نے ابوعبد اللہ (یعنی امام جعفر صادق) علیہ السّلام کو فرماتے سنا جو شخص یہ جانتا ہے کہ ہم نہیں کہتے مگر حق، تو اس کو چاہیئے کہ اکتفا کرے اس پر جو ہم سے جانا ہے، اور ہم سے کوئی بات ایسی سنی جو حکم خدا کے خلاف ہو تو سمجھ لے کہ ہم نے تم سے دشمنوں کے ضرر کا دفع چاہا ہے۔ یعنی بصورت تقیہ اس کو بیان کیا ہے۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اوّل ص۳۷)۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق ایک ہی مسئلہ کے تین مختلف اور متعارض جواب اپنے شیعوں کو بھی دیتے تھے اور عمداً اپنی زبان سے خلاف حق بات بھی کہتے تھے تاکہ ان کے شیعہ محفوظ رہیں۔ لیجیئے! جن دو اماموں یعنی امام محمد باقر اور امام جعفر صادق کے متعلق ادیبِ اعظم نے یہ لکھا ہے کہ مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے درس حدیث بھی شروع ہو گئے اور امام محمد باقر کے درس میں چار ہزار آدمی شریک ہوتے تھے اور آپ سے مروی احادیث کی چار سو کتابیں مدوّن بھی کر لی گئی تھیں۔ ان کی روایت دبیان مسئلہ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے شیعوں کو بھی خلاف حق بات بتلاتے

تھے تو پھر مجمع عام میں انہوں نے جو احادیث تقریباً چار ہزار آدمیوں کے سامنے بیان کی ہوں گی۔ کیا ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ امام موصوف نے یہ صحیح بیان کی ہیں اور تقیہ پر عمل نہیں فرمایا۔ چنانچہ ادیبِ اعظم صاحب موصوف الکافی کی احادیث کے متعلق خود یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ :۔ ایسی احادیث بھی ہیں جو بمصلحت امام نے اپنے شیعوں سے بیان کی ہیں یعنی ان کی عملی صورت اگرچہ مسلک و معتقدات شیعہ کے خلاف ہے مگر امام نے وہ اس لیے تعلیم کی کہ ان کے پیرو دشمنوں کے ضرر سے محفوظ رہیں اور ایسا نہ ہو کہ مخالفین شیعوں کو اپنے عقیدے کے خلاف عمل کرتے دیکھ کر ان کو قتل کردیں اور امام کو بھی مصائب کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ بعض ایسی ہیں کہ ایک سائل کو بلحاظ تقیہ امام نے کوئی جواب دیا ہے اور خطرہ ٹل جانے کے بعد دوسرا جواب لکھ بھیجا ہے۔ بعض اوقات مجلس امام میں حکومت کے جاسوس بھی آجاتے تھے۔ ان کی وجہ سے سائل کے سوال کا جواب بالاجمال دیا جاتا تھا۔ بعض احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ از راہِ تقیہ امام نے مخالفوں کی نماز جماعت میں شرکت کی اجازت دی ہے۔

ایسی احادیث بھی ہیں کہ دشمنوں کے خوف سے امام نے سائل کو ہدایت کی ہے کہ ان کے جواب کو نشر نہ کرے الخ (دیباچہ شافی ترجمہ فروع کافی جلد اوّل صے) کیا ان تشریحات و تفصیلات کے بعد بھی کسی صاحبِ عقل کو مذہب شیعہ کی کسی حدیث پر اعتماد ہو سکتا ہے ؟ اور کیا ایسے ائمہ کو کوئی شخص دین کے پیشوا اور رہنما تسلیم کر سکتا ہے جن کی تصویر ادیب اعظم نے پیش کی ہے۔ کیا یہی وہ ائمہ معصومین ہیں جن کو شیعہ مذہب میں انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل مانا جاتا ہے اور جن کی امامت کو تسلیم کئے بغیر کوئی آدمی مومن نہیں بن سکتا۔ پھر اگر گیارہ اماموں نے کوئی کسر باقی رکھی تھی تو وہ بارھویں امام غائب نے پوری کردی کہ صدیوں سے غائب ہیں۔ اُمت سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں۔ اُمت ضلالت و غوایت کی وادیوں میں بھٹک رہی ہے لیکن امامِ زمان اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کہیں ۳۱۳ مخلص شیعہ پورے ہوں تو آپ اُمت کے سامنے آئیں۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کو یوں مطعون و مجروح کیا گیا کہ انہوں نے نعوذ باللہ حضرت علی المرتضٰی اور حضرت فاطمۃ الزہراء کا حق غصب کیا اور اُن پر بے پناہ مظالم کئے، اور حضرت علی سے لے کر

حضرت مہدی امام غائب تک کے ائمہ کو تقیہ باز اور ہر مشکل وقت پر جان بچانے والے اور دین حق کو چھپانے والے ثابت کیا گیا۔ تو فرمائیے! اسلام کے پاس اب کونسی ایسی مایۂ ناز ہستی باقی رہ جاتی ہے جس کو محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل جانشین تسلیم کیا جائے اور جس کی بے داغ جامع شخصیت کی اطاعت کی طرف امت کو دعوت دی جائے نہ ایسے اسلام پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور نہ ایسے ائمۂ اسلام جن کے متعلق ماتمی فرقہ کے نظریات مندرجہ بالا روایات وعبارات میں مذکور ہیں۔ ع :۔ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

صحیح بُخاری اور کافی کا موازنہ

مصنف "فلاح الکونین" اپنی "الکافی" مؤلفہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔ ہم اس پر بھی مصر نہیں کہ اس کی تمام احادیث ورواۃ مستند اور صحیح ہیں جیسا کہ آپ بخاری ومسلم وغیرہ کو مانتے ہیں۔ قالوا هما اصح الکتب بعد کتاب اللہ کما فی رسالۃ ملحقۃ لسنن الترمذی وجعلوا رواتهما احجین علی کل سواءً کانوا مرجئۃ او قدریۃ او خارجیۃ۔ :۔ کہتے ہیں کہ دونوں کتابیں بخاری اور مسلم سب کتب سے بعد کتاب اللہ زیادہ صحیح ہیں اور ہر دو کتب مذکورہ کے رواۃ کو اگرچہ وہ مرجیئہ یا قدریہ یا خارجیہ سے ہی ہوں، سب پر ترجیح دیتے ہیں۔" (ص۷)

الجواب

(۱) "الکافی" کے متعلق شیعہ محدثین کے بیانات قبل ازیں نقل کر دیئے گئے ہیں کہ ان کے نزدیک ایسی کتاب حدیث اسلام میں آج تک تصنیف نہیں ہوئی اور خود شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے نزدیک بھی کافی کی ساری احادیث صحیح ہیں اور مولوی محمد حسین صاحب شیعی علامہ نے بھی اس کے حق میں امامِ غائب کی رضائے سکوتی کا اعتراف کر لیا ہے لہٰذا اس پہلو سے شیعوں کے لیے کافی کی تمام احادیث حجت ہیں۔ البتہ اگر دوسرے پہلو سے تنقید کی جائے کہ ائمہ کبار خلافِ حق باتیں خود اپنے شیعوں سے بھی بیان فرما دیتے تھے، اور ایک مسئلہ کے متعارض جواب دیتے تھے اور ایسا کرنا تقیہ پر مبنی تھا اور تقیہ خود ایک بڑی عبادت ہے کہ مذہب شیعہ کے ۹ حصے اسی تقیہ پر مشتمل ہیں تو الکافی ہو یا "من لا یحضرہ الفقیہ"، تہذیب ہو یا استبصار مذہب شیعہ کی کسی حدیث کی صحت پر اعتماد

نہیں ہوسکتا۔ لیکن اس کے برعکس صحیح بخاری کا پایہ بہت بلند ہے اس کی تمام احادیث امام بخاری کے اپنے معیار پر صحیح ہیں، اور بعض محدثین نے صحیح بخاری کی چند روایات پر تنقید بھی کی ہے اور ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور بعض دوسرے محدثین نے اس کا جواب بھی دیا ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور اگر کچھ روایات قابل جرح ہوسکتی ہیں تو وہ بھی گنتی کی چند ہی ہونگی۔ یہ نہیں کہ کافی کی طرح نصف سے زائد احادیث اس میں ضعیف ہوں اور آپ نے جو یہ الزاماً لکھا ہے کہ صحیح بخاری میں بعض راوی مرجیہ قدریہ اور خارجیہ بھی ہیں تو یہ بھی امر واقع ہے کہ صحیح بخاری میں بعض راوی شیعہ بھی ہیں مثلاً عبید اللہ بن موسیٰ، ابن عینیہ، اور عبد الرزاق وغیرہ، اور اس قسم کے راویوں پر اعتماد اُن کی ظاہری حالت ثقاہت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ امام بخاری نے شیعہ راویوں کی روایت اس وجہ سے قبول کی ہے کہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ شیعہ مذہب میں تقیہ بھی ایک عبادت ہے، اور وہ خلاف واقعہ بات بھی بیان کر دیتے ہیں اور یہ ان کے ائمہ امام جعفر صادق وغیرہ کی سُنّت ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق بعض روایات پیش کی جاچکی ہیں۔

امام اہلِ سُنّت کا ارشاد

اسی بنا پر امام اہل سُنّت حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ:۔ بہت سے شیعہ عمر بھر سُنّی بنے رہے اور ان میں سے بعض کا تشیّع مرتے وقت ظاہر ہوا اور بعض کا مرتے وقت بھی ظاہر نہ ہوا۔ سوا ان کے چند مخصوص لوگوں کے کوئی ان کے تشیّع سے واقف نہ ہوسکا۔ بہت سے شیعہ ایسے ہوئے کہ ان کا تشیّع تو کھلا ہوا تھا مگر ہمارے محدثین کو یہ پتہ نہ تھا کہ کذب بھی ان کے مذہب میں عبادت ہے اور قرآن مجید کو محرّف جاننا بھی ان کے ضروریات مذہب سے ہے اور رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ختم نبوت کو بھی یہ لوگ جھٹلانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے اپنے محدثین نے اُن کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اُن کی روایت قبول کر لی۔ آج وہی روایاتِ شیعہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں اور علماء کو جواب دینا پڑتا ہے۔ شیعوں کی اپنی کوشش تو یہ تھی کہ دین اسلام کی کوئی چیز مسلمانوں کے ہاتھ میں باقی نہ رہے۔ قرآن مجید کو محرّف قرار دے کر مشکوک بنانے کی سعی کی اور احادیث کو یوں تباہ و برباد کرنے کی تدبیر کی۔ مگر وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ ان کی دونوں کوششیں ناکام رہیں، قرآن مجید کا محرّف ہونا کسی طرح ثابت نہ ہوسکا، اور

احادیث کے لیے یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے محدّثین اہل سُنّت کے ہاتھوں فن حدیث کو اس طرح کامل و مکمّل کرادیا۔ اصول حدیث ایسے مدوّن ہوئے، فن اسماء الرجال ایسا مکمل ہوا کہ آج ذرا سی توجّہ میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہوجاتا ہے۔ مگر اب ضرورت اس بات کی ہے کہ شیعہ راویوں کی جس قدر روایات کتب اہل سنّت میں ہیں ان کی تنقید کردی جائے۔ اس تنقید کے بعد میدان بالکل صاف ہوجائے گا۔ اور ایک حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف دنیا کے سامنے آجائے گا۔ (النّجم لکھنؤ ماہ صفر ۱۳۵۲ھ ص۳) (۲)

اہل سُنّت کے نزدیک خارجی وغیرہ بھی اہل بدعت میں شمار ہوتے ہیں، اور اہل بدعت کی روایت قبول یا ردّ کرنے کے سلسلہ میں محدّثین اہل سنّت کے اندر اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ "المصباح فی اصول الحدیث" میں امام سیوطی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :- اختلف العلماء فی قبول روایته او عدمه علی ثلثة اقوال قیل تقبل روایته مطلقاً وقیل لا تقبل مطلقاً وهو قول الجمهور وقال قوم وهو الذی صححه الامام فخرالدّین الرّازی۔ ان کان یعتقد ان الکذب حرام قبلت روایته وان کان یعتقد ان الکذب حلال لا تقبل روایته۔ (ص۱۳۳)۔ :- "یعنی اہل بدعت میں سے جن کی تکفیر نہیں کی گئی اُن کی روایت کے قبول یا ردّ میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی مطلقاً روایت قبول کی جائے گی دوسرا یہ کہ مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی اور جمہور کا یہی قول ہے اور ایک جماعت نے کہا ہے اور امام رازی نے اسی کو صحیح کہا ہے کہ اگر وہ بدعتی یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جھوٹ حرام ہے تو اس کی روایت قبول کی جائے گی اور اگر وہ جھوٹ کو حلال جانتا ہے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔"

(ب) علّامہ بحرالعلوم فرماتے ہیں :- ثم اعلم انما الخلاف فی اصحاب البدع الذین لم یبیحوا الکذب واما المبیحون کالکرامیة فلا یقبل روایتهم البتة لانه لما جاز فی دینهم علی زعمهم الکذب لا یبالون بالارتکاب علیه ومنهم الرّوافض الغلاة والامامیة فان الکذب فیهم اظهر واشهر الخ :- "پھر جان لے کہ ان اہل بدعت کی روایت قبول کرنے میں اختلاف ہے جو جھوٹ کو مباح نہیں سمجھتے۔ لیکن جو جھوٹ کو مباح سمجھتے ہیں مثلاً کرامیہ تو ان کی روایت بالکل قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ جب ان کے دین میں جھوٹ جائز ہے تو پھر وہ جھوٹ بولنے کی پرواہ نہیں کریں گے اور انہی اہل بدعت

میں سے روافض اور امامیہ بھی ہیں کیونکہ ان میں جھوٹ بہت ظاہر اور مشہور ہے حتیٰ کہ جھوٹ میں وہ ضرب المثل بن گئے ہیں، اور انہوں نے از روئے تقیّہ ہر قسم کے گناہوں بلکہ کفر تک کے ارتکاب کو جائز قرار دیا ہے"۔۔۔
(بحر العلوم) اور "المصباح" میں یہ بھی لکھا ہے کہ "امام مالک اور ابن مبارک رافضیوں کی اور ان لوگوں کی روایت قبول نہیں کرتے جو صحابہ کرام یا سلف صالحین کو سَبّ کرنے والے ہیں یعنی اُن کو بُرا کہتے اور گالیاں دیتے ہیں اور ان اہل بدعت کی روایت بھی قبول نہیں کی جائے گی جو اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور ان کے علاوہ اہل بدعت کی وہ روایت قبول کرلی جائے گی جس سے ان کی بدعت کی تائید نہ ہوتی ہو، اور اگر وہ روایت اُن کی بدعت کے موافق ہو تو ردّ کردی جائے گی۔ امام نووی اور امام سیوطی نے اسی کو صحیح کہا ہے"۔ (ص ۱۳۳)۔

بہر حال مندرجہ تفصیل کے تحت مبتدع لوگوں کی روایت کے قبول یا عدم قبول کا مسئلہ سمجھا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مبتدع فرقوں کی تکفیر یا عدم تکفیر کا مسئلہ اُن کے عقائد معلوم ہونے پر مبنی ہے۔ لہٰذا جس کو جو تحقیق ہوئی اُس نے اسی پر حکم لگادیا۔ ۱۲

امام بخاری کی جلالتِ شان

امام بخاری کا نام محمد بن اسمٰعیل ہے اور کنیّت ابو عبد اللہ ہے۔ آپ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ ۱۳ ر شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کی وفات عید الفطر کے بعد شنبہ کی رات کو ۲۵۶ھ[1] میں ہوئی آپ کی عمر ۶۲ سال تھی۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے "چھ لاکھ حدیثوں کے اُس ذخیرہ میں سے جو ان کے پاس موجود تھا، انتخاب شروع کیا، جو ان میں صحیح ترین تھیں ان پر اکتفا کیا اور بعض وہ احادیث جو اسی درجہ پر صحیح تھیں ان کو طوالت کے خوف یا کسی دوسرے سبب سے چھوڑ بھی گئے۔ بخاریؒ جب کسی حدیث کو لکھنے کا ارادہ کرتے تھے تو اوّل غسل کرکے دو رکعت نفل ادا کرتے

---

[1] یہاں یہ ملحوظ رہے کہ شیعوں کی "الکافی" کے مصنّف شیخ محمد بن یعقوب کلینی ۲۵۰ھ مطابق ۸۶۴ء میں پیدا ہوئے ہیں اور وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی ہے یعنی امام بخاری ۵۶ سال پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ شیخ محمد بن یعقوب کلینی سے ان کی صحیح بخاری "الکافی" سے بہت پہلے تصنیف ہوئی ہے۔

اور پھر اس کو لکھتے۔ چنانچہ ۱۶ سال کے عرصہ میں اس انتخاب سے فراغت پائی۔ جب اس کا قصد کیا کہ ان حدیثوں کی ان کے مضمون کے مطابق ترتیب دی جائے۔ (اس کو اصطلاح محدثین میں ترجمۃ الباب کہتے ہیں) تو مدینہ منورہ میں قبر مبارک اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی مقام میں اس اہم کام کو انجام دیا ہر ترجمہ پر دو رکعت نفل ادا کرتے تھے۔ الغرض بخاری کی حُسنِ نیّت کا نتیجہ تھا کہ یہ جامع اس قدر مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی میں ہی اس کو نوّے (۹۰) ہزار آدمیوں نے آپ سے بلاواسطہ سُنا۔ جن میں سب سے آخری فربری ہیں اور آج کل اُن کی روایت ہی علوِّ اسناد کی وجہ سے شائع ومشہور ہے۔ بخاری کی نادر باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے، مجھ کو اُمید ہے کہ قیامت کے دن مجھ سے کسی شخص کی غیبت کا سوال نہیں کیا جائے گا کیونکہ میں نے بفضلِ خدا کسی شخص کی غیبت نہیں کی۔ سُبحان اللہ! کس قدر تعفف اور تورّع تھا۔ (خدا تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین) (بُستانُ المُحدّثین مترجم صـ۱۷۲)

احادیثِ شیعہ سے ماتم کی تردید

(۱) ردِّ ماتم کے سلسلہ میں پہلی روایت جو رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں پیش کی گئی تھی وہ یہ ہے:۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السّلام قال الصبر من الایمان بمنزلۃ الرأس من الجسد فاذا ذھب الرأس ذھب الجسد کذالک اذا ذھب الصبر ذھب الایمان۔ (اصول کافی کتاب الکفر والایمان صـ۱۱۸) :۔ "امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا ہے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہے جیسا کہ جسم کے لیے سر۔ پس جب سر نہ رہے تو جسم نہیں رہتا، اسی طرح جب صبر نہ رہے تو ایمان نہیں رہتا۔" (صـ۲۲)۔ اس کے جواب الجواب میں مصنف "فلاحُ الکونین" لکھتے ہیں:۔ "یہ روایت بطریقِ ضعیف ہے۔ مرأۃ العقول شرح الکافی صـ۱۱۸ الثانی ضعیف علی المشہور۔" (فلاح الکونین صـ۷)

الجواب

(۱) اس حدیث کے ضعیف ہونے کی علّت (وجہ) نہیں بتائی کہ کیوں ضعیف ہے۔ اس روایت کی سند میں سہل بن زیاد راوی بھی نہیں ہے (۲) اس حدیث کا مضمون تو صرف یہ ہے کہ صبر نہ رہے تو ایمان جاتا رہتا ہے۔ کیا آپ فضیلت صبر کو بھی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے

ساتھ ہے) (۳) مذہبِ شیعہ کی بنا پر اُصولِ کافی کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ کیونکہ کم از کم ان کو امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور خود اُس کے مصنف شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے نزدیک بھی اس کی سب روایات صحیح ہیں۔ (۴) بالفرض اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو تو پھر بھی یہ قابلِ عمل ہے۔ چنانچہ "مرأۃ العقول" کے مصنف علامہ باقر مجلسی ہی لکھتے ہیں کہ :- "والحق عندی ان وجود الخبر فی امثال تلک الاصول المعتبر مما یورث جواز العمل بہ لکن لابدّ من الرجوع الی الاسانید لترجیح بعضھا علیٰ بعضٍ عند التعارض۔ (مرأۃ العقول جلد اوّل ص۱) :- "میرے نزدیک حق یہ ہے کہ کسی حدیث کا اصول کافی ایسی کتب معتبرہ میں پایا جانا جوازِ عمل کے لیے کافی ہے۔ ہاں! تعارض کے وقت بعض احادیث کو دوسری بعض پر ترجیح دینے کے لیے سند کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔" اور اس کے متعلق مولوی محمد حسین صاحب نے بھی لکھا ہے کہ :- "اگر کسی وقت بالفرض کتب اربعہ کی احادیث میں باہم تعارض واقع ہو جائے تو اس کے بل بوتے پر بعض روایات کی دوسری بعض پر ترجیح دی جا سکے ورنہ عدم تعارض کی صورت میں کافی کی تمام احادیث قابلِ اعتماد و عمل ہیں۔" (مقدمہ الشافی ترجمہ اُصول الکافی ص۷) اور اگر اس حدیث کے معارض کوئی اور حدیث صحیح ہے تو وہ پیش کریں۔ کیا ائمہ سے کوئی ایسی حدیث بھی صحیح ثابت ہو سکتی ہے جس کا مضمون صبر کے خلاف ہو؟ یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع فزع کرنا از رُوئے لُغت و از رُوئے قرآن و تفسیر شیخ طبرسی صبر کے خلاف ہے۔ صبر اور جزع دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں لہذا امام جعفر صادق کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ جو آدمی صبر چھوڑ دے یعنی جزع فزع اور ماتم کرے اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں کہ :- "شیخ الطائفہ[1] نے اس مقدمے میں بڑی وسعت کی ہے اور عمل ہر حدیث پر جائز بلکہ واجب گنا ہے۔ (تحفہ اثناء عشریہ ص۲۰۷)۔

ردِّ ماتم کی روایتِ شیعہ نمبر۲

رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں دوسری روایت یہ پیش کی گئی تھی :- عن ابی عبداللہ

---

[1] شیخ الطائفہ سے مراد شیعوں کے ابو جعفر طوسی ہیں جو "استبصار" اور "تہذیب الاحکام" کے مصنف ہیں اور یہ دونوں کتابیں شیعوں کی اُصولِ اربعہ میں سے ہیں۔ ۱۲

علیہ السّلام قال انّ الصبر والبلآء یستبقان الی المومن فیاتیہ البلاء وھو صبورٌ وان الجزع والبلآء یستبقان الی الکافر فیأتیہ البلآء وھو جزوعٌ (فروع کافی جلد ا ص۱۲۱) :- "امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ صبر اور مصیبت دونوں مومن کی طرف آتے ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرنے والا ہوتا ہے اور جزع (بے صبری) اور مصیبت کافروں کی طرف آتے ہیں۔ پس اس کو مصیبت آتی ہے تو وہ جزع کرنے والا ہوتا ہے" اس سے ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق کے نزدیک صبر کرنے والا مومن ہے اور جزع کرنے والا کافر ہے۔ (ص۲۲) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :-

(ا) یہ روایت بھی بطریق ضعیف ہے۔ (مرأۃ العقول ص۹۲ الثانی ضعیف) (ب) آپ تو صبر کے معنی ہی نہیں جانتے، آپ کے نزدیک پیش آمدہ مصیبت پر جو خاموش رہا، جس نے گریہ وبُکا نہ کیا وہ صابر اور جس نے آنسو بہائے یا شدتِ غم میں سر وسینہ پیٹ لیا وہ بے صبر ہو گیا۔ حالانکہ رونا بے صبری کی دلیل نہیں بلکہ فعل کے فاعل کے اعتراض کرنے کو بے صبری کہتے ہیں۔ جس کی تصدیق حضرت موسیٰؑ اور خضر کی ملاقات کے قصّے سے ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے حضرت خضر سے کہا، میں اس شرط پر تمہارے ساتھ چلتا ہوں کہ تم مجھے وہ تمام باتیں سکھا دو جو تم کو من جانب اللہ تعلیم ہوئی ہیں۔ حضرت خضر نے کہا تم میں صبر کی استطاعت نہیں :- وکیف تصبر علی مالم تُحِط بہ خُبرًا ۔ "پھر تم ایسی بات پر کیسے صبر کرو گے جو تمہارے احاطۂ علم میں نہیں" قَالَ سَتَجِدُنِی اِنْ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّلَا اَعْصِی لَکَ اَمْرًا ؕ :- "موسیٰؑ نے جواب دیا انشاء اللہ تم مجھے صابر پاؤ گے میں تمہاری کسی بات میں مخالفت نہیں کروں گا" پھر جب حضرت موسیٰؑ نے کشتی میں سوراخ کرنے پر اعتراض کیا، تو خضر نے کہا۔ اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ؕ :- "میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر کی استطاعت نہیں رکھتے" اور جب موسیٰؑ لڑکے کے قتل پر معترض ہوئے تو پھر خضر نے کہا اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ؕ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ بے صبری ہے فاعل کے فعل پر اعتراض کرنا جو نتیجہ ہے لاعلمی کا۔ لہٰذا انسان کو جس بات کا علم نہ ہو اس پر صبر نہیں کر سکتا۔

ج صبر کے معنی ہیں کف النفس عما لا ینبغی - یعنی نفس سے وہ امور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں۔ صبر درحقیقت لڑائی میں ہوتا ہے یا باساء والضراء میں لڑائی میں صبر سے مراد یہ ہے پیٹھ دکھا کر نہ بھاگے اور جو بھاگ گیا وہ

اس حدیث کی رُو سے بے ایمان ہوگیا۔ بأساء اور ضرّاء میں صبر یہ ہے کہ تکلیف اور مصیبت میں غیر خدا کے سامنے خدا کی شکایت نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام باوجود جزع کرنے کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے۔ وہ اس لیے کہ حضرت یعقوبؑ نے اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ ط اپنے بث و حزن کی شکایت اللہ ہی کے پاس کی۔ فرمائیے! ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح نہیں ہوجاتی کہ جب تک غیر خدا کے سامنے خدا کا شکوہ نہ کیا جائے، صرف رونا اور سینہ کوبی کرنا بے صبری نہیں۔" (فلاح الکونین)

الجواب

آپ تو بالکل جہلِ مرکب میں مبتلا ہیں، یعنی آپ اپنی کم علمی اور بے علمی کو بھی علم سمجھتے ہیں اور "انجمنِ حیدری چکوال" کا یہ آپ پر انتہائی ظلم ہے کہ ایک علمی و مذہبی بحث کی آپ پر ذمہ داری ڈال دی جس کی آپ اہلیت نہیں رکھتے چنانچہ (۱) آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ رونا بے صبری کی دلیل نہیں یا میری طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ آپ کے نزدیک پیش آمدہ مصیبت پر جو خاموش رہا۔ جس نے گریہ و بُکا نہ کیا وہ صابر۔ تو ان میں سے دونوں باتیں زیرِ بحث نہیں اور نہ ہی میں نے یہ کہیں لکھا ہے کہ صابر وہ ہے جو خاموش رہے۔ یہاں خاموش رہنے یا نہ رہنے کی کوئی بحث ہی نہیں کی گئی کیا خاموش رہنے کا آپ کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط بھی نہ پڑھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صابرین کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ نزولِ مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط پڑھتے ہیں۔ اور زیرِ بحث مسئلہ تو آپ کا ماتم ہے جس میں مُنہ پیٹنا، سینہ کوٹنا وغیرہ افعال کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور جو آیتیں آپ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہما السّلام کے واقعہ کے متعلق پیش کی ہیں اُن کا بھی اس بحث سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ مذکورہ واقعہ کسی مصیبت سے تعلق نہیں رکھتا۔ (۲) آپ نے صبر کے دو مطلب بیان کیے ہیں ایک یہ کہ کسی فعل کے فاعل پر اعتراض نہ کرنا، اور یہ معنیٰ آپ نے مندرجہ آیات میں لفظ صبر سے لیا ہے اور دوسرا معنیٰ آپ نے صبر کا یہ لکھا ہے۔ کف النفس عما لا ینبغی یعنی نفس سے وہ اُمور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں لیکن صبر کا پہلا معنیٰ آپ کا صحیح نہیں۔ کیونکہ شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی نے ان آیتوں کا یہ ترجمہ لکھا ہے: "اور کیونکر ٹھہرے دیکھ کر ایک چیز جو تیرے قابو میں نہیں اس کی سمجھ۔ کہا تو پاوے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم۔" یہاں

حضرت شاہ صاحب نے صبر کا معنی ٹھہرنا اور صابر کا معنی ٹھہرنے والا لکھا ہے۔ (ب) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں :۔" جواب دیا آپ کو میرے ساتھ رہ کر میرے افعال پر صبر نہ ہو سکے گا اور بھلا ایسے اُمور پر آپ کیسے صبر کریں گے جو آپ کے احاطۂ واقفیت سے باہر ہیں (موسیٰ نے) فرمایا انشاء اللہ مجھ کو آپ صابر یعنی ضابط پاویں گے اور میں کسی بات میں آپ کے خلاف حکم نہ کروں گا۔" تو یہاں حضرت تھانوی نے صابر کا معنی ضبط کرنے والا لکھا ہے۔ (ج) آپ کے مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں :۔" فرمایا کہ تم سے میرے ساتھ یقیناً صبر نہ ہو سکے گا۔" (ترجمہ مقبول) آپ اگر آیت میں لفظ مَعِیَ (میرے ساتھ) کا مطلب سمجھ لیتے تو ان آیات سے استدلال کرنے کی آپ کو ضرورت نہ پڑتی کیونکہ مَعِیَ کا مطلب یہ ہے کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکیں گے اور یہی معنی یہاں لفظ صبر کا بھی ہے کہ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہیں سکیں گے، اور مولانا تھانوی کا بھی یہی مطلب ہے کہ آپ ضبط نہیں کر سکیں گے تو ان آیات میں بھی صبر کا اصلی معنی ٹھہرنا ہی ہے۔ خواہ حضرت موسیٰ کے حضرت خضر کے ساتھ نہ ٹھہر سکنے کی وجہ کوئی بھی ہو، اور عدمِ صبر کا مطلب نہ ٹھہر سکنا ہی ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جو حضرت خضر کے افعال پر اعتراض کیا تو وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اُمور آپ کی شریعت کے خلاف تھے، اور خلافِ شرع امر پر نکیر کرنا انبیائے کرام کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ اُن کے سکوت سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ اُمور شرعاً جائز ہیں، اور حضرت خضر علیہ السّلام کی شریعت جدا تھی۔ علاوہ ازیں وہ کام حضرت خضر نے اپنے اختیار سے نہیں بلکہ بامرِ الٰہی کئے تھے جیسا کہ آپ نے خود یہ فرمایا تھا، وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ :" اور میں نے تو اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا۔" (ترجمہ مقبول)

(۲) دوسرا معنی صبر کا جو آپ نے لکھا ہے کہ :۔" نفس سے وہ اُمور ظہور میں نہ آئیں جو مناسب نہیں۔" صحیح ہے لیکن جس طرح قول نامناسب ہوتا ہے اسی طرح فعل بھی نامناسب ہوتا ہے لہٰذا نامناسب بات اگر بے صبری میں شمار ہو گی تو نامناسب فعل بھی بے صبری سمجھا جائے گا، اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ صرف زبان سے غیر مناسب اعتراض کرنا بے صبری ہے اور فعل سے نہیں تو یہ غلط ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو نصیحت کرے اور وہ زبان سے تو کچھ نہ جواب دے لیکن ناصح کو دو چار تھپڑ مار دے تو کیا آپ کے نزدیک

تھپڑ مارنے والا شخص صابر ہی کہلائے گا کیونکہ اُس نے زبان سے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ مصیبت کے وقت اگر کوئی شخص زبان سے ایسے الفاظ نکالے جو اعتراض پر مبنی ہوں تو اس کو غیر صابر کہا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ مُنہ پیٹ لے اور سینہ کوٹنے لگ جائے حتّٰی کہ اپنے بدن کو چھریوں اور زنجیروں سے لہولہان کرلے تو اس کا یہ فعل یعنی ماتمی مظاہرہ بھی یقیناً صبر کے خلاف ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کی اُن رحمتوں سے محروم رہ جائے گا جو صابرین کو نصیب ہوتی ہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص بجائے مُنہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کے صرف زبان سے جزع فزع کرنے لگے اور اپنی بے قراری اور پریشانی کا اظہار کرے تو یہ بھی صبر کے خلاف ہوگا کیونکہ سابقہ بحث میں از رُوئے لُغت اور از رُوئے قرآن بلکہ احادیثِ شیعہ سے بھی صراحتاً ثابت کیا جاچکا ہے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے یعنی جزع کرنے والے کو صابر نہیں کہہ سکتے اور جو صابر ہے وہ جزع فزع نہیں کرتا۔ چنانچہ یہ روایت پہلے مذکور ہوچکی ہے کہ ملک الموت نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ :۔ جب میں اولاد آدم میں سے کسی کی روح قبض کرتا ہوں تو گھر والے جزع فزع کرتے ہیں۔ میں ان کے گھر کے ایک گوشہ میں جاتا ہوں اور کہتا ہوں یہ رونا پیٹنا کیسا؟ خدا کی قسم مَیں اُس کی موت کے وقت سے پہلے نہیں آیا، اور نہ مَیں نے اس کے گناہوں کی وجہ سے قبض روح کیا ہے۔ اگر تم چُپ رہوگے اور صبر کروگے تو اجر پاؤگے اور اگر بیقراری کا اظہار کروگے تو گنہگار ہوگے۔ (شافی ترجمہ فروع کافی ص ۱۱۳)۔

روایت کے عربی الفاظ یہ ہیں، وَاِنْ تَجْزَعُوْا تَأْثَمُوْا :۔ "اگر تم جزع کروگے تو گنہگار ہوگے۔" اور آپ کے ادیبِ اعظم نے بھی یہاں جزع کا ترجمہ بے قراری کا اظہار کرنا کیا ہے، جس کا نتیجہ گنہگار ہونا بتایا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں فرمایا :۔ "اگر تم چپ رہوگے اور صبر کروگے۔" اور اس کا نتیجہ اجر پانا بتایا گیا ہے تو اس حدیث سے لفظ صبر اور لفظ جزع کا مطلب واضح ہوجاتا ہے۔ یعنی جزع کرنا صبر کے خلاف ہے لیکن آپ اپنی روایتی جہالت کی بنا پر یہ فرمارہے ہیں کہ :۔ "حضرت یعقوب علیہ السّلام باوجود جزع کرنے کے صبر جمیل کے درجہ میں رہے۔" کیا آپ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے، جزع عام صبر کے بھی خلاف ہے اور صبر جمیل کا مقام تو زیادہ بلند ہے، اور دلیل نمبر ا کی بحث میں شیعہ مجتہد علّامہ طبرسی کی یہ تفسیر پہلے درج کردی گئی ہے :۔ اَیْ فَاَمْرِیْ صَبْرٌ جَمِیْلٌ لَاجَزَعَ مَعَہٗ :۔ "یعنی میرا کام صبر جمیل ہے جس کے ساتھ جزع

نہیں" (تفسیر مجمع البیان سورۃ یوسف) اور آیت اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کی تفسیر بھی شیخ طبرسی نے یہ لکھی ہے کہ :- المعنی انما اشکوا حزنی وحاجتی واختلال حالی و انتشارھا الی اللہ وظلم اللیالی واوقات خلوآتی لا الیکم :- "معنی یہ ہے کہ میں اپنے غم اور حاجت اور اپنے حال کے تغیر اور اس کے اضطراب کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں راتوں کے اندھیروں میں اور اپنی تنہائیوں کے اوقات میں نہ کہ تمہارے آگے" اس کے باوجود بھی اگر آپ یہی رٹ لگائے جائیں کہ جزع فزع کرنا، مُنہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا اور ماتمی جلوس کا مظاہرہ کرنا اور گلی گلی، کوچے کوچے غمِ حسینؓ کا اظہار کرنا اور اعلان کرتے پھرنا بھی صبر ہے، تو یہ آپ کی بدبختی ہے۔ اس کا علم وفہمِ دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کو محبّتِ حسینؓ قرار دینا نعوذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کی صریح توہین ہے واللہ الھادی ٭

(۳) اور یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ :- "ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ جب تک غیرِ خدا کے سامنے خدا کا شکوہ نہ کیا جائے صرف رونا اور سینہ کوبی کرنا بے صبری نہیں" یہ حقائق نہیں بلکہ آپ کے "غرابیات" ہیں جو آپ کی جہالت در جہالت پر مبنی ہیں۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اگر کوئی شخص خدا کی شکایت کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور انبیائے کرام علیہم السّلام کے متعلق تو یہ تصوّر بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے رب کی شکایت کریں۔ کیا آپ کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السّلام کے قول فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ کا یہ مطلب ہے کہ آپ نے جب اپنے بیٹوں کی زبانی یہ سُنا کہ یُوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں صبرِ جمیل اختیار کروں گا، یعنی خدا کی شکایت نہ کروں گا۔ کیا خدا کی شکایت نہ کرنا بھی حضرت یعقوب علیہ السّلام کا خصوصی کمال ہے؟ جبکہ عام مؤمنین بھی مصیبت کے وقت اپنے رب کی شکایت نہیں کیا کرتے، نہیں بلکہ صبرِ جمیل کا مطلب یہ ہے کہ میں انتہائی ضبط کرتے ہوئے بالکل جزع وفزع نہیں کروں گا، اور نہ لوگوں کے سامنے اپنے اس غم کی شدّت کا اظہار کروں گا جیسا کہ آپ کے شیخ طبرسی نے اپنی تفسیر "مجمع البیان" میں یہی لکھا ہے کہ :- فَاَمْرِيْ صَبْرٌ جَمِيْلٌ لَا جَزَعَ مَعَهٗ :- "یعنی میرا کام صبرِ جمیل ہے جس کے ساتھ جزع نہ ہو" لیکن اس کے خلاف آپ اپنی روایتی جہالت کی

بنا پر یہ لکھ رہے ہیں کہ :- "حضرت یعقوب علیہ السّلام باوجود جزع کرنے کے صبرِ جمیل کے درجہ میں ہے" اور اہلِ سُنّت اور اہلِ تشیّع دونوں کے مفسّرین نے صبرِ جمیل کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ جس کی تفصیل دلیل نمبرا کی بحث میں گذر چکی ہے۔

ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر۳

رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں بعنوان جزع کی تعریف یہ لکھا گیا تھا کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ جزع کس کو کہتے ہیں، جس کے کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق بھی امام محمد باقر کا فرمان موجود ہے :-

عن ابی جعفر علیہ السّلام قال قلت لہ ما الجزع قال اشد الجزع الصراخ بالویل والعویل ولطم الوجہ والصدر وجزّ الشعر من النواصی ومن اقام النواحۃ فقد ترك الصبر واخذ فی غیر طریقہ :- (فروع کافی جلد اوّل صـ۱۲۱) :- "یہ دریافت کرنے پر کہ جزع کیا ہے، امام محمد باقر نے فرمایا کہ سخت جزع شور و فغاں اور بُلند آواز سے چیخنے اور چلّانے، مُنہ، سینہ پیٹنے اور پیشانی کے بال اکھاڑنے کو کہتے ہیں اور جس نے نوحہ کی مجلس قائم کی اُس نے صبر چھوڑ دیا اور اسلام کے راستہ کے خلاف چلا۔"

عویل کا معنیٰ ہے آواز سے رونا اور وَیل کا معنیٰ ہے مصیبت پر شور و فغاں کرنا۔ (غیاث اللّغات) فرمائیے مرّوجہ ماتم میں جو افعال پائے جاتے ہیں اور جن کو پمفلٹ میں عبادت قرار دیا گیا ہے۔ اس کے متعلق امام محمد باقر کا صریح فتویٰ ہے کہ ایسا کرنے والا صبر کو چھوڑنے والا اور اسلام کے خلاف چلنے والا ہے۔" (صـ۲۳) **اس کے** جواب الجواب میں ماتمی مصنّف لکھتے ہیں :- اوّلاً اس روایت کا راوی سہل بن زیاد ہے جس کی نسبت "کتاب الرّجال" علامہ حلّی صـ۱۰۹ پر ہے۔ سہل بن زیاد کان ضعیفاً جداً فاسد الروایۃ :- سہل بن زیاد بالکل ضعیف اور فاسد الرّوایۃ ہے نیز یہ روایت ضعیف ہے۔ (بحوالہ مرأۃ العقول صـ۹۱/۳ ثانیاً۔ تمام کتب علم اصول فقہ (سُنّی و شیعہ) میں یہ مسلّمہ قاعدہ ہے، مامن عامٍ الّا وقد خُصَّ۔ یہ روایت عام ہے لیکن جس ماتم کو پمفلٹ میں عبادت قرار دیا گیا ہے وہ مظلوم کربلا سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السّلام کا ماتم ہے جو عام نہیں۔ معصوم کا ارشاد ہے کل جزعٍ وفزعٍ قبیحٌ الّا علی الحسین۔ (الفصول المہمہ شیخ حُرعاملی) :- تمام جزع و فزع قبیح ہے مگر حضرت امام حسین کے لیے۔ یہ سب کچھ جائز ہے۔ شیعہ ہر ماتم کے

جواز کے مدعی نہیں۔ لیکن حضرت امام حسین علیہ السّلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً قائل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں اور قرآنِ حکیم مظلوم کے لیے جزع و فزع کی اجازت دیتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ، لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط وَکَانَ اللّٰہُ سَمِیْعًا عَلِیْمًا ہ (پ۶ سورۃ النسا، آیت ۱۴۸) :۔"اللہ تعالیٰ بری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے، اور اللہ تعالیٰ خوب سُنتے ہیں اور خوب جانتے ہیں۔" یعنی مظلوم اگر اپنے ظالم کی نسبت حکایت و شکایت کریں گے تو وہ گناہ نہیں۔ (ترجمہ و تفسیر مولانا اشرف علی تھانوی) (فلاح الکونین ۷۲)۔

الجواب

(ا) سہل بن زیاد کو اگر بعض محدثینِ شیعہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور اس پر جرح کی ہے تو بعض دوسرے شیعہ محدثین نے ہی اس جرح کا جواب دیا ہے اور سہل بن زیاد کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ شیخ محمد بن اسمٰعیل ابو علی نے "منتھی المقال" میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے :۔ وفی المعراج عن بعض معاصریہ عدّ حدیثہ فی الصحیح وعدہ من مشائخ الاجازۃ :۔ اور معراج میں ہے کہ سہل بن زیاد کے بعض معاصرین نے اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کو مشائخ اجازت میں شمار کیا ہے، اور الوجیزہ میں ہے کہ سہل کا ضعف مضر نہیں ہے کیونکہ وہ مشائخ اجازت میں سے ہے۔ یعنی سہل بن زیاد ان مشائخ میں سے ہے جو شاگردوں کو کتبِ حدیث کی اجازت دینے والے ہیں۔" اور منتھی المقال میں یہ بھی لکھا ہے :۔ وکیف یجوز طرح الخبر الذی ھو فیہ سیما اذا کان من مشائخ الاجازۃ للکتب المشھورۃ مع ان المشائخ العظام نقلوا عنہ الخ :۔"اور کیونکر اس حدیث کو ردّ کرنا جائز ہو سکتا ہے جس میں سہل بن زیاد راوی ہو۔ خصوصاً جبکہ وہ مشہور کتب حدیث کی اجازت دینے والے مشائخ میں سے ہے اور بڑے بڑے مشائخ (محدثین) نے اس سے احادیث نقل کی ہیں۔" (منتھی المقال طبع قدیم ایران ص۲۲۸ و ص۲۲۹) تو جب سہل بن زیاد مشائخ اجازت میں سے ہے پھر اس کی روایت کیوں قبول نہیں ہو گی

(ج) اگر سہل بن زیاد راوی کی وجہ سے اس روایت کو ضعیف قرار دیں تو پھر شیعہ مذہب کی کتب اصول اربعہ یعنی الکافی، استبصار، تہذیب الاحکام اور من لا یحضرہ الفقیہ کی بہت سی روایات ناقابلِ اعتبار ہو جائیں

گی۔کیونکہ اُن کی بہت سی روایات میں سہل بن زیاد راوی پایا جاتا ہے اور اگر آپ سہل بن زیاد کو ضعیف کہ کر حرمتِ ماتم کی احادیث کو قبول نہیں کرتے تو پھر آپ جنازہ میں پانچ تکبیرات بھی پڑھنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ حدیث بھی سہل بن زیاد سے مروی ہے :- عدة من اصحابنا عن سهل بن زياد عن محمد عن زرعة بن محمد عن سماعة قال سألته عن الصّلوٰة على الميّت فقال تكبّر خمس تكبيرات الخ (فروع کافی، کتاب الجنائز صلا۹۶) ادیب اعظم اس روایت کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں :- مَیں نے پوچھا نمازِ میت میں کتنی تکبیریں ہیں، فرمایا پانچ " (شافی ترجمہ فروع کافی صلا۱۵۱) (ب) عورتوں کی نمازِ جنازہ کی حدیث میں بھی سہل بن زیاد راوی ہے لہٰذا اس کا بھی انکار کر دیں۔

رسول اللہ نے چار تکبیریں پڑھیں

(امام جعفر صادق فرماتے ہیں) رسول اللہ بعض لوگوں کی نمازِ جنازہ میں پانچ تکبیریں کہتے تھے اور بعض پر چار۔جن پر چار تکبیریں کہتے ان پر نفاق کی تہمت لگائی جاتی تھی۔(ایضاً شافی صلا۱۵۰) یہ کس قدر رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم پر بہتان ہے کہ بعض کی نمازِ جنازہ پر پانچ اور بعض پر چار تکبیریں پڑھتے تھے۔حالانکہ قرآن مجید میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو منافق کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ولا تصل علیٰ احد منهم مات ابداً۔ (سورۃ توبہ) منافقین میں سے اگر کوئی مرجائے تو آپ کبھی بھی اُن پر نمازِ جنازہ نہ پڑھیں۔) یہ ہے احادیثِ شیعہ کی حقیقت اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت حمزہ پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ستر (۷۰) تکبیریں پڑھیں اور حضرت علی نے سہل بن حنیف پر پچیس۲۵ اور ایک قول ہے پچپن۵۵۔(شافی صلا۱۵۵)

وضو میں پاؤں دھونا

امام جعفر صادق نے فرمایا :- وان نسيت مسح رأسك حتّى تغتسل رجليك فامسح رأسك ثمّ اغسل رجليك (فروع کافی جلد اوّل صلا۱۹) اگر سر کا مسح کرنے سے پہلے تو نے بھول کر پاؤں دھولیے تو پھر سر کا مسح کرو، پھر اپنے پاؤں دھولو۔" لیکن یہاں ادیب اعظم صاحب نے غلط ترجمہ کیا ہے کہ پاؤں پر مسح کرو۔ یہ بڑی علمی خیانت ہے۔ اَسْتَغْفِرُاللہ !

(۲) اگر بالفرض یہ روایت ضعیف ہے تو بھی قابل اعتماد وعمل ہے بلکہ شیخ الطائفہ کے نزدیک ضعیف پر عمل واجب ہے (بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ) (س) کسی راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے الکافی کی احادیث کو ضعیف نہیں کہا جا سکتا کیونکہ حسب اقرار مولوی محمد حسین صاحب (مصنف احسن الفوائد) الکافی کو امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے جس کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔ (۳) زیر بحث مذکورہ حدیث کو سہل بن زیاد کی وجہ سے ضعیف قرار دینے سے بھی آپ کی جان نہیں چھوٹ سکتی۔ کیونکہ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے۔ چنانچہ اس کے متصل ہی فروع کافی میں یہ لکھا ہے :- علی بن ابراہیم عن ابیہ عن عمر بن عثمان عن ابی جمیلۃ عن جابر عن ابی جعفر علیہ السلام مثلہٗ :- یعنی ان راویوں نے بھی امام جعفر صادق سے مذکورہ حدیث بیان کی ہے، جو زیر بحث ہے اور مذکورہ زیر بحث حدیث کا ترجمہ جو شیعوں کے ادیب اعظم نے لکھا ہے وہ بھی یہاں درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ قارئین اس حدیث کے مضمون سے اچھی طرح واقف ہو جائیں :" فرمایا حضرت (یعنی امام جعفر صادق) نے جب میں نے پوچھا جزع کیا ہے۔ اشد جزع زور سے رونا پیٹنا، منہ پر طمانچے مارنا سینہ کوٹنا، سر کے بال نوچنا اور نوحہ کرنا ہے۔ یہ صورت ترک صبر کی ہے اور صحیح طریقہ کو چھوڑنا ہے"۔ (الشافی ترجمہ فروع کافی جلد اوّل ص۱۸۶ باب ۷۹۔ صبر و جزع و استرجاع)

فرمائیے جب یہی حدیث امام جعفر صادق سے دوسری سند سے ثابت ہے جس میں سہل بن زیاد راوی نہیں ہے۔ تو کیا اب بھی آپ امام جعفر صادق کا تردید ماتم میں یہ فتویٰ قبول نہیں کریں گے؟ علاوہ ازیں یہی حدیث ابن بابویہ قمی کی "من لا یحضرہ الفقیہ" میں موجود ہے۔ جس کی روایات کے متعلق آپ کے ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس میں وہی احادیث جمع کی ہیں جو ان کے نزدیک قابل فتویٰ ہیں اور جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان حجت ہیں۔ لہذا ان کے مقابلہ میں جواز ماتم کے لیے آپ کے مزعومات محض باطل اور ناقابل اعتبار ہیں۔ (۳) جب عربی لغت اور قرآن و حدیث کی نصوص سے پہلے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع کرنا صبر کے خلاف ہے۔ کیونکہ صبر اور جزع دونوں آپس میں ضدیں ہیں تو پھر آپ اس مضمون حدیث کو کیونکر رد کر سکتے ہیں جو مذکورہ روایات میں امام جعفر صادق سے ثابت ہے۔ (۴) الحمد للہ قرآن و حدیث کی نصوص کے مقابلہ میں علمی میدان میں عاجز آکر آخر آپ نے یہ تسلیم کر ہی لیا کہ: شیعہ ہر ماتم

ـسے جواز کے مدّعی نہیں ۔لیکن حضرت امام حسین علیہ السّلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصًا
قائل ہیں کیونکہ آپ مظلوم ہیں اور قرآنِ حکیم مظلوم کے لیے جزع و فزع کی اجازت دیتا ہے ۔کاش! کہ آپ
ابتدائے بحث میں ہی یہ تسلیم کر لیتے تو اتنے صفحات آپ کو سیاہ نہ کرنا پڑتے ، اور قرآنی آیات و واقعات
(حضرت یعقوب علیہ السّلام کی مصیبت اور حضرت ہابیل وغیرہ) سے مطلقاً ماتم کے سُنّت ہونے پر غلط
ستدلالات پیش کر کے یوں وقت ضائع نہ کرتے ۔ ع ۔ ہائے اس زُود پشیماں کا پشیماں ہونا

(۵) اور اگر آپ اِس اقرار میں مخلص ہیں کہ سوائے امام حُسینؓ یا اُن کی نظیر کے ماتم کے اوروں کا ماتم
حرام ہے تو پھر آپ پر اور دوسرے ماتمی علماء پر یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ماتمی مجالس میں شیعہ عوام کو
یہ بتا دیں کہ وہ اپنے اعزّہ و اقارب کی مصیبت (وفات وغیرہ) پر ماتم کرنا چھوڑ دیں کیونکہ یہ فعل حرام ہے
جس کے ارتکاب سے مسلمان صابرین کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا ہے اور وہ اِن خصوصی رحمتوں سے
محروم ہو جاتا ہے جو صابرین کو عطا کی جاتی ہیں ۔ (۶) اب زیرِ بحث مسئلہ صرف یہ رہ گیا ہے کہ کیا حضرت حسین کا
ماتم سُنّت و عبادت ہے جس کے آپ مدّعی ہیں ؟ آپ نے اس کے اثبات کے لیے یہ روایت پیش کی ہے
۔ کل جزع وفزع قبیح الاّ علی الحسین :۔ "تمام جزع و فزع قبیح ہے مگر امام حسین علیہ السّلام
کے لیے ، یہ سب کچھ جائز ہے ۔" (دفاعِ الکونین ص ۷۳)

بحث روایت کل جزع وفزع قبیح الخ

یہی روایت علامہ باقر مجلسی کی کتاب "بحار الانوار" میں ان الفاظ کے
ساتھ درج ہے :۔ شیخ نے کتاب "امالی" میں حضرت صادق سے روایت کی ہے کہ :۔ کل الجزع والبکاء
مکروہ الا البکاء علی الحسین :۔ یعنی ہر اندوہ و مصیبت میں رونا اور بے قراری کرنا ممنوع ہے ، مگر
نوحہ و زاری کرنا مصیبت پر حضرت امام حسین علیہ السّلام کی ۔" (بحار الانوار" مترجم اردو حصّہ
اوّل ص ۱۱۶ ، مطبوعہ ادارہ عُلوم آلِ مُحمّد ، وسّن پورہ لاہور)

الجواب

(۱) "بحار الانوار" کی اس روایت سے تو ثابت ہوا کہ سوائے حضرت حسین
کی مصیبت کے کسی دوسرے کی مصیبت پر رُوکا ربھی جائز نہیں ۔حالانکہ آپ خود

ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم کی وفات پر حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بُکا ریعنی آنکھوں سے آنسوؤں کا نکلنا ثابت کر چکے ہیں اور اہل سنت کی صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث موجود ہے، تو پھر سوائے حضرت حسینؓ کے کسی دوسرے کی مصیبت پر بُکار کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ کلّ الجزع والبُکاء والی یہ روایت جو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کی گئی ہے یہ بے اصل اور موضوع ہے۔ (۲) دوسری روایت جس میں بجائے بُکار کے فزع کا لفظ ہے، قابل بحث رہ جاتی ہے۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں کیونکہ جب الکافی کی صریح حدیث اور شیخ قمی کی تفسیر سے یہ ثابت ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان افعال ماتم کو ممنوع فرمایا جو امام حسینؓ کے مروّجہ ماتم میں پائے جاتے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام حکم سے کسی کو مستثنیٰ نہیں فرمایا تو پھر کس بنار پر امام حسینؓ کے ماتم کو عبادت قرار دیا جا سکتا ہے۔ (ب) آپ نے مامن عام الا وقد خص کو مسلّمہ قاعدہ قرار دیا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اس میں اختلاف ہے اور یہ قاعدہ ان عُلمار کا ہے جن کے نزدیک عام ظنّی ہوتا ہے۔ لیکن احناف اہل سُنّت کے نزدیک چونکہ عام بھی خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے اس لیے وہ اس قاعدہ کو تسلیم نہیں کرتے۔ (ملاحظہ ہو نور الانوار اور توضیح وتلویح) مثلاً لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ :۔ "میرے بعد کوئی نبی نہیں" عام ہے لیکن اس میں تخصیص جائز نہیں ہے ورنہ مرزا غلام احمد قادیانی دجّال کے لیے بھی اس میں تخصیص نکل سکے گی۔ (ج) کل جزع وفزع قبیح الا عَلَی الحُسَینؓ کی روایت جو آپ نے پیش کی ہے یہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی مثال ہے، نہ کہ عام مخصوص منہ البعض کی اور مستثنیٰ مسکوت عنہ کے درجہ میں ہوتا ہے اور اس پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے :۔ وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَأً :۔ "اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو (ابتداءً) قتل کرے لیکن غلطی سے" (ترجمہ مولانا تھانوی) :۔ "کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے سوائے اس کے کہ غلطی ہو جائے" (ترجمہ مقبول) تو اس آیت میں قتل خطا مستثنیٰ ہے پہلے حکم سے اور اگر اس مستثنیٰ کو مستقل حکم قرار دیا جائے تو لازم آئیگا کہ کسی مومن کو خطا سے قتل کر دینا جائز ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے لہذا روایت زیر بحث میں اِلَّا عَلَی

الّا علی الحُسین سے بھی بوجہ مستثنیٰ ہونے کے یہ حکم ثابت نہیں ہوسکتا کہ امام حُسین پر جزع فزع کرنا جائز ہے اس جُملہ سے تو اس کا جواز بھی ثابت نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ اس کا عبادت ہونا ثابت ہوجائے جس کے آپ مدعی ہیں۔ لہذا اس کے عبادت ہونے کے لیے آپ پر مستقل دلیل کا پیش کرنا لازم ہے۔ (۲) کسی عام حکم میں جو تخصیص کی جاتی ہے تو تخصیص حکم کے لیے مستقل کلام لائی جاتی ہے۔ چنانچہ اُصُولِ فقہ کی کتابوں میں تخصیص کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے :- قصر العام علیٰ بعض مسمّیاته بکلام مستقلٍ موصولٍ (نورالانوار توضیح وتلویح) یعنی عام حکم کو اس کے بعض مسمّیات پر قصر کردینا کلام مستقل موصول کے ساتھ، اور آپ نے جو روایت پیش کی ہے اس میں اِلّا عَلَی الحُسین کلام غیر مستقل ہے نہ کہ مستقل۔ لہذا اس روایت سے ماتمِ حُسین کی تخصیص ثابت نہیں ہوسکتی۔ (۳) جس طرح "فروع کافی" اور "من لا یحضرہ الفقیہ" کی روایت سے حُرمتِ ماتم صراحتاً ثابت ہوتی ہے اور یہ حُرمت عام ہے۔ اس لیے اس کی تخصیص کے لیے آپ پر لازم ہے کہ ان حدیثوں کی بہ نسبت کوئی زیادہ صحیح حدیث پیش کریں۔

(۴) عبادت ہونا تو بڑی بات ہے ماتمِ حُسین کا جواز بھی آپ ثابت نہیں کرسکتے کیونکہ قبل ازیں لُغت، قرآن اور احادیثِ شیعہ سے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ جزع کرنا صبر کی ضد ہے اور چونکہ قرآن میں صبر کا صریح حکم موجود ہے :- وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ :- "اور مدد حاصل کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے۔" اس لیے صبر کے خلاف جو فعل ہوگا یعنی جزع وہ خلافِ حکمِ قرآنی ہونے کی وجہ سے حرام ہوگا، اور صبر کا حکم بھی تمام مومنین کو ہر قسم کی مصیبت میں دیا گیا ہے، اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے اور صبر کے فضائل بھی آیاتِ قرآنیہ وغیرہ سے صراحتاً ثابت ہیں :- اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ :- "بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" اس لیے یہ کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ حضرت امام حسین کی مصیبت پر مومنین کے لیے صبر کا حکم اور صبر کی فضیلت ختم ہوجائے اور اس کے خلاف جزع و فزع کی اجازت دی جائے جو نصوصِ کتاب وسُنّت کی بنا پر حرام ہے۔ کیا ماتمیوں کے نزدیک امام حُسین کی شہادت اس لیے تھی کہ اس کے بعد حرام کام حلال ہوجائیں یا اس لیے تھی کہ آپ کی قربانی کے پیشِ نظر مسلمان یہ سمجھ لیں کہ ان کی اسلامی زندگی کا مقصد حدودِ شریعت کا تحفّظ ہے اور حرام اور حلال اور حق و باطل میں امتیاز کا باقی رکھنا ہے خواہ اُس کے صلہ میں مال وجان اور اعزّہ واقارب

سب کی قربانی دینی پڑے ۔ فرمایئے ! اہلِ سُنّت جو کتابُ اللہ اور احادیث رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے تحت جزع وفزع اور ماتمِ حرام کا ارتکاب نہیں کرتے ۔ وہ حضرت حسین کے مقصد شہادت کا تحفظ کرنے والے ہیں یا ماتمی لوگ جو امام حُسین کے نام پر حرام کو حلال ٹھہرا کر حُدودِ شریعت میں توڑ پھوڑ کو نہ صرف جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں ۔ اگر آپ کا مقصد شہادتِ حسین رضؓ کی بنا پر حُدودِ شریعت کو پامال کرنا ہے تو پھر اہلِ نظر کو اس امر میں شک نہیں رہتا کہ یہ ماتمی تحریک اسلام کے خلاف ایک گہری سازش ہے جو حضرتِ حُسین رضؓ کے نام پر عوام کو رحمۃ للعالمین ، خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شریعتِ مقدسہ اور سُنّتِ مُطہرہ کی پیروی سے باز رکھنے کے لیے اختیار کی گئی ہے ، اور یہ ماتم عظمتِ حسین کو گھٹانے کے لیے کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے صدیوں پہلے یہ فرما دیا ہے ؎

نوحہ لائق نیست برخاکِ شہیداں انکہ ہست ۔۔۔ کمترینِ دولتِ ایشاں بہشتِ برترین

اور اسی حقیقت کو مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

نوحہ وغم سے گھٹاتے نہیں ہم شانِ حُسین رضؓ ۔۔۔ حق ہے شاہد کہ شہادت ہی تھی شایانِ حُسین رضؓ

(۵) آیت لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ :- "اللہ تعالیٰ بُری بات کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے" ، سے آپ کا استدلال صحیح نہیں کیونکہ (ل) آیت میں تو صرف ظالم کی شکایت اور برائی بیان کرنے اجازت دی گئی ہے ۔ جس میں رونا دھونا اور ماتم کرنا کسی طرح بھی نہیں پایا جاتا ۔ (ب) اور اگر آپ اپنی جہالت سے اس اجازت کو ماتم پر محمول کرتے ہیں تو پھر بھی آپ کو مفید نہیں ۔ کیونکہ آیت میں جس بات کی بھی اجازت دی گئی ہے وہ ہر مظلوم کے لیے ہے ۔ اگر ماتم جائز ہوگا تو ہر مظلوم کے لیے ، اس میں حضرت حسین رضؓ کی تخصیص نہیں رہے گی ، اور اگر حرام ہوگا تو سب کے لیے ۔ حالانکہ آپ یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ سوائے حضرت حسین رضؓ اور آپ کی نظیر کے اوروں کا ماتم حرام ہے اس لئے آپ اپنے اس من گھڑت ضابطہ کو چھوڑ دیں یا اس آیت سے استدلال نہ کریں ۔ یہاں مختصر جواب کافی ہے ۔ اس آیت کی مفصّل بحث جوازِ ماتم کی دلیل نمبر ۱۹ کے تحت گذر چکی ہے ، دوبارہ ملاحظہ فرمالیں

(۶) آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ :- "حضرت امام حسین علیہ السّلام کے ماتم اور آپ کے ماتم کی نظیر کے خصوصاً

قائل ہیں۔" تو اس سے نظیر کے لیے جواز نکالنا بھی آپ کی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ نظیر کے لیے ماتم کا ثبوت بطریقِ قیاس ہوگا اور چونکہ مستثنیٰ خود ہی کلام مستقل نہیں ہے اس لیے وہ مقیس علیہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، لہٰذا قیاس بھی درست نہیں ہو سکتا۔ آپ کی حالت قابلِ رحم ہے کہ ڈوبتے ہوئے تنکے کا سہارا بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ردِّ ماتم کی حدیثِ شیعہ نمبر ۴

ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں حرمتِ ماتم کے لیے یہ روایت پیش کی گئی تھی :۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و اٰلہ ضرب المسلم یدہ علی فخذہ عند المصیبۃ احباطٌ لاجرہ۔ (فروع کافی جلد اوّل ص۱۱۲) :۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان مصیبت کے وقت اپنے ران پر ہاتھ مارے تو اس کا اجر و ثواب برباد ہو جاتا ہے۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ۲۲) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :۔ اوّلاً بحوالہ مرآۃ العقول جلد سوم ص۹۲۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ثانیاً "من لا یحضرہ الفقیہ" کتاب الطہارۃ، باب التعزیۃ والجزع عند المصیبۃ۔ من اُصیب بمصیبۃ جزع علیہا اولم یجزع صبر اولم یصبر کان ثوابہ من اللہ عزّوجلّ الجنّۃ۔ "مصیبت زدہ جزع کرے یا مصیبت کے وقت صبر، اس کا ثواب جنت ہے۔" (روایت شیعہ) مشکوٰۃ ص۸۷۔ عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ما اصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھمّ ولا حزن ولا اذًی ولا غمّ حتی الشوکۃ نیشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایاہ (متفق علیہ) :۔ مومن کو جو تکلیف ہم و حزن یہاں تک کہ جو کانٹا اس کو چبھے خدا اس کے لیے اس کی خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ (روایتِ سُنّی) آپ نے جس ضعیف روایت کا سہارا لیا تھا، اس نے آپ کے موقف کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ (فلاح الکونین ۲۷)

الجواب

(۱) آپ نے اہلِ سُنّت کی مشکوٰۃ شریف سے جو حدیث پیش کی ہے اس کا تو ماتم بلکہ رونے سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے

کہ مومن کو اگر کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی تو اس کی وجہ سے اُسکی بعض خطائیں معاف کردی جاتی ہیں، اور نصب تھکاوٹ کو کہتے ہیں جس کا ترجمہ آپ نے نہیں لکھا تو جس طرح دوسری تکالیف یعنی تھکاوٹ وغیرہ کا حکم ہے۔ اسی طرح اگر اُس کو کانٹا چھبنے کی بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اس وجہ سے بھی اُس کی خطاؤں کو معاف کردیا جاتا ہے۔ فرمایئے! کیا کانٹا چھبنے اور تھکنے پر بھی آپ ماتم کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس حدیث میں غم وحزن کے لفظ سے ماتم کیسے ثابت ہوگیا؟ علاوہ ازیں اس باب کی دوسری احادیث میں بخار و تپ لاحق ہونے کی وجہ سے بھی خطاؤں کے معاف ہونے کا وعدہ ہے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جان بوجھ کر آدمی بیماری اور بخار و تپ کو بڑھاتا رہے تاکہ اس کے گناہ معاف ہوتے رہیں۔ حالانکہ جہاں بیماری پر گناہوں کی معافی کا وعدہ ہے وہاں بیماری کا علاج کرانا بھی سُنّت ہے۔ (ف) حدیث مذکورہ تو آپ کے ماتم کی جڑ ہی کاٹ رہی ہے کیونکہ اگر کسی کو کانٹا چُبھے تو اُس تکلیف پر مومن کو اجر تو ملے گا لیکن وہ بدن سے کانٹا نکالنے کی کوشش کرے گا اسی طرح اگر کسی کو کسی عزیز و بزرگ کی موت وشہادت سے کوئی صدمہ پہنچتا ہے اور اس کو غم لاحق ہوتا ہے تو اس مصیبت پر بھی اس کو اجر ملتا ہے۔ لیکن جس طرح وہ بیماری کے ازالہ کی اور کانٹا نکالنے کی کوشش کرتا ہے اسی طرح اس پر لازم ہے کہ وہ غم واندوہ کو بھی دل سے نکالنے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہدائے اُحد کے صدمہ کے باوجود اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کو لَاتَھِنُوْا کے ساتھ وَلَا تَحْزَنُوْا فرمایا ہے یعنی غم بھی نہ کھاؤ۔ تو جب ارشاد خداوندی یہ ہے تو پھر ماتم کا سلسلہ جاری رکھنے کی کب اجازت ہوسکتی ہے؟ جو غم واندوہ پر مبنی ہے۔ (۲) آپ نے فروعِ کافی کی مذکورہ حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کا جواب سابقہ روایات کی بحث میں دیدیا گیا ہے، دوبارہ ملاحظہ فرمالیں ؛

ماتمی مذہب میں صبر اور بے صبری برابر ہیں

(۳) آپ نے جواباً "مَنْ لا یحضرہ الفقیہ" کی جو حدیث پیش کی ہے، اس کا پورا ترجمہ غالباً اس لیے نہیں لکھا کہ اس کا مطلب آپ کے خلاف ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ

اس روایت کا ترجمہ یہ ہے :۔" جو شخص کسی مصیبت میں مبتلا کیا جائے اُس کو اُس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنّت ملے گی، خواہ وہ اُس پر جزع کرے یا نہ کرے اور خواہ وہ اس پر صبر کرے یا نہ کرے"۔ اور یہ روایت اس لیے آپ کے خلاف ہے کہ دل، اس سے ثابت ہوا کہ صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتیں ہیں اور حرف اَوْ اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ اَوْ احد الامرین کے لیے آتا ہے یعنی دونوں باتوں میں سے ایک ہوگی، دونوں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ مصیبت آنے پر مومن یا جزع کرے گا یا نہیں کریگا اور صبر کرے گا یا نہیں کرے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ صبر بھی کرے اور بے صبری بھی، اِن دونوں میں سے ایک بات ہی پائی جائے گی اور پہلے بھی متعدد مقامات پر یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ صبر اور جزع آپس میں ضدّیں ہیں۔ (ب) "مَنْ لا یحضرہ الفقیہ" کی مذکورہ روایت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ مصیبت پر خواہ کوئی صبر کرے یا نہ صبر کرے، دونوں حالتوں میں اس کو جنّت مل جائے گی اور اگر ایسا ہی ہے تو پھر قرآنِ عظیم میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو مصائب و تکالیف پر صبر کرنے کا کیوں حکم دیا ہے اور صابرین کے فضائل کیوں بیان فرمائے گئے ہیں۔ جبکہ صبر نہ کرنے پر بھی جنّت نصیب ہوسکتی ہے۔

(ج) پہلے تو آپ یہی کہتے رہے کہ جزع کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے اس لیے اللہ تعالیٰ جزع کرنے والوں کے ساتھ بھی ہے۔ لیکن اس روایت نے تو آپ کے مذہب کو بے نقاب کر دیا کہ آپ کے ہاں صبر اور بے صبری دونوں کا ایک ہی نتیجہ اور ثواب ہے، اور آپ کا مذہب قرآن حکیم کے بیان کردہ فضائل اور خصوصیات کے انکار پر مبنی ہے، اور یہی وہ خطرناک تحریک ہے جو ماتم حسین کے عنوان سے جاری کی گئی ہے۔ تاکہ ناواقف مسلمانوں کو اس راستہ پر لگایا جائے کہ جنّت کے حصُول کے لیے صبر کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے قرآنی احکام کی پیروی کی بھی کوئی اہمیّت نہیں۔ مصیبتِ حسینؓ کے تصوّر میں اگر آنسو کا ایک قطرہ بھی تمہاری آنکھ سے ٹپکے گا تو تم جنّت کے مستحق ہو جاؤ گے۔ پھر نماز و روزہ وغیرہ اسلامی ارکان و عبادات کی کیا ضرورت؟ اور یہی وجہ ہے کہ بے عمل لوگ زیادہ ماتم کرتے ہیں اور ملنگوں کی شیعہ مذہب میں بڑی قدر و منزلت ہے۔ کیونکہ وہی اس تحریک کے صحیح سرگرم رکن بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ العیاذ باللہ!

ردّ ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۵

ماتمی ٹریکٹ کے جواز میں ایک یہ روایت پیش کی گئی تھی. قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ عند وفاتہ لفاطمۃ لا تخمشی علیّ وجھا ولا ترخی علیّ شعراً ولا تنادی بالویل والعویل ولا تقیمی علیّ نائحۃ (فروع کافی جلد ۲ صلالا) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی وفات کیوقت حضرت فاطمہ کو کہ میری وفات پر منہ نہ پیٹنا اور بال نہ کھولنا اور ویل عویل سے نہ چیخنا چلانا اور نوحہ کرنے والیوں کو نہ قائم کرنا (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے صلالا) اس کے جواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں کہ :- یہ روایت بھی بحوالہ مرأۃ العقول جلد ۱۳ صلا ضعیف ہے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے سے نہ سیدہ فاطمہ کو منع کیا اور نہ ازواج سے کسی کو گریہ و بکا. نوحہ و ماتم کی ممانعت فرمائی. کیونکہ اگر آپ نے اس طرح کا کوئی حکم دیا ہوتا تو آپ کی وفات کے بعد نہ لبعدہ فاطمۃ الزہراء نوحہ و ماتم کرتیں. نہ حضرت عائشہ منہ پیٹتیں. اس کے برعکس مدارج النبوت جلد دوم ص۷۲۹ پر ہے کہ :- رحلت کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرمؐ کے سر مبارک کو بالین پر رکھا اور اپنا روئے انور پیٹتی ہوئی کھڑی ہوگئیں (فلاح الکونین ص۷۵) الجواب (۱) ان روایات کے ضعیف قرار دینے کا جواب پہلے مفصل بیان کر دیا گیا. اور اگر آپ میں کچھ علمی و دینی شعور باقی ہے تو اتنا تو سمجھ لیں کہ شیعہ اصول حدیث کے تحت ضعیف حدیث بھی قابل عمل بلکہ آپ کے شیخ الطائفہ طوسی کے نزدیک واجب العمل ہے اور جس مراۃ العقول کے حوالہ سے آپ اس روایت کا ضعیف ہونا ثابت کر رہے ہیں. اسی کتاب کے مصنف علامہ مجلسی نے الکافی کی احادیث کے متعلق یہ لکھ دیا ہے کہ :- والحق عندی ان وجود الخبر فی امثال تلک الاصول المعتبرۃ مما یورث جواز العمل بہ ولکن لابد من الرجوع الی الاسانید لترجیح بعضھا علی بعض عند التعارض (مرأۃ العقول جلد ۱ ص۳) اور میرے نزدیک تو یہ ہے کہ کسی حدیث کا اصول کافی ایسی کتب معتبرہ میں پایا جانا جواز عمل کے لئے کافی ہے. ہاں تعارض کے وقت بعض احادیث کو دوسری بعض پر ترجیح دینے کے لئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے" (مقدمہ شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول از مولوی محمد حسین) علامہ نے الکافی کی تعریف میں مقدمہ مظفری ص۲۵ کی عبارت پیش کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے. تمام شیعہ خیر البریہ کا اس کتاب کی فضیلت اور اس کے قابل عمل و وثوق ہونے پر اتفاق ہے. نیز ان کا اس

امر پر اجماع ہے کہ اس کتاب کا درجہ تمام کتب احادیث سے اجل وارفع ہے اور یہ کتاب وہ قطب ہے جس پہ قابل اعتماد راوی جو ضبط و اتفاق میں مشہور ہیں کی روایات کا دارومدار ہے،" (مقدمہ شافی ص۸) فرمایئے ۔ تمام شیعہ علماء کے اس اتفاق و اجماع کے بعد کیا الکافی کی حیثیت آپ کے نزدیک یہی ہے کہ جو حدیث اس کی آپ کے خلاف ہو اس کو بلا تامل رد کر دیں۔ (ب) اصول کافی کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہرا کو ان افعال ماتم سے صراحتاً منع فرمایا ہے جن کو آپ حصول جنت کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ آپ علمی طریق سے اس حدیث کا کوئی جواب دیں ۔ اور اگر کسی دوسری صحیح حدیث سے اس حدیث کا تعارض ہے تو وہ بھی پیش کر دیں۔ اور یہ ثابت کریں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال ماتم کا حکم دیا تھا کیا نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ افعال کبھی صادر ہوئے ہیں (۲) اس حدیث کی آپ تردید نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی سند میں سہل بن زیاد بھی راوی نہیں ہے جس کی وجہ سے آپ کو بہانہ مل جائے۔ اور یہ ملحوظ رہے کہ یہ حدیث امام جعفر صادق نے سورۃ الممتحنہ کی آیت لَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ کی تفسیر میں بیان فرمائی ہے ۔ مومن عورتوں کی بیعت میں ماتم کی ممانعت اور اسی آیت کے تحت آپ کے مومن عورتوں کی بیعت میں ماتم کی مخالفت شیخ قمی نے کی، جو امام حسن عسکری سے فیض پانے والے ہیں یہ لکھا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر عورتوں سے بیعت لی تو حارث بن عبدالمطلب کی بیٹی ام حکیم نے عرض کیا :۔ یا رسول اللہ ماھذا المعروف الذی امرنا اللہ بہ ان لا نعصیک فیہ ؟ فقال ان لا تخمشن وجھاً ولا تلطمن خداً ولا تنتفن شعراً ولا تمزقن جیباً ولا تسودن ثوباً ولا تدعون بالویل والثبور ولا تقمن عند قبر فبایعھن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ علی ھذہ الشروط ۔ (تفسیر قمی ۔ سورۃ الممتحنہ جلد دوم ص۳۶۶) ۔ ام حکیم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ۔ اللہ تعالیٰ نے جس معروف (نیکی) کا ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے ۔ تو حضور نے فرمایا کہ تم اپنا منہ نہ نوچو ۔ اور رخسارے نہ پیٹو اور بال نہ اکھاڑو اور گریبان نہ پھاڑو ۔ اور کپڑے کالے نہ رنگو اور ویل اور ہلاکت نہ پکارو اور کسی قبر کے پاس نہ کھڑی ہو لیں ان شرطوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے بیعت لی"۔ اور شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :۔ ام حکیم بنت حارث بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی

یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے۔ فرمایا یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر طمانچے نہ مارو۔ اپنے منہ نہ نوچو۔ اپنے بال نہ کھولو۔ اپنے گریبان چاک نہ کرو۔ اپنے کپڑے کالے نہ رنگو اور ہائے وائے کر کے نہ روؤ۔ پس آنحضرت نے انہی باتوں پر جو آیت و حدیث میں مذکور ہیں بیعت لینی چاہی (ترجمہ مقبول مطبوعہ استقلال پریس لاہور بار پنجم تعداد ایک ہزار) مولوی مقبول احمد دہلوی نے آیت کی تفسیر میں جس حدیث کا ترجمہ لکھا ہے۔ وہ بھی فروع کافی جلد دوم ص [illegible] پر یہ بیان مندرجہ حدیث کے متصل ہی مذکور ہے سہل بن زیاد راوی نہیں ہے امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ پہلی حدیث امام محمد باقر سے مروی دونوں کی سندیں جدا جدا ہیں جن ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء کو ماتمی افعال سے منع فرمایا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں لَاتُقِیْمِیْ عَلَیَّ نَائِحَۃً (تو مجھ پر نوحہ کرنے والی عورت کو قائم نہ کرنا) جس سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی کو خصوصیت سے نوحہ کرنے والی عورتوں سے بھی منع فرما دیا ہے۔ اور دوسری حدیث امام جعفر صادق سے مروی ہے جس میں فتح مکہ کے موقعہ پر عورتوں کی بیعت لینے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ الفاظ نہیں کیونکہ وہاں اپنی وفات کے بارے میں وصیت نہیں فرمائی بلکہ عمومی طور پر بیعت کی شرائط میں سے افعال ماتم کے نہ کرنے کا وعدہ لیا گیا ہے اور چونکہ بحیثیت مومنہ ہونے کے ہر عورت سے یہ وعدہ لیا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء کے لئے یہ وعدہ نہ ہو جن کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ فاطمۃ کی بشارت دی گئی ہے۔ یعنی حضرت فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں) بہر حال جب کہ شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے بھی اس حدیث کو صحیح سمجھ کر اپنی الکافی میں درج کیا ہے جس کو امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اور شیخ قمی نے بھی اپنی تفسیر میں سورہ ممتحنہ کی آیت مذکورہ کی تفسیر میں اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے درج کیا ہے۔ اور دور حاضر کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی فروع کافی کی اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے پیش کیا ہے۔ تو ان کے مقابلہ میں مصنف فلاح الکونین کے قول کی کیا حیثیت ہے جو بیچارے اس قسم کے علمی مباحث کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔

احادیث اہل سنت سے حرمت ماتم کا ثبوت

سورۃ الممتحنہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر میں جس طرح احادیث شیعہ سے حرمت ماتم کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح اس آیت مذکورہ کے تحت

حدیث اہل سنت میں بھی نوحہ و ماتم سے ممانعت ثابت ہے چنانچہ (۱) عن ام عطیۃ رضی اللہ عنہا قالت اخذ علینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم عند البیعۃ ان لا ننوح - (بخاری شریف، کتاب الجنائز) "حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ بیعت کے وقت نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی" (۲) عن ام عطیۃ قالت اخذ علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع البیعۃ ان لا ننوح - (صحیح مسلم) :- "ام عطیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے ساتھ ہم سے یہ عہد بھی لیا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی - (۳) عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من ضرب الخدود وشق الجیوب ودعوی الجاھلیۃ - "حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو رخسارے پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی طرح پکارے، چلائے" (صحیح بخاری) علامہ علی قاری حنفی دعوی الجاھلیۃ کی شرح میں فرماتے ہیں

(مرقاۃ شرح مشکوۃ) - یعنی جاہلیت کی پکار یہ ہے کہ رونے پر زبان سے وہ بات کہے جو شرعاً ناجائز ہے۔ مثلاً ویل اور برکت کے الفاظ جو جاہلیت کے زمانہ میں کہتے تھے، (۴) قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری نے (رحمۃ للعالمین جلد اول) میں فتح مکہ کے موقعہ پر بیعت کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ :- عورتوں سے یہ بھی اقرار لئے جاتے تھے :- کسی کے سوگ میں نہ نوچیں گی طمانچوں سے چہرہ نہ پیٹیں گی نہ سر کے بال کھولیں گی۔ نہ گریبان چاک کریں گی، نہ سیاہ کپڑے پہنیں گی اور نہ بستر پہ سوگواری میں بیٹھیں گی"

مشکوۃ شریف، حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت اور سننے والی عورت پر لعنت کی ہے، تو جس طرح فروع کافی کی روایت میں نوحہ کرنے والی عورت سے منع کہا گیا ہے، اسی طرح ابوداؤد کی اس حدیث میں بھی نوحہ کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور نوحہ صرف رونے اور آنسو بہانے کو نہیں کہتے بلکہ بلند آواز سے رونے اور بین کرنے کو کہتے ہیں۔ جو عموماً عورتوں کی عادت ہے۔ تو جب سنی اور شیعہ دونوں کی صحیح احادیث سے ماتم مروجہ کی حرمت ثابت ہے۔ اور قرآن مجید اور لغت اور روایات شیعہ سے بھی جزع کرنا خلاف صبر ثابت ہوتا ہے تو پھر ان نصوص کے خلاف فلاح الکونین کے ماتمی مصنف صاحب کا یہ کہنا بالکل فضول اور غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بعد رونے پیٹنے اور نوحہ کرنے سے نہ سیدہ فاطمہ زہرا کو منع کیا اور نہ ازواج سے کسی کو گریہ و بکا۔ نوحہ و ماتم کی ممانعت فرمائی"، کیا ماتمی مصنف کا مشن یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی خاتون جنت کو قرآنی

حکم صبر کے خلاف عمل کرنے والی ثابت کریں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا بھی مخالف کتاب وسنت ہونا ظاہر کریں۔ جن کو تمام مومنین اور مومنات کی روحانی اور ایمانی مائیں، حسب ذیل آیت میں فرمایا گیا ہے وَاَزْوَاجُہٗ اُمَّھٰتُھُمْ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں (سورہ الاحزاب)

خاتون جنت پر نوحہ کرنے کا بہتان

ماتمی مصنف بعنوان "حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا نوحہ" کے تحت لکھتے ہیں کہ: یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے از حد گریہ وزاری فرمائی وہ کہتی تھیں۔ یا ابتاہ یا ابتاہ۔ آپ نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔ وا ابتاہ۔ آپ نے جنت الفردوس میں اقامت فرمائی۔ وا ابتاہ آپ کی رحلت کی خبر جبرائیل کو کون پہنچائے۔ وا ابتاہ آپ کے بعد وہ وحی کس پر لائینگے۔ اے خدا فاطمہ کی روح کو حضور اکرم کی روح سے ملا دے۔ اے خدا مجھے اپنے رسول کا دیدار نصیب فرما دے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلعم کی رحلت فرمانے کے بعد سیدہ فاطمہ زہرا کو کسی نے ہنستا نہیں دیکھا" (فلاح الکونین ص۵۷)

الجواب (۱) اس عبارت کے آخری جملہ "اہل سیر کہتے ہیں" سے پہلے کی یہ عبارت آپ نے چھوڑ دی ہے۔ اے خدا اپنے حبیب کے ثواب سے دور نہ فرما۔ اور روز قیامت حضور اکرم کی شفاعت سے محروم نہ کرنا" جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی محتاج ہیں۔ (۲) اس عبارت سے حضرت خاتون جنت کا صرف بکاء (رونا) ثابت ہوتا ہے نوحہ اور ماتم کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے جو زیر بحث ہے۔ پھر اس عبارت سے آپ کا ماتم کیسے ثابت ہوگیا۔ اور جب شیعہ کی اصح الکتب الکافی۔ اور تفسیر قمی وغیرہ سے انعال ماتم کا ممنوع ہونا ثابت ہوگیا۔ اور کافی کی حدیث میں حضرت فاطمۃ الزہراء کو لاتقیمی علی النائحۃ فرمانا ثابت ہے، یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ نوحہ کرنے والوں کو نہ قائم کرنا" تو پھر آپ خواہ مخواہ اس ارشاد نبوی کے خلاف حضرت خاتون جنت کا نوحہ وماتم ثابت کرنے پر کیوں اصرار کرتے ہیں کیا آپ نہیں چاہتے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء کا صبر مومن عورتوں کے لئے نمونہ بنایا جائے۔

حضرت عائشہؓ صدیقہ پر نوحہ کرنے بہتان

آپ نے بعنوان "حضرت عائشہؓ کا نوحہ" لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی گریہ زاری کرتی اور کہتی تھیں ہائے افسوس

اس نبی محترم نے فقر کو توانگری پر اور درویشی کو مالداری پر اختیار فرمایا افسوس۔ اس دین پرور نبی پر کہ ایک رات بھی امت کے معاصی کے غم و فکر سے بے نیاز ہو کر بستر استراحت پر آرام سے نہ سوئے اور ہمیشہ قدم ثبات و قرار کے ساتھ محاربہ نفس کے مقام صبر و استقامت پر گامزن رہے اور اس کو ترک نہ فرمایا اور کبھی بھی کافروں کے ایذا و ستم سے آپ کے ضمیر منیر کے دامن پر ناگواری اور ملامت کا غبار نہ آیا۔ اور ارباب فقر و احتیاج کے اوپر احسان اور فضل و امتنان کو بند نہ کیا۔ دشمنوں کی سنگ باری سے دندان مبارک شہید اور رخسار مبارک زخمی ہوئے۔ حوادث زمانہ نے آپ کی پیشانی اقدس پر پٹی باندھی اور آپ کا شکم اطہر کئی کئی دن تک جو کی روٹی سے سیر نہ ہوا" (مدارج النبوت جلد دوم ص۵۳۵ (فلاح الکونین ص۵۷)

مصنف کی خیانت علمی

اس کے بعد کی حسب ذیل عبارت ماتمی مصنف نے یہاں چھوڑ دی ہے جو ان کے استدلال کو باطل کرنے والی ہے "کاشانہ اقدس کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی گئی، لیکن کہنے والے کو کسی نے نہ دیکھا اس نے کہا کہ۔ السلام علیکم اَهْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ الخ اے نبی کے گھر والو۔ تمہیں سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت تم پر ہو۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ تم جانو کہ ہر مصیبت کیلئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور ہر فائت کے لئے ایک قائم مقام ہے لہذا اللہ عزوجل پر اعتماد واثق رکھو اور وہ تمہیں اس کی طرف لوٹائے گا۔ آہ و فغاں نہ کرو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہی مصیبت زدہ ہے۔ جو ثواب سے محروم رہا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ آواز تعزیت کرنے والے فرشتہ کی تھی" (مدارج النبوۃ جلد دوم ص۳۳۲)

حضرت عائشہؓ اہل بیت میں

جو عبارت ماتمی مصنف نے چھوڑ دی ہے اس سے ثابت ہوا کہ (۱) حضرت عائشہ صدیقہ بحیثیت (مدارج النبوۃ جلد دوم ص۳۴۴) زوجہ مطہرہ ہونے کے اہل بیت میں سے ہیں کیونکہ فرشتہ نے آپ کو اہل البیت سے خطاب کیا۔ اور قرآن حکیم میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو ہی اہل البیت فرمایا۔ البتہ حدیث شریف سے حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت فاطمۃ الزہرہ حضرت حسن اور حضرت حسین کا بھی حضور کی دعا کے تحت اہل بیت ہونا ثابت ہے (ب) حضرت عائشہ صدیقہ نے جو کچھ فرمایا اس میں نہ نوحہ ہے نہ ماتم۔ صرف گریہ ہے لیکن اس پر بھی فرشتہ نے حضرت عائشہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا، سب گھر والوں سے کہا۔ جزع نہ نمائید دبے

صبری بکنند" (مدارج النبوت جلد دوم اصل فارسی ص۵۵۲) جزع نہ کرو اور بے صبری مت کرو" اور اس کا ترجمہ مدارج النبوت اردو میں یہ لکھا ہے "آہ و فغاں نہ کرو". فرمایئے مدارج النبوۃ کے فارسی الفاظ میں جب فرشتہ نے حضرات اہل بیت کو جزع کرنے سے منع فرمایا. تو اس سے تو آپ کے ماتم کے خلاف ہی ثابت ہوتا ہے. اگر جزع جائز ہوتا تو فرشتہ منع نہ کرتا. اگر آپ یہ کہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور حضرت عائشہ صدیقہ کا اس عبارت سے جزع کرنا تو ثابت ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے انہوں نے حقیقتاً جزع نہیں کیا. کیونکہ ان کو کمال صبر حاصل تھا. لیکن ان کے گریہ و بکا کو بھی جزع سے تعبیر فرما کر اس سے بھی روک دیا گیا. حسنات الابرار سیئات المقربین کے تحت فرمایا گیا. یعنی ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے حق میں خطائیں سمجھی جاتی ہیں، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام نے حقیقتاً کوئی نافرمانی نہیں کی تھی صرف نسیان سے وہ عمل صادر ہوا تھا لیکن اس کو عصیان غوایت سے تعبیر فرمایا گیا فعصیٰ آدم ربہ فغویٰ (سورۃ طہ) (ج) آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ کے متعلق یہ عبارت پیش کی ہے کہ رحلت کے بعد حضرت عائشہ نے حضور اکرمؐ کے سر مبارک کو بالین پر رکھا اور اپنا روئے انور پیٹتی ہوئی کھڑی ہو گئیں، الجواب، فارسی اصل عبارت یہ ہے. پس نہاد عائشہ سر مبارک آنحضرت علیہ السلام کو بالین و برخاست درحالیکہ می زد بر روئے خود" (مدارج النبوۃ جلد دوم، ص۵۵۳) تو ان الفاظ سے اگر منہ پیٹنا مراد لیا جائے تو یہ بخاری شریف کی اس حدیث کے خلاف ہے. جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

(وہ شخص ہم میں سے نہیں جو رخسارے پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی طرح پکارے" اور آپ خود لکھ چکے ہیں کہ: اگر آپ نے اس طرح کا کوئی حکم دیا ہوتا تو آپ کی وفات کے بعد نہ سیدہ فاطمۃ الزہرا نوحہ و ماتم کرتیں نہ حضرت عائشہ منہ پیٹتیں". اہل سنت کی صحیح بخاری کی حدیث مذکور میں. چونکہ صراحتاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسارے پیٹنے سے فرمانا ثابت ہے. اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ کے منہ پیٹنے کی روایت صحیح بخاری کی حدیث سے متعارض ہونے کی وجہ سے قابل اعتبار نہیں قرار دی جا سکتی (ب) اور خود مدارج النبوۃ سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت حضرت حمزہ کے سلسلہ میں نوحہ سے منع فرمایا تھا. چنانچہ اصل عبارت یہ ہے. در روایتی آمدہ کہ فرمود مقصود من این نہ بود کہ زنان بیانید و بر حمزہ گریہ کنند. و نہی کرد از نوحہ کردن. (جلد دوم ص۱۸۲) اور مدارج النبوۃ مترجم اردو میں ہے: فرمایا. میرا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہ پر روئیں. اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا (ص۲۳۱) اور سیرت ابن ہشام عربی میں بھی ہے. ونھی یومئذ عن النوح. (ص۹۹) اور اس

دن نوحہ کرنے سے منع کر دیا گیا۔) بہرحال جب سنی اور شیعہ دونوں کی احادیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ و ماتم سے منع فرمایا تو پھر یہ بات قابل تسلیم نہیں ہو سکتی کہ حضرت خاتون جنت یا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے ارشاد نبوی کے خلاف نوحہ و ماتم کا ارتکاب کیا ہوگا اور فضائل صبر سے وہ نعوذ باللہ محروم رہ گئی ہونگی۔ اگر ایسا ہو تو دوسری مومن عورتیں مصائب پر کیسے صبر اختیار کر سکتی ہیں (ج) زیر بحث روایت کے فارسی الفاظ یہ ہیں: "می زد بر روئے خود"، لیکن اس سے بھی مروجہ پیٹنا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا معنی تو یہ ہے کہ وقتی تاثر کی بنا پر آپ نے عورتوں کی عادت کے مطابق اپنے منہ پر ہاتھ مارا (د) غیاث اللغات میں زدن کے ۲۵ معانی لکھے ہیں۔ جن میں زدن کا معنی رکھنا بھی آتا ہے۔ لہٰذا ان الفاظ کا یہ معنی ہوگا کہ حضرت عائشہ نے اپنے چہرہ پر ہاتھ رکھا" اور یہ بھی عورتوں کی عام عادت ہے بہرحال اس سے کسی طرح بھی پیٹنا اور ماتم کرنا ثابت نہیں ہوتا جس کے آپ مدعی ہیں۔ اور اگر اس طرح کرنا عبادت ہوتا تو آپ اس کے بعد بھی ہمیشہ کرتیں، حالانکہ یہ ثابت نہیں ہے۔

مرثیہ خوانی آپ نے لکھا ہے۔ اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار میں سے ہر ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حزن و ملال میں منظم کر کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ ان میں سب سے پہلے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں جو بعد از دفن قبر شریف کی زیارت کو گئیں اور اس جگہ کی مٹی کو اٹھا کر آنکھوں پر رکھا اور روتے ہوئے یہ شعر منظوم فرمایا ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمد	ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علیّ مصائبٌ لو انھا	صبت علی الایام صرن لیالیا

مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۵۴۷ فرمائیے۔ کیا اس کا نام مرثیہ نہیں (فلاح الکونین ص ۲۶)

الجواب۔ (۱) بحث تو مسئلہ ماتم میں ہو رہی ہے نہ کہ مرثیہ کے جائز یا ناجائز ہونے میں (ب) نظم یا نثر میں میت کی تعریف کرنے کو عربی میں مرثیہ کہا جاتا ہے۔ اور حضرت فاطمۃ الزہراء اور بعض صحابہ کرام نے اپنے تاثر کے تحت اشعار کہے ہیں۔ لیکن اس کے لئے بھی کوئی مجلس قائم نہیں کی۔ اور نہ ہی حضرت خاتون جنت نے عورتوں کو اکٹھا کر کے کوئی مرثیہ خوانی کی ہے۔ آپ کی مروجہ مرثیہ خوانی تو ہزاروں اور لاکھوں روپے کی آمدنی کا ذریعہ ہے۔ کیا ذاکرین اور مرثیہ خوانوں کو شہادت حسین کا قلبی رنج ہوتا ہے؟ وہ تو بہ تکلف روتے رولاتے ہیں اور خوب کھاتے عیش اڑاتے ہیں رحمت للعالمین

خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدمہ کے تحت اہل بیت عظام اور صحابہ کرام نے مرثیہ خوانی اور ماتم مجالس کا کوئی ایسا نمونہ پیش کیا ہے ۔ ہرگز نہیں ۔ ماتمی مرثیہ خوانوں کی حقیقت تو وہ ہے جو جوش ملیح آبادی نے ان اشعار میں پیش کی ہے ؎

ساز عشرت ہے تجھے ذکر امام مشرقین ڈھالتا ہے تیرے سکے بستگان غم کا بین
تیری دار الضرب ہے اہل عزا کا شور و شین سر جھکا لے شرم سے اے تاجر خون حسینؓ
آہ جو تعلیم تھی دل سے گذرنے کے لیے اس کا استعمال ہو اور پیٹ بھرنے کیلئے

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۶

ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں حرمت ماتم کے سلسلہ میں یہ روایت پیش کی گئی تھی ابن بابویہ نے بسند معتبر امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت وفات جناب سیدہ سے کہا اے فاطمہ جب میں مرجاؤں اس وقت تو اپنے بال میری مفارقت سے نہ نوچنا اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور واویلا نہ کرنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والیوں کو نہ بلانا" جلاء العیون مترجم اردو حصہ اول ص۶۷ مطبوعہ لکھنؤ" (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص۲۴) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں ۔ اولا (الف) یہ روایت کافی کی اس روایت کا ترجمہ ہے جس کو بحوالہ مراۃ العقول ضعیف کہا گیا ہے ۔ نمبر ۸ میں اس کا مکمل ۔ مدلل اور مسکت جواب دیا جاچکا ہے ۔ (ب) لفظ معتبر میں ضعیف روایات بھی شامل ہیں چنانچہ اس اصطلاح کے موجد بھی علامہ مجلسی ہیں ، خود انھوں نے اپنے رسالہ رجال میں اس امر کی وضاحت کی ہے ۔ کہ معتبر کا لفظ ضعیف روایات کو بھی شامل ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ ہدیۃ المومنین درایۃ الحدیث وغیرہ ۔ ثانیاً ۔ اگر پیغمبر خدا صلعم جناب سیدہ فاطمہ الزہراء کو منع فرماتے تو ناممکن تھا کہ جناب سیدہ ان پر اصرار فرمائیں ۔ لیکن کتب سیر و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دختر رسول صلعم نے گریہ و بکا بھی کیا ۔ سر بھی پیٹا اور نوحہ بھی کیا ۔ مدارج النبوۃ ص۱۲۳ معارج النبوۃ رکن ۴ باب ۶ ص۱۰۴ روز جنگ احد جب آپ کے قتل کی آواز مدینہ پہنچی ؎ فاطمہ زہراء چوں ایں آواز شنید دست بر سر زناں و بیروں دوید ۔

حضور ۔ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات ہوا ۔ اس وقت آپ نے بیٹی کو ایسا کرنے سے کیوں نہ منع فرمایا (فلاح الکونین ص۷۷)

الجواب (۱) الکافی کی حدیث کے متعلق آپ کے مکمل مدلل ومسکت جواب کا مکمل۔ مدلل اور مسکت ابطال کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ سابقہ بحث کو دیکھ لیں (۲) آپ نے علامہ مجلسی کی اصطلاح یہ بیان کی ہے کہ لفظ معتبر ضعیف روایت کو بھی شامل ہے "تو اگر آپ کے نزدیک ضعیف روایت غیر معتبر ہوتی ہے تو یہ اصطلاح ہی جہالت پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر روایت غیر معتبر ہے تو اس کو بلندِ معتبر کے الفاظ سے بیان کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ کیا غیر معتبر کو معتبر اور معتبر کو غیر معتبر کے لفظوں سے بیان کر سکتے ہیں۔ حالانکہ معتبر اور غیر معتبر دونوں کا مفہوم ایک دوسرے کے خلاف ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے صبر اور جزع کو ایک ہی سمجھا ہے حالانکہ صبر اور جزع ایک دوسرے کے خلاف حالتوں کا نام ہے۔ (ب) اور اگر ضعیف روایت سے مراد غیر معتبر نہیں ہے۔ تو یہ مفہوم ہمارے خلاف نہیں۔ اور پہلے بحوالہ یہ پیش کر چکا ہوں کہ کافی کی احادیث خود علامہ مجلسی کے نزدیک بھی قابل عمل ہیں اور شیخ طوسی کے نزدیک ضعیف حدیث بھی واجب العمل ہوتی ہے۔ اس لئے اس روایت کو ضعیف قرار دینے سے بھی ماتم مروجہ کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ عبادت ہو جو آپ کا اصل دعوی ہے۔

(۳) کتب حدیث کے مقابلہ میں سیر و تواریخ کی روایات قابل اعتبار نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ احادیث پورے اسناد کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔ اور پھر ان کے راویوں پر خوب جرح و تنقید کی جاتی ہے۔ بخلاف ان کے سیر اور تواریخ کی کتابوں میں اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔ آپ پر لازم تھا کہ کافی کی حدیث کے مقابلہ میں کوئی اس سے قوی حدیث پیش کرتے جس سے ان افعال ماتم کا ثبوت ملتا جن سے کافی کی حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو منع فرمایا۔ علاوہ ازیں آپ کے شیخ قمی نے بھی سورہ الممتحنہ کی آیت کے تحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد درج کیا، اس سے بھی ماتم مروجہ کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے تفسیر قمی کے مقابلہ میں مدارج النبوۃ کی روایات آپ کے لئے کیونکر حجت ہو سکتی ہیں (۴) آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو ماتم سے منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ جس مدارج النبوۃ سے آپ حضرت فاطمۃ الزہرا کا نوحہ و ماتم ثابت کرنے کی لاطائل کوشش کر رہے ہیں اسی میں ممانعت بھی ثابت ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو رونے لگیں حضور اکرم نے فرمایا۔ اے میری بیٹی روؤ نہیں

کیونکہ تمہارے رونے سے حاملین عرش روتے ہیں اور اپنے دست مبارک سے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے آنسوؤں کو پونچھا اور دلداری و بشارت فرمائی (مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۳۰۷) فرمائیے کیا یہ عبارت آپ کو اس کتاب میں نظر نہیں آئی۔ اس سے تو آپ کے ماتم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے کیونکہ شدت غم سے رونا جو جائز تھا اس سے بھی منع فرما دیا۔ چہ جائیکہ آپ پیٹتیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع نہ فرماتے۔

(۵) تاریخ کامل ابن الاثیر میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے تو آپ نے فرمایا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے اور تم کو تمہارے نبی کی طرف سے نیک بدلہ دے۔ پس ہم بھی روئے اور آپ بھی روئے۔ پھر ارشاد فرمایا تم میری قبر کے کنارے تخت پر مجھے رکھ دو اور پھر میرے پاس سے ہٹ جاؤ تاکہ جبرئیل ، اسرافیل ، میکائیل ، اور ملک الموت عزرائیل اور فرشتوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھ لیں۔ پھر فوج درفوج آکر نماز جنازہ پڑھو اور مجھے میری تعریف کر کے اور چیخ چیخ کر رو کر رنج نہ دینا اپنے اوپر میری طرف سے میری موت کے بعد آخری سلام پہنچاؤ خود تمہارے نفوس پر اور جو اصحاب میرے پاس سے غائب ہیں اور دور ہیں ان کو بھی میرا سلام پہنچاؤ (ص ۵۲۲ مطبوعہ کراچی) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً چیخ چیخ کر رونے سے منع فرمایا۔ تو پھر ماتم مروجہ کی گنجائش کہاں باقی رہی۔ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی طرف ان افعال ماتم کو منسوب کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر کسی روایت میں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا چیخنا چلانا یا منہ پیٹنا وغیرہ مذکور ہے تو وہ یقیناً غلط اور من گھڑت ہوگی (۶) آپ نے مدارج النبوۃ حصہ اول کے حوالہ سے جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ: فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا چوں این آواز شنید دست بر سر زناں از خانہ بیرون دوید اس کی پوری عبارت حسب ذیل ہے:۔ اور عجیب و غریب روایت یہ ہے جسے معارج النبوۃ نے بیان کیا ہے کہ شیطان کی یہ آواز سنی تو گھر کی عورتوں کے سروں پر ہاتھ رکھ باہر نکل کر دوڑنے لگیں (مدارج النبوۃ اردو جلد دوم ص ۶۹۲) آپ نے جلد اول کا حوالہ دیا ہے حالانکہ یہ عبارت جلد دوم میں مذکور ہے۔ (ب) یہ عبارت معارج النبوۃ کی ہے۔ اور پہلے یہ لکھ چکا ہوں کہ معارج النبوۃ میں رطب و یابس۔ صحیح و غلط ہر قسم کی روایات درج ہیں۔ اس لئے دوسری نصوص کے مقابلہ میں اس کی روایات قابل قبول نہیں ہو سکتیں (ج) مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی نے ترجمہ لکھا ہے اس کی بنا پر تو آپ کا استدلال بالکل بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ اور اگر آپ کا ترجمہ پیش نظر رکھا

ا سے جو روایت کے ظاہری الفاظ پر مبنی ہے تو پھر بھی اس سے ماتم مروجہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہاں اچانک
یر اختیاری طور پر سر پہ ہاتھ مارنا مذکور ہے پھر اس کے بعد بار بار ایسا کرنا یا سال بسال اسی طرح کرنا کہیں ثابت
یں ہوتا (د) اگر قوم کی سابقہ عادت کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے سر پہ ہاتھ مارا بھی ہو تو جنگ احد کے
بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے صدمہ میں عورتوں کا جمع ہونا اور پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا
ان میں ان کو نوحہ سے بھی منع فرما دینا (جیسا کہ اسی مدارج النبوۃ سے یہ بات ثابت ہے) اس امر کا ثبوت ہے کہ اس
ں اباحت اگر تھی تو وہ بھی منسوخ ہو گئی (ذ) اور سر پہ ہاتھ مارنے کا فعل بھی حضرت فاطمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ
لم کے سامنے نہیں کیا کیونکہ وفات کی خبر سن کر آپ نے گھر سے نکلتے ہوئے ایسا کیا تھا۔ لہٰذا اس سے
ثابت نہیں ہوتا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل پسند فرمایا۔ (س) فارسی میں زدن کا معنی رکھنا بھی آتا
ہے۔ لہٰذا یہ مطلب ہوگا کہ آپ سر پہ ہاتھ رکھے ہوئے گھر سے نکلیں۔ بہرحال مذکورہ متعدد وجوہ کی بنا پہ آپ کی
پیش کردہ روایت سے زیر بحث ماتم کسی طرح بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

مشکوٰۃ کا حوالہ اور ماتمی مصنف کی علمی خیانت

ماتمی مصنف مشکوٰۃ فصل صفحہ ۲۳۶ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ: حب رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الموت میں تکلیف زیادہ ہوئی (آپ کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واکرب اباہ ! یا نے تکلیف
کہہ کر نوحہ و بین کرتیں" یہ عمل تو جناب سیدہ علیہا السلام آپ کے سامنے کر رہی تھیں۔ پھر آپ نے بیٹی کو نوحہ
کرنے سے کیوں نہ روکا۔ معارج النبوۃ رکن ۴۔ باب ۱۳۔ فاطمہ فغاں کناں آواز برآورد کہ یا ابتا وائے بر من"
(شرح الکونین صـ۷۷)

الجواب (۱) مشکوٰۃ شریف کی پوری حدیث حسب ذیل ہے: عن انس قال لما ثقل النبی صلی
اللہ علیہ وسلم جعل یتغشاہ الکرب فقالت فاطمۃ واکرب اباہ فقال لہا لیس
علی ابیک کرب بعد الیوم فلما مات قالت یا ابتاہ اجاب ربا دعاہ یا ابتاہ
من جنۃ الفردوس ماواہ یا ابتاہ الی جبریل ننعاہ فلما دفن قالت فاطمۃ
یا انس أطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التراب

رَوَاہُ البخاری) اس حدیث کا اردو ترجمہ مولانا قطب الدین صاحب محدث دہلوی نے یہ لکھا ہے:۔ اور روایت ہے انس رض سے کہ کہا۔ جبکہ شدت سے بیمار ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ بے ہوش کرتی تھی ان کو شدت مرض کی۔ پس کہا فاطمہ رض نے وائے کرب باپ میرے کو یعنی کیا شدت مرض ہے آپ کو۔ پس فرمایا آنحضرت نے حضرت فاطمہ کو کہ۔ نہیں ہے تیرے باپ پر محنت و شدت بعد آج کے دن کے" (فائدہ) یعنی یہ کرب بسبب شدت دکھ بیماری کی ہے اور بعد آج کے دن کے نہیں ہونے کا۔ بہ اس لئے کہ کرب بسبب علائق جسمانیہ کے ہوتا ہے جو بعد آج کے دن کے منقطع ہو جائیں گے۔ یہ علائق صوریہ ہیں ہے۔ اور تعلقات روحانیہ معنویہ میں تو کرب ہے ہی نہیں) پس جبکہ وفات پائی حضرت نے۔ کہا فاطمہ نے اے باپ میرے اجابت کی اور گئے طرف پروردگار کے کہ بلایا آپ کو اپنے حضور میں۔ اے باپ میرے۔ اے وہ شخص کہ جنت الفردوس جگہ اس کی ہے اے باپ میرے طرف جبریل ع کے پہنچاتے ہیں ہم خبر موت کی۔ پس جبکہ دفن کئے گئے حضرت ع کہا فاطمہ رض نے اے انس رض آیا گوارا ہوا تمہارے نفسوں پر اے صحابہ یہ کہ ڈالو اوپر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مٹی۔ نقل کی یہ بخاری نے مظاہر حق ترجمہ مشکوۃ جلد چہارم صہ ۵۹) فرمایئے (۱) اس حدیث میں نہ حضرت فاطمہ رض کے گریہ کا ذکر ہے نہ منہ پیٹنے اور ماتم کرنے کا۔ اور اس کا آپ کے نوحہ سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اس حدیث سے آپ کے ماتمی موقف کو کیا فائدہ پہنچا۔ (ب) آپ نے علمی خیانت یہ کی کہ حسب ذیل عبارت درمیان میں چھوڑ دی:۔ پس فرمایا آنحضرت نے حضرت فاطمہ رض کو کہ نہیں ہے تیرے باپ پر محنت و شدت بعد آج کے دن کے" اس ارشاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رض کو تسلی دی ہے جو حضور کی بیماری کی شدت سے متاثر ہو کر یہ کہہ رہی تھیں "وائے کرب باپ میرے کو" یعنی حضور ع نے فرمایا کہ یہ جو تکلیف میری تو دیکھ رہی ہے یہ آج کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اور جب وفات کے بعد یہ تکلیف بالکل ختم ہونے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تو وفات کے بعد خاتون جنت کس بنا پر ماتم کرتیں۔ اور اگر کوئی اپنے بزرگ کی تکلیف کو دیکھ کر یہ کہے کہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ تو کیا اس کو عرف میں نوحہ و ماتم ہی کہا جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ آپ نے حدیث مذکور کا آخری حصہ علیحدہ پیش کیا ہے اور پھر یہ لکھ دیا ہے کہ:۔ بخاری صہ ۶۴۱ پر بھی یہ نوحہ درج ہے"۔ حالانکہ یہ حدیث صحیح بخاری کی ہی ہے جو مشکوۃ شریف میں درج کی گئی ہے۔ اور ان الفاظ کو نوحہ بھی نہیں کہا جاتا۔ اور اگر اس حدیث کی درمیانی عبارت بھی درج کر دیتے جس

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کو تسلی دی ہے۔ تو قارئین پر یہ بات واضح ہو جاتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نوحہ و ماتم نہ کرنے کے لئے ہی خاتون جنت کو یہ تسلی دے رہے ہیں۔ (ج) یہاں بخاری شریف کی یہ حدیث بھی ملاحظہ کریں۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ علیہا السلام فی شکواہ الذی قبض فیہ فسارّھا بشیء فبکت ثم دعاھا فسارّھا بشیء فضحکت۔ فسألنا عن ذالک فقالت فسارّنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبض فی وجعہ الذی توفی فیہ فبکیت ثم سارّنی فاخبرنی انی اول اھلہ یتبعہ فضحکت" (صحیح بخاری باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو اپنی اس بیماری میں بلایا جس میں آپ کی وفات ہوگئی تھی اور آپ سے پوشیدہ کچھ بات کہی تو آپؓ رو پڑیں۔ پھر آپ کو بلایا اور آپ سے پوشیدہ کچھ بات کہی تو حضرت فاطمہ ہنس پڑیں۔ پھر ہم نے ان سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوشیدہ یہ فرمایا تھا کہ میں اس بیماری میں وفات پا جاؤں گا تو میں رو پڑی تھی پھر آپ نے مجھ سے رازداری میں فرمایا کہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گی تو میں ہنس پڑی تھی" فرمائیے۔ یہ حضرت خاتون جنت کے رونے اور ہنسنے کی کیفیت۔ کہ باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سننے اور اس کا صدمہ لاحق ہونے کے جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر جلدی ہی سب سے پہلے وہ حضور سے ملاقات کریں گی تو پہلا غم دور ہو گیا اور ہنسنے لگ گئیں تو ایسی صابرہ خاتون جنت کو اپنے جیسا ماتمی اور نوحہ خواں ثابت کرنا کیا حضرت بتول کے مقام صبر و استقامت کا صریح انکار نہیں ہے؟

(۲) ماتمی مصنف لکھتے ہیں:- مدارج النبوۃ صفحہ ۵۶۷،۵۵۰ پر بھی وہ مرثیے ہیں جو جناب فاطمۃ الزہراء نے پدر بزرگوار کے وصال پر پڑھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے – اذا اشتدّ شوقی اتیت قبرک باکیا۔ انوح و اشکو ما اراک مجادیا۔ یا ساکن الغبراء علّمنی البکاء۔ وذکرک انسانا جمیع المصائبا۔ جب میرا شوق زیادہ ہوتا تو میں روتی ہوئی آپ کی قبر کی زیارت کرتی ہوں۔ نوحہ اور شکوہ کرتی ہوں۔ لیکن آپ جواب نہیں دیتے۔ اے مٹی میں آرام کرنے والے مجھے رونا سکھا دے۔ تیرے ذکر نے ہمیں سب مصیبتیں بھلا دیں" (فلاح الکونین صفحہ)

الجواب (۱) حضرت فاطمۃ الزہراء کے ان اشعار میں صرف رونے کا ذکر ہے یعنی آنسو بہانا جس کو عربی میں بکا کہتے

ہیں۔ اور یہ ممنوع نہیں کیونکہ شدت غم کے تحت یہ غیر اختیاری امر ہے۔ اور بحث منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے وغیرہ افعال ماتم کی حرمت میں ہو رہی ہے جس کا ان اشعار میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کوئی شہر سے باہر نہ تھی بلکہ مسجد نبوی کے پاس ہی حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں ہی یہ قبر اطہر ہے جس کو روضہ مقدسہ کہا جاتا ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے سخت متاثر تھیں اور اس حالت میں قبر مبارک پر حاضر ہو کر یہ اشعار پڑھے۔

(ب) ان اشعار میں انوح کے لفظ سے شبہ ہو سکتا ہے جس کا معنی ہے "میں نوحہ کرتی ہوں" تو اس سے بھی آپ کا ماتم مروجہ ثابت نہیں ہو سکتا جس کے ضروری اجزاء میں سے منہ پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا ہے۔ اگر یہ اشعار حضرت خاتونِ جنت کے ہی ہیں تو پھر اس کی تاویل کی جائے گی۔ کیونکہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی احادیث صحیحہ سے نوحہ کا ممنوع ہونا ثابت ہے۔ اسلئے یہاں نوحہ سے مراد صرف گریہ و بکا ہے۔ چنانچہ از روئے لغت بھی نوحہ کے مختلف معنی ہیں (۱) منتھی الارب میں ہے۔ نوحہ آواز قمری و کبوتر۔ اور استناحہ کا معنی ہے۔ نوحہ کردن و بانگ کردن گرگ و گریستن و گریانیدن دیگرے را۔ (نوحہ کرنا۔ اور استناحہ بھیڑیئے کے آواز کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور رونے کو بھی اور کسی کو رلانے کو بھی۔) اس سے معلوم ہوا کہ صرف رونے پر بھی نوحہ کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور قمری اور کبوتر کی آواز کو بھی نوحہ کہتے ہیں۔ اور بھیڑیئے کی آواز کو استناحہ کہا جاتا ہے)

(۲) منجد میں ہے:۔ النوحة ۔ البكاء على الميّت مع الجزع والصوت (میت پر جزع کر کے اور آواز سے رونا) بیان اللسان میں ہے۔ زور زور سے رونا۔ ماتم کرنا۔ غیاث اللغات میں ہے۔ گریہ کردن بآواز و بیان مصیبت۔ یعنی آواز سے رونا اور بیان مصیبت کرنا (جس کو بین کرنا کہتے ہیں) (۳) اور قاموس میں۔ ناح الرجل بكى واستبكى غيره مرد نے نوحہ کیا یعنی وہ رویا اور دوسرے کو اس نے رلایا) تو جب تک آواز سے چلا چلا کر نہ رویا جائے نوحہ جائز ہے کیونکہ اس کا مطلب صرف گریہ و بکاء میں آنکھوں سے آنسو بہانا ہے اور اگر بلند آواز سے اور بیان کر کر کے رویا جائے جس کا رواج اور ماتمیوں کے ہاں بھی یہی صورت ہے تو یہ نوحہ ممنوع اور حرام ہے۔ اور لفظ نوحہ کے معنے کی مختلف صورتوں کا فرق حضرت علامہ سید انور شاہ صاحب محدث کشمیری دار العلوم دیوبند نے بھی بیان فرمایا ہے۔ وحق متنا التنبيه على انه يستفاد من هذا الحديث اباحة بعض مراتب النياحة مع بقاء الكراهة (فیض الباری ص۴۶۳)
۔ اور ہم نے پہلے اس پر تنبیہ کر دی ہے کہ اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیاحۃ (نوحہ کرنے) کے بعض مراتب مباح ہیں

باوجود اس میں کراہت باقی رہنے کے) لیکن اس سے وہ نوحہ جائز یا عبادت نہیں ثابت ہو سکتا جوازروئے احادیث ممنوع ہے (۴) دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ یہ ہے۔ یا ساکن الغبراء علمنی البکاء۔ اسے مٹی میں آرام کرنے والے مجھے رونا سکھا دے۔
اس پر ماتمی مصنف سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر یہ رونا عبادت ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اپنی مقدس زندگی میں اپنی پیاری صاحبزادی کو رونے کا طریق نہیں بتلا دیا تھا۔ جو آج آپ کو سیکھنے کی ضرورت پڑی (ب) رونا اکثر شدت غم کا نتیجہ ہے تو اس میں سیکھنے اور سکھلانے کا کیا دخل ہے (ج) بکا، کا معنی آنسو بہانا ہے نہ کہ منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا اور اگر آپ نے ماتم کرنا ہوتا تو پھر منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کا طریقہ پوچھتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صرف رونا چاہتی تھیں۔ لیکن آپ کو اس میں یہ خطرہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا رونا شرعی حدود سے تجاوز کر جائے اس لئے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ مجھے رونے کا صحیح طریق سکھا دیں تاکہ میں جذبات سے بے اختیار ہو کر کہیں رونے کی ایسی صورت اختیار نہ کر لوں جو ناجائز ہو اور گناہ کی حد کو پہنچ جائے۔ (۲) اس کے بعد تیسرا شعر یہ ہے جو آپ نے چھوڑ دیا ہے: فان کنت عن عینی فی التراب مغیبا۔ فما کنت عن قلبی الحزین بغائبا (بس اگر آپ قبر مبارک میں میری آنکھ سے پوشیدہ ہیں تو آپ میرے غمگین دل سے تو غائب نہیں ہیں) اس شعر سے تو ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ تو پھر رونے کا طریقہ کس طرح سیکھتیں۔ در اصل یہ اظہار غم کا ایک طریق تھا۔ جو اشعار میں بیان کیا۔ جس کو یار لوگوں نے ماتم قرار دے دیا۔

؎ اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔

احادیث اہل سنت سے نوحہ کی ممانعت

جو نوحہ زور زور سے رونے جزع فزع کرنے اور بیان مصیبت کی شکل میں ہوتا ہے۔ وہ حرام اور ممنوع ہے۔ چنانچہ (۱) مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ النائحة اذا لم تتب قبل موتها تقام یوم القیمة وعلیها سربال من قطران ودرع من جرب۔ نوحہ کرنے والی عورت نے جب موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے دن اس حال میں کھڑی ہوگی کہ اس کے بدن پر سخت بدبودار تیل کا کرتہ ہوگا اور خارشی زرہ ہوگی۔
اس حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ وفیه دلیل علی تحریم النیاحة وهو مجمع علیه اس میں دلیل ہے نیاحت (نوحہ کرنے) کے حرام ہونے پر اور اس پر سب کا اجماع ہے)۔ نیز فرماتے ہیں:۔ وان

النیاحة حرام مطلقاً وھو مذھب العلماء کافة (اور بیشک نوحہ مطلقاً حرام ہے اور یہ سب علماء کا مذہب ہے)

(۲) صحیح بخاری میں بھی یہی حدیث مذکور ہے۔ جس کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ واخذ ائمتنا من ھذہ الاحادیث تحریم النوح وتعدید محاسن المیت بخو واکھفاہ مع رفع الصوت والبکاء وتحریم ضرب الخد وشق الجیب ونشر الشعر وحلقه ونتفه وتسوید الوجه والقاء التراب علی الرأس والدعا بالویل والثبور الخ (اور ان احادیث سے ہمارے ائمہ حدیث نے نوحہ اور میت کی خوبیاں گنانے کی حرمت کو ان ہے مثلاً واکھفاہ وغیرہ کہنا بلند آواز اور رونے کے ساتھ اور حرام ہے رخسار سے پیٹنا اور گریبان پھاڑنا اور بال کھو اور بال مونڈنا اور بال اکھاڑنا اور منہ کالا کرنا اور سر پر مٹی ڈالنا اور ویل اور ثبور (ہلاکت) پکارنا (فتح الباری)

(۳) علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ یوسف کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:- انما المنھی عنه مایفعله الجھلة من النیاحة ولطم الخدود والصدور وشق الجیوب وتخریق الثیاب" (روح المعانی) بیشک وہ افعال ممنوع ہیں جن کو جہلاء کرتے ہیں مثلاً نوحہ کرنا۔ اور رخسارے پیٹنا اور گریبان چیرنا اور کپڑے پھاڑنا۔

(۴) حافظ عماد الدین ابن کثیر محدث سورۃ الممتحنہ کی آیت ولا یعصینك فی معروف کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ روی ابن جریر- قال منعھن ان ینحن وکان اھل الجاھلیة یمزقن الثیاب ویخدشن الوجوہ ویقطعن الشعور (ابن جریر نے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے منع فرمایا اور جاہلیت کے زمانہ کے لوگ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے تھے اور اپنے چہرے چھیلتے تھے اور بال کاٹ دیتے تھے) (۵) نیز حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں

عن اسید البزار عن امرأة من المبایعات قالت کان فیما اخذ علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا نعصیه فی معروف ان لا نخمشن وجھا ولا ننشر شعرا ولا نشق جیبا ولا ندعوا ویلاً (حضرت اُسید ان عورتوں میں سے ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جو فتح مکہ کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہونے والی ہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نیکی میں آپ کی نافرمانی نہ کریں اور ہم منہ نہ نوچیں اور ہم بال نہ بکھیریں اور ہم گریبان چاک نہ کریں اور ہم ویلا (ہلاکت) نہ پکاریں) (تفسیر ابن کثیر- سورۃ الممتحنہ)

احادیث شیعہ سے نوحہ کی مخالفت

(۱) ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں سے منع فرمایا ان میں یہ بھی تھا۔

لنیاحتہ من عمل الجاھلیتہ (اور نوحہ کرنا جاہلیت کے زمانہ کا فعل ہے) (من لا یحضرہ الفقیہ ص۵۹) (۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک طویل حدیث من لایحضرہ الفقیہ میں درج ہے جس کے متعلق مصنف نے لکھا ہے کہ یہ طویل حدیث حضرت علی کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس میں یہ بھی ہے کہ:۔ نھی عن الرنۃ فی المصیبۃ ونھی عن النیاحۃ والاستماع الیھا ونھی عن اتباع النسآء الجنائز۔ ۔ ۔ ونھی عن التصاویر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت میں چیخنے چلانے سے منع فرمایا اور نیاحت (نوحہ کرنے) سے منع فرمایا۔ اور نوحہ سننے سے منع فرمایا اور عورتوں کو جنازوں کے پیچھے جانے سے منع فرمایا۔ ۔ ۔ اور تصویروں سے منع فرمایا۔ (من لایحضرہ الفقیہ ص۴۶۶) اور نوحہ کی ممانعت میں یہ دو حدیثیں من لایحضرہ الفقیہ میں ہیں جس کے متعلق اس کتاب کے مصنف ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے لکھا کہ اس میں سب صحیح اور قابلِ اعتماد احادیث درج کی گئی ہیں۔ اب آپ فرمائیں۔ کہ جب اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی احادیث صحیحہ سے نوحہ کرنے کی ممانعت ثابت ہے۔ تو اس کے خلاف آپ کس مذہب کی بنا پر خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نوحہ ثابت کرنا چاہتے ہیں! (۳) پہلے یہ عرض کر دیا گیا ہے کہ اگر کسی شعر میں نوحہ کا لفظ مذکور ہے اور وہ شعر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہی ہے۔ تو اس سے مراد صرف وہ رونا ہے جو شرعاً جائز ہے۔ اور حضرت خاتونِ جنت سے ہم اس نوحہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے جو شرعاً ممنوع اور حرام ہے اور زمانہ کفر و جاہلیت کی رسم و عادت ہے۔ اور حضرت علیؓ المرتضیٰ کے ارشاد سے بھی جزع کرنا ممنوع ہی ثابت ہوتا ہے چنانچہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ نے یہ کہا تھا کہ۔ لولا انك امرت بالصبر ونھیت عن الجزع لانفدنا علیك ماء الشئون (نہج البلاغۃ ص۳۸۸ طبوعہ تہران) اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع کرنے سے آپ نے نہ منع کیا ہوتا تو ہم رو رو کر آنکھوں کا پانی ختم کر دیتے۔ فرمائیے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ کے قول سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جزع فزع کرنے سے منع فرمانا ثابت ہوا یا نہیں۔ اور کیا اس ممانعت کے بعد بھی حضرت خاتونِ جنت جزع فزع اور نوحہ و ماتم کا ارتکاب کر سکتی تھیں۔ ہرگز نہیں۔

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۷

ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں حرمت ماتم کے سلسلہ میں یہ روایت لکھی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس جمع

اہلِ بیت میرے اور بیبیاں میری حسبِ مراتب اشارہ اور سلام مجھ پر کریں جو حق اشارہ اور سلام کرنے کا ہے اور آزار بصدائے نالہ و نوحہ نہ پہنچائیں" (جلاء العیون ص۶۲)

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوحہ اور نالہ کرنے سے دُکھ ہوتا ہے لیکن یار لوگوں نے اس کو عبادت اور جنت کا نشان سمجھا ہوا ہے" (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص۲۴)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :۔ مندرجہ بالا روایت بھی دلیل نمبر ۹ کی روایت سے ملتی جلتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ گزشتہ روایت میں مخاطب جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا تھیں اور اس میں جمیع اہلِ بیت و ازواج کو مخاطب کیا گیا ہے۔ درایتاً اس روایت کو بھی صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہلِ بیت اور ازواج کو گریہ و بکا۔ آہ و فغاں۔ نوحہ و ماتم سے منع فرماتے تو یہ ناممکن تھا کہ اہلِ بیت علیہم السلام سے کوئی فرد یا ازواج سے کوئی بیوی آپ کے حکم کے خلاف ایسا فعل کرتی۔ مگر کتب احادیث و تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے وصال پر اہلِ بیت۔ ازواج اور صحابہ نے آہ و بکا کی۔ سر پیٹے اور نوحے کئے ملاحظہ فرمائیں :۔

معارج النبوۃ رکن ۴ باب ۱۴ ص۲۳۷۔ امہات المومنین ہمہ نالہ و نفیر با وج فلک اسیر رسیدند و طائفہ از اصحاب آواز برکشیدند وامحمدا۔ وفاطمہ گفت وا مدباہ (یعنی ازواج رسول نے رونے کی آواز آسمان تک پہنچائی۔ صحابہ کی ایک جماعت نے وامحمدا کا نوحہ کیا اور فاطمہ علیہا السلام ہائے مدینہ کرکے بین کرتی تھیں"۔ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ قبض وھو فی حجری ثم وضعت رأسہ علی وسادۃ وقمت مع النساء اضرب وجھی "۔ بی بی عائشہ نے کہا جب حضور کی روح قبض ہوئی تو آپ کا سر مقدس میری گود میں تھا۔ پھر میں نے سرا قدس کو تکیہ پر رکھا اور میں اُٹھ کر عورتوں کے ساتھ پیٹنے لگی۔ میں اپنا منہ پیٹ رہی تھی" تاریخ طبری ص۱۹۷۔ سیرت ابن ہشام جلد ۴ ص۳۰۵ سیرت حلبیہ جلد ۳ ص۴۷۶)

الجواب (۱) آپ کی درایت (سمجھ) تو الٹی چلتی ہے۔ کیونکہ اصول درایت تو یہ ہے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو یا صحیح حدیث کے خلاف ہو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ مذہب شیعہ کی سب سے زیادہ صحیح کتاب حدیث اصول کافی میں ہے کہ :۔ فرمایا حضرت رسولِ خدا نے ہر ایمان کی علامت ہے اعمال صالحہ سے اور روشنی ہے محکمات قرآن سے۔ پس جو حدیث کتاب خدا کے موافق ہو اسے لے لو اور جو مخالف کتاب ہو اُسے چھوڑ دو (شافی ترجمہ اصول

کافی جلد اول ص۷۶) اور از روئے قرآن سنی اور شیعہ دونوں کی تفاسیر سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ جزع کرنا صبر کے خلاف ہے۔ اب آپ ان دو صورتوں میں سے ایک صورت کو پسند کرلیں۔ (ا) حضرت فاطمۃ الزہراء اور ازواج مطہرات رسول صلی اللہ علیہ وسلم حکم قرآن کے تحت صبر کرنے والی ہیں تو جن روایات میں ان کا جزع فزع کرنا مذکور ہے وہ خلاف قرآن ہونے کی وجہ سے رد کر دی جائے گی (ب) یا آپ یہ تسلیم کریں کہ نعوذ باللہ حضرت خاتون جنت اور ازواج مطہرات قرآن کے خلاف چلنے والی ہیں۔ تو پھر آپ ان روایات کو قبول کریں جن میں خلاف قرآن ان کا جزع فزع کرنا مذکور ہے۔ اور آپ جو دلائل دے رہے ہیں ان سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ العیاذ باللہ حضرت فاطمۃ الزہراء اور ازواج مطہرات اس قرآن کے خلاف عمل کرنے والی ہیں۔

(۲) آپ نے معارج النبوۃ سے پہلی روایت پیش کی ہے۔ حالانکہ اس کتاب کے مصنف کے متعلق مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی بھی یہ تحقیق پیش کر چکا ہوں کہ: (اس کے مصنف) سنی واعظ تھے۔ کتاب میں رطب و یابس سب کچھ ہے" (احکام شریعت حصہ دوم ص۸۴) لہٰذا اس کتاب کی روایتیں بخاری و مسلم کی مذکورہ صحیح احادیث کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ سے صراحتاً منع فرمایا ہے۔ یہ احادیث رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر۶ کی بحث میں پھر ملاحظہ فرمالیں۔ (ب) معارج النبوۃ کی اس روایت میں بھی یہ لکھا ہے کہ بعض اصحاب نے واحمد اکہا اور حضرت فاطمہ نے وا مدینا کہا۔ تو ان الفاظ سے بھی آپ کا نوحہ و ماتم ثابت نہیں ہوتا (۳) سیرت ابن ہشام ہو یا تاریخ طبری ان کی روایات سے عقائد ثابت نہیں کئے جاتے۔ مورخین نے عموماً اپنی تاریخوں میں صرف سنی سنائی روایات درج کر دی ہیں۔ اور وہ غلط روایات کو بھی بلا تنقید درج کر دیتے ہیں۔ لہٰذا ان روایات کو کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر ہی قبول کرنا پڑتا ہے۔ اور قبل ازیں اسی تاریخ ابن ہشام سے ثابت کر چکا ہوں کہ حضرت حمزہ کی شہادت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو نوحہ کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ قال ابن ھشام ونھی یومئذ عن النوح (اس دن نوحہ کرنے سے منع کر دیا گیا) (ابن ہشام عربی ص۹۹) تو جب اسی کتاب سے نوحہ سے ممانعت ثابت ہو چکی ہے تو اس کے خلاف دوسری روایت کیسے قبول کی جاسکتی ہے جب کہ نوحہ سے منع کرنے کی روایت صحیح بخاری و مسلم کی احادیث نہی کے مطابق ہے لہٰذا کتاب اللہ اور بخاری و مسلم کی احادیث صحیحہ کے خلاف کوئی روایت خواہ کسی کتاب میں ہو ہمارے خلاف حجت نہیں ہو سکتی (۴) اس طرح آپ کتب شیعہ کی روایات میں سے بھی کوئی روایت نوحہ و ماتم کی تائید میں پیش نہیں کر سکتے جو

من لایحضرہ الفقیہ تفسیر قمی اور نہج البلاغۃ کی احادیث کے خلاف ہو۔کیونکہ عام تاریخی روایات شیعہ مذہب کے اصول پر بھی مذکورہ کتب حدیث وخطبات حضرت علی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اگر آپ کچھ بھی علم وفہم یا صدق و دیانت رکھتے تو اپنی صحاح اربعہ کی احادیث میں سے کوئی اقوی اور اصح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماتم مروجہ کی تائید واثبات میں پیش کرتے۔اور اگر میں نے جلاء العیون وغیرہ سے نوحہ وماتم کی تردید میں روایات پیش کی ہیں تو وہ الکافی من لایحضرہ الفقیہ اور تفسیر قمی کے مطابق ہونے کی وجہ سے ہی کی ہیں۔(۵) آپ نے یہ بھی خوب لکھا ہے کہ: یار لوگ تو ماتم ان بزرگواروں کی سنت سمجھ کر کرتے ہیں۔اب آپ ہی فرمائیں کہ ان لوگوں کا اتباع عبادت ہے یا نہیں۔ ان کی پیروی نشان جنت ہے یا نہیں" (فلاح الکونین ص۸۲) الجواب۔ (ا) ان حضرات کا دامن ماتم مروجہ کی آلودگی سے بالکل پاک ہے۔کیونکہ یہ قرآنی احکام صبر کے خلاف ہے۔(کیونکہ جزع صبر کے خلاف ہے) اور یہ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔جیساکہ من لایحضرہ الفقیہ کی حدیث سابقہ نمبر میں درج کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت کا فعل ہے۔اور نہج البلاغت سے حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جزع کرنے سے منع نہ فرماتے تو ہم آنکھوں کا پانی رو رو کر ختم کر دیتے لیکن آپ اپنے من گھڑت ماتمی فلسفہ کے تحت اس ضد پر قائم ہیں کہ کتاب اللہ اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ارشات حضرت مرتضیٰ کے مخالف ہونے کے باوجود بھی یہ ماتم سنت ہی ہے تو آپ کی اس کج فہمی اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے۔اللہ تعالیٰ ہی آپ کو فہم وخلوص عطا فرمائیں تو شاید ماتم کی ان بھول بھلیوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر۸

حرمت ماتم کے سلسلہ میں رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ لکھا گیا تھا کہ: شیخ طوسی وغیرہ نے بسند ہائے معتبر حضرت جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ حضرت نے فرمایا۔جب کوئی مصیبت پیش آئے تو مصیبت رسول خدا یاد کرو کہ ایسی مصیبت ہرگز کسی پر نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی" (ایضاً جلاء العیون ص۶۹)

تو جب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت شہادت حسین وغیرہ سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہے اور ایسی مصیبت عظمیٰ پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج اہل بیت کو عموماً اور حضرت فاطمۃ الزہراء کو خصوصاً نوحہ کرنے اور منہ پیٹنے سے منع فرما دیا ہے تو پھر سانحہ کربلا کی یاد میں بھی یہ افعال گناہ ہوں گے نہ کہ عبادت اور اس قسم کی

مجالس ماتم بپا کرنے میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت لازم آئے گی نہ کہ اطاعت" (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" ص۲۵) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں۔ اگر آئینہ قلب کو تعصب کے گرد و غبار سے صاف کر کے روایت پر غور کیا جائے تو اس کے کسی پہلو سے بھی رونے اور ماتم کرنے کی مخالفت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس یہی روایت غم واندوہ کی دعوت دیتی ہے۔ یہ فطرت انسانی ہے کہ جب اس کو کوئی مصیبت یاد آتی ہے تو اس کے دل پر چوٹ لگتی ہے۔ دل پر چوٹ لگے تو آنکھوں سے قطرات اشک کا بہ نکلنا لازمی ہوتا ہے کیونکہ رونا دلیل رقت قلب ہے اور یہی غم جب شدت اختیار کرتا ہے تو انسان بے اختیار سر و سینہ پیٹتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں ہوسکتی جب اس مصیبت عظیم کو درد دل رکھنے والا کوئی محب رسول یاد کرے گا تو اس کے گریباں دل پر یقیناً چوٹ لگے گی اور وہ لازماً گریاں و ماتم کناں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج و اہل بیت کو عموماً اور سیدہ سلام اللہ علیہا کو خصوصاً رونے کی ممانعت کرنا بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ جیسا کہ ہم دلیل ۱۰-۹-۸ کے جوابات میں ثابت کر چکے ہیں۔ یہاں ہم صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کریں گے کہ سانحہ کربلا کی یاد میں مجالس ماتم کا بپا کرنا مخالفت رسول نہیں بلکہ اطاعت رسول ہے اور ساتھیوں کا سر اور ریش میں خاک ڈالنا سنتِ رسول ہے جیسا کہ مشکوۃ المصابیح میں جناب ابن عباس اور جناب ام سلمہ کا بروز عاشورا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت میں دیکھنا درج ہے کہ آپ کے سر اور ریش میں خاک تھی وجہ دریافت کرنے پر فرمایا۔ شهدت مقتل الحسين انفًا۔ میں ابھی ابھی حسین کی قتل گاہ سے آرہا ہوں (فلاح الکونین ص۸۲)

الجواب (۱) آپ نے یہ تو مان لیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت سب مصیبتوں سے عظیم ہے۔ اور اگر آپ اس روایت کو بھی بے بنیاد کہہ دیتے تو پھر ہم آپ سے کیسے منوا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ حدیث فروع کافی میں بایں الفاظ منقول ہے:۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال من اصیب بمصیبة فلیذکر مصابه بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فانه من اعظم المصائب" (جلد اول۔ کتاب الجنائز) اس کا ترجمہ شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امروہوی یہ لکھتے ہیں۔ فرمایا ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس پر کوئی مصیبت آجائے تو حضرت رسول خدا کی مصیبتوں کو یاد کرے کیونکہ وہ سب سے بڑی مصیبت تھی۔ (شافی ص۱۸۲)

(۲) دوسری حدیث امام محمد باقر سے مروی ہے ۔ قال ابوجعفر علیہ السلام ان اصبت بمصیبة فی نفسک اَو فی مالک اَو فی وَلدک فاذکر مصابک برسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فان الخلائق لَمْ یصابوا بمثلہ " فرمایا ابوجعفر یعنی امام محمد باقر علیہ السلام نے اگر کوئی مصیبت تمہاری جان مال یا اولاد پر آجائے تو رسول اللہ کی مصیبت کو یاد کرو کہ ایسی مصیبت کسی پر نہیں ہوئی " (شافی ترجمہ فروع کافی جلد اول حصہ اول ص۱۸۲) (۳) فرمایا جب امیر المومنین علیہ السلام کا انتقال ہوا تو امام حسن علیہ السلام نے مرنے کی خبر امام حسین کے پاس بھیجی جو مدائن میں تھے جب یہ خبر پہنچی تو فرمایا ہائے کیسی بڑی مصیبت ہے اور رسول اللہ نے فرمایا جب کوئی مصیبت تم پر آئے تو میری مصیبت کو یاد کر لیا کرو کہ اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں ۔ رسول اللہ نے سچ فرمایا ہے " (شافی ترجمہ فروع کافی ص۱۸۳)

یہ چار حدیثیں فروع کافی سے اس لئے درج کی گئی ہیں تاکہ ان کی روشنی میں یہ معلوم کیا جا سکے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی مصیبت کو یاد کرنے کا مطلب آیا یہ ہے کہ مصیبت زدہ آدمی خوب نوحہ و ماتم کرے جیسا کہ آپ نے حسب عادت اس سے اپنا ماتمی فلسفہ ثابت کیا کہ : جب اس مصیبت عظیم کو درد دل رکھنے والا کوئی محبِ رسول یاد کرے گا تو اس کے گریباں دل پر یقیناً چوٹ لگے گی اور وہ لازماً گریاں ماتم کناں ہوگا " یا یہ مطلب ہے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت عظمیٰ کو یاد کر کے اپنی مصیبت کو ہلکا سمجھے اور اس سے تسکین پا کر نوحہ و ماتم سے پرہیز کرے ۔ آپ کا یہ مطلب بالکل غلط ہے اور منشا حدیث کے بالکل خلاف ۔ چنانچہ (الف) مندرجہ احادیث میں سے دوسری حدیث میں یہ ہے ۔ امام محمد باقر نے فرمایا ہے کہ اگر تمہاری جان ۔ مال اور اولاد میں کوئی مصیبت آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت کو یاد کرو ۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اگر تمہارا مال ضائع ہو جائے تو پیٹنے اور کوٹنے لگ جاؤ ۔ ہرگز نہیں ۔ بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ تیری یہ مصیبت تو ادنیٰ مصیبت ہے ۔ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اعظم مصیبت پر اصحاب و اہل بیت نے ماتم بپا نہیں کیا اور صبر اختیار فرمایا تو پھر تم بھی صبر اختیار کرو ۔ کیونکہ ہلکی مصیبت پر صبر کرنا آسان ہے بہ نسبت بڑی مصیبت پر صبر کرنے سے ۔ ؎ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

(ب) اور تیسری حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر حضرت حسن نے

مدائن میں حضرت حسین کو بھیجی تو آپ نے صرف اتنا کہا۔ ہائے کیسی بڑی مصیبت ہے"۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے بڑی مصیبت کو یاد کرکے ماتم ممنوعہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ ورنہ اگر آپ کا فلسفہ مانا جائے تو اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ امام حسین حضرت علی المرتضیٰ کی خبر شہادت سن کر منہ پیٹتے اور سینہ کوٹتے اور نعوذ باللہ دیواروں سے ٹکریں مارتے اور سر پھوڑتے۔

(ج) میدان کربلا میں اپنی شہادت سے پہلے حضرت امام حسین نے جو اپنی ہمشیرہ حضرت زینب کو وصیت فرمائی اس کو آپ کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی یوں بیان کرتے ہیں:۔ دیکھو ہمارے پدر و مادر و برادر شہید ہوئے اور سب سے بہتر تھے جناب رسول خدا کہ اشرف المخلوقات تھے دنیا میں نہ رہے اور بجانب سرائے باقی رحلت فرمائی اسی طرح بہت مواعظ اپنی خواہر سے بیان کرکے وصیت کی اور کہا۔ اے خواہر گرامی تم کو میں قسم دیتا ہوں کہ جب میں شہید ہو کر بعالم بقا رحلت کروں۔ گریبان چاک نہ کرنا۔ اور منہ نہ نوچنا۔ واویلا نہ کرنا۔ پس اہل حرم کو فی الجملہ تسلیٰ و دلاسہ دے کے تہیہ سفر آخرت درست کیا" جلاء العیون اردو جلد دوم ص۴۷۱ مطبوعہ انصاف پریس لاہور) اس میں تصریح ہے کہ امام حسین نے اپنی ہمشیرہ محترمہ کو پہلے حضرت حسن، حضرت علی المرتضیٰ اور حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتیں یاد کرائیں اور پھر افعال ماتم سے منع فرمادیا کہ گریباں چاک نہ کرنا الخ۔ فرمائیے اس میں تو آپ کے من گھڑت ماتمی فلسفہ کی واضح تردید ہو رہی ہے کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت و وفات کو یاد کرکے انسان بے اختیار سر و سینہ پیٹتا ہے اور اس ماتم کو آپ اطاعت رسول قرار دے رہے ہیں۔ لیکن حضرت امام حسین عین مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبت وفات یاد کرا کے گریباں چاک کرنے اور منہ پیٹنے سے منع فرما رہے ہیں۔ کیا آپ اطاعت رسول کا مطلب امام حسین سے زیادہ جانتے ہیں العیاذ باللہ نہیں بلکہ آپ نے تو مندرجہ حدیث کے مقابلہ میں اپنا اختراعی فلسفہ ماتم پیش کرکے حضرت امام حسین کی صریح مخالفت کی ہے۔

سرورِ کائنات کی توہین

آپ نے لکھا ہے کہ: ماتمیوں کا سر و ریش میں خاک ڈالنا سنت رسولؐ ہے" (فلاح الکونین ص۵۸) اور اس کے بعد آپ نے مشکوٰۃ شریف کی حدیث کو بطور دلیل کے پیش کیا۔ الجواب (۱) آپ نے مشکوٰۃ شریف کی حدیث کا صرف ایک جملہ پیش کیا ہے۔ پوری حدیث

حسب ذیل ہے ۔ عن سلمیٰ رحلت علی ام سلمۃ وھی تبکی فقلت ما یبکیک قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعنی فی المنام وعلی رأسہ ولحیتہ التراب فقلت مالک یارسول اللہ قال شھدت قتل الحسین آنفًا ۔ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب" سلمیٰ کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو وہ رو رہی تھیں پس میں نے کہا آپ کو کس بات نے رلایا ہے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ یعنی خواب میں کہ آپ کے سر اور ڈاڑھی پر غبار تھا۔ پس میں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ آپ کا کیا حال ہے۔ تو فرمایا کہ میں ابھی ابھی حسین کے قتل میں حاضر ہوا تھا۔ روایت کیا ہے اس کو ترمذی نے اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے
(۱) امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب لکھا۔ اور غریب روایت صحیح اور حسن روایت سے کم درجے کی ہوتی ہے
(۲) یہ معاملہ خواب کا ہے اور غیر نبی کے خواب سے شریعت کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہو جاتا یعنی غیر نبی کا خواب اور کشف شرعاً حجت نہیں ہو سکتا۔ (۳) مولانا قطب الدین صاحب محدثؒ دہلوی نے مظاہر حق میں لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ شہادت امام حسین سے پہلے ۵۹ھ میں وفات پا چکی تھیں۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی لیکن یہ قول مرجوح ہے۔ (۴) اور اگر دوسرا قول ہی اختیار کیا جائے کہ امام حسینؓ کی شہادت حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات سے پہلے ہوئی ہے۔ تو بھی اس کا تعلق خواب میں رویت مثالیہ سے ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کے روحانی لطائف کے متشکل اور متمثل ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ۔ ایں تشکل گاہ در عالم شہادت بود و گاہ در عالم مثال چنانچہ در یک شب ہزار کس آں سرور را علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام بصورت مختلفہ در خواب می بینند و استفادہا می نمایند ایں ہمہ تشکل صفات و لطائف او ست علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام بصورتہائے مثالی الخ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب ۵۶) یعنی لطائف روحانیہ کا شکل اختیار کرنا کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ جیسا کہ مثلاً ایک ہزار آدمی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں تو یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور لطائف کا مختلف شکلوں میں دکھائی دینا ہوتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ مثالی جسم حقیقی جسم سے جدا ہوتا ہے اس لئے اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت سلمہؓ کو مثالی شکل میں اسی طرح نظر آئے اور حضور اپنے اصلی جسم کے ساتھ اپنے روضہ مقدسہ میں ہی آرام فرما تھے پھر خاک ڈالنے کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے (۵) حدیث کے کسی لفظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے چہرہ مبارک پر خاک ڈالی تھی۔ العیاذ باللہ۔ جب ساری مقدس زندگی میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے غم واندوہ سے مغلوب ہو کر کبھی بھی چہرہ مبارک پر خود خاک نہیں ڈالی۔ تو بعد از وفات خواب میں اس کا کیونکر تصور کیا جا سکتا ہے آپ تو اپنے حرام ماتم کے اثبات کیلئے محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشی سے بھی باز نہیں آتے کیا حب حسین اور حب اہل بیت اسی جھوٹ اور افتراء کا نام ہے اس طرح کی دلیلیں آپ اما مباڑہ میں اپنے ماتمیوں کے سامنے دیا کریں۔ کتاب میں اس قسم کی لغو باتیں لکھ کر آپ اپنی جہالت در جہالت کا ہی ثبوت دیتے ہیں ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنہ پاکاں برد

(۶) روایات میں آتا ہے کہ جنگ بدر میں حضرت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر جو غبار پڑا تھا بعد از جنگ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور سے گرد وغبار صاف کیا۔ تو کیا غزوہ بدر کے گرد وغبار کو بھی آپ چہرہ انور پر خاک ڈالنے کی سنت قرار دیں گے۔ اور کیا اس سنت پر کبھی حضرت علی المرتضیٰ حضرات حسنین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عمل بھی کیا ہے۔ اور یہ بھی فرمائیں کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بارش میں بھیگ گیا ہو تو کیا آپ کے نزدیک از خود کپڑوں کو دانستہ ہی بھگو دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قرار دی جائے گی۔ (۷) اور جو حقیقی سنت ہے یعنی ڈاڑھی رکھنا وہ تو ماتمیوں میں سے کسی کسی کو ہی نصیب ہو گی۔ عموماً ان کے علماء ومجتہدین بھی مسنون ڈاڑھی سے محروم ہوتے ہیں۔ تو جس کی ڈاڑھی ہی نہیں وہ خاک کہاں ڈالیگا

عبرت ! عبرت ! عبرت

ردّ ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۹

ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں حرمت ماتم کے سلسلہ میں امام حسین کی آخری وصیت کے تحت یہ روایت پیش کی گئی تھی کہ سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کربلائے معلیٰ میں اپنی ہمشیرہ حضرت زینب علیہا السلام کو فرمایا کہ۔ اے بہن جو میرا حق تم پر ہے اسی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ: میری مصیبت مفارقت پر صبر کرو۔ پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پیٹنا اور بال

اپنے نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ زہرا کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت پر صبر فرمایا تھا تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا" (جلاء العیون مترجم۔ باب قضایائے کربلا صـ۳۸۲) (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے صـ۲)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: یہ روایت احاد میں سے ہے اور اس کا مدرک بھی جلاء العیون میں نہیں لکھا گیا۔ صـ۱ پر مؤلف نے خود یہ تسلیم کیا ہے کہ اس میں غیر معتبر روایتیں بھی درج ہیں۔ علاوہ اس کے روایت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات تسلی کے لئے تھے جیسا کہ اس کے بعد ہی لکھا ہے "پس اہل بیت عصمت را فی الجملہ تسلی نمود و تہیہ سفر آخرت را راست کرد"۔ یعنی امام علیہ السلام نے اہل بیت کو فی الجملہ تسلی دی اور سفر آخرت کی تیاری کی" اگر یہ امور ممنوعہ ہوتے اور امام ان سے توبہ کرنے کو کہتے تو ناممکن تھا کہ حضرت زینب علیہ السلام اور دیگر مخدرات اہل بیت ممانعت کے بعد انہی امور کو بجا لاتیں چنانچہ اسی کتاب کے صـ۴۹۱ پر ہے "جب بعد شہادت امام علیہ السلام کا ذوالجناح خیام میں آیا فریاد واحسیناہ وا اماماہ برکشیدند وام کلثوم خواہر آنجناب دست بر سر محاذ و ندبہ می کرد و می گفت وا محمداہ۔ (صـ۲۰۰) چوں زینب خاتون را نظر بر سر آں سر منور افتاد سر خود را بر چوب محل زد کہ خون از آں بر زمین ریخت و زیادہ بر آورد (صـ۲۱۱) در مجلس یزید چوں زینب خاتون بر آں سر منور افتاد بے نقاب شد۔ گریباں چاک کرد و صدائے حزیں کہ دلہارا پارہ پارہ کرد فریاد بر آورد کہ یا حسیناہ الخ۔ ان واقعات مندرجہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلمات آپ نے بطور تسلی و ترحم فرمائے۔ لہٰذا اس مصیبت پر یہ تمام امور نہ صرف جائز بلکہ باعث ثواب ہیں" (فلاح الکونین صـ۸۱)

الجواب (ا) آپ لکھتے ہیں کہ یہ روایت احاد میں سے ہے اور اس کا مدرک بھی جلاء العیون میں نہیں لکھا گیا" خدا جانے آپ روایات احاد کا مطلب بھی جانتے ہیں یا نہ میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ شیعہ احادیث میں کوئی متواتر حدیث نہیں ہو سکتی۔ اور غیر متواتر روایات جو ہیں ان سب کو احاد ہی میں شامل کرتے ہیں جیسا کہ آپ کے مولوی محمد حسین صاحب کی حسب ذیل عبارت پہلے بھی نقل کر چکا ہوں :۔ اور جو خبر ایسی (یعنی متواتر) نہ ہو وہ خبر واحد کہلاتی ہے (ہدیۃ المحدثین صـ۳۵)۔

اب اس خبر واحد کی متقدمین کے نزدیک صرف دو ہی قسمیں تھیں۔ صحیح اور غیر صحیح الخ (مقدمہ شافی ترجمہ اصول کافی صـ۱) آپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ صحیح حدیث بھی احاد میں سے ہی ہوتی ہے۔ (ب) اگر اس روایت کا مدرک

جلاء العیون کی میں نہیں لکھا گیا تو اسی کے ہم معنی دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں جو شیخ مفید کے حوالہ سے لکھی گئی ہے چنانچہ اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔ و بروایت شیخ مفید شمر لعین یخطے کہ عمرو بن سعد کے پاس نویں محرم روز پنجشنبہ یا جمعہ لایا" اسی روایت کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ:۔ جب حضرت زینب نے یہ خبر دہشت اثر سنی اپنا منہ پیٹ لیا اور واویلا واویلا بلند کیا حضرت نے فرمایا اے خواہر گرامی عذاب و نکال تمہارے دشمنوں کے لئے ہے تم صبر کرو اور دشمنوں کی شماتت و ہنسائی سے مجھے بچاؤ" (جلاء العیون اُردو جلد دوم صفحہ ۱۶۷ مطبوعہ انصاف پریس لاہور) اس میں حضرت زینب کے منہ پیٹنے کے بعد حضرت حسین کا آپ کو صبر کی تلقین کرنے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ایسا نہ کرو۔

(ج) علاوہ ازیں ماتم سے ممانعت کی ایک دوسری روایت سید ابن طاؤس وغیرہ کے حوالہ سے یہ مذکور ہے کہ: حضرت امام زین العابدین نے فرمایا۔ اے پھوپھی اس قدر کافی ہے۔ بحمد اللہ آپ عاقل و دانا ہیں آپ جانتی ہیں کہ بعد مصیبت جزع کرنا مفید نہیں" (جلاء العیون جلد دوم صفحہ ۲۲۱) فرمایئے۔ جس جزع و فزع سے حضرت حسین نے قبل از شہادت حضرت زینب کو منع فرمایا تھا اُسی جزع فزع سے امام زین العابدین بعد از شہادت منع فرما رہے ہیں۔

(د) امام جعفر صادق نے فرمایا:۔ ہم اہل بیت بے قرار ہوتے ہیں قبل مصیبت۔ لیکن جب مصیبت آتی ہے تو قضائے الہی پر راضی ہو جاتے ہیں" (شافی ترجمہ فروع کافی جلد اول صفحہ ۱۸۸) اس حدیث کو ادیب نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بتقاضائے بشری اہل بیت کو مصیبت سے پہلے پہلے کچھ پریشانی بھی ہے تو مصیبت نازل ہونے کے بعد وہ بھی ختم ہو جاتی ہے اور وہ قضائے الہی کے تصور کے تحت صبر کرتے ہیں۔ لیکن امام جعفر صادق کے خلاف آپ کا فتویٰ تو یہ ہے کہ جزع فزع اور نوحہ و ماتم ختم ہی نہیں ہوتے۔ اور حضرت زینب وغیرہ مخدرات اہل بیت نے صبر کا بالکل دامن چھوڑ دیا اور عوام کی طرح سر برہنہ پیٹتی ہیں۔ آپ تو ایسے محب ہیں کہ مستورات کو سر برہنہ بتلانے میں ہی نعوذ باللہ آپ کے مشن کی تکمیل ہوتی ہے۔ آپ یہ روایت پیش کر رہے ہیں کہ:۔ "چوں زینب خاتون را نظر بر سر آں منور افتاد بے نقاب شد" کہ جب حضرت زینب کی نظر حضرت حسین کے اس نورانی سر پر پڑی تو آپ نے نقاب اتار دیا" کیا یہی پردہ نشینان اہل بیت کا آپ کے نزدیک کمال ہے۔ اور جو روایت آپ نے درج کی ہے کہ:۔ سر خود را بر چوب محمل زد"۔ یعنی حضرت زینب نے اپنا سر کجاوے کی لکڑی پر مارا" تو اس سے یہ بات تو ماتمیوں کی غلط ثابت ہو گئی کہ خواتین

اہلِ بیت کو بلا محمل (بے کجاوہ) اونٹوں پر سوار کرایا گیا تھا۔

ماتمی مُصنّف کی بوالعجبی

آپ زیر بحث روایت کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ علاوہ اس کے روایت کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمات تسلّی کے لئے تھے . . . . یعنی امام علیہ السلام نے اہلِ بیت کو فی الجملہ تسلّی دی اور سفرِ آخرت کی تیاری کی"۔ اس کو کہتے ہیں کہ۔ جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ آپ ہمارے پیش کردہ دلائل سے اتنے حواس باختہ ہو چکے ہیں کہ آپ کو یہ شعور بھی نہیں کہ کیا لکھ رہے ہیں۔ جب روایت مذکورہ سے خود آپ تسلیم کر رہے ہیں کہ "یہ کلمات تسلّی کے لئے تھے" تو اس سے تو ہمارے مؤقف کی تائید اور آپ کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ تسلّی دلانا اور صبر دلانا ایک ہی بات ہے۔ اور تسلّی حاصل کرنے کے لئے ہی ضروری ہے کہ افعال ماتم سے پرہیز کیا جائے۔ کیا آپ تسلّی و اطمینان کو معمولی بات سمجھتے ہیں۔ یہ وہ نعمت ہے جو من جانب اللہ محبوبانِ خداوندی پر نازل ہوتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے فانزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ وعلی المومنین (سورۃ فتح پارہ ۲۶) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مُفسّر اس کا ترجمہ لکھتے ہیں:۔ اللہ نے بھی تسکین اپنے رسول پر نازل کر دی اور ان کے لئے کلمہ تقویٰ لازم کر دیا اور وہ تھے بھی اُس کے مستحق اور اس کے اہل فرمایئے۔ اگر کوئی آپ جیسا صاحب منہ پیٹ رہا ہو اور سینہ کوٹ رہا ہو اور دیواروں سے ٹکریں مارنے کی کوشش کر رہا ہو تو دیکھنے والے کیا یہ کہیں گے کہ اس کو بڑی تسکین و تسلّی حاصل ہے۔ یا یہ کہیں گے کہ اس بیچارہ صبر و سکون سے محروم ہے۔ تو بہرحال اس آیت سے ہی ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی سکینت اور تسلّی نازل فرماتا ہے جو اس کے محبوب اور مقبول ہوں۔ اور برعکس اس کے جن پر بجائے تسلّی کے جزع فزع اور سینہ کوبی غالب ہے ان سے اللہ تعالیٰ ناراض ہے اور وہ رحمتِ خداوندی سے محروم ہو چکے ہیں۔ اب جو راستہ آپ چاہتے ہیں اختیار کریں اگر صابرین میں شامل ہونا چاہتے ہیں تو اس ماتم سے سچی توبہ کر لیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا چاہتے ہیں تو پھر ساری عمر ماتم کرتے رہیں۔ کوئی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لیکن امام کربلا حضرت حسینؓ کا نام لیکر ان افعال قبیحہ کے مرتکب نہ ہوں۔ اس موقعہ پر شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

صابروں پر جبکہ ہوتا ہے مصیبت کا نزول؛ اِنّا للّٰہ کہہ کے کر لیتے ہیں وہ اس کو قبول

ان کے بڑھتے ہیں مدارج جنت الفردوس میں، حاسد اُن کے سب نظر آتے ہیں غمگین و ملول
راہ حق میں جان دے کر ہوگئے زندہ حسینؓ، تو انہیں مردہ سمجھ کر بین کرنا ہے فضول

(ب) یہ بھی ملحوظ رکھیں۔ کہ سورۃ الفتح کی مندرجہ آیت میں جن مومنین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تسلی اور سکینت نازل کرنے کی بشارت دی ہے وہ اصحاب حدیبیہ ہیں۔ جن کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی۔ اور ان میں حضرت صدیق اکبر بھی تھے اور حضرت عمر فاروق اور حضرت علی المرتضیٰ بھی۔ اور خلفائے اربعہ میں سے تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین گو دربار رسالت میں اس وقت حاضر نہ تھے لیکن چونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ معظمہ بطور سفیر گئے ہوئے تھے۔ اس لئے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی غائبانہ بیعت فرما کر ان کو اس بیعت رضوان میں شامل کر لیا۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا۔ (کیا آپ بھی اعلان خداوندی کے بعد ان صحابہ کرام اور خلفائے عظام سے راضی ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۰

مذکورہ ۹ روایات شیعہ تو وہ تھیں جو حرمت ماتم کے ثبوت کے لئے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں پیش کی گئی تھیں۔ اور ماتمی مصنف نے جواب الجواب کے سلسلہ میں ان پر مفصل جوابی بحث کر کے ازروئے احادیث ماتم مروجہ کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کر دیا گیا ہے۔ اب ان کے علاوہ اور احادیث شیعہ بھی پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال لا ینبغی الصیاح علی المیت ولا شق الثیاب امام جعفر صادق نے فرمایا۔ "میت پر چیخ چیخ کر نہیں رونا چاہیئے اور نہ کپڑے پھاڑنا" (شافی ترجمہ فروع کافی جلد اول ص۱۸۷)

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۱

حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں ایک شخص آیا اور اپنی مصیبت کی شکایت کی۔ فرمایا اگر صبر کرو گے تو اجر ملے گا اور نہ کرو گے تو جو حکم الٰہی ہے وہ جاری ہو کر رہے گا اور تم بے اجر رہو گے" شافی ترجمہ فروع کافی ص۱۸۸) اس روایت میں وانت مازور کے الفاظ ہیں۔ اور مازور کا معنی گنہگار ہونا ہے۔ نہ کہ صرف بے اجر ہونا جیسا کہ آپ کے ادیب اعظم نے لکھا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ امام جعفر صادق نے مصیبت کی شکایت کرنے والوں کو صبر کی تلقین کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آدمی کسی کے سامنے اپنی مصیبت کی شکایت بھی نہ کرے تو یہ پورا صبر ہے۔ لیکن آپ تو ہائے حسین۔ ہائے حسین کرتے

ہوئے۔ منہ پیٹتے اور سینہ کوٹتے ہوئے ماتمی جلوس نکالنے کو بھی صبر ہی قرار دیتے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبی است کاش کہ آپ حضرت حسین کے مقام شہادت کی قدر کرتے۔

ردِ ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۲

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ :۔ رونا پیٹنا چیخنا نہ بہتر ہے۔ اور نہ سزاوار۔ لیکن لوگ اسے جانتے نہیں اور صبر بہتر ہے" (شافی ترجمہ فروع کافی ص۱۸۸)

اس سے بھی حسب ارشاد امام صادق ثابت ہوا کہ پیٹنا چیخنا صبر کے خلاف ہے۔

ردِ ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۳

میں حضرت ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھا کہ گھر میں سے کسی کے زور زور سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت کھڑے ہوئے پھر بیٹھے اور انا للہ وانا الیہ راجعون کیا اور پھر اپنی بات شروع کر دی جب بات ختم ہوئی تو فرمایا کہ ہم یہ پسند کرتے ہیں جو اللہ چاہتا ہے" (ایضاً شافی ص۱۸۸) اس سے بھی ثابت ہوا کہ امام جعفر صادق کو گھر میں سے کسی کے زور زور سے رونے کی آواز بھی ناگوار گذری۔ اور آپ نے سمجھا دیا کہ گو ہم چاہتے یہی ہیں کہ کوئی مصیبت نہ پہنچے اور عافیت ہی نصیب ہو۔ لیکن جب مصیبت آجاتی ہے تو پھر وہی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اسی بنا پر آپ نے اس وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اور نہ خود زور زور سے روئے اور نہ منہ پیٹا اور نہ سینہ کوٹا۔ تو آپ کا فلسفہ ماتم تو اس سے باطل ہو گیا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس حدیث کو ادیب اعظم نے بھی صحیح قرار دیا۔

ردِ ماتم کی حدیث نمبر ۱۴

امام جعفر صادق نے فرمایا۔ اے اسحاق اسے مصیبت نہ شمار کر جس پر تمہیں صبر دیا گیا ہے اور جس پر تم ثواب کے مستحق ہو مصیبت تو وہ ہوتی ہے جس پر صبر نہ کرنے سے اجر و ثواب نہ ملے" (ایضاً شافی ترجمہ فروع کافی) اس حدیث کو ادیب اعظم نے حسن لکھا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ اصل مصیبت اس کے لئے ہے جو صبر نہ کر سکے اور اجر سے محروم ہے اور جس نے صبر اختیار کیا وہ اجر کا مستحق ہو گیا اس لئے گویا کہ اس کیلئے مصیبت ہی نہ رہی۔ کیونکہ صبر کی وجہ سے اس نے اخروی نفع حاصل کر لیا۔

ردِ ماتم کی حدیث نمبر ۱۵

فرمایا ابو جعفر علیہ السلام (یعنی امام محمد باقر) نے جو بندہ وقت مصیبت استرجاع کرتا ہے (یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے) اور صبر سے کام لیتا ہے تو اللہ

اس کے پہلے گناہ بخش دیتا ہے اور جب کبھی ذکرِ مصیبت اور نزول مصیبت کے وقت اناللہ وانا الیہ راجعون کہتا ہے تو جتنے گناہ اس کے مصیبت اور صبر کے درمیان کئے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بخش دیتا ہے۔" (ایضاً شافی ترجمہ فروع کافی) اس سے بھی معلوم ہوتا کہ مصیبت پر صبر کرنے کی وجہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اور پھر بھی جب کبھی وہ مصیبت یاد آئے اور انا للہ پڑھے اور صبر کرے تو اس مدت کے درمیانی گناہ بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کر دیتا ہے اور یہاں آپ نہیں کہ سکتے کہ پیٹنا کوٹنا کوئی صبر کے خلاف نہیں کیونکہ از روئے لغت و قرآن یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ جزع کرنا ہی صبر کے خلاف ہے چہ جائیکہ کوٹنا پیٹنا وغیرہ افعال ماتم۔

رد ماتم کی حدیث نمبر ۱۶

ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق کی کتاب حدیث من لایحضرہ الفقیہ میں یہ حدیث مذکور ہے۔ وَاَتیٰ ابو عبد اللہ علیہ السلام قوماً قد اصیبوا بمصیبۃ فقال جبر اللہ وھنکم واحسن عزاکم ورحم موتاکم۔ ثم انصرف، یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام ایسے لوگوں کے پاس آئے جن کو مصیبت پہنچی تھی تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری کمزوری کو دور فرمائے۔ اور تمہیں بہتر صبر عطا کرے اور تمہارے مردوں پہ رحم فرمائے۔ پھر آپ واپس تشریف لے گئے" کیا بہترین صبر کی دعا کا یہ مطلب ہے کہ مصیبت زدہ لوگ خوب منہ پیٹیں اور سینہ کوٹیں اور صبر کا دامن چھوڑ کر اپنے پروردگار کو ناراض کریں۔

رد ماتم کی حدیث نمبر ۱۷

وعزّی الصادق علیہ السلام رجلاً بابن لہ فقال علیہ السلام لہ اللہ خیرٌ لابنک منک۔ وثواب اللہ خیرٌ لک منہ فبلغہ جزعہ بعد ذلک فعاد الیہ فقال لہ مقدمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فمالک بہ اُسوۃٌ فقال انہ کان مراھقاً۔ فقال لہ ان امامہ ثلث خصال شہادۃ ان لا الہ الا اللہ ورحمۃ اللہ وشفاعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ فلن تفوتہ واحدۃٌ منھن ان شاء اللہ (من لا یحضرہ الفقیہ) اور امام جعفر صادق نے ایک مرد کے پاس تعزیت کی جس کا بیٹا وفات پاگیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہ نسبت تیرے بیٹے کے لئے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب تیرے لئے تیرے بیٹے سے بہتر ہے۔ پس اس کے بعد آپ کو اس شخص کے جزع کرنے کی آواز پہنچی تو

آپ پھر واپس تشریف لائے اور اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے کیا تیرے لئے اس میں کوئی پیروی کرنے کے لئے نمونہ نہیں ہے۔ تو اس شخص نے کہا کہ وہ (بیٹا) بلوغت کے قریب عمر کا تھا۔ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اُس کے آگے تین حالتیں ہیں۔ (۱) لا الہ الا اللہ کی شہادت (۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ ان تینوں میں سے کوئی بھی اس سے ضائع نہ ہوگی۔

رد ماتم کی حدیث نمبر ۱۸

وروی مہران بن محمد عن الصادق علیہ السلام انہ قال ان المیت اذا مات بعث اللہ عزوجل ملکاً الی اوجع اھلہ علیہ فمسح علی قلبہ فانساہ لوعۃ الحزن لولا ذلک لم تعمر الدنیا (من لایحضرہ الفقیہ)

اور مہران بن محمد سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتہ کو اس کے گھر والوں میں سے اس شخص کی طرف بھیجتا ہے جو ان سب میں سے زیادہ دکھ میں ہوتا ہے تو فرشتہ اس کے دل پر ہاتھ پھیرتا ہے اور غم کی پریشانی اور قلق کو اس کے دل سے بھلا دیتا ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا آباد ہی نہ ہو سکتی (من لایحضرہ الفقیہ) اور یہی حدیث فروع کافی میں بھی ہے۔ اس حدیث کے آخری جملہ کا ترجمہ ادیب اعظم یہ لکھتے ہیں:۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دنیا آباد ہی نہ رہتی۔ (یعنی لوگ فرط غم سے اپنی عورتوں کے پاس جاتے ہی نہیں) اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ماتمی لوگ جو شہادت امام حسینؓ پر صدیاں گذرنے کے بعد غم حسین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جھوٹے ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں غلبۂ غم ہوتا تو وہ بوجہ ازواج کے قریب نہ جا سکنے کے اولاد سے ہی محروم رہتے۔ اور فروع کافی میں اس کے متصل جو روایت ہے اس میں بھی یہی مضمون ہے۔ جس کو ادیب اعظم نے حسن لکھا ہے۔

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۱۹

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔ مَن لَمْ یُنجِہ الصبرُ اھلکہ الجزع (جس شخص کو صبر نجات نہ دے اس کو جزع ہلاک کر دیتا ہے" (نہج البلاغۃ صہ ۵۶۱ مطبوعہ طہران) اس سے معلوم ہوا کہ صبر کرنے میں نجات ہے۔ اور جزع کرنے میں ہلاکت ہے لیکن ماتمی مصنف کا نظریہ اس کے خلاف ہے کہ جزع کرنے میں نجات ہے۔ اور جو جزع فزع نہیں کرتا اس کے لئے ہلاکت ہے۔ اور ان کی کج فہمی اس حد تک ہے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام

کے صبر جمیل کو بھی جزع ہی قرار دیتے ہیں۔

رد ماتم کی حدیث شیعہ نمبر ۲۰

ابن بابویہ قمی یعنی شیخ صدوق نے اپنی کتاب معانی الاخبار میں یہ حدیث درج کی ہے۔ عن عمرو بن ابی المقدام قال سمعت ابا الحسن او اباجعفر علیہ السلام یقول فی ھذہ الایۃ ولا یعصینک فی معروف قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ قال لفاطمۃ علیہا السلام اذا انا مت فلا تخمشی علیّ وجہا ولا ترخی علی شعرا ولا تنادی بالویل ولاتقیمی علی نائحۃ ثم قال ھذا المعروف الذی قال اللہ عزّوجل فی کتابہ ولا یعصینک فی معروف" (معانی الاخبار مطبوعہ ایران ص۲۲۱) عمرو بن ابی المقدام سے روایت ہے کہ میں نے امام ابوالحسن یا امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت ولایعصینک فی معروف کے بارے میں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کہ جب میری وفات ہو جائے تو میری مصیبت پر اپنا منہ نہ نوچنا اور بال نہ کھولنا اور ویل اور ہلاکت نہ پکارنا اور مجھ پر نوحہ کرنے والی عورتوں کو نہ قائم کرنا۔ پھر فرمایا کہ یہ وہ معروف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے وَلا یعصینک فی معروف (یعنی عورتیں نیکی میں آپ کی نافرمانی نہ کریں)۔ یہی حدیث فروع کافی میں بھی ہے اور اس حدیث کو صحیح سمجھ کر شیخ صدوق نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔

رد ماتم میں قرآنی آیت نمبر ۱۰

ماتمی ٹرکٹ کے جواب میں ۹ آیات قرآنیہ اور ۹ احادیث شیعہ سے ماتم کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کیا گیا تھا۔ آیات میں سے تین آیات کی بحث ابتدا میں گذر چکی ہے۔ اس کے بعد ۹ احادیث شیعہ کی بحث بھی مکمل ہو چکی۔ اور بعد ازاں گیارہ مزید احادیث شیعہ رد ماتم میں پیش کر دی گئی ہیں۔ اب بقیہ ان آیات قرآنیہ پر نمبروار بحث کی جاتی ہے۔ ہم نے رسالہ" ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں لکھا تھا کہ۔ رونا غمی کی وجہ سے بھی ہوتا ہے اور خوشی سے بھی۔ خوف سے بھی اور محبت سے بھی یہ انسان کے طبعی تاثرات ہیں۔ لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے غم کے باقی رکھنے سے منع فرما دیا ہے۔ جنگ اُحد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید ہوتے اور ستر اصحاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے پرچم نبوی کے سایہ میں کفار کے مقابلہ میں شہید ہوئے جس میں حضور کے سگے چچا حضرت حمزہ بھی

تھے اور ان شہداء کا مسلمانوں کے دلوں میں طبعی طور پر صدمہ بھی تھا لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ (اور نہ تم سست ہو اور نہ غم کھاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے" (پ ۴۔ سورۃ آل عمران رکوع ۱۴)

اس آیت کی پیشگوئی کے تحت اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیصر وکسریٰ جیسی کفار کی عظیم سلطنتوں پر غالب آگئے۔ ان غالب آنے والی جماعت صحابہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورین اور شیر خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کو خلافت راشدہ کی صورت میں یہ اسلامی غلبہ عطا فرمایا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین (ص ۲۷)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں:۔ بالآخر آپ نے تسلیم کر ہی لیا کہ انسان کبھی غمگین ہوتا ہے تو روتا ہے۔ کبھی جذبات مسرت سے اس کے آنسو نکل آتے ہیں کبھی بحالت خوف محزون ہوتا ہے اور کبھی اپنے مصائب پر گریاں ہوتا ہے۔ یا یوں کیوں نہ کہیں کہ حضرت انسان دنیا میں آتے ہی رونا شروع کر دیتا ہے اور آخر وقت تک روتا ہے۔ روتا ہوا ہی اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ رونا بتقاضائے فطرت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کو بھی رونا پسند ہے فرماتا اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ (کیا تم اس بات سے تعجب کرتے رہو ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو" غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں کسی مقام پر بھی انسان کو غم کی حالت میں رونے سے منع نہیں فرمایا نہ مصائب و آلام میں رونے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہاں خوف کی حالت میں حزن و ملال کا اظہار کرنے سے ضرور منع فرمایا...... بہر حال مسلمانوں کو غم سے باز رکھنے کی دلیل میں جو آیت میں آپ نے پیش کی ہے اس میں تو آپ کے موقف کی تائید کا شائبہ تک نہیں۔ آیت مجیدہ کی ابتداء میں وَلَا تَهِنُوا کا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔" کاہل نہ ہو (حافظ فرمان علی شیعہ) سست نہ ہو (شاہ عبدالقادر سنی) ہمت نہ ہارو (اشرف علی تھانوی سنی) اور درمیان میں اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ تم ہی غالب رہو گے" ہمت نہ ہارنے کا ارشاد اور تم ہی غالب رہو گے کا وعدہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ اُحد کی اتفاقیہ شکست سے مسلمان جی چھوڑ بیٹھے تھے ہمت ہار چکے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس اتفاقیہ شکست کا حزن و ملال دور کرنے اور مسلمانوں کی ہمت بلد ھانے اور حوصلے بلند کرنے کے واسطے غلبہ عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے) فرمایئے۔ اگر اس آیت میں غم شہداء کی ممانعت کی ہوتی تو پورا مدینہ ماتم کدہ کیوں بنتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا پر رونے اور ماتم کرنے

والی انصاری عورتوں کے حق میں دعائے خیر کیوں فرماتے (سیرت النبی وغیرہ) (فلاح الکونین صہ ۸۳)

الجواب (۱) کسی مصیبت پر انسان کو حزن و ملال لاحق ہونے میں تو اختلاف نہیں۔ یہ تو ابتدائے بحث میں ہی لکھ دیا تھا۔ پھر آپ کا یہ لکھنا غلط بیانی ہے کہ:۔ بالآخر آپ نے تسلیم کر ہی لیا کہ انسان کبھی غمگین ہوتا ہے الخ۔ اسی طرح انسان کا کسی واقعہ سے خوش ہونا بھی ایک فطرتی امر ہے۔ (ب) میں نے یہ تو لکھا ہے کہ انسان خوف سے بھی روتا ہے۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ "کبھی بحالت خوف محزون ہوتا ہے" کیونکہ خوف اور حزن دو جدا جدا حالتوں کا نام ہے۔ (ج) آپ نے جو آیت أفمن هذا الحديث تعجبون زیادہ رونے کے ثبوت میں پیش کی ہے اس کا مصیبت سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ جواز ماتم کی دلیل نمبر ۱۱ کی بحث میں آپ کے استدلال کا اچھی طرح ابطال کر دیا۔ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں (د) رونے کی طرح خوش ہونا اور ہنسنا بھی فطرت انسانی ہے لیکن کیا وجہ ہے کہ آپ خوشی پر زور نہیں دیتے صرف رونے کا رونا ہی روتے رہتے ہیں۔ حالانکہ خود رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح وقتی طور پر گریہ کا ثابت ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تبسم اور ضحک (ہنسنا) بھی ثابت ہے لیکن آپ ہنسنے کی سنت پر عمل نہیں کرتے اور تبسم اور ہنسی کا کوئی جلوس نہیں نکالتے۔ ماتم حرام نے آپ کی فطرت کو مسخ کر دیا ہے اس لئے آپ حق و باطل، صحیح و غلط اور افراط و تفریط اور عدل و ظلم کا فرق ہی نہیں سمجھ سکتے۔ بے شک خوش ہونا اور ہنسنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن باوجود اس کے زیادہ ہنسنے سے منع فرمادیا ہے۔

زیادہ ہنسنے کی ممانعت

(۱) عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال کثرۃ الضحک تمیت القلب (اصول کافی ص ۶۸۶) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ زیادہ ہنسنا دل کو مار دیتا ہے (۲) دوسری روایت میں امام جعفر صادق فرماتے ہیں کثرۃ الضحک تمیت الدّین کما یمیت الماء الملح (زیادہ ہنسنا دین کو اس طرح برباد کر دیتا ہے جس طرح پانی نمک کو گھول دیتا ہے (۳) امام جعفر صادق فرماتے ہیں القہقہۃ من الشیطان (قہقہہ شیطان کی طرف سے ہے) تو فرمایئے جہاں مسکرانا اور ہنسنا سنت رسول ہے وہاں اس کی حد سے تجاوز کرنا یعنی زیادہ ہنسنا اور قہقہہ لگانا (کھل کھلا کر زور سے ہنسنا) دل کو مردہ کرتا ہے۔ اور یہ شیطان کے اثر کا نتیجہ ہے (۴) عن ابی الحسن الاول علیہ السلام قال

کان یحییٰ بن زکریا علیہ السلام یبکی ولا یضحک وکان عیسیٰ بن مریم یضحک ویبکی وکان الذی یصنع عیسیٰ علیہ السلام افضل من الذی کان یصنع یحییٰ علیہ السلام

(اصول کافی ص۶۸۷ باب الدعابۃ والضحک) آپ کے ادیب اعظم نے اس روایت کا یہ ترجمہ لکھا ہے فرمایا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے کہا یحییٰ بن زکریا روتے تھے اور ہنستے نہ تھے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام ہنستے بھی تھے اور روتے بھی تھے اور ان کا یہ طریقہ یحییٰ کے طریقہ سے افضل تھا (شافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص۶۶۴) اس سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ رونے بھی اور ہنسے بھی۔ لہٰذا اس حدیث سے آپ کے رونے ہی رونے کا فلسفہ باطل ہو گیا (ب) اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا رونا بھی مصیبت کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ آپ خوف الٰہی کے تحت روتے تھے چنانچہ علامہ خلیل قزوینی اصول کافی کی شرح صافی میں اس روایت کے تحت لکھتے تھے:۔

"گریہ می کرد از ترس عذاب الٰہی وخندہ ہرگز نمی کرد" یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام عذاب الٰہی کے ڈر سے روتے تھے اور کبھی ہنستے نہ تھے" بہر حال جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ ہنسنے سے منع فرما دیا۔ اسی طرح مصیبت پر زیادہ رونے اور جزع فزع کرنے اور نہ پیٹنے وغیرہ افعال ماتم سے بھی منع فرما دیا۔ اور ائمہ اہل بیت سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہے جس پر مفصل بحث گذر چکی ہے۔ لیکن آپ فطرت و اعتدال کو کیا سمجھیں یہ تو حضرت زینبؓ کی بد دعا کا اثر بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ جس کی وجہ سے آپ پر ماتم ہی ماتم محیط ہے۔

(۲) سورۃ آل عمران کی جس آیت سے غم نہ رکھنے پر میں نے استدلال پیش کیا، آپ نے سنی وشیعہ مفسرین سے لاتھنوا کا ترجمہ بھی لکھ دیا اور وانتم اعلون کا بھی لیکن درمیانی جملہ لاتحزنوا کا ترجمہ نہیں لکھا۔ جو مدار بحث تھا اب ملاحظہ فرمائیں (ا) سنی علماء میں سے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں۔ اور رنج مت کرو اور یہ یاد رکھیں کہ آپ نے مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی کو سنی تسلیم کر لیا ہے۔ (ب) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں اور نہ غم کھاؤ۔ (ج) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ اور غم نہ کھاؤ۔ اور شیعہ علماء میں سے مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ اور رنجیدہ نہ ہو" (ترجمہ مقبول) مولوی فرمان علی لکھتے ہیں "اور اس (اتفاقی شکست سے) کڑھو نہیں" (ج) اور مولوی امداد حسین صاحب کاظمی لکھتے ہیں۔ اور نہ غم کھاؤ،

(۳) آپ کا یہ لکھنا ہی کتنی دیدہ دلیری پر مبنی ہے کہ "خدا نے قرآن مقدس میں کسی مقام پر بھی انسان کو غم کی

حالت میں رونے سے منع نہیں فرمایا۔" کیا یہ آیت قرآن مقدس کی آیت نہیں ہے جس میں لاتحزنوا رغم نہ کھاؤ فرمایا ہے ہاں ممکن ہے، بعقیدہ شیعہ جو قرآن امام غائب صاحب غار سُرّمَن رائی ہی میں لے کر بیٹھے ہیں اس میں یہ حکم نہ ہو (ب) اگر حزن کا معنی غم ہے اور جنگ احد میں شہدائے احد کا غم مسلمانوں کو لاحق ہوا تھا۔ اور اس پر یہی آیات نازل ہوئیں تو باوجود اس کے آپ کا یہ فرمانا کہ مصیبت پر غم کی وجہ سے رونے کی اللہ تعالٰے نے کسی جگہ بھی ممانعت نہیں فرمائی۔ کیا قرآن مجید کا انکار نہیں۔ (ج) آپ نے تو سمجھا ہی نہیں۔ دوسروں کو سمجھانے کے لئے یہاں شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا پیش کرتا ہوں۔ جو انہوں نے حسب ذیل آیت کا لکھا ہے

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝

(سورۃ النحل۔ رکوع ۱۶/۱۴) "اور اے رسولؐ صبر کرو اور تم سے صبر نہ ہو گا مگر اللہ ہی کی مدد سے۔ اور ان (شہدائے احد) کے متعلق رنج نہ کرو اور (کافر) جو چال چلتے ہیں اس سے دل تنگ نہ ہو۔"

اس آیت کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ: مطلب یہ ہے کہ جو اصحاب شہید ہو گئے ہیں ان پر جو بے ادبی بعد شہادت ان کے ساتھ کی گئی ہے اس پر رنج و غم نہ کھاؤ (ترجمہ مقبول۔ استقلال پریس لاہور بار پنجم) جب آپ کے مایہ ناز شیعہ مفسر یہ تشریح کر رہے ہیں کہ سورۃ النحل کی مندرجہ آیت لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ شہدائے احد کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان شہدائے کرام کے متعلق رنج و غم کھانے سے ہی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرما دیا۔ تو اس کے باوجود آپ کا یہ لکھنا کہ قرآن مجید میں کسی جگہ بھی انسان کو غم کی حالت میں رونے سے منع نہیں فرمایا۔ کس قدر سفید جھوٹ ہے جو ماتم حسین کی تائید میں بولا گیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ اسی قسم کے اکاذیب اور اباطیل پر مشتمل کتاب فلاح الکونین کی تعریف مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو بھی فرما رہے ہیں جن کو یہ مجتہد العصر مانتے ہیں

آپ کے مجتہد مفسر شیخ طبرسی لکھتے ہیں:۔ وَلَا تَحْزَنُوا بِمَا يُصِيبُكُمْ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَبْدَانِكُمْ (مجمع البیان جز رابع ص۲۰۹) اور نہ غم کھاؤ بوجہ اس کے جو تم کو تمہارے مالوں اور تمہارے بدنوں کو مصیبت پہنچے تو اس میں بھی غم کا تعلق مالی اور بدنی مصیبت کے ساتھ مان لیا۔ (د) اہل سنت کی تفسیر خازن میں ہے :۔ یعنی لا تحزنوا على من قتل منكم لانهم في الجنة (یعنی نہ غم کھاؤ تم ان پر جو تم میں سے قتل کئے گئے

ہیں کیونکہ وہ جنت میں ہیں) فرمائیے۔ جب شیعہ اور سنی مفسرین وضاحت کر رہے ہیں کہ قتل اور شہادت وغیرہ کی مصیبت پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غم کھانے سے منع فرمایا۔ اور مولوی مقبول احمد دہلوی کی تفسیر سے بھی ثابت ہو گیا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شہدائے احد کا غم نہ کھانے کا حکم دیا ہے۔ تو پھر آپ اس کے خلاف یہ کیا فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی مصیبت پر غم کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے۔ آپ حکم قرآن کے خلاف یہ نظریہ کیوں اختیار کرتے ہیں اور اہل اسلام کو کتاب اللہ کے صریح حکم کے خلاف کیوں ترغیب دیتے ہیں کہ حضرت امام حسین کی شہادت کا غم قیامت تک کھاتے رہو۔ اور نہ صرف غم بلکہ منہ پیٹتے اور سینہ کوٹتے رہو۔ اور یہ بھی تو سمجھیں کہ آپ بزعم خود غم حسین کی بنا پر ماتم کرتے ہیں۔ لیکن حبیب اللہ تعالیٰ نے غم کھانے اور اس کے باقی رکھنے سے بھی منع فرما دیا اور آپ کے مروجہ ماتم کا مبنیٰ بھی ختم کر دیا گیا تو پھر اسلام میں ماتم کی گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی۔ لہٰذا مذکورہ آیت سے ماتم حرام ہونا لازماً ثابت ہو گیا۔ اور غم و ماتم حسین اور رونے دھونے کے آپ کے سارے فلسفے جو موقعہ بموقعہ آپ اپنی کتاب میں بیان فرما دیتے ہیں سب باطل ہو گئے۔ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا حق آگیا اور باطل بھاگ گیا اور باطل بھاگنے والا ہی ہوا کرتا ہے۔ آپ نے یہاں سیرت النبیؐ کے حوالہ سے شہدائے احد کے ماتم کا ذکر کیا ہے جس کا مدلل رد دلیل نمبر ۱ کی بحث میں گذر چکا ہے پھر ملاحظہ کریں۔

غلبہ اسلام اور ملکی فتوحات

آپ نے لکھا ہے کہ غلبہ کا وعدہ تو حضورؐ کی زندگی میں پورا ہو چکا تھا محض ملکی فتوحات کو رفع مدارج اور کمال ایمان کی دلیل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نہ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزو ایمان قرار دیا ہے۔ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دین کو کسی فاسق سے مدد مل جاتی ہے۔ جیسا کہ کنز العمال ج اص ۸ ا ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے۔ ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اس دین کو فاسق آدمی سے بھی مدد پہنچا دیتا ہے (فلاح الکونین ص)

الجواب (۱) بیشک غلبہ کا وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی پورا ہوا۔ لیکن دور رسالت میں غلبہ دین کس جماعت کے ذریعہ ہوا۔ جو آیت میں نے پیش کی ہے وانتم الاعلون ان کنتم مومنین اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد شیعی نے یہ لکھا ہے: حالانکہ اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب آؤ گے" (ترجمہ مقبول) اس

سے ثابت ہوا کہ جس غلبہ کا وعدہ اس آیت میں ہے وہ مومنین کے ذریعہ ہی حاصل ہوگا۔ نہ کہ فاسقین کے ذریعہ اور مومنین سے مراد بھی وہی مومن ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت موجود تھے۔ یہ وعدہ بعد میں آنے والے مومنین کے متعلق نہیں ہے۔ دوسری آیت میں ہے۔ ھُوَالذِی اَیدّكَ بِنَصرِهٖ وَ بِالمؤمِنِینَ o وَاَلَّفَ بَینَ قُلُوبِهِم ط لَو اَنفَقتَ مَا فِی الاَرضِ جَمِیعًا مَّا اَلَّفتَ بَینَ قُلُوبِهِم وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَینَھُم ط اِنَّهٗ عَزِیزٌ حَکِیمٌ o پ ۱۰ سورۃ الانفال ۸۲ مولوی مقبول احمد دہلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے وہ وہی ہے جس نے اپنی امداد سے اور مومنین کے ذریعہ سے تمہاری تائید کی تھی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کردی بے شک وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اے نبی تمہارے لئے اللہ اور مومنین میں سے جو تمہارا

غلبۂ دین کے متعلق اہل سنت اور اہل تشیع کا اختلافی نظریہ

اتباع کرتے ہیں وہی کافی ہیں" (ترجمہ مقبول) ان آیات میں بھی تصریح ہے کہ (۱) مومنین کے ذریعہ اللہ تعالے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی۔ (ب) ان مومنین کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی رحمت سے الفت و محبت ڈال دی جو مال و دولت وغیرہ ظاہری اسباب کی بنا پر حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ تو مذکورہ دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین کا غلبہ نصیب ہوا۔ وہ ان مومنین کاملین کی تائید و قربانی کی وجہ سے حاصل ہوا۔ جس کی توفیق ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی۔ (۲) اب دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ غلبہ دین باقی رہا یا نہیں۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جن مومنین کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام کو شوکت اور غلبہ عطا ہوا۔ انہی کے ذریعہ دور رسالت کے بعد بھی اسلام کا غلبہ روم، ایران اور افریقہ تک پھیل گیا۔ اور کفار کے مقبوضہ ممالک خلفائے ثلٰثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے دور خلافت میں اسلام کے زیر نگیں ہوگئے۔ اور دنیائے کفر کے ایک وسیع اور عریض علاقے پر پرچم اسلام لہراتا رہا۔ اس لئے خصوصاً یہ تین خلفاء از روئے قرآن یقیناً مومن کامل ہیں۔ اور ان کی حکومت خلافت راشدہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد غلبہ دین کی پیش گوئی کا مصداق یہی حضرات ہیں۔ لیکن اس کے برعکس شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ (۱) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے چند اشخاص کے وہ ساری جماعت

مومنین نعوذ باللہ مرتد ہوگئی اور دشمن اسلام بن گئی جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرمائی تھی اور جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے محبت والفت ڈال دی تھی۔ اور جن کے ذریعہ مکہ فتح ہوا تھا اور جن کی نصرت سے ملک عرب میں اسلام کو مکمل غلبہ نصیب ہوا تھا (یعنی) جو لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے والے تھے جنہوں نے بدر واحد اور خندق وحنین میں کفار کا مقابلہ کیا اور جنہوں نے ۸ھ میں مکہ فتح کر لیا۔ وہ سب سوائے تین چار کے حضرت علی المرتضیٰ کے مخالف ہو گئے۔ اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو خلافت حضرت علیؓ کو عطا کی گئی تھی وہ بھی انہوں نے زبردستی چھین لی۔ حضرت فاطمۃ الزہراء کے باغ فدک پر قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ حضرت حضرت علی المرتضیٰؓ کے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر ان کو مسجد میں لے گئے۔ اور العیاذ باللہ حضرت فاطمۃؓ الزہرا کی پسلیاں توڑ دیں اور دروازہ گرا کر ان کا حمل ساقط کیا اور پیٹ میں جو بچہ تھا اور جس کا نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسن رکھا تھا اس کو شہید کیا اور ۲۴ سال اپنے دور خلافت میں ان تین خلفاء نے اسلام کے خلاف نظام جاری کیا۔ اور جھوٹی احادیث کی اشاعت کرائی۔ اور اہل بیت پر مظالم توڑے تو اب ہمارا سوال یہ ہے کہ پھر سورۃ آل عمران میں جو اللہ تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ فرمایا۔ کہ اگر تم مومن رہے تو تم ہی غالب آؤ گے۔ اس وعدہ کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ان تین خلفاء اور ان کی جماعت پر پھر کیوں غالب نہ ہوئے۔ اس بارے میں شیعہ عقیدہ کو سچا مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علی مومن ہی نہ تھے۔ ورنہ وہ مغلوب نہ ہوتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کو غالب کرنے کا وعدہ فرمایا تھا جو عہد رسالت میں موجود تھے۔ کیا قرآن کی ان آیات کے بعد کوئی مومن یہ عقیدہ قائم کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو مومنین کو غلبہ عطا کرنے کا تھا لیکن حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اللہ کا یہ وعدہ پورا نہیں ہونے دیا۔ اور ۲۴ سال تک

ل شیعوں کا یہ عقیدہ بالکل قرآن کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو یہ اعلان کرتا ہے کہ ان مومنین کے دلوں میں اس نے الفت و محبت ڈال دی لیکن اس کے برعکس شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابوبکر صدیق وغیرہ آپس میں سخت دشمن تھے اور اہل بیت پر یہ مظالم ان خلفاء نے عداوت کی بنا پر ہی کئے تھے کیا اس نظریہ کے بعد اس آیت پر ایمان باقی رہ سکتا ہے ہرگز نہیں۔

شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ کو بالکل بے بس اور مجبور کر دیا۔ (۳) یہ صرف ملکی فتوحات کی پیش گوئی نہیں بلکہ مومنین کو غلبہ دین عطا کرنے کی پیش گوئی ہے۔ اس لئے آپ کی یہ تاویل باطل ہے کہ اگر ان اصحاب و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ نصیب ہوا تو یہ دنیوی حکومت کا غلبہ تھا کہ دینی خلافت کا۔ اور عوام شیعہ کو آپ اسی اندھیرے میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ تو صرف ملکی فتوحات ہیں جو کفار کو بھی نصیب ہو جاتی ہیں۔ غلبہ دین اور خلافت راشدہ کے متعلق ان شاء اللہ بعد میں کسی عنوان کے تحت مفصل و مدلل عرض کیا جائے گا۔ (۴) آپ نے جو حدیث پیش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو فاسق آدمی سے بھی مدد پہنچا دیتا ہے۔ تو اس کا غلبہ دین کی اس پیشگوئی سے تعلق نہیں جو مذکورہ آیات میں بیان کی گئی ہے (ب) اس حدیث کا تعلق تو بعد کے زمانوں سے ہے کہ کبھی کوئی ایسا شخص بھی دین کے لئے قربانی دے دیتا ہے جو خود صالح نہیں ہوتا اور فاسقانہ کردار رکھتا ہے اور اس کی وجہ سے دین کا وقار قائم ہو جاتا ہے لیکن آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حدیث کا مصداق بھی نہیں مانتے کیونکہ آپ کا عقیدہ تو یہ ہے کہ نعوذ باللہ خلفائے ثلاثہ نے اپنے دور خلافت میں دین کو برباد کیا تھا۔ کیونکہ اگر آپ یہ تسلیم کرلیں کہ گو یہ خلفاء خود مومن صالح نہ تھے لیکن ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو طاقت عطا فرمائی۔ تو پھر آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان خلفائے اسلام نے دین حق ہی پھیلایا تھا۔ اور ان کے عہد خلافت سے لے کر اب تک حرمین شریفین مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اصولی طور پر مذہب اہل سنت والجماعت ہی موجود ہے اہل سنت کی اذان، اہل سنت کی نماز۔ اور اہل سنت کی عبادات ہی رائج ہیں اس لئے مذہب اہل سنت ہی برحق ہے۔ کیا آپ یہ نتیجہ تسلیم کرسکتے ہیں؟ (ج) اس حدیث میں فاسق کے ذریعہ تائید دین کا ذکر ہے۔ اور فاسق وہ ہوتا ہے جو ایمان تو رکھتا ہو لیکن اس کا عمل خلاف شریعت ہو۔ لیکن آپ العیاذ باللہ ان خلفائے ثلاثہ اور ان کے ماننے والوں کو تو سرے سے مومن ہی نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اس حدیث سے بھی آپ کا استدلال صحیح نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ دے تو مذکورہ آیات کی روشنی میں ہی ان اصحاب ثلاثہ کی خلافت راشدہ پر کامل یقین حاصل ہوسکتا ہے"

"خلافت کا چمن"

اس میں بوبکرؓ و عمرؓ ہوں یا ہوں عثمانؓ و علیؓ — سب کی خوشبو سے مہکتا ہے خلافت کا چمن

گنبد خضراء شہادت دے رہا ہے آج تک　　پائتی ہے خواجۂ کونین کی ان کا وطن

زندہ و پائندہ ہے وہ دل الی یوم التناد

جس میں ان چاروں کی الفت کا ہے دریا موجزن　　(مولانا ظفر علی خانؒ)

ردِ ماتم میں قرآنی آیت نمبر ۵

ہم نے رد ماتم میں ایک یہ دلیل پیش کی تھی کہ: حضرت لوط پیغمبر علیہ السلام کو ارشاد فرمایا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (پارہ ۲۰. سورۃ العنکبوت ع ۴) "نہ خوف کر اور نہ غم کھا" اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح خوف کو دل سے نکالنا مطلوب ہے اسی طرح غم کو دل سے نکالنا بھی پسندیدہ ہے" (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" ص ۲۷)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں۔ آیت کے سیاق و سباق کو ترک کر کے اپنا مطلب نکالنے اور دوسروں کے عقائد کو ہدف طعن بنانے کے لئے آیت کے باقی حصہ کو چھوڑ کر صرف دو لفظ نقل کرنا کیا علمی بددیانتی نہیں ہے۔ ذیل میں ہم قرآن حکیم سے اصل واقعہ نقل کرتے ہیں۔ صاحبان دانش خود اندازہ لگالیں کہ مذکورہ آیت کا حضرت امام حسین کی مجالس و ماتم کے جائز و ناجائز ہونے سے کیا واسطہ۔ حضرت لوط علی نبینا وعلیہ السلام نے اپنی قوم کو خلاف فطرت فعل سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن قوم نے آپ کے پند و نصائح پر کان نہ دھرا۔ آخر جب ان کی بدکاری، سیاہ کاری حد سے تجاوز کر گئی تو آپ نے ان کے لئے بارگاہِ رب العزت میں عذاب کی درخواست کی۔ خدا کے فرستادہ فرشتے حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں بطور مہمان آپ کے پاس آئے ان کو دیکھ کر ان کی قوم کو نامعقول حرکت کا خیال آیا تو بے حد پریشان ہوئے۔ آپ کو فکر مند دیکھ کر (قَالَ) ان فرشتوں نے کہا (لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ) اندیشہ نہ کریں اور رنجیدہ نہ ہوں ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ اس قوم پر عذاب آنے کی خبر لے کر آئے ہیں۔ اِنَّا مُنَجُّوكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِيْنَ۔ ہم آپ کو اور خاص متعلقین کو بچالیں گے۔ سوائے آپ کی بیوی کے جو عذاب میں رہ جائے گی۔ بتائیے اس میں گریہ و ماتم کے ناجائز ہونے سے کیا تعلق۔ . . . . از کاف کابلی معلوم شد۔

الجواب: (۱) علمی بددیانتی تو وہ ہوتی ہے جس میں ماقبل یا مابعد کی وہ عبارت چھوڑ دی جائے جو پیش کردہ عبارت کے خلاف ہو بتائیے کہ لاتحزن کا معنی ہے غم نہ کھا۔ کیا اس سے پہلے یا بعد کی عبارت میں کہیں یہ حکم ہے یا یہ

مقصد ہے کہ غم کھاتے رہو۔ پھر اس سے علمی بددیانتی کیونکر لازم آگئی۔ علمی بددیانتی تو وہ ہے جس کے آپ مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور متعدد مثالیں اس کی پیش کر چکا ہوں (۱) اس آیت کا ترجمہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے لکھا ہے: اور جب ہمارے وہ فرستادے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوط ان (کے آنے) کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب دل تنگ ہوئے۔ اور (فرشتوں نے جب یہ حال دیکھا تو) وہ فرشتے کہنے لگے آپ (کسی بات کا) اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپ کے خاص متعلقین کو بچالیں گے بجز آپ کی بی بی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔ اس میں لاتحزن کا ترجمہ مولانا تھانوی نے "نہ مغموم ہوں" کیا ہے (ب) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ترجمہ یہ ہے: اور انہوں نے کہا نہ ڈریئے اور نہ غم کیجئے (ج) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی لکھتے ہیں۔ اور وہ بولے تو نہ ڈر اور نہ غم کھا" (د) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں: یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈریں مت۔ یہ کچھ نہیں کر سکتی اور ہمارے بچاؤ کے لئے غمگین نہ رہو" (ر) مولوی مقبول احمد صاحب شیعی لکھتے ہیں انہوں نے کہا کہ تم نہ ڈرو اور نہ رنجیدہ ہو" (س) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی کا ترجمہ: اور وہ بولے تو مت ڈر اور نہ غم کر۔ اس کے حاشیہ پر کاظمی صاحب موصوف لفظ سیئی۔ ذرعا اور سوء وغیرہ کے معانی کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ضَاقَ فُلَانٌ بِكَذَا۔ اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ وہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو اور اس سے نکلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو (بحوالہ لباب التاویل جلد ۳ ص ۱۹۸) (لغات القرآن نعمانی جلد ۳ ص ۱۴۴)

اور سامام راغب اصفہانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: سوء ہر وہ چیز ہے جو انسان کو غم میں ڈال دے خواہ دنیوی امور میں سے ہو یا اخروی امور سے۔ احوال نفسیہ میں سے ہو یا احوال بدنیہ میں سے یا ان حالات میں سے ہو جو جاہ ومال کے چھوٹ جانے اور دوست کے بچھڑ جانے سے پیدا ہوتے ہیں) لغوی معنی کی اس تفصیل اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کی تصریح سے ثابت ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو جو غم لاحق ہوا وہ اس مصیبت کی وجہ سے تھا جو فرشتوں کے بصورت لڑکوں کی شکل میں آنے پر قوم لوط کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کے سامنے تھی۔ جس پر فرشتوں نے فرمایا کہ ہمارے بارے میں آپ غم نہ کھائیں۔ اور موضوع بحث بھی یہی ہے کہ کسی مصیبت کی وجہ سے اگر غم لاحق ہو تو اس کو بڑھانا چاہیئے یا گھٹانا۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے ثابت ہوا کہ خواہ کیسی ہی مصیبت ہو غم کو دل سے نکالنا چاہیئے۔ اور یہ واضح طور پر آپ کے ماتم کی تردید ہے کیونکہ آپ کا ماتم غم حسین پر ہی مبنی ہے آپ

غم کو قیامت تک باقی رکھنا چاہتے ہیں اور غم کی مجالس اور غم کے جلوس نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غم کو باقی نہ رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ کیا آپ کا ماتم اور اس کا فلسفہ اس ارشادِ خداوندی کے خلاف ثابت ہوا یا نہ؟ سخن شناس نہ دلبرا خطا این جا است۔

رد ماتم کی آیت نمبر ۶

ہم نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں لکھا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم دیا۔ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (پ ۲۰ سورۃ القصص۔ ۲ ا) پس جب تجھ کو اپنے بچے کا ڈر ہو تو اس کو دریا میں ڈال دے اور نہ خوف کر اور نہ غم کھا ہم پھیر دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو پیغمبروں سے۔ یعنی چونکہ یہ تیرا بچہ پیغمبر ہونے والا ہے اسی لئے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کے جوانوں کی سرداری ملنے والی ہے اس لئے ان کے بارے میں کسی قسم کا غم کرنا ان کی شان کے لائق نہیں ہے (ص ۲۷)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: اس دلیل میں پورا قصہ نقل کرنے سے احتراز کیا گیا ہے اور صرف اپنے موقف یعنی غم نہ کرنے کو ثابت کرنے کے لئے آیت کا لفظی ترجمہ کر کے کہہ دیا گیا۔ تیرا بچہ پیغمبر ہونے والا ہے اس لئے کسی قسم کا غم کھانا مناسب نہیں۔ واہ واہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ماتم و مجلس کی ممانعت کی کیا خوب قرآنی دلیل ہے۔ اب یہ پورا واقعہ سنئے تاکہ آپ حضرات جان سکیں کہ مادرِ موسیٰ کو وہ کون سا خوف اور غم تھا جس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔" اس کے بعد مصنف موصوف سورۃ قصص کی دوسری آیات سے فرعون کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ کو یہ خوف لاحق ہوا اگر اس بچے کی خبر فرعون کو ہو گئی تو وہ اس کو قتل کر دے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى موسیٰ کی ماں کو وحی کی۔ اَنْ اَرْضِعِيْهِ۔ تم اس کو دودھ پلاؤ۔ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ۔ پھر جب تم کو فرعون کے جاسوسوں کے مطلع ہونے کا اندیشہ ہو تو فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ۔ اس کو دریا کے سپرد کر دو۔ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ پھر اس کے غرق ہونے کا اندیشہ نہ کرنا۔ نہ اس کی مفارقت پر غم کرنا۔ کیونکہ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ ہم ضرور اس کو تمہارے پاس پہنچا دیں گے وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ اور اس کو اپنا رسول بنائیں گے۔ آیت میں حضرت موسیٰؑ کی والدہ

کو حضرت موسیٰؑ کی سلامتی کی بشارت دی گئی ہے تاکہ مادر موسیٰؑ کو حضرت موسیٰؑ کے قتل یا غرق ہونے کا جو خوف ہے وہ دور ہو جائے۔ جب وہ خوف جس سے مادر موسیٰ رنجیدہ تھیں دور ہو گیا تو پھر کیسا خوف اور کیسا غم۔ اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السلام تو شہید کر دئے گئے ہاں اگر موسیٰؑ شہید ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو غم کرنے سے منع فرماتا تو آپ کہہ سکتے تھے۔ حسینؑ کے ماتم وارد۔ دیکھو۔ موسیٰؑ اللہ کے رسول تھے وہ شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا غم کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ لہٰذا تم بھی حسین کا غم نہ منایا کرو افسوس ؎

سخن شناس نہٕ دلبرا خطا اینجاست

الجواب (ا) آپ اور سخن شناسی۔ یہ دو تو بمشکل جمع ہو سکتے ہیں۔ اتنی لمبی چوڑی تقریر سے آپ کو کیا فائدہ پہنچا اور میرے استدلال کا آپ نے کیا جواب دیا۔ آپ نے جو یہ لکھ دیا:۔ مادر موسیٰ کو وہ کونسا خوف اور غم تھا جس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کی۔ یہی آپ کے خلاف ہے کیونکہ اس سے صراحتاً ثابت ہوا اور آپ نے بھی مان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا غم دور کرنے کے لئے وحی بھیجی تھی۔ اور یہی ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی قسم کا بھی غم لاحق ہو تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ غم کا باقی رکھنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اس کے خلاف آپ کا من گھڑت ماتمی فلسفہ یہ ہے کہ غم کو باقی رکھنا چاہیئے اور انسان ساری عمر رونے دھونے کے لئے ہی آیا ہے۔ لیکن آپ کا یہ فلسفہ اس حکمِ خداوندی کے تحت مردود ہے (ب) کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اپنے بچے کا غم معمولی تھا۔ ایک تو آپ کو اس کے قتل کا خوف تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَخَافِیْ۔ کہ خوف نہ کرنا اور پھر دریا میں ڈالنے کے بعد بچے کے ڈوبنے وغیرہ کی مصیبت کا غم لاحق ہونے والا تھا۔ اس لئے صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالنے کا حکم دینے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ اس کا غم بھی نہ کھانا۔ تو کسی مصیبت پر غم کھانا اگر پسندیدہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس سے منع کیوں فرماتے۔ (ج) آپ کا آخری نکتہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حضرت موسیٰؑ کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دینا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو غم کھانے سے منع فرما دیا اور امام حسین چونکہ شہید ہو گئے ہیں اس لئے ان کا غم ممنوع نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ کوئی علمی نکتہ نہیں بلکہ آپ کے غرائبات میں سے ایک غرابہ ہے جس کو آپ گاہے گاہے قارئین کی ضیافتِ طبع کے لئے پیش فرمایا کرتے ہیں۔ کیا آپ اتنا نہیں سمجھتے کہ اس وقت تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر ایک مصیبت طاری تھی اور اپنے ہاتھ سے انہوں

نے اپنے پیارے بچے کو دریا میں ڈالنا تھا۔ لیکن آئندہ چونکہ یہ مصیبت دور ہونے والی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی والدہ مکرمہ کے پاس واپس آنے کے بعد منصب رسالت پہ فائز ہونا تھا۔ اور یہ سب امور باعث مسرت ہیں اس لئے ان کے تصور کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو غم نہ کھانے کا حکم دے دیا۔ لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مصیبت تو ہم نے دیکھی ہی نہیں۔ شہادت حسین پر صدیاں گذر چکی ہیں۔ مگر ہمارا عقیدہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں یہ ہے کہ حضرت حسینؓ مقام شہادت پہ فائز ہو کر جنت کا رزق کھا رہے ہیں اور وہاں آپ کی روح مبارک کو کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ بھی تکلیف نہیں۔ اور صدیوں سے وہ جنت کی لذت سے بہرہ اندوز ہو رہے ہیں۔ جب حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو آئندہ کی متوقع خوشی کی بنا پر غم نہ کھانے سے منع فرما دیا۔ تو حضرت حسینؓ کی یقینی خوشی اور راحت کی بنا پر ہمارے لئے اب غم والم کا کیا موقع ہو سکتا ہے۔ جب دوران مصیبت غم نہ کھانے کا حکم خداوندی ثابت ہے تو مصیبت ختم ہونے کے بعد ہمارے لئے غم کھانا کیونکر جائز ہو جائے گا۔ اسی بنا پہ تو میں نے آپ کے ماتمی دلائل کی بحث نمبر ا میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے تذکرہ میں یہ سوال پیش کیا تھا کہ مصر کے تخت سے جنت کا مقام تو اعلیٰ درجہ رکھتا ہے۔ کیا ماتمیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنتی ہونے اور وہاں خوشیاں منانے کا یقین نہیں آتا اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جنت میں بھی وہ مصیبت میں ہیں؟ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے صے) (د) آپ کا یہ نکتہ کہ ہاں اگر موسیٰؑ شہید ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی والدہ کو غم کرنے سے منع فرماتا تو آپ کہہ سکتے تھے کہ حسینؓ کے ماتم وارد الخ۔ ہمیں تو یقین نہیں آتا کہ آپ اس صورت میں بھی اپنے ماتم سے باز آ جاتے۔ کیونکہ جب سورۃ آل عمران کی مذکورہ آیت کی بحث کے سلسلہ میں سورۃ النحل پارہ ۱۴ کی آخری آیت ولاتحزن علیہم سے یہ ثابت کر چکا ہوں کہ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہدائے احد کا غم کھانے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا حسب ذیل ترجمہ بھی بطور اتمام حجت پیش کر دیا (اور ان (شہدائے احد) کے متعلق رنج نہ کر) لیکن پھر بھی آپ اس حکم خداوندی کے خلاف اپنے ماتم پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اس کو نہ صرف جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں تو کیا آپ کا موجودہ قرآن پر ایمان بھی ہے یا کہ نہیں۔؟ کسی شاعر نے آپ جیسوں کے سمجھانے کے لئے کیا خوب کہا ہے۔ ~

حسینؓ زندہ ہیں جنت میں چین کرتے ہیں ، حسد ہے ان سے جنہیں شور وشین کرتے ہیں
خوشی سے ان کی جو خوش ہیں وہ غم سے ہیں آزاد   جو اس سے جلتے ہیں۔ دن رات بین کرتے ہیں

رد ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۷

ماتمی ٹریکٹ کے جواب میں ایک آیت بھی پیش کی گئی تھی:- الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔
بردار- اولیاء اللہ کی شان ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔ عبادت تو اولیاء اللہ کی
وحانی غذا ہوتی ہے۔ اگر غم و ماتم بھی عبادت ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولا ہم یحزنون نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے
ہ اولیاء وہ ہیں جو غم کی یادگاریں منانے والے ہیں" (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص ۲۸)

اس کے جواب الجواب میں نکتہ شناس مصنف لکھتے ہیں: مذکورہ بالا آیت سے مابعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ
رماتا ہے:- الذین آمنوا وکانوا یتقون۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے
ہم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ۔ بشارت ہے ان لوگوں کے لئے دنیا و آخرت
آخرت میں" ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ بشارت ہے اولیاء اللہ کے لئے کہ قیامت کے دن ان کو نہ کوئی
خوف ہوگا اور نہ وہ محزون (رنجیدہ) ہوں گے۔ بتایئے۔ اس آیت میں حضرت امام حسینؓ کی یادگار غم منانے
کی ممانعت کہاں ہے۔ یہ تو وہی بات ہے کہ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ ؎

سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا   ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

الجواب (۱) چونکہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ ماتم کرنا عبادت ہے اس کا مبنیٰ غم مصیبت حسینؓ ہے۔ اس
لئے میں نے اس آیت سے غم و ماتم کے عبادت نہ ہونے پر استدلال کیا ہے اور میں نے تصریح کر دی ہے کہ:
اگر غم و ماتم بھی عبادت ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کی شان میں ولا ہم یحزنون نہ فرماتے بلکہ یہ فرماتے کہ اولیاء اللہ وہ ہیں
جو غم کی یادگاریں منانے والے ہیں" لیکن اس کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ بلکہ آپ نے تو صرف یہ لکھا ہے کہ
اس بشارت کا تعلق قیامت سے ہے کہ اس دن ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ محزون ہوں گے۔ (۲) مجھے اس
پر اصرار نہیں ہے کہ اس آیت میں نفی حزن کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے۔ لیکن اس کی مراد میں مفسرین کا
اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کو خوف و غم نہیں ہوتا۔

چنانچہ (ا) مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی لکھتے ہیں : بعض نے فرمایا ہے کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی اور ہمیشہ اللہ کے ساتھ مشغول رہنے کا۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شے کے فوت ہونے کا غم ہوتا ہے۔" (خزائن العرفان فی تفسیر القرآن)

(ب) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں : "خوف سے خوف حق اور غم سے غم آخرت مراد نہیں ہے بلکہ دنیوی خوف و غم کی نفی مراد ہے جس کا احتمال مخالفت اعداء سے ہوسکتا ہے وہ مومنین کاملین کو نہیں ہوتا۔ ہر وقت ان کا اللہ پر اعتماد ہوتا ہے۔ ہر واقعہ کی حکمت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اسی میں مصلحت سمجھتے ہیں" نیز لکھتے ہیں : "اور خوف و حزن سے ان کے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی من جانب اللہ خوف و حزن سے بچنے کی خوشخبری ہے۔" (تفسیر بیان القرآن)

(ج) علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں : "بعض مفسرین نے آیت کو کچھ عام رکھا ہے۔ یعنی ان پر اندیشہ ناک حوادث کا وقوع نہ دنیا میں ہوگا نہ آخرت میں اور نہ کسی مطلوب کے فوت ہونے پر وہ مغموم ہوتے ہیں۔ گویا خوف سے خوف حق یا غم سے غم آخرت مراد نہیں" ہم کہتے ہیں کہ غم کی نفی کا تعلق دنیوی زندگی سے ہو یا اخروی زندگی سے، اولیاء اللہ کی اس صفت خاصہ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اس دنیوی زندگی میں بھی مخلوق کا خوف اور حزن غالب نہیں ہوسکتا۔ جس طرح ایک بہادر شخص پر دشمن کا خوف غالب نہیں ہوسکتا۔ گو بشری تقاضا کے تحت وقتی طور پر اس کو کچھ اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے متعلق ان کی شان کے مطابق قرآن میں بھی خوف کا لفظ مذکور ہے۔ اسی طرح صابر شخص پر بھی کسی عزیز و بزرگ کی جدائی یا قتل کی مصیبت کا غم غالب نہیں ہوتا۔ گو طبعی طور پر اس کو غم لاحق ہو جاتا ہے لیکن خوف و حزن دونوں حالتوں میں عوام و خواص ایک جیسے نہیں ہوتے۔ عوام کے دلوں پر پریشانی کا غلبہ ہو جاتا ہے لیکن خواص یعنی اولیاء اللہ کے قلوب مطمئن رہتے ہیں گو جسمانی تکلیف و اذیت ان کو بھی پہنچتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللهِ أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں۔ خبردار (آگاہ رہو) کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلوب کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔) اور جب کہ خارجی اسباب کا اثر اولیاء اللہ کے دلوں پر غالب نہیں ہوتا تو پھر مصائب کے بارے میں بھی ان کی یہی خصوصیت

ہوگی کہ ان پر رنج وغم غالب نہ ہو۔ لیکن ماتمی فلسفہ تو یہ ہے کہ مصائب کی وجہ سے جتنا مومنین پہ رنج وغم غالب ہو اور پھر وہ اس کے تقاضے سے دیواروں کے ساتھ ٹکریں ماریں تو وہ صابرین اور کاملین میں سے ہیں۔ حالانکہ امام الانبیاء المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی بھی غم غالب نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی آپ نے منہ پیٹا اور نہ سینہ کوبی کی۔ لہٰذا مومنین کا کمال یہی ہے کہ رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و کمالات سے ان کو زیادہ مناسبت ومشابہت نصیب ہو جائے۔ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (کیا ماتمیوں میں کوئی شخص بھی عقل وفہم رکھنے والا نہیں ہے؟)

(د) اور اگر انبیاء و اولیاء کو طبعی طور پر کسی موقع پر خوف وحزن لاحق ہوا بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کو دور کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ (۱) فرعون کے جادوگروں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (آپ مت ڈریں۔ آپ ہی غالب ہونے والے ہیں) (۲) حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو بھی فرمایا لَا تَخَفْ (آپ خوف نہ کریں) (۳) حضرت لوط علیہ السلام کو ارشاد ہوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ (آپ خوف بھی نہ کریں اور غم بھی نہ کریں) (۴) امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (آپ ان (شہداء) پر غم نہ کھائیں۔) (۵) اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو اولیاء اللہ سے افضل ہیں) فرمایا لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (اور سست مت ہو اور نہ غم کرو)

ان آیات میں انبیائے عظام اور صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوف یا غم نہ کرنے کے ارشاد سے ہر صاحب عقل وانصاف یہی نتیجہ نکالے گا کہ خوف وحزن گو طبعی حالتیں ہیں لیکن ان کا باقی رکھنا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے اور اگر آپ یا دوسرے ماتمی لوگ اپنے خود ساختہ نظریہ ماتم سے بلند تر ہو کر غور فرمائیں تو آپ بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو اتنا تو سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ نے خوف وحزن دونوں سے نہی فرمائی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ غم کے جلوس نکالتے ہیں اور مجالسِ غم قائم کرتے ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ مجالس خوف بھی قائم کریں اور ڈر اور خوف کے جلوس بھی نکالیں

ردّ ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۸

ہم نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں یہ بھی دلیل پیش کی تھی کہ : ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غار ثور

میں دشمنوں کی وجہ سے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق غم لاحق ہوا تو رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے یارِ غار سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (نہ غم کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے) سورۃ توبہ ع ۶۔ اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :۔ حضرت رسول اکرمؐ جیسے نورانی بزرگوار کا شبِ ہجرت بستی سے دور غارِ ثور میں پوشیدہ ہونا۔ ایسی حفاظتی تدبیر ہے جس کو آجکل (سول ڈیفنس) کی اصطلاح میں Refuge Room پناہگاہ کہتے ہیں۔ ایسی پناہگاہ میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی ثانی اثنین دشمنوں سے گھبرا جائے، جان کے خوف سے حزن و ملال کا شکار ہو جائے، جی ہار بیٹھے، دل چھوڑ دے، وہاں سوائے لَا تَحْزَنْ کے اور کہا بھی کیا جاسکتا ہے۔ گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں، جان کے خوف سے رونے والے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمؐ کا ارشاد لَا تَحْزَنْ حضرت امام حسین علیہ السلام کے گریہ و ماتم کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل کیسے بن گیا؟ ؏ نہ سوچو گے تو پھر سوچو گے تم یہ چیستان کب تک

(فلاح الکونین ص ۵۶)

الجواب (۱) آپ نے لَا تَحْزَنْ کے تحت جو کچھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف لکھا ہے اس سے تو ثابت ہو گیا کہ آپ کو بغض حضرت ابوبکرؓ سے نہیں بلکہ دراصل قرآن عظیم سے ہے اور آپ اس طرح سے کتاب اللہ سے عوام کا اعتماد اٹھانا چاہتے ہیں اور نہ صرف حضرت صدیقؓ بلکہ ان انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی لوگوں کو بدظن کرنا چاہتے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے لَا تَحْزَنْ فرمایا ہے۔ اس لئے کہ (۱) لَا تَحْزَنْ کے معنی ہیں "نہ غم کر" اور ان الفاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو مخاطب فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نقل فرما دیا ہے تو اگر ان الفاظ کا منشاء وہی ہے جو حضرت ابوبکرؓ کے متعلق آپ لکھ رہے ہیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی لَا تَحْزَنْ فرمایا ہے اس کا حال وہی تھا جو حضرت ابوبکرؓ کا تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط پیغمبر علیہ السلام سے بھی فرمایا کہ لَا تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ (نہ خوف کر اور نہ غم کھا) حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے بھی حزن کا لفظ ہی مذکور ہے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ (اور آپ کی آنکھیں حزن و غم کی وجہ سے سفید ہو گئیں۔) بلکہ خود نبی کریمؐ کو بھی فرمایا لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ (پارہ ۱۴ رکوع آخری) (آپ ان یعنی شہدائے اللہ پر غم نہ کھائیں) اور جنگ احد

کے بعد تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا لَا تَہِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا (نہ سستی کرو اور نہ غم کرو)
تو اگر آپ کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ کو لَا تَحْزَنْ فرمانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو انتہائی خوف لاحق
تھا، جی ہار بیٹھے اور دل چھوڑ بیٹھے تھے تو حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت لوطؑ، صحابۂ کرامؓ حتیٰ کہ سرورِ کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی آپ کا یہی خیال ہوگا کہ نعوذ باللہ جی ہار بیٹھے اور دل چھوڑ بیٹھے تھے وغیرہ کیونکہ
اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی لا تحزن سے خطاب فرمایا ہے اور آپ کے باطن میں تو یہی مرض پوشیدہ ہوگا لیکن بظاہر حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نشانہ بنا کر دشمنانِ قرآن کو ایک راستہ بتلا دیا ہے کہ جس کو بھی لا تحزن کہا جائے اس کو حضرت
ابوبکرؓ کی طرح عیب دار سمجھو اور ایسے شخص کو کسی طرح بھی اللہ تعالیٰ کا مقبول و محبوب باکمال بندہ نہ سمجھو (ب) حضرت
ابوبکرؓ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ گاہ میں تھے لیکن انبیائے کرام اور بالخصوص رسول کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ
علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کی پناہ گاہ میں تھے پھر ان کو کیوں خوف لاحق ہوا جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو بھی لا تحزن
فرمانا پڑا (ج) آپ نے علمی بددیانتی کی بنا پر حضرت صدیقؓ پر بہتان تراشی کی ہے کیونکہ آیت میں
تو لا تحزن کے الفاظ ہیں جن کا معنی ہے "غم نہ کر" لیکن آپ نے اس کا مطلب یہ نکال لیا کہ "ڈرمت" فرمایئے کیا غم
اور خوف ایک ہی حالت کا نام ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی سے ڈرتا ہو تو کیا اس کو یہ کہا جاتا ہے کہ غم مت کر
ڈرنا اور غم کرنا تو دو جدا جدا حالتیں ہیں۔ اگر صدیق اکبرؓ کے دل میں دشمنوں کا خوف ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو بھی
لَا تَخَفْ فرماتے کہ آپ خوف نہ کریں۔ کیا اللہ تعالیٰ کو بھی حضرت ابوبکرؓ کے دل کا حال معلوم نہ ہوا تھا یا اللہ تعالیٰ
کو لفظِ خوف کا استعمال کرنا نہ آتا تھا کہ بجائے لا تخف کے لا تحزن فرما دیا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے
تو حضرت ابوبکر کے دل کی حالت غم کو لَا تَحْزَنْ ہی سے بیان فرمایا اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی
حضرت ابوبکرؓ کے غم کا ادراک کر کے لَا تَحْزَنْ ہی فرمایا۔ لیکن آپ ایسے ماتی ہیں کہ رب العالمین اور رحمۃ للعالمین
صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کے خلاف حضرت ابوبکر صدیقؓ پر فردِ جرم لگا رہے ہیں کہ ان کو غم محبوب نہ تھا بلکہ دشمنوں کی وجہ
سے اپنی جان کا خوف لاحق تھا۔ کیا محبتِ امام حسین اور غمِ شہادتِ حسین کا یہی تقاضا ہے کہ کلام اللہ کی معنوی تعریف
کی جائے اور مقبولانِ خداوندی پر بہتان تراشیاں کی جائیں؟ کیا ایمان بالقرآن اسی کا نام ہے۔ کیا آپ ان آیات کا
مصداق نہیں۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا

کانوا یکذبون ہ ان کے دلوں میں بیماری ہے سو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری اور بھی بڑھا دی ہے اور ان کیلئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے لیکن آپ کا جواب آسان ہے ۔

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا　　　نفیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

لاتحزن کا معنی زیر بحث پوری آیت یہ ہے۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (سورۃ توبہ رکو ۶) (۱) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب شیعی مفسر نے یہ لکھا ہے: "اگر تم رسول خدا کی مدد نہ کرو گے تو کچھ پرواہ نہیں) اللہ نے تو اس کی مدد ایسے وقت کی تھی جب کہ ان لوگوں نے جو کافر ہو گئے تھے اسے ایسی حالت میں نکالا تھا کہ وہ دو میں کا دوسرا تھا۔ جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کر۔ بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے پس اللہ نے اپنے رسول پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے ان کو مدد پہنچائی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو اس نے پست کر دیا اور اللہ ہی کا بول بالا رہا۔ اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے" (ترجمہ مقبول) (۲) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی مفسر شیعہ نے لاتحزن کا ترجمہ "غم نہ کر" کیا ہے (۳) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ یہ ہے "تم کچھ غم نہ کرو" اور تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: اس میں قصہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے یہ غار مکہ معظمہ سے قریب ہے اس میں آپ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ تین روز تک رہے۔ کفار آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک قائف یعنی نشان شناس کے تبلانے سے اس غار تک پہنچے اس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ کی وجہ سے فکر ہوئی آپ نے ان کی تسلی کی لاتحزن ان اللہ معنا چونکہ دہن غار پر عنکبوت (یعنی مکڑی) نے جالا بنا رکھا تھا اس لئے کفار کو شبہ نہیں ہوا سب لوٹ گئے۔ اور اس قائف کو بے وقوف بنایا پھر آپ وہاں سے نکل کر مدینہ طیبہ روانہ ہوئے الخ (تفسیر بیان القرآن) (۴) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے: جب کہنے لگا اپنے رفیق کو تو غم نہ کھا، علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مجوف چٹان ہے جس میں داخل ہونے کا راستہ صرف ایک تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا۔ صرف لیٹ کر داخل

جو نا مکمن تھا۔ اول حضرت ابو بکرؓ نے اندر جا کر اسے صاف کیا۔ سب سوراخ کپڑے سے بند کئے کہ کوئی کیڑا کانٹا
نہ گزند پہنچا سکے ایک سوراخ باقی تھا اس میں اپنا پاؤں اڑا دیا۔ سب انتظام کر کے حضورؐ سے اندر تشریف لانے
کو کہا آپ صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابو بکرؓ کا پاؤں ڈس لیا
مگر صدیق پاؤں کو حرکت نہ دیتے تھے مبادا حضورؐ کی استراحت میں خلل پڑے۔ جب آپ کی آنکھ کھلی اور قصہ
معلوم ہوا تو آپ نے لعاب مبارک صدیق کے پاؤں کو لگا دیا۔ جس سے فوراً شفا ہو گئی۔ ادھر کفار "قائف"
کو ہمراہ لے کر جو نشان ہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا حضور کی تلاش میں نکلے۔ اس نے غار ثور تک نشان قدم
کی شناخت کی مگر خدا کی قدرت کہ غار کے دروازہ پر مکڑی نے جالا تن لیا اور جنگلی کبوتر نے انڈے دے دیئے۔ یہ دیکھ
کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم
ہوتا ہے اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح و سالم رہ سکتے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ کو اندر سے کفار
کے پاؤں نظر پڑتے تھے انہیں فکر ہوئی کہ جان سے زیادہ محبوب جس کے لئے سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں
کو نظر نہ پڑ جائیں گھبرا کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر کی تو ہم کو
دیکھ پائیں گے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کا تیسرا اللہ ہے یعنی جب اللہ ہمارے
ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت سکون و اطمینان حضور کے
قلب مبارک پر اور آپ کی برکت سے ابو بکر کے قلب مقدس پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت و
تائید کی الخ (۵) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ جب اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا
بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن مجید میں صرف اتنا ہی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ
سے فرمایا۔ لاتحزن۔ اور اس کا معنی مفسرین نے یہی بیان کیا۔ کہ غم نہ کھا، افسوس نہ کر۔ اور حزن کا لغوی معنی غم ہی ہے

ماتمی مصنف کی کج فہمی

لیکن ماتمی مصنف اس سے رونا دھونا مراد لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔ اگر حزن
کے معنی غم و اندوہ (رونا۔ دھونا) نہیں تو پھر آپ بتائیں کہ آپ نے یہ دلیل
گریہ و بکا کی ممانعت میں کیوں پیش کی۔ (فلاح الکونین صد ۱۲۳) آپ کی یہ کتنی بڑی جہالت یا تلبیس ہے۔ کہ حزن کا معنی
تو کرتے ہیں غم و اندوہ۔ لیکن بریکٹ میں اس سے مراد لیتے ہیں (رونا۔ دھونا) حالانکہ رونے کے لئے لفظ بکا

ہے۔ نہ کہ حزن۔ حزن صرف غم کو کہتے ہیں جو دل میں ہوتا ہے۔ اور رونا دھونا اس کے لئے لازم بھی نہیں۔
بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے دل میں غم و اندوہ ہوتا ہے لیکن وہ روتا نہیں۔ اس لئے قرآن مجید کے الفاظ لاتحزن سے حضرت ابوبکر کا رونا ثابت نہیں ہوتا رہ۔ میں نے یہ آیت ماتم کی تردید کے لئے اس لئے پیش کی تھی۔ کہ آپ کے ماتم کی بنیاد ہے شہادت حسین کی مصیبت کا غم و اندوہ تو جب اللہ تعالیٰ غم باقی رکھنے سے ہی منع فرمارہے ہیں جو بنیاد ماتم ہے تو ماتم کی ممانعت بھی اس سے ثابت ہو گئی۔ کیا کوئی عمارت بغیر بنیاد کے کھڑی ہو سکتی ہے۔ جب قرآن عظیم نے ماتم کی بنیاد ہی گرا دی تو پھر باقی محل خود بخود برباد ہو گیا (۲) آپ نے جواب الجواب میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے رونے کے ثبوت میں مدارج النبوت کی عبارت کا ایک حصہ پیش کیا ہے یہاں ہم اس کے علاوہ باقی عبارت بھی پیش کرتے ہیں:۔ غرضیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ راتوں رات اس نشیبی کھڑکی کی راہ سے نکلے جو حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں تھی اور اب تک وہ مکان اور کھڑکی قائم ہے جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ اس کے بعد دونو غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے سیدہ عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نہایت سرعت اور جلدی میں سامان سفر اور زاد راہ تیار کیا تھا ہمارے پاس اس وقت ایسی کوئی ڈوری نہ تھی جس سے زاد راہ کو باندھتے۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنا کمر بند کھولا۔ عرب کی عورتوں کی عادت ہے کہ وہ تہبند کے اوپر کمر بند باندھتی ہیں پھر اس کمر بند کے دو ٹکڑے کئے ایک سے توشہ دان کا دہانہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے سے کمر باندھی اس بنا پر ان کو ذات النطاقین یعنی دو کمر بند والی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کو جو جوان اور عقلمند و ہوشیار تھے اس پر مقرر کیا کہ وہ دن تو قریش کے پاس گذاریں اور رات کے وقت غار ثور میں آکر کفار کی خبریں پہنچایا کریں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں پانچ ہزار درہم رکھا کرتے تھے جن کو انہوں نے ساتھ لے لیا اور راہ میں جائے پناہ کے مقام تک کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلتے تھے منقول ہے کہ راہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس مجروح ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور غار ثور کے دہانہ تک لائے۔ غار ثور میں حضرت صدیق پہلے داخل ہوئے تاکہ کوئی آفت اور تکلیف حضورؐ کو نہ پہنچے کیونکہ حشرات الارض اس غار میں رہا کرتے ہیں اس کے بعد حضرت صدیقؓ نے

احتیاط کے ساتھ اپنی قیمتی چادر مبارک پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا غار میں اندھیرا تھا صرف ایک سوراخ رہ گیا اور چادر کا کپڑا ختم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے پاؤں کی ایڑی مضبوطی سے لگا دی اور عرض کیا یا رسول اللہ اندر تشریف لے آیئے۔ حضور اندر تشریف لے آئے اور اپنا سر مبارک حضرت صدیقؓ کے زانو پر رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاؤں پر ڈسنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے نہ اف کی اور نہ جنبش کی مبادا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں اور نیند میں خلل واقع نہ ہو جائے مگر شدت تکلیف سے آنکھوں سے آنسو نکل کر حضور کے چہرۂ انور پر گرے جس سے حضور بیدار ہو گئے۔ حضور نے فرمایا۔ ابا بکر لا تحزن ان اللہ معنا۔ اے ابوبکرؓ غم نہ کر بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے اس کے بعد حق تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا اور ان کے دل میں آرام و قرار پیدا ہوا اور پھر سانپ اور بچھوؤں نے کچھ نقصان نہ پہنچایا حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا غار میں جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہ رہا ہے تو مجھے رونا آ گیا کیونکہ میں جانتا تھا کہ حضور کو اتنی محنت و مشقت کی عادت نہیں ہے (مدارج النبوۃ حصہ دوم ص ۹۰ مصنف شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ) اس عبارت میں سے آپ نے صرف یہ ٹکڑا پیش کیا ہے۔ سانپ اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاؤں پر ڈسنا شروع کر دیا ...... یا ابا بکرؓ لا تحزن ان اللہ معنا: اس پر آپ لکھتے ہیں کہ اگر ہم کسی کو سانپ کے کاٹنے اور بچھو کے ڈسنے کی بنا پر مجالس ماتم قائم کرتے تو قرآن کریم کی آیت لاتحزن کی رو سے یہ مجالس ماتم ناجائز ہوتیں ...... ایسی تکلیف پر رونا تو بچوں کا کام ہے۔ بڑے بوڑھوں کو اگر اس طرح کی کوئی تکلیف پیش آ جائے تو ان کے لئے صبر کرنا لازم ہے (فلاح کونین ص ۱۳۱) الجواب: (۱) وسانپ اور بچھو کاٹ رہے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے نہ اُف کی اور نہ حرکت کی کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں۔ کیا بچوں کا صبر و ضبط ایسا ہی ہوتا ہے اگر آپ جیسے ہوتے تو ماتم کرتے ہوئے غار سے باہر بھاگ جاتے رہے: آپ نے یہ بھی مان لیا کہ بڑوں بوڑھوں کو اس موقعہ پر صبر لازم ہے یعنی صبر کا تقاضا یہ ہے کہ رویا بھی نہ جائے۔ لہذا منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا تو یقیناً صبر کے خلاف ہو گا پھر آپ کے بڑے بوڑھے کیوں ماتم کرتے ہیں (ج) حضرت صدیق کی آنکھوں سے سانپ بچھوؤں کے ڈسنے کی وجہ سے

آنسو نکلنا یہ بے صبری کی بالکل دلیل نہیں بے صبری ہوتی تو پھر اُف اور حرکت تک نہ کرنے کا مطلب کیا ہے اس طرح اتنی شدید تکلیف میں آنسو نکلنا ایک غیر اختیاری طبعی اثر ہے جو کمال صبر کے بھی خلاف نہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہیں کہ پیاز کاٹنے سے بھی آدمی کے آنسو نکل آتے ہیں کیا یہ بھی بے صبری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ رد) بعد میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت صدیق کے رونے کی بحوالہ حدیث یہ وجہ بھی لکھ دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخمی پاؤں مبارک سے خون بہتا دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ کو رونا آگیا۔ لہٰذا ان دونوں وجہوں کی بنا پر آپ کا یہ نظریہ تو باطل ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ دشمنوں کے خوف سے روئے تھے جیسا کہ آپ نے شروع میں بطور طعن پیش کیا۔ (۲) مدارج النبوۃ کی پوری عبارت سے تو حضرت صدیق کا انتہائی عشق ثابت ہوتا ہے (ل) حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی کھڑکی سے ہی رسول اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے (ب) حضرت عائشہؓ اور ان کی بڑی بہن حضرت اسماء نے فوراً زاد سفر تیار کیا اور حضرت اسماء نے اپنا کمر بند پھاڑ کر استعمال کیا۔ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ بھی رازدارانہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روزانہ کفار کی خبریں پہنچاتے تھے۔ تو یہ سارا کنبہ رحمۃ للعالمین کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ کیا خوب دشمنی ہے۔ (ج) راہ میں حضرت ابوبکر نے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کاندھے پر اٹھا لیا۔ اور یہ ماتمیوں کے نظریہ میں سخت عداوت ہے۔ (د) غار میں پہلے خود گئے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گزند سے محفوظ رہیں (س) اپنا کپڑا پھاڑ کر سوراخ بند کئے اور ایک سوراخ میں اپنی ایڑی رکھ دی تاکہ کوئی سانپ بچھو آئے تو پہلے ان کو کاٹے۔ کیا ہی بغض و عناد کا مظاہرہ ہے؟ (س) آخر سانپوں اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکر کو ڈسنا شروع کر دیا اور آپ نے اُف تک نہ کی، کتنی کمزوری اور بے صبری ہے کیا ماتمی صاحبان بھی اپنے کسی مذہبی دشمن کے ساتھ یہی سلوک کیا کرتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ . . . جو واقعہ غار حضرت صدیق کے کمالِ عشق و محبت پر قطعی دلیل تھا اور اسی بنا پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے إِنَّ اللهَ مَعَنَا فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونو کے ساتھ ہے اس واقعہ کو یاراں ماتم نے حضرت ابوبکرؓ کی دشمنی اور بے صبری کی دلیل بنا دیا۔ آخر اس کج فہمی اور بیجا بغض و عناد کا کیا علاج!

"یار غار خواجہ فریدالدین عطار کی نظر میں"

خواجۂ اول کہ اول یار اوست　　　　ثَانِیَ اثْنَیْنِ إِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اوست

چوں سکینہ شد زحق منزل بردو گشت مشکلہائے عالم حل بردو

مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے واقعہ غار کے متعلق کیا خوب لکھا ہے وہ فرزندان اسلام جن کی بیکسی کبھی حبش کی مسیحی سرزمین پر سر چھپانے پر مجبور ہوئی تھی۔ اب کفر کی آنکھ بچا کر دارالاسلام مدینے کا عزم کرتے ہیں اور آخر میں ان کا سردار ملائکہ مقربین کی مدد سے دشمنان دین سے قاتلانہ منصوبوں کو زک دے کر رات کی تاریکی میں اپنے نئے وطن کی طرف ہجرت کر جاتا ہے۔ اس سفر میں اس کے صرف دو رفیق ہیں ایک صدیق اکبر دوسرا رب اکبر۔

شان نزول

یہ آیت غزوہ تبوک کے کس موقعہ پر نازل ہوئی ہے اس کے متعلق مولانا اشرف علی صاحب تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ تبوک ایک مقام ہے ملک شام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ و غزوہ حنین وغیرہ سے فارغ ہوئے آپ کو خبر معلوم کہ روم کا نصرانی بادشاہ مدینہ پر فوج بھیجنا چاہتا ہے۔ اور فوج تبوک میں کہ اس کی عملداری کے حدود میں ہے جمع کی جاوے گی۔ آپ نے خود ہی قصد سفر کے مقابلہ کے لئے فرمایا اور مسلمانوں میں اس کا اعلان عام کر دیا۔

چونکہ وہ زمانہ گرمی کی شدت کا تھا مسلمانوں کے پاس سامان بہت کم تھا اور سفر بھی دور دراز کا تھا اس لیے اس غزوہ میں جانا بڑی ہمت کا کام تھا اس لئے ان آیات میں اس کی بہت ترغیب دی گئی ہے اور چونکہ منافقین بوجہ عدم ایمان و عدم اخلاص کے اس میں طرح طرح کے بہانے پیش لائے اور ان کی طرح طرح کی خباثتیں ظاہر ہوئیں اس لئے ان آیات میں ان پر بھی بہت تشنیع ہوئی ہے غرض آپ اس مقام تبوک تک تشریف لے جا کر لشکر نصاریٰ کے منتظر رہے مگر وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ ان کا حوصلہ نہ پڑا اور آپ وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہ کر خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ رجب ۹ھ میں ہوا۔ (تفسیر بیان القرآن) (۲) مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر لکھتے ہیں: تفسیر قمی میں ہے کہ اس غزوہ کے موقعہ پر لوگوں کی سستی کا باعث یہ تھا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سفر اس سے زیادہ طویل اور اس سے زیادہ سخت نہیں کیا تھا اور وجہ اس غزوہ کی یہ تھی کہ موسم گرما میں شام کی طرف سے مدینہ منورہ میں مخلوط النسل لوگوں کا ایک قافلہ بغرض تجارت آیا کرتا تھا۔ اس سال میں لوگوں نے یہ خبر پھیلائی کہ اہل روم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر رہے ہیں

اور ان کے بادشاہ ہرقل نے اپنے بہت سے لشکر اور اپنے ماتحت قبائل ممالک بلقا میں بھیج دیئے ہیں اور خود حمص میں آگیا ہے پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کو جنگ تبوک کی تیاری کے لئے حکم دیا" (حاشیہ ترجمہ مقبول)

آیت غار سے فضائل صدیق رضی اللہ عنہ کا ثبوت

مذکورہ آیت کے ترجمہ اور شان نزول سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) اللہ تعالیٰ منافقین کو تنبیہ فرمارہے ہیں کہ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت نہیں کرو گے تو اس کا وبال تم پر ہی آئے گا۔ ورنہ رسول اللہ علیہ وسلم کی مدد اور نصرت کرنے پر اللہ تعالیٰ قادر ہے (۲) جیسا کہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی مدد فرمائی تھی جبکہ کافروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ شریف سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا (۳) جب کافروں کی شدید مخالفت کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی مکہ کو چھوڑا اور غار ثور میں پناہ لی تو اس وقت آپ کے ساتھ ایک دوست بھی تھا اور غار میں صرف یہی دو نو ساتھی تھے اور گو یہاں نام نہیں ہے لیکن مخالفین بھی یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ ہی تھے۔ اور خود مصنف فلاح الکونین نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے اس سے اہل انصاف یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یہ غار کے ساتھی یعنی حضرت ابو بکر صدیق یقیناً مومن ہیں کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر سے کافر ہی نکالیں اور پھر نعوذ باللہ حضور کفار کی پارٹی میں سے ہی ایک مخالف شخص کو اس مشکل ترین اور رازدارانہ سفر میں اپنا رفیق بنالیں اور حضرت ابو بکر کو ساتھ لینے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت ابو بکر انتہائی وفادار بھی تھے اور قوی القلب بہادر بھی۔ ورنہ ایسے نازک موقعہ پر کوئی سمجھ دار آدمی ایسے شخص کو ساتھ نہیں رکھتا جو بزدل بھی ہو اور اس کی وفاداری بھی مشکوک ہو۔ (۴) چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علم ازلی کی بنا پر یہ معلوم تھا کہ سفر ہجرت میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رفیق خاص کو بھی مخالفین اپنے بغض و عناد کی بنا پر مطعون کریں گے اس لئے آیت میں لصاحبہٖ فرمایا یعنی حضرت ابو بکر صاحب رسول ہیں نہ کہ دشمن رسول۔ اس کا مخالفین یہ جواب دیتے ہیں کہ غار میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے سے حضرت ابو بکر کا مومن ہونا ثابت

نہیں ہوتا جس طرح ان دو قیدیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ قید خانہ میں رہنے کی وجہ سے جن خوابوں کی تعبیر بتائی تھی مومن لازم نہیں آتا۔ حالانکہ وہاں بھی لفظِ صاحب جن کا ذکر ہے یا صاحبی السجن

اے میرے قید خانے کے ساتھیو۔ آیا جدا جدا پروردگار اچھے ہیں یا خدائے یکتا" ترجمہ مولوی مقبول احمد مولوی فرمان علی صاحب شیعی کا ترجمہ یہ ہے :۔ اے میرے قید خانہ کے دونو رفیقو) اور مولوی امداد حسین صاحب کاظمی لکھتے ہیں :۔ اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو"۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ (۱) حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانہ کے ساتھیوں کو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف کا ساتھی نہیں فرمایا بلکہ قید خانہ کے ساتھی فرمایا۔ کیونکہ صاحبیؔ دراصل صاحبین ہے جو السجن کی طرف مضاف ہے اور اس اضافت کی وجہ سے صاحبین کا نون ساقط ہو کر صاحبیؔ رہ گیا یعنی دو ساتھی قید خانہ کے۔ اور برعکس اس کے آیت غار میں لِصاحبہ میں لفظ صاحب کی اضافت ضمیر کی طرف ہے اور ضمیر کا مرجع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ لہذا صاحبہ کا معنی ہے صاحب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ب) ان دو قیدیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام گھر سے ساتھی بنا کر نہیں لے گئے تھے بلکہ وہ تو اپنے اپنے جرم کی بنا پر قید خانہ میں ڈالے گئے تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر کو تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے بلا کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے ہمراہ لائے تھے اور حضرت صدیق نے اپنے عشق و محبت کی بنا پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھا کر ایک دشوار گذار اونچی پہاڑی کو طے کر کے غار ثور میں پہنچایا تھا چنانچہ شیعہ مصنف "حملۂ حیدری" میں بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ ؎

چنیں گفت راوی کہ سالار دیں — چوں سالم بحفظِ جہاں آفریں
ز نزدیک آں قوم پُر مکر رفت — بسوئے سرائے ابوبکرؓ رفت۔
پئے ہجرت او نیز استادہ بود — کہ سابق رسولش خبر دادہ بود
نبی بر درِ خانہ اش چوں رسید — بگوشش ندائے سفر در رسید
چوں بوبکرؓ زاں حال آگاہ شد — ز خانہ بروں رفت و ہمراہ شد
چوں رفتند چندیں بداماں دشت — قدوم فلک سا مجروح گشت
ابوبکر آں گاہ بر دوشش گرفت — دریں زیں حدیث است جائے شگفت
کہ در کس چناں قوت آمد پدید — کہ بارِ نبوت تواند کشید

ترجمہ:۔ راوی نے اس طرح روایت کی ہے کہ جب دین کے سردار اللہ تعالیٰ کی حفاظت سے سلامتی کے ساتھ اس پر فریب قوم سے نکل کر حضرت ابو بکر کے گھر پہنچے۔ تو وہ ہجرت کے لیے تیار تھے کیوں کہ حضور نے ان کو پہلے سے خبر دے دی تھی جب نبی کریمؐ حضرت ابو بکر کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر ہجرت کی آواز سنی اور اس حال سے آگاہ ہو کر اپنے گھر سے نکلے اور حضور کے ہمراہ ہو گئے۔ جب آپ نے تھوڑا سا سفر اس دشت کا طے کیا تو حضور کے قدم مبارک زخمی ہو گئے جو شب معراج میں آسمانوں پر پہنچے تھے۔ اس وقت حضرت ابو بکر نے حضور کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور یہ امر بہت ہی عجیب ہے کہ حضرت ابو بکر میں ایسی طاقت آگئی کہ آپ نے نبوت کا بوجھ اٹھا لیا۔

(۵) جہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اس غزوہ تبوک میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے میں سستی کر رہے تھے وہاں یہ بھی بتا دیا کہ حضرت ابو بکر تو ہرگز ان لوگوں میں شمار نہیں ہو سکتے کیونکہ آپ تو سالہا سال پہلے کے رفیق خاص ہیں اور آپ نے اس کٹھن مرحلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا جبکہ تمام کفار مکہ حضور کی گرفتاری اور قتل کے لئے کوششیں کر رہے تھے۔ اور آپ نے تن تنہا مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ صبر آزما سفر اختیار کیا۔ اور یہ وہ خصوصی فضیلت ہے جو تمام صحابہ کرام میں سے سفر ہجرت میں صرف حضرت ابو بکر صدیق کو ہی نصیب ہوئی۔ اسی لئے حق تعالیٰ نے لِصَاحِبِہٖ اور ثانی اثنین وغیرہ مبارک الفاظ سے بارگاہی خصوصی فضیلت کا اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ (۶) گو شب ہجرت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہی حضرت علی المرتضیٰ مکہ شریف میں بستر نبوی پر سوئے تھے اور بیشک یہ بھی حضرت علی کی وفاداری اور شجاعت کی دلیل ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے شب ہجرت میں حضرت علی کے بستر پر سونے کا واقعہ قرآن حکیم میں بیان نہیں فرمایا کیونکہ یہ ایک وقتی ضرورت کے لئے تھا — علاوہ ازیں کفار کی امانتیں جو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں وہ حضرت علی المرتضیٰ کے سپرد فرمائی گئیں تاکہ آپ وہ امانتیں ادا کر کے مدینہ منورہ کو ہجرت کریں لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کو صدیق اکبر کے سپرد کیا۔ تاکہ بحفاظت وہ اس امانت خداوندی کو مدینہ منورہ تک پہنچائیں اور گو کفار کی امانتوں کا جس کو امین بنایا گیا وہ بھی صدق و امانت میں ممتاز ہے لیکن

جس کے سپرد خود اللہ تعالیٰ کی امانت ہوئی وہی افضل امت ہے اور وہی افضل الخلفاء ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

خلافت صدیقی میں روم و شام کی فتوحات

(۷) اگر حضرت علی المرتضیٰ کو بستر نبوی پر سونے کی وجہ سے کوئی یہ نتیجہ لگائے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے کا اشارہ تھا تو یہ صحیح نہیں اور شاید اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غزوہ تبوک میں مدینہ منورہ میں شہر کی حفاظت اور امامت کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا لیکن رفیق ہجرت اور یار غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے اس تاریخی سفر پر اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ جہاں شاہ روم سے مقابلہ کی توقع تھی۔ تاکہ اس موقعہ پر بھی ثانی اثنین کی خصوصیت حضرت ابو بکر صدیق کو ہی نصیب ہو۔ اور چونکہ حضرت صدیق نے ہی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اول خلیفہ بننا تھا اس لئے آپ کو ہی اس سخت معرکہ میں لشکر اسلام کی قیادت کا تجربہ کرانا مقصود تھا۔ اور گو اس موقعہ پر قیصر شاہ روم مرعوب ہو گیا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر نہ آیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں صدیق اکبر کی وہ عظیم ثانی اثنین کی شخصیت ہے جنہوں نے اپنے قلیل اڑھائی سالہ دور خلافت میں فتوحات عراق کے علاوہ ہرقل قیصر روم کی حدود سلطنت کو بھی پامال کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ شاہ روم نے مسلمانوں کے مقابلہ میں لاکھوں کی تعداد میں فوج بھیج دی اور اس کا بھائی تھوڈرس رومی افواج کا سپہ سالار اعظم تھا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے مقابلہ میں مجاہدین اسلام کے مختلف لشکر بھیجے۔ ایک لشکر کے سالار حضرت یزید بن ابی سفیان تھے۔ دوسرا لشکر حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں تھا۔ تیسرے لشکر کے قائد حضرت عمرو بن العاص تھے اور چوتھے لشکر کے سالار حضرت شرجیل بن حسنہ تھے۔ ایک اسلامی لشکر حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں بھی تھا۔ ان تمام لشکروں کی کل تعداد تقریباً بیس ہزار تھی۔ آخر میں حضرت صدیق اکبر کے حکم سے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے۔ جو عراق کے محاذ کو چھوڑ کر شام کے محاذ پر تشریف لائے۔ اور رومی افواج کو شکست دے کر اجنادین کا عظیم معرکہ فتح کیا۔ اور بعض مورخین کے نزدیک رومیوں کے مقابلہ میں یرموک کی عظیم فتح بھی حضرت صدیق کے عہد خلافت میں ہی ہوئی تھی۔ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ حضرت صدیق نے جن اسلامی لشکروں کو رومیوں کے مقابلہ میں ترتیب دیا تھا ان کو مختلف راستوں سے روانہ کیا گیا تھا۔

اور حضرت یزید بن ابی سفیانؓ (جو حضرت امیر معاویہؓ کے بڑے بھائی ہیں) کو تبوک کے راستہ جانے کا حکم دیا تھا۔
اور یہ وہی مقام تبوک ہے جس کی نسبت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہ روم کے مقابلہ میں یہ سفر غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کا ذکر مشہور شیعی مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی آیت غار کی شان نزول میں ان الفاظ سے کیا ہے :- اس سال میں لوگوں نے یہ خبر پھیلائی کہ اہل روم جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر رہے ہیں اور ان کے بادشاہ ہرقل نے اپنے بہت سے لشکر اور اپنے ماتحت قبائل ممالک بلقا میں بھیج دیئے ہیں اور خود حمص میں آگیا ہے۔ پس جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کو جنگ تبوک کی تیاری کے لئے حکم دیا۔ (حاشیہ ترجمہ مقبول) تعصب سے بالاتر ہو کر مصنف فلاح الکونین بھی کچھ سوچیں کہ یہ جو افواہ پھیلی تھی کہ خود ہرقل شاہ روم حمص میں آگیا ہے یہ حمص وہی مقام ہے جہاں شام کی بہت بڑی چھاؤنی تھی اور حضرت صدیق اکبر کے اسلامی لشکروں کے مقابلہ میں رومیوں کے لشکروں کو ترتیب دینے کے لئے ہرقل شاہ روم خود حمص میں آگیا تھا۔ اور اس نے وہاں سے نوے ہزار فوج صرف حضرت عمرو بن العاص کے مقابلہ میں بھیجی تھی حالانکہ حضرت عمرو بن العاص کے پاس اس وقت زیادہ سے زیادہ سات آٹھ ہزار کا لشکر تھا تو جب آئندہ حضرت صدیق نے ہی ہرقل کے مقابلہ میں اسلامی لشکر بھیجنے تھے۔ اور ملک شام کی حدود میں پرچم اسلام لہرانا تھا تو پھر پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی یار غار کو ہی اس خصوصی سفر میں اپنے ساتھ رکھنا تھا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول کی حیثیت سے شاہ روم کا مقابلہ کرنا تھا اور چونکہ من جانب اللہ حضرت علی المرتضیٰ کے متعلق اول خلیفہ ہونے کا فیصلہ نہ تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ مطلوب نہ تھا کہ حضرت علی پہلے خلیفہ بنیں۔ اس لئے شاہ روم کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے صدیق اکبر کو ہمراہ لیا اور حضرت علی المرتضیٰ کو شہر کی حفاظت کے لئے اپنا نائب بنا دیا۔ اور اپنے ہونے والے جانشین اعظم کو اپنے ہمراہ لے گئے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ ثانی رسول اور نائب مطلق ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ قارئین کرام انصاف کریں کہ یہ وہی حضرت ابوبکر ہیں جن کو مصنف فلاح الکونین یہ لکھ رہے ہیں کہ غار میں دشمنوں کے خوف کی وجہ سے آپ دل چھوڑ گئے تھے اور جی ہار بیٹھے تھے۔ یہ حملہ در اصل ابوبکر پر نہیں اس ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے جنہوں نے حضرت علی پر بھی ترجیح دے کر حضرت

ابو بکر صدیق کو اس سفرِ ہجرت میں اپنا رفیق بنایا تھا۔ اور یہ وہی ابو بکر صدیق ہیں جو ہجرت کے اس سارے طویل سفر میں اللہ تعالیٰ کی وحی کے امین تھے کیونکہ اس دوران میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی وحی نازل ہوئی تھی اس کے براہ راست سننے والے صرف صدیق اکبر ہیں۔ اور اس خصوصیت میں بھی ان کے ساتھ اور کوئی صحابی شریک نہیں ہے۔

یارِ غار و یارِ مزار علامہ اقبالؒ کی نظر میں

من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب	گل ز خاکِ راہِ او چیدم بخواب
آں امنّ الناس بر مولائے ما¹	آں کلیمِ اول سینائے ما
ہمتِ اوکشتِ ملت را چو ابر	ثانیِ اسلام و غار و بدر و قبر
گفتمش اے خاصہ خاصانِ عشق	عشقِ تو سر مطلع دیوانِ عشق
پختہ از دستت اساسِ کارِ ما	چارہ فرما از پئے آزار ما
گفت تا کے در ہوس گردی اسیر	آب و تاب از سورۂ اخلاص گیر (رموز بیخودی)

(۶) یہ بھی عجیب فلسفہ امامت وخلافت ہے۔ کہ جس نے غزوہ تبوک کی تکمیل کی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسی ہرقل شاہ روم کے لشکروں کو شکست دی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آنا چاہتا تھا۔ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح جانشین اور امت کا امام اول نہ تسلیم کیا جائے۔ بلکہ اس کے ایمان میں بھی شک کیا جائے۔ لیکن جس نے ۲۴ سالہ خلافت ثلثہ کے بعد اپنے دورِ خلافت میں بھی ملک کفر میں سے کچھ بھی نہ فتح کیا ہو۔ اور بزعم شیعہ اپنی خلافت بلافصل بھی جھنوائی ہو اور ۲۴ سال کا طویل عرصہ یوں بے بسی اور

---

¹ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انّ امنّ الناس علیّ فی صحبتہ ومالہ ابو بکرؓ (بحوالہ صحیح بخاری ومسلم) بیشک تمام لوگوں میں سے اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکر ہیں۔

بیکسی میں گذارا ہو ۔ کہ بظاہر دشمناں اسلام کے مذہب کا ہی پیرو کار رہا ۔ اور اپنا سچا مذہب ظاہر کرنے کی بھی توفیق نہ ملی ہو (جس کو تقیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) تو ایسا شخص خواہ انفرادی علم و عمل اور زہد و تقویٰ میں کتنا ہی عظیم سمجھا جائے رحمت للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین اول اور خلیفہ فصل کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے بلکہ اس ماتمی نظریہ کی بنا پر تو حضرت علی المرتضیٰ اپنے عہد خلافت میں بھی برحق خلیفہ تسلیم نہیں کئے جا سکتے کیونکہ انہوں نے اپنے اقتدار میں بھی مذہب اہل سنت ہی پر عمل کیا اور وہ مذہب اہل بیت جس کو ماتمی گروہ اپنا سچا مذہب تسلیم کرتا ہے اس کی نہ تبلیغ کی اور نہ اس پر عمل کر سکے ۔ ماتمیوں کے عقیدہ کے پیش نظر کیا اس سے زیادہ کمزور اور ناکام خلیفہ کی مثال اسلامی تاریخ پیش کر سکتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیر خدا رضی اللہ عنہ کی عظمت شان بھی اس وقت تسلیم کی جا سکتی ہے جبکہ ان کو مذہب اہل سنت کے مطابق خلیفہ چہارم تسلیم کیا جائے ۔

دَورِ خلافت کی سچی تصویر (از مولانا حالیؒ)

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت ادا کر چکی فرض اپنا رسالت
تو اسلام کی وارث اک قوم چھوڑی کہ دنیا میں جس کی مثالیں ہیں تھوڑی
خدا اور نبی کے وفادار بندے یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے
جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
اگر اختلاف ان میں باہم دگر تھا تو بالکل مدار ان کا اخلاص پر تھا
خلیفہ تھے امت کے ایسے نگہبان ہو گلہ کا جیسے نگہبان چوپان
کنیز اور بانو تھی آپس میں ایسی زمانہ میں ماں جائے بہنیں ہوں جیسی
کیا امتوں نے جہاں میں اجالا ہوا جس سے اسلام کا بول بالا
زمانہ میں پھیلائی توحید مطلق لگی آنے گھر گھر سے آواز حق حق
رہی حق پہ باقی نہ بندوں کی حجت نبیؐ نے کیا خلق سے قصد رحلت
سب اسلام کے حکم بردار بندے سب اسلامیوں کے مددگار بندے

رہ کفر و باطل سے بیزار سارے	نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے	فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے
جھگڑنے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا	خلاف آشتی سے خوش آئند تر تھا
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں	نہ تھا عبد و حُر میں تفاوت نمایاں
رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی	شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
بتوں کو عرب اور عجم سے نکالا	ہراک ڈوبتی ناؤ کو جا سنبھالا۔

(۹) آیت غار کے الفاظ اِنَّ اللّٰہ مَعَنَا نے تو دشمنان صدیق کے مخالفانہ پروپیگنڈہ کی جڑ ہی کاٹ دی۔ چنانچہ خود مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے۔ بیشک اللہ ہم دونو کے ساتھ ہے (ترجمہ مقبول) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ عام معیت نہیں جو ہر انسان کو حاصل ہے۔ جیساکہ قرآن مجید میں فرمایا ھو معکم اینما کنتم (تم جہاں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے) کیونکہ یہ معیت (ساتھ ہونا) تو بوجہ خالق ہونے کے اللہ تعالیٰ کو اپنی ہر مخلوق کے ساتھ ہے۔ وہ ہر جگہ موجود ہے اور انسان کی شہ رگ سے بہ نسبت اس کے زیادہ نزدیک ہے بلکہ یہاں معیت (ساتھ ہونے) سے مراد اس کی خاص رحمت و مدد کا حاصل ہونا ہے جیساکہ فرمایا اِنَّ اللّٰہ مَعَ المتقین (بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے) (ب) اِنَّ اللّٰہ مَعَنَا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ دونو کے ساتھ ہے۔ تو اب اس معیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے اپنی خصوصی نصرت و رحمت کی وجہ سے اسی طرح حضورؐ کے طفیل حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی ہے اور چونکہ حضورؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ معیت ہمیشہ کے لئے ہے اس لئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ خاص معیت اللہ تعالیٰ کی حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ بھی ہمیشہ ہمیشہ تک کے لئے ہے اور صدیقی خلافت کی کامیابی بھی اسی خداوندی معیت کی وجہ سے ہی ہوئی ہے۔ اور معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی معیت میں بھی حضرت ابوبکرؓ ثانی اثنین ہیں اور آپ کو معیت ربانی کے کمالات میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ اور باقی امت کے اعتبار سے آپ اس میں اولی درجہ پر فائز ہیں۔ اب قارئین غور فرمائیں کہ قرآن عظیم میں اِنَّ اللّٰہ مَعَنَا کے اعلان کے بعد بھی کیا کوئی مومن حضرت

صدیقؓ کی نیت و وفاداری - صداقت و شجاعت میں شبہ کر سکتا ہے ع - نہ سوچو گے تو پھر سوچو گے نم پڑا انساں کر تک

مفسّرین شیعہ کی پریشانی

شیعہ علماء کے لئے یہ آیت غار سخت پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے اس لئے اس میں طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں ان کے بیانات بھی متضاد ہیں (ل) مصنف فلاح الکونین تو یہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ پر کفار کا خوف طاری ہو گیا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَحْزَن فرمایا - لیکن یہ ایک بہتان ہے جو الفاظ قرآن سے ثابت نہیں ہو سکتا - جس کی تفصیل گذر چکی ہے (ب) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی لکھتے ہیں کہ :- "خداوند تعالیٰ نے یہاں لَا تَحْزَنْ فرمایا لَا تَخَفْ نہیں فرمایا - حزن اس امر پر افسوس کرنے کو کہتے ہیں جو ہاتھ سے نکل گیا ہو اور خوف آنے والے واقعات کے متعلق ہوا کرتا ہے - دیکھو تفسیر بیضاوی اہل سنت"

پس اگر حضرت ابوبکر کو رسول اللہ کے گرفتار یا قتل ہو جانے کے متعلق خوف ہوتا تو رسول لاتخف فرماتے لاتحزن نہ کہتے۔ آنحضرت کا لاتحزن فرمانا صاف بتلا رہا ہے کہ حضرت ابوبکر کو کسی ہاتھ سے نکلے ہوئے واقعہ کا افسوس تھا۔ (تفسیر انوار القرآن)

تو کاظمی صاحب نے مصنف فلاح الکونین کے نظریہ کی تردید کر دی اور یہ مان لیا کہ حضرت ابوبکر کو کسی ہاتھ سے نکلے ہوئے واقعہ کا افسوس تھا" چونکہ مقصود حضرت صدیق کو صرف مطعون کرنا ہے - اس لئے حزن کا معنی کسی بات کا افسوس کرنے کے باوجود لکھتے ہیں کہ :- حضرت ابوبکر کی یہ کیفیت تھی کہ انہیں کپکپی لگی ہوئی تھی اور انہیں کسی طرح سکون نہیں آتا تھا " لیکن کاظمی صاحب کو یہ ہوش نہ رہا کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کو کسی بات کا افسوس تھا - تو پھر آپ پر کپکپی طاری ہونے کا کیا مطلب کپکپی تو آدمی کو کسی کے خوف کی وجہ سے لگتی ہے - غم اور افسوس میں تو کپکپی نہیں لگتی - اور یہ تو کاظمی صاحب ہی جانیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو کس واقعہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس تھا - اگر وہ اس کو ظاہر کر دیتے تو اس کا جواب بھی دے دیا جاتا - لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ جس بات کا آپ کو علم ہو گیا ہے کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم نہ ہوا تھا - اگر اس بات کا علم تھا کہ حضرت ابوبکر کو کسی واقعہ کے ہاتھ سے نکل جانے کا افسوس لاحق تھا اور کاظمی صاحب کا وہم شاید یہی ہو کہ حضرت ابوبکرؓ جو نقصان حضور کو پہنچا سکتے تھے وہ نہ پہنچا سکے - تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے یہ کیوں فرمایا کہ لاتحزن (تو غم نہ کر) اس ارشاد نبوی کا آپ کی اس نکتہ سنجی سے کیا جوڑ ہے - اور اس کے ساتھ ہی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ معنا - اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ

بن لیا کہ (اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے) تو اس ارشادِ نبوی نے تو کاظمی ہوں یا مصنف فلاح الکونین سب کی رگِ باطل کاٹ دی ہے

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ٭ نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

کاش کہ آپ صاف دِلی سے اس قرآن پہ ایمان رکھتے تو سب شبہات ختم ہو جاتے۔ پھر اس اظہار عناد کے بعد کاظمی صاحب نے ایک اور بات کا بھی انکشاف فرمایا چنانچہ بحوالہ کافی امام محمد باقر سے نقل کرتے ہیں کہ:۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا (یعنی حضرت ابوبکر کا) حال دیکھا تو آپ نے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ انصار میں سے جو میرے اصحاب ہیں تمہیں ان کو مجلسوں میں بیٹھ کر باتیں کرتے دکھلا دوں اور حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں کو سمندر میں جاتے ہوئے دکھا دوں۔ انہوں نے عرض کی۔ ہاں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے چہرہ پر پھیرا تو انصار بھی اپنی مجلسوں میں باتیں کرتے نظر آنے لگے اور حضرت جعفر طیار بھی سمندر میں جاتے ہوئے دکھائی دینے لگے (حاشیہ ترجمہ قرآن از مولوی امداد حسین کاظمی) فرماتے۔ ادھر تو حضرت ابوبکر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ثابت کر رہے ہیں اور ادھر یہ بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ فرمایا کہ اے ابوبکر افسوس نہ کر۔ بلکہ آپ کے چہرہ پر رحمت کا ہاتھ پھیر کر بطور کشف حضرت ابوبکرؓ کو انصار کا اپنے گھروں میں بیٹھ کر باتیں کرنا اور حضرت جعفر طیار اور ان کے ساتھیوں کا سمندر میں چلنا بھی دکھا دیا" اس سے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو غم لاحق ہوا تھا۔اس کا ازالہ حضور صلی نے نہ صرف لَا تَحْزَنْ کے ارشاد سے کیا بلکہ آپ کو کشتی کے مناظر دکھلا کر بالکل ہی غم کا ازالہ فرما دیا۔ زہے شان ابوبکرؓ۔ زہے نصیب ابوبکرؓ۔

(۱۰) اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے بعد آیت غار کے الفاظ یہ ہیں۔ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا" مولوی مقبول احمد شیعہ مُفسّر نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔پس اللہ نے اپنے رسول پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے ان کو مدد پہنچائی جن کو تم نے نہیں دیکھا" (ترجمہ مقبول) عام مفسرین نے علیہ کی ضمیر کا مرجع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو قرار دیا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی سکینت نازل فرمائی۔ لیکن امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے برعکس علیہ کی ضمیر کا مرجع حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات کو قرار دیتے ہیں۔اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت حضرت ابوبکرؓ پر نازل فرمائی۔ اور اس کی وجوہ حسب ذیل بیان فرماتے

ہیں (ا) علیہ کی ضمیر سے پہلے لصاحبہ میں حضرت ابوبکر ہی کا ذکر ہے اس لئے ضمیر انہی کی طرف راجع ہونی چاہیئے (۲) غم و اندیشہ حضرت ابوبکر ہی کو لاحق تھا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیونکہ حضور کو تو پہلے ہی سکونِ قلب حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور خصوصی تسلی حضرت ابوبکرؓ پر ہی نازل ہونی چاہیئے (۳) اگر اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینت کا نازل ہونا مراد ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم اور پریشانی لاحق ہوئی تھی۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکرؓ کو لاتحزن فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور خود مطمئن القلب تھے ورنہ جو آدمی خود پریشانی میں مبتلا ہو وہ دوسرے کو کیا تسلی دے سکتا ہے اور امام رازی کے نزدیک وَایَّدَہٗ بِجنود لم تروھا کا تعلق جنگ بدر سے ہے جس کا ذکر ان آیات سے پہلے ہے۔ بہرحال امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے جو توجیہات پیش کی ہیں ان سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت صدیق اکبر کے قلب پر ہی نازل کی گئی ہو۔ واللہ اعلم

(ب) اور اگر آیت سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی سکینت کا نزول ہو تو پھر بھی حضرت ابوبکر اس سکینت سے محروم نہیں رہ سکتے کیونکہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وہ خاص سکینت الٰہی حضرت صدیق کے قلب پر بھی نازل کی گئی۔ اور حضور کے لاتحزن اور اِنّ اللہ معنا فرمانے سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ جب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تسلی دے رہے ہیں اور اپنے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کی معیت ہے اسی میں حضرت ابوبکرؓ کو بھی شامل فرماتے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سکینت نازل ہو وہ حضرت صدیق کو نصیب نہ ہو اور وہ جو محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پریشان ہو رہے ہیں ان کو اطمینانِ قلب نہ عطا کیا جائے۔

(ج) اور شیعوں کے شیخ طبرسی فانزل اللہ سکینتہ علیہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: یعنی علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اَی اَلقیٰ فِیْ قلبہ ما سکن بہ وعلم انہم غیر واصلین الیہ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جس کی وجہ سے آپ کو سکون حاصل ہو گیا اور آپ نے جان لیا کہ کفار آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے) اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ طبرسی کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو بھی اس سے پہلے سکون حاصل نہ تھا۔ تو اب مصنف فلاح الکونین ہی بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس بات کی پریشانی اور بے چینی تھی جس کو زائل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت نازل فرمائی۔

حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کا منکر کافر ہے

زیر بحث آیت میں لصاحبہ سے چونکہ صراحتاً حضرت ابوبکر صدیق کا صاحب رسول ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے علمائے اہل سنت کے نزدیک جو شخص حضرت ابوبکر کے صحابی ہونے کا انکار کرے وہ اس آیت کے انکار کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا فتویٰ

بریلوی علماء کے پیشوا مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی درِّ مختار مطبوعہ ہاشمی ص۲۴ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:- اِن انکر بعض ما علم من الدین ضرورۃً کفر بھا لقولہ ان اللہ تعالیٰ جسمٌ کالاجسام اَوْ انکر صحبۃ الصدیق (اگر ضروریات دین سے کسی چیز کا منکر ہے تو کافر ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے مانند جسم ہے یا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا) (رسالہ رد الرفضہ ص۳)

(۲) مولانا مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت اس آیت سے ثابت ہے حسن بن فضل نے فرمایا جو شخص حضرت صدیق اکبر کی صحابیت کا انکار کرے وہ نص قرآنی کا منکر ہو کر کافر ہے" (تفسیر خزائن العرفان)

کتب شیعہ سے حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت

(۱) شیخ طبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:- ان اوّل من اسلم بعد خدیجۃ ابوبکرؓ (حضرت خدیجہ کے بعد جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے وہ ابوبکر ہیں) (تفسیر مجمع البیان ج ۳)

حضرت ابوبکر کو حضرت علیؓ نے صدّیق فرمایا

(۲) حضرت علی فرماتے ہیں:- وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ورسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق ولعمری ان مکانھما فی الاسلام عظیم وان المصاب بھما لجرحٌ فی الاسلام شدید یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا (حضرت ابوبکر ان سب سے اسلام میں افضل تھے جیسا کہ تمہارا خیال ہے۔ اور ان سب میں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ خیر خواہ خلیفہ (ابوبکر) صدیق تھے اور ان کے خلیفہ (عمر) فاروق

تھے۔ اور میری عمر کی قسم کے ان دونوں کا اسلام میں عظیم رتبہ ہے اور بے شک ان دونوں کی موت سے اسلام کو سخت صدمہ پہنچا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائیں اور ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں۔" (ابن میثم بحرانی شرح نہج البلاغہ)

رسول اللہ نے ابوبکر کو صدیق فرمایا

شیخ قمی اپنی تفسیر میں آیت غار کے تحت یہ لکھنے کے بعد کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو از روئے کشف حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کی کشتی کو دکھلا دیا۔ لکھتے ہیں :- فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انت الصدیق۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا۔ آپ صدیق ہیں) (تفسیر قمی سورہ التوبہ مطبوعہ ایران ص۱۵۷) اسی طرح کشف الغمہ میں لکھا ہے کہ امام محمد باقر نے حضرت ابوبکر کو تین بار صدیق فرمایا۔ (مطبوعہ ایران ص۲۲۰) ہم نے بخوف طوالت صرف یہی حوالجات اہل تشیع کی کتب معتبرہ سے حضرت ابوبکر کے صدیق اور افضل ہونے میں نقل کر دئیے ہیں ورنہ اور بھی بہت سی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ کاش کہ فلاح الکونین کے ماتمی مصنف از روئے تقیہ ہی حضرت صدیق کی کچھ فضیلت مان لیتے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمہ آفتاب راچہ گناہ

علامہ اقبال آیت لاتحزن کے تحت فرماتے ہیں ؎

اے کہ در زندانِ غم باشی اسیر ۔ از نبی تعلیم لاتحزن بگیر

ایں سبق صدیقؓ را صدیق کرد ۔ سرخوش از پیمانہ تحقیق کرد

(رموزِ بے خودی)

رد ماتم کی قرآنی آیت نمبر ۹

ہم نے لکھا تھا کہ :- اللہ تعالیٰ نے امتحانی مصائب میں مبتلا کرنے کی حکمت بتلاتے ہوئے مومنوں کو تسلی دی ہے۔ لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم (سورۃ الحدید رکوع ۹)۔ تاکہ غم نہ کھاؤ اوپر اس چیز کے جو تم سے فوت ہو گئی ہے اور نہ اتراؤ اوپر اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے۔ یعنی خوشی اور نعمت پر فخر نہیں کرنا چاہیئے اور تکلیف اور مصیبت پر غم نہیں کھانا چاہیئے" (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص۲۹)

اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- عربی میں "ما" غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور "من" ذوی العقول کے لئے چنانچہ آیت میں "ما" ہے نہ کہ "من"۔ یہ استدلال عربی زبان کی ابجد سے بھی عدم واقفیت

کی دلیل ہے۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ دنیا کا مال و منال حاصل ہوجائے تو اس پر اترانا نہیں چاہیئے اور اگر کچھ مال و دولت ضائع ہوجائے تو اس پر حزن و ملال نہ کرنا چاہیئے۔ آیت غیر ذوی العقول کے لئے ہے ہم ماتم ذوی العقول کا کرتے ہیں۔ لہذا ہمارے ماتم سے اس آیت کا کیا ربط اور کیا تعلق۔ اللہ بس۔ باقی ہوس۔ (فلاح الکونین ص۸۷)

ماتمی مصنف کی ایک اور جہالت

الجواب (۱) آپ اپنے اوہام و وساوس کو علم سمجھنے لگ جاتے ہیں آپ نے یہاں عربی قاعدہ سے اپنی واقفیت کے متعلق لاف زنی تو کردی اور خوشی میں پھولے نہ سماتے ہوئے مجھ پر طعن بھی کردیا لیکن آپ کو خوشی نصیب ہی کیا ہوسکتی ہے جبکہ ماتم ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے آخر پھر آپ کو مغموم و مظلوم بننا پڑتا ہے۔ کاش کہ آپ کسی عربیت سے واقف شیعہ عالم سے ہی دریافت کرلیتے تو یوں آپ کی جہالت نمایاں نہ ہوتی۔ آپ نے جو قاعدہ بیان کیا ہے کہ مَا غیر ذوی العقول کے لئے اور مَن ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہے کیونکہ بعض دفعہ مَا ذوی العقول کے لئے بھی آتا ہے۔

چنانچہ علم نحو کی مشہور کتاب شرح جامی میں ہے: وما بمعنی الذی فیما لا یعقل غالباً نحو عرفت ما عرفته وجاء فیما یعقل نحو وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا یعنی ما جو الذی کے معنی میں آتا ہے وہ غالباً یعنی اکثر تو ان ہی چیزوں کے لئے آتا ہے جن میں عقل نہیں ہے (یعنی غیر ذوی العقول کے لئے) مثلاً عرفت ما عرفتہ۔ اور ان چیزوں کے لئے بھی آتا ہے جو عقل رکھتی ہیں مثلاً وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنٰهَا "مطلب یہ ہے کہ آیت والسماء وما بنٰھا میں جو مَا آیا ہے یہ غیر ذوی العقول کے لئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے چنانچہ (ا) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر اس آیت کا ترجمہ یہ کرتے ہیں، قسم ہے آسمان کی اور اس کی جس نے بنایا۔ (ترجمہ مقبول) (ب) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے: اور قسم ہے آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اس کو بنایا" (سورۃ الشمس) فرمایئے جس ذات نے آسمان بنایا اس کے لئے مَا قرآن مجید میں آیا ہے۔ اور اگر آپ کا قاعدہ مانا جائے کہ مَا تو غیر ذوی العقول ہی کے لئے آتا ہے تو کیا آپ کے نزدیک اس آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ جس نے آسمان کو بنایا ہے وہ غیر ذوی العقول میں سے ہے۔ کیا آپ کا خدا ایسا ہی ہے؟ خدا جانے آپ کی یہ جہالت آپ کو کس مقام پر پہنچائے گی؟ ؎ توبہ کرو کہ موت ہے سر پہ کھڑی ہوئی

یہ تو قرآن مجید کی اس آیت میں مَا موصولہ کا استعمال ہے جو شرح جامی میں بطور مثال پیش کی گئی ہے۔ (۲) قرآن مجید میں فرمایا: فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔ (پ ۴ سورۃ النساء ع ۱) مولانا اشرف علی

صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے۔ اور اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو۔ دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے" (ب) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے :۔ اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو (اور) عورتوں میں سے جو تم کو پسند آجائیں دو دو تین تین چار چار سے نکاح کر لو" اس آیت میں ما طاب لکم من النساء میں ما سے مراد عورتیں ہیں جن سے نکاح کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا قرآن مجید سے ما ذوی العقول کے لیے ثابت ہو گیا. فرمایئے کیا آپ کے نزدیک عورتیں غیر ذوی العقول میں شامل ہیں۔ انسان نہیں ہیں بلکہ ریت اور پتھر ہیں جن سے اہل ایمان کو نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ؎ عقل بڑی یا بھینس

یہ ہے آپ کا مبلغ علم جس کے بھروسہ پر آپ نے ایک دینی علمی موضوع پر طبع آزمائی کی ہے. انجمن حیدری چکوال نے آل پاکستان شیعہ علماء میں سے مصنف فلاح الکونین کا بھی خوب انتخاب کیا ہے۔

(۳) تیسری آیت یہ ہے :۔ فَاَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا اَصَابَكُمْ (سورۃ آل عمران رکوع ۱۶) مولانا اشرف علی صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے تم کو پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے۔ تاکہ تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے" (ب) مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ ترجمہ لکھا ہے: پھر خدا نے تم کو رنج پر رنج پہنچایا تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے نکل گیا ہے اس پر جو مصیبتیں تم پر پڑی ہیں ان پر افسوس نہ کرو" (ج) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی لکھتے ہیں: پھر خدا نے تمہیں رنج پر رنج پہنچایا تاکہ جو چیز تمہارے پاس سے جاتی رہی اور جو مصیبت تم پر پڑی اس پر غم نہ کرو" اس کی تفسیر میں کاظمی صاحب لکھتے ہیں : غَمًّا بِغَمٍّ ۔ تفسیر صافی صـ۹۶ پر بحوالہ تفسیر قمی جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ پہلا غم تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ اور ان میں سے بعض قتل ہو گئے اور دوسرا غم یہ تھا کہ خالد بن ولید نے ہزار سواروں سے ان کو پیچھے سے گھیر لیا (تفسیر المتقین) (د) آپ کے قدیم ترین مفسر شیخ قمی (جو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں؛ لكيلا تحزنوا على ما فاتكم) من الغنيمة (ولا ما اصابكم يعنى قتل اخوانهم (تفسیر قمی جلد اول ۔ مطبوعہ نجف اشرف)

اس آیت میں دو جگہ ما آیا ہے۔ شیخ قمی نے پہلے ما سے مراد مال غنیمت لیا ہے۔ اور دوسرے ما سے جنگ

احد میں مومنین کا قتل ہونا مراد لیا ہے۔ یعنی مَا اصابکم سے مراد شہدائے احد کا قتل ہے۔ تو جب قرآن مجید میں یہ فرمادیا کہ جنگ احد میں تم کو اپنے مومن بھائیوں کے قتل و شہادت کی جو مصیبت پہنچی ہے تم اس پر غم اور افسوس مت کرو۔ تو کیا آپ یہاں بھی یہ فرمائیں گے کہ ما اصابکم سے مراد غیر ذوی العقول کی مصیبت ہے۔ کیا جنگ احد کے شہدا ، آپ کے نزدیک غیر ذوی العقول ہیں جن میں سید الشہدار حضرت حمزہ بھی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یہی مطلب زیر بحث سورۃ الحدید کی آیت کا ہے جس میں فرمایا گیا کہ لکیلا تأسَوْا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم" اس آیت کا ترجمہ (د ل) مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے "تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اس پر تم افسوس نہ کرو اور جو کچھ اس نے تم کو عطا کیا ہے اس پر آپے سے باہر نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چھچھورے شیخی باز کو دوست نہیں رکھتا۔

(ب) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: تفسیر صافی ص۴۹۱ پر بحوالہ نہج البلاغۃ[1] منقول ہے کہ تمام زہد قرآن مجید کے ان دو کلموں میں آگیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لکیلا تأسوا ۔ ۔ بما آتاکم۔ پس جو شخص گذشتہ کا افسوس نہ کرے اور جو کچھ ہونے والا ہے اس پر فخر نہ کرے تو گویا زہد کے دونو پہلو اس کے ہاتھ آگئے" (تفسیر التعیق)

(۴) اگر آپ اس آیت کے ابتدائی الفاظ قرآنی دیکھ لیتے تو اپنی باطل تاویل کی وجہ سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑتی چنانچہ پوری آیت یہ ہے۔ مَا اَصَابَ مِن مصیبةٍ فِی الارضِ ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبرأھا ان ذلك علی اللهِ یَسِیْر ۔ لکیلا تأسَوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتکم وَ الله لا یحب کل مختالٍ فخور ۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ یہ ہے۔ کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک خاص کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں۔ یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے (یہ بات بتلا اس واسطے دی ہے تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے

---

[1] نہج البلاغۃ کی عبارت یہ ہے: وقال الزھد کلہ بین کلمتین من القرآن قال اللہ سبحانہ لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم ومن لم یأس علی الماضی ولم یفرح بالآتی فقد اخذ الزھد بطرفیہ (ص۲۱۹ مطبوعہ طہران)

تم اس پر رنج (اتنا) نہ کرو اور تاکہ جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا (پ ۲۷ - الحدید ع ۳)

اس آیت میں ما اصابکم من مصیبۃ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو آگاہ کر دیا ہے کہ جو مصیبت بھی تم پر آئے وہ مقدر ہے تمہاری پیدائش سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں بھی اس کو لکھ دیا ہے اس لئے وہ مصیبت ضرور آکر رہے گی۔ اس طرح جو نعمت بھی ہمارے لئے مقدر ہے وہ ضرور تمہیں ملے گی۔ لہٰذا اگر مصیبت آئے تو اس پر افسوس نہ کرو اور اگر کوئی نعمت ملے تو اس پر شیخی نہ بگھارو۔ اور بحوالہ نہج البلاغۃ ثابت ہوا کہ اس آیت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے زہد کے دو پہلو بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ گذشتہ پر افسوس نہ کرو۔ اور دوسرا یہ کہ آنیوالی پر اتراؤ نہیں۔ اب مصنف فلاح الکونین فرمائیں۔ کہ کیا شہادت حضرت حسین قرآن مجید کے ارشاد ما اصابکم من مصیبۃ کی مصیبتوں میں شامل نہیں۔ یہ مصیبت کیا تقدیر خداوندی کے خلاف ہے۔ اگر دوسری مصیبتوں کی طرح حضرت حسینؓ کی یہ مصیبت بھی یقیناً مقدر ہے جس نے ضرور واقع ہونا تھا تو پھر اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہی ہے کہ کسی مصیبت پر بھی افسوس نہ کرو خواہ وہ جنگ احد کے شہیدوں کی مصیبت ہو یا کربلا والوں کی۔ لیکن اس آیت کے خلاف آپ کا مشن تو یہ ہے کہ شہادت حسین کا غم و افسوس قیامت تک منائیں گے اور اس سے زائد منہ اور سینہ بھی ہمیشہ پیٹتے اور کوٹتے رہیں گے بلکہ یہ ماتمی گروہ[1] اللہ تعالیٰ نے پیٹنے کوٹنے کے لئے ہی بنایا ہے۔ تو کیا یہ قرآن دشمنی کا مظاہرہ نہیں جس کو محبت حسین کی آڑ میں آپ ہزار ہا ہزار روپیہ خرچ کر کے پاکستان میں پھیلا رہے ہیں۔ نہ قرآن و حدیث کا لحاظ۔ نہ حضرت علی المرتضیٰ کے ارشاد کا پاس۔ نہ مقام صبر و شہادت کی فضیلتوں کا احساس۔ آخر یہ مذہب کہاں سے نکلا اور کس مقصد کے تحت اس خلاف اسلام نظریہ کی تحریر و تقریر کے ذریعہ اشاعت کی جارہی ہے۔ مانا کہ عوام جذباتی طور پر اور کم علمی کی بنا پر افعال ماتم میں شریک ہو جاتے ہیں لیکن شیعہ علماء و مجتہدین کیا اس آیت کو نہیں جانتے اور کیا نہج البلاغت میں حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد ان کو

---

[1] جلاء العیون مترجم میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا۔ میری پیاری پروردگار عالم نے مجھ سے ارشاد فرمایا ہے میرے حبیب ہم ایک قوم پیدا کریں گے جن کے جوان تیری اہل بیت کے جوانوں کو روپا کریں گے۔ جن کے بچے تیری اہل بیت کے بچوں کو جن کے بوڑھے تیری اہل بیت کے بوڑھوں کو جن کی عورتیں تیری اہل بیت کی عورتوں کو رویا کریں گی الخ (جلد دوم ص۲۶ مقدمہ از سید ظہور الحسن زیدی)

معلوم نہیں ہے اور کیا تفسیر قمی ان کے مطالعہ سے نہیں گذری۔ یا الکافی۔ اور من لا یحضرہ الفقیہ کی احادیث سے وہ ناواقف ہیں۔ پھر وہ اس خلاف شریعت ماتم کی کیوں تصدیق و تائید کرتے ہیں ؟ کیا اس معمہ کا کوئی اسلامی حل ہے ؟

چار لاکھ روپیہ انعام

ماتمی ٹریکٹ حصہ دوم یعنی کھلی چھٹی بنام مظہر حسین مودی چودھویں صدی میں ملک غلام عباس صاحب بی اے ساکن تلہ گنگ نے مجھے یہ لکھا تھا کہ مولوی صاحب۔ آپ کے خلاصہ جوابات میں تحریر ہے کہ اگر "رسول اکرم امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا" عقل کے ناخن لیں۔ نبی پاک نے واقعہ کربلا سے پہلے رحلت فرمائی تو واقعہ سے پہلے ہی کیسے مجلس اور ماتم کیا جاتا" اس کے جواب میں بعنوان " ملک صاحب کی بدحواسی" میں نے لکھا تھا کہ : ملک صاحب۔ آپ نے خواب میں میری یہ تحریر پڑھی ہے یا بیداری میں۔ اگر آپ یہ ثابت کردیں کہ میں نے یہ لکھا ہے کہ: اگر رسول اکرم امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا" تو آپ کو ۲ لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا۔ ایک مہینہ تک آپ کے لئے مہلت ہے" (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے صہ۳۵) اب چاہیئے تو یہ تھا کہ ملک صاحب موصوف یا فلاح الکونین کے ماتمی مصنف صاحب اپنا الزام ثابت کرکے مجھ سے دو لاکھ روپیہ انعام لیتے یا اپنے اس الزام سے توبہ کرتے لیکن بجائے اس کے ماتمی مصنف لکھتے ہیں :" آپ دو لاکھ کیا دس لاکھ روپیہ بھی انعام دیں تو بھی ملک صاحب آپ کی تحریر سے ایسا فقرہ کہ" اگر رسول اکرم امام حسین کا ماتم اور مجلس بپا کرتے تو آج ماتم کرنا جائز ہوتا" نہیں دکھا سکتے۔ یہ ملک صاحب کی غلط فہمی ہے۔ ہم تو آپ کی تحریر کو پڑھنے کے بغیر ہی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے قلم سے ایسا حقیقت پر مبنی فقرہ صفحہ قرطاس پر ضبط تحریر میں آنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ چاہے وہ اگر مگر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو کیونکہ آثار و قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ اگر رسول اکرم کربلا کے واقعہ ہائلہ کے وقت موجود بھی ہوتے حسین کا ماتم بھی کرتے اور مجلسیں بھی بپا کرتے۔ پھر بھی آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر ہرگز عمل نہ کرتے" (فلاح الکونین صہ۱۱۳)

ماتمی مصنف کی بوکھلاہٹ

آپ نے جواب الجواب میں جو کچھ لکھا ہے اس میں آپ کی بوکھلاہٹ کا اظہار تو ہے لیکن میرے چیلنج کا جواب نہیں۔ اور

آپ کو حق گوئی کی اتنی بھی توفیق نہیں ملی کہ یہی کہ دیتے کہ ملک صاحب سے غلطی ہوگئی ہے. کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ کے لئے اعتراف حق صرف مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے اور اس کی توفیق آپ سے اس لئے سلب کرلی گئی ہے کہ آپ نے ائمہ اہل بیت پر یہ افتراء باندھا ہے کہ ان کا دین حق کو چھپانا اور خلاف حق کا ظاہر کرنا تھا۔

شیعہ مذہب کو اہل مکروفریب نے ظاہر کیا ہے

چنانچہ شیعہ مذہب کی حدیث ہے کہ: عن ابی عبد الله علیه السلام قال قال لی مازال سرنا مکتوماً حتی صار فی یدی ولد کیسان فتحد ثوا به فی الطریق وقری السواد (اصول کافی کتاب الایمان والکفر) اس کا ترجمہ آپ کے ادیب اعظم لکھتے ہیں:۔ فرمایا ابوعبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ ہمارا معاملہ ہمیشہ پوشیدگی کے ساتھ رہا ہے لیکن اہل مکر وفریب نے شیعیت کو لیا تو گلی کوچوں میں اور گاؤں گاؤں اعلان کردیا۔ (ولد کیسان سے مراد بعض نے اولاد مختار علیہ الرحمت لی ہے) جنہوں نے شیعیت کا اعلان بانگ دہل کیا" شافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص۲۴۶) اور دین چھپانا ہی یہی وہ افضل عبادت ہے جس کا نام مذہب شیعہ میں تقیہ ہے۔ اب غور فرمائیں کہ امام جعفر صادق کے فرمان کے تحت آپ کس شمار میں ہیں ؎

آپ ہی اپنے ذرا طرز عمل کو دیکھیں۔ ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

رسول خدا پر افترا

آپ نے لکھا ہے کہ: اگر رسول اکرم کربلا کے واقعہ ہائلہ کے وقت موجود ہوتے تو حسین کا ماتم بھی کرتے الخ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ کا افتراء ہے۔ کیونکہ جزع فزع کرنا ہی صبر کے خلاف ہے جیسا کہ لغت۔ قرآن اور حدیث شیعہ کی بنا پر ثابت کیا جاچکا ہے کہ صبر اور جزع آپس میں ضدیں ہیں۔ صبر کرنے والا جزع فزع نہیں کرتا جو آپ کے ماتم کی ایک جزو ہے اور جو جزع کرے وہ صابر نہیں ہوتا۔ اور مذکورہ زیر بحث آیت لکیلا تاسوا علی ما فاتکم کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ کا یہ ارشاد بھی نہج البلاغۃ سے نقل کرچکا ہوں کہ گذشتہ مصیبت پر افسوس نہ کرنا زہد کی ایک صفت ہے۔ تو پھر امام الصابرین۔ سید الزاہدین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسینؓ کی شہادت پر خلاف قرآن ایسی مجالس ماتم کیوں قائم فرماتے ہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ احد کے ان ستر شہداء میں

شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور حضرت حمزہؓ کے شہید ہونے کے بعد ہندہ نے آپ کا سینہ چیرا اور کلیجہ نکال کر دانتوں میں چبایا۔ اور آپ کے ناک کان وغیرہ اعضاء کاٹ دیتے گئے تھے حتیٰ کہ آپ کی نعش پہچانی نہیں جاتی تھی۔ کیا یہ واقعہ ہائلہ نہ تھا۔ لیکن باوجود اس کے کہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ المناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے چچا حضرت حمزہ کو سید الشہداء کا لقب بھی عطا فرمایا لیکن نہ منہ پیٹا نہ سینہ کوبی کی۔ اور نہ زنجیر زنی ہوئی نہ سیاہ کپڑے پہنے گئے غرضیکہ یہ مجلس ماتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی ایک دفعہ بھی قائم نہیں کی چہ جائیکہ مجالس ماتم کا سلسلہ قائم کیا جاتا۔ اور سیرت النبی کے جس حوالہ سے آپ نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے طور پر مجلس غم کا استدلال کیا تھا۔ اس میں بھی خود شریک نہیں ہوئے بلکہ عورتوں کو آئندہ کے لئے نوحہ کرنے سے بھی منع فرمادیا۔ جیسا کہ ابن ہشام اور مدارج النبوۃ کے حوالہ سے اس کا ثبوت پہلے پیش کردیا گیا ہے۔ تو فرمایئے اپنی ماتمی حیثیت کی بنا پر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان تراشی کرنا کیا محبت نبوی پر مبنی ہے یا سنت مطہرہ کی تنقیص و توہین پر ہے ہاں ایک راستہ تقیہ کا آپ کے لئے کھلا ہوا ہے جس کو ہم کیونکر بند کرسکتے ہیں ؎

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

ماتم میں جان دینا

آپ نے فخر سے لکھا ہے کہ: "ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اور اب پھر آپ کی یاد دہانی کے لئے اپنی اس بات کو دوہراتے ہیں کہ پاکستان میں ہر سال ماتم کرتے ہوئے کئی ماتمی جان سے گذر جاتے ہیں۔ دور کیوں جائیں پچھلے سال ہی کی بات ہے آپ نے بھی یقیناً سنا ہوگا کہ ڈھڈیال تحصیل چکوال میں ایک ماتمی مظلوم کربلا سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ اسلام کا ماتم کرتے ہوئے جاں بحق ہوگیا تھا ایمان سے کہیں اتنی بناوٹ بھی کبھی ہوتی ہے یا ہوسکتی ہے کہ انسان بناوٹ بناتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے"۔ (فلاح الکونین ص۱۳۵)

مجتہدین شیعہ کے نزدیک زنجیر زنی ناجائز ہے

الجواب (۱) ڈھوڈیال میں ہو یا کسی اور جگہ۔ اگر کوئی ماتمی زنجیر زنی کرتے ہوئے یا اپنے بدن پر چھریاں مارتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے تو یہ سب گناہ آپ جیسے ماتمی علماء و ذاکرین پر ہے جو عوام شیعہ کو اس قسم

کے ماتم کرنے کا عظیم ثواب بتلاتے ہیں۔ حالانکہ منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا ہی جب امام جعفر صادق کے فتویٰ کے مطابق حرام اور خلاف ایمان ہے تو زنجیر زنی وغیرہ کیونکر جائز ہوگی چنانچہ اخبار درِ نجف سیالکوٹ کے ایڈیٹر سید عنایت علی شاہ صاحب نقوی بخاری ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں (سوال) ایام عشرہ محرم پر جو محبان آل عبا اکثر زنجیر زنی وغیرہ کرتے ہیں اس پہ عام اعتراض ہے از روئے شریعت اس کی وضاحت کریں مشکور ہونگا؟

(الجواب) زنجیر زنی سے مجتہدین منع فرماتے ہیں۔ باقی سینہ زنی۔ پیٹنا۔ کوٹنا۔ نوحہ کہنا۔ واویلا کرنا۔ کپڑے پھاڑنا پیراہن چاک کرنا۔ بال نوچنا۔ خاک اڑانا وغیرہ وغیرہ وغیرہ افعال مردہ کے لئے از روئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور حرام ہیں اور یہ کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں ان سے ہر مسلمان کو اجتناب لازم ہے کیونکہ یہ جملہ امور دنیا کی غرض و مطلب اور مفاد کے مفقود ہونے پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ لیکن شعائر اللہ کے نقصان پر۔ کسی نبی کی وفات یا قتل پر۔ بیت اللہ کے انہدام پر۔ کتاب خدا کی توہین پر ہے۔ مساجد اللہ کی بربادی پر ہتک وتباہی اسلام پر انقطاع وحی پر۔ قتل امام پر وغیرہ وغیرہ کہ جن کی فرقت و حزن کا مظاہرہ محض روحانیت سے متعلق ہو اور اس میں کوئی دنیوی غرض اور شکایت نقص دنیا نہ ہو سب کچھ جائز بلکہ ثواب عظیم ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام کے نوحے مرثیے۔ ان کی تباہ حالی۔ کپڑوں کا پھاڑنا۔ بالوں کا نوچنا۔ خاک اڑانا۔ بعض کا گنگ ہو جانا۔ بعض کا مجنوں ہونا دنیائے اسلام کا واویلا۔ یہ سب کچھ شعائر اللہ کی محبت میں اور نقصان روحانیت روحی کا مظاہرہ تھا جو جائز ہے"

(خزینۃ المسائل جلد اول صفحہ ۱۳۹)

(۲) زنجیر زنی سے جب مجتہدین شیعہ منع کرتے ہیں تو یہ اس بنا پر ہوگا کہ شرعاً یہ حرام ہے۔ اور ممکن ہے کہ جو مجتہدین ہاتھوں سے منہ اور سینہ کوٹنے کو جائز بلکہ عبادت سمجھتے ہیں انہوں نے زنجیر زنی اس لئے ناجائز قرار دی ہو کہ اس میں کوئی ایسا زخم لگ جاتے جو جان لیوا ثابت ہو اور یہ خودکشی کے حکم میں آجائے۔ اور بعض جذباتی جو اس طرح کی موت کو شہادت کی موت سمجھتے ہیں وہ اپنے شیعہ مجتہدین کے اس فتویٰ سے عبرت حاصل کریں کہ زنجیر زنی منع ہے جب زنجیر کا مارنا منع ہے تو چھریاں مارنا کیونکر جائز ہوگا۔ تو اگر کوئی ماتمی زنجیر یا چھری سے ماتم کرتے ہوئے مرگیا تو یہ گناہ کی موت ہوگی کیونکہ اس نے ناجائز طریقے سے ماتم کیا ہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے شہید کے متعلق فرمایا، لَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ

ولکن لاَ تشعرون ہ (پ ۲ ع ۳) اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ لکھا ہے۔ "اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم نہیں سمجھتے"۔ (ترجمہ مقبول) اس میں فی سبیل اللہ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ جس کام میں وہ مارا گیا ہے وہ شریعت کے مطابق اور اللہ کے لئے ہو۔ اور لفظ قتل کیا جائے سے معلوم ہوا کہ اس کو کوئی دوسرا آدمی قتل کرے۔ کیونکہ وہ تو مقتول ہے اس کا قاتل کوئی اور ہے۔ لیکن ماتم میں مرنے والا خود ہی قاتل ہے اور خود ہی مقتول ہے۔ اس لئے یہ شہید کے حکم میں نہیں آتا بلکہ خودکشی کرنے والے کے حکم میں شمار ہوتا ہے

شرک و جاہلیت کے کام کیوں کارِ ثواب ہیں

درنجف کے ایڈیٹر صاحب موصوف نے ماتم حسین کے کارِ ثواب ہونے میں بھی عجیب علمی جوہر دکھایا ہے

پہلے تو فرمار ہے ہیں کہ :- سینہ زنی۔ پیٹنا۔ کوٹنا۔ نوحہ کہنا۔ واویلا کرنا۔ کپڑے پھاڑنا۔ پیراہن چاک کرنا۔ بال نوچنا۔ خاک اڑانا وغیرہ افعال مردہ کے لئے از روئے شریعت اسلامیہ ناجائز اور حرام ہیں اور یہ کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں"۔ در پھر انہی ناجائز اور حرام افعال کو جو کفار و مشرکین کی جاہلانہ رسوم ہیں۔ شعائر اللہ اور انبیاء واولیاء کی موت و شہادت وغیرہ کے لئے نہ صرف جائز بلکہ ثواب عظیم کا باعث بتلار ہے ہیں۔ یہ بھی عجیب عقیدہ ہے۔ جب یہ افعال ماتم کفر و شرک کی رسموں میں سے ہیں تو انبیاء واولیاء کے لئے یہ جائز کیسے ہو جائیں گے۔ حرام اور کارِ ثواب؟ اگر اس کے جواب میں یہ فرمائیں کہ خنزیر اور مردار حرام ہے لیکن قرآن میں اس کو بھی اضطراری صورت میں جائز قرار دیا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ حرام کھانے کا جواز تو اس شخص کے لئے ہے جس کو حلال چیز نہیں مل سکی تو حرام چیز صرف اتنی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ سکے کیا اس اضطراری صورت سے کوئی ماتمی یہ دلیل قائم کر سکتا ہے کہ حرام خوری کی مجالس بھی بپا کی جائیں اور جلوس بھی نکالے جائیں۔

(ب) اگر آپ نے ان افعال ماتم کا حرام ہونا کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصوص سے ثابت کیا ہے تو کیا قرآن وحدیث میں یہ بھی لکھا ہے کہ عام مردوں کے لئے تو یہ ناجائز ہیں لیکن نہیں انبیاء۔ اولیاء اور شہداء وغیرہ کے لئے عبادت ہیں۔

(ج) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صحابہ کرام کی جو حالتیں آپ نے لکھی ہیں ان میں گنگ ہونا یا مجنوں ہونا تو اس عظیم صدمہ کے اثر سے ہے نہ کہ ماتم کی وجہ سے۔ کیا اصحاب واہل بیت نے سرورِ کائنات

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کوئی ایسی مجلس ماتم بھی بپا کی تھی جس میں منہ پیٹنا اور سینہ کوٹنا ہو۔

(د) اگر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر یہ کفر و شرک کے افعال جائز ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کو ان سے کیوں منع فرماتے (ملاحظہ ہو۔ فروع کافی اور جلاء العیون وغیرہ)

(ر) نہج البلاغت میں حضرت علی کا یہ ارشاد ہے۔ کہ اگر آپ نے ہمیں صبر کا نہ حکم دیا ہوتا اور جزع سے نہ منع کیا ہوتا تو ہم رو رو کر آنکھوں کا پانی خشک کر دیتے۔ اور اگر حضورؐ کے لئے یہ ماتم جائز ہوتا تو حضرت علی ایسا کیوں فرماتے بلکہ آپ کے فتویٰ کے مطابق تو حضرت علیؓ بھی کپڑے پھاڑتے سینہ کوٹتے۔ خاک اڑاتے وغیرہ۔ کیا ان افعال میں سے کوئی ایک فعل بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صادر ہوا۔ اگر یہ ثواب عظیم ہوتا تو حضرت علیؓ اس سے کیوں محروم رہتے۔

ماتمی علماء و مجتہدین سے ایک سوال

اس حقیقت سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ مروجہ افعال ماتم یعنی منہ پیٹنا۔ اور سینہ کوٹنا وغیرہ اسلام سے پہلے کفار و مشرکین کی رسمیں تھیں اور کسی کی موت و قتل پر وہ ان افعال کا مظاہرہ کرتے تھے۔ تو آپ سے ہمارا سوال یہ ہے کہ جب نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کفر و شرک کے تمام عقائد و اعمال کی اصلاح فرمائی۔ شرک کی جگہ توحید اور کفر کی جگہ ایمان کو اسلام کی بنیاد قرار دیا۔ عبادات۔ اخلاق۔ معاشیات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی۔ جنگ و قتال سیاست ملکی وغیرہ انسانی زندگی کے تمام اہم شعبوں کی شریعت اسلامیہ نے بذریعہ وحی اصلاح فرمائی اور اسلام قیامت تک انسان کے لئے مکمل دین اور جامع ضابطہ حیات قرار دیا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ کفر و جاہلیت کے مذکورہ افعال منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کی اپنے قول اور عمل سے کیا اصلاح فرمائی۔ تاکہ مسلمان کتاب و سنت کی ان نصوص کی روشنی میں اپنے کسی عزیز کی موت و قتل یا کسی دوسرے بزرگ و ولی کی موت و شہادت کے موقعہ پر کوئی ایسا عمل پیش کر سکیں جو قرآن کریم کے ارشاد یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ (پ ۲۔ ع ۳) اے ایمان والو۔ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ سے مدد مانگو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" (ترجمہ مقبول) کے خلاف نہ ہو ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ

ایک اصفہانی شیعہ مجتہد کا فتویٰ

ماتم حسین میں سینہ کوبی بھی حرام ہے

"ایک اصفہانی شیعہ مجتہد کا فتویٰ" بہت عرصہ ہوا۔ کہ مصر کے ایک شیعہ اخبار "چہرہ نما" مورخہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۵ اپریل ۱۹۲۹ء میں ایک شیعہ مجتہد شیخ محمد تقی اصفہانی کا ایک فتویٰ رد ماتم مروجہ میں شائع ہوا تھا جس کو دائرۃ الاصلاح لاہور نے تقسیم کیا تھا۔ اس کے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے مجتہد موصوف تمہید کے بعد ایک سائل کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اب اپنے سوالات کا جواب سنیئے سینہ کوبی اور بدن کو زنجیروں قفلوں۔ آہنی سلاسل سے زخمی کرنا اور سر کو تلوار سے مجروح کرنا یہ سب وحشیانہ حرکات خلاف شریعت اسلام و خلاف قرآن و حدیث و عرف عام ہیں۔ حسین ابن علی نے صرف اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے یزید کی بیعت نہ کی اور خود شہید ہوگئے۔ بھلا ایسی وحشیانہ حرکات پر کب راضی ہوتے ہیں۔ جس کا نام عزاداری رکھ لیا گیا ہے (فارسی اصل عبارت یہ ہے) چگونہ راضی است بر این نوع وحشت گری کہ نام اور اعزاداری گذاشتہ اند) اگر ہم قرآن کی ورق گردانی کریں تو ہمیں اس سے سینہ کوبی کرنے کی بھی اجازت نہیں مل سکتی چہ جائیکہ زنجیر۔ قفل۔ تلوار سے بدن کو زخمی کرنا جائز ثابت ہو۔ خدا کا فرمان ہے۔ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو (وَلَا تلقوا بایدیکم اِلَی التھلکۃ) اخبار و احادیث میں وارد ہے کہ عزیز ترین خویش و اقربا کی وفات پر بھی ایسی حرکات نہیں کرنی چاہئیں۔ اگر ایسی حرکات سے بدن پر تھوڑی سی خراش بھی آجائے تو انسان گناہگار اور خلاف شرع جرم کا مرتکب ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ کپڑا چاک کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ خود حضرت سید الشہداء نے آخری دم جب اہل بیت کو الوداع کیا اپنی ہمشیرہ حضرت زینب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ہمشیرہ جان۔ زمین و آسمان اور ما فیہا سب فنا ہو جائیں۔ سوائے خدائے حی و قیوم کوئی باقی نہ رہیگا ایسا نہ ہو کہ میری وفات کے بعد تو اپنے منہ پر طمانچے مارے یا چہرہ کو زخمی کرے" ملاحظہ کیجئے ایسی ہدایت امام کے باوجود ایسے وحشیانہ افعال کب روا ہو سکتے ہیں۔ حضرت امام کا حکم سن چکنے پھر جو شخص اس کے خلاف کرے وہ گناہگار اور جواب دہ ہے۔ یہ لوگ ایسی حرکات کے مرتکب ہو کر دین اسلام میں رخنہ ڈالتے ہیں جہال کی ان حرکات کے عکس لے کر یوروپ والے سینما میں پیش کرتے اور دین اسلام کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ سب سے

اول علماء کا فرض ہے کہ ان افعال کے عدم جواز کا فتویٰ صادر کریں اور منبروں پر بیٹھ کر عوام کو سنائیں پھر حکومت سے ان وحشیانہ حرکات کے انسداد کا تقاضا کریں۔ افسوس علماء چاہتے ہیں کہ یہ لوگ گدھے بنے رہیں اور سواری دیتے رہیں۔ نذر و نیاز ملتی رہے ان حرکات شنیعہ کا موجب صرف علماء ہیں جو اپنی دکانداری کے لئے ان کے سدراہ نہیں ہوتے۔ حرام چیز قیامت تک حرام ہے اور حلال چیز قیامت تک حلال۔

(ب) دوسرے ممالک میں ایسی سوسائیٹیاں بنی ہوئی ہیں جو حیوانات کی ایذا دہی کو روکتی ہیں ان کو کوئی زخمی نہیں کرسکتا۔ مگر ایران میں دوپائے حیوان موجود ہیں جو زنجیر ہزار شاخہ لے کر اپنی پیٹھ اور سینہ کو زخمی کرتے ہیں مگر محافظان شریعت نہیں بتلاتے کہ بھائی زنجیر تو گدھے کو مارنا بھی منع ہے پھر بنی آدم کے لیے یہ کب زیبا ہے کہ گدھے کی طرح اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو زنجیر سے پیٹا جائے۔ آخر اسلام کا کہاں حکم ہے کہ زنجیر مارو۔ تلوار مارو۔ چاقو مارو۔ خدا کی قسم بے عقل عقلمند ہوگئے ہیں اور ہم زیادہ بے عقل (خرتر) ہو رہے ہیں۔ لوگو تم خود ہی سوچو یہ خود غرض علماء بہشت و جہنم کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے ہیں ان کے کہنے پر مت چلو۔ جہلم کے موقعہ پر لوگوں سے چندے بٹور کر لڑکوں کو عورتوں کا لباس پہنانا۔ دلدل۔ نیزہ۔ خیمہ۔ تنور۔ طشت۔ زنجیر وغیرہ کی نمائش کر کے واقعات کربلا کی نقلیں اتارنا اور اس طرح غریب لوگوں کے کاروبار بند رکھنا اور ٹکے بٹورنا بالکل خلافِ شریعت ہے۔ زیارت کو جانا اور مرثیہ خوانی کرنا بھی واجب نہیں ہے۔ روضہ خوانی صرف اس حد تک جائز ہے کہ فلسفہ شہادت بیان کیا جائے کہ زور و ظلم اور باطل کے آگے جھکنا نہیں چاہیئے اور بس۔ نہ یہ کہ ہر ایک مرثیہ خوان منبر پر بیٹھ کر بیہودہ گوئی کر کے اخلاقِ عامہ کو خراب کرے اور گریہ و بکا کی گرم بازاری کرنے کے لئے ایسی موضوع حدیثوں سے کام لے کہ جو روئے یا رولائے یا رونی صورت بنائے وہ قطعی جنتی ہے یعنی خواہ کتنے ہی گناہ کرے۔ دو ایک قطرہ آنسو بہانے سے سب کچھ بخشا جائیگا اور یہ شخص جنت کا ٹھیکیدار بن جائے گا۔ دیکھئے ایسے خرافات کس قدر اخلاق عامہ کو خراب کرنے والے ہیں حق سبحانہ فرماتا ہے کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرسکتا ہے (من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ) سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں فرماتے ہیں ؎

اگر خدائے نباشد زبندہ اش خوشنود ؛ شفاعت ہمہ پیغمبران ندارد سود

(اگر خدا اپنے بندہ سے راضی نہ ہو تو تمام پیغمبروں کی شفاعت کیا نفع پہنچا سکتی ہے۔ ہاں پی دکان رنگ

بینے والا مرثیہ خوان ایک قطرہ آنسو پر انسانی اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔" (ج) خدا ہمارے متقدمین مصنفین اور مرثیہ خوانوں پر رحم فرمائے کہ انہوں نے جو کچھ کہیں سے سن لیا۔ کتابوں میں لکھ دیا۔ ایسی احادیث و اخبار دور از نقل کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ان کے راوی ایرا غیرا نتھو خیرا وضعی (بناوٹی) لکھ لئے جاتے ہیں اور ان کو قوم کا رہنما تصور کیا جاتا ہے اور مبالغہ سے کام لے کر ان کو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے حالانکہ ان فرضی رہنماؤں کو خود منزلِ مقصود کا کچھ پتہ نہیں ایسے ہی اشخاص کے حق میں حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ یہ لوگ ہمارے شیعوں کے حق میں لشکر یزید سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ اگر حکومت کا دخل بھی نہ ہو تو معلوم نہیں کیا کچھ نتائج بد رونما ہوں آخر نہایت افسوس سے لکھا جاتا ہے کہ ہر ایک انقلاب سے آدمی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اور ہم (شیعہ) سال میں تین ماہ انقلاب دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے" (منقول از رسائل ثلثہ مصنفہ حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مصنف آفتاب ہدایت)

اصفہانی شیعہ مجتہد کا یہ فتویٰ تمام ماتمی علماء و مجتہدین کے لئے ایک عبرت کا تازیانہ ہے مصنف فلاح الکونین کے سارے استدلالات اور ان کے اختراعی ماتمی فلسفہ کا مکمل رد اس میں موجود ہے۔ اور اگر مذہب شیعہ کا تعلیم یافتہ طبقہ تعصب سے بالاتر ہو کر اس کو سمجھے تو ماتم مروجہ کی حرمت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ واللہ الہادی۔

ملک صاحب کے چیلنج کا جواب

ملک غلام عباس صاحب نے ماتمی جوش کے غلبہ میں یہ چیلنج دیا تھا کہ: اگر تم قرآن مجید میں الحمد سے والناس تک ایک آیت بھی ماتم حسین یا کسی شہید کے ماتم کا حرام ہونا یا ناجائز ہونا ثابت کر دو تو تمہیں ایک لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا" اس کے جواب میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ: اگر ملک صاحب کا مطالبہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ماتم حرام کے الفاظ دکھائے جائیں تو یہ لغو سوال ہے کیونکہ اس طرح تو آپ قرآن مجید میں کتا حرام ہونے کا بھی ثبوت پیش نہیں کر سکتے حالانکہ آپ کے نزدیک بھی کتا حرام ہی ہوگا۔ اور اگر یہ مطالبہ ہے کہ قرآنی اصول کے تحت مروجہ ماتم کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت کیا جائے تو اس کا ثبوت میں اپنے رسالہ میں دے چکا ہوں جس کا جواب آپ نہیں دے سکے۔ اور اب پھر پیش خدمت کرتا ہوں" (رسالہ" ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" ص۲۵) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: ملک صاحب کا سوال بقول آپ کے لغو ہوگا مگر جواب دینے میں آپ نے بھی کمال کر دیا چنانچہ ملک صاحب کا سوال ہے

اس حسینؓ کے ماتم کا جو کہ بنص آیت تطہیر انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (پ ۲۲- سورہ الاحزاب- آیت ۳۳) (تفصیل کے لئے تفسیر در منثور کی پانچویں جلد ملاحظہ کریں) الخ

الجواب (۱) آپ کا یہ الزام آپ کی کج فہمی پر مبنی ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنتی شخصیت واجب الاحترام ہے۔ اور میں نے یہاں جواب میں حضرت حسینؓ کی ذات کے متعلق کچھ نہیں لکھا بلکہ میں نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے وہ آپ کا فعل ماتم ہے۔ نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ اور پھر میں نے آپ کے اس فعل حرام کو بھی کتے سے تشبیہ نہیں دی۔ بلکہ میں نے تو آپ سے ایک سوال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید سے اگر ان الفاظ کا ثبوت مطلوب ہے کہ ماتم حرام ہے تو یہ الفاظ تو نہیں ملیں گے۔ لیکن ان الفاظ پر ماتم کا حرام ہونا موقوف نہیں۔ ورنہ آپ قرآن مجید سے یہ الفاظ نہیں دکھلا سکتے کہ کتا حرام ہے تو کیا پھر کتا آپ کے نزدیک حرام نہیں رہ جائیگا۔ تو کتے کا حرام ہونا ہی جس طرح ہم قرآن کے اصول سے ثابت کریں گے اسی طرح ماتم کا حرام ہونا بھی

حق تصنیف کا معاملہ

آپ نے لکھا ہے کہ: ممکن ہے ملک صاحب کا یہ خیال درست ہو کہ قاضی صاحب کے جوابی رسالہ کی اشاعت کا اصل مقصد روپیہ کمانا ہے مگر ہمارے خیال میں جوابی کاروائی کی غرض وغایت صرف دھن دولت کمانا نہیں۔ بلکہ اصل مطلب مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور خاص کر بریلوی حضرات کو شیعوں سے برگشتہ کرنا ہے (فلاح الکونین ص۱۱)

الجواب (۱) میں نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" یا مودودی مذہب وغیرہ جو کتابیں تصنیف کی ہیں وہ جماعت کی طرف سے چھپوائی جاتی ہیں۔ اور میں نے ان میں ایک پیسہ تک بھی بطور حق تصنیف نہیں لیا حتیٰ کہ کتاب "آفتاب ہدایت" جو میرے والد ماجد حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب مرحوم کی لاجواب تصنیف ہے۔ اس کے دو ایڈیشن میری اجازت سے مکتبہ رشیدیہ چکوال نے چھپوائے ہیں لیکن ان سے بھی میں نے اس کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ بلکہ ان سے خود بھی قیمتاً آفتاب ہدایت لیتا ہوں۔ اب آپ ہی بتلائیں کہ کیا کوئی کتاب آپ نے بلامعاوضہ لکھی ہے؟ (۲) میری دوسری غرض آپ نے کچھ سمجھ لی ہے کیونکہ میرا مقصود اس جوابی رسالہ کی اشاعت سے وہی تھا کہ دیوبندی ہوں یا بریلوی اہل سنت عوام آپ کے ماتم کا حرام ہونا سمجھ لیں۔ اور الحمدللہ میں اس میں کامیاب رہا ہوں

اور آپ کی پریشانی بھی اسی وجہ سے ہے۔

دو لاکھ کا دوسرا انعام

میں نے لکھا تھا کہ :- ملک صاحب اگر قرآن مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت کر دیں کہ معیبت اور قتل و شہادت کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے منہ پیٹنے اور سینہ کوٹنے کا حکم دیا ہے تو ان کو دو لاکھ روپیہ انعام دیا جائے گا (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے صـ۳۸) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :- یوں معلوم ہوتا ہے کہ ماشاء اللہ قاضی صاحب کی دولت کا کوئی شمار نہیں اس لئے ان کی طرف سے دو اور دو چار لاکھ روپیہ کے انعاموں کا اعلان کیا جا رہا ہے . . . . ہم آپ کے چیلنج کو قبول کرتے ہیں اور قرآن حکیم سے اس کا جواب پیش کرتے ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن مجید میں سورۃ النساء میں ارشاد فرماتا ہے۔

لا یحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم (فلاح الکونین صـ۱۳۰)

الجواب (۱) یہ دو دو لاکھ روپیہ کے انعام کا اعلان تو اپنے دعویٰ کی صداقت کی بناء پر کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے لئے اس چیلنج کا جواب ناممکن ہے (۲) جو آیت آپ نے اپنے ماتم کے ثبوت میں پیش کی ہے اس کا مفصل و ہم آیات قرآنی کی روشنی میں ثابت کریں گے۔ اور پیش کردہ آیات سے اسی طرح ثابت کیا جا چکا ہے۔ گذشتہ مفصل بحث کو دوبارہ پڑھ لیں۔ کیا آپ کے پاس ان کا کوئی علمی صحیح جواب ہے۔ ہرگز نہیں۔

حرمتِ ماتم پر ایک ہی آیت کافی ہے

یہاں آپ کی خواہش کے مطابق میں صرف ایک ہی آیت پیش کرتا ہوں :- واصبر وما صبرك الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تك فی ضیق مما یمکرون ۝ (سورۃ النحل - ع ۱۶ - پارہ ۱۴ آخری رکوع) آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی اس آیت کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں :- اور (اے رسولؐ) صبر کرو اور تم سے صبر نہ ہوگا مگر اللہ ہی کی مدد سے اور ان (شہدائے اُحد) کے متعلق رنج نہ کرو اور (کافر) جو چال چلتے ہیں اس سے دل تنگ نہ ہو" ترجمہ مقبول) فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ احد کے ستر شہیدوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کا حکم دیا اور رنج کرنے سے منع فرمایا۔ لہٰذا ارشاد خداوندی اس آیت سے شہیدوں کے متعلق صبر کا واجب ہونا اور رنج رکھنے کا ناجائز اور حرام ہونا ثابت ہو گیا۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس سے رنج کرنا صبر کے خلاف بھی ثابت ہو گیا۔ (صبر کرو اور رنج نہ کرو) یہ آیت ماتم کے مسئلہ میں مذہب اہل سنت

کے حق میں نص قطعی ہے۔ اور اگر ماتمیوں کا مذہب ماتم کے مسئلے میں صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے "صبر کرو اور ہمیشہ جزع فزع اور سینہ کوبی کرتے رہو" العیاذ باللہ کیا اس ارشاد خداوندی کے بعد بھی آپ محبت اہل بیت کی آڑ میں ماتم کو سنت اور عبادت قرار دے سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ البتہ ایک راستہ خلاصی کا آپ کے لئے کھلا ہوا ہے اور وہ یہ کہ اصلی قرآن میں تو آیت کے الفاظ یہ نہ تھے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے یہ الفاظ بڑھا دیئے۔ اور اب تقیہ کی بنا پر شیعہ علما بھی اس قرآن موجود کا ترجمہ اور تفسیر لکھ رہے ہیں۔ ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی ؛؛ تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

بہرحال ملک صاحب کے مطالبہ کے تحت ہم نے مذکورہ آیت سے ماتم اور جزع فزع کا حرام ہونا ثابت کر دیا ہے اور علم و دیانت کی روشنی میں شیعہ علما ہمارے استدلال کا کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اس لئے حسب اعلان ایک لاکھ روپیہ کی ذمہ داری اب ملک صاحب پر عائد ہوتی ہے۔

مکمل جواب دلائل ماتم نمبر ۲ میں دے چکا ہوں۔ دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔

تفسیر بالرائے کا مطلب

میں نے لکھا تھا کہ "ملک صاحب نے مجھ پر تفسیر بالرائے کرنے کا الزام لگایا ہے حالانکہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بلکہ حضرت امام جعفر صادق کی بیان فرمودہ صبر کی تعریف پیش کی تھی ملک صاحب بیچارے کیا جانیں تفسیر بالرائے کیا ہوتی ہے الخ (رسالہ ہم ماتم کیوں نہیں کرتے صـ۳۴) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: آپ نے ملک صاحب کے عائد کردہ الزام کو تو لکھ دیا ہے مگر ملک صاحب کے جواب میں تفسیر بالرائے کا مطلب بیان نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تفسیر بالرائے کے مطلب کو آپ بھی نہیں جانتے اسی لئے آپ نے صرف اتنا لکھ کر کہ "ملک صاحب بیچارے کیا جانیں کہ تفسیر بالرائے کیا ہوتی ہے" جواب گول کر دیا۔ لیجئے ہم آپ کو تفسیر بالرائے کا مطلب بتاتے ہیں غور سے پڑھیں اور خوب ذہن نشین کر لیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے (تفسیر بالرائے کا مطلب) انسان کسی مطلب پر دو طرح سے استدلال کرتا ہے ایک یہ کہ دلیل کی روشنی میں پہلے منزل کو تلاش کرتا ہے اور آخرکار کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ لیکن نتیجہ پر پہنچنے کے لئے جس کلام سے دلیل قائم کی جاتی ہے" اس کے متکلم کی رائے کو معلوم کرنا لازمی ہے ورنہ نتیجہ اخذ کرنے والا اپنی منزل کو آخری اور یقینی منزل قرار نہیں دے سکتا۔ دوسرا۔ پہلے مطلب

قائم کیا جائے پھر تلاش کرے اور آیات کا رُخ ادھر پھیرے مطلب یہ کہ بجائے دلیل سے نتیجہ نکالنے کے پہلے ہی نتیجہ قائم کیا جائے اور پھر دلیل تلاش کی جائے۔ یہیں پہنچ کر متجسس کو تفسیر بالرائے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ مطلب فوت نہ ہو جائے۔ اب آپ دوسرے طریقہ استدلال کو پیش نظر رکھ کر ان آیات پر غور کریں جو آپ نے تم حسین کے ناجائز اور حرام ہونے کی دلیل بنائی ہیں۔ آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ آپ کی تفسیر بالرائے ہے پھر بھی اگر آپ نہ سمجھیں تو ہم سے رجوع کریں ہم آپ کو بالتفصیل سمجھا دیں گے" (فلاح الکونین ص۱۱۹)

الجواب (۱) تفسیر بالرائے کا مطلب بیان کرنے میں بھی آپ نے اپنی روایتی جہالت سے کام لیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :۔ "لیکن نتیجہ پر پہنچنے کے لئے جس کلام سے دلیل قائم کی جاتی ہے اس کے متکلم کی رائے کو معلوم کرنا لازمی ہے"۔ اس میں تو بحث ہی نہیں کہ متکلم کی رائے یعنی مراد معلوم کرنا ضروری ہے یا نہیں۔ بلکہ بحث اس میں ہے کہ متکلم کی مراد کیسے معلوم کی جائے۔ یعنی قرآن مجید کی صحیح تفسیر معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ لیکن آپ نے خود بھی تفسیر قرآن کا صحیح طریقہ پیش نہیں کیا تاکہ جو اس کے خلاف ہو اس کو تفسیر بالرائے پر محمول کیا جاتا۔ اگر آپ تفسیر بالرائے کا مطلب خود سمجھتے تو ایسی لایعنی عبارت نہ پیش کرتے۔ اب سمجھئے۔ چونکہ قرآن مجید عربی لغت اور محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ (سورۃ یوسف ع ۱) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے :۔ "ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی (زبان کا) تاکہ تم سمجھو" اور مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر کا ترجمہ یہ ہے :۔ "بیشک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم لوگ سمجھو" اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔ "الخصال میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ عربی سیکھو کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس میں اللہ نے اپنی مخلوق سے باتیں کی ہیں" (ترجمہ مقبول) اس لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ الفاظ قرآنی کا مطلب عربی لغت اور محاورہ کے مطابق معلوم کیا جائے (ب) اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلام الٰہی کی مراد کو بذریعہ وحی صحیح طور پر سمجھنے والے ہیں۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث

لہ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ○ (سورۃ النحل ع ۶) "اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں اور تاکہ وہ فکر کیا کریں" (ترجمہ مولانا تھانوی) "اور تمہاری طرف یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اسے تم لوگوں کے لئے کھول کر بیان کر دو کہ وہ غور و فکر کریں" (ترجمہ مقبول)

سے قرآن مجید کا مطلب حاصل کیا جائے گا۔ اگر لغوی معانی مختلف ہوں تو صحیح حدیث کے مطابق جو معنی ہوگا اس کو ترجیح دی جائے گی۔ لہٰذا تفسیر بالرائے وہ ہوگی جو عربی قواعد کے خلاف ہو یا ان ضروریات دین کے خلاف ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ حدیث قطعی طور پر ثابت ہیں۔ اس بنا پر اگر دلائل کا موازنہ کیا جائے تو میں نے حرمت ماتم پر جن آیات سے استدلال کیا ہے۔ وہ تفسیر بالرائے نہیں بلکہ لغوی معنی کے مطابق ہے اور احادیث صحیح کے مضامین کے موافق ہے۔ میں نے جو آیات صبر پیش کی ہیں۔ ان سے ماتم کا ناجائز ہونا ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ لغت اور قرآن سے پہلے تفصیلاً یہ ثابت کر چکا ہوں کہ جزع کا معنی بے صبری ہے اور جزع اور صبر دو حالتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں قرآن کا لفظ صبر ہی آپ کے ماتم اور جزع فزع کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ علاوہ ازیں احادیث اہل سُنّت اور احادیث شیعہ دونوں سے جزع کا صبر کے خلاف ہونا ثابت کر دیا گیا ہے۔ پھر آپ اس کو تفسیر بالرائے کیسے قرار دے سکتے ہیں۔ البتہ آپ نے ماتم کے لئے جن آیات سے استدلال کیا ہے وہ یقیناً آپ کی تفسیر بالرائے ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی جن آیات میں حزن اور بکاء کے الفاظ آئے ہیں۔ آپ نے لغوی معنی کے خلاف ان سے پیٹنا مراد لیا ہے۔ اور احادیث مرویہ ائمہ اہل بیت بھی آپ کی اس تفسیر کے خلاف ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ الزام مجھ پر لگا رہے ہیں۔ ع۔ وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

تفسیر بالرائے اور مفسرین شیعہ

آپ اپنے علماء کی تفسیریں پڑھیں جو تفسیر بالرائے سے بھری پڑی ہیں۔

صراط مستقیم سے مراد حضرت علیؓ ہیں

(۱) سورۃ فاتحہ کی آیت اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں آپ کے شیخ قمی (جو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ اور شیخ محمد بن یعقوب کلینی نے بھی الکافی میں ان سے روایات نقل کی ہیں) لکھتے ہیں، عن ابی عبد اللہ علیہ السلام فی قولہ الصراط المستقیم قال ھو امیر المومنین و معرفتہ (امام جعفر صادق سے روایت ہے۔ کہ صراط مستقیم سے مراد حضرت علی اور ان کی معرفت ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ والدلیل علی انہ امیر المومنین قولہ وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلیٌّ حکیم۔ اور اس بات کی دلیل کہ صراط سے مراد حضرت علی ہیں یہ آیت ہے وَاِنَّہٗ فِیْٓ اُمِّ الْکِتَابِ لَدَیْنَا لَعَلِیٌّ حَکِیْم۔ (تفسیر قمی) یہ ہے تفسیر بالرائے۔ کہ صراط سے علی مراد

لیلیا۔ حالانکہ صراط مستقیم کا معنیٰ ہے سیدھا راستہ۔ اور حضرت علی خود صراط مستقیم نہیں بلکہ صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں چنانچہ اس کے بعد فرمایا۔ صراط الذین انعمت علیھم رہمیں ان لوگوں کے راستہ کی ہدایت کر جن پر تونے انعام کیا ہے) توسورہ فاتحہ کی آیت سے ہی معلوم ہوگیا کہ صراط مستقیم اور ہے اور اس پر چلنے والے اور ہیں۔ (ب) اور اس پر جو سورہ الزخرف کی آیت سے دلیل قائم کی ہے وہ بھی بالکل غلط ہے۔ چنانچہ آیات حسب ذیل ہیں،

حٰمٓ ۝ والکتاب المبین ۝ انا جعلناہ قرانًا عربیًا لعلکم تعقلون ۝ وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم ۝ (پ ۲۵۔ سورۃ الزخرف ع ۱) مولانا تھانوی اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں۔ حٰمٓ۔ قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ (اے عرب) تم (آسانی سے) سمجھ لو۔ اور وہ ہمارے پاس لوح محفوظ میں بڑے رتبہ کی اور حکمت بھری کتاب ہے" (ب) مولوی مقبول احمد صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔ حٰمٓ۔ قسم ہے واضح کتاب کی۔ بیشک ہم نے اس کو عربی قرآن مقرر کیا تاکہ تم سمجھو۔ اور بیشک وہ ہمارے پاس ام الکتاب میں ضرور عالی شان (اور) حکمت والا ہے" اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔

معانی الاخبار میں جناب امام جعفر صادق سے نیز تفسیر قمی میں منقول ہے کہ جس کا ذکر ام الکتاب یعنی سورۃ فاتحہ میں ہے وہ جناب امیرالمؤمنین ہیں کیونکہ اس میں خدا تعالیٰ کا یہ قول درج ہے اھدنا الصراط المستقیم اور الصراط المستقیم سے خود جناب امیرالمؤمنین اور ان کی معرفت مراد ہے" (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی شیخ قمی کی پیروی میں لعلی حکیم سے مراد علی بن ابی طالب ہی بتایا۔ حالانکہ ان آیات میں حضرت علی کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی یہاں صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ شروع میں والکتاب المبین فرمایا کہ کتاب مبین یعنی قرآن مجید کی قسم۔ اور اس کا ترجمہ مولوی مقبول صاحب نے بھی یہی کہا ہے: قسم ہے واضح کتاب کی اور اس کے بعد کی ساری ضمیریں اسی الکتاب کی طرف راجع ہوتی ہیں۔ اور لعلی حکیم بھی کتاب اللہ کی صفتیں ہیں یعنی بڑے رتبہ والی اور حکمت والی کتاب ہے۔ لہٰذا لعلی حکیم سے حضرت علی مراد لینا تفسیر بالرائے اور تحریف معنوی ہے۔

ذٰلک الکتاب سے مراد حضرت علیؓ ہیں

(۲) سورۃ البقرہ کی پہلی آیت ہے۔ الٓمٓ ۝ ذٰلک الکتاب لاریب فیہ۔ اس کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب یہ

لکھتے ہیں۔ الم - یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں" لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ تفسیر عیاشی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ اس سے مراد علی بن ابی طالب ہیں" (ترجمہ مقبول)

الشجرۃ سے مراد محمدؐ و آل محمدؐ کا درخت ہے

(۳) قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو فرمایا:۔ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔

اس کا ترجمہ تو مولوی مقبول احمد صاحب موصوف یہ لکھتے ہیں:۔ "مگر اس درخت کے پاس نہ جانا" لیکن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ الشجرۃ - محمد و آل محمد کے علم کا درخت مراد ہے جو انہی حضرات کے لئے مخصوص تھا اور یتیم و مسکین و اسیر کو کھانا کھلانے کے بعد محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے لئے خدا نے اس درخت سے تحفہ بھیجا تھا یہ درخت جنت کے اور درختوں سے اس بات میں ممتاز تھا کہ اس میں گیہوں - انگور، انجیر عناب اور ہر قسم کے طعام - میوے اور پھل لگتے تھے - اسی وجہ سے جب درخت کا ذکر کیا ہے تو کسی نے گیہوں مراد لی ہے - کسی نے انجیر - کسی نے انگور اور کسی نے عناب" فرمایئے کیا عجیب تفسیر ہے - پہلے تو لکھتے ہیں کہ اس درخت سے مراد محمدؐ و آل محمدؐ کے علم کا درخت ہے اور پھر اسی کو گیہوں اور انجیر وغیرہ والا درخت بنا لیا۔ جس درخت پر یہ گوناگوں پھل لگتے ہوں کیا اس کو علم کا درخت بھی کہہ سکتے ہیں - کیا گیہوں - انجیر کسی علم کے نام ہیں یہ ہے نمونہ شیعہ تفاسیر کا - اس کو ہم تفسیر بالرائے کا نام دیں یا کوئی اور - بہرحال عجیب مضحکہ خیز تفاسیر ہیں کیا ائمہ اہل بیت کے فضائل قرآن حکیم کی معنوی تحریف کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے؟

غزوہ حنین اور حضرات صحابہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ماتمی مصنف نے آیت لاتحزن کے تحت جو طعنہ زنی کی تھی اس کا مفصل جواب گذر چکا ہے ماتمی ٹریکٹ کے مصنف ملک غلام عباس صاحب کے ایک طعن کے جواب میں ہم نے یہ لکھا تھا کہ:۔ ملک صاحب یہ تو بتائیں کہ اگر اصحاب، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھاگ جانے والے ہوتے تو آپ کے عقیدہ کے مطابق کیا ان بھاگنے والوں نے ہی نعوذ باللہ شیر خدا حضرت علی کی خلافت چھین لی تھی اور ان کی موجودگی میں خاندان رسالت پر ظلم کیا تھا اور حضرت علی نے باوجود اس کے صبر کیا تھا اور کیا یہی وہ بھاگنے والے اصحاب تھے جنہوں نے قیصر و کسریٰ کے تخت پر قبضہ کر لیا تھا۔ (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے ص۱۳) اس کے جواب

الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں، صحابہ کے میدان جنگ سے فرار کے تاریخی شواہد تو ہم دلیل نمبر ۱۲ کے جواب
الجواب میں بیان کر چکے ہیں یہاں قرآن کریم کی ان آیات کو پیش کرتے ہیں جن میں صحابہ کا میدان جنگ سے پیٹھ
پھیر کر بھاگ جانا بیان کیا گیا ہے۔ اِذْ تصعدون ولا تلوون علی احدٍ والرسول یدعوکم فی اُخراکم
(پ ۴۔ سورہ آل عمران آیت ۱۵۳) وہ وقت یاد کرو جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہیں دیکھتے
تھے اور رسول تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے (جنگ۔ احد) احد کے بعد حُنین کا نظارہ کیجئے لَقَد
نصرکمُ اللہ فی مَواطِنَ کثیرۃٍ ویومَ حُنَینٍ اِذْ اَعجَبتکم کثرتکم فلم تُغنِ عنکم شَیئًا
وضاقتْ علیکم الارض بما رَحُبَتْ ثم ولّیتم مُدبرین ٥ (پ ۱۰۔ سورۃ توبہ۔ آیت ۲۵)
کہ خدا تعالیٰ نے (لڑائی) کے بہت موقعوں میں کفار پر غلبہ دیا اور حُنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت
پر غرہ ہوگیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگی کرنے لگی۔ پھر آخر تم
پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے" (ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی)
اب ان بھاگنے والوں کے نام اور فاصلہ جتنی دور تک بھاگ کر گئے تفاسیر و تواریخ میں خود پڑھ لیں۔ ہم
نام اس لئے نہیں بتاتے کہ اگر ہم نے نام بتائے تو جس طرح مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النبیؐ جلد اول میں جنگ
خیبر کے دوران حضرت عمر کا علم پھینک کر بھاگنا لکھ کر کہہ دیا کہ اس روایت کا راوی شیبان نامی ایک شیعہ ہے۔ لہٰذا
کسی شیعہ کی زبان سے حضرت عمر کے فرار کا بیان اچھا معلوم نہیں ہوتا یونہی آپ کو بھی کہنا پڑے۔ اُحد اور
حُنین سے صحابہ کے فرار کا بیان اچھا معلوم نہیں ہوتا اس سے مابعد کے سوال کا جواب دے کر ہم ایک
اور بحث کا دروازہ نہیں کھولنا چاہتے۔ یہ وہی سوال ہے جس کا جواب ہمارے علمائے کرام سینکڑوں مرتبہ دے
چکے ہیں لیکن ایک آپ ہیں کہ ایسے مدلل اور مسکت جواب پا کر بھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ کی رٹ لگائے جا رہے
ہیں۔ الجواب (۱) جنگ احد کے سلسلہ میں آپ کے طعن کا مفصل جواب دلیل نمبر ۱۲ میں گذر چکا ہے۔ دوبارہ ملاحظہ
فرمالیں (فلاح الکونین ص ۱۳۴) (۲) جنگ حنین کے متعلق آپ نے ثم ولّیتم مُدبرین ٥ سے بعد کی
حسب ذیل آیات چھوڑ دی ہیں جن میں آپ کے طعن کا جواب بھی مل جاتا ہے۔ ثُمَّ اَنزَلَ اللہُ سکینتہٗ
علی رسولہٖ وعلی المومنین وَاَنزَلَ جنودًا لَّم تَروها وعَذّبَ الذین کفروا ط وذلک جزاء

الکافرین ○ ثم یتوبُ اللّٰہُ من بعد ذٰلکَ علی من یشآءُ ط وَ اللّٰہُ غفورٌ رّحیم ○ (التوبہ ع ۴)

ان آیات کا ترجمہ مولینا اشرف علی تھانوی نے یہ لکھا ہے :۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور دوسرے مومنین پر اپنی تسلی نازل فرمائی اور ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہ کافروں کی سزا ہے پھر خدا تعالیٰ جس کو چاہیں توبہ نصیب کر دیں او راللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے رحمت کرنے والے ہیں" اور آپ کے شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد صاحب یہ ترجمہ لکھتے ہیں :۔ پھر اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول اور مومنین پر نازل کی اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے کبھی نہ دیکھا تھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی سزا (بھی) یہی ہے۔ پھر اس کے بعد اور جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے اور اللہ بڑا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے" (ترجمہ مقبول) ان آیات سے ثابت ہوا کہ (ا) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی نصرت فرمائی تھی (لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ویوم حنین) فرمایئے اللہ تعالیٰ کی نصرت مومنین کو ہوتی ہے یا کافرین اور منافقین کو۔ (ب) قرآن مجید میں بھاگنے والوں کا نام نہیں لیکن یہ فرما دیا کہ ان پر اللہ نے اپنی تسلی نازل فرمائی جس کے بعد ان کے قدم جم گئے یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دلیل ہے۔ (ج) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی فرشتوں کے لشکروں سے مدد فرمائی۔ کیا کفار اور مخالفین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی جاتی ہے؟ (د) اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے مقابلہ میں لڑنے والے کافروں کو سزا دی۔ کہ ان میں سے کئی قتل ہوئے اور کئی گرفتار کر لئے گئے۔ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت اللہ تعالیٰ کی مقبول اور پسندیدہ تھی اگر ان میں سے وقتی طور پر کسی سے غلطی بھی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خصوصی رحمت نازل فرما دی۔ اس کے بعد بھی اگر آپ اس جماعت صحابہ سے بدظن ہیں اور اب تک ان کو مطعون کرنا آپ کا مذہبی مشن ہے تو پھر آپ کو اس قرآن مقدس کے کلام الٰہی ہونے میں شبہ ہے اور آپ کا موجودہ قرآن پر ہرگز ایمان نہیں ہے۔ یہی وہ مقدس جماعت صحابہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کفار کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمایا۔ اور قرآنی پیشگوئیوں کے تحت ان کے ذریعہ اسلام و شریعت کا نور اطراف عالم میں پھیل گیا۔

جنگ حنین کی نوعیت

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے۔ مولانا شبلی نعمانی سیرت النبی میں لکھتے ہیں کہ :۔ شوال ۸ھ مطابق جنوری و فروری ۶۳۰ء میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ اس سر و سامان سے حنین پر بڑھیں کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل

گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے لیکن بارگاہ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی"۔ (صـــ۲۳۳ـــ) آیت سے معلوم ہوتا ہے۔
کہ بعض سے ایسے الفاظ نکل گئے تھے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئے اس لئے مسلمانوں کی فتح کو شکست سے بدل دیا گیا۔ اور یہ ان کی
اصلاح کے لئے تھا۔ لیکن اسباب کے تحت مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ: شکست کے مختلف اسباب تھے۔ مقدمۃ الجیش میں
جو حضرت خالد کی افسری میں تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے۔ وہ جوانی کے غرور میں اسلحہ جنگ پہن کر بھی
نہیں آئے تھے (بخاری باب الجہاد) فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ ہوازن
تیراندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا۔ کفار نے
معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیراندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں۔ کھڈوں اور دروں میں
جابجا جما دئے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا۔ میدان جنگ اس قدر نشیب
میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے۔ حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ ادھر کمین گاہوں
سے تیراندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا
اور تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صحیح البخاری میں ہے فادبروا عنہ حتی بقی وحدہ۔ یعنی سب
لوگ ہٹ گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے"۔ (سیرت النبی جلد اول صـــ۵۳۹ـــ)۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی
حاشیہ میں اس روایت کی توجیہہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: مسند احمد ج ا صـــ۴۵۳ـــ وحاکم میں حضرت عبداللہ بن
مسعود سے مروی ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے (فتح الباری ج ۸
صـــ۲۳ـــ) بیہقی نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے (زرقانی ج ۳ صـــ۲۲ـــ) ابو نعیم
نے دلائل میں سو کی تفصیل بتلائی ہے کہ تیس ۳۰ سے کچھ زائد مہاجرین تھے بقیہ انصار تھے (فتح الباری ج ۸ صـــ۲۳ـــ)
ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مہاجرین۔ انصار اور اہل بیت۔ میں سے
حسب ذیل صحابہ موجود تھے۔ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت علی۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب۔ حضرت
سفیان بن حارث حضرت جعفر بن ابی سفیان بن حارث حضرت فضل بن عباس۔ حضرت ربیعہ بن حارث
حضرت اسامہ بن زید حضرت ایمن بن ام ایمن۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انس کے الفاظ یعنی وحدہ
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا رہ گئے تھے اپنے ظاہری معنی پر باقی نہیں رہ سکتے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی یہ توجیہ

کی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضور آگے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے لیکن اس کی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ حقیقت یہ نہ تھی دوسری روایات میں ثابت قدم رہنے والوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۳ صہ۲۲) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس تھے اور تھوڑی تھوڑی تعداد میں حضور کے پاس پہنچنے لگے۔ یہاں تک کہ خاصی جماعت حضور کے گرد جمع ہوگئی۔ اس وجہ سے مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتلائی ہے (حاشیہ سیرت النبی جلد اول صہ۳۸) اور تاریخ ابن خلدون میں غزوۂ حنین کے سلسلے میں لکھتے ہیں:۔ وثبت معہ ابو بکر وعمر وعلی والعباس وابو سفیان بن الحارث وابنہ جعفر والفضل وقثم ابنا العباس وجماعۃ سواھما ؀ (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت رہنے والے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت ابوسفیان اور جعفر بن ابی سفیان اور حضرت عباس کے دونوں صاحبزادے فضل اور قثم کے علاوہ اور جماعت بھی تھی" اور طبقات ابن سعد حصہ اول میں لکھا ہے کہ:۔ اس روز آپ کے ہمراہ عباس بن عبد المطلب۔ علی بن ابی طالب۔ فضل بن عباس۔ ابوسفیان بن الحارث ابن عبد المطلب۔ ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب۔ ابوبکر وعمر اور اسامہ بن زید اپنے چند گھر والوں اور ساتھیوں کے ہمراہ ثابت قدم رہے" (صہ۴۹) فرمایئے ثابت قدم رہنے والوں میں جب حضرت ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ناموں کی تصریح پائی جاتی ہے پھر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ پھر اس موقعہ پر جس نے جو کچھ دیکھا وہ بیان کر دیا ہے اس لئے صحیح طور پر معلوم نہیں ہوسکتا کہ کون کون ساتھ تھے اور کون کون نہ تھے۔ علاوہ ازیں جس طرح کفار کے تیر اندازوں نے سخت حملہ کیا تھا اور مومنین نشیب میں بھی تھے اور مقدمۃ الجیش میں نو مسلم جو شیلے نوجوان تھے جن کے پاؤں پہلے اکھڑے اور ان کی وجہ سے سارے لشکر کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ ایسا بھاگنا نہ تھا کہ بالکل ہی میدان چھوڑ کر کہیں دور نکل گئے ہوں۔ اسی لئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت عباس نے پکارا تو سب لشکر جمع ہوگیا۔ چنانچہ علامہ شبلی مرحوم لکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا معشر الانصار۔ آواز کے ساتھ صدا آئی "ہم حاضر ہیں" پھر آپ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا" اب بھی وہی آواز آئی" آپ سواری سے اتر پڑے اور جلالت نبوت

کے لہجہ میں فرمایا۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں" (صحیح بخاری جلد دوم) بخاری کی دوسری روایت میں ہے
انا النبی لا کذب - انا ابن عبد المطلب۔ (میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں)
حضرت عباس نہایت بلند آواز تھے آپ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے نعرہ مارا۔
یامحشر الانصار۔ یا اصحاب الشجرہ (اوگروہ انصار۔ او اصحاب الشجرۃ ربیعت رضوان والے) اس پُر اثر آواز کا
کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے
انہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے اور جو رہ
گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں الخ (سیرت النبی ص ۵۳۹) تو جب حسب ارشاد ربانی تمام اصحاب رسول
صلی اللہ علیہ وسلم پر سکینت اور تسلی نازل ہوئی اور پھر ان کی مدد کے لئے ملائکہ بھی نازل ہوئے تو جن کے قدم اکھڑ چکے
تھے وہ بھی جم گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے کفار سے میدان خالی ہوگیا۔ اور صحابہ کرام کو فتح کامل نصیب ہوگئی تو پھر طعن
کی کیا گنجائش ہے۔ دراصل دُکھ تو آپ کو صحابہ اکرام کی ان فتوحات کا ہے جو رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل
حق تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی تھیں۔ لیکن ان غازیان اسلام سے بدظن کرنے سے اگر کوئی لفظ ایسا ملتا ہے جس سے
ناواقف لوگوں کو شبہ ڈالا جا سکے تو اسی کو لے کر اس مقدس جماعت کے خلاف زبان درازی شروع کر دیتے ہیں۔ مگر
از روئے ایمان وانصاف اگر دیکھا جائے تو یہی آیات صحابہ کرام کی مقبولیت پر دلالت کرتی ہیں۔

"تمام علمائے اہل سُنت کے نزدیک ماتم مروّجہ حرام ہے"

میں نے ماتمی ٹریکٹ کے مصنف ملک غلام عباس صاحب کے جواب میں لکھا تھا کہ :۔ ملک صاحب آپ نے سوائے اپنے فرقہ کے باقی تمام مُسلم فرقوں کے خلاف یہ ٹریکٹ لکھا تھا کیونکہ سوائے آپ کے قلیل فرقہ کے اور کوئی فرقہ آپ کے مروّجہ ماتم کو عبادت نہیں سمجھتا حتیٰ کہ مسلمانان اہل السُنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر (خواہ حنفی ہوں یا شافعی۔ دیوبندی ہوں یا بریلوی) اس مروّجہ ماتم کو شرعًا ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں چنانچہ بریلوی علماء کے امام مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم نے اس سوال کے جواب میں کہ "مجلس مرثیہ خوانی اہل شیعہ میں اہل سُنت کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں"، لکھا ہے کہ :۔ حرام ہے ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ نہ ہو تو روایات موضوعہ و کلمات شنیعہ و ماتم حرام سے خالی نہیں ہوتی اور یہ دیکھیں گے سنیں گے اور منع نہ کر سکینگے ۔ ایسی جگہ جانا حرام ہے (رسالہ تعزیہ داری ۱۲) اور ملک صاحب یہ خُوب جانتے ہیں کہ پاکستان، ہندوستان۔ افغانستان اور تمام دُنیائے اسلام میں مسلمانان اہل السنت والجماعت کی اکثریت کے نزدیک یہ ماتم ناجائز ہے ۔ باقی رہا ملک صاحب کا یہ لکھنا کہ "ہندو بھی امام حسین کا ماتم کرتے ہیں ۔ تو کیا ملک صاحب کے نزدیک ہندوؤں کا فعل اسلامی عبادت میں شمار ہو جائے گا ۔ سُبحان اللہ کیا ہندو اسلام اور قرآن کو بھی مانتے ہیں کہ امام حسین کے ساتھ ان کو مذہبی عقیدت ہو۔ کیا ہندوستان کے ہندو وہی تو نہیں جنہوں نے اسلام دشمنی میں مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا ہے ؟ ملک صاحب کی پریشانی کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اتحاد کے پردے میں انہوں نے جو کوشش اہل سنت کو ماتمی بنانے میں شروع کر رکھی تھی اس پر ملک صاحب جتنا ماتم کریں وہ معذور ہیں" (ہم ماتم کیوں نہیں کرتے صہ۲۴) اس کے جواب الجواب میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں :۔ یہ بات بھی قابل تسلیم نہیں کہ یہ ٹریکٹ تمام اسلامی فرقوں کے خلاف ہے کیونکہ ہزاروں اہل السُنت والجماعت (بریلوی) مجالس ہائے حسین میں شریک ہوتے ہیں اور مصائب حسین کو سُن کر اپنی آنکھوں سے قطرات اشک بہاتے اور اس عظیم محسنِ اسلام کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں ۔ علَم اور تعزیہ پر نذریں چڑھاتے ہیں بلکہ کئی مقام کے اہل سُنت حضرات بانی مجالس اور تعزیہ دار بھی ہیں ۔ دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے[۱] علاقے میں ایسی مثالیں موجود

---

[۱] ہمارے علاقے سے مراد اگر چکوال کا علاقہ ہے تو ہمارے علم میں یہاں کہیں بھی ایسے اہل سُنت نہیں جو خود تعزیہ دار ہوں۔ کاش کہ مصنف اسکی کوئی مثال پیش کر دیتے اور اگر غیر شعوری طور پر ہمارے علاقہ کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ تو اصلی مصنف جس علاقہ کے ہیں ممکن ہے وہاں ایسے اہل سنت موجود ہوں۔ واللہ اعلم ۱۲ ۔

ہیں، ملتان میں تو اہل سُنت تعزیہ داروں کی اکثریت ہے۔ اگر آپ اہل سنت کو ماتم و زنجیر زنی کرتے دیکھنا چاہیں تو ایام محرم الحرام میں پشاور تشریف لے جائیں اور بچشم خود ملاحظہ کرکے یقین کریں۔ کیا واقعی ماتم کرنے اور مجالس سننے والوں میں اکثریت اہل السنت والجماعت کی ہے یا نہیں الخ (فلاح الکونین صـ۱۰۲)

الجواب (ا) تعجّب ہے کہ میرے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں بریلوی مسلک کے پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب کے درج شدہ حرمت ماتم کے فتویٰ کے بعد بھی آپ بریلوی عوام کے ماتمی مجالس میں شریک ہونے کو جواز ماتم کی تائید میں پیش کر رہے ہیں کیا عوام کا یہ فعل شرعی حجت ہے (ب) کیا سُنی عوام سینماؤں تھیٹروں اور خلاف شرع میلوں میں شریک نہیں ہوتے تو کیا ان کی وجہ سے یہ خلاف شرع امور مذہب اہل سنت میں جائز ہو جائیں گے۔ (ج) عموماً سُنی عوام اپنے مذہب سے ناواقفیت کی بنا پر ماتم میں شریک ہوتے ہیں اور ان کو سمجھانے کے لئے ہی تو حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے مذکورہ فتویٰ میں یہ لکھا ہے کہ: "شیعوں کی مجلس مرثیہ خوانی میں اہل سُنت کا جانا حرام ہے"۔ تو پشاور کے سُنی مسلمان ہوں یا ملتان کے ان کی نادانی اور جہالت کی وجہ سے آپ کے ماتم حرام کو حلال کی سند تو نہیں مل سکتی (د) آپ ماتم میں زنجیر زنی کے تماشہ کو بطور فخر بیان کر رہے ہیں حالانکہ دُرِ نجف کے ایڈیٹر صاحب کی کتاب خزینۃ المسائل کا حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ شیعہ مجتہدین کے نزدیک زنجیر زنی منع ہے۔ اور شیخ محمد تقی اصفہانی کا فتویٰ بھی درج کیا گیا ہے کہ زنجیر زنی تو کجا سینہ کوبی بھی خلاف شریعت ہے۔ اور فروع کافی۔ تفسیر قمی من لا یحضرہ الفقیہ کی احادیث سے بھی ماتم مروجہ کے افعال کا حرام ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے۔ تو اس کے باوجود بھی آپ جیسے شیعہ علماء جب ماتم حرام کے عبادت ہونے پر کتابیں شائع کرتے ہیں تو اگر سُنی عوام اپنی کم علمی کی وجہ سے ماتمی مجالس میں شریک ہو جائیں تو کیا محل تعجب ہے ؟ (ر) سُنی عوام ماتم کو عبادت سمجھ کر بھی شریک نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک ماتمی تماشہ دیکھنے اور ذاکرین کی مرثیہ خوانی سُننے کے لئے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی تو دیکھیں کہ رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کی وجہ سے کئی سُنی عوام ماتمی مجالس سے توبہ بھی کر گئے ہیں۔ خصوصاً تلہ گنگ کے اہل سُنت کیلئے یہ رسالہ ایک ایسا رہنما ثابت ہوا ہے کہ انہوں نے ماتمی مجالس کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ ماتمی چندے بند کر دیئے ہیں جس کی وجہ سے تلہ گنگ کی ماتمی مجالس اور وہاں کے ماتمی جلوس بے رونق ہو گئے ہیں اور ماتمی مجالس کے مقابلہ میں اب وہاں کے سُنی مسلمان (دیوبندی ہوں یا بریلوی) متحدہ طور پر عظیم الشان سنی کانفرنسیں منعقد کرتے ہیں۔ اور چکوال اور اس

کے نواحی علاقوں میں بھی یہی حال ہے ۔ خدام اہل سنت کی جد وجہد کے نتیجہ میں دیہات کے سُنی عوام اب بیدار ہو چکے ہیں۔ اور مذہب اہل سُنت کا پرچم بلند ہو رہا ہے ۔ حق چار یار کا غلغلہ بلند ہے اور بریلوی علماء بھی اپنے جلسوں کے اشتہارات کو "حق چار یار" سے مزین کر رہے ہیں ۔ بلکہ اب تو پاکستان بھر میں خلفائے راشدین کی صداقت و حقانیت کا اعلان اور مذہب اہل سُنت کا امتیازی نشان پھیل رہا ہے ماتم کی تاریکیاں چھٹ رہی ہیں اور سنت رسول اور جماعت رسول یعنی صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے صبر و استقامت کے انوار پھیل رہے ہیں۔ اور ان شاء اللہ مذہب اہل سُنت کا پرچم بلند سے بلند تر ہوتا جائے گا ۔ اور ما شاء اللہ خدام اہل سنت کی سرگرمیوں کا اعتراف کرنے پر آپ بھی ان الفاظ میں مجبور ہوئے ہیں کہ: اگر بقول قاضی صاحب ۔ یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ٹریکٹ مذکور سوائے فرقہ شیعہ کے باقی تمام مسلم مکاتب فکر کے خلاف نہیں ہے تو ہم قاضی صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ کی یہ سُنی کانفرنسیں ۔ تبلیغی جلسے اور ان میں ہونے والی دھواں دھار تقریریں ۔ آپ کے مکتبوں میں شائع ہونے والی کتابیں ۔ رسالے ۔ پمفلٹ اور اشتہار وغیرھم کیا دوسرے اسلامی فرقوں کے خلاف نہیں ؟ (فلاح الکونین صـ) الجواب ۔ ہمارے یہ سُنی جلسے اور سنی کانفرنسیں ۔ کتابیں اور پمفلٹ بلکہ سُنی کیلنڈر سب مذہب اہل سنت کی حقانیت کی تبلیغ و تحفظ کے لئے ہیں جو ہمارا مذہبی فریضہ ہے ۔ ہم خلافت راشدہ حق چار یار ۔ اصحاب رسول کے معیار حق ہونے ۔ ازواج مطہرات کے جنتی ہونے اور اہل بیت کے اہل سنت ہونے جیسے عقائد و مسائل کی تقریراً و تحریراً تبلیغ کرتے ہیں اور اس کی زد اگر پڑتی ہے تو اس فرقہ پر جو سنت رسول یا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا مخالف ہے ۔ ہم ختم نبوت کے بنیادی عقیدہ کا بھی تحفظ کرتے ہیں جس کی زد مرزائی پارٹی پر پڑتی ہے لیکن مرزائیوں کو ہم مسلم فرقوں میں شمار نہیں کرتے ۔ پھر آپ کو کیا اعتراض ہے ؟

پشاور کے سُنی مسلمانوں کی خدمت میں

صوبہ سرحد میں سُنی حنفی مسلمانوں کی عظیم اکثریت پائی جاتی ہے اور علمائے اہل سنت کے بڑے بڑے دینی مدارس ہیں جن سے ہر سال سینکڑوں علماء ۔ حفاظ اور قراء فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور حضرات علمائے کرام میں دارالعلوم دیوبند کے فضلاء بکثرت ہیں اور ان میں بھی زیادہ تر وہ حضرات ہیں جن کو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا السید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ سے شرف تلمذ اور شرف بیعت حاصل ہے لیکن افسوس ہے کہ عوام اہل سنت میں اہل سنت کے نام و عنوان سے تبلیغ کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی گئی اور سُنی مسلمانوں کی ناواقفیت اور غفلت کی وجہ سے شیعہ

اثرات پھیل رہے ہیں۔ چنانچہ پشاور شہر میں ماہ محرم میں متعدد ماتمی جلوس نکالے جاتے ہیں اگر سنی عوام ماتم کی قباحت و حرمت سے تو آج ماتمی مصنف کی طرف سے پشاور کے سُنی عوام کے ماتمی مجالس میں شریک ہونے کا یوں طعنہ نہ دیا جاتا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ ہر محاذ پر سُنی مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ‏ ‏ ‏ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

۔ اسی سلسلے میں انتہائی پریشانی کے عالم میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں: بقول آپکے پاکستان۔ ہندوستان اور افغانستان ونیائے اسلام میں مسلمانان اہل السنت والجماعت کی عظیم اکثریت کے نزدیک یہ ماتم حرام ہے" لیکن ملک صاحب جائیں۔ انہوں نے پاکستان سے باہر نہ ماتمیوں کو ماتم کرتے دیکھا اور نہ کسی اہل سنت کو نواسہ رسول کی عزاداری اور ماتم کو ناجائز اور حرام کہتے سنا۔ انہوں نے تو صرف آپ کو ہی عزاداری کی مخالفت کرتے دیکھا اور آپ کو ہی ماتم کو ناجائز اور حرام کہتے سنا۔ کیونکہ آپ ہی ایک ایسے سُنی مسلمان ہیں جن کا رسالہ "ہم ماتم کیوں کرتے ہیں" کو دیکھ کر غصہ کا پارہ چڑھ گیا اور اس کے جواب میں" ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" لکھ مارا۔ اسی بنا پر ہم تمام مسلمانان اہل السنت والجماعت صرف آپ کو ہی عزاداری کا دشمن سمجھنے پر مجبور ہیں۔ لیکن اتنا یاد رکھیں اگر عیسائیت۔ یہودیت اور ہندویت کی عظیم اکثریت باوجود ہزار کوششوں کے اسلام کو ختم نہ کر سکی تو جس اکثریت کا ڈھول آپ پیٹ رہے ہیں وہ ماتم حسین کو ان شاء اللہ العزیز کبھی ختم نہیں کر سکتی" (فلاح الکونین ص ۱۱) **الجواب (۱)** ہمارے چھوٹے سے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" سے آپ اتنے گھبرا گئے ہیں تو جب "بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادت الحسین" شائع ہوئی تو خدا جانے آپ کا کیا حال ہوگا۔ ماتم حسین ختم ہو یا نہ ہو۔ ہم نے تو اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنا ہے، اور حسینیت کا صاف و شفاف چہرہ دکھانا ہے جن پر ماتم اور بغض صحابہ کے تہ بہ تہ پردے پڑے ہوئے ہیں۔

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں ‏ ‏ ‏ ہمیں ہے حکم اذاں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

اور اب آپ کا یہ حربہ کام نہیں دے سکتا کہ صرف دیوبندی علماء ماتم کے خلاف ہیں اور بریلوی علماء اس کو ناجائز نہیں کہتے کیونکہ صرف سنی عوام کی غفلت کی وجہ سے آپ اس پروپیگنڈے سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں ورنہ دیوبندی ہوں یا بریلوی۔ حنفی ہوں یا شافعی اہل سنت کے تمام علماء کے نزدیک آپ کا مروجہ ماتم حرام ہے۔

سُنی مطالبات کی تحریک | تحریک خدام اہل سنت کی جدوجہد سے ہزار ہا کی تعداد میں ملک کے مختلف طبقوں

میں "سُنی مطالبات" کی اشاعت نے شیعہ پروپیگنڈا کی خوب قلعی کھول دی ہے۔ کیونکہ ان مطالبات پر دیوبندی علما کے علاوہ بریلوی مسلک کے ممتاز علماء کے دستخط بھی موجود ہیں۔ اور مسلکی اختلاف کے باوجود علمائے اہل حدیث نے بھی ان مطالبات پر دستخط کر دیئے ہیں۔ بلکہ قومی اسمبلی کے سات علماء ارکان کے بھی ان سنی مطالبات پر سرفہرست دستخط موجود ہیں جن میں مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی۔ مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث اکوڑہ خٹک۔ مولانا صدر الشہید صاحب بنوی مولانا عبدالحکیم صاحب (راولپنڈی) مولانا نعمت اللہ صاحب کوہاٹی۔ مولانا عبدالحق صاحب، بلوچستانی دیوبندی مسلک کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور مولانا شاہ احمد صاحب نورانی صدر جمعیت علمائے پاکستان بریلوی مسلک کے رہنما ہیں علاوہ ازیں مذہبی اور سیاسی جماعتوں میں سے تنظیم اہل سنت۔ جمعیت علمائے اسلام (دونو گروپ) جمعیت علمائے پاکستان۔ مجلس تحفظ ختم نبوت۔ مجلس احرار اسلام۔ انجمن تحفظ حقوق اہل سنت پاکستان سُنی پارٹی۔ مرکز محبین صحابہ پاکستان سُنی کانفرنس اور تحفظ ناموس صحابہ کے علماء و زعماء کے بھی دستخط ہیں۔ پنجاب۔ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان چاروں صوبوں کے علماء نے اس سُنی دستاویز پر دستخط کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سوائے ایک قلیل بلکہ اقل فرقہ شیعہ کے باقی تمام مسلم فرقوں اور جماعتوں کے نزدیک مروجہ ماتم حرام ہے۔ اور ماتمی جلوسوں پر پابندی لازمی ہے۔

دیوبندی بریلوی اختلاف اہلسنّت کا داخلی معاملہ ہے

حرمت ماتم کے دلائل کی تاب نہ لاکر ماتمی مصنف صاحب دیوبندی بریلوی اختلاف کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ :۔
"آپ نے بریلوی علماء کے امام حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا جو فتویٰ مجلس مرثیہ خوانی اہل شیعہ کے متعلق نقل کیا ہے ہم اس فتویٰ کے جواب میں قلم اٹھانے کو اسلئے تیار نہیں کہ فتویٰ دینے والے مفتی کا آپ کے فرقہ سے دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں کیونکہ یہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی وہی ہیں جنہوں نے آپ کے اکابرین سلف پر علمائے حرمین شریفین سے کفر کے فتوے جاری کرائے اور ان فتاویٰ کو جمع کر کے "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کرایا۔ ان سے چند ایک فتوے پیش خدمت ہیں الخ (فلاح الکونین ص۲۷۷) اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں :۔ اب ہم آپ سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ عزاداری حضرت امام حسین علیہ السلام کو حرام اور ناجائز ثابت کرنے کے لئے آپ کے ضمیر نے ایسے مفتی کے فتوے کو نقل کرنے کی کیسے اجازت دی جس نے آپکے مسلک کو فرقہ وہابیہ کذابیہ کہا" ص۲۸۱

الجواب - (۱) میں نے بریلوی علماء کے پیشوا مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتویٰ رد ماتم میں اس دعویٰ کی تائید میں پیش کیا تھا کہ سب اہل سنت ماتم مروّجہ کو حرام قرار دیتے ہیں۔ (ب) اس فتویٰ کو نقل کرنے سے آپ کے اس پروپیگنڈے کو باطل کیا کہ شیعہ اور بریلوی تو ایک ہی ہیں ان میں کوئی خاص اختلاف نہیں۔ اور اس فتوے کی اشاعت کے بعد آپ کا وہ جال تار تار ہو گیا جس سے آپ ناواقف بریلوی عوام کو شکار کیا کرتے تھے۔ اور الحمد للہ بہت سے بریلوی سنی پہلی بار اس حقیقت سے واقف ہوئے کہ ان کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی شیعہ مجالس اور ماتم کے اتنے سخت مخالف ہیں اور آپ کی اس ساری بوکھلاہٹ کی وجہ بھی یہی امر ہے۔ چنانچہ آپ نے بے اختیار ہو کر یہ ظاہر کر دیا ہے کہ :- ممکن ہے ملک صاحب کا یہ خیال دُرست ہو کہ قاضی صاحب کے جوابی رسالہ کی اشاعت کا اصلی مقصد روپیہ کمانا ہو مگر ہمارے خیال میں جوابی کارروائی کی غرض و غایت صرف وحُبِ دولت کمانا نہیں بلکہ اصل مطلب مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا اور خاص کر بریلوی حضرات کو شیعوں سے برگشتہ کرنا ہے" (فلاح الکونین صنا)

میرے جوابی رسالہ کی پہلی وجہ جو ملک صاحب نے بیان کی ہے وہ تو بے بنیاد ہے جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میری تصانیف جماعتی ہیں اور ان پر میں کچھ معاوضہ نہیں لیتا۔ اور دوسری وجہ آپ نے کچھ سمجھ لی ہے کیونکہ اس رسالہ کی بنا پر بریلوی عوام و خواص میں ایک خاص احساس پیدا ہو گیا ہے اور مخالفین اصحاب و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور منکرین خلافت راشدہ کو انہوں نے تاڑ لیا ہے۔ اور آپ کی نگاہ میں میرا یہ قصور ہے تو مجھے اس پر ناز ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ کو اس امر کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اور میری تو بارگاہ خداوندی میں یہ دعا ہے۔ ؎

تو سب خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی	رسول پاکؐ کی عظمت محبّت اور اطاعت کی
ہماری زندگی تیری رضا میں صرف ہو جائے	تیری راہ میں ہر اک سُنّی مسلماں وقف ہو جائے
تیری توفیق سے ہم اہل سُنّت کے رہیں خادم	ہمیشہ دینِ حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم
نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہر ناداں	تیری نصرت ہو دنیا میں قیامت میں تیری رضواں

(۲) دیوبندی ہوں یا بریلوی علماء شیعہ فرقہ کے تقابل میں حسب ذیل امور پر متفق ہیں۔ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما انا علیہ واصحابی کے تحت، امت کے ۷۳ فرقوں میں سے ناجی فرقہ اہل السنت والجماعت ہے۔ (۲) کتاب اللہ کے بعد سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شرعاً حجت ہے (۳) اصحاب رسول صلی اللہ علیہ سب

معیا حق اور جنتی ہیں (۴) چاروں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ برحق خلیفہ ہیں۔ اور بہ ترتیب خلافت ان کو باہمی فضیلت حاصل ہے (۵) افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق ہیں (۶) انسانوں میں سوائے انبیائے علیہم السلام کے اور کوئی معصوم نہیں ہے (۷) مقام نبوت سب سے بڑا مقام ہے۔ امامت وخلافت کا درجہ نبوت سے نیچے ہے۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو جو امامت ملی وہ نبوت کی امامت تھی نہ کہ غیر نبوت کی (۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ قطعی کافر ہے مثلاً مسیلمہ کذاب۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی۔ اور اس کو نبی یا مجدد ماننے والے بھی قطعی کافر ہیں (قادیانی ہوں یا لاہوری)، (۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کوئی خلیفہ اور امام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل نہیں ہو سکتا۔ (۱۰) رسول کریم رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویاں حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ وغیرہن قطعی جنتی ہیں اور حسب ارشاد قرآنی **وازواجه امهاتهم** تمام مومنین مومنات امت کی مائیں ہیں (۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار ہیں حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہراء اور سب جنتی ہیں۔ البتہ ان سب میں بڑا درجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے حق میں ارشاد فرمایا ہے۔ **سیدۃ نساء اهل الجنة فاطمة** (جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ ہوں گی) (۱۲) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادگان قاسم، طیب، طاہر اور ابراہیم بچپن میں ہی وفات پاگئے یہ سب پیارے اور جنتی ہیں (۱۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسن اور امام حسین قطعی جنتی ہیں اور حسب ارشاد نبوی جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ **سیدا شباب اهل الجنة الحسن والحسین** (۱۴) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگرچہ خلفائے اربعہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صلح کے بعد بالاتفاق خلیفۂ اسلام اور قطعی جنتی ہیں۔

مولانا بریلوی کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرنے والا دوزخ کا کتا ہے

حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مخالفین کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ

شان الله عزوجل بنا تا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کا ذمہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں۔ رب عزوجل نے اسی آیت میں اس کا منہ بھی بند کر دیا ہے کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھلائی کا وعدہ کر کے ساتھ ہی ارشاد فرمایا۔ واللہ بما تعملون خبیر۔ اور اللہ کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کرو گے۔ بایں ہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرما چکا۔ اس کے بعد جو کوئی بکے وہ اپنا سر کھائے خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔ ومن یکن یطعن فی معاویۃ فذٰلک من کلاب الہاویۃ۔ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طعن کرے وہ جہنمی کتوں سے ایک کتا ہے۔ (احکام شریعت حصہ اول صـ۵۵)

مولانا بریلوی کے نزدیک صدیق رض و فاروق رض کا گستاخ کافر ہے | تحقیق مقام و تفصیل مرام ہے کہ رافضی تبرائی

ایک استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

جو حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما خواہ ان میں سے ایک کی شان میں گستاخی کرے اگرچہ صرف اسی قدر کہ امام و خلیفہ برحق نہ مانے۔ کتب معتبرہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامہ ائمہ ترجیح و فتویٰ کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے (رد الرفضہ صـ۳)

(ب) اسی رسالہ میں مولانا بریلوی لکھتے ہیں :۔ رافضی اگر مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل جانے تو بدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے (صـ۳) یونہی اسی طرح خلافت فاروق اعظم کا منکر بھی صحیح تر قول میں وہ کافر ہے، (صـ۵) (۱) جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت کا منکر ہو کافر ہے، (صـ۶) (د) اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔ (صـ۱۶) (اس) رافضیوں تبرائیوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں۔ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے ۔ ۔ ۔ ان کے مرد عورت عالم جاہل کسی سے میل جول سلام کلام سب سخت کبیرہ۔ اشد حرام۔ جو ان کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر بھی انہیں مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے باجماع تمام ائمہ دین خود کافر بے دین ہے اور اس کے لئے بھی یہی سب احکام ہیں جو ان کے لئے مذکور ہوئے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتویٰ کو گوش ہوش سنیں اور اس پر عمل کر کے سچے پکے سنی بنیں۔ (رد الرفضہ صـ۲۳ ۱۳۲۰ھ مطبوعہ نوری کتب خانہ بازار داتا صاحب (لاہور)) مولانا بریلوی مرحوم کے ان فتاویٰ

پر آپ ضرور ماتم کریں گے اور اپنی مظلومیت کے لئے چیخ و پکار کریں گے۔ لیکن آپ اپنی مذہبی کتابیں دیکھیں کہ حضرات خلفائے کرام کے خلاف کیا کچھ لکھا ہے۔ اور آپ نے خود بھی فلاح الکونین میں خلفائے ثلثہ پر طعن کرنے میں کچھ کمی نہیں کی اور صاف طور پر لکھ دیا کہ: حقیقت میں یہی لوگ نارک صبر ہوئے سچائی سے دور ہوئے۔ جنت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا ،، (فلاح الکونین ص ۹۸) تو علمائے اہل سنت جو حضرات صحابہ اور خلفائے راشدین کو مومن کامل اور قطعی جنتی مانتے ہیں کیا وہ ان پر طعن کرنے والوں پر پھول برسائیں گے؟ زیر بحث مسئلہ تو ماتم مروجہ کا تھا لیکن آپ نے اس کی آڑ میں اصحاب و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدف طعن بنایا اسلئے مجھے بھی آپ کے الزامات کا جواب دینا پڑا۔ کیا آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کفار کی فہرست میں شمار نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو: حق سے باطل کی ٹکر و ستیزہ کاری کوئی نئی چیز نہیں۔ ابتدائے آفرینش کائنات سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور آفتاب قیامت کے طلوع کرنے پر جاری رہے گا۔ (لایزالون مختلفین) آدم و ابلیس۔ ہابیل و قابیل نوح و سرکشان قوم۔ ابراہیم و نمرود۔ موسیٰ و فرعون۔ محمد مصطفیٰ و ابوجہل۔ علی مرتضیٰ و معاویہ۔ حسین و یزید (و امثالہم) اسی ناقابل رد حقیقت کے عملی مظاہرے نہیں ہیں ،، (تقریظ فلاح الکونین از مولوی محمد حسین صاحب شیعی علامہ المعروف بہ ڈھکو صاحب ص ۵) علامہ محمد حسین صاحب ڈھکو نے اپنے قلبی تقاضے سے مجبور ہو کر معرکہ حق و باطل اور ایمان و کفر کی یہ فہرست درج کر دی ہے حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مومن مانتے ہیں اور اپنے اور ان کے ایمان کو مساوی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ نہج البلاغۃ میں ہے کہ حضرت علیؓ نے اہل صفین سے اپنی جنگ کے متعلق شہروں میں یہ چھٹی ارسال کی تھی۔ وکان بدء امرنا انا التقینا والقوم من اہل الشام والظاہر ان ربنا واحد ونبینا واحد ودعوتنا فی الاسلام واحدۃ لا نستزیدہم فی الایمان باللہ والتصدیق لرسولہ ولا یستزیدوننا والامر واحد الا ما اختلفنا فیہ من دم عثمان ونحن منہ براء (ص ۵۰۲ مطبوعہ طہران) :- اور ہمارے اس معاملہ کی ابتدا یوں ہوئی کہ ہماری اور شام والوں کی لڑائی ہوئی اور ظاہر ہے کہ رب ہمارا ایک ہے اور نبی ہمارا ایک ہے اور اسلام کی دعوت بھی ہماری ایک ہے۔ اللہ پر ایمان رکھنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے میں ہم ان سے زیادہ نہیں چاہتے اور نہ ہی وہ ہم سے اس میں زیادتی کے طلبگار ہیں اور امر دین ہمارا ایک ہی ہے۔ مگر ہمارا اختلاف صرف حضرت عثمان کے قصاص کے بارے میں ہے حالانکہ ہم

ں سے بری ہیں،، اس سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا حضرت معاویہ اور اہل شام سے دین و ایمان میں
ئی اختلاف نہ تھا ۔ صرف جھگڑا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصاص لینے کی بنیاد پر ہوا ۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعد
ں حضرت امام حسینؓ نے حضرت امیر معاویہ سے صلح کرکے ان کی بیعت کر لی ۔ جیسا کہ رجال کشی کا حوالہ گذر چکا ہے ۔ لیکن آپ
گر اپنی کتاب سے بھی حضرت علی کا ارشاد تسلیم کریں اور نہ ہی اہل سنت کی کتاب کو مانیں اور نہ ہی قرآن حکیم کا فرمان تسلیم کریں
و اس کا کیا علاج ہے ؟ بہرحال علمائے دیوبند اور علمائے بریلوی جس طرح خلفائے اصحاب ۔ ازواج مطہرات ۔ بنات
اک اور اہل بیت کے متعلق ایک ہی عقیدہ رکھتے ہیں اسی طرح دونوں کے نزدیک فروعی اور اجتہادی مسائل میں غیر مجتہد کیلئے
سی مجتہد کی تقلید لازمی ہے اور ہر دو مسلک کے علماء کا اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ ۔ امام شافعی ۔
م مالک اور امام احمد بن حنبل چار ایسے مجتہدین ہیں جن کے فقہی مذاہب مدون و مرتب ہیں ۔ اور یہ دونوں گروہ فقہ میں امام اعظم
ضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں ۔ چنانچہ عقائد اکابر علمائے دیوبند کی متفقہ دستاویز المہند علی المفند میں ہے
ر۔۔ اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی ایک کی تقلید کی جائے بلکہ واجب ہے کیونکہ ہم نے
تجربہ کیا ہے کہ ائمہ کی تقلید چھوڑنے اور اپنے نفس و ہوا کے اتباع کرنے کا انجام الحاد و زندقہ کے گڑھے میں جا گرنا ہے ۔
لٰہ پناہ میں رکھے ۔ اور یہی وجہ ہم اور ہمارے مشائخ تمام اصول و فروع میں امام المسلمین ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
قلد ہیں ۔ خدا کرے اس پر ہماری موت ہو اور اسی زمرہ میں ہمارا حشر ہو ۔ اور اس بحث میں ہمارے مشائخ کی بہترین
صانیف دنیا میں مشہور و شائع ہو چکی ہیں" (ص ۳۵)

اولیاء اللہ کے چاروں روحانی سلسلے

اسی طرح دونوں فریق اولیاء اللہ کے سلسلہ بیعت و ارشاد کو تسلیم کرتے ہیں اور چار مشہور سلاسل طریقت حضرت محبوب سبحانی
غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی ۔ سید الاولیاء حضرت خواجہ سید معین الدین چشتی ۔ شیخ المشائخ حضرت خواجہ بہاؤالدین
نقشبندی اور قدوۃ الصلحاء حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے نسبت رکھتے ہیں ۔ اور ہمارے
اکابر دیوبند بھی ان روحانی سلسلوں سے فیضیاب ہیں ۔ ہمارے پیر و مرشد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا السید حسین احمد
مدنی قدس سرہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند رحمن کو اللہ تعالیٰ نے ۱۴ سال مسجد نبوی میں روضہ مقدسہ کے سامنے
بیٹھ کر درس قرآن و حدیث کی توفیق عطا فرمائی ، نے سلاسل طیبہ کے نام سے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جس میں چاروں

سلاسل طریقت کے شجرے اردو فارسی نظم اور نثر میں موجود ہیں ۔

پیر صاحب گولڑوی نے حضرت گنگوہی کو مقتدائے زمان لکھا ہے

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی چشتی اور مولانا عبدالغنی صاحب منتاوی مرحوم کا مسئلہ طاعون میں تحریری مباحثہ ہوا تھا جس میں حضرت پیر صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی تحقیق پیش کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ :- لہذا ہم نے سائلین عن الصورۃ المسطورہ کو اجتناب از تعفن امکنہ متعفنہ وارادہ تبدیل ہوا، جواز خروج از مقام الطاعون کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ مقتدائے زمان حضرت مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم و مولوی شیخ محمد عبدالغفار صاحب نے درباره جواز خروج فتویٰ دیا ہے ۔جس کی نقل ذیل میں موجود ہے،، والله تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم " العبد الملتجی الی اللہ المدعو بمہر علی شاہ عفی عنہ ربہ بقلم خود (رسالہ الطاعون صـ۶۱)

مولانا اسمٰعیل شہید پر انکار شفاعت کا بہتان

حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تقویۃ الایمان کی جس عبارت پر آپ نے دلیل نمبر ۱۵ کی بحث میں اعتراض کیا ۔ وہی عبارت اب بھی آپ نے پیش کی ہے حالانکہ اس کا مفصل جواب وہاں دیا جا چکا ہے وہ دوبارہ ملاحظہ کر لیں ۔ علاوہ ازیں آپ نے جو یہ لکھا ہے کہ : آپ جب انکار پر آتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیع المذنبین اور شافع محشر ہونے کا بھی انکار کر دیتے ہیں چنانچہ آپ کے ایک بزرگ عامر ربانی مجاہد جلیل حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید تقویۃ الایمان کے صـ۳۶ پر شفاعت کی حقیقت کے عنوان کے تحت شفاعت (سفارش) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :- اور جو کوئی نبی و ولی کو یا امام اور شہید کو یا کسی فرشتہ کو یا کسی پیر کو اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے تو وہ اصل مشرک ہے اور بڑا جاہل ہے . . . . اس سے بڑھ کر شفاعت کا اور کیسے انکار کیا جائے ۔ بہر حال جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا انکار کر دے اس کے لئے چودھویں صدی کے علمائے سوء کے وجود سے انکار کرنا کوئی تعجب خیز امر نہیں ،، (فلاح الکونین صـ۹۹) **الجواب** (۱) آپ نے ماتم کے گنبد میں بیٹھ کر مولانا شاہ اسمٰعیل شہید اور ہمارے اکابر علماء پر انکار شفاعت کا اتنا عظیم بہتان لگایا ہے کہ اسی سے آپ کے صدق بیان کی حقیقت کھل جاتی ہے ۔ گو آپ کے نزدیک یہ سفید جھوٹ تقیہ میں شمار ہو کر اجر عظیم کا سبب بن جائے گا (۲) مندرجہ عبارت کے یہ الفاظ کہ : اللہ کی جناب میں اس قسم کا شفیع سمجھے الخ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت مولانا شہیدؒ شفاعت

نہ کسی خاص صورت کو شرک قرار دے رہے ہیں نہ کہ ہر قسم کی شفاعت کو۔ (۳) اسی تقویت ایمان میں مولانا شہید نے واضح طور پر شفاعت بالاذن کا اقرار کیا ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہے (سفارش) کی مختلف صورتیں بیان کرتے ہوئے بادشاہ اور مجرم (مثلاً چور) کی مثال کے تحت لکھتے ہیں کہ:۔ جو کوئی امیر و وزیر اس کی (یعنی بادشاہ کی) مرضی پاکر اس تقصیروار کی سفارش کرتا ہے اور بادشاہ اس امیر کی عزت بڑھانے کو ظاہر میں اس کی سفارش کا نام کر کے اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے۔ سو اس امیر نے اس چور کی سفارش اس لئے نہیں کی کہ اس کا قرابتی یا آشنا یا اس کا حمایت اس نے اُٹھائی بلکہ محض بادشاہ کی مرضی سمجھ کر۔ کیونکہ وہ تو بادشاہ کا امیر ہے نہ چوروں کا تھانگی۔ جو چور کا حمایتی بن کر اس کی سفارش کرتا ہے تو آپ بھی چور ہو جاتا ہے۔ اس کو شفاعت بالاذن کہتے ہیں یعنی یہ سفارش خود مالک کی پروانگی سے ہوتی ہے سو اللہ کی جناب میں اسی قسم کی شفاعت ہو سکتی ہے اور جس نبی و ولی کی شفاعت کا قرآن و حدیث میں مذکور ہے سو اس کے معنی یہی ہیں الخ (تقویت الایمان ص ۱۹) فرمائیے۔ یہاں قرآن و حدیث میں مذکور نبی و ولی کی شفاعت کو مولانا اسمٰعیل شہید نے صراحتاً تسلیم کیا ہے یا نہیں؟ کیا یہ عبارت آپ کو نظر نہیں آئی تھی؟ اور جس شفاعت کو مولانا شہید نے شرک کہا ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔ سو جاننا چاہیئے کہ شفاعت کہتے ہیں سفارش کو اور دنیا میں سفارش کئی طرح کی ہوتی ہے جیسے ظاہر کے بادشاہوں کے ہاں کسی شخص کی چوری ثابت ہو جائے اور کوئی امیر وزیر اس کو اپنی سفارش سے بچا لیوے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ بادشاہ کا جی تو اس چور کو پکڑنے ہی کو چاہتا ہے اور اس کے آئین کے موافق اس کو سزا پہنچتی ہے مگر اس امیر سے دب کر اس کی سفارش مان لیتا ہے اور اس چور کی تقصیر معاف کر دیتا ہے۔" فرمائیے اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بھی العیاذ باللہ کسی نبی و ولی سے دب کر مجرم کی سفارش مان لے گا تو کیا آپ کے نزدیک یہ اعتقاد کفر و شرک نہیں ہوگا۔

۴۔ آپ کے علامہ محمد حسین صاحب ڈھکو نے بھی (جو آپ کی کتاب پر تقریظ لکھنے والے ہیں) اسلام کا عقیدہ یہی شفاعت بالاذن ہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔ اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ کچھ ذوات مقدسہ ایسی ہیں (جناب رسول خدا و ائمہ ہدیٰ اور کاملین مومنین باصفا۔ ملائکہ) جو بروز قیامت صحیح العقیدہ گناہگاروں کی شفاعت و سفارش کریں گے مگر یہ شفاعت خداوند عالم کے اذن سے ہوگی جیسا کہ ارشاد قدرت ہے مَنْ ذَا الَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ جہاں تک مسئلہ شفاعت کے اثبات کا تعلق ہے یہ مسئلہ تمام مکاتیب فکر کے مسلمانوں کے درمیان اتفاقی ہے کسی

فرقہ نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ آیات قرآنیہ واحادیث متواترہ اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں،، (احسن الفتاویٰ صہ ۲۸۱) تو جب قرآن مجید میں الا باذنہ کے الفاظ موجود ہیں کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی اجازت کے کوئی بھی سفارش نہیں کرسکیگا اور مولانا اسمٰعیل شہید نے بھی یہی لکھا ہے اور آپ کے علامہ محمد حسین بھی یہی لکھ رہے ہیں۔ تو آپنے ان اکابر پر جھوٹ باندھ کر کیا حاصل کیا ؟ اور یہاں علامہ محمد حسین صاحب ڈھکو سے بھی ہمارا سوال ہے کہ جب آپ تمام مکاتیب فکر کو شفاعت کے مسئلہ پر متفق مان رہے ہیں اور مولانا اسمٰعیل شہید کے مطابق ہی آپ نے بھی لکھا ہے۔ تو پھر فلاح الکونین کی آپ نے تقریظ وتصدیق کیوں تحریر فرمائی ہے جس میں مسئلہ شفاعت کے سلسلہ میں حضرت مولانا شہید وغیرہ اکابر پر بہتان تراشی کی گئی ہے۔ کیا علم ودیانت کا یہی تقاضا ہے یا آپ بھی تقیہ کا ثواب لوٹ رہے ہیں!

(ب) جبکہ فلاح الکونین کے مصنف جیسے علماء موجود ہیں تو میں چودھویں صدی کے علماء سوء کا کیسے انکار کرسکتا ہوں، ہاں یہ جدا امر ہے کہ کسی حدیث میں چودھویں صدی اور اس کے علماء کا تذکرہ نہیں ہے۔ جس کا دبی زبان میں آپ نے بھی اقرار کرلیا ہے۔ اسی لئے تو میرے جواب میں کوئی حدیث نہیں پیش کرسکے۔

(۵) قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ زیارت روضہ مقدسہ کے آداب میں میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔ اب جان لے کہ زیارت روضہ مطہرہ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضل المستحبات ہے بلکہ بعض نے قریب واجب کے لکھا ہے اور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میری قبر کی زیارت کرے اس کے واسطے میری شفاعت واجب ہوگی،، (زبدۃ المناسک صہ ۸۶) نیز فرماتے ہیں: پھر رخصت ہو اور پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کرے اور شفاعت چاہے اور بہت پکار کر نہ بولے بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو عرض کرے،، (۶) المہنّد علی المفنّد میں بھی متعدد مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ شفیع المذنبین لکھا ہوا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ تمام اکابر دیوبند حضور رحمت للعالمین خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر مثل جمہور اہل سنت کے ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ماتمی مصنف انکار شفاعت کا الزام ان پر لگائیں تو اس کا کیا علاج ہے۔

مسئلہ ختم نبوت

دیوبندی اور بریلوی دونو مسلک کے علماء اسلام کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت پر متفق ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی اور اسکو نبی یا مجدد ماننے والوں کو (قادیانی ہوں یا لاہوری) قطعی کافر

ہیں۔ چنانچہ المہند میں ہے :۔ ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ ہے کہ ہمارے سردار و آقا اور پیارے شفیع محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ ولٰکن رسول اللہ وخاتم النبیین (ولیکن محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) اور یہی ثابت ہے بکثرت حدیثوں سے جو معناً حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں اور نیز اجماع امت سے ہے۔ سو حاشا کہ ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کہے۔ کیونکہ جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے اس لئے کہ منکر ہے نص صریح قطعی کا۔ ہمارے شیخ و مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دقت نظر سے عجیب و دقیق مضمون بیان فرما کر آپ کی خاتمیت کو کامل و تمام ظاہر فرمایا ہے" (ص۴۳)

(ب) مرزا قادیانی کے متعلق ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ :۔ جب اس نے نبوت و مسیحیت کا دعویٰ کیا اور عیسیٰ مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر ہوا۔ اور اس کا خبیث عقیدہ اور زندیق ہونا ہم پر ظاہر ہوا تو ہمارے مشائخ نے اس کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ قادیانی کے کافر ہونے کی بابت ہمارے حضرت مولانا گنگوھی کا فتوےٰ تو طبع ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے" (المہند ص۴۸)

رافض کے خلاف پیران پیر کا فتویٰ

محبوب سبحانی قطب ربانی حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فضائل صحابہ کی بحث میں فرماتے ہیں :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ کو گالی نہ دو پس جس نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر خدا کی لعنت ہے۔ اور حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خداوند کریم نے مجھ کو چن لیا ہے اور پسند کیا ہے اور میرے واسطے میرے یار بھی چن لئے اور پسند کر لئے ہیں ان کو میرا مددگار بنایا ہے اور ان کو میرے سسر اور رشتہ دار بنایا ہے اور اخیر زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا کہ وہ اصحابوں کے رتبہ کو کم کریگا۔ خبردار تم نے ان کے ساتھ ہرگز کھانا پینا نہیں۔ ہرگز ان کے ساتھ نکاح کرنا نہیں ان کے ساتھ نماز بھی نہ پڑھنی اور ان پر لعنت کرنی حلال ہے" (غنیۃ الطالبین مترجم ص۱۲۰)۔

حضرت غوث الاعظم رح پر بہتان

مولانا اسماعیل شہید تو اس صدی کے بزرگ ہیں۔ لیکن پیران پیر حضرت عبدالقادر جیلانی جو دیوبندی اور بریلوی دونوں کے نزدیک غوث الاعظم ہیں (اور مولانا اسمٰعیل شہید نے بھی آپ کو صراط مستقیم میں غوث الاعظم لکھا ہے) ماتمی علماء تو ان پر بھی بہتان لگانے سے باز نہ آئے۔ چنانچہ ایک شیعہ مصنف محمد ھادی بن ... ساکن نے اپنی کتاب خلاصۃ المصائب میں لکھا ہے کہ :۔ واضح ہے

ان لعینوں پر جو روز قتل فرزند رسول کو روز برکت جانتے ہیں اور سرور و شادی کرتے ہیں اور خدا اور رسول خدا کو غضبناک کرتے ہیں ۔ فقط اطاعت عبدالقادر جیلانی سے ۔ چنانچہ عید عاشورا اہل مکہ نے شہادت امام حسین سے موقوف کی تھی جب زمانہ عبدالقادر جیلانی لعین کا ہوا جسے اہل باطل و شر پیر دستگیر کہتے ہیں تو اس نے کہا وفات ابوبکر بانی ظلم و مکر سے عید دوشنبہ موقوف نہ ہوئی پھر قتل امام حسین سے عید عاشورا کیوں موقوف ہوئی اور لکھا ہے غنیۃ الطالبین میں حسین رض نے کیوں خروج کیا خلیفہ وقت و امام عصر پر ۔ فقتل الحسین بسیف جدہ پس قتل ہوئے امام مظلوم معاذ اللہ شمشیر رسول خدا سے یعنی ان کے گمان باطل میں یزید خلیفہ رسول تھا ۔ حسین بن علی خلیفہ رسول کے ہاتھ سے مارے گئے ۔ پس پھر دشمنان آل رسول نے عید کرنا شروع کی ۔ (ص ۲۲۲) **الجواب** ۔ (۱) خلاصۃ المصائب کے رافضی مصنف نے ایک تو حضرت غوث الاعظم رح کو لعین اور حضرت ابوبکر صدیق کو بانی ظلم و مکر لکھ کر اپنی سیاہ باطنی کا ثبوت دیا ہے اور دوسرا حضرت پیران پیر پہ جھوٹ باندھا ہے کہ آپنے غنیۃ الطالبین میں حسین و یزید کے بارے میں مندرجہ الفاظ لکھے ہیں ۔ حالانکہ غنیۃ الطالبین میں یہ الفاظ بالکل نہیں ہیں کہ :۔ حسین رض نے کیوں خروج کیا خلیفہ وقت و امام عصر پر ، بلکہ حضرت غوث الاعظم نے تو امام حسین رض کو شہید تسلیم کیا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :۔ خداوند تعالیٰ نے حضرت امام حسین کو عاشورا کے روزوں میں جو بزرگ دن تھے شہادت پانے کے واسطے منتخب کیا ہے کہ اگر ایسے بزرگ دنوں میں شہید ہوں گے تو اس سے آپ کی شہادت کا درجہ اور بھی بلند ہوگا اور ان کی کرامت اور بزرگی میں اضافہ کیا جائے گا ۔ اور وہ شہید شدہ خلفائے راشدین کے مقام پر پہنچیں (غنیۃ الطالبین ص ۴۵۰) فرمائیے خلاصۃ المصائب کے مصنف نے حضرت جیلانی قدس سرہٗ پہ کتنا عظیم بہتان لگایا ہے ۔ (۲) دراصل ان کو حضرت غوث الاعظم سے اس لئے بغض و عناد ہے کہ آپ اہل سنت کے عظیم روحانی پیشوا ہیں اور چاروں خلفائے راشدین اور تمام اصحاب و اہل بیت کو برحق اور قطعی جنتی مانتے ہیں ۔ آپنے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت امام حسن رض کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رض بالاتفاق تمام مملکت اسلامیہ کے خلیفہ تھے ۔ علاوہ ازیں حضرت پیران پیر نے شہادت امام حسین کے ماتم کو بھی ناجائز لکھا ہے اور اپنی کتاب میں شیعوں کے متعدد فرقوں کے نام اور ان کے عقائد باطلہ درج کئے ہیں ۔ اس بنا پر اہل تشیع حضرت غوث الاعظم کی مخالفت کرتے رہتے ہیں ؛ ۔

حضرت پیران پیر سید ہیں

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ حسنی اور حسینی سید ہیں لیکن اہل تشیع آپکے بارے میں یہی پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ آپ سید نہیں تھے چنانچہ ایک شیعہ عالم

نجم الحسن کراروی نے اپنی کتاب "چودہ ستارے" میں لکھا ہے کہ :- برادران اہل سنت کے عوام کا خیال ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی اور بروایت ابن جنگ دوست سید تھے اور ان کا نسب جناب حسن مثنیٰ بن حسن بن علی علیہم السلام تک پہنچتا ہے لیکن ان کے علماء اس سے انکار کرتے ہیں ،، (چودہ ستارے صـ ۱۳۴ مؤلفہ ۱۹۵۹ء مطبوعہ شیعہ جنرل بک ایجنسی لاہور) لیکن کراروی صاحب نے یہ غلط لکھا ہے کیونکہ عموماً سنی علماء اور مشائخ حضرت غوث الاعظم کو نسباً سید تسلیم کرتے ہیں ۔ چنانچہ امام عفیف الدین عبداللہ بن اسعد یافعی یمنی نے "روضۃ الریاحین" کے تتمہ میں حضرت غوث الاعظم کا شجرۂ نسب یہ لکھا ہے :

السید محی الدین ابو محمد عبد القادر بن ابی صالح موسیٰ بن سید عبداللہ بن سید یحییٰ زاہد بن السید محمد بن السید داؤد بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ بن سید موسیٰ الجون بن سید عبداللہ محض بن سید امام حسن مثنیٰ بن سید امام حسن بن الامام الھمام امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ بن ابی طالب ۔ (۲) اور مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس میں تحریر فرماتے ہیں کہ :

حضرت سید عبد القادر جیلانی ثابت النسب سید ہیں فانہ علوی حسنی من جانب الاب" نقلہ العلامہ القاری ۔ (۳) حضرت غوث الاعظم کا مادری نسب نامہ یہ ہے :- عبد القادر ابن فاطمہ بنت عبداللہ صَوْمعی بن ابی جمال بن محمد بن محمود بن طاہر بن ابی عطا بن عبداللہ بن ابی کمال بن عیسیٰ بن ابی علاؤ الدین بن محمد بن علی بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب ۔ اور حضرت غوث الاعظم کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق ۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین سے بھی ملتا ہے چنانچہ آپ کے والد صاحب کی والدہ کا نام ام سلمہ تھا جو امام محمد کی صاحبزادی تھیں اور امام محمد کا شجرہ یہ ہے :- امام محمد بن امام طلحہ بن امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن حضرت ابی بکر صدیق ۔ اور آپ کے جد اعلیٰ حضرت عبداللہ محض کی والدہ نے حضرت عبداللہ بن مظفر سے نکاح ثانی کر لیا تھا جن کا نسب نامہ یہ ہے :- عبداللہ بن مظفر بن عمر بن حضرت عثمان ۔ اور حضرت عبداللہ بن مظفر کی والدہ کا نام حفصہ تھا جو حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کی صاحبزادی تھیں ۔ ان نسبتوں سے حضرت غوث الاعظم صدیقی ۔ فاروقی اور عثمانی بھی ہیں ۔ (۴) اور شیعہ مذہب کی کتاب کنز الانساب میں بھی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کا نام آتا ہے :- سید عبد القادر جیلانی منسوب است بہ عبداللہ بن یحییٰ بن محمد الرومی بن داؤد الامیر محمد اکبر بن موسیٰ الثانی (۵) اور امام عبد الوہاب شعرانی نے بھی آپ کا یہ نسب نامہ لکھا ہے :- عبد القادر بن موسیٰ بن عبداللہ بن یحییٰ زاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ جون بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب (الطبقات الکبریٰ)

ایک شبہ کا ازالہ چونکہ عموماً حضرت پیران پیر کے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ آتا ہے یعنی شیخ عبد القادر جیلانیؒ۔ اس لئے مخالفین عام طور پر یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ آپ سید نہیں تھے شیخ تھے۔ اور شیخ نومسلم کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ لفظ شیخ عربی میں بزرگ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور خود شیعہ مشاہیر علماء کے نام کے ساتھ بھی شیخ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے مثلاً اصول و فروع کافی کے مؤلف کو شیخ محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں۔ تفسیر مجمع البیان کے مصنف کو شیخ طبرسی اور تفسیر قمی کے مصنف کو شیخ ابن ابراہیم قمی لکھتے ہیں جو امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ (ب) اور سادات نے شجرہ نسب یعنی کنز الانساب میں جیلانی سادات کو شیخ کہنے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ بعض بادشاہوں کے خوف سے سادات کے بعض خاندانوں کو ان کے اپنے لوگوں نے ہی بجائے سید کے شیخ کہنا شروع کر دیا تھا تاکہ وہ قتل سے بچ جائیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ: "مردمان ولایت رستاق نزد آں ملعون آمدند و قسم یاد کردند کہ اینہا اینکہ در دہ رستاق می باشند شیخ اند و سید نیستند چوں آں منافقین ایں سخناں بشنید ندو دست از کشتن سادات باز داشتند و از آں زمان القاب ایشاں بشیخ مذکور است و سیادت ایشاں مخفی بماند" (کنز الانساب فارسی ص ۲۴): جب سادات کو دار و گیر ہوئی تو رستاق کے باشندوں نے اس سوں بادشاہ کے پاس آکر کہا کہ یہ لوگ جو موضع رستاق میں بستے ہیں سید نہیں ہیں بلکہ شیخ ہیں اسلئے ان منافقین نے انکو قتل نہ کیا۔"

سادات اپنا نسب چھپاتے رہے اور شیعہ مجتہد حسین بخش صاحب جاڑا نے بھی سادات کے تقیہ کے تحت لکھا ہے کہ: "خوف کا یہ عالم تھا کہ سادانیاں اپنے خورد سال بچوں کو گھر سے باہر قدم رکھنے سے روکتی تھیں اور بالفرض بچہ باہر جانے پر مصر ہو جاتا تو مائیں بار بار سمجھایا کرتیں کہ دیکھو بیٹا اگر کوئی تم سے اپنا نسب پوچھے تو یہ نہ کہنا کہ میں سید ہوں اور سادات نے ایسا ہی کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ بہت سے سادات اپنے نسب کو چھپانے میں اس قدر محتاط رویہ اختیار کرتے تھے کہ اپنی بیوی تک کے سامنے اپنا سید ہونا ظاہر نہ کر سکتے تھے جس کی وجہ سے اولاد کو بھی اپنے سید ہونے کا علم نہ ہو سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ بن زید لڑکی کی رحلت کے بعد یہی درد لیکر دنیا سے گئے کہ ہائے میری لڑکی کو مرتے دم تک یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ میں سید زادی ہوں اور علیؓ و فاطمہؓ کی اولاد سے ہوں،، (مقدمہ تفسیر انوار النجف ص ۱۱۱)

مقام عبرت ماشاء اللہ مجتہد صاحب نے اولاد حضرت علی المرتضیٰ کی شجاعت اور بے خوفی کا بھی کیا خوب نقشہ پیش کیا ہے اگر تقیہ کی یہ قسم تسلیم کرلی جائے کہ سادات اپنی بیویوں کو بھی اپنا سید ہونا

نہیں بتاتے تھے اور اپنی صاحبزادیوں کو بھی تو پھر دین حق انہوں نے کس کو بتایا ہوگا۔ اور شیعہ فرقہ جو اس پر زور دیتا ہے کہ قرآن اور عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ایک ساتھ رہیں گے۔ یہ سنی سادات کے متعلق تو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن شیعہ سادات کا قرآن کے ساتھ کیونکر تبلیغ و اتباع کا تعلق باقی رہ سکتا ہے جو اپنا سید ہونا اپنی بیوی اور اپنی اولاد پر بھی ظاہر نہ کرسکے۔ علاوہ ازیں اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ شیعہ سادات کی جو آج کل کثرت ہے یہ سب فرضی ہے کیونکہ جب سادات خود اپنی بیویوں پر بھی سید ہونا ظاہر نہیں کرسکتے تھے تو بعد میں کسی کے سید ہونے کی تحقیق کس طرح کی جاسکتی ہے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

ماتم و تعزیہ کے خلاف مولانا بریلوی کا فتویٰ

ہم نے رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" میں صرف ایک حوالہ بریلوی مسلک کے امام مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا حرمت ماتم کے سلسلہ میں پیش کیا تھا جس کی وجہ سے فلاح الکونین کے ماتمی مصنف صاحب نے بہت زیادہ پریشانی کا اظہار کیا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے علماء کے نزدیک ماتم مروجہ حرام ہے۔ دیوبندی علماء کے متعلق تو خود بھی ماتمی مصنف یہ تسلیم کرتے ہیں البتہ بریلوی علماء کے متعلق عموماً یہ مغالطہ دیا جاتا ہے کہ وہ ماتم کے خلاف نہیں۔ اس لئے یہاں مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی مزید عبارتیں پیش کی جاتی ہیں جن سے صراحتاً ماتم و تعزیہ کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(۱) (مسئلہ) محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ (الجواب) ناجائز ہے کہ وہ مناہی اور منکرات سے مملو ہوتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم (عرفان شریعت صہ ۱۵) (۲) (مسئلہ) کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ رافضیوں کی مجلس میں مسلمانوں کا جانا اور مرثیہ سننا۔ ان کی نیاز کی چیز لینا۔ خصوصاً آٹھویں محرم کو جبکہ ان کے یہاں حاضری ہوتی ہے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ محرم میں بعض مسلمان ہر رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں اور سیاہ کپڑوں کی بابت کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا:

(الجواب) جانا اور مرثیہ سننا حرام ہے۔ ان کی نیاز کی چیز نہ لی جائے ان کی نیاز نیاز نہیں اور وہ غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتی کم ازکم ان کے ناپاک قُلتین کا پانی ضرور ہی ہے اور وہ حاضری سخت ملعون ہے۔ اور اس میں شرکت موجب لعنت۔ محرم میں سیاہ اور سبز کپڑے علامتِ سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے خصوصاً سیاہ کہ شعارِ رافضیانِ لئام ہے واللہ اعلم (احکام شریعت حصہ اوّل صہ ۷۱) (۳) (مسئلہ) بعض اہل سُنت وجماعت عشرہ محرّم میں نہ تو دن بھر روٹی پکاتے

اور نہ جھاڑو دیتے ہیں کہتے ہیں بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی (۲) ان دس دن میں کپڑے نہیں اتارتے (۳) ماہ محرم میں کوئی بیاہ شادی نہیں کرتے (۴) ان ایام میں سوائے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کسی کی نیاز و فاتحہ نہیں دلاتے۔ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ (**الجواب**) پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں۔ اور سوگ حرام ہے اور چوتھی بات جہالت ہے۔ ہر مہینے میں ہر تاریخ ہر دن کی نیاز اور مسلمان کی فاتحہ ہو سکتی ہے۔ واللہ اعلم (احکام شریعت حصہ اول ص۱۱۰) (۴)، (س) رافضیوں کے یہاں محرم میں ذکر شہادت و مصائب شہدائے کربلا و سوزخوانی و مرثیہ مصنفہ انیس و دبیر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ (**الجواب**) حرام ہے۔ الخ۔ کندہم جنس باہم جنس پرواز۔ حدیث میں ارشاد ہوا۔ **لاَ تُجَالِسُوْهُمْ**۔ ان کے پاس نہ بیٹھو۔ دوسری حدیث میں فرمایا۔ **من کثر سواد قوم فهو منهم**۔ جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہی میں سے ہے" (احکام شریعت حصہ دوم ص۱۱۲ اور مجموعہ سہ حصہ ص۸۴) (۵) تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض و روگردانی کریں۔ اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیئے" (عرفان شریعت حصہ اول ص۱۵)

(۶) تعزیہ بنانا اور اس پر نذر نیاز کرنا۔ عرائض بامید حاجت برآری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات جاننا ...... کتنا گناہ ہے" (**الجواب**) افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت و ممنوع و ناجائز ہیں۔ انہیں داخل ثواب جاننا اور موافق شریعت اور مذہب اہل سنت ماننا اس سے سخت تر وخطائے عقیدہ جہل اشد ہے" (رسالہ تعزیہ داری ص۱۵) (۷) شہادت نامے نثر ہوں یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایات باطلہ و بے سروپا سے مملو اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں ایسے بیان کا پڑھنا سننا خواہ کہیں ہو۔ مطلقاً حرام و ناجائز ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متضمن ہو جن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہو تو پھر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے۔ ایسے وجوہ پر نظر فرما کر امام غزالیؒ ...... وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا ہے کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے۔ یونہی جبکہ اس سے مقصود غم پروری و تصنع حزن ہو یہ نیت بھی شرعاً نامحمود۔ شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دُور کرنے کا حکم دیا ہے نہ غم معدوم کو بہ تکلف وزور لانا۔ نہ کہ بہ تصنع بنانا۔ نہ کہ اسے باعث قربت و ثواب ٹھیرانا۔ یہ سب بدعات شنیعہ روافض ہیں جن سے سُنّی کو احتراز لازم۔ ...

مجلس خوان اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیحہ بروجہ صحیح پڑھیں تاہم جو اُن کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکر شہادت پڑھنے سے ان کا مطلب بھی بہ تصنع رونا بہ تکلف رولانا اور اس رونے رولانے سے رنگ جمانا ہے

اس کی شناعت و برائی ہیں کیا شبہ ہے . . . . . ذکر فضائل شریف مقصود ہوتا تو گویا ان محبوبان خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی۔ بے شمار مناقب عظیم اللہ عزوجل نے انہیں فرمائے ہیں۔ انہیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظ رقت خیز و نوحہ نما و حزن انگیز و غم افزا بیان کو وسعتیں دینا۔ انہی مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے۔ غرض عوام کے لئے اس میں کوئی وجہ سالم آنا دشوار ہے" (رسالہ تعزیہ داری صلا) ماتمی مصنف نے فلاح الکونین میں جن موضوع روایات کا سہارا لے کر غم حسین کی مجالس کو عبادت قرار دیا ہے اور تعزیہ و ماتم مروجہ کے اثبات کیلئے اپنا ماتمی فلسفہ بار بار پیش کیا ہے اور ان کتابوں سے استدلال کیا ہے جو بعض علمائے اہل سنت کی طرف منسوب ہیں یا ان شیعہ علماء نے لکھی ہیں جو تقیہ کی بنا پر سنی و حنفی بنے رہے۔ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہ الزہراء کی مرثیہ خوانی اور نوحہ و ماتم کو بھی بعض روایات سے ثابت کرنے کی ماتمی مصنف نے کوشش کی تھی اور مروجہ ماتم و نوحہ کو نہ صرف سنت و عبادت قرار دیا تھا۔ ان سب استدلالات کا بریلوی علماء کے پیشوا و امام مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی مرحوم نے اپنے مذکورہ فتاویٰ میں ہر پہلو سے پورا پورا رد و ابطال کر دیا ہے۔ جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اہل سنت کے کسی قابل اعتماد عالم کے نزدیک ماتم و تعزیہ وغیرہ رسوم محرم جائز نہیں ہو سکتے۔ کیا اس کے بعد بھی آپ کی اس بات میں کوئی صداقت کا شائبہ رہ جاتا ہے کہ:۔ اسی بنا پر ہم تمام مسلمانان اہل سنت والجماعت سے صرف آپ کو ہی عزاداری کا دشمن سمجھنے پر مجبور ہیں،، (فلاح الکونین صلاا)

حرمت ماتم و تعزیہ میں شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا فتویٰ

جس طرح ماتمی مصنف نے صرف علمائے دیوبند کو حرمت ماتم کی بحث میں ہدف طعن بنا کر بریلوی علماء کو اس سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش کی ہے اس طرح انہوں نے کتاب سر الشہادتین اور فتاویٰ عزیزیہ کی عبارتیں نقل کر کے مغالطہ دینے کی لاحاصل کوشش کی ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ بھی مروجہ ماتم اور مرثیہ خوانی کو جائز سمجھتے تھے بلکہ آپ خود مجلس غم منایا کرتے تھے سر الشہادتین کے متعلق تو پہلے یہ لکھ چکا ہوں کہ یہ کتاب حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں کیونکہ اس کتاب میں ایسی روایات مذکور ہیں جو حافظ ابن کثیر محدث کے نزدیک ماتمیوں کا کذب و افترا ہیں اور حضرت شاہ صاحب جیسے سنی محقق ان روایات کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں۔ اور فتاویٰ عزیزیہ کے متعلق "عدالت صحابہ" کی بحث میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

مہتمم دارالعلوم کراچی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں:- اس طرح کا ایک مضمون ایسا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی جیسے جامع علوم بزرگ کی طرف اس کی نسبت کس طرح سمجھ میں نہیں آتی اور فتاویٰ عزیزی کے نام سے جو مجموعہ شائع ہو رہا ہے اس کے متعلق یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے نہ خود ان کو جمع فرمایا ہے نہ ان کی زندگی میں وہ شائع ہوا ہے۔ وفات کے معلوم نہیں کتنا عرصہ بعد مختلف لوگوں کے پاس جو ان کے خطوط و فتاویٰ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے ان کو جمع کر کے یہ مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی تدلیس اس میں کی ہو اور غلط بات ان کی طرف منسوب کرنے کیلئے فتاوی کے مجموعہ میں شامل کر دیا ہے اور اگر بالفرض یہ واقعی حضرت شاہ عبدالعزیز نامی کا قول ہے تو وہ بھی بمقابلہ جمہور علماء و فقہاء کے متروک ہے۔" واللہ اعلم۔ (مقام صحابہؓ ص ۶۸)

ماتمی مصنف نے فتاویٰ عزیزی سے یہ عبارت پیش کی ہے:

شاہ عبدالعزیز صاحب کی طرف منسوب عبارت

فقیر عبدالعزیز کی طرف سے بعد سلام مسنون کے واضح رائے عالی ہو کہ جناب کا گرامی نامہ دوسری مرتبہ مرثیہ خوانی وغیرہ کے متعلق موصول ہوا۔ اس کے بارے میں فقیر کا جو معمول ہے اُسے لکھا جاتا ہے۔ اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ایک ذکر وفات شریف کی مجلس دوسرے شہادت حسین کے ذکر کی مجلس۔ جو عاشورا کے دن یا اس سے ایک دو دن پہلے ہوتی ہے۔ اس میں چار سو اور کبھی پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھتا ہے اور حسنین کے وہ فضائل جو حدیث میں مذکور ہیں بیان کئے جاتے ہیں۔ ان بزرگواروں کا شہادت کے متعلق اور ان کے قاتلوں کی بد انجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و احادیث میں ہے وہ بھی بیان کیا جاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی رو سے آپ حضرات پر گذرے ہیں اور وہ مرثیے بھی ذکر کئے جاتے ہیں جنہیں حضرت ام سلمہ اور دوسرے صحابیوں نے جنوں اور پریوں سے سُنا۔ اس کے بعد ختم قرآن اور پنجسورہ پڑھا جاتا ہے اور ماحضر پر فاتحہ کیا جاتا ہے۔ اس وقت میں اگر کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ شروع کرتا ہے تو اس کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ و بکا طاری ہو جاتا ہے۔ اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک جائز نہ ہوتیں تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں ہے امام شافعی فرماتے ہیں۔ اگر آل محمد کی دوستی رفض ہے تو دو نو جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں فقط شاہ صاحب کا یہ مکتوب گرامی ان کی فقہ کی مشہور و معروف کتاب "فتاوی

عزیزیہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی کے صفحہ ۱۴۱ پر مندرج ہے" (فلاح الکونین صفحہ ۱۴۳) (الجواب) (۱) ہمارے پاس جو فتاویٰ عزیزی مترجم ہے وہ سعید کمپنی کراچی کا مطبوعہ ہے۔ اس میں اور آپ کے مندرجہ ترجمہ کے الفاظ میں کچھ فرق ہے۔ کراچی کے مطبوعہ نسخہ میں آخری خط کشیدہ الفاظ یہ ہیں:۔ "تو اکثر حضار مجلس اور اس فقیر کو بھی حالت رقت اور گریہ کی لاحق ہو جاتی ہے۔ اس قدر عمل میں آتا ہے۔ اگر یہ سب فقیر کے نزدیک اس طریقہ سے جس کا ذکر کیا گیا ہے جائز نہ ہوتا تو ہرگز فقیر ان چیزوں پر اقدام نہ کرتا ا ہ (صفحہ ۱۶۷) (۲) جیسا کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب موصوف نے فرمایا کہ یہ حضرت شاہ صاحب کی کتاب نہیں بلکہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مکاتیب و فتاویٰ کا مجموعہ شائع کیا گیا ہے اس لئے احتمال ہے کہ یہ خط بھی حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ (۳) اس خط سے بھی آپ کا ماتم مروجہ اور تعزیہ یا مرثیہ خوانی ثابت نہیں ہوتی۔ اس میں تو صرف یہ ہے کہ شہادت حسین کے صحیح حالات پڑھے جاتے تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب کو بھی رقت اور گریہ لاحق ہو جاتا تھا۔ لیکن نہ پیٹنے کا ذکر ہے اور نہ جزع فزع کرنے کا۔ نہ ہائے ہائے اور نہ واویلا۔ پھر آپ کے موقف ماتم کو اس مکتوب سے کیا تائید حاصل ہوئی جو زیر بحث ہے۔ کیونکہ جس مجلس کا ذکر حضرت شاہ صاحب کے مندرجہ خط میں ہے وہ رونے اور رلانے کے لئے تو نہیں قائم کی جاتی تھی۔ وہ تو صرف حالات و واقعات شہادت بیان کرنے کے لئے تھی (۴) اسی فتاویٰ عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے دوسرے مکاتیب میں آپ کے ماتم و تعزیہ کی واضح تردید موجود ہے۔ چنانچہ سوال و جواب کے تحت لکھتے ہیں (سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت و جماعت اس مسئلہ میں کہ در بارہ تعزیہ داری عشرہ محرم اور بنانے ضرائح و صورت قبور و علم وغیرہ کے شرعاً کیا حکم ہے۔" (الجواب) تعزیہ داری جو عشرہ محرم میں معمول ہے اور بنانا ضرائح و صورت قبور وغیرہ کا درست نہیں اس واسطے کہ تعزیہ داری سے مراد یہ ہے کہ ترک لذت اور ترک زینت کرے اور اپنی صورت محزون و غمگین کی صورت کے مانند بنائے۔ یعنی عورت سوگ کرنے والی کی مانند بیٹھے۔ حالانکہ مرد کے لئے یہ کسی حالت میں شرعاً ثابت نہیں ہوتا۔ ...... اور تعزیہ داری بدعت ہے اور ایسا ہی بنانا ضرائح اور صورت قبور اور علم وغیرہ کا ہے یعنی یہ سب بھی بدعت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بدعت حسنہ نہیں کہ جس میں مواخذہ نہیں ہوتا بلکہ بدعت سیئہ ہے اور ہر حال بدعت سیئہ کا یہ ہے کہ حدیث میں وارد ہے۔ شر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ رواہ مسلم (یعنی بدترین امور وہ امور ہیں جو شرع میں جدید بنائے جائیں اور سب بدعت گمراہی ہے۔ روایت کیا اس حدیث کو مسلم نے۔ اور حال

بدعتی کا کہ اس طرح کی بدعتیں اختیار کرتا ہے کہ وہ بدعتی بدعت کی وجہ سے خدا کی لعنت میں گرفتار ہوتا ہے اور فرائض ونوافل اس کے درگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتے الخ (فتاویٰ عزیزی ص۱۴۲ مطبوعہ کراچی) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث موصوف ایک دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:۔ جب ضرائح وغیرہ نہ بنائے جائیں بلکہ کسی مکان میں کہ تبرک صحیح وہاں رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ مجلس گریہ زاری کی ترتیب دی جائے تو یہ بھی ناجائز ہے اس دلیل سے کہ یہ سب بدعت سیئہ ہے۔ البتہ اس میں مضائقہ نہیں کہ احادیث صحیحہ کا ذکر ہو جو شہادت میں وارد ہے اور اس میں بھی مضائقہ نہیں کہ ختم کلام اللہ اور فاتحہ وغیرہ کیا جائے۔ اور تبرک صحیح مثلاً موئے مبارک اس کی صحت ثابت نہیں ہوتی اس بنا پر عوام کالانعام کے وہم پر ہے۔ جب تک کوئی تبرک صحیح طور پر ثابت نہ ہو جائے اس کی صحت کا اعتقاد نہ کرنا چاہیئے۔ اور جب تبرک کی اصلیت ثابت نہیں تو باقی رہا یہ امر کہ صرف مجلس گریہ زاری کی منعقد کرنا کیا ہے تو ایسی مجلس بھی گریہ زاری کے لئے منعقد کرنا سلف سے ثابت نہیں۔ البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ تبرک صحیح مثل موئے مبارک اس مجلس میں ہے یا کسی دوسری جگہ ہو تو اس کی زیارت کے لئے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں،، (فتاویٰ عزیزی ص۱۲۵) (۵) سوال: کیا حکم ہے اس شخص کے بارے میں جو مرثیہ وکتاب پڑھتا ہے [illegible] کرتا ہے خواہ کچھ اُجرت لیتا ہے یا نہیں؟ جواب:۔ مرثیہ وکتاب پڑھنا [illegible] احوال واقعی نہ ہوں ناجائز ہے اور ایسا ہی نوحہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ اور احادیث میں اس بارہ میں وعید وارد ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے لعن رسول صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ والمستمعۃ۔ رواہ ابوداؤد وکذا فی [illegible] شکوۃ۔ یعنی لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی پر اور اس عورت پر جو نوحہ سُنے،، روایت کیا اس حدیث کو ابوداؤد نے۔ ایسا ہی مشکوۃ شریف میں ہے۔ اور اُجرت لینا مرثیہ خوانی اور نوحہ وغیرہ پر حرام ہے اس واسطے کہ اصول شرع سے ہے کہ معصیت پر اُجرت لینا درست نہیں چنانچہ مزامیر وغنا پر اُجرت لینا حرام ہے ایسا ہی ان چیزوں پر بھی اُجرت لینا حرام ہے،، (ایضاً ص۱۲۶) (۶) فرماتے ہیں:۔ اس مجلس میں بہ نیت زیارت وگریہ زاری کے بھی حاضر ہونا ناجائز ہے اس واسطے کہ اس جگہ کوئی زیارت نہیں کہ زیارت کے واسطے جائے اور وہاں چند لکڑی جو تعزیہ دار کی بنائی ہوئی ہوتی ہیں وہ قابل زیارت نہیں بلکہ مٹانے کے قابل ہے،، (ص۱۲۶) (۷) اور فاتحہ و درود پڑھنا فی نفسہ درست ہے لیکن ایسی جگہ یعنی مجلس تعزیہ داری میں پڑھنے سے ایک طرح کی بے ادبی ہوتی ہے اس واسطے کہ ایسی مجلس اس قابل ہے کہ مٹا دی جائے اور

ایسی مجلس میں نجاست معنوی ہوتی ہے اور فاتحہ درود اس جگہ پڑھنا چاہیئے جو نجاست ظاہری و باطنی سے پاک ہو پس جو شخص پاخانہ میں تلاوت قرآن شریف کی کرے اور درود پڑھے و مستوجب ملامت وطعن ہوگا۔ اس واسطے کہ بے محل وہ پڑھنا ہوگا" (صـ ۱۶۴/۱۶۵)

فرمائیے:۔ کیا آپ نے فتاویٰ عزیزی میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی یہ عبارتیں نہیں پڑھی تھیں پھر آپ نے وہ مکتوب اپنی تائید میں کیسے پیش کر دیا۔ حضرت شاہ صاحب نے تو مذکورہ جوابات میں گریہ وزاری کی مجلس کو بھی ناجائز قرار دیا۔ اور ان میں درود و فاتحہ پڑھنے سے بھی منع فرمایا۔ کیونکہ اس قسم کی ماتمی مجالس میں معنوی پلیدی ہوتی ہے اس لئے وہاں قرآن شریف اور درود شریف پڑھنا بے ادبی ہے۔

تحفہ اثنا عشریہ میں حرمت ماتم کی تصریح

علاوہ ازیں رد شیعیت میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کی جولاجواب کتاب تحفہ اثنا عشریہ ہے۔ جس میں سُنی و شیعہ کے اختلافی مباحث پر محققانہ بحث کی گئی ہے۔ اس میں فرماتے ہیں:۔ "اکثر شیعہ ان خیالات کی عادتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں مثلاً ہر سال دسویں محرم کی ہوتی ہے۔ ہر سال اس کو روز شہادت حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام کا گمان کرتے ہیں اور احکام ماتم اور نوحہ اور شیون اور گریہ وزاری اور فغان بے قراری شروع کرتے ہیں۔ عورتوں کی طرح ہر سال اپنی میت پر یہ عمل کرتے ہیں حالانکہ عقل صریح جانتی ہے کہ زمانہ ہر سال کا غیر قار ہے یعنی قرار نہ پکڑنے والا ہے کوئی جزء اس کا ثابت و قائم نہیں رہتا اور اس زمانے کا لوٹا لانا بھی محال اور شہادت حضرت امام کی جس دن ہوئی اس دن سے اس دن تک فاصلہ گیارہ سو پچاس برس کا ہوا۔ پھر یہ اور وہ دن کیسے ایک ہوگیا اور کونسی مناسبت ہوگئی۔ عیدالفطر اور عید قربان کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہیئے کہ اس میں خوشی اور شادی سال در سال نئی ہے یعنی روزے رمضان کے ادا کرنا اور حج خانہ کعبہ کا بجالانا۔ کہ شکراً للنعمۃ المتجددۃ۔ یعنی شکر ہے نئی نئی نعمت کا سال در سال فرحت و سرور نیا پیدا ہوتا ہے اس واسطے عیدین شریعت کی اس وہم فاسد پر مقرر نہیں ہوئی ہیں۔ . . . . . ایسے ہی کسی نبی کے تولد اور وفات کے دن کو عید نہ ٹھیرایا اور روزہ عاشورا کا کہ اوّل سال یہود کی موافقت سے آنحضرت ﷺ نے رکھا تھا کیوں منسوخ ہوا۔ ان سب باتوں میں یہی بھید تو ہے کہ وہم کو دخل نہ ہونے پائے بغیر کسی نئی نعمت حقیقیہ کے فرحت اور سرور کا ہونا یا غم اور ماتم کرنا خلاف اس عقل کے ہے جو آمیزش وہم سے خالص ہے"۔ (تحفہ اثنا عشریہ صـ ۲۲۶ "مطبوعہ مطبع مصطفائی لکھنو)

(۲) فرماتے ہیں :- کسی چیز کی صورت کو وہی چیز سمجھنا اور اس کا حکم دینا اس وہم نے بت پرستوں کی راہ بہت ماری ہے۔ اور گمراہی میں ڈالا ہے اور بچے کم عمر بھی اس وہم میں بہت گرفتار ہوتے ہیں۔ گھوڑوں اور ہتھیار اور چیزوں کو جو لکڑی مٹی کی بنی ہوتی ہیں کیسے ان سے خوش ہوتے ہیں گویا سچ مچ کی پا گئے۔ اور چھوٹی چھوٹی لڑکیاں گوڑیوں کی شادی و نکاح کرتی ہیں اور کیسی خوش ہوتی ہیں اور شیعوں میں یہ وہم بہت غلبہ کئے ہوئے ہے۔ حضرات امامین اور حضرت امیر اور حضرت زہراء کی قبروں کی صورت بناتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ درحقیقت یہ قبریں مجمع النور ان بزرگوں کی ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں بلکہ سجدوں کی نوبت پہنچتی ہے اور فاتحہ پڑھتے ہیں اور سلام و درود پہنچاتے ہیں۔ اور اچھے اچھے چونرا اور مورچھل منقش لیکر آس پاس ان کے کھڑے ہوتے ہیں۔ مجاوروں کی طرح اور حق شرک کا ادا کرتے ہیں۔ عقلمندوں کے نزدیک بچوں کی حرکت ان سیرنا بالغوں کی حرکت میں کچھ فرق نہیں ہے،، (تحفہ اثنا عشریہ صـ ۲۲۷) قارئین حضرات غور فرمائیں۔ فتاویٰ عزیزی اور تحفہ اثنا عشریہ کی جو عبارتیں یہاں درج کی گئی ہیں کیا ان کو پڑھنے کے بعد بھی کوئی صاحب علم و فہم مسلمان یہ باور کر سکتا ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس نوحہ و ماتم کے قائل تھے جو فلاح الکونین کے مصنف ثابت کرنا چاہتے ہیں : لیکن اس کے باوجود بھی انہوں نے فتاویٰ عزیزی کا ایک مکتوب اپنی تائید میں پیش کر دیا تاکہ ناواقف مسلمان فریب میں آجائیں۔ اسی پر ان کی دوسری عبارتوں کو بھی قیاس کرنا چاہیئے جو انہوں نے بعض اکابر علمائے سنت کی طرف منسوب کر کے اپنے موقف کی تائید میں پیش کی ہیں۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ مذہب اہل سنت کے اصول کے تحت یہ مروجہ مجالس غم اور تعزیہ اور جلوس ماتم بالکل حرام ہیں اور کوئی سنی محقق عالم ان کے جواز کا بھی قائل نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان امور محرمہ کے سنت اور عبادت ہونے کا قائل ہو اگر کسی کتاب میں کسی اہل سنت کے بزرگ عالم کی طرف ایسی بات منسوب کی گئی ہے تو یا تو اس کی تاویل کی جائیگی یا اس کو بالکل رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کوئی بات حجت نہیں ہو سکتی۔

بحث ماتم کا خلاصہ

تلہ گنگ سے شائع کردہ ماتمی ٹریکٹ مصنفہ ملک غلام عباس صاحب بی اے کے دعویٰ کی بنیاد پر مصنف فلاح الکونین پر لازم تھا کہ وہ ماتم مروجہ یعنی منہ پیٹنے، سینہ کوبی کرنے وغیرہ کو شرعی دلائل سے سنت و عبادت ثابت کرتے لیکن اپنی ساری کاوشوں کے باوجود وہ ایک بھی صحیح دلیل پیش نہیں کر سکے۔ انہوں نے قرآن مجید اور حدیث و سیرت کی کتابوں میں مذکورہ الفاظ حزن ا۔ بکاء کا عموماً سہارا لیا ہے۔ حالانکہ حزن قلبی غم کو

لوکہتے ہیں اور بُکاء آنکھوں سے آنسو بہنے کو جس کو رونا کہا جاتا ہے ۔ اور یہ کسی مصیبت اور صدمہ کے لاحق ہونے پر انسان
کے غیر اختیاری طبعی تاثرات ہیں جن کو پیٹنا اور سینہ کوبی نہیں کہا جاتا جو ماتم کے مروجہ افعال ہیں ۔ اور خوشی اور مُسرت کے
موقعہ پر انسان کا مسکرانا اور ہنسنا بھی ایک طبعی تاثر ہے لیکن جب خوشی میں اگر آدمی ناچنے اور کودنے لگ جائے تو یہ انسانی
وقار اور فطرت کی سلامتی کے خلاف سمجھا جاتا ہے جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے ۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حزن و بکاء کی
حدود سے تجاوز کر کے منہ پیٹنے ، سینہ کوٹنے اور اپنے بدن کو لہولہان کرنے لگ جائے تو اس کا یہ فعل بھی انسانی فطرت
کی صحیح حدود کے خلاف ہوگا ۔ اسی بنا پر شریعت مقدسہ نے غم و اندوہ کے اس مظاہرہ کو حرام قرار دیا ہے ۔ (۲) سنت وہ
عمل ہے جو نبی کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہے یا اس کا حکم دیا ہے یا کسی کو کوئی عمل کرتے دیکھ کر پسند فرمایا
ہے یا منع نہیں فرمایا ۔ لیکن ماتمیوں کے ان افعال مروجہ میں سے نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصیبت کے وقت اپنا منہ
پیٹا ہے نہ ہی سینہ کوبی کی ہے ۔ نہ ان امور کا حکم دیا ہے ۔ اور نہ ہی پسند فرمایا ہے اور نہ ہی صحابہ کرام اور اہل بیت عظام نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان افعال کا ارتکاب کیا ہے ۔ بلکہ اہل سُنت اور اہل تشیع دونوں کی کتب تفاسیر و احادیث
سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال ماتم سے صراحتاً منع فرما دیا ہے ۔ خصوصاً فتح مکہ کے موقعہ پر سورۃ الممتحنہ
کی آیت لَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ کے تحت عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمانہ
جاہلیت و کفر کے ان مروجہ افعال ماتم سے ممانعت فرما دی ہے چنانچہ تفسیر قُمی اور فروع کافی کی احادیث تفصیلی بحث
میں نقل کر دی گئی ہیں ۔ اور سورۃ الممتحنہ کی مذکورہ آیت کی تفسیر اتنی مستند ہے کہ دور حاضر کے ایک مشہور متعصب
شیعی مفسر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے بھی اپنے ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر اس کو تسلیم کر لیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں
:- کافی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ جب جناب رسولؐ خدا نے مکہ فتح کیا تو مردوں نے بیعت کی ۔ پھر
عورتیں بیعت کرنے آئیں تو خدا نے یہ پوری آیت نازل فرمائی یاآیھا النبی الخ اس وقت ہند نے تو یہ کہا کہ ہم نے
اپنے بچوں کو جبکہ وہ چھوٹے چھوٹے تھے پرورش کیا اور جب وہ بڑے ہوئے تو آپ نے قتل کر ڈالا اور ام الحکم بنت حارث
بن ہشام نے جو عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی یہ عرض کی کہ وہ نیکی جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم اس
میں آپ کی نافرمانی نہ کریں وہ کیا ہے ۔ فرمایا وہ یہ ہے کہ تم اپنے رخساروں پر طمانچے نہ مارو اور اپنے منہ نہ نوچو ۔ اپنے
اپنے بال نہ کھسوٹو اپنے گریبان چاک نہ کرو ۔ اپنے کپڑے کالے نہ رنگوا ور ہائے واوئے کر کے نہ رؤو ۔ پس آنحضرت

نے انہی باتوں پر جو آیت وحدیث میں مذکور ہیں بیعت لینی چاہی ۔ (ترجمہ مقبول)، استقلال پریس لاہور بار پنجم تعداد ایک ہزار)

(نوٹ) ترجمہ کی بعد کی طباعتوں میں مندرجہ عبارت نکال دی گئی ہے ۔ لیکن سابقہ نسخوں سے تو یہ ثابت ہے۔ علاوہ ازیں تفسیر قمی اور فروع کافی میں تو موجود ہے جس کے حوالہ سے مولوی مقبول احمد صاحب نے یہ حاشیہ لکھا تھا۔

بہرحال فتح مکہ کے اس تاریخی اہم موقعہ پر جب قرآنی آیت کے تحت رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اسلام میں داخل کرتے ہوئے ان افعال ماتم سے واضح طور پر منع فرما دیا تھا تو اب کسی مومن کی کیا مجال ہے کہ اس ارشاد نبوی کے خلاف ان افعال ماتم کو سنت اور عبادت قرار دے ۔ اور اگر فتح مکہ سے پہلے کسی روایت سے ان افعال ماتم کا صدور مذکور بھی ہو تو وہ اس آیت کے تحت منسوخ ہو جائے گا ۔ اور اس کے بعد بھی اگر کوئی روایت اس قسم کی پائی جائے جس میں کسی صحابی مرد یا صحابیہ عورت کی طرف یہ افعال منسوب ہوں تو وہ حجت نہیں ہوگی ۔ اس میں یا تاویل کی جائے گی یا قرآن وحدیث کی نصوص کے مقابلہ میں اس کو رد کر دیا جائیگا ۔ اور مذہب شیعہ کے اصول میں بھی یہی ہے کہ :۔ فرمایا صادق آل محمد نے جو حدیث موافق قرآن نہ ہو وہ جھوٹ ہے ،، (ب) حضرت رسول خدا نے خطبہ میں فرمایا ۔ جو حدیث میری تمہارے سامنے آئے اگر وہ کتاب خدا کے موافق ہو تو میری ہے اور اگر مخالف کتاب خدا ہے تو میری نہیں ،، (ج) میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا اختلاف حدیث کے بارہ میں کہ جن کو ایسے لوگ بیان کرتے ہیں جن پر آپ کا اعتماد ہے تو اس صورت میں کیا ہو ۔ فرمایا اگر حدیث کی تصدیق کتاب خدا یا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتی ہے تو اسے لے لو ورنہ اس کو رد کر دو ،، (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول ص ۶۲) حرمت ماتم پر کتاب وسنت کے دلائل قاہرہ کے سامنے جب ماتمی علماء عاجز آ گئے تو عقیدہ تقیہ کی طرح ایک یہ نظریہ ایجاد کیا جو ماتمی مصنف صاحب نے بھی فلاح الکونین میں پیش کیا ہے کہ اوروں کا ماتم تو جائز نہیں لیکن حضرت حسین رض کی مصیبت شہادت کا ماتم جائز ہے ۔ لیکن یہ نظریہ تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے ۔ کیونکہ جو بات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنا پر حرام ہے وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے ۔ کیا شہادت حسین کا مقصد یہ تھا کہ حرام امور حلال اور عبادت بن جائیں ۔ العیاذ باللہ یہ نظریہ تو توہین مقام حسین پر مبنی ہے نہ کہ عظمت حسین پر ۔

؎ جنوں کا نام خرد رکھ لیا خرد کا جنوں ... جو چاہیں آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

جو جی میں آئے تمہارے حلال بن جائے

(۳) قرآن مجید میں قریباً ستر بار صبر کا لفظ مذکور ہے اور صبر کے لغوی اور شرعی معنی کی تفصیل گذشتہ مباحث میں بیان ہو چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صبر سکون و قرار کو کہتے ہیں اور جزع کرنا اس کی ضد ہے کیونکہ جزع بے قراری کے اظہار کو کہتے ہیں۔ لہٰذا صبر اور جزع دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں صبر کا حکم دیا ہے۔ اور صبر کے فضائل بیان فرمائے ہیں إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ جزع و ماتم کرنے والوں کے ساتھ بھی ہو۔ بلکہ مذکورہ آیت سے لازم آتا ہے کہ جزع و ماتم کرنے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جائیں۔

(۴) گو غیر اختیاری طور پر کسی مصیبت و صدمہ کے موقعہ پر دل میں غم لاحق ہو جائے یا آنکھوں سے آنسو آجائیں تو یہ صبر کے خلاف نہیں لیکن اس غم کا باقی رکھنا مطلوب اور پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے لا تحزنوا۔ لا تحزن وغیرہ آیات میں غم کو دل سے نکالنے کا حکم فرما دیا ہے۔ جس سے مصنف فلاح الکونین کے بیان کردہ فلسفہ ماتم کی بنیاد بالکل منہدم ہو جاتی ہے۔

(۵) جنگ اُحد سے لے کر جنگ مُوتہ تک اور موتہ سے لے کر غزوہ حُنین تک حضرت حمزہ اور حضرت جعفر طیار وغیرہ سینکڑوں اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور مبارک میں شہید ہوئے لیکن اس ماتم مروجہ کا وہاں کوئی ثبوت نہیں اور سیرت النبی کی عبارات سے ماتمی مصنف نے جو استدلال کیا تھا اس کا سابقہ مباحث میں پوری طرح ابطال کر دیا گیا ہے۔

(۶) احادیث شیعہ کی رو سے بھی امام الانبیاء المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہے۔ لیکن اس موقعہ پر بھی حضرت علی المرتضیٰ۔ حضرت حسن اور حضرت حسین نے منہ نہ پیٹا اور سینہ کوبی نہ کی۔ گریبان چاک نہ کئے اور سیاہ کپڑے نہیں پہنے۔ بلکہ نہج البلاغۃ کے حوالہ سے حضرت علی المرتضیٰ کا یہ قول نقل کیا جا چکا ہے۔ کہ:
لَوْلَا أَنَّكَ أَمَرْتَ بِالصَّبْرِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْجَزَعِ لَأَنْفَدْنَا عَلَيْكَ مَاءَ الشُّؤُنِ۔ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر آپ نے صبر کا حکم نہ دیا ہوتا اور جزع کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم رو رو کر آنکھوں کا پانی خشک کر دیتے"۔ اس ارشاد مرتضوی کے بعد بھی کیا کسی شیعہ عالم کے لئے ماتم مروجہ کے سنت و عبادت ہونے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ یا حضرت فاطمۃ الزہراء کے متعلق اگر کسی روایت سے جواز ماتم کا شبہ ہوتا ہے

تو اس کی تاویل کی جائے گی یا اس روایت کو دوسری نصوص کے مقابلہ میں رد کر دیا جائے گا۔

(۷) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شہید ہوئے۔ لیکن امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے کوئی مجلس ماتم بپا نہیں کی۔ نہ کوئی ماتمی جلوس کا مظاہرہ کیا نہ ہی پھر ہر ماہ شہادت علی المرتضیٰ کے سلسلہ میں ماتمی مجالس منعقد کی گئیں۔ اور اگر ماتمی مجلس یا ماتمی جلوس کی شرعاً کوئی اہمیت ہوتی تو شیر خدا خلیفہ چہارم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے عظیم سانحہ پر جنت کے جوانوں کے سردار حضرت حسن اور حضرت حسین کیوں نہ اس قسم کی مجالس کا اہتمام کرتے؟ تو جب دور رسالت، عہد خلفائے ثلثہ۔ عہد خلافت مرتضوی اور دور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں اس قسم کی عبادت یعنی مجالس ماتم کا ثبوت نہیں ملتا حالانکہ ہزارہا غازیان اسلام اللہ کی راہ میں شہید ہوئے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ حُب حسین اور حُب آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے یہ ماتمی تحریک دراصل اعدائے اسلام کی جاری کردہ ہے جس سے جذباتی قسم کے سطح بین مسلمان متاثر ہو جاتے ہیں اور وہ ماتم کو حصول جنت کا ذریعہ سمجھ کر ان خلاف شریعت افعال ماتم کے مرتکب ہوتے ہیں ورنہ صبر و شہادت کے مخصوص شرعی فضائل کے پیش نظر دین الٰہی اور شرع محمدی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اصل اشیاء میں اباحت ہے یا توقف

ماتمی مصنف لکھتے ہیں کہ:۔ اصولاً یہ ثبوت پیش کرنا بھی فریضہ حرمت کے قائلوں کا ہے کیونکہ جب تک کسی چیز کی حرمت ثابت نہ ہو جائے تب تک شرعی قواعد کی رو سے اُسے جائز اور مباح سمجھا جاتا ہے جیسے علم اصول فقہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کل شیئ مطلق حتی یرد فیہ نہی۔ یعنی جب تک شرعی ممانعت وارد نہ ہو اس چیز کو مباح سمجھنا چاہیئے۔ (فلاح الکونین ص۶۵)

الجواب (۱) آپ کا دعویٰ ماتم کے سُنت وعبادت ہونے کا ہے نہ کہ صرف اباحت وجواز کا۔ اور یہ آپ پر لازم ہے کہ اپنے دعویٰ کو شرعی دلائل سے ثابت کریں۔ (۲) ہم نے شرعی دلائل سے اور آپ کے مذہب کی احادیث سے ماتم مروجہ کا حرام ہونا ثابت کر دیا ہے۔ لہٰذا آپ کا یہ پیش کرنا "کل شیئ مطلق یعنی جب تک شرعی ممانعت وارد نہ ہو اس چیز کو مباح سمجھنا چاہیئے" مفید نہ رہا۔ (۳) یہ مسئلہ بھی اختلافی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے یا توقف یا حرمت۔ اور جمہور اہل سنت کے نزدیک اصل اشیاء میں توقف ہے چنانچہ درمختار میں ہے۔ الصحیح من مذهب اهل السنة ان الاصل فی الاشیاء التوقف والاباحة رائ

المعتزلة۔ اور اہل السنت والجماعت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے اور اباحت کا قول معتزلہ کی رائے ہے"

"ماتمی تحریک پر ایک اجمالی نظر"

مسئلہ ماتم مروجہ پر تفصیلی بحث گذر چکی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت مقدسہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں اس ماتم کے جواز کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے چہ جائیکہ اس کو سنت وعبادت قرار دیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ کم علم ذاکرین بلکہ شیعہ علماء و مجتہدین بھی ماتم حسین پر زور دیتے اور اس کو محبت امام حسین کا ایک نشان قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر اس ماتمی تحریک کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ تحریک شروع ہی اس لئے کی گئی ہے کہ اُمت مسلمہ قتال فی سبیل اللہ کو کوئی اہمیت نہ دے۔ مجاہدین حق کے مقام صبرو استقامت اور شہداء فی سبیل اللہ کے فضائل و درجات شہادت سے اس کی توجہ ہٹ جائے کفرو اسلام کے ابتدائی تاریخی عظیم معرکوں بدر و احد اور فتح مکہ اور غزوہ موتہ کے نقوش مٹ جائیں اور مسلم قوم سانحہ کربلا کی بنیاد پر ساری عمر رونے دھونے۔ منہ پیٹنے۔ سینہ کوبی کرنے۔ ہائے واویلا اور دلدل و تعزیہ کے ہنگاموں میں اپنی قیمتی اور امتحانی زندگی کے لمحات ضائع کردے۔ حالانکہ قرآن مجید میں جہاد و شہادت کے احکام اور ان کی تکوینی اور شرعی حکمتوں کی جو معجزانہ تفاصیل ملتی ہیں ان کی روشنی میں پھر سے مسلم قوم غلبۂ اسلام کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

نزول مصیبت مقدر ہے

اللہ تعالیٰ نے بطور امتحان چونکہ اپنے بندوں کو مصائب و آلام میں مبتلا کرنا تھا اس لئے پہلے ہی آگاہ کر دیا کہ جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ (۱) مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ (پ ۲۷۔ سورۃ الحدید ع ۳) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر اس کا یہ ترجمہ لکھتے ہیں کہ:۔ جو مصیبت بھی زمین پر اور تمہاری ذات پر گذرتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ہمارے پاس ایک نوشتہ میں لکھی ہوئی موجود ہے۔ بیشک یہ امر اللہ کے لئے آسان ہے (ب) اس کے ساتھ ہی اس مصیبت مقدرہ کی اطلاع دینے کی یہ حکمت فرمائی ہے کہ مصیبت آنے پر اللہ کے بندے صبر کریں اور رنج وغم کا سلسلہ جاری نہ رکھیں۔ لِكَيْلَا

تَأْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ" (تاکہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اس پر تم افسوس کرو اور جو کچھ اُس نے تم کو عطا کیا ہے اُس پر آپے سے باہر نہ ہو جاؤ" (ترجمہ مقبول)

مصیبتوں کے ذریعہ مومنین کا امتحان مقصود ہے جو مصیبتیں تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں ان کے ذریعہ اہل ایمان کا امتحان مقصود ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (پ ۲ - ع ۳) اور ہم تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے" (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) اور ہم ضرور تم کو تھوڑے سے خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے آزمائیں گے" (ترجمہ مقبول)

مصائب پر صبر کرنیوالوں کے لئے بشارت چونکہ مصیبتوں کا نزول مومنین کے امتحان کے لئے ہوگا اس لئے ان میں کامیاب ہونے والوں کو بشارت دی گئی ہے اور انعامات خداوندی سے ان کو نوازا گیا ہے وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ - أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ٥ (اور آپ ... ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ ہی کی ملک میں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں - ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی رسائی ہوگئی" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) اور (اے پیغمبر) ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری پہنچا دو جو مصیبت پڑنے کے وقت یہ کہتے ہیں کہ بے بیشک ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اُسی کے حضور میں پلٹ کر جانے والے ہیں یہی وہ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی جانب سے صلوٰۃ اور رحمت ہے اور ہدایت یافتہ ہیں" (ترجمہ مقبول) ان امتحان مصائب میں صبر کرنے والوں کو کامیاب قرار دیتے ہوئے ان کو اس دنیوی زندگی میں اپنی رحمتوں سے مشرف کرنے اور ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند عطا فرمائی ہے اور چونکہ مصائب کے طبعی صدمہ کے بعد صبر کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے اس مضمون کی ابتدا میں مومنین کو صبر کرنے کا حکم دے دیا ہے - اور صبر کرنے والوں کو اپنی خصوصی معیت کی بشارت عطا فرمائی ہے -

یا ایہا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ اِنَّ اللہَ مَعَ الصابرین (پ ۲ ع ۳) (الف) اے ایمان والو صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو۔ بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) اے ایمان والو صبر اور صلوٰۃ کے ذریعہ سے مدد مانگو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (ترجمہ مقبول)

شہداء زندہ ہیں ان کو مردہ مت کہو

ان امتحانی تکالیف و مصائب میں سب سے بڑی مصیبت قتل و قتال ہے اس لئے ان مومنین کے فضائل بھی بیان فرما دیئے جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جائیں، تاکہ ان کے احباب و اقارب کا رنج و الم دور ہو جائے وَلَا تقولوا لِمَن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل اَحیاءٌ ولکن لا تشعرون (پ ۲ ع ۳) (الف) اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ مرے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں لیکن تم ادراک نہیں کر سکتے (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے جائیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں ولیکن تم نہیں سمجھتے۔ (ترجمہ مقبول)

شہدائے کرام کے مخصوص انعامات

وَلا تحسبن الذین قُتلوا فی سبیل اللہِ امواتاً بَلْ احیاءٌ عند ربھم یرزقون ۵ فرحین بما آتاھم اللہ من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خَلفھم الا خوفٌ علیھم ولا ھُم یَحْزَنون ۵ یستبشرون بنعمۃ مِنَ اللہ وفضلٍ واَنّ اللہ لا یضیع اجرَ المومنین ۵ (پ ۴ - آل عمران ع ۱۷) (الف) اور اے مخاطب) جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ مت خیال کر بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔ اپنے پروردگار کے مقرب ہیں ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی۔ اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ مغموم ہونگے۔ وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے" (ترجمہ مولانا تھانوی، ب) اور جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے گئے ہیں ان کو ہرگز ہرگز مردہ نہ گمان کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ اس سے خوش ہیں اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ہیں اور اب تک ان سے نہیں ملے ہیں ان کے بارے میں خوشخبری پاتے ہیں کہ ان پر کس طرح کا خوف نہیں ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے۔ خدا کی نعمت اور فضل کی خوشخبری پاتے ہیں اور اس کی کہ اللہ مومنین کے کسی اجر کو ضائع نہیں کرتا۔" (ترجمہ مقبول)

مومنین کو شہداء کا غم نہ کھانے کا حکم

لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (پ ۴ - آل عمران ع ۱۴) (تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہوگے اگر تم پورے مومن رہے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) اور ہمت نہ ہارو اور رنجیدہ نہ ہو حالانکہ اگر مومن ہو تو تم ہی غالب آؤ گے"۔ (ترجمہ مقبول)

رسول خدا بھی غم نہ کھائیں

رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چونکہ اپنی خصوصی شفقت و رحمت کی بنا پر سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور دیگر شہدائے اُحد کا طبعی غم لاحق تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بھی ان کے متعلق رنج نہ کرنے کا حکم فرمایا۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ پ ۱۴ - سورۃ النحل ع ۱۶) مولوی مقبول احمد صاحب اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں:-

اور ان (شہدائے اُحد کے متعلق رنج نہ کرو اور کافر جو چال چلتے ہیں) اس سے دل تنگ نہ ہو)

جنگ اُحد کی مصیبت کی حکمتیں

چونکہ غزوہ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے ستر اصحاب کرام شہید ہوئے تھے جن میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کے ناک کان کاٹ دیئے گئے تھے اور ہندہ نے جوشِ انتقام میں آپ کا سینہ چیر کر کلیجہ نکال کر دانتوں میں چبایا تھا۔ اور جو اصحاب زندہ رہے ان میں بھی اکثر زخموں سے چور چور تھے۔ خود رسول کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک شہید ہوئے اور پیشانی مبارک شدید زخمی ہوئی۔ ان حالات کی بنا پر مسلمانوں کو شدید صدمہ لاحق تھا۔ اور کفار و منافقین خوشیاں منا رہے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مصیبت اور عارضی ظاہری شکست کی حکمتیں حسب ذیل آیات میں بیان فرما کر اہل ایمان کو تسلی دیدی تاکہ وہ اس شدید رنج و اندوہ کو اپنے دلوں سے نکال دیں۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (سورہ آل عمران ع ۱۴) (ا) اگر تم کو زخم پہنچ جاوے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے تو اس قوم کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے (یعنی جنگ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے تھے) اور ہم ان ایام کو ان لوگوں کے

درمیان اوتے بدلتے رہا کرتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیویں اور تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے اور تاکہ میل کچیل سے صاف کردے ایمان والوں کو اور مٹا دیوے کافروں کو (ن) کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہوگے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) اگر تم کو زخم لگا (تو) ان لوگوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے اور یہ تو اتفاقات زمانہ ہیں جو ہم آدمیوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں اور اس لئے کہ خدا جان لے کہ ایمان والے کون ہیں اور تم ہی میں سے بعض کو گواہ بنائے اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا اور اس لئے (بھی) کہ خدا ایمان والوں کو خالص کرلے اور کافروں کو مٹائے کیا تم نے یہ گمان کیا تھا کہ تم بہشت میں جا پہنچو گے حالانکہ اس وقت تک اللہ نے (بذریعہ امتحان) نہ ان لوگوں کو جانا تھا جنہوں نے تم سے جہاد کیا اور نہ ان لوگوں کو جو ثابت قدم رہے۔" (ترجمہ مقبول) مولوی مقبول احمد صاحب نے ویتخذ منکم شھداء کا معنی گواہ ہونا لکھا ہے اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شہید ہونا۔ اور یہی اس مضمون کے مناسب ہے۔ چنانچہ مولوی فرمان علی صاحب شیعی مفسر نے بھی اس سے شہادت پانا ہی مراد لیا ہے :- اور تم سے بعض کو درجہ شہادت پر فائز کرے" (ترجمہ مولوی فرمان علی)

اللہ نے مومنین کے جان و مال خرید لئے ہیں

ایمان کی حقیقت سمجھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:- اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ وَالْقُرْاٰنِ ط وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ ط وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ٥ (پ ۱۱ سورۃ التوبہ ع ۱۴) (۹) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملیگی وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں (جس میں) قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ اس پر سچا وعدہ (کیا گیا) ہے توراۃ میں (بھی) اور انجیل میں (بھی) اور قرآن میں (بھی) اور (یہ مسلّم ہے) کہ اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے۔ تو تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے اس سے (یعنی اللہ تعالیٰ سے) معاملہ ٹھیرایا ہے۔ خوشی مناؤ اور یہ بڑی کامیابی ہے" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) بیشک

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے معاوضہ میں خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے وہ راہ خدا میں لڑتے ہیں۔ پس وہ قتل کریں گے بھی اور قتل کئے جائینگے بھی۔ اس پر سچا وعدہ تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں موجود ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہوگا۔ پس یہ سودا جو تم نے کیا ہے اس سے خوش ہو جاؤ اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے،، تفسیر قمی میں منقول ہے کہ یہ آیت ائمہ معصومین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس میں وہ صفات بیان ہوئی ہیں جو ان کے غیر میں جائز نہیں،، (ترجمہ مقبول)

خلاصہ آیات

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ (۱) جو مصیبت مقدر ہے وہ ٹل نہیں سکتی۔ (۲) مصیبتوں کے ذریعہ مومنین کا امتحان مقصود ہے۔ (۳) اس امتحان میں کامیاب ہونے والے وہ ہیں جو صبر کرنے والے ہیں۔ (۴) اس جہان میں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں صابرین پر نازل ہوتی ہیں اور وہی ہدایت یافتہ ہیں (۵) اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۶) اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت سمجھو۔ (۷) شہداء زندہ ہیں (۸) اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھنا ہے کہ اس کی راہ میں لڑنے والے کون ہیں اور صبر کرنے والے کون ہیں (۹) شہداء کو اللہ کے ہاں رزق ملتا ہے۔ (۱۰) وہ جنت میں اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے بہت خوش ہیں (یہاں یہ ملحوظ رہے کہ وفات کے بعد جنت میں شہداء کی ارواح جاتی ہیں۔ اور ان کے ابدان اپنی جگہ پر مدفون ہوتے ہیں البتہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجسام سے فی الجملہ باقی رہتا ہے) (۱۱) شہداء کو اس بات سے بھی خوشی ہوتی ہے کہ ان کے بعد زندہ رہنے والے مسلمان اللہ کی راہ میں شہید ہوں اور وہ بھی یہ بلند درجات حاصل کریں۔ (۱۲) شہدائے احد کا غم کھانے سے مومنین کو منع فرما دیا ہے۔ (۱۳) رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شہدائے احد کا غم نہ کھائیں۔ (۱۴) قتل و شہادت کی مصیبتوں میں مبتلا کر کے مومن و منافق میں تمیز کرنا مقصود ہے (۱۵) ان مصائب کے ذریعہ مومنین کے قلوب کو مزید پاک کرنا ہے۔ (۱۶) ان میں سے بعض کو شہادت کے درجات عطا کرنے میں (۱۷) اللہ تعالیٰ مومنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ (۱۸) مومنین کی جانیں اور ان کے مال اللہ تعالیٰ نے خرید لئے ہیں اور اس کے بدلہ میں ان کو جنت ملتی ہے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ آیات سمجھنے اور ماننے کے بعد بھی کیا کوئی مومن یہ تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ عہد رسالت کے شہداء ہوں یا دور خلافت کے۔ کربلا کے شہید ہوں یا مابعد کے ان کی یادگار میں ماتمی مجالس بپا کرنا۔ منہ پیٹنا۔ سینہ کوبی کرنا۔ دیواروں سے

یں مارنا ۔ سر پر خاک ڈالنا ۔ بدن پر زنجیریں اور چھریاں مارنا ۔ وغیرہ افعال ماتم جائز ہیں یا کار ثواب ہیں اور سنت و عبادت ۔ ہرگز نہیں

ماتمی تحریک کی ابتداء و انتہا

رسول خدا نے ولادت حسین رضؓ کو ناپسند کیا

چونکہ جہاد و شہادت کے متعلق قرآنی تعلیمات کی روشنی میں باشعور مسلمان مروجہ ماتم کو نیکی نہیں قرار دے سکتا تھا ۔ اس لئے م حسین کا فلسفہ تجویز کیا گیا اور اس کی تائید و تصدیق کے لئے ہزارہا من گھڑت روایتیں مشہور کی گئیں اور حضرت حسین ی ولادت کے ساتھ ہی ماتم حسین کا رابطہ قائم کر دیا گیا ۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی سب سے زیادہ صحیح کتاب حدیث س کو کم از کم امام غائب حضرت مہدی کی رضائے سکوتی حاصل ہے ۔ اس میں حسب ذیل روایات ملاحظہ فرمائیں ۔

عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال ان جبرئیل نزل علی محمد فقال لہ یا محمد ان اللہ بشرک بمولود یولد من فاطمۃ تقتلہ امتک من بعدک فقال یا جبرئیل علی ربی السلام حاجۃ لی فی مولود تقتلہ امتی من بعدی فعرج جبرئیل الی السماء ثم ھبط فقال یا محمد ان بک یقرئک السلام ویبشرک بانہ جاعل فی ذریتہ الامامۃ والولایۃ والوصیۃ فقال قد رضیت" (اصول الکافی کتاب الحجۃ ۔ باب مولد الحسین) شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب روہی نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے ۔ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ جبرئیل حضرت رسول خدا پر نازل ہوئے اور مایا اللہ آپ کو بشارت دیتا ہے ایک مولود کی جو بطن فاطمہ سے ہوگا آپ کے بعد اس کو آپ کی امت قتل کرے گی فرمایا جبرئیل بے رب کو میرا سلام پہنچا دو اور کہو مجھے بطن فاطمہ سے ایسے مولود کی ضرورت نہیں جس کو میرے بعد میری امت قتل ے ۔ جبرئیل نے پرواز کی اس کے بعد پھر آئے اور ایسا ہی کہا ۔ فرمایا ۔ اے جبرئیل میرے رب سے میرا سلام کہو ۔۔۔ مجھے ایسے مولود کی ضرورت نہیں ۔ جبرئیل گئے اور واپس آکر کہا ۔ خدا کا آپ پر سلام ہو ۔ وہ آپ کو بشارت دیتا ہے کہ آپ کی ذریت میں وہ امامت و ولایت و وصایت کو قرار دے گا ۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا ۔ میں راضی ہوں" (ترجمہ اصول کافی جلد اول صفحہ ۵۷۵) اس روایت سے حسب ذیل امور ثابت ہوئے ۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی طرف سے

۔ حضرت حسین کی پیدائش کی بشارت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ قبول نہیں کیا۔ کیا اس میں رسالت محمدیہ کی توہین نہیں پائی جاتی ہے حالانکہ اللہ کے رسول تو وہ ہوتے ہیں جو اس کے پیغام حق کو قبول کریں نہ یہ کہ رد کردیں العیاذ باللہ

(۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین کے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کو ناپسند فرمایا۔ حالانکہ شہادت ایک بلند مقام ہے جو شرعًا مقصود و مطلوب ہے ۔ شہادت ہے مقصود و مطلوب مومن ۔ (اقبالؒ)

(ب) سورۃ توبہ کی مذکورہ آیت ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ۔ سے ثابت ہے کہ اللہ کی راہ میں مال و جان قربان کرنے کے عوض جنت ملتی ہے لیکن العیاذ باللہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نواسے کی جان بہ نسبت حکم خداوندی کے زیادہ پیاری تھی۔ توکیا اللہ کی راہ میں قربان ہونا صرف دوسرے مومنین کے لئے فضیلت ہے (ج) اللہ کے ساتھ مال و جان دینے کے اس سودے پر مومنین کو خوشی منانے کا حکم دیا۔ فاستبشروا ببیعکم ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے محبوب نواسے حضرت حسین کے لئے یہ سودا ناپسند تھا۔ (د) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے تو ان آیات کے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ:۔ تفسیر قمی میں منقول ہے کہ یہ آیت ائمہ معصومین کی شان میں نازل ہوئی ہے اس میں وہ صفات بیان ہوئی ہیں جو ان کے غیر میں جائز نہیں، لیکن اصول کافی کی مندرجہ حدیث تو ظاہر کرتی ہے کہ معصومین کے لئے راہ خدا میں جان دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے ۔

(ر) اگر یہ آیت اور اس کی صفات صرف ائمہ معصومین کے لئے ہیں تو پھر یہ حضرات ائمہ مذہب شیعہ کی رو سے بجائے جان دینے کے ساری عمر تقیہ کیوں کرتے رہے؟ حتی کہ امام حسین نے بھی سانحہ کربلا سے پہلے ساری عمر تقیہ میں گذاردی ۔

حضرت فاطمہ نے بھی پیدائش حسین کو پسند نہیں کیا

اسی اصول کافی میں روایت ہے۔ عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما حملت فاطمۃ علیھا السلام بالحسین جاء جبرئیل الی رسول اللہ فقال ان فاطمۃ علیھا السلام ستلد غلامًا تقتلہ امتک من بعدک فلما حملت فاطمۃ بالحسین کرھت حملہ وحین وضعتہ کرھت وضعہ ثم قال ابو عبد اللہ لم تر فی الدنیا ام تلد غلامًا تکرھہ ولکنھا کرھتہ لما علمت انہ سیقتل قال وفیہ نزلت ھذہ الآیۃ ووصینا الانسان بوالدیہ حسنًا حملتہ امہ کرھا ووضعتہ کرھا وحملہ وفصلہ ثلثون شھرًا ۔

(ترجمہ) فرمایا ابو عبد اللہ یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے جب امام حسین کا حمل قرار پایا تو جبرئیل رسول خدا کے پاس

آئے اور کہا عنقریب فاطمہ ایک لڑکے کو پیدا کریں گی ۔ جس کو آپ کے بعد آپ کی امت قتل کر دیگی ۔ جب فاطمہ حاملہ ہوئیں تو رنجیدہ ہوئیں اور جب امام حسین پیدا ہوئے ۔ تب رنجیدہ رہیں ۔ حضرت ابو عبداللہ نے فرمایا کوئی ماں سوائے فاطمہ کے اپنے لڑکے کے پیدا ہونے پر رنجیدہ نہیں ہوئی ہوگی ۔ ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا یہ بیٹا قتل کر دیا جائے گا ۔ امام حسین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے ۔ ہم نے انسان کو وصیت کی اپنے والدین سے احسان کے بارے میں ۔ اس کی ماں بحالت حمل بھی رنجیدہ رہی اور وضع حمل کے وقت بھی اور اس کے حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تیس مہینے تھی (ترجمہ اصول کافی صفحہ ۵۷۵) اس حدیث میں بھی تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ نے بھی تصریح ہے کہ حضرت فاطمہ نے بھی شہادت حسین کی وجہ سے آپ کی پیدائش پر ناگواری کا اظہار کیا ۔ (ب) ، شہادت حسین کو باعث ناپسندیدگی ثابت کرنے کے لئے سورۃ الاحقاف کی مندرجہ آیت حملته امه کرھا کے ساتھ اس روایت کا جوڑ ملا لیا کہ آیت سے حضرت حسین کا حمل مراد ہے جس کو حضرت فاطمہ نے ناپسند قرار دیا تھا ۔ اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی ۔ مولوی فرمان علی صاحب اور مولوی امداد حسین صاحب کاظمی نے بھی اپنے تراجم میں اس آیت سے حضرت حسین کی پیدائش مراد لی ہے اور تائید میں اصول کافی کی مذکورہ حدیث درج کی ہے ۔ حالانکہ اس آیت کا حضرت حسین کی ولادت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس میں حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا کا مطلب تو وہ تکلیف و مشقت ہے جو ماں کو بچے کے حمل میں ہوتی ہے ۔ چنانچہ مولوی مقبول احمد صاحب موصوف خود اس کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں ۔ اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا ۔ و رتکلیف ہی سے اس کو جنا " اور مولانا تھانوی کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں : " اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت کے ساتھ اس کو جنا "

حضرت علی المرتضیٰ نے بھی شہادت حسین رض کو ناپسند کیا

شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں : ابن بابویہ نے بسند معتبر جناب صادق سے روایت کی ہے کہ جبرئیل خدمت رسول میں قبل ولادت حسین آئے اور کہا آپ کے ہاں ایک فرزند متولد ہوگا کہ آپ کی امت اسے شہید کرے گی ۔ حضرت نے فرمایا مجھے ایسے فرزند کی حاجت نہیں ۔ جب تین مرتبہ یہی خطاب ہوا ۔ اور تیسری مرتبہ کہا کہ اس فرزند اور اس کی ذریت اور اولاد میں امامت و وراثت و آثار پیغمبراں ہونگے اور خازن علوم اولین و آخرین ہوں گے ، یہ سن کر جناب رسول خدا نے فرمایا ۔ جناب امیر کو بلاؤ اور کہا جبرئیل نے خدا کی جانب سے مجھے یہ خبر دی ہے ۔ ایک فرزند

تمہارے یہاں متولد ہوگا کہ میری اُمت بعد میرے اسے شہید کرے گی۔ جناب امیر نے کہا مجھے ایسے فرزند کی حاجت نہیں یہاں تک کہ تین مرتبہ یہ کلام ہُوا اور تیسری مرتبہ فرمایا کہ اس فرزند اور اس کے فرزندوں میں امامت و وراثت و ذخائر پیغمبران اور خازن علوم اولین و آخرین ہوں گے۔ پھر جناب فاطمہ سے کہلا بھیجا کہ خدا تم کو بشارت دیتا ہے کہ میری امت اس کو بعد میرے شہید کرے گی۔ جناب فاطمہ نے عرض کی۔ بابا ایسے فرزند کی مجھے حاجت نہیں الخ (جلاء العیون مترجم حصہ دوم ص ۱۵ مطبوعہ انصاف پریس لاہور)

مندرجہ روایات سے ثابت ہُوا کہ حضرت حسین کی پیدائش کو بوجہ خبر شہادت کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت فاطمہ الزہرا، تینوں نے العیاذ باللہ ناپسند کیا۔ یہ ماتم حسین کی پہلی کڑی تھی۔

ماتم حسین کی دوسری کڑی

سلسلہ ماتم حسین کی دوسری کڑی ثابت کرنے کے لئے یہ روایت وضع کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین کی پیدائش پر روئے۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی ولادت حسین کے واقعات میں لکھتے ہیں۔ شیخ طوسی وغیرہ نے بسند ہائے معتبر جناب امام رضا سے روایت کی ہے کہ جب امام حسین متولد ہوئے۔ رسول خدا تشریف لائے اور اسماء بنت عمیس سے کہا۔ اے اسماء میرے فرزند کو لاؤ۔ اسماء کہتی ہیں میں جامہ سفید میں لپیٹ کر امام حسین کو خدمت آنحضرتؐ میں لے گئی۔ حضرتؐ نے امام حسین کو لے کر اپنے دامن میں رکھا داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی ناگاہ جبرئیل آئے اور کہا۔ حق تعالیٰ بعد سلام کے ارشاد فرماتا ہے جبکہ علیؑ کو تم سے نسبت مثل ہارون کے موسیٰ سے ہے تو اس فرزند کو بنام پسر کوچک ہارون مسمّی کرو۔ اس کا نام شبیر ہے اور اس کو تمہاری زبان میں حسین کہتے ہیں۔ یہ سن کر رسول خدا نے امام حسین کو پیار کیا اور روکر فرمایا اے فرزند تجھے مصیبت عظیم درپیش ہے خدا وند ا اس کے قاتل پر لعنت کر۔ پھر فرمایا۔ اسماء۔ فاطمہ سے یہ خبر نہ کہنا . . . . . . بعد اس کے امام حسین کو دامن میں لیا اور کہا۔ ابا عبداللہ کس قدر تیرا قتل ہونا مجھ پر گراں ہے۔ یہ کہہ کر بہت روئے۔ اسماء نے کہا میرے پدر و مادر آپ پر سے قربان ہوں یہ کیا خبر ہے کہ پہلے ہی دن آپ دیتے ہیں۔ اور بجائے مبارک بادی کے گریہ فرماتے ہیں۔ حضرت رسول خدا نے فرمایا میں اس اپنے فرزند پر اس لئے روتا ہوں کہ گروہ ناز ستمگار بنی امیہ ہیں جو اس کو شہید کرے گا۔ (جلاء العیون جلد دوم ص ۵۴)

ماتم حسین کی تیسری کڑی

مذکورہ روایت میں صرف رونے اور گریہ کا ذکر تھا۔ اس لئے ماتم کی تکمیل کے لئے یہ روایت

وضع کر لی گئی ۔ بسند معتبر جناب صادق سے روایت ہے ایک روز جناب فاطمہ خانہ رسول میں آئیں اور دیکھا آنسو چشم مبارک آنحضرت سے جاری ہیں جناب فاطمہ نے سبب گریہ پوچھا۔ جناب رسول خدا نے فرمایا جبرئیل خبر لائے میری اُمت حسین کو شہید کرے گی۔ جب جناب فاطمہ نے خبر سنی بیقرار ہو کے اپنا گریبان چاک کیا الخ (ایضا جلد العیون صـ ۹۴)

حضرت ابراہیم اور حضرت علی کے صبر کا موازنہ

شیعہ مذہب کا عقیدہ ہے کہ بارہ امام سوائے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں۔ لیکن شہادت حسین کے بارے میں جو روایات وضع کی گئی ہیں ان سے تو ثابت ہوتا ہے کہ مقام صبر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام حضرت علی المرتضیٰ بلکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ ابھی حضرت حسین پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے جب شہادت حسین کی اطلاع دی تو حضور خاتم الانبیاء۔ حضرت علی۔ حضرت فاطمۃ الزہرا نے نفس خبر شہادت پر ہی اظہار افسوس کیا اور صاف کہہ دیا کہ ہمیں ایسے فرزند کی حاجت نہیں۔ لیکن اس کے برعکس قرآن مجید میں مذکور ہے کہ محض خواب کی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداوندی اپنے پیارے بچے حضرت اسمٰعیل کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کی فرزند کے بارے میں دعا اور اس کی قبولیت کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا۔ ربّ هَبۡ لِي مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ه فبشرنه بغلٰمٍ حليم ه فلما بلغ معه السعي قال يٰبني اني ارٰى في المنام اني اذبحك فانظر ماذا ترٰى ط قال يٰابت افعل ما تؤمر ستجدني ان شآء الله من الصٰبرين ه فلما اسلما وتله للجبين ه ونادينٰه ان يّٰابرٰهيم ه قد صدقت الرءيا ج انا كذٰلك نجزي المحسنين ه ان هٰذا لهو البلٰٓؤا المبين ه وفدينٰه بذبحٍ عظيم ه (پ ۲۳ سورۃ صٰفّٰت ع ۳)

مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر ان آیات کا ترجمہ لکھتے ہیں: اے میرے پروردگار مجھے نیک اولاد عطا فرما۔ پس ہم نے ان کو ایک بردبار فرزند کی بشارت دی۔ پس جب وہ (فرزند) ان کے ساتھ چلنے پھرنے کے لائق ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے میرے پیارے بیٹے خواب میں دیکھا کیا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں تو اب غور کرو کہ تمہاری رائے کیا ہے انہوں نے عرض کی کہ باباجان آپ کو جو حکم ملتا ہے بجا لایئے۔ اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے اظہار اطاعت کیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے بیشک اپنا خواب سچا کر دیا۔ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک یہ کھلی

آزمائش ضرور ہے اور ہم نے اس کا فدیہ ایک بڑی قربانی مقرر کی ہے" ان آیات سے صراحتاً ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم کے تحت اپنے لخت جگر اسمٰعیل کو زمین پر لٹا کر اپنے ہاتھ سے بخوشی ذبح کیا۔ (ب) حضرت اسمٰعیل نے باوجود بچہ ہونے کے محض اللہ کے حکم کے تحت اپنے باپ کی چھری سے بخوشی ذبح ہونا قبول کیا لیکن اس کے برعکس شیعہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ بخوشی ذبح ہونا یا ذبح کرنا تو کجا۔ صرف اس اطلاع خداوندی کی بنا پر کہ حسین کو قتل کر دیا جائیگا حضرت علی المرتضیٰ ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا بلکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ جواب دیدیا کہ ہمیں ایسے فرزند کی حاجت نہیں ہے ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خبر کی وجہ سے روتے رہے اور حضرت فاطمہ نے تو گریبان بھی چاک کر دیا ۔ تو اس بنا پر امام الصابرین سید الانبیاء والمرسلین ۔ شیر خدا اور خاتون جنت کے صبر کی حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رہ جاتی ہے ۔ بہ ہیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا ۔ (ج) یہ بھی ملحوظ رہے کہ دشمنوں کے ہاتھ سے قتل ہونے کی مصیبت بہ نسبت اس کے بہت کم ہے جو باپ اپنے ہاتھ سے اپنے پیارے اکلوتے بچے کو ذبح کردے ۔ اور بچہ بھی وہ جو رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔

حضرت ابراہیم نے بھی شہادت حسین کا ماتم کیا

چونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح فرزند کے تذکرہ سے آپ کا اطاعت خداوندی میں کامل ہونا اور رضائے الٰہی کے تحت انتہائی صبر وضبط والا ہونا ثابت ہوتا ہے جس سے فلسفہ ماتم کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اسلئے ماتمی تحریک نے حضرت خلیل اللہ کی عظمت شان کو گھٹانے اور ان کو بھی ماتمی ثابت کرنے کے لئے یہ روایت بھی وضع کرلی کہ انہوں نے اپنے فرزند اسمٰعیل کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا تو برداشت کر لیا لیکن حضرت حسین کی خبر شہادت کو وہ بھی برداشت نہ کر سکے چنانچہ مولوی امداد حسین صاحب کاظمی ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر تفسیر صافی صہ ۴۲۹ کے حوالہ سے ایک طویل روایت امام رضا سے نقل کرتے ہیں جس کا آخری حصہ یہ ہے : پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے ابراہیم کیا تمہیں محمد مصطفےٰ زیادہ محبوب ہیں یا اپنی ذات ۔ عرض کی ۔ وہ مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہیں ۔ پھر وحی ہوئی کہ کیا تمہیں اپنی اولاد زیادہ پیاری ہے یا اُن کی ۔ عرض کی ان کی اولاد ۔ پھر ارشاد ہوا کہ کیا محمد مصطفےٰ کے بیٹے کا ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے ظلم وستم سے قتل ہونا تمہارا دل زیادہ دکھائے گا یا تمہارے اپنے بیٹے کا تمہارے اپنے ہاتھ سے ہماری اطاعت میں ذبح ہونا ۔ عرض کی بارالٰہا ان کے بیٹے کا ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے بظلم ذبح ہونا ضرور

ا دل زیادہ دکھائے گا اس وقت فرمایا ۔ اے ابراہیم ۔ ایک گروہ ایسا بھی ہوگا جو اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ کی اُمت
ے سمجھے گا اور ان کے بعد ان کے فرزند حسین کو ظلم و زیادتی سے اس طرح قتل کر ڈالیگا جیسے کہ مینڈھے کو ذبح کیا جاتا
ہے اور وہ اس طرح میرے سخت عذاب کا مستوجب ہوگا ۔ ابراہیم یہ سُن کر سخت پریشان ہوئے ۔ ان کے دل میں ایک
د اُٹھا اور وہ داڑھیں مار مار کر رونے لگے ،، العیاذ باللہ ۔ یہ ہے ماتمی ذہنیت کی افترا پردازی کہ قرآن میں مذکور ذبح
یل کے بے نظیر واقعہ صبر و اطاعت کے باوجود بھی ہزار ہا سال بعد میں ہونے والی ایک مصیبت کے تصور میں حضرت
ل اللہ علیہ وسلم کو داڑھیں مار مار کر رونے والا ثابت کر دیا ،، اور صرف یہی نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ماتمی
بت کیا بلکہ ماتم حسین کے لئے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی کربلا میں پہنچا دیا ۔

ربلا میں حضرت آدم کا ماتم

علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں :۔ روایت ہے کہ جب حضرت آدم زمین پر آئے حضرت
حوا کو اطراف زمین میں تلاش کر رہے تھے یہاں تک کہ صحرائے کربلا میں گذر ہوا اور
ب اس صحرا میں پہنچے ۔ افواج حزن و اندوہ نے گھیر لیا اور جب مقتل امام حسین میں پہنچے ایک پتھر کی ٹھوکر کھائی اور
ہائے مبارک سے خون جاری ہوا ۔ حضرت آدم نے آسمان کی طرف منہ بلند کیا اور عرض کی ۔ پروردگارا میں تمام زمین
ں پھرا مگر جو اندوہ و غم مجھے اس زمین پر پہنچا اور کسی زمین پر نہ پہنچا ۔ حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو وحی فرمائی کہ اس زمین
را برگزیدہ بندہ حسین بن علی قتل ہوگا میں نے چاہا کہ حسین کے اندوہ و غم میں تم کو بھی شریک کر دوں اور تمہارا خون بھی
ں زمین پر جاری ہو جس طرح حسین کا خون اس زمین میں بہے گا ،، جلاء العیون جلد دوم ص ۹۹ ، اس من گھڑت
یت سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ماتم حسین تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا ہے اور ماتمی لوگ جو آجکل
روں اور چھریوں سے اپنا بدن لہولہان کرتے ہیں یہ بھی حضرت آدم کی سنت ہے ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ضرت نوح صحرائے کربلا میں

اب آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ بھی سن لیں :۔ جب نوح علیہ السلام
کشتی میں سوار ہوئے اور جب کشتی زمین کربلا پر پہنچی ایک موج ایسی آئی کہ قریب
د کشتی غرق ہو جائے اور نوح پر ترس و بیم والم عظیم طاری ہوا ۔ کہا پروردگارا کسی زمین پر یہ واقعہ نہیں
ا جو اس زمین پر گذرا ۔ ناگاہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے نوح یہ وہ جگہ ہے جہاں فرزند زادہ خاتم الانبیاء و
ند بہترین اوصیاء شہید ہوگا نوح نے کہا پروردگارا ، ان کا قاتل کون ہوگا ۔ حکم ہوا ان کا قاتل یزید ہے ،، (ایضاً ص ۹۹)

از روئے قرآن جو کشتی نوح معجزانہ طور پر امن و سلامتی کا نشان تھی اس کو بھی ماتمیوں نے کربلا کی موجوں میں غرق ہونے کے قریب پہنچا دیا۔

حضرت ابراہیم کربلا میں گھوڑے سے گر پڑے

ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بھی ماتمی افسانہ سن لیجئے:۔ ایک روز حضرت ابراہیم گھوڑے پر سوار ہو کر صحرائے کربلا میں پہنچے۔ ناگاہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ حضرت ابراہیم گھوڑے سے زمین پر گر پڑے اور سر مبارک ایک پتھر پر لگا اور خون جاری ہو گیا۔ حضرت ابراہیم نے استغفار شروع کی اور کہا خداوندا مجھ سے کونسا گناہ سرزد ہوا کہ اس عقوبت کا مستحق ہوا۔ ناگاہ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے ابراہیم آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا لیکن یہ وہ جگہ ہے جہاں نور دیدہ محمد مصطفیٰ فرزند پسندیدہ علی مرتضیٰ بجور و جفا شہید ہوگا۔ اور خدا نے چاہا کہ آپ بھی ان کی مصیبت میں موافقت کریں" (صـ) گویا کہ بدن سے خون بہانا حضرت ابراہیم کی بھی سُنت ثابت ہوا۔

کربلا میں حضرت اسمٰعیل کی بھیڑوں کا سوگ

ایضاً روایت ہے ایک روز گوسفندان اسمٰعیل فرات کے کنارے چرا رہے تھے ناگاہ چرواہے نے آکر کہا کئی روز سے گوسفند (یعنی بھیڑیں) وہاں نہیں چرتے۔ ہر چند میں ان کو دریا کے کنارے لے جاتا ہوں مگر پانی نہیں پیتے۔ یہ سن کر حضرت اسمٰعیل نے خدا سے اس حال کا سوال کیا۔ جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے اسمٰعیل تم اپنے گوسفندوں سے خود کیفیت دریافت کرو۔ جب حضرت اسمٰعیل نے ان گوسفندوں سے سوال کیا۔ ان جانوروں نے بزبان فصیح کہا ہم کو خبر پہنچی ہے کہ آپ کا فرزند حسین جگر گوشہ پیغمبر آخر الزمان اس زمین پر پیاسا شہید ہوگا۔ لہٰذا ہم نے اس حزن وانڈوہ کے سبب پانی نہ پیا اور چاہا پیاس میں ان کی موافقت کریں" (صـ) بجائے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بھیڑوں کو اللہ تعالیٰ نے پہلے شہادت حسین کی اطلاع دیدی۔ اور جب بھیڑیں غم حسین مناتی ہیں تو ان کی پیروی میں ماتمی کیوں ہمیشہ سوگوار رہیں۔ ع۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است۔

حضرت سلیمان کا تخت کربلا میں گر پڑا

"ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر سوار تھے اور تخت اڑا جا رہا تھا جب وہ تخت مقابل صحرائے کربلا پہنچا۔ اسوقت ہوا کے جھونکے سے تین مرتبہ تخت کو تنزلزل ہوا۔ حضرت سلیمان خائف و ترساں ہوئے کہ کہیں تخت ہوا سے نیچے

ے ۔ پھر ہوا تھم گئی اور تخت زمین پر آگرا۔ حضرت سلیمان نے ہوا پر غصہ وعتاب کیا کہ تو کیوں تھم گئی اور تیرا سبب اضطراب تھا۔ ہوا نے کہا اس کا سبب یہ تھا کہ اس جگہ نور دیدہ محمد مختار و فرزند گرامی حیدر کرار شہید ہوگا۔ سلیمان نے کہا قاتل کون ہے۔ ہوا نے کہا ان کا قاتل یزید پلید ہوگا کہ ساکنان آسمان و زمین اس پر لعنت کرتے ہیں یہ سن کر حضرت سلیمان نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی اور قاتلان حسین پر بہت لعنت و نفرین کی اور جن وانس مرغان ہوا جو حاضر دربار تھے سب نے آمین کہی۔ پھر اس لعنت کی برکت سے ہوا چلی اور اس تخت کو اس صحرا سے باہر لے گئی" (ایضا العیون ص۱۰۲) سبحانك هذا بهتانٌ عظيم ۔ ماتمیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے اڑانہ تخت کو بھی معاف نہ کیا۔ اور جو ہوا اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے مسخر کر دی تھی۔ ماتم حسین کی برکت سے حضرت سلیمان پر غالب آگئی اور اس نے آپ کو تخت سمیت زمین پر گرا دیا۔ اور خدا کی پناہ۔ ماتمیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی عبادت لعنت میں شریک بنا دیا۔ حتیٰ کہ لعنت کی برکت سے پھر ہوا چلنے لگی۔ سبحان اللہ لعنت اور ماتم کیا خوب جوڑ ملایا ہے۔ کیا توہین انبیائے معصومین میں کچھ کمی رہ گئی ہے؟

حضرت زکریا اور کربلا۔ کہیعص کی ماتمی تفسیر

سورۃ مریم کی ابتداء میں حروف مقطعات کٓهٰيٰعٓصٓ مذکور ہیں۔ ان کی عجیب وغریب ماتمی تفسیر بھی سن لیجئے۔ علامہ باقر مجلسی ہی لکھتے ہیں کہ:۔ شیخ طبرسی وغیرہ نے محمد بن عبداللہ سے روایت کی ہے۔ کہا میں خدمت امام حسن عسکری میں گیا اور حضرت سے میں نے چند مسائل دریافت کئے۔ حضرت امام حسن عسکری نے فرمایا۔ اپنے مولا صاحب العصر سے دریافت کرو۔ اس وقت حضرت صاحب العصر (یعنی امام غائب حضرت مہدی) خرد سال تھے۔ اور امام حسن عسکری کے سامنے کھیل رہے تھے۔ حضرت صاحب العصر سے کہیعص کی تفسیر پوچھی۔ حضرت نے فرمایا یہ حروف اخبار غیب سے ہیں کہ خدا نے حضرت زکریا کو خبر دی اور بعد ازاں جناب رسول خدا کو وحی فرمائی اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت زکریا نے خدا سے طلب کیا کہ اسمائے مقدسہ آل عبا ان کو تعلیم کرے کہ شدائد و مصائب میں ان کی برکت سے خدا سے پناہ چاہیں۔ جبرئیل آئے اور اسماء آل عبا ان کو تعلیم فرمائے۔ جب حضرت زکریا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم و علی و فاطمہ و حسنین علیہم السلام یاد کرتے تھے غم والم ان سے دور ہو جاتا تھا اور خوشحال ہوتے تھے اور جب نام مبارک امام حسین یاد کرتے تھے انہیں شدت گریہ ہوتی تھی۔ ایک روز مناجات کی۔ خداوندا جب میں ان چار بزرگوں کا نام لیتا ہوں میرا غم والم برطرف ہو جاتا ہے

اور مجھے سرور حاصل ہوتا ہے اور جب نام بزرگوار امام حسین یاد کرتا ہوں مجھ پر غم والم طاری ہوتا ہے اور گریہ مجھے بیحال کر دیتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے قصۂ شہادت و مظلومیت امام حسین۔ زکریا کو وحی کیا اور کھیعص میں کاف سے اشارہ کربلا سے ہے اور ھاء ہلاکت عترت طاہرہ ہے۔ اور یاء یزید پلید ہے کہ ان کا قاتل تھا۔ اور عین عطش و تشنگی امام حسین اور ان کے عزت و اصحاب سے مراد ہے جو اس صحرا میں گذرے اور ص صبر آنحضرت سے مطلب ہے کہ مصائب پر صبر کیا۔ جب حضرت زکریا نے یہ قصہ دردناک سُنا۔ تین روز تک مسجد سے نہ نکلے اور کسی کو اپنے پاس نہ آنے دیا اور مشغول گریہ وزاری ونالہ وبے قراری رہے اور مرثیہ مصیبت امام حسین پر پڑھتے تھے" (جلاء العیون جلد دوم ص۹۰) فرمائیے۔ وہ حضرت زکریا علیہ السلام جو آرے سے چیرے گئے لیکن اُف تک نہ کی۔ ان کو محض شہادت حسین کے تصور سے ماتمی تحریک کا ایک رکن قرار دیدیا گیا۔

حضرت عیسیٰ کا کربلا میں شیر نے گھیراؤ کر لیا

اب داستان کربلا میں حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام کا تذکرہ بھی سن لیجئے فرماتے ہیں۔ ۱۔ ایک روز حضرت عیسیٰ معہ حواریوں کے سیر وسیاحت کر رہے تھے ناگاہ صحرائے کربلا میں گذر ہوا۔ اور جب اس صحرا میں داخل ہوئے چاہا باہر نکل جائیں۔ ناگاہ ایک شیر ان کے سامنے آکھڑا ہوا۔ حضرت عیسیٰ نے کہا اے شیر تو نے میرا راستہ کیوں روکا۔ شیر بحکم خدا گویا ہوا اور بزبان فصیح کہا میں آپ کو اس صحرا سے باہر نہ جانے دوں گا۔ جب تک حسین بن علی کے قاتل پر لعنت نہ کیجئے گا۔ عیسیٰ نے کہا حسین کون ہے۔ شیر نے کہا حسین فرزند زادہ نبی امی فرزند علی ولی ہے۔ عیسیٰ نے کہا ان کا قاتل کون ہے شیر نے کہا قاتل حسین کا یزید پلید ہے الخ (ص۱۱)

لیجئے:۔ صاحب معجزات حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ السلام کا کربلا میں ایک شیر نے گھیراؤ کر لیا اور نعوذ باللہ جب تک لعنت جیسی ماتمی عبادت میں شریک نہ بنا لیا ان کو جانے نہ دیا۔

مقام عبرت

کربلا کی یہ داستانیں اور ماتم کے یہ افسانے کیا اسی لئے نہیں گھڑے گئے کہ انبیائے معصومین کی عظمتیں مجروح کی جائیں۔ کمالات نبوت سے اعتماد اٹھایا جائے۔ اور ان مقبولان بارگاہ ایزدی کو بطور ماتمی گروہ کے قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اور یہ سب کچھ شہادت حسین کی بنیاد پر کیا گیا۔ تاکہ عبدیت و اطاعت۔ صبر و استقامت اور تسلیم و رضا جیسے کمالات کو انبیائے کرام علیہم السلام کی تاریخ سے خارج

کر دیا جائے ۔ اور باقی صرف ماتم ہی ماتم رہ جائے ۔ وہ ماتم جس کے ناپاک غبار سے انبیاء اولیاء کا دامن پاک ہے۔ یہ ہے وہ ماتمی تحریک جس کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے دکھائی گئی ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے تذکرے میں سانحہ کربلا کو اس طرح سے افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے جس نے الف لیلیٰ جیسی فرضی داستانوں کو مات کر دیا ہے ۔ اور جب شہادت حسین سے ہزار ہا سال پہلے کی ماتمی داستانوں کو انتہائی چابکدستی سے پیش کیا گیا ہے تو سانحہ کربلا کے بعد کے جو ماتمی افسانے تراشے گئے ہوں گے ان کا کیا رنگ ڈھنگ ہوگا۔ ع قیاس کن زگلستان من بہار را۔

قیامت تک ماتم ہی ماتم

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں ۔ کمالات ایمانی میں آپ کو بلند مقام حاصل ہے ۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق سے لے کر حضرت عثمان ذوالنورین کی خلافت راشدہ تک ۲۴ سال ان خلفائے عظام کی بیعت و اطاعت میں گذار دئے اور کسی قسم کا اختلاف و نزاع نہیں کیا ۔ بعد ازاں حضرت علی المرتضیٰ کے قریباً چھ سالہ دورِ خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے دم عثمان رضی اللہ عنہ کی بنیاد پر نزاع رہا حتیٰ کہ جنگ و قتال تک نوبت پہنچی ۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد چھ ماہ خلافت پر فائز رہ کر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تو جنت کے جوانوں کے ان دونو سرداروں (حضرت حسن ۔ حضرت حسین) نے حضرت معاویہ کی بیعت کر لی ۔ حتیٰ کہ حضرت حسین نے قریباً ۲۰ سال خلافت معاویہ میں گذارے لیکن اُن سے کسی طرح کی کوئی مخالفت نہ کی اور بیت المال سے وظیفہ لیتے رہے ۔ اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ انتقال فرما گئے ۔ اور جب یزید نے مملکت اسلامیہ کا اقتدار سنبھالا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا اور آخر دم تک اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا ۔ اور اپنے اس موقف حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے ۱۰ محرم ۶۱ھ کی جنگ کربلا میں اپنے اعزہ واقارب سمیت شہید ہو گئے ۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہر شہید مقتول ہوتا ہے ۔ اس کا بدن زخمی ہوتا ہے ۔ خون بہتا ہے ۔ اس کی بیوی بیوہ ہوتی ہے اس کے بچے یتیم ہونے میں پسماندگان کو اس کی مصیبت کا عظیم صدمہ ہوتا ہے ۔ غزوۂ بدر میں ۱۴ اصحاب شہید ہوئے تو جنگ احد میں ستّر اصحاب نے جام شہادت نوش فرمایا ۔ نیزوں سے سب کے بدن زخمی ہوئے چُور چُور ہوئے ۔ بعد از حضرت حمزہ کے اعضاء کاٹ دیئے گئے ۔ سینہ چیر کر کلیجہ چبایا گیا ۔ بعد ازاں جنگ مُوتہ میں حضرت جعفر طیارؓ

اور دوسرے جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے ۔ اس عظیم معرکہ میں حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں جس کی بنا پر دربارِ رسالت سے آپ کو سیف اللہ کا لقب عطا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عیسائیوں سے یرموک اور ایرانیوں سے قادسیہ جیسی عظیم تاریخی جنگیں غازیان اسلام نے لڑیں ۔ ہزارہا مسلمان شہید ہوئے ۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مجاہدین اسلام نے خلفائے ثلثہ حضرت صدیق اکبر ، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین کے پرچم خلافت کے سایہ میں کلمۂ اسلام بلند کیا ۔ دین حق غالب ہوا شیطانی اور طاغوتی لشکر مغلوب ہو گئے ۔ حقانیت اسلام کے انوار اطراف عالم میں پھیل گئے ۔ لیکن نہ ماتمی مجالس قائم کی گئیں ۔ نہ ماتمی جلوس نکالے گئے ۔ نہ ہائے واویلا کا شور ہوا ۔ نہ زنجیر زنی اور سینہ کوبی کے تماشے دکھائے گئے ۔ کفار سے جنگ و قتال کرنے والا مسلمان زندہ رہتا تھا تو غازی کہلاتا تھا اور قتل ہو جاتا تھا تو شہید قرار دیا جاتا تھا ۔ رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پچاس سال حضرت حسین زندہ رہے ۔ اُن کی مقدس زندگی میں اس ماتمی تحریک کا سراغ نہیں ملتا ۔ لیکن جب کربلا میں ہی امام حسین شہید ہوتے ہیں ۔ آپ کا بدن زخموں سے چور چور ہوتا ہے ۔ اعزہ کی لاشیں[1] میدان جنگ میں تڑپتی ہیں اور عقیدہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی یہ قربانی اصول اسلام کی سربلندی کے لئے تھی ۔ مگر اسلامی نظریات کے بالکل برعکس ماتمی تحریک کے تحت محبان اہل بیت میں صفت ماتم بچھ جاتی ہے ۔ صبر و نماز کی بجائے سینہ کوبی شروع ہو جاتی ہے ۔ کلمۂ حق اور جہاد فی سبیل اللہ کو تقیہ کی چادر پہنا دی جاتی ہے ۔ صبر و استقامت کے حسینی روشن چہرہ پر ظلمات ماتم کے پردے ڈال دیئے جاتے ہیں ۔ ماتمی فلسفہ ایجاد ہوتا ہے ۔ اس ماتم حسین کی کڑیاں حضرت آدم علیہ السلام اور دیگر مقدس انبیائے کرام کے ساتھ ملائی جاتی ہیں ۔ اور پھر اس قسم کی روایات وضع کی جاتی ہیں ۔ کہ نوری ملائکہ بھی ماتم کرتے دکھائی دیتے ہیں جن و انس اور زمین و آسمان ۔ شجر و حجر وغیرہ ساری کائنات ماتم حسین میں مبتلا ہے ۔ اور اس ماتم کے تحفظ و بقا کے لئے قیامت تک ایک ماتمی گروہ کی پیدائش کی خبریں دی جاتی ہیں ۔ حتیٰ کہ جس یزید پر سابقہ انبیائے کرام کی مبارک زبانوں سے بھی لعنت کرنے کی روائتیں پیش کی جاتی ہیں اس یزید کی بیوی کا بھی ماتمی

---

[1] عموماً مرثیہ خوان یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسین کی لاش کو گھوڑوں سے پامال کر دیا گیا تھا لیکن ان کے علامہ باقر مجلسی نے بحوالہ کافی کلینی یہ روایت لکھی ہے کہ دشمنوں نے یہ ارادہ کیا تو ایک شیر نمودار ہوا جس کے خوف سے دشمن اس ارادہ سے باز آ گئے ۔ ج ۲ (جلاء العیون صفحہ ۲۱۹)

ہونا ثابت کیا جاتا ہے اہل کوفہ جو قاتلان حسین ہیں وہ بھی مجالس ماتم بپا کرتے ہیں۔ اور خود یزید کا بھی اپنے منہ پر طمانچے
مارنا اس تحریک میں دکھایا جاتا ہے حتی کہ یزید کی اجازت سے مخدرات اہل بیت اس کے شاہی محلات میں ہی سات
روز تک کالے کپڑے پہنے ہوئے ماتم حسین میں مشغول رہتی ہیں۔ گویا اپنے بھی ماتم کر رہے ہیں اور پرائے بھی ماتم میں مبتلا
ہیں۔ پس ساری کائنات میں ماتم ہی ماتم ہے۔ ماتم بس باقی ہوس۔

جہنم کا ماتم

نعوذ باللہ جب انبیائے کرام علیہم السلام کو ماتمی تحریک کے سلسلہ میں منسلک کر دیا گیا۔ تو پھر جہنم
کی کیا مجال تھی کہ غم حسین کا ماتم نہ کرے۔ چنانچہ ماتمی مذہب میں یہ وحی نازل کی گئی کہ: جب شمر ملعون
نے امام حسین کو شہید کیا۔ جہنم نے ایک ایسا نعرہ مارا کہ قریب تھا کہ زمین کو شگافتہ کرے اور جب ارواح پلید عبداللہ
بن زیاد و یزید بن معاویہ و عمرو بن سعد و شمر ان کے بدنہائے نحس سے نکل گئیں۔ جہنم جوش و خروش میں آیا۔ اور اگر
خدا خزینہ داران جہنم کو حکم نہ کرتا کہ اُسے خوب اچھی طرح سے بند رکھیں پس جو کوئی زمین پر تھا اس کے جوش و خروش
سے جل جاتا اور اگر اُسے اجازت دیتے جو کوئی زمین پر تھا اُسے وہ نگل جاتا لیکن اپنے خدا کے حکم پر مامور ہے اور
خزینہ داران جہنم کو زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں اور چند مرتبہ خزینہ داران پر جہنم نے زیادتی کی اور وہ اس کی تاب
نہ لا سکے تا آنکہ جبرئیل آئے اور اپنے بازو سے اس کے شعلے کو دھیما کر کے اُسے ساکن کر دیا۔ جہنم گریہ و نوحہ
مصائب امام حسین پر کرتا ہے۔ اور ان کے قاتلوں پر جوش و خروش کرتا ہے۔ اور اگر بجائے خدا زمین پر نہ ہوتے۔
زمین کو سرنگوں کر دیتا،، (جلاء العیون جلد دوم ص ۸۷ مطبوعہ لاہور) یہ جہنم کی روایت تمام ماتمی روایات کی جان ہے۔
کیونکہ اس میں یہ دکھایا گیا ہے (۱) کہ جہنم خدا کے حکم پر مامور ہے پھر بھی حکم الٰہی کے خلاف سرکشی کر جاتا ہے اور نوری
فرشتے بھی اس سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔

(ب) اگر جہنم کے محافظ فرشتے اس کو زنجیروں سے نہ جکڑے ہوں تو وہ زمین اور اہل زمین کو بھی جلا دیتا۔

(ج) جہنم مصائب امام حسین پر گریہ و نوحہ کرتا ہے۔

آگ کا ماتم

ہم نے سنا ہے کہ پاکستان میں بعض ماتمی ٹولیاں آگ پر بھی ماتم کرتی ہیں۔ اور شیعہ رسائل میں بھی ایسی
خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ اگر ان خبروں میں کچھ صداقت ہے تو پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ
آگ کے ماتمیوں کو کوئی اس سلسلہ میں جہنم سے فیض پہنچتا ہے۔ اور جہنم کے خوف سے زمین کی آگ ان کو نہیں جلاتی۔ اور

جب جہنم ماتم کرتا ہے تو اس کے اندر رہنے والی مخلوق بھی تو اس ماتم میں شریک ہوتی ہوگی۔ اور ماتمی کمال بھی الٹی کو حاصل ہے کہ اوپر بھی آگ ہے اور نیچے بھی۔ دائیں بھی آگ اور بائیں بھی آگے بھی اور پیچھے بھی۔ ہر طرف آگ ہی آگ ہے لیکن وہ نہایت جوش وخروش سے اپنے ماتم میں محو ہیں۔ اور یہی ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

شیعیّت کی رفتار

ماتمی مصنف لکھتے ہیں: ہم قاضی صاحب کا جواب الجواب اس لئے نہیں لکھ رہے کہ ہمیں بھی ان کی طرح اپنے عوام کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہے حاشا وکلا۔ ہمیں ایسا ہرگز کوئی خوف لاحق نہیں کہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" ایسے بے بنیاد اور کمزور استدلال کے حامل رسالہ سے متاثر ہو کر کوئی شیعہ اپنا مسلک ترک کر دے گا۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ کے والد بزرگوار آنجہانی مولوی کرم دین صاحب کی کتاب " آفتاب ہدایت" سے رجو تقریباً نصف صدی پہلے لکھی گئی اور اس عرصہ میں اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے) اب تک سینکڑوں شیعہ اپنا مذہب چھوڑ چکے ہوتے۔ اسکے برعکس اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد صرف تحصیل چکوال میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شیعہ ہوئے لاتعداد بستیاں جہاں شیعہ مذہب کے نام سے بھی کوئی واقف نہ تھا آج وہاں مساجد اور امام کوٹ موجود ہیں۔ تعزیہ داری اور مجالس ہو رہی ہیں۔ عوام کا ذکر ہی کیا آپ کے بے شمار علما اپنے آبائی مذہب سے منہ موڑ کر مذہب حقہ شیعہ اختیار کر چکے ہیں۔ جن سے مشہور و معروف علماء کی ایک مختصر فہرست پیش خدمت ہے۔ مولانا حکیم سید احمد شاہ صاحب اعلیٰ اللہ مقامہٗ۔ مولانا حافظ مقبول احمد صاحب دہلوی اعلی اللہ مقامہٗ مولانا ملک فیض محمد خان صاحب اعلی اللہ مقامہ۔ مولانا ڈاکٹر نور حسین صابر جھنگ سیال مصنف ثبوت خلافت۔ مولانا حکیم امیر الدین صاحب مصنف فلک النجاۃ۔ مولانا امیر محمد صاحب تونسوی۔ مولانا غلام محمد صاحب محمودی تونسوی۔ مولانا غلام حسین میانوی۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب۔ مولانا تاج الدین حیدری۔ مولانا حافظ سیف اللہ صاحب جعفری۔ مولانا سعید الرحمٰن علوی۔ مولانا غلام حسین صاحبوال۔ مولانا عبد المہیمن اوکاڑہ۔ مولانا محمد مظہر الحق صاحب۔ مولانا قاری جان محمد صاحب۔ مولانا حکیم سید محمود صاحب گیلانی معہ ابکے سابق ایڈیٹر اخبار اہلحدیث آپ کے خاص اعزہ سے قاضی رشید عسکری بڈھیال (جنہوں نے اس رسالہ کے لکھنے میں میرے ساتھ بھر پور تعاون کیا)

اور حال ہی میں آپ کے خلفاء سے مولانا اللہ بخش صاحب جعفری نے سابقہ مسلک کو ترک کرکے مذہب حقہ شیعہ اختیار کیا ہے ۔ مشتے نمونہ از خروارے (فلاح الکونین صہ ۹۳)

الجواب (۱) آپ تو لکھتے ہیں کہ رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" سے شیعہ عوام کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہیں ۔ لیکن آپ کے علامہ مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو لکھتے ہیں کہ :۔ اگرچہ یہ رسالہ اپنے دلائل کی ناپختگی اور طرز تحریر کی ناشائستگی کی وجہ سے محتاج جواب نہ تھا مگر چونکہ بعض ناپختہ اذھان کے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے ابھی مُقرظ کی آواز فضائے محیط میں گونج ہی رہی تھی کہ ایک غیور سید اپنی غیرت قومی و ملی کے نشہ سے سرشار ہوکر اور دلائل قاطعہ سے مسلح ہوکر عرصہ پیکار میں کود پڑا" (تقریظ فلاح الکونین صہ ۶) فرمائیے آپ دونو میں سے کس کی بات صحیح ہے ۔ مصنف کی یا مقرظ کی (۲) آپ نے علماء کی جو فہرست پیش کی ہے کہ وہ مذہب اہلسنت ترک کرکے شیعہ بنے ہیں ان میں سے بعض کی تصانیف مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا ہے ۔ اور بعض سے پہلے تعارف نہیں ہے لیکن آخری دو حضرات کا جو آپ نے فہرست میں نام پیش کیا ہے ۔ اگر باقی بھی ایسے ہی علماء ہیں پھر تو مذہب شیعہ کا خدا حافظ ۔ (۱) ماسٹر رشید عسکری ساکن بڈھیاں جے وی کی سند رکھتے ہیں اور پرائمری سکول امیر پور منگن میں ٹیچر ہیں قبل ازیں چند سال پرائمری سکول چتال میں ٹیچر رہ چکے ہیں ۔ غالباً قرآن ناظرہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے البتہ ذاکر مرثیہ خوان ضرور بنے ہوئے ہیں (ب) ان کے ساتھ میری کوئی قرابت داری نہیں ۔ اور میں تو عسکری صاحب کی شکل بھی نہیں پہنچانتا ۔ لیکن جب انہوں نے شیعہ مذہب کا اعلان کیا ہے تو تقیہ کا ثواب بھی تو حاصل کرنا ہے ۔

(۲) ماشاء اللہ مولوی اللہ بخش جعفری بھی شیعوں کو ایک تحفہ مل گیا ہے ۔ یہ شخص نہ میرا شاگرد ہے نہ مرید ۔ نہ وہ حافظ ہے نہ قاری ۔ نہ ہی وہ عالم ہے ۔ وہ تو فقہ کی کتاب منیۃ المصلی بھی پڑھا ہوا نہیں ہے ۔ تقریباً دو سال ہوئے کہ وہ سردیوں میں اچانک میرے پاس آیا ۔ اور کہا کہ میں آپ کے عقیدہ کا ہوں ۔ اپنا سارا خاندان بھی مخالف ہے ضلع مظفر گڑھ میں فلاں جگہ کا رہنے والا ہوں ۔ اب ضلع گوجرانوالہ کے ایک چک میں امام مسجد تھا وہاں بھی لوگ میرے مخالف ہوگئے ہیں کوئی امامت کی جگہ مل جائے تو یہ دن گذاروں پھر کوئی اور جگہ بنا لوں گا ۔ مجھے اُس کی حالت پر رحم آگیا ۔ اپنے گاؤں مہیں میں جگہ خالی تھی وہاں عارضی طور پر بھیج دیا تاکہ نماز پڑھاتا رہے اور بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا رہے ۔ بعد ازاں وہ جب بھی مجھ سے چکوال ملنے آیا تنخواہ کم ہونے کی شکایت کرتا رہا ۔ میں اس سے مطمئن نہ رہا ۔ یہی ارادہ تھا کہ اس کو رخصت

کر دیں گے ۔اس طرح ۱۳ ماہ گذر گئے ۔ اور اچانک یہ اطلاع ملی کہ اس نے ڈھوڈیال کے شیعوں کی مجلس چہلم میں اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا ہے ۔ حالانکہ اس سے پہلے اس نے نہ کبھی مذہب اہل سنت کے متعلق مجھ سے کوئی استفسار کیا اور نہ ہی اور کسی سے اپنے شبہات کا اظہار کیا (ب) جب اُس نے شیعہ ہونے کا اعلان کیا اس وقت اس کے ذمہ بھیں کے دکانداروں کا سات آٹھ سو روپیہ قرض تھا ۔جس میں سے غالباً ایک سو روپیہ ایک دکاندار کو دیا ہے اور باقی رقم اس کے ذمہ ہے ۔ (ج) اس کی کوئی علمی حیثیت نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ خدام اہل سنت کے کسی تبلیغی جلسہ یا تبلیغی دورہ میں اس کا نام کبھی بھی شائع نہیں کیا گیا ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ پہلے سے شیعہ تھا کسی سازش کے تحت تقیہ کرکے وہ بھیں میں رہا ہے اور بعض کا قیاس ہے کہ وہ محض لالچ کی بنا پر شیعہ بنا ہے اور پہلے مرزائی وغیرہ بھی رہ چکا ہے ۔ واللہ اعلم جو مشتے نمونہ از خروارے ماتمی مصنف نے پیش کیا ہے اس کے دو دانے تو عسکری اور جعفری مذکور ہیں اور باقی افراد بھی اکثر غالباً اسی نمونہ کے مولانا ہوں گے ۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا ۔چنانچہ ان میں سے ایک مولوی غلام حسین میانوی کا نام لکھا ہے ۔ جو موضع میاں علاقہ سُواں ضلع کیمبلپور کا رہنے والا تھا ۔ وہ گو شیعوں کا مفرور تھا لیکن مستند عالم نہ تھا ۔ بعد میں اسنے اپنے سُنی ہونے کا اعلان کر دیا تھا ۔ اور آزاد کشمیر کے ایک نقشبندی پیر صاحب کا مرید ہو گیا تھا جن کی اس علاقہ میں آمد و رفت تھی ۔ان کے ہمراہ وہ سُنی مذہب کی حقانیت پر تقریریں بھی کرتا رہا ۔ لیکن آخر اس نے پھر شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا جس کے بعد جلدی ہی مر گیا ۔ کیا اس قسم کے افراد شیعہ مذہب کے لئے قابل فخر ہیں ۔

(۳) آفتاب ہدایت رد رفض و بدعت میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے ۔جو آج سے قریباً پچاس سال پہلے برطانوی حکومت میں لکھی گئی تھی ۔ اور اب تک اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔اس تصنیف سے شیعہ علماء اتنے پریشان ہوئے تھے کہ لکھنو کے شیعہ رسائل و اخبارات میں اس کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا تھا اور اس کی ضبطی کے لئے گورنمنٹ برطانیہ کو درخواستیں دی گئی تھیں ۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے ۔ فرمایئے اگر آفتاب ہدایت سے شیعہ مذہب کو کوئی خطرہ نہیں لاحق ہوا تھا تو اس کی ضبطی کے لئے شیعوں نے کیوں کوششیں کیں ۔ الحمد للہ یہ کتاب عوام و خواص میں مقبول ہوئی ہے اور اس کے مطالعہ سے ہزاروں سُنی مسلمانوں نے مذہب اہل سنت کی حقانیت کو سمجھا ہے اس کتاب سے سُنی علماء و مناظرین نے بھی بہت فائدہ اُٹھایا ہے ۔ حضرت مولانا مرحوم نے نہ صرف یہ کہ رافضیت کو بے نقاب کیا اور خلفائے راشدین ۔ اور اصحاب و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی بلند

قام کا تحفظ کیا بلکہ آپ نے فتنہ مرزائیت کا بھی انتہائی عزم و استقامت سے مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ خود مرزا غلام احمد قادیانی
سے آپ کا دو سال تک مقدمہ چلتا رہا۔ جس میں آپ نے خداداد علم و ذکاوت کی بنا پر مرزا قادیانی کو بھی کمرہ عدالت میں
جواب کیا۔ مرزائی علماء کو اپنی علمی جرح سے بدحواس کر دیا۔ چنانچہ آخر میں گورداسپور کے مجسٹریٹ لالہ آتما رام نے مرزا
قادیانی کو اس مقدمہ میں چھ ماہ قید محض یا پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا سنائی جس سے بمشکل ایک انگریز وکیل کے ذریعہ اپیل
رہائی حاصل کی۔ اس مقدمہ کی مفصل روئداد سرکاری ریکارڈ کے ساتھ جناب والد مرحوم کی کتاب "تازیانہ عبرت" میں
موجود ہے جس کا آج تک مرزائی جواب نہیں دے سکے شیعوں کے ایک اشتہار سے معلوم ہوا۔ کہ کوئی شیعہ مجتہد آفتاب
ہدایت کا جواب "تجلیات صداقت" کے نام سے لکھ رہے ہیں۔ اگر یہ کتاب شائع ہوئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ حسب ضرورت
س کا جواب الجواب بھی شائع کر دیا جائے گا۔ بہرحال قارئین حضرات اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اگر "آفتاب ہدایت"
پنے موضوع پر کوئی مؤثر کتاب نہ ہوتی تو نصف صدی کے بعد آج شیعہ علماء کو اس کا جواب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ سچ
ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب — گر دلیلت بایداز وے رومتاب

دورِ رسالت میں شیعہ

اب ہم شیعوں کے وجود اور ان کی ترقی کا جائزہ لیتے ہیں جس سے ماتمی مصنف کے دعویٰ کی حقیقت معلوم ہو جائیگی۔ رسول کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۳ سال تبلیغ رسالت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اس دور رسالت میں قرآن مجید نازل ہوتا رہا۔ آخر کار ۸ھ میں
مکہ شریف فتح ہوا۔ کفار و مشرکین مغلوب ہوگئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس صحابہ کرام کی جماعت ان پر غالب
ہوئی۔ لیکن اس ۲۳ سالہ دور نبوت میں نہ کوئی شیعہ تھا اور نہ ہی شیعہ مذہب کا کوئی وجود تھا۔ اگر کوئی ایک فرد
بھی شیعہ مذہب رکھتا تھا تو کسی آیت یا حدیث صحیح سے اس امر کا ثبوت دیں کہ کسی مسلمان نے شیعہ ہونے کا دعویٰ
کیا ہو۔ یا لفظ شیعہ بحیثیت مذہب کسی نے استعمال کیا ہو۔ اگر یہ مذہب حضرت علی المرتضیٰ کا ہے تو ثابت کریں کہ شیر خدا
نے کہیں اپنے شیعہ ہونے کا اظہار و اعلان کیا ہے۔ یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے شیعہ ہونے کا کہیں ذکر ہی
کیا ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔

دورِ رسالت کے بعد صرف تین چار شیعہ تھے

اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کا دیدار کرنے والے مومنین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد

تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور یہ سب جنتی ہیں۔ جن میں خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمرؓ فاروق۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ کا درجہ بترتیب خلافت باقی صحابہ کرام سے بڑا ہے۔ اور ان میں سے کسی نے بھی ساری عمر لفظ شیعہ کا بحیثیت مذہب ذکر نہیں فرمایا۔ اور شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خلفائے اربعہ میں سے صرف حضرت علی المرتضیٰ بلا فصل خلیفہ برحق ہیں۔ بالفرض اس عقیدہ کو صحیح تسلیم کیا جائے اور حسب دعویٰ شیعہ حضرت علی کو مذہب شیعہ کا پیرو تسلیم کیا جائے تو پھر لازم آئے گا کہ رسول الرحمٰن صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر صرف چار یا پانچ افراد شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ

(۱) فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ ص۱۱۵ میں ہے۔ عن ابی جعفر علیہ السلام قال کان الناس اھل ردۃ بعد النبی صلی علیہ والہ الا ثلثۃ فقلت ومن الثلثۃ فقال مقداد بن الاسود وابوذر الغفاری وسلمان الفارسی رحمۃ اللہ علیھم وبرکاتھم" (ترجمہ) امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سوائے تین کے باقی سب مرتد ہو گئے تھے۔ پس میں نے کہا وہ تین کون ہیں تو امام موصوف نے فرمایا۔ مقداد۔ ابوذر غفاری اور سلمان فارسی"، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ حسنؓ حسینؓ کے علاوہ صرف تین مومن تھے۔

(۲) ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب امروہوی اصول کافی کی ایک روایت کا ترجمہ لکھتے ہیں: میں نے حضرت امام باقر علیہ السلام سے کہا ہماری جماعت کس قدر قلیل ہے کہ اگر دسترخوان پر ایک بکری کھانے بیٹھیں تو اسے تمام نہ کر سکیں فرمایا میں تم کو اس سے زیادہ عجیب بات بتاؤں۔ آنحضرت کے بعد مہاجرین و انصار ایمان سے پھر گئے اور پھر ان تین انگلیوں سے۔ شنا۔ و کیا حمران کہتا ہے میں نے کہا عمار کا کیا حال ہوا۔ فرمایا اللہ ان پر رحم کرے ان کی کنیت ابوالیقظان ہے۔ انہوں نے امیرالمومنین کی بیعت کی اور جنگ صفین میں شہید ہوئے"۔ (شافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم کتاب الایمان والکفر ص۲۶۸) اس روایت سے معلوم ہوا ہے کہ مذکورہ تین کے علاوہ حضرت عمار بن یاسر بھی مومن تھے۔ اور تین انگلیوں سے مراد وہی تین صحابی ہیں یعنی سلمان۔ مقداد۔ ابوذر (الصافی شرح اصول الکافی ص۵۹ جلد دوم)

(۳) شیعوں کے خاتم المحدثین علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر مہاجرین و انصار نے وصیت احمد مختار اور بیعت حیدر کرار کو ترک کر کے خدا سے شرم نہ کی اور ابوبکر سے بیعت کر لی اور جب سید اولیاء دفن سرور انبیاء سے فارغ ہوئے اور بے وفائی اصحاب اور کفر و نفاق ان لوگوں کا مشاہدہ کیا غمگین ہوئے۔ جب رات ہوئی۔ جناب امیرؓ حسنین کو ہمراہ لے کر ایک ایک گھر میں مہاجر و انصار کے تشریف لئے

ان کو عقوبات الہٰی سے ڈرایا اور وصیت رسول خدا کو جو بمقام غدیر فرمائی تھی پڑھ کر سنایا اور ان سے نصرت و یاری
... مگر سوائے چوبیس آدمیوں کے اس گروہ بے شرم سے کسی نے قبول نہ کیا اور جب صبح ہوئی چار آدمیوں سے زیادہ
... جناب امیر پر قائم نہ تھے۔ اسی طرح تین رات تک ہر شب جناب امیر ان لوگوں کو دعوت بیعت فرماتے اور ان سے
... یاری کرتے تھے مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایت دیگر تین آدمیوں کے سوا اور کسی نے بیعت قبول نہ کی"
(... العیون جلد اوّل مطبوعہ لکھنو ص۱۴۹)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل حضرت علی المرتضیٰ کو ...
... والے صرف تین چار گنتی کے مومن تھے یعنی شیعوں کی اصطلاح میں صرف تین چار شیعہ تھے۔

...حضرت علی المرتضیٰ کے دورِ خلافت کے شیعہ

خلفائے ثلثہ کے ۲۴ سالہ دورِ خلافت راشدہ کے بعد جب خود حضرت علی المرتضیٰ کو اقتدارِ خلافت نصیب ہوا، اس ... بھی حقیقی شیعہ برائے نام تھے چنانچہ حضرت علی نے خود فرمایا کہ :۔ قد عملت الولاة قبلی اعمالا خالفوا ... رسول اللہ متعمدین لخلافہ ناقضین لعہدہ مغیّرین لسنتہ ولو حملت الناس علی ترکھا ... وتھا ای مواضعھا والی ما کانت فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ لتفرق عنی ... ندی حتی ابقی وحدی اوقلیل من شیعتی الذین عرفوا فضلی وفرض امامتی من کتاب اللہ ... ذکرہ وسنتہ نبیہ صلی اللہ علیہ والہ،، (فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص۲۹ مطبوعہ لکھنو) :۔ بیشک ... سے پہلے والیوں (یعنی خلفاء) نے ایسے کام کئے ہیں جن میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان بوجھ کر ... لفت کی ہے اور آپ کے عہد کو توڑا ہے۔ آپ کی سنت کو تبدیل کرنے والے ہوئے ہیں۔ اور اگر میں لوگوں کو ... (خلاف شرع) کاموں کے چھوڑنے پر آمادہ کروں اور ان کو اپنی اپنی جگہوں پر لے آؤں جس طرح کہ رسول خدا ... اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ اعمال تھے تو مجھ سے میرا لشکر جدا ہو جائے۔ حتیٰ کہ میں تنہا باقی رہ جاؤں یا تھوڑے ... سے میرے شیعہ میرے ساتھ باقی رہ جائیں۔ جنہوں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ... فضیلت اور میری امامت کی فرضیت پہچانی ہے" فرمائیے :۔ خلافت حیدر کرار کے زمانہ میں بھی شیعوں کا یہ حال ... کہ اگر آپ صحیح احکام شریعت نافذ فرماتے تو وہ سب چھوڑ جاتے اور آپ تنہا یا چند مخلص شیعہ آپ کے پاس

باقی رہ جاتے۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے نہج البلاغۃ کے مندرجہ خطبوں میں اپنے ان شیعوں کو ملامت کی ہے۔ اور ان سے بیزاری کا اعلان کیا ہے۔ بخوف طوالت ہم نے وہ عبارتیں یہاں درج نہیں کرتے۔

خلافت امام حسن میں شیعوں کا کردار

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریباً شش سالہ دورِ خلافت کے بعد جب حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے جانشین بنے تو آپ نے اپنے شیعوں کی بے وفائی اور بزدلی سے تنگ آکر اپنی خلافت کو ہی چھوڑ دیا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۂ اسلام تسلیم کر لیا۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی لکھتے ہیں: ایضاً روایت ہے کہ جب امام حسن پر مدائن میں خنجر مارا۔ زید بن وھب جہنی امام حسن کی خدمت میں آیا اس وقت حضرت کو درد والم تھا۔ زید نے کہا یا ابن رسول اللہ کیا مصلحت ہے بد بیشک لوگ اس کام میں متحیرّ ہیں۔ حضرت نے فرمایا۔ بخدا سوگند اس جماعت سے میرے لئے معاویہ بہتر ہے یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادۂ قتل کیا۔ میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا سوگند اگر معاویہ سے میں عہد لوں اور اپنا خون حفظ کروں اور اپنے اہل وعیال میں ایمن ہو جاؤں اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں اور میرے اہل وعیال و عزیز و قریب ضائع ہو جائیں۔ بخدا سوگند اگر میں معاویہ سے جنگ کروں یہی لوگ مجھے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر معاویہ کو دیدیں (جلاء العیون اردو جلد اول ص۲۷۶) یہ ہیں امام حسن کے دَور کے شیعہ جن سے آپ جان چھڑا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کر رہے ہیں اور حضرت معاویہ کو ان سے بہتر فرما رہے ہیں۔

حضرت امام حسین کا دَور

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تو جو اس گروہ نے کیا وہ اظہر من الشمس ہے کوفہ میں امام مسلم کو شہید کرایا اور فریب سے حضرت حسین کو کوفہ میں بلایا۔ اور راستہ میں میدان کربلا میں پھر آپ کے مقابلہ میں آئے اور آپ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اہل کوفہ کے ان واقعات کے متعلق گذشتہ مباحث میں عبارتیں درج کی جا چکی ہیں۔ جن کے مکرر درج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

شہادت حسین کے بعد صرف پانچ شیعہ رہ گئے

قاضی نور اللہ شوستری لکھتے ہیں: از حضرت زین العابدین روایت کردہ اند کہ مے فرمایند کہ تمام مردم بعد از قتل حسین مرتد شدند الا پنج کس۔ ابو خالد و یحییٰ بن ام الطویل۔ و جبیر بن مطعم و جابر بن عبد اللہ انصاری و شبکہ حرم محترم حضرت

م حسین بود (مجالس المومنین مجلس پنجم ص۱۳۵)

ترجمہ:۔ اور امام زین العابدین سے روایت کی ہے کہ بعد شہادت امام حسین علیہ السلام سب مرتد ہو گئے لیکن پانچ آدمی۔ ابو خالد کابلی اور یحیٰ بن ام الطویل اور جبیر بن مطعم اور جابر بن عبداللہ انصاری اور شبکہ کہ جو حرم محترم امام حسین علیہ السلام تھے۔ (مجالس المومنین مترجم ص۴۹۵ مطبوعہ شمسی مشین پریس آگرہ ہندوستان) فرمائیے جب امام حسین کی عظیم قربانی کے باوجود بھی صرف پانچ شیعہ باقی رہ گئے تو آپ کی شہادت سے امت کو کیا فائدہ پہنچا اور اسلام کیسے زندہ ہو گیا۔ ع۔ نہ سوچو گے تو پھر سوچو گے تم یہ داستاں کب تک

امام جعفر صادق کے زمانہ میں تین بھی خالص شیعہ نہ تھے

فرمایا ابو عبداللہ (یعنی امام جعفر صادق) نے ابو بصیر خدا کی قسم اگر ہیں تم میں تین شیعہ امامیہ پالیتا جو از راہ تقیہ ہماری بات کو بصیغۂ راز رکھتے تو میرے لئے اپنی بات کو ان سے چھپانا جائز نہ ہوتا" (شافی ترجمہ اصول کافی جلد دوم ص۲۶۷) لیجئے۔ امام زین العابدین کے زمانہ میں پانچ تو تھے لیکن بعد میں امام جعفر صادق کے زمانہ میں آپ کو صرف تین راز دار شیعہ بھی نہ مل سکے۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت (ب) سُدیر صیرفی کی ایک طویل روایت کے آخری حصہ میں ہے کہ امام جعفر صادق نے:۔ ایک لڑکے کو بکریاں چراتے دیکھا۔ فرمایا۔ اے سُدیر اگر میرے شیعہ بقدر ان بکریوں کے ہوتے تو میں خروج کرتا (یعنی حکومت سے جنگ کرتا۔ ہم وہاں سے اترے اور نماز پڑھی۔ اس کے بعد میں نے ان بکریوں کو شمار کیا تو ان کی تعداد سترہ تھی،، (ایضاً شافی ترجمہ اصول کافی ص۲۶۷، توجب ۱۷ شیعہ بھی آپ کے پاس نہیں تو تقیہ کیوں نہ فرماتے۔

امام موسیٰ کاظم کو صرف ایک مخلص شیعہ نصیب ہوا

قاضی نوراللہ شوستری لکھتے ہیں:۔ کشی نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرماتے تھے عبداللہ بن ابی یعفور حواریین امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہم السلام میں سے تھے اور حضرت فرماتے تھے کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ جو میری وصیت قبول کرے اور میرے امر کی اطاعت کرے سوائے عبداللہ بن ابی یعفور کے اور جب انہوں نے وفات کی تو حضرت نے ان کے لئے دعائے رحمت کی،، (مجالس المومنین مترجم ص۴۹۷، ب۔ اور کتاب کشی میں مذکور ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے کسی کو ایسا نہیں پایا کہ جو میرے امر کو اختیار کرے اور میرے پدر بزرگوار کے اصحاب کے قدم بقدم چلے سوائے دو شخصوں کے کہ خدا ان پر اپنی رحمت فرمائے۔

ایک عبداللہ بن ابی یعفور - دوسرے حمران بن ایمن لیکن یہ دونو ہمارے شیعوں میں مومنین خالصین میں سے ہیں الخ (ایضاً ص۲۹۷) یعنے امام موسیٰ کاظم کے مخلص شیعہ کی تعداد ۲ تک پہنچ گئی ۔

(ج) اور جو برائے نام محب بنے ہوئے تھے ان کی حقیقت امام موسیٰ کاظم خود یہ فرماتے ہیں : ۔ لو میزت شیعتی ماوجدتهم الا واصفة ولو امتحنتهم لما وجدتهم الا مرتدین (فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضۃ) (یعنی اگر میں شیعوں میں امتیاز کروں، تو نہ پاؤں ان کو مگر صرف زبانی تعریفیں کرنے والے ۔ اور اگر میں ان کا امتحان لوں تو ان سب کو مرتد پاؤں" یہ ہیں امام کاظم کے دور کے شیعہ حضرات ۔

اللہ تعالیٰ شیعوں پر غضبناک ہوا

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ غضبناک ہوا ہمارے شیعوں پر (بہ سبب ترک تقیہ) پس اختیار دیا مجھے اپنے اور ان کے قتل ہونے کے درمیان پس میں نے اپنی جان دیگران کو بچا لیا (شافی ترجمہ اصول کافی جلد اول ۔ کتاب الحجت ص۲۹۷) یہ ہے امام کاظم کے دور میں شیعوں کا حال کہ مغضوب علیہم ٹھہرائے گئے ۔ اور بعد کے ادوار میں بھی شیعوں کا یہی حال رہا ۔ اس لئے ائمہ عظام تقیہ جیسی عبادت میں ہی زندگیاں گذارتے رہے اور حق گوئی اور جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ سرانجام نہ دیا ۔

دورِ امام غائب

اور امام حسن عسکری کے بعد از روئے عقیدۂ شیعہ آخری امام حضرت مہدی پیدا ہو کر بچپن ہی میں ۲۳ رمضان ۲۵۹ھ سے غائب ہو گئے ہیں کہ غیبت صغریٰ کے زمانہ میں تو سفراء کے ذریعہ ان کے حالات شیعوں کو کچھ معلوم ہو جاتے تھے لیکن جب سے غیبت کبریٰ کا زمانہ شروع ہوا ہے صدی پہ صدی گذر رہی ہے کہ امام غائب کا کوئی سراغ نہیں ملتا ۔ شیعہ علماء و مجتہدین آپ کے جلدی ظہور کے لئے دعائیں بھی بہت مانگتے رہتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتیں ۔

۳۱۳ شیعہ پورے ہوں گے تو امام غائب ظاہر ہونگے

بقول شیعہ حضرت امام مہدی اس وقت ظاہر ہوں گے جب آپ کے مخلص شیعوں کی تعداد تین سو تیرہ پوری ہو جائے گی ۔ چنانچہ علامہ خلیل قزوینی صافی شرح اصول کافی میں لکھتے ہیں کہ : ۔ منقول است کہ اگر عدد اہل ایمان بسی صد سیزدہ کس بایئت اجتماعی رسد امام ظاہر می شود (کتاب الحجۃ ص۳۶) (منقول ہے کہ اگر اجتماعی حیثیت سے آپ کے تابعداروں کی تعداد تین سو تیرہ کو پہنچ جائے تو امام غائب ظاہر ہو جائیں ۔)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خواہ شیعیت کے مدعی ماتمی صاحبان کی تعداد ہزاروں بلکہ لاکھوں سے بھی متجاوز ہو جائے مگر حقیقتاً شیعہ نہیں ہیں۔ ورنہ حضرت مہدی ضرور ظاہر ہو جاتے۔ یہ صرف تماشائی شیعہ ہیں۔ جو ماتمی ہنگاموں کی پیداوار ہیں۔ پھر ماتمی مصنف صاحب شیعوں کی تعداد میں اضافہ ہونے پر کس وجہ سے نازاں ہیں۔ خدا جانے وہ خود بھی حضرت امام غائب کے رجسٹر میں درج شدہ شیعہ حضرات میں شامل ہیں یا نہیں۔

(۲) آپ کے علامہ محمد حسین صاحب ائمہ کی احادیث کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔ امام محمد باقر فرماتے ہیں کہ: ہمارے شیعہ بس وہی ہیں جو ہماری متابعت کرتے ہیں اور مخالفت نہیں کرتے اور جب ہم خوف زدہ ہوں تو وہ بھی خائف ہوتے ہیں اور جب ہم امن واطمینان سے ہوں تو وہ بھی امن سے ہوتے ہیں۔ یہی ہیں ہمارے شیعہ" (احسن الفوائد ص۱۹۸)

مولوی محمد حسین صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

بے نماز اور مخالف شریعت شیعوں کا نام خارج کر دیا جاتا ہے

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص عمداً احکام شرعیہ کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ اور واجبات کی بجاآوری اور محرمات کے ارتکاب کی کوئی پروا نہیں کرتا تو اس کا نام شیعان علی علیہ السلام کی فہرست سے خارج ہو جاتا ہے۔ اور اس لئے ان کی شفاعت کی سعادت سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا۔ لا تنال شفاعتنا من استخف بصلوته جو شخص نماز کو خفیف و سبک سمجھیگا اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ ایسا ہی جناب سرور کائناتؐ سے مروی ہے۔ (وسائل الشیعہ وغیرہ) (احسن الفوائد ص۲۹۹) لیجئے شیعیت کی اس کسوٹی پر ماتمیوں کو پرکھ لیجئے کہ کن کن کا نام شیعان علی کی فہرست میں باقی رہ سکتا ہے۔ اور کتنے وہ ہیں جن کے نام اس فہرست سے خارج ہو چکے ہوں گے۔ تو پھر ماتمیوں کو جنت تو کجا ان کو تو دوزخ کی آگ میں ماتم سے کیا فائدہ۔ کیونکہ عموماً یہ لوگ بے نماز ہوتے ہیں۔ اور سنت وشریعت کے ساتھ ان کی زندگی کا کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ وہ بیچارے تو اس خوشی میں ماتم کرتے ہیں اور اپنے بدن کو لہولہان کرتے ہیں کہ نماز وروزہ وغیرہ فرائض اسلامیہ کی بجاآوری نہ سہی۔ جب غم حسین میں ایک قطرہ آنسو بہانے سے جنت مل جاتی ہے۔ تو ہمارے اس پُرزور خونیں ماتم سے تو ہمارے درجات جنت میں اور زیادہ بلند ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کرایہ کے ماتمی بھی درآمد کئے جاتے ہیں جن کو باضابطہ فنی طور پر ماتم کی ٹریننگ دی جاتی ہے وہ دُور دُور تک مجالس حسین میں اپنے فن ماتم کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنا مال خرچ کر کے ایسے ماتمیوں کو مہیا کرتے ہیں وہ خود تو برائے نام سینہ پر آہستہ آہستہ ہاتھ مارتے ہیں اور ذاکرین وعلماً

اور مجتہدین حضرات تو منہ اور سینہ کوٹنے کی کوئی تکلیف نہیں اٹھاتے ۔ محض ایک رسم کے نام و مہ پوری کر لیتے ہیں ۔ اور ان سب ماتمی حضرات کو خواہ وہ ماتم کرنے والے ہوں یا ماتم کرانے والے ہوں یا ماتم مروجہ کے سنت و عبادت ہونے پر دھواں دھار تقاریر کرنے والے ہوں یہی اُمید ہوتی ہے کہ ہماری آخرت میں بخشش ہو جائے گی اور حضرت علی المرتضیٰ کے دست مبارک سے ہم سب کو جنت کا ٹکٹ نصیب ہو گا ۔ لیکن لے لبسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ شیعہ علامہ مولوی محمد حسین صاحب نے احادیث ائمہ پیش کر کے ان سب ماتمیوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ۔ کیا اس کے بعد بھی خلاف شرع اور بے نماز ماتمیوں کو ماتم سے کوئی مذہبی اُخروی فائدہ پہنچ سکتا ہے اور سنی مذہب کے ترک کر کے جو لوگ عموماً شیعہ بنتے ہیں وہ تو شریعت کی بندشوں سے آزادی کے طالب ہوتے ہیں یا تماشہ بینی میں مبتلا ہو کر شیعہ بن جاتے ہیں وہ بھی اپنا انجام سوچ لیں کہ سنی مذہب چھوڑ کر شیعہ بن جانے کا ان کو کیا فائدہ ہوا ہے ۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ماتمی مصنف انصاف فرمائیں کہ جب چوری ۔ ڈاکہ زنی ۔ اغوا ۔ جوا ۔ شراب بیوپاتی ۔ حرام خوری ۔ رشوت ۔ جھوٹ ۔ بے حیائی ۔ بے پردگی ۔ سینما ۔ تھیٹر ۔ میلوں ۔ تماشوں سب شرعی منکرات میں ترقی ہو رہی ہے ۔ اور علمائے اسلام زعمائے ملت لیڈران قوم وغیرہ مصلحین کی مساعی کے باوجود ان میں کمی نہیں آ رہی تو اگر اس بگڑے ہوئے معاشرہ میں ماتمی ہنگاموں میں شدت پیدا ہو جائے تو اس کی بنا پر کتاب و سنت کے اصول پر ماتم حرام کو اباحت و عبادت کی سند کیسے مل سکتی ہے ۔ اور اس سے مذہب اہل سنت وجماعت کی حقانیت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے ۔ ماتم کی آندھیاں نجوم ہدایت کی روشنی کو کیونکر زائل کر سکتی ہیں ۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا ۔ (ظفر علی خاں مرحوم)

لفظ شیعہ کی بحث

عموماً ماتمی ذاکرین و علماء اپنے عوام کو یہ تسلی دیتے رہتے ہیں ۔ کہ مذہب شیعہ کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے ۔ اور

اہل سنت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ لیکن یہ محض طفل تسلی کی باتیں ہیں جن میں کوئی حقیقت نہیں۔

ع :۔ دل کے خوش کرنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔

شیعہ کا لغوی معنی

عربی لغت میں لفظ شیعہ کا اطلاق کسی گروہ پر کیا جاتا ہے۔ یا کسی شخص کے پیروکاروں اور مددگاروں پر۔

چنانچہ (ا) المنجد میں ہے۔ الشیعۃ اتباع الرجل وانصارہ ۔ ج شِیَعٌ و اشیاعٌ ۔ شیعہ کسی مرد کے پیروں اور مددگاروں کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع شِیَعٌ اور اشیاع ہے۔ (الفرقۃ) شیعہ۔ فرقہ اور گروہ کو بھی کہتے ہیں (ب) منتہی الارب میں ہے۔ شیعۃ الرجل بالکسر پیرواں و یاران مرد۔ کسی مرد کے شیعہ وہ ہیں جو اس کے پیرو اور مددگار ہوں (ج) بیان اللسان میں ہے۔ شیعہ پیچھے چلنے والا اور مددگار۔ گروہ۔ مجمع۔ ٹولی۔ (د) قاموس میں ہے۔ وشیعۃ الرجل بالکسر اتباعہ وانصارہ والفرقۃ علی حدۃ۔ جمع اشیاع وشیع۔ کسی مرد کے شیعہ اس کی پیروی اور مدد کرنے والوں کو کہتے ہیں۔ اور شیعہ کسی علیحدہ فرقہ اور گروہ کو بھی کہتے ہیں۔ اس کی جمع اشیاع اور شیع آتی ہے۔ کتب لغت سے معلوم ہوا کہ عربی زبان میں لفظ شیعہ کسی گروہ اور فرقہ پر بولا جاتا ہے یا کسی مرد کے پیروؤں اور مددگاروں پر۔

قرآن مجید میں لفظ شیعہ کا استعمال

اور لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ شیعہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیات میں مستعمل ہے۔

(۱) إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا ۔ (پارہ ۲۰۔ سورۃ القصص رکوع ۱) اس آیت میں لفظ شیعًا جمع شیعہ کی ہے بمعنی گروہ۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ یہ ہے:۔ فرعون زمین مصر میں بہت چڑھ گیا تھا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسمیں کر رکھا تھا، تفسیر میں لکھتے ہیں:۔ اس طرح کہ قبطیوں کو معزز بنا رکھا تھا۔ اور سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو پست اور خوار کر رکھا تھا (بیان القرآن) (ب) مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے: بیشک فرعون اس سرزمین میں غالب تھا اور اس کے باشندوں کو اس نے کئی گروہ بنا دیا تھا"

(۲) إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (پارہ ۸۔ سورۃ انعام آخری رکوع)

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں "۔ ترجمہ مولانا تھانوی۔

(ب) بیشک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے۔ تم کو ان سے کسی معاملہ میں [illegible] نہیں " (ترجمہ مقبول)

(۳) ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا ط (پ ۲۱ ۔ سورۃ الروم ع ۴)

اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے کر لیا اور بہت سے گروہ ہو گئے " (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) اور مشرکوں میں سے نہ ہونا یعنی) ان میں سے جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ ہو گئے "

(ترجمہ مقبول)

(۴) ولقد ارسلنا من قبلک فی شیع الاولین ہ وما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون ہ

پارہ ۱۴ ۔ ع ۱) (ا) اور ہم نے آپ کے قبل بھی (پیغمبروں کو) اگلے لوگوں کے گروہوں میں بھیجا تھا۔ اور کوئی رسول ان کے پاس ایسا نہیں آیا جس کے ساتھ انہوں نے استہزاء نہ کیا ہو " (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) اور بالتحقیق ہم نے تم سے پہلے اگلے گروہوں میں بھی رسول بھیجے تھے اور ایک رسول بھی ان کے پاس ایسا نہ آتا تھا کہ وہ اس کی ہنسی نہ اڑاتے ہوں "

(ترجمہ مقبول)

(۵) فوربک لنحشرنھم والشیاطین ثم لنحضرنھم حول جھنم جثیا ثم لننزعن من

کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمن عصیا ہ پ ۱۶ ۔ سورۃ مریم ع ۵) :۔ سو قسم ہے آپ کے رب کی ہم انکو (اس وقت) جمع کریں گے اور شیاطین کو بھی۔ پھر ان کو دوزخ کے گرداگرد گھٹنوں کے بل گرا ہوا حاضر کریں گے پھر ضرور ہم ہر گروہ میں سے ان کو الگ کریں گے جو خدا کے برخلاف زیادہ ہیکڑی کرنے والے تھے " (ترجمہ مقبول)

(۶) قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم

شیعا ویذیق بعضکم باس بعض ط (پ ۷ ۔ الانعام ع ۸) آپ کہئے کہ اس پر بھی وہی قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیجے یا تمہارے پاؤں تلے سے یا کہ تم کو گروہ گروہ کر کے سب کو بھڑا دے اور تمہارے ایک کو دوسرے کی لڑائی چکھا دے " (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) کہ دو کہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب اوپر کی طرف سے بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہارے ایک گروہ کو دوسرے سے بھڑا دے اور تم میں سے ایک کی سختی کا مزہ دوسرے کو

چکھا دے" (ترجمہ مقبول)

(۷) ولقد اھلکنا اشیاعکم فھل من مدّکر۔ ٥ (پ ۲۷، سورۃ القمر ع ۳):۔ اور ہم تمہارے ہم طریقہ لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے،، (ب) اور ہم تمہارے ہمسروں کو ضرور ہلاک کر چکے ہیں۔ پس ہے بھی کوئی نصیحت پانیوالا (ترجمہ مقبول)

(۸) کما فعل باشیاعھم من قبل انھم کانوا فی شک مریب ٥ ۔(پ ۲۲ سورہ سبا ۔آخری رکوع):۔ جیسا کہ ان کے ہم مشربوں کے ساتھ (بھی) یہی (برتاؤ) کیا جاوے گا جو ان سے پہلے تھے کیونکہ یہ سب بڑے شک میں تھے جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا" (مولانا تھانوی) (ب) جیسا کہ ان سے پہلے گروہوں کے بارے میں کیا گیا ہے کہ بیشک وہ سب پریشان کر دینے والے شک میں تھے" (ترجمہ مقبول)

ان آیات میں لفظ شیعہ یا اس کی جمع شیعٌ اور اشیاعٌ ان لوگوں پر اطلاق کیا گیا ہے جو کافر۔ نافرمان اور مستحق عذاب تھے۔ اگر شیعہ کوئی مذہبی نام ہے تو پھر یہ سارے شیعہ جہنمی ہوتے ہیں۔ کیا کوئی باشعور شیعہ عالم یہ مطلب تسلیم کر سکتا ہے:۔ لیکن بعض شیعہ مذہب کے نادان دوست ذاکر یا مولوی حسب ذیل دو آیتوں سے شیعہ مذہب کے قرآن میں مذکور ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔ آیت (۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا۔ ودخل المدینۃ علی حین غفلۃ من اھلھا فوجد فیھا رجلین یقتتلٰن ھذا من شیعتہ وھذا من عدوّہ ج فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوّہ فوکزہ موسیٰ فقضیٰ علیہ (پ ۲۰۔ سورۃ القصص ع ۲):۔ اور موسیٰ شہر میں (یعنی مصر میں کہیں باہر سے) ایسے وقت پہنچے کہ وہاں کے (اکثر) باشندے بے خبر (پڑے سو رہے) تھے تو انہوں نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے دیکھا ایک تو ان کی برادری میں سے تھا اور دوسرا ان کے مخالفین میں سے تھا سو وہ جو ان کی برادری کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے مقابلہ میں جو کہ ان کے مخالفین میں سے تھا مدد چاہی تو موسیٰ نے اس کو (ایک) گھونسا مارا سو اس کا کام ہی تمام کر دیا۔ (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) مولوی مقبول احمد صاحب کا ترجمہ یہ ہے:۔ اور وہ شہر میں ایسے وقت جبکہ اہل شہر غافل تھے پہنچے تو اس میں دو شخصوں کو لڑتے ہوئے پایا ایک تو ان کے گروہ میں سے تھا اور ایک ان کے دشمنوں میں سے پس اس شخص نے جو ان کے گروہ میں سے تھا اس شخص کے برخلاف جو ان کے دشمنوں سے تھا ان سے استغاثہ کیا۔ پس موسیٰ نے اس کے

ایک گھونسا مارا کہ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ اس آیت کی تفسیر میں مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسر لکھتے ہیں۔
تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ تم کو یہ نام مبارک ہو۔ کسی نے عرض کی حضور کونسا نام :۔ فرمایا
شیعہ پھر یوری یہی آیت تلاوت فرمائی "

الجواب (۱) اس آیت میں لفظ شیعہ کے تحت امام جعفر صادق کی طرف جو یہ منسوب کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تم
کو یہ نام مبارک ہو۔" یہ بالکل غلط ہے امام جعفر صادق کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے آیت میں لفظ شیعہ کسی مذہبی معنی
میں استعمال ہی نہیں ہوا بلکہ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہے اور خود مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی دونو جگہ لفظ شیعہ کا
ترجمہ گروہ کیا ہے۔ (۲) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بھی لفظ شیعہ سے مراد برادری لی ہے مطلب یہ ہے کہ
وہ شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میں سے تھا۔ اس بنا پر بھی لفظ شیعہ کا کوئی مذہبی معنی یہاں سے ثابت
نہیں ہوتا۔ (۳) اور اگر علمائے شیعہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ یہاں لفظ شیعہ مذہبی نام کے طور پر مذکور ہے تو یہ بھی ان کے
خلاف ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ اسی شیعہ کے بارے میں دوسری آیتوں میں مذکور ہے۔ فاصبح فی المدینۃ خائفاً یترقب
فاذا الذی استنصرہ بالامس یستصرخہٗ قال لہ موسیٰ انک لغوی مبین ۝ فلما ان اراد
ان یبطش بالذی ھو عدو لھما قال یموسیٰ اترید ان تقتلنی کما قتلت نفساً بالامس ان ترید ان
تکون جباراً فی الارض وما ترید ان تکون من المصلحین ۝ پھر موسیٰ کو شہر میں صبح ہوئی خوف اور وحشت
کی حالت میں کہ اچانک وہی شخص جس نے کل گذشتہ میں ان سے امداد چاہی ہے وہ پھر ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ اس
سے فرمانے لگے بیشک تو صریح بدراہ ہے تو جب موسیٰ نے اس پر ہاتھ بڑھایا جو دونو کا مخالف تھا وہ اسرائیلی کہنے لگا
اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور
صلح کروانا نہیں چاہتے" (ترجمہ مولانا تھانوی) اور مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں۔ پس موسیٰ نے اس شہر میں اس
حال میں صبح کی کہ خوف بھی کھاتے تھے اور آس بھی لگائے ہوئے تھے۔ یکایک دیکھتے کیا ہیں کہ جس شخص نے کل ان سے
مدد مانگی تھی (آج بھی) ان کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ تو صریح گمراہ ہے۔ پھر جب یہ ارادہ کیا کہ اس
شخص کو جو ان دونو کا دشمن تھا مغلوب کر دیں تو اس نے یہ کہا کہ اے موسیٰ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مجھے بھی اسی طرح قتل کر دو
جس طرح تم نے کل ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ پس تم یہی چاہتے ہو کہ اس زمین میں بڑے سرکش بن جاؤ اور یہ نہیں چاہتے

کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو" ان آیات سے ثابت ہؤا کہ جس شیعہ کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں آیا ہے وہ سخت گمراہ تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو فرمایا۔ [انك لغوی مبین۔ جس کا ترجمہ مولوی مقبول صاحب بھی لکھتے ہیں کہ تو صریح گمراہ ہے" اور مولوی محمد حسین صاحب شیعہ علامہ کی عبارت ائمہ کے حوالے سے احسن الفوائد کی پہلے نقل کی جا چکی ہے کہ جو لوگ بے نماز اور گمراہ ہیں اور ان کو شیعوں کی فہرست سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ (۴) اور یہ اسرائیلی شیعہ جس کا ذکر زیر بحث آیت میں ہے اتنا شریر۔ گمراہ اور سرکش تھا کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی یہ گستاخانہ کلام کیا کہ:۔ اے موسیٰ کیا مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو۔ بس تم دنیا میں اپنا زور بٹھلانا چاہتے ہو اور صلح کروانا نہیں چاہتے"۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس قسم کے شیعہ سے سابقہ پڑا ہے اسی قسم کے شیعوں سے حضرت امام حسن نے حضرت معاویہ سے صلح کر کے اپنی جان بچائی۔ ایسے شیعوں نے تو حضرت حسن کا سامان بھی لوٹ لیا تھا۔ اور آپ کے قتل کے لئے بھی آمادہ تھے۔ اور بعد کے ائمہ کو بھی ایسے ہی شیعہ نصیب ہوئے تھے جیسا کہ بحوالہ کتب پہلے ثابت کر دیا گیا ہے۔ تعجب ہے کہ جس شخص کو حضرت موسیٰ علیہ

السلام صریح گمراہ فرماتے ہیں اور جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی معاف نہیں کرتا۔ شیعہ مفسرین اس کی نسبت سے لفظ شیعہ کو مبارک مانتے ہیں اور اس کو اپنا مذہبی نام قرار دیتے ہیں چنانچہ مولوی امداد حسین صاحب کاظمی بھی ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔ قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں اور ان کے دین پر چلنے والوں کو شیعہ ہی کہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے بارے میں فرماتا ہے۔ وان من شیعته لابراهیم (پ ۲۳، والصافات ع ۳، ترجمہ اور یقیناً حضرت ابراہیم بھی نوح کے شیعوں میں سے تھے۔ اور اس آیت مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو شیعہ ہی کہا ہے اور جو نبی کا شیعہ نہ تھا اسے عدوہ (اس کا دشمن) کہا ہے"۔ (تفسیر المتقین)

یہ دلیل امام باڑوں میں مجالس ماتم کی تقاریر میں تو مقبول ہو سکتی ہے۔ لیکن علمی معیار پر بالکل بے بنیاد اور مضحکہ خیز ہے۔ یہاں قرآن میں شیعوں کے جس فرد کا ذکر ہے وہ تو سخت گمراہ۔ شریر اور جھگڑالو تھا۔ کیا ایسے لوگوں کو انبیاء کے

پیروکار اور دین پر چلنے والا کہا جاسکتا ہے۔ اگر شیعہ کا مفہوم یہی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے ثابت ہے تو آپ کو مبارک ہو۔

(۵) یہ شیعہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایسا پیروکار اور محب ثابت ہوا کہ اُسی کی باتوں سے آپ کے مخالف قبطی (فرعونی) شخص کو معلوم ہوا کہ کل جو شخص مارا گیا ہے اس کو بھی حضرت موسیٰ نے ہی قتل کیا تھا چنانچہ اس نے یہ خبر جاکر فرعون کے پاس پہنچا دی۔ اور امام موسیٰ کاظم نے بھی ایسے ہی شیعوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انہوں نے ہمارا راز امامت فاش کر دیا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آگئے ہیں۔ (۶) مندرجہ آیات میں حضرت مولانا تھانویؒ نے قال یموسیٰ أتريد ان تقتلنی۔ کا قائل اس اسرائیلی شخص کو قرار دیا ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت گمراہ فرمایا ہے۔ یہاں شبہ یہ ہوتا ہے کہ آپ نے تو فرعونی میں یعنی قبطی کو مارنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس لئے یہ جواب تو قبطی کی طرف سے ہوسکتا ہے نہ کہ اسرائیلی شیعہ کی طرف سے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ گو ارادہ تو قبطی کو پکڑنے کا کیا لیکن اسرائیلی شیعہ پر چونکہ آپ پہلے غضبناک ہوچکے تھے اس لئے اس نے یہ گمان کیا کہ شاید مجھ کو ہی پکڑنے والے ہیں اس لئے اُسی نے یہ مخالفانہ باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں۔ دوسرا قرینہ اس کا یہ ہے کہ قبطی کو تو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ کل جو شخص قتل ہوا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا تھا اسی لئے فرعونی لوگ قاتل کی تحقیق کر رہے تھے۔ تو جب فرعونیوں کو ابھی تک یہ علم بھی نہ تھا کہ حضرت موسیٰ نے ان کے آدمی کو قتل کیا ہے تو وہ فرعونی یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ کل بھی آپ نے ایک آدمی کو قتل کیا تھا۔ یہ قول تو اس اسرائیلی شیعہ ہی کا ہوسکتا ہے جس کی مدد کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کو گذشتہ روز ایک گھونسا مارا تھا۔ جس کی تاب نہ لاکر وہ مرگیا۔

(ب) مفتی نعیم الدین صاحب مرادآبادی بریلوی بھی لکھتے ہیں:۔ اسرائیلی غلطی سے یہ سمجھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھ سے خفا ہیں مجھے پکڑنا چاہتے ہیں یہ سمجھ کر وہ بولا اے موسیٰ کیا تم مجھے ویسا ہی قتل کرنا چاہتے ہو جیسا تم نے کل ایک شخص کو قتل کردیا۔ فرعونی نے یہ بات سنی اور جاکر فرعون کو اطلاع دی کہ کل کے فرعونی مقتول کے قاتل حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا حکم دیا" اور تفسیر خازن۔ تفسیر مظہری اور تفسیر حقانی وغیرہ میں قال یموسیٰ الخ کا قائل اسی اسرائیلی کو قرار دیا گیا ہے جو مانی علماء کے نزدیک شیعہ مذہب رکھتا تھا۔ اور یہ بھی فرمائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس اسرائیلی شیعہ نے جو الزام دیا کیا اس کے بعد بھی وہ مومن رہ گیا تھا۔ (ج) اور مولوی مقبول احمد صاحب

شیعہ مفسر بھی اس اسرائیلی کے متعلق لکھتے ہیں کہ :۔ العیون میں جناب امام رضا سے منقول ہے کہ موسیٰ نے اس سے فرمایا کہ کل تو ایک شخص سے لڑا تھا اور آج اس سے لڑ رہا ہے (تو پکا مُفسد ہے) میں تیری ضرور خبر لوں گا یہ فرما کر اس کے پیٹنے کا ارادہ کیا۔ لیجئے مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی حسب ارشاد امام رضا اس اسرائیلی شیعہ کو پکا مفسد ہونے کی سند عطا کر دی ۔ کیا یہی وہ مایہ ناز شیعہ ہے جس کے متعلق مولوی امداد حسین صاحب کاظمی نے لکھا ہے کہ :۔ اس آیت مجیدہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیرو کاروں کو شیعہ ہی کہا ہے اور جو نبی کا شیعہ نہ تھا اُسے عُدّوہ (اس کا دشمن) کہا ہے۔" (تفسیر المتقین)

کاظمی صاحب کا ایک اور علمی نکتہ

مولوی امداد حسین صاحب کاظمی مندرجہ آیت کی تفسیر میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ :۔ قرآن مجید میں بعض مقامات پر یہ لفظ شِیَعًا بھی آتا ہے ۔ اگرچہ دونوں کا مادہ ایک ہی ہے اور اس کے معنی پیروکار ۔ مددگار ۔ پیچھے چلنے والے گروہ ۔ پارٹی ۔ ... ایک ناقد اور مبصر پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں اور ان کے دین پر چلنے والوں کا ذکر آیا ہے وہاں ان کو شیعہ کہا گیا ہے ۔ لیکن جہاں دشمنان خدا اور نفس وغیرہ کے پیروکاروں کا ذکر آیا ہے وہاں شِیَعًا کہا گیا ہے ۔ پس فرق ظاہر ہے ۔ دین خدا پر چلنے والے اور نبیوں کے پیروکار شیعہ ہیں اور ... کے ماننے شِیَعًا ہیں ۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔" (تفسیر المتقین)

جواب :۔ (۱) کاظمی صاحب نے یہ کوئی علمی نکتہ نہیں بیان کیا بلکہ یہ ان کا ایک مُغالطہ ہے جو شیعہ عوام کو خوش کرنے کے لئے تراشا گیا ہے ۔ کیا کاظمی صاحب نے لفظ شیعہ کی تحقیق کے لئے کتب لغت کی ورق گردانی نہیں کی۔ کیا کاظمی صاحب واحد اور جمع کا بھی فرق نہیں سمجھتے ۔ لفظ شیعہ کی بحث کے شروع میں کتب لغت المنجد ... اور قاموس کے حوالہ سے یہ ثابت کیا گیا ہے ۔ کہ لفظ شِیَعًا اور اَشیاعٌ دونو لفظ شیعہ کی جمع ہیں ۔ شیعہ کا معنی ایک گروہ اور اشیاع اور شِیَعًا کا معنی بہت سے گروہ ہیں ۔ فرق صرف واحد اور جمع کا ہے ۔ معنوی طور پر کوئی ان میں فرق نہیں ہے کہ لفظ شیعہ مومنین کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور لفظ شِیَعٌ کافرین کے لئے ۔ کیا کاظمی صاحب اتنا بھی نہیں جانتے کہ لفظ واحد کا معنی جمع میں محفوظ رہتا ہے ۔ مثلاً عالم کی جمع علماء ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ لفظ عالم تو اچھے معنی میں مستعمل ہو اور اس کی جمع علماء برے معنی میں ۔ البتہ اضافت کی وجہ سے ان الفاظ کے مطلب میں فرق پڑ سکتا

ہے۔ وہ بھی مضاف الیہ کی وجہ سے نہ کہ واحد اور جمع کے فرق کی بنا پر۔

۲ - اور یہ بھی آپ کا لکھنا بالکل غلط ہے:۔ قرآن مجید میں جہاں بھی انبیاء علیہم السلام وغیرہ کے پیروکاروں اور ان کے دین پر چلنے والوں کا ذکر آیا ہے وہاں ان کو شیعہ کہا گیا ہے الخ۔ کیونکہ قرآن مجید میں کفار کے لئے بھی حسب ذیل آیات میں لفظ شیعہ مذکور ہے:۔ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ (پ ۱۶ - سورۃ مریم ع ۵) سابقہ آیات کے نمبر ۵ کے تحت مولانا تھانوی اور مولوی مقبول احمد صاحب کے تراجم پہلے پیش کر دئے گئے ہیں۔ اب آپ اپنا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیں:۔ پس تمہارے پروردگار کی قسم ہم ضرور ان کو اور شیطانوں کو (قیامت کے دن) اکٹھا کریں گے۔ پھر ضرور ہم دوزخ کے گرد زانو کے بل (اوندھے) گرے ہوئے حاضر کریں گے۔ پھر ہم ضرور ہر گروہ میں سے ان کو الگ کر دیں گے جو (خدائے) رحمٰن کے برخلاف سب سے زیادہ سرکش رہا ہوگا" (تفسیر المتقین) فرمائیے۔ اس آیت میں لفظ شیعہ سے مراد کفار کا گروہ ہے۔ یا نہیں اور مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ترجمہ یہ ہے: تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے گھٹنوں کے بل گرے۔ پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے جو ان میں رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا" اور مولانا مفتی نعیم الدین صاحب مراد آبادی بریلوی نے تفسیر میں ہر گروہ سے کفار کا گروہ مراد لیا ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ:۔ بعض روایات میں ہے کہ کفار سب کے سب جہنم کے گرد زنجیروں میں جکڑے طوق ڈالے ہوئے حاضر کئے جائیں گے پھر جو کفر و سرکشی میں اشد ہونگے وہ پہلے جہنم میں داخل کئے جائیں گے (تفسیر خزائن العرفان) اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:۔ یعنی منکرین کے [illegible] میں جو زیادہ بدمعاش، سرکش اور اکڑباز تھے انہیں عام مجرموں سے علیحدہ کر لیا جائے گا پھر ان میں بھی جو بہت زیادہ سزا کے لائق اور دوزخ کا حقدار ہوگا وہ خدا کے علم میں ہے اس کو دوسرے مجرموں سے پہلے آگ میں جھونکا جائے گا، تو جب قرآن کی آیت مذکورہ سے ہی یہ ثابت ہوگیا کہ لفظ شیعہ کافروں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے تو یہ دعویٰ آپ کا باطل ہوگیا کہ کفار کے لئے قرآن مجید میں لفظ شیعًا آیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے پیروکاروں کے لئے لفظ شیعہ - اور یہ کہ" دین خدا پر چلنے والے اور نبیوں کے پیروکار شیعہ ہیں اور کافروں کے چیلے چانٹے شیعًا ہیں۔

آیت:۔ وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ کی بحث:۔ (۱۰) آیت نمبر ۱ جس میں شیعہ کا لفظ آیا ہے

سَلامٌ عَلٰی نُوحٍ فِی العٰلمین ٥ اِنّا کذٰلک نجزی المحسنین ٥ انه من عبادنا المؤمنین ٥ ثم اغرقنا الآخرین ٥ وَاِنَّ من شیعتہٖ لَاِبْرٰاھیم ٥ اذ جآء ربّہٗ بقلبٍ سلیمٍ ٥ (پ ۲۳۔ سورة الصفت ع ۳) :۔ (الف) نوح پر سلام ہو عالموں میں۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو (یعنی کافروں کو) غرق کر دیا اور نوح کے طریقہ والوں میں سے ابراہیم بھی تھے جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے" (مولانا تھانوی) (ب) حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی آیت زیر بحث کا ترجمہ لکھتے ہیں :۔ اور اُس کی راہ والوں میں ہے ابراہیم" (ج) مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں :۔ اور بیشک اُسی کے گروہ سے ابراہیم ہے جبکہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلامت دل لے کر" (د) مولوی امداد حسین صاحب کاظمی کا ترجمہ یہ ہے :۔ اور یقیناً ابراہیم ضرور اس کے شیعوں (پیروکاروں) میں سے تھا" (ر) مولوی فرمان علی صاحب لکھتے ہیں۔ یقیناً ان کے طریقہ پر چلنے والوں میں ابراہیم بھی ضرور تھے"۔ (س) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے۔ اور یقیناً ابراہیم بھی ان ہی کے پیرؤں میں سے تھے"۔

آیت کی مراد

مولوی امداد حسین صاحب کاظمی اس آیت کی تفسیر میں بھی لکھتے ہیں۔ تفسیر صافی ص۴۲۸ پر بحوالہ تفسیر مجمع البیان وتفسیر قمی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ تمہیں یہ اسم مبارک دو۔ عرض کیا گیا۔ کونسا؟ آپ نے فرمایا۔ شیعہ۔ عرض کیا گیا کہ لوگ تو اس نام سے ہمیں عیب لگاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سُنا۔ اِنَّ من شیعتہٖ لابراھیم۔ نیز اس کا قول۔ ھذا من شیعتہٖ وھذا من عدوہ فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ" (تفسیر المتقین) عموماً شیعہ علماء ان دو آیتوں سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ شیعہ ایک مذہبی نام ہے اور پہلے انبیاء اور ان کے پیروکار بھی شیعہ تھے اسی بنا پر انہوں نے امام محمد باقر کی طرف بھی یہ قول منسوب کر دیا ہے۔

الجواب (۱) دوسری آیت یعنی ھذا من شیعتہ کا جواب تو سابقہ نمبر میں عرض کر دیا گیا ہے۔ یہاں سورۃ الصفت کی آیت کا مطلب بیان کیا جاتا ہے تاکہ شیعی استدلال کی کاٹ واضح ہو جائے۔ اس آیت کے چھ ترجمے ہم نے نقل کر دیئے ہیں جن میں سے تین سُنّی مفسرین کے ہیں ان تراجم ہی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ شیعہ یہاں اپنے لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اس کو کسی مذہبی اصطلاح سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جیسا کہ کتب لغت کے حوالہ

ے پہلے یہ پیش کیا گیا ہے ۔ شیعہ کا معنی گروہ اور فرقہ کے ہیں ۔ یا کسی کے پیروکار اور مددگار ہونے کے ۔ قطع نظر اس کے کہ ان گروہ اور پارٹی اہل حق کی ہو یا اہل باطل کی ۔ مومنین کی ہو یا کافرین کی ۔ اور قرآن مجید کی دوسری مذکورہ آیات میں لفظ شیعہ شیعًا ۔ اور اشیاع سے مراد کفار کے گروہ ہی ہیں ۔ لہذا اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے اس زیر بحث آیت کا یہی مطلب ہے۔
کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد انبیائے کرام علیہم السلام کے سلسلہ میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آئے تو وہ بھی حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے ہی تھے اور ان ہی کے طریقہ اور راہ پر چلنے والے تھے ۔ اور یہ اس لئے فرمایا کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین ایک ہی ہے یعنی اسلام اور وہ اصولی طور پر اسلام ہی کی دعوت دیتے ہیں جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی توحید خالص ہے جو بذریعہ رسالت اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے ۔ ہاں اپنے اپنے دور اور امتوں کے مزاج وحال کے اختلاف کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرق و اختلاف ہوتا ہے ۔ جس کو دینی اور اصولی اختلاف نہیں کہہ سکتے ۔ جب شیعہ کا لغوی معنی ہی گروہ یا پیروکار آتا ہے اور شیعہ مفسرین نے بھی آیت کے ترجمہ میں یہی لکھا ہے تو پھر اس سے مذہبی ۔ اصطلاحی معنی کیونکر مراد لیا جا سکتا ہے جو اہل تشیع کے ہاں رائج ہے اور کس علمی بنیاد پر اس آیت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہبًا شیعہ ہونا بیان کیا جاتا ہے ۔

(۲) اگر شیعہ کوئی مذہبی اصطلاح ہوتی تو دوسرے انبیائے کرام کے متعلق بھی اس کا ذکر آتا ۔ حتیٰ کہ نبی کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی لفظ شیعہ کی اصطلاح بیان فرماتے اور قرآن مجید میں بھی لفظ شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف منسوب ہوتا ۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو شیعہ فرما دیا ۔ لیکن امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شیعہ نہ کہا جن کی امت میں حسب زعم روافض لفظ شیعہ اہل حق کیلئے قیامت تک استعمال ہونا تھا ۔ اور بغیر شیعہ ہونے کے کوئی امتی نجات نہیں پا سکتا تھا ۔ (۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے آپ کو شیعہ نہ کہا ۔ اور نہ ہی حضرت حسن اور حضرت حسین کو اور نہ ہی حضرت فاطمۃ الزہرا کو شیعہ کہا گیا ۔ حالانکہ حسب اعتقاد شیعہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام شیعہ تھے تو پھر ان سب حضرات معصومین کو بھی شیعہ ہونا چاہیئے تھا ۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ بھی شیعہ ہونے کا اعلان کرتیں اور دوسری ازواج مطہرات بھی ۔ اور جن جن اصحاب کو شیعہ مومن مانتے ہیں وہ سب اپنے آپ کو شیعہ کہتے ۔ کیونکہ قرآن مجید میں یہ مبارک نام مذکور تھا ۔ جیسا کہ کاظمی صاحب نے تفسیر صافی اور تفسیر قمی کے حوالے سے بیان کر دیا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ کوئی مذہبی نام نہیں ہے۔ نہ ہی کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ علیہ وسلم سے اس مذہبی نام کا ثبوت ملتا ہے نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں کوئی مسلمان اپنے آپ کو شیعہ کہتا تھا۔ اور نہ ہی شیعان رسول کی کوئی اصطلاح رائج ہوئی ہے۔ اس لئے علم و انصاف کی بنا پر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شیعہ کوئی مذہبی نام ہی نہیں ہے۔ شیعہ علماء و مجتہدین محض عوام کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر لفظ شیعہ کا مبارک ہونا بیان کرتے رہتے ہیں۔

لفظ شیعہ کا استعمال

(۱) خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد جب دمِ عثمان کے مطالبہ کی بنا پر مسلمانوں میں دو فریق بن گئے۔ اور گو یہ اختلاف اجتہادی نوعیت کا تھا لیکن اس فرق کو ظاہر کرنے کے لیے حضرت علیؓ کے موقف کی تائید کرنے والوں کو شیعان علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں کو شیعان عثمان کہا جانے لگا۔ اور یہاں بھی لفظ شیعہ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوتا تھا یعنی حضرت علی یا حضرت عثمان کا گروہ۔

چنانچہ فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضۃ ص۹۹ میں ہے:- ینادی منادالا ان فلان بن فلان و شیعتہ ھم الفائزون اول النھار وینادی آخر النھار الا ان عثمان و شیعتہ ھم الفائزون ہ

(ایک پکارنے والا دن کے پہلے حصہ میں پکارتا ہے کہ فلاں بن فلاں اور اس کے شیعہ کامیاب ہونے والے ہیں اور دن کے آخری حصہ میں پکارتا ہے کہ عثمان اور ان کے شیعہ کامیاب ہونے والے ہیں)

اس روایت میں بھی شیعۂ عثمان سے مراد حضرت عثمان کا گروہ ہے، اور فروع کافی کی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عثمان اور ان کے پیروکار کامیاب ہونے والے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ عقیدہ اور مسلک کے اتحاد کے باوجود اگر سیاسی طور پر باہمی اختلاف ہو جائے تو فرق و امتیاز کے لیے اپنی اپنی جماعتوں کے علیحدہ علیحدہ نام رکھ لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف و نزاع کے موقع پر ہوا، اور آخر کار جب حضرت معاویہؓ اور حضرت امام حسنؓ کی صلح ہو گئی اور تمام اُمتِ مسلمہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئی اور حضراتِ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی حضرت معاویہؓ کے بیت المال سے اپنے اور اہل و عیال کے لیے وظیفہ لینا قبول فرما لیا۔ تو چونکہ دین میں تو پہلے ہی کوئی اختلاف نہ تھا۔ (جیسا کہ نہج البلاغۃ میں حضرت علیؓ کے خطبہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے) اس لیے ان امتیازی ناموں کی بھی ضرورت نہ رہی۔ لیکن وہ لوگ جو مسلمانوں کے اتحاد کے خلاف تھے اور انہی کی سازشوں کی بنا پر باہمی اختلافات

کی خلیج وسیع ہوئی تھی، انہوں نے شیعانِ علیؓ کی وقتی اصطلاح کو باقی رکھا۔ ان کا مقصد حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی پیروی نہ تھی۔ بلکہ اُمتِ مُسلمہ میں حضرت علیؓ اور اہل بیت کے نام سے پھوٹ ڈالنا اُن کا مشن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان سے مابعد کے اہل بیت بھی بیزاری کا اعلان کرتے رہے ہیں جیسا کہ سابقہ مباحث میں خود اہلِ تشیّع کی کتابوں سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ (۲)

جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی دجّال کو ماننے والے اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں اور انہوں نے یہ امتیازی نام اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے حالانکہ احمد نام ہے حضور خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلّم کا۔ اور مرزا قادیانی کا نام غلام احمد ہے نہ کہ احمد، لیکن اس کے باوجود وہ احمدی کے لفظ سے مغالطہ دیتے ہیں کہ العیاذ باللہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیروکار ہیں۔ حالانکہ احمد سے مراد وہ حقیقتاً مرزا غلام احمد ہی لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کی آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ میں احمد سے مراد وہ خود ہے۔ اسی طرح شیعانِ علیؓ کے نام کو ایک گروہ نے اپنے مخصوص عزائم کی بنا پر اپنے لیے استعمال کیا اور عُرفاً اُن کا یہی نام مشہور ہو گیا۔ چنانچہ عربی لُغت کی کتاب "قاموس" میں ہے:۔ شيعة الرجل بالكسرا تباعه وانصاره والفرقة على حدة ويقع على الواحد والاثنين والجمع والمذكر والمؤنث وقد غلب هذا الاسم على كل من يتولى عليًا واهل بيته حتى صار اسمٌ لهم خاصًا۔ ج اشياع وَشِيَعٌ:۔ (اور کسی مرد کے شیعہ کا معنی اس کے پیروکار اور مددگار ہیں، اور علیحدہ فرقہ ہونا اور لفظ شیعہ واحد، تثنیہ، جمع، مذکّر اور مؤنث سب پر بولا جاتا ہے اور یہ نام ہر اس شخص کے لیے از روئے استعمال غالب آ گیا ہے جو حضرت علیؓ اور اہل بیت سے دوستی کا اظہار کرے حتّٰی کہ خاص کر ان کا یہ نام پڑ گیا ہے۔ اس کی جمع اشیاع اور شِیَعٌ ہے) اس سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت علی المرتضٰی کے خلیفہ بننے سے پہلے لفظ شیعہ بوجہ مذہبی اعتقادی اختلاف کے مستعمل نہ تھا اور بعد میں عرفاً شیعہ ان لوگوں کا نام پڑ گیا جو آپ کی دوستی اور محبت کا دعوی کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی مذہبی نام نہیں بلکہ جماعتی نام ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو لوگ حضرت علیؓ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں وہ فی الحقیقت آپ کے پیروکار بھی ہیں۔ مثلاً مرزا غلام احمد قادیانی دجّال کے ماننے والے اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے نام مبارک احمدؐ کی طرف بظاہر نسبت کرنے کی وجہ سے وہ اہل حق کا مصداق نہیں بن جاتے بلکہ بوجہ انکار عقیدۂ ختم نبوّت کے وہ قطعی کافر ہی رہتے ہیں۔ بہرحال کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شیعہ کوئی مذہبی نام ہے اور سابقہ انبیائے کرام علیہم السّلام العیاذ باللہ مذہباً شیعہ تھے۔ البتہ لا مشاحة فی الاصطلاح کے تحت (کہ اصطلاح مقرر کرنے میں کوئی تنگی نہیں ہے) اگر اس فرقہ نے اپنا نام شیعہ رکھ لیا ہے اور

اسی نام سے وہ مشہور ہوگئے ہیں تو اس سے اُن کا اہل حق ہونا ثابت نہیں ہوجاتا اور نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ بحیثیت مذہبی نام کے قرآن سے ثابت ہے اور العیاذ باللہ حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام بھی مذہبًا شیعہ ہوئے ہیں۔ (۳) یہ بھی ملحوظ رہے کہ لفظ شیعہ کا اطلاق تو افراد پر بھی ہوتا ہے اور جماعت پر بھی، اور لفظ شیعہ کسی مذہب کا نام تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے ہمارا سوال شیعہ علماء سے یہ ہے کہ اُن کے مذہب کا امتیازی نام کیا ہے؟ جس کی وجہ سے اِس اُمّت کے دوسرے مسلم فرقوں سے ان کے مذہب کا فرق واضح ہوجائے۔

(ب) شیعانِ علیؓ کی اصطلاح سے بھی صرف حضرت علیؓ کی طرف اس گروہ کی نسبت ثابت ہوتی ہے پھر بھی یہ واضح نہیں ہوتا کہ بزعمِ شیعہ حضرت علیؓ کا مذہب کیا تھا۔ جس کی پیروی شیعانِ علیؓ کے لیے لازم ہو۔ (ج) ہمارا نام اہل سنّت والجماعت ہے اور اسی نام سے ہی یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ہم سُنّتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ماننے والے ہیں۔ ہمارا امتیازی مذہب سنّت ہے اور اس کو ماننے کی وجہ سے ہم اہل سُنّت ہیں۔ اس کی تشریح وتفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اہل سُنّت والجماعت کی مستقل بحث میں کی جائے گی۔

ایک خطرناک مغالطہ

شیعہ علماء عموماً اپنے مذہب کی سچائی ثابت کرنے کے لیے سورۃ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ کے تحت تفسیر دُرِ منثور ج ۶ کی یہ روایت پیش کیا کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے متعلق فرمایا :- اِنّ ھذا وشیعتہ لھم الفائزون یوم القیٰمۃ - (یعنی حضرت علیؓ اور آپ کے شیعہ قیامت کے دن کامیاب ہوں گے۔"

الجواب

(۱) تفسیر دُرِ منثور کی ہر روایت حُجّت نہیں کیونکہ اس میں ہر طرح کی روایات جمع کردی گئی ہیں۔ (۲) مندرجہ روایت میں لفظِ شیعہ کسی مذہبی اصطلاح کے طور پر مذکور نہیں ہے بلکہ وہ اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہے یعنی حضرت علی کا گروہ اور ان کے تابعدار، اور حضرت علی المرتضیٰ کے صحیح تابعدار دراصل اہل سنّت والجماعت ہی ہیں جو افراط و تفریط سے ہٹ کر آپ کی اعلیٰ شان مانتے ہیں۔ بخلاف خوارج کے جو العیاذ باللہ آپ کی توہین و تکفیر کرتے ہیں اور روافض آپ کو سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام پر فضیلت دے کر غلو کرتے ہیں اور اہل سُنّت کا اہل حق ہونا بحوالہ احتجاج طبرسی حضرت علیؓ کے ارشاد سے پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔ (۳) اسی تفسیر در منثور جلد دوم میں آیت یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْہٌ (سورۃ آل عمران) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ :- تبیض وجوہ اھل السنّۃ والجماعت وتسود وجوہ اھل البدعۃ والضلالۃ -" یعنی قیامت کے دن اہل السنت والجماعت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت و ضلالت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔"

فرقہ شیعہ کا اصلی نام رافضی ہے

شیعوں کا اصلی نام جو حسبِ ارشاد امام جعفر صادق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ رافضی ہے۔ چنانچہ فروع کافی جلد سوم کتاب الروضہ ص۱۶ پر ایک طویل روایت ہے جس میں لکھا ہے کہ ابوبصیر نے امام جعفر صادق سے عرض کیا تھا کہ :- فانا قد نبزنا نبزاً انکسرت لہ ظھورنا وماتت بہ افئدتنا واستحلت بہ الولاۃ دماءنا فی حدیث رواہ لھم فقھاء ھم۔ قال فقال ابوعبداللہ علیہ السلام

الرافضة قال قلت نعم۔ قال لا واللہ ما ھم سمّوکم بل اللہ سمّاکم۔ اما علمت یا ابا محمد ان سبعین رجلاً من بنی اسرائیل رفضوا فرعون وقومہ لما استبان لھم ضلالھم فلحقوا بموسیٰ علیہ السلام لما استبان لھم ھداہ فسموا فی عسکر موسیٰ الرافضة لانھم رفضوا فرعون وقومہ وکانوا اشد اھل ذلک العسکر عبادة واشدھم حبًا لموسیٰ وھارون وذریتھما علیھما السلام فاوحی اللہ عزّ وجلّ الیٰ موسیٰ ان اثبت لھم ھذا الاسم فی التوراة فانی قد سمّیتھم بہ ونحلتھم ایاہ فاثبت موسیٰ علیہ السلام ھذا الاسم بھم۔ ثم ذکر اللہ عزّ وجلّ لکم ھذا الاسم الخ۔ (بیشک ہمیں برے نام سے پکارا جاتا ہے جس کی وجہ سے ہماری کمریں ٹوٹ گئی ہیں اور اس سے ہمارے دل مردہ ہوگئے ہیں اور والیوں نے اس وجہ سے ہمارے خون حلال قرار دیئے ہیں اس حدیث کی بنا پر جو اُن کے فقہانے بیان کی ہے۔ توحضرت امام جعفر صادق نے فرمایا، کیا وہ نام رافضہ ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ توآپ نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم انہوں نے تمہارا یہ نام نہیں رکھا بلکہ اللہ نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں ہے اے ابو محمد کہ بنی اسرائیل میں سے ستر مردوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا تھا جبکہ ان کی گمراہی ان پر واضح ہوگئی تھی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل گئے تھے۔ جبکہ آپ کی ہدایت ان پر ظاہر ہوگئی تھی توحضرت موسیٰؑ کے لشکر میں ان لوگوں کا نام رافضہ رکھا گیا کیونکہ انہوں نے فرعون اور اس کی قوم کو چھوڑ دیا تھا اور یہ لوگ اس لشکر والوں میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والے اور حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور ان کی اولاد سے سب سے زیادہ محبّت کرنے والے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ان کے لیے یہ نام (رافضی) تورات میں لکھ دیں۔ کیونکہ میں نے ان کا نام رافضی رکھ دیا ہے اور اسی نام کی طرف ان کو منسوب کیا ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کا یہ نام تورات میں لکھ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ نام (یعنی رافضی) تمہارے لیے ذکر فرمایا ہے)۔

رافضہ جمع رافضی کی ہے، اس کی جمع روافض بھی آتی ہے۔ لیجئے! اہل تشیّع کا اصلی نام تو رافضی ہے جو تورات میں بھی مذکور ہے، اور یہ نام ان کا خود اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ برعکس اس کے لفظ شیعہ کے متعلق تو اس طرح کی تصریح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ یا حضرت نوحؑ کے پیروکاروں کا نام شیعہ رکھا ہے یا اس اُمّت کے شیعوں کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے ہی شیعہ رکھا ہے۔ اس لیے جو ذاکرین شیعہ ماتمی مجالس میں یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ ہمارا نام شیعہ تو قرآن میں مذکور ہے لیکن اہل سنّت والجماعت کا نام قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے۔ ان سے تو یہ پوچھنا چاہیئے کہ تمہارا اصلی نام تو رافضی ہے جو حسبِ ارشاد امام جعفر صادق خود اللہ

تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اس لیے تم اپنا اصلی نام رافضی قرآن مجید سے ثابت کرو۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؀

اللہ کے دین کا نام اسلام ہے

اللہ تعالیٰ نے اس آخری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے لیے جو کامل اور جامع دین قیامت تک کے لیے بذریعہ وحی عطا فرمایا ہے اس کا نام اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ؀ (بیشک دین اللہ کے ہاں اسلام ہے) سورۃ المائدہ میں فرمایا:۔ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؀ (میں نے اسلام کو تمہارا دین پسند کرلیا) حضرت مولانا تھانوی اس کے تحت لکھتے ہیں:۔ "یعنی قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا، اس کو منسوخ کرکے دوسرا دین تجویز نہ کیا جاوے گا" (تفسیر بیان القرآن) اور جو شخص اللہ کے اس دین اسلام کو مان لیتا ہے اس کو مُسلم کہتے ہیں اور اردو، فارسی زبان میں اس کو مسلمان کہا جاتا ہے اور اسلام کا لُغوی معنی اِنقیاد ہے یعنی کسی کا حکم ماننا، سرجھکانا، تابع ہونا، اسی سے لفظ مُسلم ہے اور اس کی جمع مسلمین ہے اور قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ مُسلم کا لقب اللہ تعالیٰ نے خود دین اسلام ماننے والوں کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؀ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا۔ (پ ۱۷، سورۃ الحج ع ۱۰) (ل) اس کا ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی نے یہ لکھا ہے:۔ "دین تمہارے باپ ابراہیم کا، اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان (حکمبردار) پہلے سے اور اس قرآن میں" اس کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں اور اس قرآن میں تمہارا نام مُسلم رکھا۔ (جس کے معنی حکمبردار اور وفاشعار کے ہیں) یا ابراہیم نے پہلے تمہارا یہ نام رکھا تھا جبکہ دعا میں کہا، وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ؀ (بقرہ ع ۱۵) اور اس قرآن میں شاید ان ہی کے مانگنے سے یہ نام پڑا ہو۔ بہرحال تمہارا نام مسلم ہے گو اور اُمتیں بھی مسلم تھیں مگر لقب یہ تمہارا ہی ٹھیرا ہے سو اس کی لاج رکھنی چاہیے۔)

(ب) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ یہ ہے:۔ "تم اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو۔ اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا (نزول قرآن سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی" (چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان کہلوایا:۔ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ؀ اور شاید اور کُتبِ مُنزّلہ میں بھی ہو اور قرآن میں تو جابجا آیا ہے) (تفسیر بیان القرآن)

نیز مولانا تھانوی فرماتے ہیں کہ:۔ ہرچند کہ بالمعنی اللغوی دوسری اُمم مومنہ بھی موصوف باسلام تھیں مگر لقب کے طور پر یہی اُمت موصوف ہے اور دوسروں کے القاب یہود و نصاریٰ و قومِ نوح و قومِ ہود و قوم صالح وغیرہ ہیں۔) (ج) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے:۔ "تمہارے باپ ابراہیم کا دین۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن

ں ؒ (د) شیعہ مفسّر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی کا ترجمہ یہ ہے :- یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے اور اس (خدا) نے
ے ہی سے تمہارا نام مسلم (مطیع و فرمانبردار) رکھا اور اس (قرآن) میں بھی (وہی نام رکھا)۔ (ہ) مولوی امداد حسین صاحب
قمی لکھتے ہیں :- یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملّت ہے۔ اُس نے تمہارا نام پہلے ہی سے مُسلمان رکھا اور اس (قرآن) میں بھی)
ں) شیخ طبرسی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- ای اللہ سمّاکم المسلمین۔ "یعنی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا
ؒ) (تفسیر مجمع البیان) سُنّی اور شیعہ مفسّرین کی تصریح سے ثابت ہوگیا کہ اس اُمت میں دین اسلام کو ماننے والوں کا نام
ومیّت سے اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے جو قرآن کے علاوہ پہلی آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

اہلِ سُنّت والجماعت" کی وجہ تسمیّہ

بیشک اللہ تعالیٰ کے دین کا نام اسلام ہے اور اسلام پر ایمان لانے والوں کا نام بھی خود اللہ تعالیٰ نے مسلم (مسلمان) ما ہے۔ لیکن جب اسلام کے نام پر ہی اعدائے اسلام نے غیر اسلامی باطل عقائد و نظریات اختیار کیے اور انکی اشاعت و
یغ میں سرگرمیاں اختیار کیں تو سلف صالحین نے دوسرے باطل فرقوں سے امتیاز کے لیے اہل حق کا نام" اہلِ سُنّت والجماعت"
مور کیا، اور آج تک حق پرست مسلمانوں کا یہ امتیازی نام و لقب چلا آتا ہے، اور" اہلِ سنّت والجماعت" سے مراد وہ
لمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے آخری کامل و مکمل دین اسلام کو سُنّتِ رسول اور جماعتِ رسول یعنی صحابہ کرام کے واسطہ سے تسلیم
تے ہیں۔

سُنّت کا لُغوِی معنیٰ

عربی لُغت میں لفظ سُنّۃ کے متعدد معانی ہیں مثلاً (۱) صورت، سیرت، طبیعت۔ اور طریقہ۔ (قاموس) (۲) المنجد میں ہے :- السُنّۃ،
سیرۃ، الطریقۃ، الطبیعۃ، الشریعۃ الوجہ اَوصورتہ - (۳)" منتھی الارب" میں ہے :-
نّۃ بالضم رُوئی یا رخسارہ یا دائرہ روئے یا صورۃ و پیشانی، وخوئے و طبیعت و روش۔ (۴) غیاث اللّغات میں
نّت کا معنیٰ لکھا ہے راہ، روش، عادت۔ (۵) بیان اللسان میں ہے :- سُنّت۔ عادت، طبیعت، روش، طریقہ،
و، صورۃ، پیشانی اور سُنّت کی جمع سُنَن آتی ہے، اور قرآن مجید میں لفظ سُنّت اور سُنَن دونوں مذکور ہیں۔

لفظ سُنّت اور سُنَن کا استعمال قرآن مجید میں

سُنّت کی جمع سُنَن ہے اور قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہ دونوں لفظ مذکور ہیں (۱) سُنَّۃَ مَنْ قَدْ

اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ؕ (پ ۱۰، سورۃ بنی اسرائیل ع ۷) مولانا تھانوی نے اس کا یہ ترجمہ لکھا ہے :۔ "جیسا کہ ان کے باب میں ہمارا قاعدہ رہا ہے جن کو آپ سے پہلے ہم نے رسول بنا کر بھیجا تھا اور آپ ہمارے اس قاعدے میں تغیر نہ پاویں گے۔" (ب) حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی لکھتے ہیں :۔ "دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اور نہ پاوے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت۔" (ج) مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی کا ترجمہ یہ ہے :۔ "دستور ان کا جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور تم ہمارا قانون بدلتا نہ پاؤ گے۔" علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس باب کے تحت لکھتے ہیں :۔ "یعنی ہمارا یہی دستور رہا ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا تو بستی والے خود نہ رہے۔" (د) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی نے یہ ترجمہ لکھا ہے :۔ "اس طریقہ پر جس پر ہم نے تم سے پہلے اپنے رسول بھیجے تھے اور تم ہمارے طریقہ میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔" اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ تفسیر صافی میں ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ جو اُمت اپنے رسول کو نکالے وہ اسی رسول کی موجودگی میں ہلاک کی جائے۔ (ترجمہ مقبول)۔ اور شیعہ مفسر مولوی امداد حسین صاحب کاظمی نے بھی یہی مطلب لکھا ہے، تو اس آیت میں سُنّۃ من قد ارسلنا، سے سُنّتِ انبیا اور لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا سے سُنّتُ اللہ کا ثبوت ہوگیا۔

چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں لکھتے ہیں :۔ السنۃ (من اللہ) اذا اطلقت فی الشرع فانما یراد بھا (حکمہ وامرہ ونھیہ) مما امر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونھی عنہ وندب الیہ قولاً وفعلاً مما لم ینطق بہ الکتاب العزیز :۔ (اور سُنّت (اللہ کی طرف سے) جب شریعت میں مطلقاً استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے وہ احکام ہوتے ہیں جن کا قولاً و فعلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے یا ان سے منع فرمایا ہے اور جن کی طرف دعوت دی ہے اور وہ قرآن عزیز میں مذکور نہیں ہیں۔)

(۲) ما کان علی النبی مِن حرج فیما فرض اللہ لہ سنّۃ اللہ فی الذین خلوا مِن قبل وکان امر اللّٰہِ قَدَرًا مقدورًا ۥ :۔ (پ ۲۲۔ سورۃ الاحزاب ع ۵) مولانا تھانوی لکھتے ہیں :۔ اور ان پیغمبر کے لیے جو بات (تکوینیًا یا تشریعیًا) خدا تعالیٰ نے مقرر کر دی تھی اس میں نبی پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان (پیغمبروں) کے حق میں (بھی) یہی معمول کر رکھا ہے جو پہلے ہو گذرے ہیں اور اللہ کا حکم تجویز کیا ہوا (پہلے سے) ہوتا ہے۔ (ب) مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں :۔ نبی کے لیے اس بات میں جو اللہ تعالیٰ نے واجب کر دی ہو کوئی روک نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا

قاعدہ ان لوگوں میں جو پہلے گذر گئے ایک ہی چلا آتا ہے اور خدا کا حکم ایک حد پر اندازہ کیا ہوا ہے) اس آیت میں بھی یہاں سُنّت اللہ سے مراد وہ طریقہ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے متعلق اختیار فرمایا ہے۔ (۳) فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۔ (پ ۲۴۔ سورۃ المومن ع ۹): "سو ان کو ان کا ایمان لانا نافع نہ ہوا۔ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی معمول مقرر کیا ہے جو اس کے بندوں میں پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

"مگر جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکیں گے تو اللہ کے اس قاعدے کے موافق جو اس کے بندوں میں جاری رہا ہے اُن کا ایمان ان کو کوئی نفع نہ پہنچائے گا۔" (ترجمہ مولوی مقبول احمد) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ اور دستور مراد ہے جو اُمتوں میں جاری رہا ہے۔ (۴) وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوُا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۔ (پارہ ۲۶۔ سورۃ الفتح ع ۳): "اگر تم سے یہ کافر لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار۔ اللہ تعالیٰ نے (کفار کے لیے) یہی دستور کر رکھا ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے اور آپ خدا کے دستور میں ردّ و بدل نہ پاویں گے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) "اگر وہ لوگ جو کافر ہو گئے ہیں تم سے لڑ پڑیں گے تو ضرور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر وہ نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار۔ اللہ کے قاعدے کے موافق جو پہلے سے ہوتا چلا آیا اور تم اللہ کے قاعدے میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔" (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی سنت اللہ سے مراد وہ دستور خداوندی ہے جو نصرتِ انبیاء کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر لکھتے ہیں:۔ تفسیر صافی میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اُمتیں گذر چکیں ان میں خدا نے قاعدہ یہی مقرر کر دیا تھا کہ اس کے انبیاء غالب رہیں گے جیسا کہ دوسری جگہ فرماتا ہے:۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۔ (اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے)

(۵) يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۔ ترجمہ (پ ۵۔ سورۃ النساء ع ۵): "اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ تم سے بیان کر دے اور تم سے پہلے لوگوں کے احوال تم کو بتا دے اور تم پر توجہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں، بڑے حکمت والے ہیں۔" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) "اللہ یہ ارادہ فرماتا ہے کہ تمہارے لیے تم سے پہلے والوں کے قاعدے کھول کر بیان کر دے اور بتلا دے اور تمہاری توبہ قبول کرے اور

اللہ جاننے والا حکمت والا ہے" (ترجمہ مقبول) اس آیت میں سُنّت کی جمع سنن کا لفظ استعمال ہوا جس سے مراد وہ شرعی احکام ہیں جو پہلی امتوں میں نافذ رہے ہیں۔ (۶) لَئِن لَّمْ يَنتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا۔ مَّلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا (پ ۲۲۔ سورۃ الاحزاب ع ۸):۔ "یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں خرابی ہے اور وہ لوگ جو مدینہ میں (جھوٹی جھوٹی) افواہیں اڑایا کرتے ہیں اگر باز نہ آئے تو ضرور ہم آپ کو اُن پر مُسلّط کریں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے پاس مدینہ میں بہت ہی کم رہنے پا دیں گے وہ بھی (ہر طرف سے) پھٹکارے ہوئے جہاں ملیں گے پکڑ دھکڑ اور مار دھاڑ کی جاوے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان مفسد لوگوں میں بھی اپنا یہی دستور رکھا ہے جو پہلے ہو گذرے ہیں اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے ردّ و بدل نہ پاویں گے" (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹی خبریں اُڑانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور تم کو اُن کے درپے کر دیں گے۔ پھر وہ اس شہر میں تمہارے پڑوس میں نہ رہیں گے مگر بہت ہی کم اور ہر طرف سے اُن پر لعنت ہوتی رہے گی۔ وہ جہاں کہیں پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور ایسے قتل کیے جائیں گے جیسا کہ قتل کیے جانے کا حق ہے۔ اللہ کا قاعدہ ان لوگوں میں جو پہلے گذر گئے (یہی تھا) اور تم اللہ کے قاعدہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے" (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی سُنّتُ اللہ سے مراد اللہ کا وہ قانون ہے جس کے تحت منافقین اور شر انگیز لوگوں پر ذلّت، رسوائی اور قتل کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

(۷) كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ (پ ۱۴۔ سورۃ الحجر ع ۱):۔ "اسی طرح ہم یہ (استہزاء) ان مجرمین کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں (جس کی وجہ سے) یہ لوگ (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور (یہ) دستور پہلوں ہی سے ہوتا آیا ہے" (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) "مجرموں کے دلوں میں (بہ سبب ان کی شرارتوں کے) ہم ایسا ہی ڈال دیا کرتے ہیں، وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے، جس حال میں کہ پہلوں کی روش یہی ہو چکی ہے" (ترجمہ مقبول) اس آیت کے تحت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں:۔ یعنی ہمیشہ یونہی جھٹلاتے اور ہنسی کرتے آئے ہیں اور سُنّتُ اللہ یہ رہی ہے کہ مُتمرّدین ہلاک اور رُسوا کیے جاتے رہے اور انجام کار حق کا بول بالا رہا۔ (۸) قُل للذين كفروا إن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف وان يعودوا فقد مضت سنة الاولين۔ (پ ۹

سورۃ الانفال ع ۵) :- آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجاویں گے تو ان کے سارے گناہ جو (اسلام سے) پہلے ہو چکے ہیں، سب معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر اپنی وہی (کفر کی) عادت رکھیں گے تو (سنا دیجئے کہ کفار) سابقین کے حق) میں (ہمارا) قانون نافذ ہو چکا ہے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) "کافروں سے کہہ دو کہ اگر وہ باز آئیں تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ ان کو معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر ویسا ہی کریں گے تو پہلوں کا قاعدہ تو مقرر ہو ہی چکا ہے۔" (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی پہلوں کے طریقے سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دستور عذاب ہے جس کے تحت وہ ہلاک کئے گئے۔

(۹) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ :- (پ ۱۵، سورۃ الکہف ع ۸) :- اور لوگوں کو بعد اس کے کہ ان کو ہدایت پہنچ چکی ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے (کفر وغیرہ کی) مغفرت مانگنے سے اور کوئی امر مانع نہیں رہا بجز اس کے کہ (ان کو اس کا انتظار ہو) کہ اگلے لوگوں کا سا معاملہ ان کو بھی پیش آئے یا یہ کہ عذاب (الٰہی) رُوْدَررُو اُن کے سامنے آکھڑا ہو۔ (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) "اور جب کہ لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو ان کو ایمان لانے سے اور اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی مانگنے سے کسی اور بات نے نہیں روکا سوائے اس کے کہ ان پر پہلوں کا قاعدہ جاری ہو جائے یا عذاب ان کے سامنے آکھڑا ہو۔" (ترجمہ مقبول) یہاں بھی سُنَّۃُ الاوّلین سے مراد اللہ تعالیٰ کا طریقہ عذاب ہے جو کافر قوموں کی ہلاکت کے لیے مقرر ہوا۔

(۱۰) قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝ (پ ۴، سورۃ آل عمران ع ۱۴) :- "بالتحقیق تم سے قبل مختلف طرق گذر چکے ہیں تو تم روئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ آخیر انجام تکذیب کرنے والوں کا کیسا ہوا۔" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) "تم سے پہلے بہت سے واقعات گذر گئے چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔" (ترجمہ مقبول) اس آیت میں سُنَن سے مُراد پہلی کافر قوموں کے وہ واقعات ہیں جن کی بنا پر وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے ہیں۔

(۱۱) فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ۝ (پ ۲۲ سورۃ فاطر ع ۵) :- "سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے (کافر) لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ سو آپ خدا کے (اس) دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پاویں گے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) "تو کیا یہ اپنے پہلوں کے قاعدہ کے منتظر ہیں۔ پس تم خدا کے قاعدہ میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے، اور نہ کبھی تم خدا کے قاعدہ کو ٹلتا ہوا پاؤ گے۔" (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی سُنَّۃُ الاوّلین سے

مراد اللہ تعالیٰ کا وہ دستورِ عذاب ہے جس کے تحت پہلی کافر قومیں ہلاک ہوئیں۔ مندرجہ بالا گیارہ آیات میں سُنّت کا لفظ عموماً اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی طرف سے مقرر کردہ انبیائے کرام کے طریقۂ زندگی اور نافرمان کافر قوموں کیلئے خدائی دستورِ عذاب کے لیے استعمال کیا گیا ہے اور کافروں کے طریق کار پر بھی لفظِ سُنن کا اطلاق ہوا ہے۔

سُنّت کا شرعی معنیٰ

گو لُغوی معنیٰ کے اعتبار سے لفظ سُنّت کا اطلاق ہر قسم کے طریقہ، راستہ اور نمونہ وغیرہ پر کیا جاتا ہے، خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا۔ لیکن شرعی اُمور میں سُنّت سے مراد رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنت ہی ہوتی ہے۔ یعنی دین کا وہ طریقہ اور عمل جو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اختیار فرمایا ہے اور سُنّت میں وہ تمام احکام و اعمال آجاتے ہیں جن کا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا ہے یا جن سے منع فرمایا ہے یا جن کی طرف لوگوں کو ترغیب دی ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی مرحوم "مفرداتُ القرآن" میں لکھتے ہیں :- وسُنّۃ النّبی طریقتہ الّتی یتحرّاھا۔ (اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت سے مراد آپ کا وہ طریقہ ہے جو آپ نے قصد و ارادہ سے اختیار فرمایا ہے)۔ اور بغیر اضافت یا صفت وغیرہ کے جب لفظ سُنّۃ مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے مراد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی کی سُنّت ہوتی ہے۔ چنانچہ "لسان العرب" میں ہے :- والاصل فیہ الطریقۃ والسیرۃ واذا اُطلِقت فِی الشرع فانّما یراد بھا ما امر بہ النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم ونھی عنہ ونَدب الیہ قولاً وفعلاً ممالم ینطق بہ الکتاب العزیز۔ (اور لغت میں سُنّۃ کا اصلی معنی طریقہ اور سیرت ہے لیکن جب شریعت میں مطلقاً سُنّت کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد قولاً و فعلاً وہ احکام ہوتے ہیں جو قرآن مجید میں صراحتاً مذکور نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کا حکم دیا ہے یا اُن سے منع فرمایا ہے یا اُن کی طرف دعوت دی ہے)۔ اور علّامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :- والمراد بالسنّۃ ھنا اقوالہٗ و افعالہٗ واحوالہ المعبّرعنھا بالشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) اور سنّت سے یہاں مراد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اقوال، افعال اور احوال ہیں جن کو شریعت، طریقت اور حقیقت سے تعبیر کیا جاتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ شرعاً سُنّت کا مفہوم بہت وسیع اور جامع ہے جو دین و شریعت کے تمام مدارج کو محیط ہے۔

قرآن مجید میں اتّباعِ سُنّت کی تاکید

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (پ ۲۸ ــ سورۃ الحشرع ۱) :۔"اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو روک دیں (اور بعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رُک جایا کرو" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) "اور رسول جو کچھ تم کو دیں اسے لے لو اور جس سے تم کو باز رکھیں (اس سے) باز رہو" (ترجمہ مقبول) شیعہ مفسّر علاّمہ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں ۔ وما امرکم به فافعلوه وما نهاکم عنه فانتهوا عنه فانه لا یأمر ولا ینهی الاعن امر الله وهٰذا عام فی کل ما امر به النبی صلی اللہ علیه وسلّم ونهی عنه وان نزل فی اٰیة الفئ :۔ اور جس بات کا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم تم کو حکم دیں وہ کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ کیونکہ آپ نہیں حکم دیتے اور نہیں منع فرماتے مگر اللہ کے حکم سے، اور یہ عام ہے ہر اس بات میں جس کا نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حکم فرمایا اگرچہ یہ حکم مالِ فَے کے بارے میں نازل ہوا ہے ۔ (تفسیر مجمع البیان) اور چونکہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے امر و نہی کو سُنّت کہتے ہیں اس لیے اس آیت سے اتّباعِ سُنّت کی تاکید ثابت ہوئی ۔

(۲) وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (پ ۱۴۔ سورۃ النّحل ع ۶) :۔"اور آپ پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تاکہ جو مضامین لوگوں کے پاس بھیجے گئے ان کو آپ ان سے ظاہر کر دیں" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) اور تمہاری طرف یہ قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ تمہاری طرف نازل کیا گیا ہے اسے تم لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرو ۔ (ترجمہ مقبول) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیات کا مطلب واضح کرنا بھی رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فرائض رسالت میں شامل ہے ۔ چنانچہ علاّمہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں : "آج تم کو (اے محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم) ہم نے ایسی کتاب دے کر بھیجا جو تمام کُتبِ سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمّل یادداشت ہے ۔ آپ کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لیے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہی معتبر ہے جو احادیث رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے موافق ہو"

(۳) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

(پ ۲۱ - سورۃ الاحزاب ۳۴) "تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روزِ آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکرِ الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔" (ترجمہ مولانا تھانوی) (پ) "اے لوگو بیشک تمہارے لیے پیروی کرنے کو اچھے سے اچھا نمونہ خود رسول اللہ موجود ہیں۔ (یعنی) اس شخص کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن کی اُمید رکھتا ہو اور اللہ کی بہت سی یاد کیا کرتا ہو۔" (ترجمہ مقبول) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:- "یعنی پیغمبر کو دیکھو ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر انہی پر ہے، مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جُنبش کھا جائے۔ جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں اور کثرت سے خُدا کو یاد کرتے ہیں، ان کے لیے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہیئے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں ان کے نقشِ قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں اُن کی چال سیکھیں۔"

(۴) قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ ۔ (پ ۳ - سورۃ آل عمران ۳۴):- "فرما دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبّت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اِتّباع کرو، خدا تعالیٰ تم سے محبّت کرنے لگیں گے۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)۔ مولوی مقبول احمد صاحب شیعہ مُفسّر لکھتے ہیں:- "(اے رسول) کہہ دو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تاکہ اللہ تمہیں دوست رکھے۔" علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں:- "دُشمنانِ خُدا کی موالات و محبّت سے منع کرنے کے بعد خدا سے محبّت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالکِ حقیقی کی محبّت کا دعوٰی یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتّباعِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔ جو شخص جس قدر حبیبِ خدا محمد رسول کی راہ چلتا اور آپ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعلِ راہ بناتا ہے، اسی قدر سمجھنا چاہیئے کہ خدا کی محبّت کے دعوے میں سچّا اور کھرا ہے اور جتنا اس دعوے میں سچّا ہوگا اتنا ہی حُضُورؐ کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبّت کرنے لگے گا اور اللہ کی محبّت اور حُضور کے اِتّباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی۔ گویا توحید وغیرہ کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے نبوّت کا بیان شروع کیا گیا اور پیغمبرِ آخرالزّمان کی اطاعت کی دعوت دی گئی۔"

(۵) مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ (پ ۵ - سورۃ النساء ع ۱۱)

"جس شخص نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی، اور جو شخص رُوگردانی کرے سو ہم نے آپ کو اُن کا نگران کرکے نہیں بھیجا" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) "جو رسول کی اطاعت کرے گا یقیناً اس نے خدا کی اطاعت کی اور جو پھر جائے گا تو ہم نے تم کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا" (ترجمہ مقبول) اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ اطاعتِ خداوندی بغیر اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل ہو نہیں سکتی۔

(۴) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠ (پ ۵۔ سورۃ النساء ع ۸) "اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ سب امور بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے:۔ "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول اور والیانِ امر کی اطاعت کرو جو تم ہی میں سے ہیں۔ پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیرو۔ بشرطیکہ تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی سب سے بہتر اور عمدہ تاویل ہے" (ترجمہ مقبول)۔ اس آیت میں اَطِیْعُوا اللّٰهَ کے بعد وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فرمانے سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی مستقل ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ مومنین کے لیے مطلق مُطاع ہیں، اور آیت سابقہ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل اطاعت ثابت ہوتی ہے۔

(ب) آیت میں وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ سے پہلے اَطِیْعُوْا نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ غیر رسول اگر اُولی الامر ہوں تو ان کی اطاعت مستقلاً نہیں ہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے تحت ہے یعنی اُولِی الْاَمْر (اصحاب حکومت) اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حکم دیں گے تو اُن کی اطاعت واجب ہے اور اگر ان کا حکم خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو تو اُن کی اطاعت واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں اگر ان کی اطاعت کی جائے تو یہ معصیت اور گناہ کی اطاعت ہوگی۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔ لاطاعۃ لمخلوقٍ فی معصیۃ الخالق "جس امر میں

خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو، اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔" (ج) شیعہ علماء اس آیت میں اُولِی الْاَمْرِ مِنکُم سے مراد ائمہ اثناعشر لیتے ہیں یعنی بارہ امام، اور اسی بنا پر ان کو انبیاء علیہم السّلام کی طرح معصوم اور مفترض الطاعت مانتے ہیں بلکہ سوائے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے باقی سب انبیائے کرام سے ان کو افضل مانتے ہیں لیکن یہی آیت اُن کے ان عقائد کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ اگر ان ائمہ کی اطاعت بھی مستقل اطاعت ہوتی، تو اُولِی الْاَمْرِ مِنکُمْ سے پہلے بھی اَطِیْعُوْا فرمایا جاتا۔

(د) شیعہ مفسّر شیخ طبرسی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ :- واما اصحابنا فانهم رووا عن الباقر والصادق (ع) ان اولی الامر هم الائمة من ال محمد اوجب الله طاعتهم بالاطلاق کما اوجب طاعته وطاعة رسوله ولا یجوز ان یوجب الله طاعة احد علی الاطلاق الا من ثبتت عصمته الخ (تفسیر مجمع البیان):- "اور ہمارے اصحاب نے امام باقر اور امام جعفر صادق سے روایت کی ہے کہ اُولِی الْاَمْر سے مراد آل محمّد کے ائمہ ہیں کہ اُن کی اطاعت اللہ نے مطلقاً واجب کی ہے۔ جس طرح کہ اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت مطلقاً واجب کی ہے، اور یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی اطاعت مطلقاً واجب کرے مگر اس کے لیے کہ جس کی عصمت ثابت ہو" لیکن علّامہ طبرسی کا یہ بیان محض تعصّب پر مبنی ہے، جس کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسی آیت کا یہ حکم اُن کے اس نظریہ کی تردید کر رہا ہے کہ :- فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ :- "پھر اگر کسی معاملے میں تم میں آپس میں جھگڑا ہو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیرو" (ترجمہ مقبول)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُولِی الْاَمْر کی اطاعت علی الاطلاق واجب نہیں ہے، کیونکہ اگر اُن کی بھی اطاعت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرح واجب ہوتی تو نزاع اور جھگڑے کی صورت میں اُولِی الْاَمْر کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اَیْ فَرُدُّوْهُ اِلٰی اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔ لیکن بجائے ان کے اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف رجوع کرنے کا حکم فرمایا۔ اس سے ائمہ کے معصوم ہونے کا عقیدہ بھی غلط ثابت ہو گیا کیونکہ اگر وہ معصوم ہوتے تو بحالتِ نزاع انہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا۔ (س) شیعہ علماء عاجز ہو کر آخر یہ تاویل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف رجوع کرنے سے مراد بھی ائمہ کی طرف رجوع کرنا ہے۔ لیکن یہ تاویل بھی بالکل غلط ہے کیونکہ آیت میں الرسول کا لفظ ہے جس سے مراد صرف حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ

مقدسہ ہے۔ کیا شیعہ علماء کے نزدیک حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ بھی رسول ہیں ؟ اور حضرت علی المرتضیٰ کا وہ ارشاد بھی اس تاویل کو باطل قرار دیتا ہے جو اسی آیت کے تحت "نہج البلاغۃ" میں منقول ہے، فرماتے ہیں :- فردّہ الی اللہ اَنْ نحکم بکتابہٖ وردّہ الی الرسول ان ناخذ لسنّتہ :- "پس اللہ کی طرف پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس کی کتاب (یعنی قرآن) سے فیصلہ کریں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف پھیرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم آپ کی سُنّت کو پکڑ لیں۔" (نہج البلاغۃ مطبوعہ طہران ص۱۷۵) حضرت علی المرتضیٰ نے بھی ردّہ الی الرسول سے مراد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کی اتّباع ہی لی ہے۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ آیت اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ سے اگر حضرت علی کرّم اللہ وجہہ بھی اپنا مفترض الطاعت ہونا اور معصوم ہونا سمجھتے تو پھر آپ اپنے اور حضرت معاویہؓ کے باہمی نزاع کا فیصلہ فریقین کے ثالثوں کے سپرد نہ کرتے بلکہ خود ہی فیصلہ فرماتے۔ کیا شیعہ علماء کے نزدیک حکمین یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری (جو حضرت علیؓ کی طرف سے حَکَم تجویز ہوئے تھے) اور حضرت عمرو ابن العاص جو حضرت معاویہؓ کی طرف سے حَکَم تجویز ہوئے تھے) دونوں معصوم اور مفترض الطاعۃ تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اس نزاعِ باہمی کا فیصلہ ان کے سپرد کر دیا۔

آیت نمبر ۶ :- فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (پ ۵ - سورۃ النّساء ع ۹) :- "پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرا دیں۔ پھر آپ کے اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورے طور پر تسلیم کر لیں۔" (ترجمہ مولانا تھانوی)

(ب) مولوی مقبول احمد دہلوی لکھتے ہیں :- ایسا نہیں ہے تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ (کبھی) مومن نہ ہوں گے جب تک کہ ان جھگڑوں میں جو انکے مابین پڑے ہیں تم کو حاکم نہ بنالیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کر دو اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو اس طرح تسلیم کر لیں جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے (ترجمہ مقبول) اس آیت میں ایمان کی حقیقت ہی یہ فرمائی ہے کہ ظاہر و باطن سے رسول کریم، رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حکم کو تسلیم کیا جائے اور اگر رسول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیصلہ کے بعد کوئی مسلمان دل میں اس کے متعلق ناگواری رکھتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا۔ (۲) **انوکھی تفسیر** :- شیخ علی بن ابراہیم قمی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :- فلا وربك

لا یؤمنون حتّٰی یحکموک) یا علیؓ (فیما شجر بینھم) یعنی فیما تعاھدوا و تعاقدوا علیہ من خلافتک بینھم وغصبتک ثم (لا یجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت) علیھم یا محمد علی لسانک من ولایتہ (ویسلموا تسلیما) لعلیؓ (ع) (تفسیر قمی جلد اوّل صـ۱۴۲ مطبع النجف) :- ترجمہ ۔ پس آپ کے رب کی قسم یہ لوگ ایماندار نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ کو منصف نہ بنائیں، اے علی! (اس میں جو ان کے درمیان جھگڑا واقع ہوا ہے) یعنی اس میں جو آپ کے خلاف انھوں نے باہمی عہد و پیمان کیا ہے اور آپ سے خلافت غصب کرنے میں پھر (نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو آپ نے فیصلہ کیا ہے) ان کے خلاف، اے محمدؐ! آپ کی زبان علیؓ کی ولایت (خلافت) کے بارے میں (اور مان لیں اچھی طرح مان لینا، علیؓ کے لیے) یہاں شیخ قمی نے ان آیات کو حضرت علیؓ کی خلافت پر محمول کر دیا۔ حالانکہ سیاق و سباق میں حضرت علیؓ یا ان کی خلافت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس میں خطاب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ہی فرمایا گیا ہے، اور مولوی امداد حسین صاحب کاظمی بھی لکھتے ہیں :- تفسیر صافی صـ۱۱۳ پر بحوالہ کافی امام محمد باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ جناب امیر المؤمنین کو مخاطب کیا ہے پھر آپ نے یہ آیت :- وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا سے لے کر فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ تک تلاوت فرمائی ۔ اس کے بعد فرمایا کہ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَھُمْ سے وہ معاہدہ مراد ہے جو ان منافقوں نے باہم کیا تھا کہ اگر محمدؐ کو خدا نے موت دی تو اس امر کو ہم بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے۔ پھر حضرت نے آگے تلاوت فرمائی :- ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ اور فرمایا کہ خواہ تم ان کے قتل کا فیصلہ کر دیتے یا عفو کا۔ پھر یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پڑھ کر ختم کر دیا۔ (تفسیر المتقین) حالانکہ خود کاظمی صاحب آیت کے ترجمہ میں یہ لکھ رہے ہیں :- پس نہیں ہے (اے رسول) اور تمہارے پروردگار کی قسم الخ۔ جب ترجمہ میں مخاطب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو لکھا تو تفسیر میں حضورؐ کی جگہ حضرت علیؓ کیسے مخاطب بن گئے؟ کیا یہ قرآن کی تفسیر ہے یا اُس کی معنوی تحریف؟ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

سُنّت و حدیث کی حجیّت

بطورِ نمونہ مندرجہ سات آیات قرآنیہ پیش کی گئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت و اطاعت حاصل ہونے کا ذریعہ حضور رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد و عمل کی مخلصانہ اطاعت ہے اور شرعًا اہلِ اسلام کے لیے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی

سُنّت وحدیث حجت ہے۔ دین کی اصل بنیاد کتابُ اللہ کے بعد سُنّتِ رسول اللہ ہے (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اور سُنّتِ رسول کا مفہوم شرعاً بہت وسیع اور جامع ہے، اور قرآنی احکام پر عمل کرنے کا صحیح اور کامل ترین نمونہ نبیؐ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنّتِ مقدّسہ ہے۔ اسی حقیقت کو حضرت عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک سائل کے اس سوال (کہ حضورؐ کے اخلاق کیا تھے) کے جواب میں ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے کہ :- كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن (کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا خُلق قرآن تھا) یعنی جو کچھ قرآن کریم میں علمی اور اُصولی طور پر احکامِ شریعت مذکور ہیں۔ اُن کا عملی نمونہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک سُنّت وسیرت میں ملتا ہے۔ اِتّباعِ سُنّت تو یہ ہی قربِ خداوندی کے حصول کا ایک واحد مقبول ذریعہ ہے، اور یہی حق و باطل کا علی الاطلاق معیار ہے۔ اسی حقیقت کو عارف باللہ حضرت شیخ سعدیؔ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں بیان فرمایا ہے :- ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید ——— کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید!

چونکہ شرعی اصطلاح میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قول وفعل اور تقریر کو سُنّت کہتے ہیں (تقریر کا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کسی مسلمان نے کوئی عمل کیا ہو اور حضورؐ نے اس پر گرفت نہ کی ہو بلکہ سکوت اختیار فرمایا ہو تو یہ بھی مفہوم کے اعتبار سے سُنّت میں شامل ہے) اور سُنّت کا معنیٰ اور مطلب تو قرآن مجید کی نصوص سے ثابت ہے۔ جس کی اطاعت کی اہل ایماں کو تاکید فرمائی گئی ہے اسی لیے خود نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی قرآن کے علاوہ اپنے ارشادات میں بھی اپنی سنّت کی اِتّباع کی اہمیّت واضح فرمائی ہے تاکہ اُصولی طور پر جو احکام قرآن مجید میں مذکور ہیں ان کی تشریح وتفصیل خود خاتم النّبیین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت وحدیث سے معلوم ہو سکے۔ جس کی بنا پر قرآن حکیم کے حکم کی صحیح اور کامل صورت نصیب ہو جائے اور ارشادِ قرآنی پر اہل ایمان کے لیے عمل کرنا آسان ہو جائے، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ دین وشریعت کے سلسلے میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات بھی وحیِ الٰہی پر مبنی ہیں لیکن قرآن اور حدیث کی وحی میں چونکہ فرق پایا جاتا ہے، اس لیے قرآن کو وحیِ متلو اور حدیث کو وحیِ غیر متلو کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی وحی میں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے ہی ہوتے ہیں اور معانی بھی، اور حدیث کی وحی میں معنیٰ اور مضمون تو اللہ کی طرف سے ہی اِلقاء ہوتا ہے لیکن ان کو رسول خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں۔

اَحادیثِ اہلِ سنّت سے اتّباعِ سنّت کی تاکید

مسلمانانِ اہلِ سنّت و الجماعت کی کُتبِ حدیث میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ کی سُنّت کی اتّباع کی تاکید بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہاں بطور نمونہ بعض احادیث حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ، رَوَاہُ الْمُؤطَّا۔ (مشکوٰۃ شریف، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) :" فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہ مَیں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، اگر ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے (۱) کتاب اللہ (۲) سنّت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم "۔ اس حدیث میں اسی ارشاد خداوندی کی تائید فرمائی گئی ہے جو سورۃ النساء کی حسبِ ذیل آیت میں ہے :- فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْئٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ :" یعنی اگر تمہارا کسی معاملہ میں نزاع و اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف پھیرو"۔ (۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِأَۃِ شَھِیْدٍ :- (مشکوٰۃ شریف)" حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس شخص نے میری اُمّت کے فساد و بگاڑ کے زمانہ میں میری سُنّت کو مضبوطی سے پکڑا تو اس کو ایک سو شہیدوں کا اجر ملے گا"۔

اس حدیث سے اِتّباعِ سُنّت کا عظیم ثواب معلوم ہوا۔ (۳) مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ۔ (مشکوٰۃ شریف)" فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کہ جس شخص نے میری سُنّت سے محبّت کی تو بے شک اس نے مجھ سے ہی محبّت کی اور جس نے مجھ سے محبّت کی وہ جنّت میں بھی میرے ساتھ ہوگا"۔ اس حدیث سے ثابت ہُوا کہ جنّت میں بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی معیّت کا حصُول سُنّت کی پیروی اور محبّت پر موقوف ہے۔ (۴) مَنْ یَعِشْ منکم فیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسُنّتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ۔ (مشکوٰۃ شریف)" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی بعد میں زندہ رہے گا تو وہ بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنّت لازم ہے اور میرے خلفاءِ راشدین کی سُنّت جو ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑ لینا"۔ ان احادیث میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی سُنّتِ مبارکہ کی پیروی کی فضیلتیں بیان فرمائی ہیں اور اتّباعِ سُنّت کی تاکید فرمائی ہے جس سے سُنّت

شرعاً حجّت ہونا اور واجب الاطاعت ہونا صراحتاً ثابت ہوتا ہے، اور اپنی سُنّت کے ساتھ اپنے خُلفائے راشدین
کی سُنّت کی اتّباع کا جو حکم دیا ہے اس کی تشریح انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے مقام میں بیان کی جائے گی۔

احادیثِ شیعہ سے اِتّباعِ سُنّت کی تاکید

مذہب شیعہ کی کتبِ حدیث میں بھی سُنّت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اہمیّت اور اس
کی اتباع کی تاکید کا ثبوت ملتا ہے، چنانچہ بعض روایات حسبِ ذیل ہیں۔ (۱) مَیں نے امام جعفر صادق علیہ السّلام سے
سُنا، جس نے کتابِ خدا اور سُنّتِ محمدؐ کی مخالفت کی، اُس نے کفر کیا۔" (شافی ترجمہ اُصولِ کافی جلد اوّل ص۶
باب ۲۳) اس روایت میں امام جعفر صادق نے اس شخص کو کفر کرنے والا قرار دیا ہے جو سُنّت کی مخالفت کرے (۲)
حضرت رسول خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا، نہیں ہے قول مگر عمل کے ساتھ اور نہیں ہے قول وعمل مگر نیّت کے
ساتھ، اور نہیں ہے قول وعمل و نیّت مگر سنّتِ رسول کی موافقت کے ساتھ" (شافی ص۷) (۳) امام محمد باقر علیہ
السّلام نے کسی سائل کے جواب میں فرمایا:- اصل فقیہ وہ ہے جو تارکِ دنیا ہو، آخرت کی طرف راغب ہو اور سُنّتِ
نبی سے تمسّک رکھنے والا ہو" (ص۷ ایضاً) (۴) علّامہ باقر مجلسی نے کلینی اور سیّد رضی سے بسند ہائے معتبر حضرت
علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت یہ وصیّت کی ہے:- ولیکن میری وصیّت تم سے یہ ہے کہ شرک بخداوند بزرگوار
نلانا اور کسی چیز کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرنا، اور سُنّت و طریقہ حضرت رسول کو ضائع نہ کرنا۔ کتاب خدا اور
سنّتِ رسولِ خُدا کو بدستور رکھنا الخ (جلاء العیون جلد اوّل ص۲۰۵ مطبوعہ لکھنؤ) (۵) "نہج البلاغۃ" میں
حضرت المرتضیٰ کی وصیّت کے یہ الفاظ ہیں:- اَمَّا وَصِيَّتِیْ فَاللّٰہَ لَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَيْئًا، وَمُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ فَلَا تُضَیِّعُوْا سُنَّتَہٗ اَقِیْمُوْا ھٰذَیْنِ الْعَمُوْدَیْنِ وَاَوْقِدُوْا ھٰذَیْنِ الْمِصْبَاحَیْنِ۔ ("لیکن میری وصیّت
یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، اور حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کو ضائع نہ کرو۔ ان دونوں
ستونوں کو قائم رکھو اور ان دونوں چراغوں (یعنی توحید و سُنّت) کو جلائے رکھو" (ص۲۰۲ مطبوعہ طہران) (۶)
حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے اور حضرت معاویہؓ کے مابین حکمین (ثالث حضرات) مقرر کرنے پر لوگوں کے اعتراضات کے
جواب میں فرمایا:- وقد قال اللہ سبحانہٗ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ فردّہ الی اللہ
ان نحکم بکتابہ وردّہ الی الرّسول ان ناخذ بسنّتہ۔ (نہج البلاغۃ ص۱۷۵) :- بے شک اللہ سبحانہٗ نے فرمایا

ہے کہ اگر کسی بات میں تمہارا نزاع ہوجائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف لوٹائیں
اس نزاع کو اللہ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم کتاب اللہ پر فیصلہ کریں اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم
کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت کو پکڑ لیں" مندرجہ احادیثِ شیعہ سے بھی
سنّتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اہمیّت اور اس کی اِتّباع کی ضرورت و تاکید ثابت ہوتی ہے۔ جس پر مزید
بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

اہل السُنّت والجماعت کی خُصوصیّت

جب قرآن حکیم کی آیات محکمات اور رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مقدّس ارشادات سے (جو
کتب اہل سُنّت اور کتب شیعہ دونوں میں مذکور ہیں) یہ ثابت ہوگیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت شرعی
حُجّت ہے، قرآن مجید کی علمی و عملی تصویر ہے۔ محبت و قربِ خداوندی کے حُصول کا ذریعہ ہے، رضائے الٰہی کا نشان ہے
دارین کے لیے سعادت کا موجب ہے۔ تو یہی لفظ سُنّت بعد میں اہل حق اور اہل باطل کے مابین امتیازی نشان قرار
دیا گیا۔ جبکہ دین و شریعت میں اعدائے اسلام کی سازشوں کے تحت غیر اسلامی نظریات و افکار شامل کر دیئے گئے
اور ان پر بھی اسلام کا لیبل چسپاں کر دیا گیا۔ اس لیے اہل حق نے دوسرے فرق باطلہ سے امتیاز کے لیے خصوصی طور پر اپنا
مذہبی نام" اہل السنّت والجماعت" مشہور کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُن اسلام اور اس شریعت کو مانتے ہیں جو کہ
سُنّتِ رسول اور جماعتِ رسول سے مابعد کی اُمّت کو حاصل ہوا ہے۔ اسی بنا پر سلف وخلف اہل حق اپنے آپ کو
"اہل السنّت والجماعت" ہی کہتے چلے آرہے ہیں، اور یہی نام و عنوان خلاف سُنّت اور خلافِ جماعتِ صحابہ کے فتنوں
اور تحریکوں سے اُمّتِ مُسلِمہ کے لیے دینی تحفّظ کا ذریعہ بنا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی فرماتے
ہیں :- بندۂ ضعیف عبدالعزیز عفی عنہ کہتا ہے کہ فقیر کا مذہب اہل سنّت وجماعت کا مذہب ہے اور جو لوگ
اہل سنّت وجماعت کے مخالف ہیں خواہ کُفّار ہوں، خواہ اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں مثلاً روافض اور خوارج
اور نواصب وغیرہ جو مخالفین اہل سُنّت وجماعت سے ہیں۔ فقیر ان سب فرقوں کو باطل جانتا ہے اور بزار
دل سے ان سب فرقوں سے بیزار ہے۔ (فتاویٰ عزیزیہ صا۲۳)

جماعت کی شرعی حیثیت

سنتِ رسول ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح جماعت ...

...تِ رسول ہے (صلّی اللہ علیہ وسلّم) جس طرح رسولِ کریم رحمۃ للعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ... وسلّم کی سُنّت، کتاب اللہ کے علوم و احکام کے حصول کا واحد واسطہ اور ذریعہ ہے اسی طرح جماعتِ رسول ... اُمّت تک سُنّت کو علمی و عملی ہر حیثیت سے صحیح طور پر پہنچانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر جماعتِ رسول کو شریعت اور ... کے حصُول کے لیے شرعی واسطہ نہ تسلیم کیا جائے تو پھر دین کامل اور شریعتِ مقدّسہ کے مکمّل طور پر حاصل کرنے ... اسباب میں اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کتابُ اللہ کے الفاظ لینے والے بھی وہی ... ہیں اور ان کے معانی اور ان کی عملی صورتیں اخذ کرنے والے بھی وہی لوگ ہیں جنہوں نے رسولِ پاک صلّی اللہ علیہ ... کا دیدار کیا اور ایمان لائے اور جن کو حضُور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صحبت و معیّت نصیب ہوئی، جو سفر و حضر میں ... ساتھ رہے، جنہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نصرت میں وطن چھوڑے۔ بڑے بڑے کبرائے قوم سے ٹکر لی ... سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پرچم نبوی تلے قربانیاں دیتے رہے اور چونکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ... سلسلۂ نبوّت بھی اللہ تعالیٰ نے ختم کر دیا ہے اور تشریعی وحی کا دروازہ بھی بند ہو گیا ہے اور شریعتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ نے ہی قیامت تک اپنی اصلی اور جامع علمی و عملی صورت میں باقی رہنا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی حیاتِ مقدّسہ میں ہی آپ کے شاگردوں اور جانثاروں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جن کے ... تے نہ کسی اور نبیؑ کی حاجت رہے اور نہ کسی نئی وحی اور شریعت کی۔ یہی جماعتِ محمّدی امام الانبیاء والمرسلین کی ... انت و وراثت کی من کل الوجوہ امین و ضامن بن جائے اور ایسی جماعت صحابہ کی شرعی اور دینی عظمت اور مابعد کی اُمّت ... لیے ان کی مقتدائیت اور پیشوائیت کا تذکرہ قرآنِ حکیم میں جابجا ملتا ہے۔

جماعتِ رسول کی عظمت قرآن مجید میں

(۱) كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(پ ۴ ـ سورۂ آلِ عمران ع ۱۲) مولانا اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں: "تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت ...

(ب) "جو اُمّتیں ہدایتِ مردم کے لیے پیدا کی گئیں، اُن میں تم سب سے بہتر ہو، نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور بدی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو" (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) یہ آیت اس امر میں نصِ قطعی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ کرام کی جماعت سب اُمّتوں اور جماعتوں سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اصحابِ رسولؐ کی ان صفاتِ کاملہ کا یہاں ذکر فرمادیا ہے جو ان میں بالفعل موجود تھیں یعنی نیکی کا حکم دینا، برائیوں سے منع اور تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط سے یہ بتلا دیا کہ اصحاب کا امر و نہی کرنا صرف ظاہراً دکھلاوے یا دنیوی اغراض کے لیے نہیں ہے بلکہ وہ حقیقتاً اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط (تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو) چونکہ یہ آیت مذہبِ شیعہ کے اس عقیدہ ہی کو بیخ و بن سے اُکھاڑنے والی ہے جو وہ صحابہ کرام کے متعلق رکھتے ہیں۔ اس لیے شیعہ مفسّرین نے اس آیت میں لفظی تحریف کا اقرار کرلیا ہے چنانچہ شیعہ مفسّر مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی آیت کا ترجمہ تو یہی کرتے ہیں کہ :- جو اُمّتیں ہدایتِ مردم کے لیے پیدا کی گئیں ان میں تم سب سے بہتر ہو الخ لیکن اپنے مذہبی عقیدہ کی بنا پر حاشیہ میں اس کے خلاف یہ لکھتے ہیں کہ :- تفسیرِ قمی میں جناب امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ کسی نے اُن کے سامنے پڑھا :- كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ، تو حضرت نے فرمایا کہ آیا وہ اُمّت خیرِ اُمّت ہے جس نے جناب امیر المؤمنین و حسنین علیہما السلام کو قتل کیا۔ اس پڑھنے والے نے عرض کیا کہ میں آپ پر فدا ہوں، یہ آیت کیونکر نازل ہوئی تھی، فرمایا! اس طرح نازل ہوئی تھی :- اَنْتُمْ خَیْرَ اَئِمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ط کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ اُن کی مدح اس طرح فرماتا ہے :- تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ط (ترجمہ مقبول)

لیجئے! آیت میں لفظ اُمَّةٍ کا ہے اور شروع سے کر آج تک قرآن مجید کے نسخوں میں یہی لفظ لکھا ہوا ہے۔ عالمِ اسلام کے لاکھوں حفّاظِ قرآن اس آیت میں لفظ اُمَّةٍ ہی پڑھتے ہیں، اور خود مولوی مقبول احمد صاحب موصوف نے بھی لفظ اُمَّةٍ کا ہی ترجمہ جماعت لکھا ہے۔ اب چاہئے تو یہ تھا کہ جس طرح قرآن مجید میں مذکور ہے اسی پر ایمان رکھا جاتا اور حضورِ خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جماعتِ صحابہ کو تمام اُمّتوں اور جماعتوں سے بہتر اور افضل قرار دیا جاتا۔ لیکن آیت کی تفسیر میں اس کے خلاف امام جعفر صادق کی طرف ایک منسوب روایت نقل کردی کہ یہاں بجائے اُمَّةٍ کے اَئِمَّةٍ کا لفظ تھا، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم تمام ائمہ سے بہتر ہو۔ (ب) اور آیت میں لفظ اُمَّةٍ کے صحیح نہ ہونے کی دلیل یہ پیش کر رہے ہیں کہ جن لوگوں نے حضرت علی، حضرت

حسن اور حضرت حسین کو قتل کیا، کیا وہ بہتر اُمت ہو سکتی ہے؟" حالانکہ معمولی علم و فہم والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سب جماعتوں سے بہتر فرمایا ہے، وہ اوّلین درجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی جماعت ہے۔ فرمائیے! کیا کسی صحابی نے حضرت علی المرتضیٰ کو قتل کیا ہے اور کیا کسی صحابی کے ہاتھ سے حضرت امام حسین قتل کیے گئے۔ وہ تو بعد کے واقعات ہیں اور آیت میں مخاطب وہ مومنین کاملین ہیں جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے۔ ان کے بعد دیگر مومنین بھی درجہ بدرجہ خیر اُمت میں شامل ہو سکتے ہیں اور یہ نسبت سابقہ امتوں کے بحیثیتِ مجموعی اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ سب سے افضل ہے۔ لیکن اس اُمت میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل اُمت ہیں، اور یہ ایک پوری جماعت ہے۔ جن میں چاروں خلفائے راشدین کے علاوہ حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ اور دیگر صحابہ بھی شامل ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (ج) آیت سے مراد ائمہ تو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ آیت میں ان مومنین کی صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مذکور ہے حالانکہ حسبِ اعتقادِ شیعہ ائمۂ اہل بیت تو ہمیشہ تقیہ ہی کرتے رہے اور اپنے مذہب حق کو کھلم کھلا کبھی ظاہر نہیں کیا اور ان کا یہ تقیہ بھی دین کے نو حصوں پر محیط ہے۔ بہرحال قرآن مجید کی اس آیت میں لفظِ اُمّۃٍ کو غلط قرار دینے کی بنا پر ثابت ہوا کہ دورِ حاضر کے شیعہ مفسرین بھی قرآن مجید میں لفظی تحریف کے قائل ہیں۔

۷۳ فرقوں کی عظیم پیشگوئی

رسول کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاں بہت سی مہتم بالشان پیشگوئیاں احادیث میں مذکور ہیں وہاں یہ عظیم پیشگوئی بھی مذکور ہے کہ میری اُمت میں تہتر (۷۳) فرقے پیدا ہوں گے۔ جن میں صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا، اور یہ پیشگوئی اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی کتبِ حدیث میں مذکور ہے۔

احادیثِ اہل سنت

اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین مِلَّةً وتفترق اُمَّتِیْ علیٰ ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ وَفِیْ روایۃ احمد و ابی داؤد عَنْ معاویۃ ثنتان وسبعون فی النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ وَهِیَ الجماعۃ۔ (مشکوٰۃ شریف بَابُ الْاِعْتِصَام بالکتاب وَالسُّنَّۃ) :۔ "تحقیق بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے اور میری اُمت تہتر (۷۳)

فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے سوائے ایک فرقہ کے باقی سب دوزخ میں جائیں گے۔ اصحاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ وہ ایک فرقہ کونسا ہوگا (جو جنّت میں جائے گا) تو فرمایا کہ جو لوگ میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور مسند احمدؒ اور ابو داؤدؒ میں حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ تہتّر (۷۳) فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک فرقہ جنّت میں جائے گا اور وہ الجماعۃ ہے۔"

(۲) دوسری روایت میں ہے :۔ وَعَن ابن عمرؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلّی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه لا یجمع اُمّتی اَوْ قال اُمّـة محـمّد علیٰ ضلالةٍ وَیَدُ اللّٰه علی الجماعة ومن شذّ شذّ فی النّار رَوَاهُ الترمذی۔ (ایضاً مشکوٰۃ شریف) :۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ بے شک میری اُمّت یا یہ فرمایا کہ اُمّتِ محمدؐ گمراہی پر کبھی اکٹھی نہیں ہوگی، اور اللہ کا ہاتھ اوپر الجماعۃ کے ہے اور جو اس جماعت سے علیحدہ ہوا وہ دوزخ میں گرا دیا جائے گا، اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

(۳) وعنه قال قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شذ فی النّار رواه ابن ماجه من حدیث انسؓ۔ :۔ (ایضاً مشکوٰۃ شریف" اور حضرت ابن عمرؓ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ سوادِ اعظم (سب سے بڑی جماعت) کی پیروی کرو۔ کیونکہ جو شخص اُن سے جدا ہوا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے حضرتِ انسؓ کی حدیث سے۔" (مشکوٰۃ شریف)، ان احادیث سے ثابت ہوا کہ اُمّت کے تہتّر (۷۳) فرقوں میں سے وہی لوگ جنّتی ہوں گے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کی جماعت صحابہ کے طریقہ پر چلنے والے ہوں گے۔

احادیثِ مذہبِ شیعہ

اہلِ سُنّت کی طرح احادیثِ شیعہ میں بھی اُمّت کے تہتّر (۷۳) فرقوں کی یہ پیشگوئی مذکور ہے۔ چنانچہ (۱) امام محمد باقرؒ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :۔ تفرقت النصاری بعد عیسیٰ علیه السّلام علیٰ اثنین وسبعین فرقة" فرقة منها فی الجنّة واحدی وسبعون فی النّار وتفرقت هذه الامّة بعد نبیّها صلّی اللّٰه علیه واٰله علیٰ ثلث وسبعین فرقةً اثنتان وسبعون فرقةً فی النّار وفرقة فی الجنّة۔ ومن الثلث وسبعین فرقة ثلث عشرة فرقة تنتحل ولایتنا ومودتنا اثنتاعشرة فرقةً منها فی النّار وفرقة فی الجنّة وستّون فرقةً من سائر النّاس

فی النّار :- (فروع کافی جلد سوم، کتابُ الرّوضہ صلا مطبوعہ لکھنؤ) :۔" امام محمد باقر نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بعد نصاریٰ کے بہتّر (۷۲) گروہ بنے، جن میں سے ایک فرقہ اُن کا جنّت میں جائے گا اور اکہتّر (۷۱) فرقے دوزخ میں جائیں گے اور نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد یہ اُمّت تہتّر (۷۳) فرقوں میں منقسم ہو جائے گی، جن میں سے بہتّر (۷۲) فرقے جہنّم میں اور ایک فرقہ جنّت میں جائے گا۔ ان میں سے تیرہ (۱۳) فرقے ہماری ولایت اور ہماری نبوّت کے مدّعی ہوں گے۔ اُن میں سے بارہ (۱۲) فرقے دوزخ میں اور ایک جنّت میں جائے گا اور دوسرے لوگوں میں سے ساٹھ (۶۰) فرقے دوزخ میں جائیں گے۔"

ایک سوال

جب تیرہ (۱۳) فرقے شیعوں کے ہوں گے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے تو شیعہ علماء بتائیں کہ پاکستان میں وہ ایک جنّتی فرقہ ان میں سے کون ہے اور باقی بارہ (۱۲) دوزخی فرقے ان میں سے کون کون سے ہیں ؟

(۲) علّامہ ابن بابویہ قمی المعروف بہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب "خصال" میں یہ روایت درج کی ہے کہ رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :- اِنَّ اُمَّتِیْ ستفترق علی اثنتین وسبعین فرقۃً یھلک احدی وسبعون ویتخلص فرقۃ قالوا یارسول اللّٰہ من تلک الفرقۃ قال الجماعۃ الجماعۃ الجماعۃ (کتاب خصال، جلد دوم صلا مطبوعہ ایران) :- بیشک میری اُمّت عنقریب بہتّر (۷۲) فرقوں میں منقسم ہوگی، جن میں سے اکہتّر (۷۱) فرقے ہلاک ہوں گے اور ایک فرقہ خلاصی پائے گا۔ انہوں نے (یعنی اصحابؓ نے) عرض کی، وہ فرقہ کونسا ہوگا۔ فرمایا ! الجماعۃ، الجماعۃ، الجماعۃ۔ (ب) دوسری روایت میں ہے :- ان اُمّتی ستفترق بعدی علی ثلث وسبعین فرقۃ فرقۃ ناجیۃ واثنتان وسبعون فی النّار :- رسولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے بعد میری اُمّت عنقریب تہتّر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی، جن میں سے بہتّر (۷۲) فرقے دوزخ میں ہوں گے اور ایک فرقہ نجات پانے والا ہوگا۔ (ایضاً خصال ص۱۴۲)

فرقہ ناجیہ کونسا ہے ؟

اہلِ سُنّت کی احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ ناجی فرقہ (یعنی جہنّم سے نجات پانے والا فرقہ) وہی ہوگا جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کا پیروکار ہوگا۔ یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت اور طریقے اور اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقہ

کو ہی جنّت کا راستہ تسلیم کریں گے اور ان دو شرعی بنیادوں کا انکار کریں گے یا ان میں سے کسی ایک کا انکار کریں گے تو وہ لوگ جہنّم کی راہ پر چلنے والے (غیر ناجی) ہوں گے، اور دوسری احادیث میں جو الجماعۃ سے وابستہ رہنے کی تاکید فرمائی ہے اس سے مراد بھی اوّلاً رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فیض یافتہ جماعتِ مقدسہ ہے جن کو اصحابِ رسُول کہا جاتا ہے اور بعد ان کے ہر وہ جماعت جو سُنّت اور صحابہ کی راہ پر چلنے والی ہو، اور مذکورہ حدیث یعنی مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ کا مضمون قرآن مجید کی حسب ذیل آیت میں بھی مذکور ہے:۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۵ (پ ۵۔ النساء، ع ۱۷):۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس آیت کا یہ ترجمہ لکھا ہے:۔ "اور جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو امرِ حق ظاہر ہوچکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے رستے ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دیں گے اور اس کو جہنّم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔"

(ب) اور مولوی مقبول احمد صاحب دہلوی شیعہ مفسّر کا ترجمہ یہ ہے:۔ "اور جو شخص بعد اس کے کہ حق اس کے لیے کھُل جائے رسول کی مخالفت اختیار کرے گا اور مومنوں کے راستہ کے سوا اور کوئی راہ اختیار کرے گا ہم بھی اُسے اس راہ پر چلائیں گے اور اُسے جہنّم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔" (ترجمہ مقبول) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مخالفت کریں اور ان لوگوں کے لیے جو المؤمنین کے راستہ کو چھوڑ کر اور کوئی راستہ اختیار کریں جہنّم میں داخل کرنے کی وعید سُنائی ہے اور ظاہر ہے کہ المؤمنین سے اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی مُراد ہیں جو براہِ راست رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم سے شریعت کا علم و عمل حاصل کرنے والے ہیں۔ کتابُ اللہ کے الفاظ و معانی سیکھنے والے ہیں اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی صفتِ تزکیہ کے تحت قلوب و ارواح کو پاک کرنے والے ہیں، اور یہی وہ جماعتِ رسول ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران کی آیت میں کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ کا ممتاز لقب عطا فرمایا ہے، تو گویا حدیث شریف میں جو مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ کا مضمون تھا وہ سورۃ النّساء کی مذکورہ آیت کا ہی بیان ہے۔ لہذا نہ صرف حدیث نبوی بلکہ قرآنی وحی سے بھی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد اس اُمّت کے لیے

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی معیارِ حق ہیں کہ جن کی پیروی میں جنت اور جن کی نافرمانی میں جہنم ملتی ہے علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ :- اکابر علماء نے اس آیت سے یہ مسئلہ بھی نکالا ہے کہ اجماعِ امت کا مخالف اور منکر جہنمی ہے یعنی اجماعِ اُمّت کو ماننا فرض ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے مسلمانوں کی جماعت پر، جس نے جدا راہ اختیار کی وہ دوزخ میں جا پڑا۔

احادیثِ شیعہ کی بنا پر بھی اصحابِ رسول معیارِ حق ہیں

"فروعِ کافی" کی مذکورہ حدیث جس میں تہتر (۷۳) فرقوں کی پیشگوئی مذکور ہے، اس میں گو جنتی ہونے کے لیے ائمہ کی ولایت و محبت کو ماننا شرط قرار دیا گیا ہے لیکن ایک دوسری حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اصحابِ رسول کے طریقے کو ماننا ضروری ہے۔ چنانچہ شیعہ مذہب کی مشہور، اور مستند کتاب "احتجاجِ طبرسی" میں (جس کے مصنف شیخ احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی ہیں) حضرت علی المرتضیٰ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے :- وروی عنه صلوات الله علیه ان رسول الله قال ما وجدتم فی کتاب الله عزّو جلّ فالعمل لکم به ولا عُذر لکم فی ترکه وما لم یکن فی کتاب الله عزّوجلّ وکانت فیه سنّة منّی فلا عذر لکم فی ترک سُنّتی وما لم یکن فیه سنّة منّی فما قال اصحابی فقولوا۔ انما مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم بایها اخذ اهتدی وبای اقاویل اصحابی اخذتم اهتدیتم واختلاف اصحابی رحمة۔" :- امیر المومنین! حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کتابُ اللہ میں جو کچھ پاؤ تو اس پر تمہارے لیے عمل کرنا ضروری ہے اور اس کے چھوڑنے میں تمہارے لیے کوئی عذر نہیں ہے اور جو بات کتابُ اللہ عزّوجلّ میں نہ پائی جائے، اور وہ میری سُنّت میں پائی جائے تو تمہارے لیے میری سُنّت کے ترک کرنے میں کوئی عُذر نہیں، اور جس امر میں میری سُنّت نہ پائی جائے تو جو میرے اصحاب کہیں وہی تم کہو۔ تحقیق تمہارے درمیان میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں ان میں سے جس ستارہ کو لیا جائے، اس سے ہدایت ہو جاتی ہے اور میرے اصحاب میں سے جو قول بھی تم لے لو تم ہدایت پا جاؤ گے اور میرے اصحاب کا اختلاف رحمت ہے۔"

اس حدیث نے تو اہلِ سُنّت والجماعت کے عقیدہ کی حرف بہ حرف تائید کر دی کہ سُنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحابِ رسول ہی کا مقام ہے اور انہی کی پیروی میں جنّت ملتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تمام

اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم ہدایت کے ستارے ہیں، ان میں سے جس کی بھی پیروی کی جائے، ہدایت ملتی ہے اور صحابہ کرام کا باہمی اختلاف بھی اُمّت کے لیے ایک رحمت ہے، اور اہل سنّت کی اس حدیث میں بھی یہی مضمون مذکور ہے کہ :- اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔" رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں کہ جس کے پیچھے چلوگے ہدایت پاؤگے" یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اُصُولِ دین میں اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جو کچھ اختلاف ہے وہ فروعات میں ہے اور وہ بھی اجتہادی اختلاف پر محمول ہے، جیسا کہ انبیائے کرام علیہم السّلام کا اُصُولِ دین میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اُن کی شریعتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، اور اس آخری اُمّت کے لیے فروعات دین میں سہولت کیلئے اجتہادی اختلاف کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اصحاب یا مجتہدینِ اُمّت کا یہ اختلاف بھی کتاب وسُنّت کے اصول کی روشنی میں ہوتا ہے۔

اِمامِ ربّانی کا اِرشاد

امامِ ربّانی حضرت مجدّد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث مَآ اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ :- "اما پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا بر تمیز فرقہ واحدہ ناجیہ ازاں فرق متعددہ فرمودہ است آنست الذین ھم ما انا علیہ واصحابی یعنی آں فرقہ واحدہ ناجیہ آنند کہ ایشاں بطریقے اند کہ من براں طریقم واصحابِ من براں طریق اند وذکرِ اصحاب باوجود کفایت بذکر صاحب شریعت علیہ الصلوٰۃ والتحیہ دریں موطن برائے آں تواند بود کہ تا بدانند کہ طریقِ من ہماں طریق اصحاب است وطریق نجات منوط باتّباع طریق ایشانست وبس۔ چنانچہ حق سُبحانہٗ فرمودہ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ پس اطاعتِ رسول عین اطاعتِ حق است وخلاف اطاعتِ او صلّی اللہ علیہ وسلّم عین معصیتِ او تعالیٰ وتقدّس پس در ما نحن فیہ دعوی اتّباع آں سرور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام بخلاف اتّباع طریقِ اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دعوی باطل است، بلکہ آں اتّباع فی الحقیقت عین معصیتِ رسول است علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ...... وشک نیست کہ فرقہ ملتزم اتّباع اصحاب آں سرور اند علیہ وعلیہم الصّلوات والتّسلیمات اہل سُنّت وجماعت اند شکر اللہ تعالیٰ سعیہم فہم الفرقۃ الناجیۃ چہ طاعناں اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصّلوات والتحیات خود از اتّباع ایشاناں محروم اند ...... وطعن کردن در

اصحاب فی الحقیقت طعن کردن است بہ پیغمبر خدا جلّ شانہٗ۔ مَا اٰمَنَ بِالرَّسُوْلِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ۔ (مکتوبات مجدّد الف ثانی جلد اوّل نمبر ۴۱ ص۵۰۱) :- "یعنی متعدد فرقوں میں سے ناجی فرقہ کی تمیز کے لیے جو دلیل حضور پیغمبر صادق صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمائی ہے وہ اَلَّذِیْنَ ھُمْ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ ہے۔ یعنی اس ناجی فرقہ کے لوگ وہ ہیں جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقے پر چلنے والے ہیں اور اس مقام میں باوجودیکہ خود صاحب شریعت رسولِ خدا صلّی علیہ وسلّم کا ذکر کافی تھا۔ صحابہ کرام کے ذکر کی وجہ یہ ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے اصحاب کا طریقہ ہے، اور راہِ نجات فقط ان کے طریقے کی پیروی سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :- مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ط :- "جو شخص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی کرے، اس نے اللہ تعالیٰ ہی کی پیروی کرلی" پس اطاعتِ رسولؐ بالکل اطاعت حق ہے اور اطاعتِ رسول نہ کرنا عین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے ---- پس اس سلسلہ میں اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے طریقہ کی مخالفت کرنے کے باوجود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ بلکہ خلافِ اصحاب کسی کی اتباع درحقیقت رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نافرمانی ہے ..... اور اس میں شک نہیں ہے کہ جو فرقہ اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کو لازم قرار دیتا ہے وہ اہلِ سُنّت وجماعت ہی ہیں۔" اللہ تعالیٰ اُن کی کوششیں قبول فرمائے"۔ پس یہی فرقہ ناجیہ ہے کیونکہ اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم پرطعن کرنے والے، اصحاب کی پیروی سے محروم رہتے ہیں --- اور اصحابِ رسول پر طعن کرنا دراصل رسُولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم پرطعن کرنا ہے، اور جس نے اصحابؓ کی عزّت نہ کی وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں لایا"۔

(ب) اختلافِ صحابہ کے بارے میں حضرتِ مجدّد قدس سرّہٗ فرماتے ہیں :- متابعت جمیع اصحاب در اُصُولِ دین لازم است وہرگز در اُصُول اختلافے ندارند۔ اگر اختلاف است در فروع است (وایضاً مبلّغان شریعت جمیع اصحاب اند کما مرّ، لانّ الصحابۃ کلھم عدول ..... واختلافے کہ درمیان اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصّلوات والتسلیمات واقع شدہ، نہ از ہوائے نفسانی بود چہ نفوسِ شریفہ ایشاں تزکیہ یافتہ بودند واز امارگی باطمینان رسیدہ ہوائے ایشاں تابع شریعت شدہ بود وآں اختلاف مبنی بر اجتہاد بود واعلائے حق۔ پس مُخطی ایشاں نیز درجہ واحد دارد عنداللہ ومُصیب را خود دو درجہ است۔ پس زبان را از جفائے ایشاں باز باید داشت وہمہ را بنیکی یاد باید

کرو۔ قال الشافعی رحمه الله سبحانه تلك دماء طهر الله عنها ایدینا فلنطهر عنها ألسنتنا۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اوّل نمبر ۱۳) :۔ تمام اصحاب کی پیروی اُصول دین میں ضروری ہے اور ہرگز ان کا اختلاف اُصول دین میں نہیں ہے۔ اگر اختلاف ہے تو فروع میں ہے اور تمام اصحاب شریعت کے مبلّغ ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ عادل ہیں ---- اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اصحاب کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے وہ نفسانی خواہش کی بنا پر نہ تھا۔ کیونکہ اُن کے شریف نفس پاک ہو چکے تھے اور امّارگی سے پاک ہو کر مطمئنّہ بن چکے تھے۔ اُن کی خواہشات شریعت کے تابع ہو چکی تھیں بلکہ اُن کا باہمی اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور کلمۂ حق کے بلند کرنے کے لیے تھا۔ پس ان میں سے جس سے اجتہادی خطا ہوئی ہے اس کو بھی اللہ کے ہاں ایک درجہ ملے گا اور جس کا اجتہاد صحیح تھا اس کو خود دو درجے ملیں گے۔ پس اُن پر جفا اور ظلم کا الزام لگانے سے اپنی زبان کو باز رکھنا چاہیے اور سب صحابہ کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہیے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔ "یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں"۔

اہل السُنّت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہیں

جب قرآن مجید کی آیات محکمات اور احادیثِ اہل سُنّت و احادیثِ شیعہ سے سنّتِ رسول اور جماعت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دینی عظمت، شرعی حجّیت، اور حق و باطل۔ مدارِ جنّت و دوزخ میں ان کا معیارِ حق ہونا واضح ہو گیا تو پھر سوائے اہل السنّت والجماعت کے نام و عنوان کے اور کونسا بہتر اور جامع نام ہو سکتا ہے جس کی بنا پر فرقہ ناجیہ کو دوسرے باطل فرقوں سے امتیاز حاصل ہو سکے، اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رحمۃ للعالمین، صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہّرات کے علاوہ اہل بیت کی عظیم شخصیتیں حضرت علی المرتضیٰ، خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃ الزہراء اور جنّت کے جوانوں کے سردار حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی بوجہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کے فیض یافتہ ہونے کے اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جماعتِ مقدّسہ میں شامل ہیں۔ باوجود قرابتِ نبوی ان حضرات کے عظیم فضائل کی بنا بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانا اور انوارِ نبوّت اور فیضانِ صحبت سے تزکیۂ نفوس اور تصفیۂ قلوب کی نعمتِ عُظمیٰ حاصل کرنا ہے۔ صحابہ کرام میں مہاجرین ہوں یا انصار۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اقرباء ہوں یا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح قرابتِ نسبتی رکھتے ہوں۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ

نے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمادیا ہے اور ان کو جنّت کی بشارتیں دی گئی ہیں ۔ اس لیے اُمتِ محمدیہ کے متعدد اور مختلف فرقوں میں سے اگر کوئی فرقہ اپنے اُصُول وعقاید کی بنا پر مقبول اور جنّتی ہوسکتا ہے تو وہی اور صرف وہی ہوسکتا ہے جو رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس پسندیدہ اور جنّتی جماعت یعنی صحابہ کرام کی محبّت اور پیروی کو راہِ جنّت کا نشان اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت و اطاعت کا مؤثر واحد ذریعہ اور واسطہ مانتا ہے اور ایسا فرقہ سوائے اہل السنّت والجماعت کے اور کوئی نہیں ہوسکتا ۔

ازرُوئے احادیثِ شیعہ سُنّت وجماعت پر مرنے والا عذاب سے محفوظ رہے گا ۔

(۱) شیعوں کے شیخ ابن بابویہ قمی المعروف بہ شیخ صدوق (جو کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ" کے مؤلف ہیں) اپنی کتاب "جامع الاخبار" میں لکھتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے رسول خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ ارشاد فرمایا کہ :-

لیس علیٰ من مات علی السنّۃ والجماعۃ عذاب القبر ولا شدۃ یوم القیامۃ ۔ (جامع الاخبار)

:- جو شخص سُنّت اور جماعت پر مرے گا اس پر قبر کا عذاب نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر قیامت کی سختی ہوگی ۔" چونکہ اس حدیث قُدسی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل السُنّت والجماعت پر قبر اور قیامت کا عذاب نہیں ہوگا ۔ اس لیے اسی کتاب "جامع الاخبار" کا ترجمہ شیعوں کے ادیبِ اعظم سید ظفر حسن صاحب امروہوی نے بنام "تحفۃ الابرار" مطبوعہ کراچی شائع کیا ہے ۔ اس میں اس حدیث کا ترجمہ ہی غلط لکھ دیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں :- " اے محمدؐ ! جو شخص جماعت کی سُنّت پر قائم رہتا ہے بعد مرگ اس پر عذابِ قبر نہیں ہوتا اور نہ قیامت کی سختی اُسے پیش آتی ہے ۔" (ص۱۳۶) ۔ حدیث کے عربی الفاظ ہیں علی السنّۃ والجماعۃ ، یہاں واؤ حرفِ عطف ہے لہٰذا معنیٰ یہ ہوگا :- "سُنّت اور جماعت پر" اور ادیبِ اعظم صاحب کا ترجمہ :- "جماعت کی سُنّت پر" تب صحیح ہوتا جبکہ حدیث میں واؤ حرفِ عطف نہ ہوتا اور ترکیب اضافی ہوتی اور الفاظ یہ ہوتے :- علیٰ سُنّۃ الجماعۃ :- "اُوپر جماعت کی سُنّت کے" - اس میں سُنّۃ مضاف اور الجماعۃ مضاف الیہ بنتا ہے ۔ یہ ہے ادیبِ اعظم کے ترجمہ کا حال اور یہ وہی ادیب اعظم صاحب ہیں جنہوں نے "اُصُولِ کافی" مکمّل اور فروعِ کافی کی پہلی جلد کا ترجمہ کیا ہے ۔ (۲) شیخ صدوق کی اسی کتاب "جامع الاخبار" میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :- اَلَا وَمَن مَاتَ علیٰ حُبّ

اہل محمدؐ مات علی السنّۃ و الجماعۃ۔ (صـ۱۶۶) :۔ ”خبردار! جو شخص حُبِّ آلِ محمدؐ پر مرے گا وہ سُنّت اور جماعت پر مرے گا“ اس حدیث سے بھی چونکہ ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کو حُبِّ آلِ محمدؐ حاصل ہوگی اس کی موت سُنّت اور جماعت پر آئے گی اور یہ مطلب شیعہ مذہب کے بالکل خلاف پڑتا ہے۔ اسلئے ادیبِ اعظم صاحب موصوف نے اس حدیث کا حسبِ ذیل ترجمہ بھی بالکل غلط لکھ دیا ہے کہ :۔ ”جو محبّتِ آلِ محمدؐ پر مرا، وہ نکوکار و پرہیزگار مرا“ (تحفۃ الابرار صـ۳۰۹) یہاں ادیبِ اعظم صاحب نے حدیث کے الفاظ السُّنّۃ والجماعۃ کا ترجمہ بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور اُن کی جگہ ترجمہ میں نیکوکار اور پرہیزگار کے الفاظ لکھ دیئے ہیں حالانکہ اس حدیث میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ پرہیزگار اور نیکوکار ہو۔

قارئین کرام! اس ترجمہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے بڑے بڑے عُلَماء و اُدَباء کو تقیہ کس کس مقام تک پہنچا دیتا ہے۔ عبرت! عبرت! عبرت۔ بہرحال اس حدیثِ شیعہ سے اس پروپیگنڈے کی تردید ہوگئی ...... کہ اہل السنّت والجماعت کو آلِ محمدؐ سے محبّت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ محبّتِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم صرف اہل السنّت والجماعت کو ہی نصیب[1] ہوئی ہے۔ (۳) اسی حدیث مذکور کا ترجمہ جو ایک شیعہ عالم ڈاکٹر نورحسین صاحب صابر جھنگ سیالوی نے کیا ہے وہ یہ ہے :۔ ”خبردار رہو! جو محبّتِ آلِ محمدؐ میں مراوہ اہل السنّت والجماعت ہوکر مرا“ (ثبوتِ خلافت حصّہ اوّل صـ۱۷۳) یہ ترجمہ صحیح ہے اور اس ترجمہ سے بھی ادیبِ اعظم صاحب کے ترجمہ کی غلطی واضح ہوجاتی ہے۔

ایک مُعَمّہ

ڈاکٹر مولوی نورحسین صاحب جھنگوی نے ترجمہ تو صحیح لکھا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی کتاب ”ثبوتِ خلافت“ کے ٹائٹل پر ان کے نام کے ساتھ ”سابق سُنّی“ بھی لکھا ہوا اور مصنّف ”فلاح الکونین“ نے بھی اُن کا نام علماء کی اس فہرست میں لکھا ہے جنھوں نے مذہب اہل سُنّت والجماعت کو چھوڑ کر شیعہ مذہب اختیار کیا ہے۔ لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ جب شیعہ مذہب کی حدیث میں ہی یہ لکھا ہے کہ آلِ محمدؐ سے محبّت کرنے والا اہل السنت والجماعت ہوکر مرتا ہے، اور ڈاکٹر صاحب خود بھی اس کا یہی

---

[1] شیعہ مجتہد مولوی حسین بخش نے ”انوار النجف“ کے مقدّمہ میں ترجمہ یہ لکھا ہے :۔ آگاہ ہوکر جو شخص آلِ محمدؐ کی محبت لے کر مرتا ہے وہ سنّت وجماعت پر ہوکر مرتا ہے۔ (صـ۲۳)

ترجمہ کر رہے ہیں تو کیا انہوں نے اس بنا پر مذہبِ اہلِ سُنّت کو چھوڑا ہے کہ اس میں آلِ محمدؐ کی محبّت لازم آتی تھی، اور چونکہ وہ آلِ محمدؐ کی محبّت پر مرنا نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے سُنّی مذہب کو چھوڑ دیا۔ کیا کوئی شیعہ عالم اس مُعمّہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا ؟ ع۔ این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

اہلِ السنّت والجماعت کے الفاظ کا ثبوت

احادیث اہل سنّت اور احادیثِ شیعہ سے سُنّت اور جماعت کی شرعی عظمت ثابت ہونے کے بعد گو اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ قرآن اور حدیث یا اصحاب سے اہل سنت والجماعت کے بھی الفاظ ثابت کیے جائیں۔ کیونکہ جو شخص بھی سُنّت اور جماعت رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مانتا ہے اس کو اہل السنّت والجماعت ہی کہا جائے گا، اور اہل کا لفظ تو نسبت کے لیے آتا ہے۔ دراصل ثبوت تو سُنّت اور جماعت کا چاہیے جو الحمدللہ ثابت کر دیا گیا۔ لیکن بعض غالی شیعہ ذاکرین اور علماء عوام اہل سنّت کو ورغلانے کے لیے یہ کہتے رہتے ہیں کہ لفظِ شیعہ قرآن میں موجود ہے۔ مگر اہل السنّت والجماعت کے الفاظ قرآن میں موجود نہیں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جُہلاء ذاکرین چیلنج بھی دے دیا کرتے ہیں کہ کوئی سُنّی عالم قرآن و حدیث یا صحابہ کرام سے یہ الفاظ ثابت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس قسم کے جُہلاء ذاکرین کے پروپیگنڈے کے انسداد کے لیے ہم یہاں اہل السُنّت یا اہل السُنّت والجماعت کے الفاظ کا ثبوت بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ ہر پہلو سے مذہب اہل السُنّت والجماعت کی حقانیّت واضح ہو جائے۔

اہلِ سُنّت کی تعریف حضرت علیؓ کی زبان سے

مذہبِ شیعہ کی مستند کتاب "احتجاج طبرسی" میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ میں خطبہ دے رہے تھے تو ایک شخص نے آپ سے یہ دریافت کیا کہ اَھلُ الجماعۃ - اَھلُ الفرقۃ - اَھلُ البدعۃ اور اَھلُ السُنّۃ کون لوگ ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا :- اما اھل الجماعۃ فانا ومن اتبعنی وان قلوا وذلك الحق عن امر اللہ عزوجل وعن امر رسولہ۔ واھل الفرقۃ المخالفون لی ومَن اتبعنی وان کثروا۔ واما اھل السُنّۃ فالمتمسکون بما سَنّہُ اللہ ورسولہ وان قلّوا۔ واما اھل البدعۃ فالمخالفون لامر اللہ ولکتابہ

ولرسوله العاملون بر أيهم وأهواءهم وان كثروا (صـ۸۴) :- "اہل الجماعۃ میں ہوں اور وہ لوگ جو میری اتباع کریں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں اور یہ حق ہے اللہ تعالیٰ کے امر سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے، اور اہل الفرقۃ وہ ہیں جو میرے مخالف ہیں اور میری پیروی کرنے والوں کے مخالف ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں، اور اہل السُنّۃ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے طریقے (حکم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں، اور اہل بدعۃ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں جو اپنی آراء اور خواہشات پر عمل کرنے والے ہیں اگرچہ وہ زیادہ ہوں"

یہاں حضرت علی المرتضیٰ نے اہل السُنّت اور اہل الجماعت کی اصطلاح استعمال کی ہے اور ان کی تعریف کی ہے اور اُن کے مقابلہ میں اہل بدعت اور اہل فرقہ کی مذمّت فرمائی ہے اس سے ثابت ہوا کہ (ا) حضرت علی المرتضیٰ کے نزدیک اہل السُنّت والجماعت ہی حق پر ہیں اور خود حضرت علیؓ بھی اہل السُنّت والجماعت ہیں (ب) یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سائل نے اہل سُنّت کے متعلق تو آپ سے دریافت کیا ہے لیکن شیعہ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا، اور حضرت علی المرتضیٰ نے بھی جواب میں اہل سُنّت کی تعریف فرمائی ہے، شیعوں کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں شیعہ مذہب کا وجود بھی نہ تھا۔ اگر کہیں لفظِ شیعہ استعمال کیا گیا ہے تو لُغوی معنیٰ میں نہ کہ مذہبی معنیٰ میں۔ (ج) چونکہ اہل سُنّت اور شیعہ دونوں آپس میں متضاد ہیں اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت شیعہ مذہب تو تھا اور سچا بھی تھا لیکن چونکہ سائل نے شیعہ کے متعلق دریافت نہیں کیا اس لیے حضرت علی المرتضیٰ نے شیعہ کی تعریف ضروری نہیں سمجھی۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیعہ مذہب کا اُس وقت وجود بھی تھا، اور شیعہ مذہب سچا بھی ہو تو ان مختلف مذاہب کے تذکرہ میں حضرت خود بھی شیعہ مذہب کی تعریف نہ کریں۔

علاوہ ازیں جب آپ نے اہل سُنّت کی تعریف فرما دی تو جو مذہب اس کے بالکل برعکس اور مخالف ہے، حضرت علیؓ اس کی تعریف کیونکر کر سکتے ہیں؟ ورنہ لازم آئے گا کہ العیاذ باللہ حضرت علیؓ المرتضیٰ سُنّی بھی تھے اور شیعہ بھی تھے۔ البتہ علمائے شیعہ یہ آخری تاویل کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے نزدیک شیعہ مذہب ہی برحق تھا لیکن از

رُوئے تقیہ آپ نے اس کا تو ذکر ہی نہیں فرمایا، اور اس کی جگہ اہل سُنّت کی تعریف کردی۔ گویا کہ ماتمی گروہ کے نزدیک شیرِ خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ اقتدار میں زبان سے بھی مجمع عام میں اعلانِ حق نہیں کرسکتے تھے اور آپ کی پالیسی یہ رہتی تھی کہ ع - باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیّاد بھی (د) بعض عالم نما جاہل ذاکر حضرت علی کے مذکورہ ارشاد میں اہل سُنّت کے لیے وان قلّوا کے الفاظ سے اور اہلِ بدعت کے لیے وان کثروا کے الفاظ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں اہل سُنّت اُنکو کہا گیا ہے جو تھوڑے ہیں اور اہل بدعت ان کو کہا گیا ہے جو زیادہ ہیں اور چونکہ اہل سُنّت ہونے کے مدّعی اپنی عظیم اکثریّت کی وجہ سے وان کثروا کا مصداق ہیں اس لیے یہ دراصل اہل بدعت میں سے ہیں۔ لیکن یہ استدلال محض جہالت پر مبنی ہے کیونکہ (ا) وَاِنْ قلّوا اور وَاِنْ کثروا کے الفاظ میں اِنْ وَصلیّہ ہے نہ کہ اِنْ مُخَفَّفَہ مِنَ الْمُثَقَّلَہ - اور مستدل نے اپنی جہالت سے یہاں اِنْ کو مُخَفّفہ سمجھ لیا ہے جس کا معنیٰ ہے "تحقیق"

(ب) اِنْ وصلیّہ میں وجود اور تحقّق مقصود نہیں ہوتا بلکہ بطور بالفرض ایک بات کی جاتی ہے تو حضرت علیؓ کا ارشاد یہ ہے کہ بالفرض اہل سُنّت تھوڑے بھی ہوں تو وہ حق پر ہوں گے اور اہل بدعت اگر زیادہ بھی ہوں تو وہ باطل پر ہوں گے۔ مثلاً حضرت علی کا ارشاد ہے:- انّ ولیّ محمد من اطاع اللہ وان بعدت لحمتہ وان عدوّ محمّد من عصی اللہ وان قربت قرابتہ - (نہج البلاغۃ ص۵۴۴) :- "بیشک حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا دوست وہی ہے جو اللہ کی اطاعت کرے۔ اگرچہ اس کی قرابت دُور کی ہو اور حضور کا دشمن وہ ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے اگرچہ اس کی قرابت قریب کی ہو" کیا کوئی اس عبارت میں اِنْ شرطیّہ وصلیّہ کے استعمال سے یہ مطلب حاصل کرسکتا ہے کہ جو لوگ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے قریبی رشتہ دار ہیں وہ اللہ کے نافرمان ہیں العیاذ باللہ۔ یہ جواب بعض جاہل ذاکرین کے اعتراض کی بنا پر دیا گیا ہے ورنہ کوئی شیعہ عالم دیانتداری سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ "اِحتجاجِ طبرسی" میں حضرت علی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جس فرقہ کی تعداد زیادہ ہے وہ اہل بدعت ہیں۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض جاہل معترض کے قول کے مطابق اگر اہل سُنّت بوجہ کثرت کے اہل بدعت ہیں العیاذ باللہ تو پھر یہ تو بتائیں کہ حضرت علیؓ کے ارشاد کے مطابق اس زمانہ میں اہل سُنّت کون لوگ ہیں؛ شیعہ تو اس کا مصداق ہو نہیں سکتے کیونکہ ان کو تو اہل سُنّت کے نام سے بھی نفرت ہے اور اگر ہم بھی اہلِ سُنّت

نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں اہلِ سُنّت اور اہل حق کا کوئی وجود ہی نہیں ؟ اور یہ بھی فرمائیں کہ حضرت امام مہدی بھی جب ظاہر ہوں گے تو وہ اہل سُنّت کے رہنما ہوں گے یا اہل بدعت کے ؟ ... ع !
نہ سمجھوگے تو پھر سمجھو گے تم یہ داستان کب تک ؟

حضرت علیؓ کی زُبان سے سوادِ اعظم کی تعریف

اہل السنّت والجماعت اپنے آپ کو "سوادِ اعظم" سے تعبیر کرتے ہیں اور اہلِ تشیّع اس کے خلاف ہیں۔ حالانکہ حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود سوادِ اعظم سے منسلک رہنے کا حکم دیا ہے :- والزموا السواد الاعظم فان یَدَ اللّٰہِ علی الجماعۃ :- "سوادِ اعظم کے ساتھ لگے رہو کیونکہ اللہ کا ہاتھ اوپر جماعت کے ہے" (نہج البلاغۃ)

حضرت ابن عباس کی زُبان سے اہلُ السُّنّت کی تعریف

(۱) حافظ عمادُ الدین ابن کثیر محدث سورۃ آل عمران ع ۱۱ کی آیت :- یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّ تَسۡوَدُّ وُجُوۡہٌ :- "اس روز کہ بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے" کے تحت لکھتے ہیں :- یعنی یوم القیٰمۃ حین تبیّض وجوہ اھل السنّۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ والفرقۃ قالہ ابن عباس - :- "یعنی قیامت کے دن جبکہ اہل السُنّت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت وفرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کا قول ہے" (۲) قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :- عن سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ قرأ ھٰذہ الاٰیۃ - قال تبیض وجوہ اھل السنّۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ -:- "حضرت سعید بن جبیر، حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ اہل سُنّت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت وفرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے" (تفسیر مظہری) (۳) علامہ سُیُوطیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں یہ روایت درج کی ہے :- عن ابنِ عباس فی ھٰذہ الاٰیۃ قال تبیض وجوہ اھل السنّۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ والضّلالۃ :- "حضرت عبداللہ بن عباس سے اس آیت کے تحت مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اہل السنّت والجماعت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت وضلالت کے چہرے

سیاہ ہوں گے" (تفسیر دُرِّ منثور جلد دوم، مطبوعہ بیروت صـ۶۳)

حضرت عمرؓ کا ارشاد

حدیث کی مشہور کتاب "سُنَنِ دَارمی" میں ہے کہ "عمرؓ بن خطاب کہتے ہیں کہ قریب ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ قرآن کے شبہوں ہونے پر تم سے جھگڑا کریں گے تو اُن کو حدیثوں کے ساتھ پکڑو۔ کیونکہ اصحابِ سُنَنْ اللہ کی کتاب کو خُوب جانتے ہیں" (دارمی مترجم صـ۴۷) یہاں حضرت عمرؓ فاروق نے اصحابِ سُنَن کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ سُنن جمع ہے سُنّت کی، اور اصحابِ سُنن اور اہل سُنّت کے الفاظ ایک ہی مفہوم کو ادا کرنے والے ہیں۔

رسولِ خُدا صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زُبان مبارک سے اَہلُ السُنّت کا ثبوت

(۱) تفسیر دُرِّ منثور ہی میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں یہ روایت لکھی ہے:۔ واخرج الخطیب فی رواۃ مالک والدیلمی عن ابن عمر عن النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم فی قولہ تعالیٰ یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ۔ قال تبیض وجوہ اھل السنّۃ وتسود وجوہ اھل البدع :۔ "حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اہل السُنّت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔"

(۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وَرَع اور تقویٰ کے بیان میں لکھتے ہیں :۔ ولا یعلم تفصیل ذٰلک الا بالاقتداء بالفرقۃ الناجیۃ وھم الصحابۃ فانہ علیہ السّلام لما قال الناجی منھا واحدۃٌ قالوا یارسول اللہ ومن ھم قال اھل السنۃ والجماعۃ فقیل ومن اھل السنّۃ والجماعۃ قال ما انا علیہ واصحابی (احیاء العلوم جلد ثالث مطبوعہ مصر صـ۱۹۹) :۔ "اور اس کی تفصیل فرقہ ناجیہ کی پیروی کے بغیر نہیں معلوم ہو سکتی اور وہ فرقہ ناجیہ صحابہ کرام ہیں۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے (تہتّر ۷۳) فرقوں کی پیشگوئی میں فرمایا کہ ان میں سے نجات پانے والا فرقہ ایک ہی ہوگا۔ تو صحابہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسولؐ وہ کون ہیں تو فرمایا اہل السنّۃ والجماعت۔ پھر عرض کیا گیا کہ اہل السنّت والجماعت کون ہیں؟ تو ارشاد فرمایا کہ جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہیں۔"

(۳) امام غزالیؒ کی عربی کتاب "طِبِ جسمانی وطبِ رُوحانی" کے ترجمہ "مُجرّباتِ غزالیؒ"

صہ۳۴ مطبوعہ لاہور ۱۹۱۳ء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- ستفترق اُمّتی علیٰ ثلث وسبعین فرقۃ کلھا ھالکۃٌ وواحدۃ منھا ناجیۃ قیل یارسول اللہ ومن الفرقۃ الناجیۃ قال علیہ السّلام اھل السنۃ والجماعۃ ، قیل وما اھل السنۃ والجماعۃ قال علیہ السلام وما انا علیہ واصحابی۔ :- "میری اُمّت کے تہتّر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے جن میں سے صرف ایک نجات پانے والا ہوگا اور باقی سب ہلاک ہونے والے ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسُول! صلی اللہ علیہ وسلم وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہے۔ فرمایا! اہل السنّت والجماعت۔ عرض کیا گیا کہ اہل السنّت والجماعت کونسا فرقہ ہے، فرمایا! جس طریقہ پر آج میں اور میرے اصحاب ہیں اُس پر چلنے والے"۔

(۴) امام حسنؓ وحسینؓ اہل سُنّت کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں

میدان کربلا میں حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے مخالفین سے خطاب کرتے ہوئے اپنے طویل خطبہ میں یہ بھی فرمایا تھا :- انّ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم قال لِی ولاخی انتما سیّد اشباب اھل الجنۃ وقرّۃ عین اھل السنّۃ۔ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم صہ۶۲ مطبوعہ بیرُوت) :- "تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور میرے بھائی (حضرت حسنؓ) سے فرمایا تھا کہ تم دو نوجنّت کے جوانوں کے سردار ہو اور اہل سنّت کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو"۔

(۵) یہی ارشاد تاریخ ابن خلدون مترجم اُردو حصّہ دوم صہ۱۱۳ میں بھی مذکور ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا :- "کیا تم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرمایا ہے کہ تم دونوں سردار جوانانِ جنّت ہو اور اہل سنّت کی آنکھ کی ٹھنڈک ہو"۔ کتب تفسیر حدیث اور تاریخ وغیرہ کے مندرجہ حوالجات سے ثابت ہوا کہ اہل السُنّت اور اہل السنّت والجماعت کے الفاظ نہ صرف یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس نے استعمال کیے ہیں۔ بلکہ رسول عربی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی یہی الفاظ صادر ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے پیارے نواسوں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حضُور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل سُنّت کی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا ہے۔ لیکن ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے ماتمیوں کے نزدیک اہل السنّت والجماعت کہلوانا حضرات اہل بیت کی

دشمنی کی علامت ہے اور بجائے اہلِ سُنّت کے شیعہ کہلوانا اہل بیت سے محبّت کا نشان ہے ؎

جُنوں کا نام خرد رکھ لیا، خرد کا جُنوں
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

اَہلِ سُنّت کا عُرُوج و زَوَال

اسلام کا عُروج وزوال مسلمانانِ اہل سنّت و الجماعت کے عُروج وزوال سے وابستہ ہے۔ غلبۂ اسلام کا ایک وہ زمانہ تھا کہ اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تبلیغ وجہاد کے نتیجہ میں اسلام افریقہ اور کابل وقندھار تک پھیل گیا۔ ایران وروم جیسی صدیوں کی مستحکم سلطنتیں زیروزبر ہوگئیں اور قرآن مجید کی عظیم پیشگوئی:۔ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۔"یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے اپنے دین کو سارے دینوں پر غالب کریگا"۔ دورِ رسالت کے بعد دورِ خلافت راشدہ اور عہدِ صحابہ میں تکمیل پذیر ہوئی۔ دُنیا کی کوئی طاقت اسلامی فتوحات کے سیلاب کو نہ روک سکی اور صحابہ کرام کے قدم مبارک جہاں تک پہنچے کفر وشرک اور ظلم وضلالت کی ظلمتیں دُور ہوگئیں، اور توحید وسُنّت اور عدل وہدایت کے انوار پھیل گئے۔ غلبۂ اسلام کی ایک جھلک علاّمہ اقبال مرحوم نے اپنے ان اشعار میں دکھلائی ہے۔ ؎

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں!
خشکیوں میں کبھی لڑتے، کبھی دریاؤں میں

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی!
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

محفلِ کون ومکاں میں سحر وشام پھرے!
مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے

کوہ میں، دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے
اور معلوم ہے تجکو کبھی ناکام پھرے؟

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظُلمات میں دَوڑا دیئے، گھوڑے ہم نے

اسلام عُلمائے ربانیین اور اَولیائے صالحین کی تبلیغی سرگرمیوں سے ہندوستان میں پھیلا۔ حتّٰی کہ صرف سلطان الاولیا حضرت خواجہ سیّد معین الدّین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ورُوحانی برکات سے نوّے

لاکھ کافر مسلمان ہوئے تھے اور غالباً آٹھ سو سال تک ہندوستان میں اسلامی حکومت کا پرچم لہراتا رہا، اور یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسول کریم رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد:- مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِی کے تحت:- (یعنی جنّت میں وہی لوگ جائیں گے جو میرے اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہوں گے) اسلام ہمیشہ مذہب اہل سُنّت و جماعت کی صورت میں جلوہ گر رہا۔ سلاطین و غازیانِ اہل سُنّت اپنی مجاہدانہ اور سرفروشانہ طاقتوں سے دشمنانِ اسلام کی سرکوبی کرتے اور علمائے حق اور اَولیائے اُمّت اپنی علمی اور رُوحانی قوّتوں سے عامّۃ المسلمین کی تعلیم و تربیّت فرماتے رہتے تھے۔ مجتہدین و فقہاء نے فقہ اسلامی کی حفاظت کی اور بالخصوص اہل سنّت کے مجتہدینِ اربعہ یعنی امام اعظم امام ابوحنیفہؒ، امامِ شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی خداداد اجتہادی صلاحیّتوں سے شریعتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والتحیّۃ کی فروع و حُدُود کے تحفّظ کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا، اور اولیاء اللہ میں سے خُصوصًا اقطابِ اربعہ یعنی سلطان الہند حضرت خواجہ سیّد معین الدّین چشتی اجمیری، محبوبِ سُبحانی، قُطب ربّانی غوث الاعظم حضرت سیّد عبدالقادر جیلانی، شیخ المشائخ حضرت خواجہ بہاؤ الدّین نقشبند اور مرشد الکاملین حضرت شہاب الدّین سہروردی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضور رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم اور صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی روحانی نسبتوں سے اہل ایمان کے قُلُوب و اَرواح کو منوّر کیا۔ غرضیکہ شریعت کا علم ہو یا عمل، طریقت کا حال ہو یا مقام حقیقت کے مدارج ہوں یا منازل۔ ہر شعبہ کی اشاعت و حفاظت اہل السُنّت والجماعت کے اکابر کے ذریعہ سے ہی ہوتی رہی ہے، اور عُلمائے اہلِ سُنّت کی جدّوجہد کی بنا پر ہی ہر دَور میں عامّۃُ المسلمین سُنّتِ رسول اور اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شرعی عظمتوں کو مانتے چلے آرہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اُمّتِ مُسلِمہ میں انکارِ سُنّت یا انکارِ صحابہ کے فتنے کامیاب نہیں ہوسکے۔

حتیٰ کہ مجبورًا علمائے شیعہ کو تقیّہ کا راستہ اختیار کرنا پڑا اور وہ ایک گہری خُفیہ تحریک کے ذریعہ خلفائے راشدین صحابہ کرام اور ازواج مطہّرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مطعون اور اُن کے شرعی مقام کو مجروح کرنے کی کوششیں کرتے رہے۔ لیکن عوام اہل سُنّت کے دلوں میں عظمتِ صحابہ کا نقش اس طرح جما ہوا تھا کہ جاہل سے جاہل سُنّی مسلمان بھی جس طرح حضرت علی المرتضیٰ اور دیگر حضراتِ اہل بیت کی تنقیص و توہین برداشت نہیں کرسکتا تھا اسی

ع اس کے لیے حضرت ابوبکرؓ صدیق اور دیگر خُلفائے راشدین اور اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تنقیص و
ں بھی نا قابلِ برداشت ہوتی تھی، اور اگر کسی شخص کے متعلق یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ صحابہ کرام کے خلاف
، تو اس کو عوام اہل سُنّت انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور یہی وجہ ہے کہ عُلمائے شیعہ بظاہر سُنّی
ءکے رُوپ میں رہے اور خفیہ طریق سے حسب حالِ شیعیّت کے لیے راہ ہموار کرتے رہے۔ چنانچہ شیعوں کے
ناز مجتہد قاضی نور اللہ شوستری (جن کو جہانگیر بادشاہ نے قتل کرادیا تھا اور علمائے شیعہ اُن کو شہیدِ ثالث
ر دیتے ہیں) خود اعتراف کرتے ہیں کہ :- صاحبانِ معرفت اور اصحابِ بصیرت کے دلہائے مُصفّا پر پوشیدہ
ہے کہ حضرت امیر المؤمنین کی خلافت کے زمانے سے لے کر سلاطینِ صفویہ کے ظہورِ سلطنت تک اہلِ تشیّع
بلائے تقیّہ کا ایسا زور رہا کہ اپنے مذہب کو بالکل ظاہر نہیں کرسکتے تھے اور نہ اپنے اُصول و فروع کی
یج ہی ممکن تھی۔ بلکہ علماء و فقہائے معتزلہ و اشاعرہ کے اُصول و فروع پر ظاہر میں عمل رہا کرتا تھا اسی سبب
، مخالفین کے مختلف فرقوں نے تو اپنے بزرگوں کے حالات مشہور کرنے میں بڑی بڑی کوششیں کیں اور بہت سی
بیں اس فن میں تصنیف ہوئیں۔ لیکن علمائے شیعہ بہ سبب سالہا سال مظلوم اہلِ شقاء رہنے کے گوشۂ تقیّہ
ں چھپے رہتے تھے اور اپنے کو شافعی یا حنفی ظاہر فرماتے تھے الخ (مجالس المؤمنین ص۳)

اہلِ سُنّت کا ذہنی تنزّل

لیکن جب اہل سُنّت صحابہ کرام کی شرعی عظمت سے غافل ہوتے گئے، اور شرفِ صحابیّت کے اعتقاد میں کمزوری آتی گئی، تو
بیّت کو پھلنے اور پھولنے کا موقعہ ملتا رہا، اور شیعہ علماء و مجتہدین نے اپنے مذہبی لٹریچر کی اشاعت شروع
دی، اور محبّتِ اہلِ بیت کے عنوان پر ناواقف اہل سُنّت کو صحابہ کرام سے بدظن کرنے کی کوششیں تیز ہو
یں، اور اس طرح اُن کی تحریکِ رفض کو عوام اہل سنّت کو متأثّر کرنے کا موقعہ ملتا رہا۔

متأخّرین عُلمائے اہلِ سُنّت

لیکن اکابر علمائے اہل سنّت اس فتنہ سے غافل نہیں رہے اور سُنّی و شیعہ نزاعی مسائل کے حل میں مدلّل تصانیف
ئع کرکے مذہب اہل سنّت کے تحفّظ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔

حضرت مجدّد الفِ ثانی

متاخّرین میں گیارھویں صدی کے مجدّدِ اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود اپنے دیگر علمی و رُوحانی مشاغل کے خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور ازواجِ مطہّرات رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شرعی مقام کی تبلیغ کی طرف خصوصی توجّہ فرمائی، اور اعتراضات و مطاعنِ شیعہ کا بہت محققانہ جواب دیا اور اپنے تجدیدی کارنامہ سے مذہبِ اہلِ سُنّت کا تحفّظ کیا۔ حضرت مجدّد الف ثانی کے مکتوبات تین جلدوں میں شائع ہیں، ان کا اردو ترجمہ بھی چھپ گیا ہے۔ ان مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدّد علیہ الرّحمۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ارشادِ نبوی مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ کی بنیاد کو اس دَور میں مستحکم فرمادیا اور ہر پہلو سے مذہبِ اہلِ سُنّت کا پرچم بلند ہوگیا۔ جہاں حضرت مجدّدؒ نے اکبری الحاد کا قلع قمع فرمایا وہاں سبائی تحریک کے آگے بھی سدِّ سکندری کھڑی کردی۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ سبائی تحریک کا مقابلہ کرنا اور مسلمانان اہلِ سُنّت کو اُس کے مہلک اثرات سے بچانا حضرت مجدّدؒ کا ایک عظیم تجدیدی کارنامہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے دفاع کا مقدّس جذبہ حضرت مجدّد کے قلب صافی میں اس طرح موجزن تھا کہ اس زمانہ میں اہلِ تشیّع کی طرف سے ایک رسالہ شائع ہُوا۔ جس میں العیاذ باللہ خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذُو النّورینؓ کی تکفیر کی گئی تھی اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ازواج مطہّرات کو طعن و تشنیع کا ہدف بنایا گیا تھا، تو حضرت بیقرار ہوگئے اور اُس کے رَدّ میں "رَدُّ الرَّوَافِض" کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور خود اس رسالہ کی تصنیف کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ:- ایں حقیر ہر چند در مجالس و معارک مشافہۃ بمقدّمات معقولہ و منقولہ ردِّ آنہا می کرد و بر غلطہائے صریحہ ایشاں را اطّلاع می داد امّا از رُوئے حمیّتِ اسلام و بموجب حدیثِ نبوی علیٰ مصدرہ الصّلوٰۃ والسّلام کہ فرمودہ:- اذا ظهرت الفتن او البدع وسُبّت اصحابی فلیظهر العالم علمه ومن لم یفعل ذٰلك فعلیه لعنة الله والملائكة والنّاس اجمعین لایقبل الله لهٗ صرفًا ولا عدلا۔ بایں قدر ردّ و الزام کفایت نمی کرد و سوزشِ سینہ بے کینہ تشفّی نیافت و بخاطر فاتر قرار یافت کہ اظہار مقاصد ایشاں تا در زمانیکہ در قید کتابت نہ آید فائدہ تام و نفع عام نہ بخشد فشرعت مستعینًا باللہ الصّمد۔:- یہ حقیر ہر چند اپنی مجلسوں میں اور دوسری جگہوں میں لوگوں کے سامنے نقلی اور عقلی طور

پر اس رسالہ شیعہ کا رَدّ کرتا رہتا تھا اور اس کی صریح غلطیوں کی اطّلاع دیتا رہتا تھا لیکن اسلامی حمیّت کی رُد سے اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی اس حدیث کے بموجب کہ حُضُور نے فرمایا ہے کہ :" جب فتنے یا بدعتیں ظاہر ہوں اور میرے اصحابؓ کو گالیاں دی جائیں اور اُن کو بُرا کہا جائے۔ تو اُس وقت عالِم پر لازم ہے کہ وہ اپنا علم ظاہر کرے۔ (یعنی صحابہؓ کی طرف سے دِفاع کرے) اور جو عالم ایسا نہیں کرے گا اُس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی، اور اللہ اس کی فرضی اور نفلی عبادت قبول نہیں کرے گا" صرف زبانی تردید اور الزام ناکافی سمجھتا تھا اور کبیر صاف دل کی سوزش کو تسکین نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ جب تک ان مقاصد کو لکھا نہ جائے لوگوں کو پورا فائدہ اور عام نفع نہ ہوگا۔

پس مَیں نے خدائے بے نیاز سے مدد لیتے ہوئے اس رسالہ کی تصنیف شروع کردی الخ حضرت مجدّد کا یہ رسالہ ماشاء اللہ مذہبِ اہلِ سُنّت کے لیے ایک محقّقانہ دستاویز ہے۔ جس میں مطاعنِ شیعہ کا پورا پورا ابطال کرکے خلفائے عظام اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی فضیلت اور حقّانیّت واضح کردی گئی ہے۔ خُصُوصًا مشاجراتِ صحابہؓ (صحابہ کرام کے باہمی جھگڑوں) کے مسئلہ کو حضرتِ مجدّدؒ اس طرح صاف کرتے ہیں کہ کسی صاحبِ شُعور اور اہل ایمان کے دل میں کسی صحابی سے کوئی بدظنی باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں تحریر فرماتے ہیں :۔ وسئل عبد اللہ بن المبارك وكفاك به جلالة وعلمًا ايهما افضل معاوية اوعمر بن عبد العزيز فقال الغبار الذی دخل انف فرس معاوية مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم خیر من عمر بن عبد العزیز كذا مرّة۔ اشارة بذلك الى ان فضيلة صحبة ورويته صلّى اللہ عليه وآله وسلّم لا يعد لها شیئ وهذا فی غیر اکابر الصحابة رضوان اللہ علیهم ممن لم یضم الا بمجرّد رويته صلّى اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلّم فما بالك فی من ضم اليها انه قاتل معه صلّى اللہ علیه وآله وسلّم او فی زمنه بامره او نقل شیئًا من الشريعة الى من بعده او انفق شيئًا من ماله بسببه فهذا مما لا یمكن ادراك فضله ، وشک نیست .. کہ شیخین از اکابرِ صحابہ اند بلکہ افضل ایشاں۔ پس تکفیر بلکہ تنقیصِ ایشاں مُوجب کُفر و زندقہ و ضلالت باشد وفی المحیط لمحمّد رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجوز الصلوٰۃ خلف الرافضۃ لانهم انكروا خلافة الصديق وقد اجتمعت الصحابة على خلافته وفى الخلاصة من انكر خلافة الصديق فانه كافر۔ (ردّ الرّوافض ص۱۶)۔ "حضرت

عبداللہ بن مبارک تابعی (جن کو بڑا علم و مرتبہ حاصل ہے) سے پوچھا گیا کہ حضرت معاویہؓ افضل ہیں یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ جہاد میں جس گھوڑے پر حضرت معاویہؓ سوار ہوئے ہیں۔ اس گھوڑے کے نتھنوں کا غبار بھی حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز سے کئی گنا بہتر ہے۔ آپ نے اس سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت اور صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، اور یہ فضیلت اکابر صحابہؓ کے علاوہ اُس صحابیؓ کو حاصل ہے جس کو صرف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ پس اُن صحابہ کی کتنی بلند شان ہوگی جنھوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ہو کر کفّار سے جنگ کی ہے یا حضورؐ کے حکم سے حضورؐ کے زمانہ میں جنگ کی ہے، یا حضورؐ سے انہوں نے شریعت کی کوئی بات بعد والوں کو پہنچائی ہے یا حضورؐ کی وجہ سے اپنے مال میں سے خرچ کیا ہے، تو اُن کی فضیلت کا ادراک ہمارے لیے ناممکن ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ بلکہ اُن سب سے افضل ہیں۔ پس اُن کی تکفیر کرنا بلکہ اُن کی تنقیص کرنا کفر، زندیقیت اور گمراہی کا مُوجب ہے۔ اور امام محمدؒ کی "محیط" میں ہے کہ رافضیوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے کیونکہ وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے منکر ہیں، اور تحقیق آپ کی خلافت پر صحابہ کرام کا اجتماع ہو چکا ہے اور خلاصہ میں ہے کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کا منکر ہے وہ کافر ہے الخ (صلا)

مقامِ عبرت

ایک وہ دَور تھا کہ مجدّدِ اعظمؒ مذہب اہل سنّت کے تحفّظ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے پُر جوش دفاع کرتے اور اس کو اپنی زندگی کا مقدّس نصب العین سمجھتے تھے، اور ایک موجودہ دَور ہے کہ اکابر علماء جو تفسیر و حدیث میں ایک علمی مقام رکھتے ہیں، سُنی و شیعہ مسائل حل کرنے اور صحابہ کرام کی طرف سے تحریری و تقریری دفاع کرنے کو اپنے عُلوِّ مقام کے منافی سمجھتے ہیں، الّا ماشاء اللہ بلکہ حُبِّ صحابہؓ اور بُغضِ صحابہؓ کے بنیادی فرق کو نظرانداز کرتے ہوئے ایک متحدہ مذہبی پلیٹ فارم قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ے

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطّار کے لڑکے سے دَوا لیتے ہیں!

خاندانِ ولی اللّٰہی

حضرت مجدّدِ الفِ ثانی کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کو اللہ تعالیٰ نے تجدیدِ دین کی نعمت عطا فرمائی، اور آپ کا سارا خاندان ہی تحفّظِ مذہب اہلِ سُنّت

کی یادگار بن گیا۔ چنانچہ امام اہلِ سُنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایۂ ناز تصنیف "جواب استقصاء الافحام" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ :۔ جب ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے دَورِ آخر میں ایرانیوں کے تعلقات کے سبب سے رفض کا اثر نمایاں ہوا، پھر اس پر طُرّہ یہ ہوا کہ (قاضی، نور اللہ شوستری نے تقیہ کر کے جہانگیر بادشاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار سے قاضی کا عہدہ پایا۔ اور بزورِ حکومت خُفیہ خُفیہ ایسی ناجائز کارروائیاں کیں کہ اس اثر کو قوّت پر قوّت پہنچتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ وقت آیا کہ فتنۂ رفض مستقل طور پر ہندوستان میں قائم ہو گیا۔ اس وقت رحمتِ الٰہی نے دہلی کے ایک مقدّس خاندان کو منجملہ اور عظیم الشّان خدماتِ دینیہ کے، فتنۂ رفض کے مقابلہ کی بھی توفیق عطا فرمائی۔ چنانچہ الشیخ حضرت مولانا ولی اللہ محدّث دہلوی نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب " ازالۃ الخفا " تصنیف فرمائی۔ جس کے متعلق علّامہ لکھنوی (یعنی حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی) اپنی شرح "مؤطا" میں لکھتے ہیں :۔ کتاب عدیم النّظیر فی بابہ (یہ کتاب اپنے موضوع میں بے نظیر ہے) پھر انہوں نے دوسری کتاب "قُرّۃُ العَیْنَیْن" بھی لکھی اور حق یہ ہے کہ اُنہوں نے حُجّۃُ اللہ قائم کر دی (فرحمۃ اللہ علیہ وعلی اتباعہ وموالیہ) اور ان کے بعد ان کے خلف الصّدق حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے "تُحفہ اثنا عشریہ" تصنیف کی۔ جس نے دُنیائے تشیّع کو زیر و زبر کر دیا۔

۔ مجتہدینِ شیعہ کی عمر وں کا بہترین حصّہ تقریبًا ایک صدی تک اُس کے جواب میں صرف ہوتا رہا مگر راہ بجائے نبردند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد اُن کے شاگردوں کا دَور آیا۔ مولانا رشید الدّین خان علیہ الرّحمۃ نے "عزّۃ الرّاشدین" "شوکت عمریہ" اور "ایضاح لطافۃ المقال" تصنیف فرمائیں، اور مولانا اُمراؤ علی صاحب کالپوی نے "رجوم الشّیاطین رد نزھۃ کشمیری" لکھی اور مولانا سیف اللہ بن اسد اللہ ملتانی نے "تنبیہ السفیہ" مولوی دلدار علی مجتہد کی کتاب "صوارم" کے جواب میں لکھی، اور مولانا شاہ سلامت اللہ کانپوری نے "معرکۃ الآراء" تصنیف فرمائی اور مولانا حیدر علی صاحب نے تو سب سے بڑھ کر کام کیا، ان کی دوسری تصانیف مطبوعہ و غیر مطبوعہ کے علاوہ "منتھی الکلام" اور "ازالۃ الغین" یہی دو کتابیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں کے قائم مقام ہیں۔ بقول مصنف "آیات بیّنات" مرحوم کے مولانا حیدر علی کے نام سے شیعوں کے بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ مولانا حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں مذکورہ بالا کتابوں میں سے "منتھی الکلام" نے زیادہ زلزلہ

برپا کیا۔ ہندوستان سے لے کر ایران تک تمام مجتہدین شیعہ کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی جس کی بڑی وجہ تو اس کتاب کے دلائل و براہین کی قوت و شوکت اور مصنف کی نظر و تتبع کی وسعت ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ علامہ حکیم سبحان علی خان شیعہ رکن سلطنت اودھ نے جن کے جواب میں "منتهی الکلام" تصنیف ہوئی۔ اپنے خاص خاص دوستوں کو خطوط لکھے اور ان خطوط میں اس کتاب کی لاجوابی کا اعتراف کیا اور اپنی عاجزی اور پریشانی کا رونا روئے ہیں۔ یہ خطوط بتائید غیبی حضرت مولانا حیدر علی صاحب کو مل گئے جن کو انہوں نے ایک مستقل رسالہ کی شکل میں چھپوا دیا۔ نام اس رسالہ کا "رسالة المكاتيب في روية الثعالب والغرابيب" ہے الخ

کتاب "آیات بیّنات"

حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنویؒ نے "آیات بیّنات" کے مصنف کا جو ذکر فرمایا ہے تو وہ مصنف نواب محسن الملک مولانا سیّد محمد مہدی علی خان صاحب بہادر منیر نواز جنگ معتمد پولٹیکل و فنانس ریاست حیدر آباد ہیں۔ جو پہلے شیعہ عالم تھے اور بعد میں مذہب اہل سنّت اختیار کر لیا۔ ردِّ شیعیت میں اُن کی یہ کتاب لاجواب ہے جو دو جلدوں میں دار الاشاعت کراچی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔

اکابرِ دیوبند کی خدماتِ جلیلہ

دہلی سے اکابر اہل سُنّت کا مرکز دیوبند میں منتقل ہو گیا اور اکابرِ دیوبند نے اپنی جامعیت کی بنا پر اپنے دَور میں مذہب اہلِ سُنّت کا بہت زیادہ تحفظ کیا۔ اور درسِ حدیث میں امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ کو احادیث کی روشنی میں راجح ثابت کرتے رہے۔ جہاں ان حضرات اکابر نے دوسرے مذہبی و ملّی فتنوں کا انسداد کیا وہاں فتنۂ رفض سے بھی غافل نہیں رہے اور اس پہلو سے مذہبِ اہلِ سُنّت کی حقانیت اور برتری کا لوہا منواتے رہے ہیں چنانچہ حُجّۃُ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند (رحمۃ اللہ علیہ) نے ایک شیعہ مجتہد مولوی عمّار علی صاحب کے سوالات کے جواب میں ۱۲۸۴ھ میں کتاب "ہدیۃ الشیعہ" تصنیف فرمائی جس میں مسئلہ خلافت کے علاوہ مسئلۂ فدک کے موضوع پر مدلّل بحث کر کے اہل سنّت کے موقف کی حقانیت ثابت فرمائی یہ کتاب حضرت نانوتویؒ کے وہبی عُلوم کا ایک بہترین مظہر ہے۔ (۲)، ایک شیعہ مجتہد مولوی محمد ہادی بن مرزا علی صالح لکھنوی نے ایک مطبوعہ اشتہار میں دس سوالات شائع کر کے علمائے اہل سنّت سے جواب طلب کیا تھا، تو حضرت

ولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ "الاسولة الکاملة فی
لاجوبة الکاملة" مؤلفہ ۱۲۸۸ھ شائع کیا۔ جس میں شیعہ مجتہد کے سوالات کا مدلل جواب
یا گیا ہے۔ (۳) شیعہ مجتہد کے اسی اشتہار کے جواب میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب
گنگوہی قدس سرہٗ نے بھی ایک کتاب "ھدایت الشیعہ" تصنیف فرمائی۔ جس میں مسئلہ خلافت وغیرہ
پر محققانہ بحث کرکے شیعی اعتراضات کا مکمل ابطال کردیا ہے۔ (۴) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث
سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسئلہ خلافت پر دو مستقل کتابیں تصنیف فرمائی "ھدایات الرشید الیٰ
فحام العنید" اور "مطرقة الکرامہ علیٰ مرأة الامامہ" پہلے آپ نے "ھدایات الرشید"
لکھی جو مسئلہ خلافت و امامت پر مفصل کتاب ہے، اس کے بعد "مطرقة الکرامہ" تحریر فرمائی جو کہ تقریباً
اس کا خلاصہ ہے لیکن بہت جامع کتاب ہے جس میں کتابُ اللہ اور کتبِ روافض سے خلافتِ خلفاءِ ثلاثہ
کو ثابت کیا ہے۔ (۵) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو تو تحفظِ ناموسِ
صحابہ کا اتنا احساس تھا کہ لکھنؤ کی مدح صحابہ ایجی ٹیشن میں براہِ راست حصہ لیا اور دیوبند سے ایک دستہ
رضاکاروں کا لے کر گرفتاری کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے، اور آپ نے ان حالات میں مدح صحابہ کے
وجوب پر مدلل مضامین شائع کیے۔ چنانچہ سیکرٹری صاحب مرکزی مجلسِ تحفظِ ناموسِ صحابہ لکھنؤ کے نام حضرت
کا مکتوب، مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد سوم کے مکتوب نمبر ۶۱ میں شائع ہوچکا ہے۔ جس میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ
علیہ مدح صحابہ کے وجوب کی دوسری وجہ میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"علاوہ ازیں جس جگہ صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے نہ صرف بدظنی پھیلائی جاتی ہو بلکہ اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا
وَصِيُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَخَلِيْفَتُهٗ بِلَا فَصْلٍ باوازِ بلند اذان میں کہا جاتا ہو۔ نیز امام باڑوں، مجلس خاصہ اور
خصوصی مساجد میں اُن کی طرف غلط اور جھوٹے اہانت آمیز واقعات منسوب کیے جاتے ہوں اور عوام سنیوں کا
سننا اور شریک ہونا اور غلطی میں پڑنا ممکن ہو تو سنیوں کی اصلاح اور تحفظ عقائد کے لیے ایسی مجالس کا منعقد
کرنا جن میں صحابہ کرام کے صحیح واقعات ذکر کیے جاتے ہوں اور اُن کی ثناء و صفت کی جاتی ہو، واجب ہے۔"

(ب) نیز اسی مکتوب میں فرماتے ہیں کہ:- "احادیثِ صحیحہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثناء و صفت اُن سے

محبت رکھنے کی تاکید، اُن کی شان میں گستاخی کی مذمت، اُن کی تابعداری کرنے کا حکم، اُن کا ذکر بالخیر کرنے کا ارشاد وغیرہ نہایت کثرت سے مذکور ہے۔ اسی بنا پر مسلمانوں کے اجتماعاتِ عامّہ عیدین، حج، جمعہ وغیرہ میں لکچر دیتے ہوئے، خطبہ پڑھتے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی ثناء وصفت کرنی نہ صرف مستحب قرار دی گئی ہے (دیکھو دُرِّ مختار، شامی، عالمگیری وغیرہ) بلکہ حسبِ تصریح امامِ ربّانی مجدّد الف ثانی قدس سرّہٗ العزیز (مکتوباتِ امام ربّانی جلد دوم صـ۱۵) اس کو شعارِ اہلِ سُنّت وجماعت بھی قرار دیا ہے" الخ (ج)

اسی مکتوب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ: "مسلمانوں کے لیے حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص حضرات خلفائے راشدین کے کارنامے، اُن کی تعلیمات، اُن کے حالاتِ زندگی سرچشمۂ ہدایت ہیں اور نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام انسانی دنیا کے لیے اُن کے کارناموں میں کھلی ہوئی صاف اور سُتھری روشنی موجود ہے اور یہی وجہ ہے کہ ۱۷- جولائی ۱۹۳۷ء کے اخبار "ھریجن" میں گاندھی جی نے کانگرسی وزراء کو زرّیں الفاظ میں ہدایت کی تھی کہ وہ اپنا طرزِ عمل حضرات شیخین حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جیسا بنائیں یورپین مؤرخین اس کی خصوصی طور سے ہدایت کرتے ہیں اور اسی بنا پر سیرتِ فاروقی (رضی اللہ عنہ) کو فرانس کی یونیورسٹیوں وغیرہ میں داخلِ نصاب کر دیا گیا ہے" الخ

مشاجراتِ صحابہؓ

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہمی جھگڑوں کے پیشِ نظر رافضی اور خارجی مقامِ صحابہ نہ سمجھنے کی وجہ سے راہِ حق سے دُور ہوگئے، اور اہل سُنّت نے اس مسئلہ میں صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مفصّل مکتوب حضرت علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی باہمی جنگ کے بارہ میں مکتوباتِ شیخ الاسلام جلد اوّل میں مکتوب نمبر ۸۸ قابلِ استفادہ ہے۔ اس مکتوب میں حضرت نے یزید کے متعلق بھی بحث کی ہے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مضامین کے اقتباسات بھی درج کیے ہیں۔

صحابہؓ معیارِ حق ہیں

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے باطل نظریات کی تردید میں بھی حضرت نے باوجود اپنے دیگر مشاغلِ کثیرہ کے خصوصی توجّہ فرمائی ہے، اور صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے پر اپنی زندگی کے آخری مُبارک لمحات میں زیادہ زور دیا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر ردِّ مودودیت

حضرت نے ایک مستقل رسالہ "مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت" تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں عصمتِ انبیاء اور صحابہ کرام کے معیارِ حق ہونے پر محققانہ بحث فرما کر مودودی ضلالت کی قلعی کھول دی ہے۔ حضرتِ مدنی مودودیت کو اُمّتِ مُسلمہ کے لیے ایک خطرناک فتنہ قرار دیتے ہیں اور مودودی جماعت کو اُن بہتر (۷۲) جہنّمی فرقوں میں شمار کرتے ہیں۔ جن کی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خبر دی ہے۔ (ملاحظہ ہو "الجمعیّت" دھلی کا شیخ الاسلام نمبر)۔

امامِ اہلِ سُنّت مولانا عبدالشّکور لکھنوی رح

اِس دَور میں فتنۂ رفض کی تردید میں تنہا امام اہلِ سُنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی قدّس سرّہٗ نے وہ کام کیا ہے۔ جس کا اثر انشاء اللہ العزیز صدیوں تک رہے گا۔ بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک تحریک تھے۔ جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے مذہب اہلِ سُنّت کی علمی و استدلالی طور پر اس دور میں برتری ظاہر فرمائی۔ اہلِ تشیّع کے بیسیوں مذہبی رسالوں کے جواب میں امامِ اہلِ سُنّت کا ماہنامہ "النّجم" سالہا سال تک ہندوستان میں نورِ ہدایت پھیلاتا رہا۔ حضرت مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سُنّی وشیعہ نزاعی مسائل میں تقریباً ہر موضوع پر محققانہ رسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ اور قرآن مجید کی متعدد آیات مثلاً آیتِ تبلیغ، آیتِ تطہیر آیتِ المودّۃ فی القربیٰ، آیتِ مباہلہ، آیتِ معیّت، آیتِ قتال مرتدین اور آیتِ استخلاف وغیرہ کی اس طرح مدلّل اور مفصّل شرح فرمائی ہے کہ اہلِ شعور و انصاف آدمی مذہب اہلِ سُنّت کی حقانیت تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اہلسنّت متکلمین و مناظرین کے لیے حضرت امامِ اہلِ سُنّت کے ان رسائل میں نہایت محققانہ مواد موجود ہے۔

کاش! کہ اہلِ سُنّت کا کوئی ادارہ اِن رسائل کی طباعت و اشاعت کا انتظام کر کے مذہبِ اہلِ سُنّت کے تحفّظ کا عظیم کارنامہ سرانجام دے دیتا! جس کا فیضان مابعد کی آنے والی نسلوں تک جاری رہتا۔ یہ بھی واقع ہے کہ امامِ اہلِ سُنّت مرحوم صرف ایک مبلّغ و مناظر اور مصنّف و اہلِ قلم ہی نہ تھے۔ بلکہ آپ علم و عمل اور شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ آپ نے مذہبِ اہلِ سُنّت کے تحفّظ اور خلفائے راشدین اور اصحابِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف سے زبان و قلم سے دفاع کرنے کا جو فریضہ سرانجام دیا ہے۔ اس میں آپ کی شخصیت اس دور آخر میں بے نظیر ہے۔ اس فن میں اکابر علمائے دیوبند کو امامِ اہلِ سُنّت پر پورا پورا اعتماد تھا اور اکابر علماء و مشائخ لوگوں کو ان مسائل

میں آپ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شیعوں کے اس الزام کے متعلق عریضہ لکھا کہ :"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء کا گھر جلانے کا ارادہ کیا تھا" العیاذ باللہ! تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کو جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ :" اس کا جواب مجھ سے اچھا مولوی عبدالشکور صاحب مدرّس مدرسہ عربیہ محلہ چلہ امروہہ ضلع مُراد آباد دیں گے"۔ ("النجم" ماہِ شعبان ۱۳۴۱ھ صلے)۔

اس پتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا لکھنوی رحمہ اللہ کا یہ ابتدائی دَور تھا کیونکہ بعد میں تو آپ نے لکھنؤ کو اپنا مستقل مرکز بنالیا تھا، اور فتنۂ رفض کے ردّ میں آپ کی شخصیت بہت نمایاں ہوگئی تھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے! بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا!

مولانا ابو الفضل دبیرؒ کی خدمات

پنجاب میں فتنۂ مرزائیت اور فتنۂ رفض کے استیصال میں میرے والد صاحب مرحوم حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر قوم اعوان ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم، نے اپنے دَور میں جس ہمّت اور استقامت سے کام کیا ہے اس کی نظیر بھی نہیں مل سکتی۔ جناب والد صاحب مرحوم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں کسی بڑی سے بڑی شخصیّت کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص ذکاوت عطا فرمائی تھی اور حاضر جوابی کا خاص ملکہ حاصل تھا۔ بڑے بڑے شیعہ مناظرین آپ کے سامنے میدان مناظرہ میں لاجواب ہوئے۔ مولانا مرحوم کی تصنیف "آفتابِ ہدایت" سُنّی وشیعہ نزاعی مسائل میں ایک یادگار کتاب ہے۔ جس کو بڑی مقبولیّت حاصل ہوئی ہے۔ عام فہم اُردو میں ایسی جامع کتاب غالبًا شائع نہیں ہوئی۔ حضرت مرحوم کی ایک اور مختصر کتاب اس موضوع پر "رسائلِ ثلاثہ" بھی بے جواب نایاب ہے۔

مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی

مسلک بریلویّت کے پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم نے بھی ہندوستان میں فتنۂ رفض کے انسداد میں بہت مؤثّر کام کیا ہے، اور روافض کے اعتراضات کے جواب میں اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم

کی طرف سے دفاع کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بحث ماتم کے دوران مولانا بریلوی کے فتاوی نقل کیے جاچکے ہیں۔ منکرینِ صحابہ کی تردید میں "ردّ الرفضہ"۔ "ردِّ تعزیہ داری" اور "الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنۃ" وغیرہ آپ کے یادگار رسائل ہیں۔ جن میں سُنّی شیعہ نزاعی پہلو سے آپ نے مذہب اہل سُنّت کا مکمّل تحفّظ کر دیا ہے۔

موجودہ دَور اور اہل سُنّت کی عُمومی غفلت

اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جس فرقہ حقّہ اہل سُنّت کی ایک عظیم الشّان اسلامی تاریخ ہے۔ جنھوں نے کتابُ اللہ، سُنّتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے حقوق کی ہمیشہ حفاظت کی ہے، اور ارشادِ نبوی مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ کی روشنی میں اُمّت کو صراطِ مستقیم پر چلایا ہے۔ آج اُس کے افراد عموماً غافل ہیں اور یہ امر اور بھی زیادہ تشویشناک ہے کہ اہل سُنّت کا مذہبی طبقہ بھی بحیثیّت سُنّی ہونے کے سرگرمِ عمل نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آج بھی کتاب و سُنّت کا علم و عمل سُنّی علماء و مشائخ کی کوشش سے باقی ہے، اور پاکستان میں بھی سینکڑوں ہزاروں دینی مدارس انہی کی مساعی سے قائم ہیں۔ جن سے ہر سال سینکڑوں عُلماؤ حُفّاظ سندِ فراغت حاصل کرتے ہیں۔ مبلّغین و مقرّرین اور مُعلّمین و مدرّسین بکثرت ہیں۔ لیکن وہ دینی روح دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے اور خُلوص و للّٰہیت میں کمی آرہی ہے، اور علمی و دینی خدمات عموماً بحیثیّت ملازمت سرانجام دی جاتی ہیں۔ سلف صالحین اور علمائے ربانیّین کے طریق پر ایسے عُلماء و مبلّغین کی کمی ہے۔ جن کی زندگی کا مقصود صرف تبلیغ و تحفّظ دین ہو خواہ اُن کی تنخواہ زیادہ ہو یا کم یا ان کو تعلیم دین پر کچھ بھی معاوضہ نہ ملے تو پھر بھی وہ اپنا دینی فریضہ سمجھ کر محض متوکّلاً علی اللہ تعلیم و تبلیغ دین میں مشغول ہیں۔

(۲) تعلیم و تبلیغ دین بھی بحیثیّت اہل سُنّت کم کی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس میں دورۂ حدیث سے فارغ ہونے والے علماء بھی عموماً خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ کے دلائل سے ناواقف ہوتے ہیں اور نہ ان کو وہ آیات یاد ہوتی ہیں۔ جن سے اصحاب رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا کامل الایمان اور جنّتی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وہ شیعہ معترضین کا جواب دینے کی اہلیّت نہیں رکھتے اور صحاح ستّہ پڑھنے کے باوجود ان احادیث کو حل نہیں کر

سکتے، جن پر شیعہ علماء اعتراضات وارد کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ کتب حدیث حنفی، شافعی اختلافی مسائل کے پیش نظر تو پڑھائی جاتی ہیں اور ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی دن بھی صرف ہو جاتے ہیں۔ لیکن سنّی و شیعہ نزاعی مسائل کو دورانِ درس بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی محنت نہیں کی جاتی۔ ترجمہ و تفسیر قرآن میں بھی یہی غفلت پائی جاتی ہے۔ اس لیے فارغ التحصیل ہو کر سُنّی نوجوان عُلماء کو اگر کسی شیعہ مناظر سے بحث کرنی پڑ جائے تو وہ بالکل خالی الذہن ہوتا ہے اور وہ اس نزاعی پہلو سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا۔ اِلّا ماشاء اللہ، اور اس کو اگر اس کمزوری کا احساس ہو جائے تو پھر اس کو اس کے لیے مستقل محنت کرنی پڑتی ہے لیکن برعکس اس کے اہل تشیّع میں سے معمولی علم والے لوگ بھی شیعی استدلالات اور مذہب اہل سُنّت اور خلفاء و صحابہ کرام پر اعتراضات یاد کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا پڑھنا اور پڑھانا شیعہ مذہب کی تبلیغ و تحفظ کی بنا پر ہی ہوتا ہے۔ اُن کے علماء و مجتہدین کی تقریر و تحریر سب شیعیّت کے فروغ کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن یہ ایک تعجّب خیز امر ہے کہ علمائے اہل سنّت میں سے جو حضرات عُلومِ کتاب و سُنّت میں جتنا بلند مقام رکھتے ہیں وہ سُنّی و شیعہ نزاعی مسائل کو تقریر و تحریر کے ذریعہ حل کرنا ضروری نہیں سمجھتے، اور اپنی تعلیمی و تدریسی زندگی کو ان مباحث سے بالکل فارغ رکھتے ہیں۔ بلکہ اب تو ذہنی تنزّل کا یہ حال ہے کہ علماء ہوں یا مشائخ اُن کے حلقوں میں اہل سُنّت والجماعت کے نام کی عظمت و اہمیّت بھی نہیں بیان کی جاتی اس لیے عوام سُنّی مذہب کی حقانیّت سے دن بدن غافل ہو رہے ہیں۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی

مولانا محمد اسحاق صدّیقی کا دردمندانہ پیام

پاکستان کے اکابر علمائے اہل سُنّت میں سے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدّیقی سندیلوی سابق مہتمم و شیخ الحدیث ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ جواب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ کے مدرسہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی ۵ میں استاذ الحدیث ہیں۔ سُنّی مسلمانوں کے تنزّل کا ایک خاص احساس رکھتے ہیں اور ماشاء اللہ آپ کی مساعی کا محور مذہبِ اہلِ سُنّت ہی ہے۔ بمقام بھین تحصیل چکوال "خدّامِ اہل سُنّت" کی تیسری سالانہ کانفرنس منعقدہ ۲۰-۲۱ محرّم ۱۳۹۲ھ مطابق ۷-۸ مارچ ۱۹۷۲ء کے موقعہ پر آپ نے جو دردمندانہ پیغام سُنّی مسلمانوں کے نام تحریراً بھیجا تھا وہ افادۂ عام کیلئے

یہاں درج کیا جاتا ہے۔

"ایک دل شکستہ کا پیام، اپنے سُنّی بھائیوں کے نام"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی اَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ اَجْمَعِیْن۔

امابعد! سُنّی بھائیو! الحمدللہ کہ آپ ہم سب مسلمان ہیں، مگر مسلمان ہونے کے دعویدار کچھ اور گروہ بھی ہیں شیعہ بھی خود کو مُسلمان کہتے ہیں اور قادیانی بھی اور بھی اسی قسم کے مدّعیانِ اسلام موجود ہیں۔ جو اسلام کی الگ الگ تشریح و تفسیر کرتے ہیں تو کیا آپ کے نزدیک ہر ایک گروہ کی تشریح صحیح ہے؟ اور کیا ان میں سے ہر مذہب سچّا ہے؟ اگر معاذ اللہ ایسا ہے تو اہل سُنّت کا امتیاز ہی کیا باقی رہ جاتا ہے اور اس کے معنیٰ تو یہ ہوں گے کہ متناقض باتیں بھی ایک ساتھ صحیح ہوسکتی ہیں۔ گویا معاذ اللہ توحید بھی صحیح ہے اور شرک بھی، اس کا قائل تو کوئی پاگل ہی ہوسکتا ہے۔

"سُنّی" ہونے کے معنیٰ ہی یہ ہیں کہ ہم اسلام کے اسی فرقہ کی تشریح کو صحیح سمجھتے ہیں۔ جس کا نام اہل سُنّت والجماعت ہے اور اس کے علاوہ جتنی تشریحات کی گئی ہیں انہیں بالکل باطل سمجھتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ اسلام صرف اس دین کا نام ہے جسے نبیّ اکرم، خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم لے کر تشریف لائے اور جو صحابہ کرام کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا۔ ہم کتاب اللہ، سنّت رسول اللہ اور جماعت صحابہ کی پیروی کرتے ہیں۔ اسی لیے ہمارا لقب اہل السُّنّت والجماعت ہے، ہمارا ہی دین حق ہے۔ اس کے علاوہ بقیہ ادیان و مسالک بالکل باطل ہیں۔ اس کے بعد گذارش ہے کہ اگر آپ عالم ہیں تو اپنے نفس سے سوال کیجئے اور اگر عالم نہیں ہیں تو علمائے اہل سُنّت سے پوچھیے کہ کیا اسلام کی حفاظت و اشاعت فرض نہیں ہے؟ اور جب صحیح معنیٰ میں اسلام صرف مسلک اہل سُنّت کا نام ہے تو کیا مسلک اہل سُنّت کی حفاظت و اشاعت اور اس کی امتیازی خصوصیات کا اظہار و انتصار شرعًا فریضہ لازمی نہیں ہے؟

آپ حفاظتِ اسلام کے نعرے لگاتے ہیں مگر اس کی تشریح نہیں کرتے۔ بغیر تشریح کے ہم اسلام کا مفہوم کیا سمجھیں؟ شیعیّت، قادیانیّت، پرویزیّت وغیرہ مذاہبِ باطلہ کی اشاعت و ترویج کُھلم کُھلا ہورہی ہے اور سُنّی مذہب کو مٹانے کی کوشش شباب پر ہے۔ مگر ہمارے سُنّی بھائیوں کی غفلت لائقِ عبرت ہے۔ اُن کے کان پر

جوں تک نہیں رینگتی ۔ عوام تو کالانعام ہیں ہی ، علمائے کرام بھی غافل بلکہ بے حس ہیں ۔ عوام کو علمائے سے پوچھنا چاہیے کہ کیا آپ سُنّی عالم نہیں ہیں ؟ اور اگر ہیں تو کیا سُنّی مذہب کی تعلیم و ترویج اور نصرت و حمایت آپ پر فرض نہیں ہے ؟ اور آپ کی اس غفلت کے بارے میں آپ سے قیامت کے دن باز پرس نہیں ہوگی ؟ آپ ہمیں مذہب اہل سُنّت کی خصوصیات و امتیازات اور اُس کی حقّانیت کے دلائل ۔ اس کے مخالفین کے مغالطوں کے جوابات کیوں نہیں بتاتے اور دُشمنانِ اہل سُنّت کے مکائد سے کیوں نہیں آگاہ کرتے ۔ اسی طرح سُنّی سیاسی لیڈروں سے پوچھئے ! کیا آپ سُنّی نہیں ہیں ؟ اگر ہیں تو کیا سُنّیوں کے حقوق کی حفاظت آپ پر فرض نہیں ہے ؟ آج پورے پاکستان میں اہل سُنّت کے حقوق پامال ہو رہے ہیں باوجودیکہ وہ اغلب اکثریّت میں ہیں مگر ہمارے سُنّی سیاسی لیڈر ، جن میں علماء بھی ہیں سرمہ در گلو ہیں اور کسی کے گلے سے اس ظلم کے خلاف آواز نہیں نکلتی ۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی ۔ اگر ہماری غفلت کا یہی عالم رہا تو اندیشہ ہے کہ خدانخواستہ پاکستان سے اسلام رخصت ہو جائے ۔ یعنی مسلک اہل السُّنّت والجماعت کا خاتمہ ہو جائے ۔ العیاذ باللہ ۔ اس لیے بہت جلد ہوش میں آنا چاہیے ۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نقط والسّلام

محمد اسحاق[1] صدّیقی عفی اللہ عنہ

---

[1] حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدّیقی موصوف نے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب " خلافت و ملوکیت " کے جواب میں ایک محققانہ کتاب بنام " اظہارِ حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت " لکھی ہے ۔ جو پاکستان میں دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے ۔ اسی کتاب کا ایک حصّہ " تجدید سبائیت " کے نام سے ۱۹۶۵ء میں جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے شائع کیا گیا تھا ۔ مودودی صاحب نے " خلافت و ملوکیت " میں خلیفۂ راشد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ پر جو مطاعن وارد کیے ہیں ، حضرت مولانا موصوف نے " اظہارِ حقیقت " میں علمی طور پر مکمّل ابطال کر دیا ہے ۔

خدّامِ اہل سُنّت میدانِ عمل میں

حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب موصوف نے سُنّی علمار کی غفلت کا جو شکوہ کیا ہے یا راقم الحروف نے جو کچھ پہلے عرض کیا ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام سُنّی علماء پاکستان میں غفلت شعار ہیں اور کسی نے مذہب اہل سُنّت کے تحفّظ میں کچھ نہیں کیا۔ بلکہ یہ عوام و خواص کی عمومی غفلت کے متعلق درد مندانہ شکوہ ہے ورنہ متعدّد علماء اس موضوع پر تقریری و تحریری خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ قریباً ۲۵ سال سے "تنظیمِ اہلِ سُنّت" کے نام سے علماء کی ایک جماعت کام کر رہی ہے جن میں حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی مرحوم و مغفور، حضرت مولانا سید نور الحسن[1] شاہ صاحب بخاری اور مناظرِ اہل سُنّت حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی (موجودہ صدر تنظیم اہل سنّت پاکستان) کی اہم تحریری و تقریری خدمات ہیں تنظیم اہل سُنّت میں اور بھی نوجوان مقررین ... کام کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالسّتار صاحب تونسوی قریباً سارا سال تبلیغی دَورہ پر رہتے ہیں اور ماشاء اللہ آپ سُنّی و شیعہ نزاعی مسائل میں بہت کامیاب مناظر ہیں۔ حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاریؒ (چوکیروی) مصنّف "تحقیقِ فِدک" نے فتنۂ رفض کے انسداد میں بڑا کام کیا ہے۔ آخر عمر میں آپ کے دل میں یہی تڑپ تھی کہ خُلفاء و اصحاب بالخصوص یارِ غار امام اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل و مناقب ہر سُنّی مسلمان کے سینہ میں جم جائیں۔

علّامہ خالد محمود صاحب ایم۔ اے سابق پروفیسر ایم۔ اے۔ او کالج لاہور (جو اب پی۔ ایچ ڈی ہیں اور لندن میں مقیم ہیں) نے اپنی خداداد ذکاوت اور علمی وسعت سے مذہب اہل سُنّت کے تحفّظ کا فریضہ تحریری اور تقریری طور پر بہ طریقِ احسن سرانجام دیا ہے۔ دار العلوم محمدی شریف ضلع جھنگ میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی شخصیّت اہل سُنّت کے لیے باعثِ افتخار ہے۔ جو سُنّی شیعہ مسائل میں اچھی دسترس رکھتے ہیں اور اب آپ ایک مفصّل کتاب "رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" لکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ اِن تمام علمار کی خدمات کو شرفِ قبولیّت بخشیں۔ آمین لیکن حضرات علماء کی ان مساعی کے باوجود اہل سُنّت کا جماعتی کام ترقی پذیر نہیں ہو سکا۔ لہٰذا ایک ایسی تحریک کی ضرورت تھی جو سُنّی مسلمانوں کی عظیم اکثریّت کے حقوق کی آواز بلند کرے، اور تحریر و تقریر اور جماعتی قوّت سے تحفّظِ مذہب

---

[1] مصنّف "الاصحاب فی الکتاب" اور "عادلانہ دفاع" (رد مودودی) وغیرہ

اہلِ سُنّت اور صحابہ کرام کی طرف سے مؤثّر دفاع کا محاذ قائم کرے ۔ اسی ضرورت کے پیشِ نظر احباب کے مشورہ سے "مجلسِ خُدّامِ اہلِ سُنّت والجماعت" کے نام سے ایک جماعت بتاریخ ۲۔ ربیع الاوّل ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹ر مئی ۱۹۶۹ء قائم کی گئی تھی جس کا بعد میں "تحریکِ خُدّامِ اہلِ سُنّت" نام رکھا گیا۔ خُدّامِ اہلِ سُنّت کا کام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حُسین احمد صاحب مدنی قُدّس سِرُّہٗ کے خلیفۂ اعظم مخدوم العُلماء والصُّلحاء حضرت مولانا سیّد پیر خورشید احمد شاہ صاحب ساکن قصبہ عبد الحکیم ضلع ملتان کی تائید و تصویب کے بعد شروع کیا گیا تھا ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس جماعت کی سرپرستی قبول فرمائی تھی اور اس کے قیام پر بہت خوشی کا اظہار فرمایا تھا ۔

حضرت پیر صاحبؒ کا گرامی نامہ

حضرت پیر خورشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطوط میں بھی "خدّامِ اہلِ سنّت" کی تحسین فرمائی ہے ۔ چنانچہ حافظ عبد الوحید صاحب حنفی نائب ناظم دفتر خُدّامِ اہلِ سُنّت چکوال نے اپنے عریضہ میں تیسری سالانہ "سُنّی کانفرنس" بھیں کے لیے دُعا کی درخواست کی تھی ۔ تو حضرت پیر صاحبؒ نے جواب میں حسبِ ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا تھا :۔

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

خیریّت طرفین مطلوب ۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے عزائم اور مقاصد میں کامیاب فرمائے ، اور حضرت سیّدی مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی اٹھائی ہوئی تحریک "خُدّامِ اہلِ سُنّت والجماعت" کو مقبول فرمائے ۔ اور سُنّی مسلمانوں کو اس میں شمولیّت کی توفیق عطا فرماوے اور خلوص سے خدمتِ دینِ مبین کی تمام مسلمانوں کے دل میں زندہ فرماوے ۔ اللہ تعالیٰ تمامی مذاہبِ باطلہ مرزائیّت ، مودودیّت ، پرویزیّت ، نیچریّت جیسے فتنوں سے بچاوے اور مرزائی اور رافضیوں کے اقتدار سے جمیع مسلمانوں کو محفوظ رکھے ، آمین اور قدیمی لقب " اہل السنّت والجماعت " کو آپ حضرات پر چسپاں فرماوے اور سلف صالحین کے مبارک قدموں پر چلاوے اور آپ کی "سُنّی کانفرنس" کو اللہ تعالیٰ کامیاب فرماوے اور باغ و بہاراں بناوے ۔ بخدمتِ اقدس فرد المجید

اکرم، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کو السّلام علیکم عرض کریں اور خاتمہ بالایمان کی میرے لیے
رخواست کریں۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی ۔ 72-2-22

(نوٹ۔ حضرت پیر[1] صاحب علیہ الرّحمۃ نے خادمِ اہلِ سُنّت احقر مظہر حسین غفرلہٗ کے لیے، جو
لفاظ لکھے ہیں یہ حضرت کی اپنی تواضع اور چھوٹوں پر شفقت کا نتیجہ ہیں ورنہ، من آنم کہ من دانم۔)

خُدّامِ اہلِ سُنّت کنونشن لاہور

تحریکِ خدّامِ اہلِ سُنّت کا دو روزہ "سُنّی کنونشن" بتاریخ ۱۵-۱۶ شعبان ۱۳۹۲ھ
طابق ۲۴-۲۵ ستمبر ۱۹۷۲ء اچھرہ (لاہور) میں منعقد ہوا تھا۔ جس میں باوجود ضعف و نقاہت کے
ضرت پیر صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ تشریف لائے تھے، اور اپنی پُرلطف رُوحانی تقریر میں مسلمانانِ اہلِ
سُنّت کو "خُدّامِ اہلِ سُنّت" میں کام کرنے کی تلقین و تاکید فرمائی تھی۔ بہرحال مذہبِ اہلِ سُنّت کی
بلیغ و تحفّظ کے لیے تحریک "خُدّامِ اہلِ سُنّت" اپنا کام کر رہی ہے۔ اہلِ سُنّت کے نام سے ہی تبلیغی جلسے
ور تبلیغی دَورے مختلف مقامات میں رکھے جاتے ہیں، اور اضلاع کے اہم مقامات پر "سُنّی کانفرنس"
ھی منعقد کی جاتی ہے۔ موجودہ دَور میں سُنّی لٹریچر کی بڑی ضرورت ہے، جس کی طرف "خُدّامِ اہلِ سُنّت"
صوصی توجّہ دے رہے ہیں اور رسالہ "ہم ماتم کیوں نہیں کرتے" کے بعد یہ کتاب "بشارت الدّارین
بالصبر علی شہادت الحسینؓ" بھی اسی سلسلۂ تصنیف کی ایک کڑی ہے۔

الحمدللہ! چھوٹی بڑی تصنیفات جماعت کی طرف سے ہی شائع کی جاتی ہیں جس میں شخصی نفع کا حصول
مقصود نہیں ہوتا۔ ہر سال "سُنّی کیلنڈر" بھی خُدّام کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے جو الحمدللہ بہت مقبول ہو
رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو "سُنّی اکیڈمی" بھی قائم کی جائے گی جس کے ذریعہ سُنّی اہم

---

[1] طویل علالت کے بعد حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۰۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۲۔ جون ۱۹۷۳ء
انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط حق تعالیٰ آپ کے صاحبزادگان سلّمہم اللہ تعالیٰ کو آپ کی دینی و روحانی وراثت
سنبھالنے کی توفیق عطا فرمائیں اور آپ کے جاری کردہ دینی مدرسہ "محمود العلوم" کو ترقیات نصیب ہوں آمین۔ بجاہ النبی الکریم
خاتم النبیّین صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم۔

تصانیف کی اشاعت ہوتی رہے ۔ ہمارا مقصود یہ ہے کہ مذہبِ اہل سُنّت کے فروغ کے لیے ہر کام جماعتی حیثیت سے کیا جائے تاکہ ہر پہلو سے جماعتی نظم ونسق برقرار رہے اور سُنّی مسلمان اپنی اجتماعی قوّت سے مذہبِ اہلِ سُنّت کو ہر فتنہ سے محفوظ کر سکیں۔

حق چاریار

خُدّامِ اہلِ سُنّت نے "حق یار" کے اعلان پر خاص زور دیا ہے اور الحمدللہ اس کی مقبولیّت روز بروز بڑھ رہی ہے اور اس کی افادیّت کو اہلِ سُنّت محسوس کر رہے ہیں ۔ ؎ ــــــ گونج اُٹھا ہے مُلک میں حق چاریارؓ ؛ مان لے جو اُس کا ہوگا بیڑا پار ! ــــــ

یوں تو حضورِ خاتم النبیّین، محبوبِ ربّ العالمین کے تمام اصحاب پیارے اور جنتی ہیں لیکن اُن میں خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی المرتضٰیؓ کا درجہ چونکہ سب سے بڑا ہے اور انہی کو قرآنی خلافتِ موعودہ عطا ہوئی ہے ۔ اس لیے خصوصیّت سے ان حضرات کو سرکارِ مدینہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے "چار یار" کہا جاتا ہے ۔ جن میں سے امام الخلفاء، یارِ غار حضرت ابوبکر صدّیقؓ، اور خلیفۂ دُوُم حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مزارِ پُرانوار میں قیامت تک کے لیے محبوبِ خُدا رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سنگت اور یاری کا خصوصی شرف حاصل ہے، اور یہ وہی روضۂ مقدسہ ہے جو اہلِ سُنّت کے عقیدہ میں عرش وکرسی بلکہ خانۂ کعبہ پر بھی فضیلت رکھتا ہے اور اکابر دیوبند نے بھی اس کی تصریح فرمادی ہے ۔

حُضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یہ چار یار برحق، معیارِ حق اور قطعی جنتی ہیں۔ کسی کے بُغض و انکار سے اُن کے عُلوِّ مقام میں کمی نہیں آسکتی ۔ لیکن اہلِ سُنّت موجودہ دَور میں چونکہ ان خُلفائے راشدین یعنی چاریار کی عظمت وحقانیّت کی تبلیغ واشاعت میں سرگرم نہیں ہیں، اور دوسری طرف مخالفین و معاندین نے حضرات خلفائے ثلاثہ اور شیرِ خدا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی باہمی دشمنی کا بے بُنیاد مذموم پروپیگنڈا اٹھایا ہُوا ہے ۔ اس لیے عظمتِ خلفاء کے تحفّظ کا ایک طریق یہ ہے کہ "حق چار یار" کے اعلانِ حق کو ملک میں عام کیا جائے ۔ تاکہ سُنّی مسلمانوں کے قُلوب ان چار یار کی عظمت وحقانیّت سے پُرنُور اور مخالفین کی پھیلائی ہوئی ظلمتیں کافور ہوجائیں اور یہ ضرورت اسی طرح کی ہے جس طرح کہ جھُوٹی

نبوّت کے قادیانی فتنہ کے انسداد کے لیے "تاج وتختِ ختمِ نبوّت زندہ باد" اور "ختمِ نبوّت زندہ باد" کے اعلان (نعرۂ حق) کو ہر مقام اور ہر اسٹیج پر پھیلا دیا گیا تھا۔ جس سے قادیانی نبوّت کے در و بام لرزنے لگ گئے اور آخر کار "ختمِ نبوّت زندہ باد" کے اعلانِ حق نے آئینی طور پر پاکستان میں قادیانی نبوّت کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اگر وقتی تقاضا کے پیشِ نظر "حق چار یار" کا نعرہ بھی ملک میں ہر مقام اور ہر سُنّی اسٹیج پر گونجنے لگے تو انشاء اللہ تعالیٰ "چار یار" کی دھاک بیٹھ جائے گی اور خلافتِ راشدہ کا بھُولا ہُوا سبق ہر مسلمان کو یاد ہو جائے گا اور مسئلۂ ختمِ نبوّت کی طرح قومی اسمبلی میں "تحفّظِ ناموسِ صحابہ" کا قانون پاس ہو جائے گا اور کسی شخص کو بھی اصحاب و اہل بیتِ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تنقیص و توہین کی جرأت نہیں ہو سکے گی۔

"لفظِ یار" کا مفہوم

عوام اہلِ سنّت کی غفلت اور سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مخالفین یہ پروپیگنڈا بھی کرتے ہیں کہ "یار" کا لفظ تو عیب دار ہے۔ صحابہؓ کس معنیٰ میں یار ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "یار" کے معنیٰ میں کوئی عیب نہیں ہے۔ دوست، یار، رفیق ایک ہی معنیٰ میں مستعمل ہوتے ہیں چنانچہ "فیروز اللغات اُردو" میں ہے۔ یاراں یار کی جمع، کئی دوست + یارانہ، دوستی، آشنائی + یارِ غار، غار کا دوست، پکّا دوست + یاری دوستی، مدد + مولانا ظفر علی خاں صاحب مرحوم اُردو کے مشہور شاعر، صحافی اور ادیب ہیں جن کا یہ شعر ضرب المثل بن چکا ہے۔ سے

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبیؐ، کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

یہاں مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے خلفائے اربعہ کو یارانِ نبیؐ قرار دیا ہے اور شعر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چاروں میں فضیلت و درجہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ اہل سُنّت کا اس پر اجماع ہے کہ ان سب میں بڑا مرتبہ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور بعد انبیائے کرام کے حضرت صدیقِ اکبر افضلُ البشر ہیں۔ شعر میں ان چاروں میں فرق نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ شرفِ صحابیّت میں سب برابر ہیں اور ہم سب کو مانتے ہیں۔ مثلاً انبیائے کرام میں بھی باہمی فضیلت

پائی جاتی ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے :- تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ :- "یہ سب پیغمبر ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔" اور یہ بھی قرآن مجید میں ہے کہ :- لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ :- "ہم اللہ کے پیغمبروں میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔" اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تمام انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، اسی طرح ہم تمام صحابہ کرام کو مانتے ہیں اور کسی صحابی کا بھی انکار نہیں کرتے البتہ اُن کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

صاحب اور یار ہم معنیٰ ہیں

"فیروز اللغات اُردو" میں ہے۔ صاحب، دوست، مالک + صحابہ، صحابی اور صاحب کی جمع ہے + صحبت دوستی۔ ساتھ مل بیٹھنا + اور "غیاث اللغات فارسی" میں ہے :- صاحب بمعنی وزیر و یار +

قرآنی آیات سے ثبوت

قرآن مجید میں بھی صاحب بمعنی رفیق اور یار استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ آیتِ غار میں ہے :- ثَانِیَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا - (سورۃ توبہ رکوع ۶) (ا) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا ترجمہ یہ ہے :- "جبکہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے جس وقت کہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم دکھی، غم نہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے۔" (ب) مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی لکھتے ہیں :- "جب اپنے یار سے فرما رہے تھے۔ غم نہ کھا۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" (ج) مولوی مقبول احمد دہلوی شیعہ مفسر نے یہ ترجمہ لکھا ہے :- "دو میں سے دوسرا تھا جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ اس وقت ہمارا رسول اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ افسوس نہ کر، بے شک اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔" اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس آیت میں صاحبِ رسول سے مراد حضرت ابوبکر ہی ہیں اور مولانا تھانوی نے صاحب کا ترجمہ ہمراہی۔ مولانا بریلوی نے یار اور مولوی مقبول احمد نے ساتھی لکھا ہے اور قرآن مجید میں صاحبِ رسول یعنی یارِ رسول صرف حضرت ابوبکر صدیق کو ہی فرمایا گیا ہے، اور چونکہ سفرِ ہجرت میں حضرتِ صدیق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی رفاقت اور سنگت کا شرف حاصل ہوا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے غار کے تذکرہ میں آپ کو صاحبِ رسول فرمایا ہے اس لیے آپ کا

لقب "یارِ غار" مشہور ہوگیا، اور اسی گہری دوستی کی بنا پر دو گہرے دوستوں کو عُرف میں "یارِ غار" کہا جاتا ہے۔ (۲) قرآن مجید میں لفظِ وَلی بھی بمعنی یار اور دوست استعمال ہوا ہے چنانچہ پارہ ۲۶ سورۃ الفتح میں ہے :- ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ٥ (ل) "پھر نہ اُن کو کوئی یار ملتا اور نہ مددگار" (ترجمہ مولانا تھانوی) (ب) "پھر نہ کوئی یار پائیں گے اور نہ مددگار" (ترجمہ مقبول) تو آیت سے لفظ ولی بمعنی "یار" ثابت ہوگیا۔ حُجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی دیوبندیؒ نے بھی ان چار خُلفاء کو "چار یار" سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کی بحث میں مولوی محمد ہادی صاحب شیعہ مجتہد کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :- خلفائے راشدین تو ان (یعنی اہل سُنّت) کے نزدیک پانچ ہیں چار یار اور ایک امام حسن علیہم رضوان اللہ تعالیٰ۔ مگر ان کے خلیفۂ راشد ہونے اور ان کے (یعنی دوسرں کے) نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اور سب ظالم ہی تھے الخ (الاجوبۃ الکاملہ ص ۳۹ مطبوعہ دھلی)

نوٹ - امام حسنؓ بھی خلیفۂ راشد ہیں لیکن اُن کی خلافت حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کا تتمہ ہے اور پھر آپ نے اپنی خلافت حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد کردی تھی۔ اس لیے عام علمائے اہل سُنّت خلفاءِ راشدین سے یہی "چار یار" مراد لیتے ہیں۔ پہلے اہل سُنّت کے نزدیک ان چار یار کی اتنی اہمیّت تھی کہ عموماً سُنّی مساجد میں یہ شعر لکھا جاتا تھا۔ ؎

چراغ و مسجد و محراب و منبر! ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ!

خُطبۂ جُمعہ کا شعار

شیخ الاسلام حضرت مولانا السیّد حُسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مدحِ صحابہؓ کے وُجوب کے سلسلہ میں حضرت مُجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی قُدّسَ سِرّہٗ کے ایک مکتوبِ گرامی سے خُطبۂ جمعہ میں خلفائے اربعہ (چار یار) کا ذکر کرنا شعارِ اہل سُنّت ثابت کیا ہے۔ حضرت مُجدّدؒ علیہ الرّحمۃ کے وقت میں کسی سُنّی خطیب نے خُلفاءِ راشدین کا نام خطبہ جمعہ میں نہیں لیا تھا۔ تو اس پر حضرتؒ نے حاکمِ وقت کو اس خطیب کو سرزنش کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا، اسی سلسلہ میں آپ کا یہ مکتوب ہے :- ذکرِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین اگرچہ از شرائطِ خطبہ نیست ولیکن از شعارِ اہل سُنّت است (شَکَرَ اللہُ تَعَالیٰ سَعْیَھُمْ) ترک نہ کند بعمد و تمرّد آں را مگر

کسے کہ دلش مریض و باطنش خبیث ۔ اگر فرض کنم کہ بہ تعصّب و عناد ترک نہ کردہ باشد وعید "مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ" را چہ جواب خواہد گفت ۔ ایں قسم گُلِ بدبُو از ابتدائے اسلام تا ایں وقت معلوم نیست کہ در ہندوستان شگفتہ باشد ۔ نزدیک است کہ ازیں معاملہ تمام شہر متّہم گردد الخ :۔ خُلفاءِ راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر اگرچہ خطبہ کے شرائط میں سے نہیں ہے لیکن اہل سُنّت کے شِعار میں سے ہے۔ (اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کی قدر کرے)۔ کوئی اپنے ارادے اور سرکشی سے اس کو نہیں چھوڑتا مگر وہ شخص جس کا دل بیمار ہو اور اس کا باطن خبیث ہو۔ اور اگر فرض کریں کہ تعصّب اور عناد سے ترک نہ کیا تو وعید :۔ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ ۔ :"جس نے کسی قوم کی شباہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے" کا کیا جواب کہا جائے گا ؟ اس قسم کا بدبودار پھول ابتدائے اسلام سے اس وقت تک ہندوستان میں کھِلنا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن نزدیک ہے کہ اس معاملہ سے تمام شہر متّہم ہو جائے الخ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد سوم ص۱۴۲)

اِسلامی سِکّہ

اِن "چار یار" کی نہ صرف عوام اہل سُنّت بلکہ سُنّی سلاطین کے ہاں بھی اتنی اہمیّت اور عظمت تھی کہ بعض اسلامی حکومتوں کے مروّجہ سِکّہ پر درمیان میں کلمۂ طیبہ :۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؐ اور چاروں گوشوں میں "چاریار" کے نام کندہ ہوتے تھے ۔ چنانچہ ہم کو دو پُرانے سکّے دستیاب ہوئے ہیں جن پر درمیان میں کلمۂ اسلام اور اُس کے چاروں طرف حضرات چاریار کے نام لکھے ہیں ۔ ان میں سے ایک سکّہ کی دوسری جانب " شاہجہان بادشاہ غازی" لکھا ہوا ہے مغلیہ دَور کے اس اسلامی سکّہ کا نقشہ یہاں پیش کیا جا رہا ہے ۔ تاکہ مسلمانانِ اہل سُنّت کو اپنے شاندار ماضی کا احساس ہو اور وہ سلاطینِ اسلام کے ملکی سکّوں سے ہی سرورِ کائنات ؐ کے ان چاریار کی عظمت کا تحفّظ کرنا سیکھ لیں ۔ کلمۂ اسلام کے ارد گرد خلفائے اربعہ کے نام کندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ چاریار دراصل کلمۂ اسلام کے محافظ ہیں اور اسلامی کلمہ کا تحفّظ بھی ان حضرات کی عظمت و ناموس کے تحفّظ پر موقوف ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم "خُدّام" کو اور ہر سُنّی مسلمان کو "حق چار یار" کا غلغلہ بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور پرچمِ خلافتِ راشدہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں بُلند سے بُلند تر ہوتا جائے ۔ آمین ! بجاہ النّبی الکریم، خاتم النّبیّین صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہ وبارک وسلّم ۔

پاکستان کا ایک عظیم تاریخی فیصلہ

(قومی اسمبلی نے مرزائیوں کو کافر قرار دیدیا)

۲۹-مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر چناب ایکسپریس میں سفر کرنے والے نشتر میڈیکل
کالج ملتان کے ایک سو ستّر نہتے طلباء پر ہزاروں مرزائی غنڈوں نے زبردست جارحانہ حملہ کیا تھا جس
سے غالباً اُن کا مقصد اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے مسلمانانِ پاکستان کو مرعوب کرنا تھا۔ کیونکہ وہ پاکستان میں
اپنی مستقل حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے لیکن خداوندِ ذوالجلال کے ہاں کچھ اور ہی مقدّر تھا۔ مرزائیوں
کو کیا معلوم تھا کہ ان کا یہی ناپاک حملہ پاکستان میں ان کی آئینی موت کا سبب بن جائے گا اور باوجود
دعویٰ اسلام کے قانوناً کافر قرار دیدیئے جائیں گے۔ مرزائیوں کے اس ظالمانہ اقدام نے پاکستان کے مسلمانوں
کو جگا دیا۔ ختم نبوّت کے شیدائی مشتعل ہوگئے، حضور رحمۃ للعالمین، خاتم النبیّین، حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ
علیہ وسلّم کی ختم نبوّت پر ایمان رکھنے والا ہر مسلمان حرکت میں آگیا۔ مسلمانوں کے ہر طبقہ اور ہر جماعت نے
طریق کار کے اختلاف کے باوجود سرکارِ دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اپنی ایمانی وفاداری کا ثبوت دیا!

احتجاجی جلسے ہوئے، جلوس نکالے گئے، گرفتاریاں ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے سارا پاکستان ختم نبوّت
کی ایک تحریک بن گیا اور بلا اختلاف متفقہ طور پر حسبِ ذیل مطالبات انتہائی جوش وخروش سے حکومتِ
پاکستان کے سامنے پیش کیے گیے۔ (۱) مرزائیوں کو (قادیانی ہوں یا لاہوری) غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے
(۲) ان کو کلیدی اسامیوں سے ہٹا دیا جائے۔ (۳) ربوہ کو کھلا شہر قرار دیا جائے۔ ان مطالبات کے
نتیجہ میں حکومتِ پنجاب نے ربوہ کیس کی سماعت کے لیے ایک خصوصی ٹریبونل قائم کیا۔ ربوہ سے مرزائی پارٹی
کے قریباً پچاسی (۸۵) سرکردہ افراد گرفتار کئے گیے۔ پولیس نے ربوہ پر چھاپہ مار کر "الفضل" ۲-جون ۱۹۷۴ء
کے دو ہزار پرچے ضبط کر لیے، اور ۱۳-جون کو وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی صاحب بھٹو نے نشری تقریر میں اپنے
اس عقیدہ کا اعلان کیا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم خاتم النّبیّین ہیں اور جو شخص آپ کے بعد کسی شخص کو نبی
مانے وہ مسلمان نہیں ہے، اور قوم سے یہ پُر عزم وعدہ کیا کہ مرزائیّت کے اِس نوّے سالہ پُرانے مسئلہ کو ضرور

حل کیا جائے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح حل ہوگا کہ ساری قوم اس سے مطمئن ہو جائے گی۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد یہ مسئلہ قومی اسمبلی کے سپرد کردیا گیا جس میں ایک رہبر کمیٹی بنائی گئی جو حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کے معززہ ارکان پر مشتمل تھی۔ جس میں علماء بھی تھے اور سیاسی زعماء بھی۔ قادیانی سربراہ مرزا ناصر کے علاوہ لاہوری پارٹی کے سربراہ مسٹر صدر الدین کو بھی اپنا اپنا موقف پیش کرنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنا اپنا مطبوعہ محضر نامہ پیش کیا۔ رہبر کمیٹی میں اٹارنی جنرل کی موجودگی میں مرزا ناصر پر جرح کی گئی۔ مرزائی دونو پارٹیوں کے محضر ناموں کے جواب میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی (ایم۔این۔اے) نے جمعیت علمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کی طرف سے "جوابِ محضر نامہ" طبع کرا کر قومی اسمبلی میں تقسیم کیا اور "مجلسِ عمل، ختمِ نبوّت" کی طرف سے بھی حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (ایم۔این۔اے) ناظمِ اعلیٰ جمعیۃ علماءِ اسلام (مفتی گروپ) نے اپنا مطبوعہ جواب پیش کیا۔

قادیانی سربراہ مرزا ناصر، لاہوری پارٹی کے صدر مسٹر صدر الدین، مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے اپنے اپنے مطبوعہ موقف نامے قومی اسمبلی میں پڑھ کر بھی سنائے۔ مرزا ناصر پر مدلّل اور مفصّل جرح کی گئی جس سے مرزا سخت پریشان اور مبہوت ہوا اور قومی اسمبلی کے جو مسلم ارکان پہلے مرزائیت کے دجل و فریب سے پوری طرح واقف نہ تھے۔ اُن پر بھی مرزائی نبوّت کا فتنہ منکشف ہوگیا اور حضور رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ختمِ نبوّت کی حقانیّت زیادہ واضح ہوگئی۔ سچ کہا ہے باباے صحافت مولانا ظفر علی خاں مرحوم نے مرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں۔ ؎

نبوّت اُسے بخشی انگریز نے !! یہ پودا اُسی کا ہے خود کاشتہ !!

۷ ستمبر کا تاریخی دن

آخر، ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کا وہ تاریخی دن آگیا جس کی ملّتِ اسلامیہ منتظر تھی اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی موجودگی میں قومی اسمبلی کے مسلم ارکان نے (خواہ حزبِ اقتدار سے تعلق رکھتے تھے یا حزبِ اختلاف سے) متّفقہ طور پر یہ قانون منظور کرلیا کہ مرزائی (قادیانی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں یا لاہوری سے) غیر مسلم اقلیّت ہیں اور آئندہ اُن کا نام دوسری غیر مسلم اقلیّتوں (عیسائیوں اور بدھوں وغیرہ) کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ چنانچہ آئین میں ترمیم کے بعد جو قانون

دفعات منظور ہوئیں وہ حسبِ ذیل ہیں :- "(۱) یہ قانون آئین میں دوسری ترمیم کا قانون مجریہ ۷۴ ۱۹ء کہلائے گا۔ یہ قانون فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔ (۲) اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ۱۰۶ کی دفعہ۳ میں لفظ فرقے کے بعد قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ (جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں) کے افراد کے الفاظ شامل کئے جائیں گے۔ (۳) آئین کے آرٹیکل ۲۶۰ میں دفعہ ۲ کے بعد حسبِ ذیل نئی دفعہ شامل کی جائے گی (۱) جو شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خاتم النّبیّین ہونے پر مکمل اور غیر مشروط پر یقین نہ رکھتا ہو یا حضر محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد الفاظ کے کسی بھی مفہوم یا اظہار کی صورت میں نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہو یا اس قسم کے دعویدار کو نبی یا مصلح مانتا ہو وہ آئین یا قانون کے مقاصد کے تحت مسلمان نہیں ہے" اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۲۹۵ میں حسبِ ذیل تشریح بھی شامل کردی گئی ہے کہ :- "جو مسلمان حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خاتم النّبیّین ہونے (جیسا کہ آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۹۰ کی دفعہ ۳ میں صراحت کردی گئی ہے) کے تصوّر کے خلاف عقیدہ رکھے، عمل کرے یا پرچار کرے گا۔ اُسے اس دفعہ کے تحت سزا دی جاسکے گی" (نوائے وقت راولپنڈی ۸ ستمبر ۱۹۷۴ء) -

ملّتِ اسلامیہ کو مُبارکباد

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیّت قرار دینے کے اس تاریخی فیصلہ پر ہم "خُدّام اہلِ سُنّت" کی طرف سے تمام ملّتِ اسلامیہ خصوصًا سوادِ اعظم اہل السُنّت والجماعت کو مبارکباد پیش کرتے ہیں ؛ اور پھر پاکستان کے اُن تمام عُلماء و زُعماء جانثار و رضا کاروں اور خواص و عوام کو بھی جنھوں نے اپنی اپنی صوابدید اور طریقِ عمل کے مطابق حُضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ختمِ نبوّت کا پرچم بلند کرنے، انگریز کے خود کاشتہ پودے "قادیانی نبوّت" کو برباد کرنے میں مخلصانہ جدّو جہد کی ہے اور حالیہ تحریکِ ختمِ نبوّت کے اُن فدا کاروں کو بھی ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے تحفّظِ ختمِ نبوّت کے لیے جامِ شہادت نوش کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کو جنّت الفردوس نصیب فرمائیں۔ آمین (۲) ہم وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی صاحب بھٹو، قومی اسمبلی اور سینٹ کے اُن تمام مُسلم ارکان کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ جنھوں نے متّفقہ طور پر آئینِ پاکستان میں مسئلۂ ختمِ نبوّت کو آئینی تحفّظ دے کر قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیّت قرار دینے کا قانون منظور کیا ہے۔ (۳) ہم ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت کے اُن جلیل القدر شہداء کو

خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جن کی قربانی اور شہادت کے نتیجے میں آج پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا ہے اور ہم ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت کے قائدین وزعما راپنے دَور کے عظیم قائد امیرِ شریعت حضرت مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری، جلیل القدر رہنما شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، ۱۹۵۳ء کی مجلسِ عمل کے صدر علامہ ابوالحسنات صاحب قادری، مجلسِ تحفّظِ ختمِ نبوّت کے سابق صدر مجاہدِ ملّت حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری، خطیبِ پاکستان مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی، فاتح مرزائیت، مناظرِ اسلام مولانا لال حسین صاحب اختر کی ارواح کو ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں جنھوں نے مرزائی فتنہ کے انسداد کے لیے اپنی تمام قوّتیں صرف کردیں۔ (۴) ہم "مجلسِ احرارِ اسلام" کے بیباک رہنما حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی، قائد احرار چوہدری افضل حق صاحب اور شاعرِ ملّت بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان وغیرہ اُن علماء وزعماء کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں جنھوں نے انگریزی استبداد کے دَور میں مرزائیت کو للکارا اور ساری عمر قادیانی فتنہ سے برسرِ پیکار رہے۔

(۵) ہم حضرت علّامہ استاذ العلماء مولانا سیّد انور شاہ صاحب کاشمیری، حضرت مولانا سیّد مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری، شیخ الاسلام علّامہ شبّیر احمد صاحب عثمانی اور عظیم شاعرِ اسلام علّامہ اقبال وغیرہ اکابرِ ملّت کو بھی خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنھوں نے اپنی علمی اور استدلالی قوّتوں سے قصرِ مرزائیت میں زلزلہ ڈال دیا تھا (۶) ہم حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب چشتی گولڑوی، رئیس المناظرین مولانا ابوالفضل محمد کرم الدّین صاحب دبیر مصنّف "آفتابِ ہدایت" و "تازیانۂ عبرت"۔ فاضلِ یگانہ، ادیبِ لبیب مولانا محمد حسن صاحب فیضی ساکن بھیں تحصیل چکوال۔ (جن کے عربی بے نقط قصیدہ کے سامنے مرزا قادیانی مبہوت ہوگیا تھا۔ یہ فیضی مرحوم میرے والد صاحب مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے اور ادبِ عربی میں بڑی مہارت رکھتے تھے) اور مسلکِ اہلِ حدیث کے اکابر مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولانا میر محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مصنّف "شہادت القرآن" (در مسئلہ حیات حضرت عیسیٰ علیہ السّلام) کو ہزارہا آفرین کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ جنھوں نے براہِ راست مرزا غلام احمد قادیانی کا تعاقب کیا اور مرزائی فتنہ کے استیصال کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔

حضرت صدیقؓ کا عظیم کارنامۂ خلافت

قادیانی نبوّتِ کاذبہ کی آئینی شکست اور مسلمانانِ پاکستان کا تحفّظِ ختمِ نبوّت

پر یہ اجماع دراصل امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عظیم کارنامہ کا ایک فیضان ہے جو آپ نے حضور خاتم النبیّین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے بعد مُسیلمہ کذّاب، اسود عنسی، طلیحہ اسدی وغیرہ جھوٹے مدعیانِ نبوّت کے مقابلہ میں سرانجام دیا اور حضرت صدّیق اکبر کی قیادت میں صحابہ کرام اور مجاہدینِ اسلام نے بیک وقت اُن تمام جھوٹی نبوّتوں کا خاتمہ کردیا۔ مُسیلمہ کذّاب باوجود اپنی چالیس ہزار فوجِ جرّار کے قتل ہوا۔ اسودِ عنسی بھی غازیانِ اسلام کے ہاتھوں مارا گیا اور طُلیحہ اسدی اور سجاح (مدّعیۂ نبوّت) کو آخرکار توبہ کی توفیق ملی۔ مدّعیانِ نبوّت کے مرتد ہونے اور اُن کے واجب القتل ہونے پر سب سے پہلا اجماع حضرت ابوبکرؓ صدّیق کی خلافت میں ہی ہوا۔ اور تمام اُمّتِ اسلامیہ پر حضرت صدّیقِ اکبر کا یہ احسانِ عظیم ہے جنھوں نے اپنی بےمثال استقامت سے نہ صرف جھوٹی نبوّتوں بلکہ منکرینِ زکوٰۃ اور مرتد قبائل کے فتنوں کا حق تعالیٰ کی نصرت سے بالکل ہی قلع قمع کردیا۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وَعَنْ سَائِرِ الصَّحَابَۃِ الَّذِیْنَ جَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَحَازُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ فَوْزًا عَظِیْمًا۔

ہدیۂ درود و سلام

آخر میں ہم امام الانبیاء والمرسلین، رحمۃ للعالمین، خاتم النبیّین محبوبِ ربّ العالمین، شفیع المذنبین، حضرت محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہِ رسالت میں درود و سلام کا عاجزانہ ہدیہ پیش کرتے ہیں کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا منصب ختمِ نبوّت آئینی طور پر محفوظ ہوگیا ہے اور حضُور کی ختمِ نبوّت کے باغیوں کے کُفر پر مُہر لگ گئی ہے، اور حضُور کے گناہگار اُمتیوں کو اللہ تعالیٰ نے مقامِ ختمِ نبوّت کے تحفّظ کی توفیق عطا فرمائی ہے، اور حضور رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وسلّم کے توسّل سے ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ پاکستان ہر قسم کے داخلی اور خارجی فتنوں سے محفوظ رہے، اور ملک و ملّت کو خُلفائے راشدین، صحابہ کرام اور اہلِ بیتِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی محبّت اور پیروی میں مکمّل نظامِ شریعت نصیب ہو۔ آمین! یا الٰہ العالمین!

سُنّی مُطالبات کی تحریک

گذشتہ سال پاکستان کے شیعوں نے ماتمی جلوسوں کے آزاد ہونے کے علاوہ سرکاری سکولوں اور تعلیمی اداروں میں شیعہ دینیات نافذ کرنے کی پُرزور تحریک چلائی تھی اور اس سلسلہ میں حکومت کو یہ الٹی میٹم بھی دیدیا تھا کہ :۔ "اگر ۲۰ ستمبر تک سرکاری مدارس میں جداگانہ شیعہ دینیات نافذ نہ کی گئی تو ۲۱ ستمبر ۱۹۷۳ء کو ملک بھر سے شیعہ عوام راولپنڈی پہنچ کر شدید احتجاج اور مظاہرہ کریں گے اور مظاہرہ کرنے کے نتائج کی ذمہ داری حکومت پر ہوگی۔ پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی پر نہ ہوگی۔" چونکہ شیعہ مطالبات سوادِ اعظم اہل سُنّت کے حُقوق کے خلاف تھے اور مشترکہ سُنّی و شیعہ دینیات جاری کرنے سے سرکاری سکولوں میں سُنّی شیعہ نزاعات بڑھنے کا خطرہ لاحق ہوسکتا تھا۔ اس لیے حق تعالیٰ کی تائید و توفیق سے "خُدّامِ اہل سُنّت" نے سُنّی مطالبات کی عظیم تحریک اُٹھائی اور "سوادِ اعظم کے ملکی و ملّی حُقوق کے تحفّظ کے لیے اہم سُنّی مطالبات" حکومت کو پیش کر دیئے گئے اور "سُنّی مُطالبات" کو طبع کرا کے ملک میں تقسیم کیا گیا۔

اس سُنّی دستاویز پر پنجاب، سندھ، سرحد، اور بلوچستان کے چاروں صوبوں کے تقریبًا ایک ہزار علمائے کرام کے دستخط تھے۔ جن میں قومی اسمبلی کے حسب ذیل سات علماء ارکان بھی شامل ہیں :۔ مولانا عبدالحق صاحب شیخ الحدیث (اکوڑہ خٹک۔ پشاور) مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی، مولانا شاہ احمد صاحب نورانی (کراچی) مولانا عبدالحکیم صاحب (راولپنڈی) مولانا صدر الشہید صاحب (بنوں) مولانا نعمت اللہ صاحب (کوہاٹ) اور مولانا عبدالحق صاحب (بلوچستان)۔ اِن سُنّی مطالبات پر دیوبندی اور بریلوی علماء کے علاوہ مسلک اہل حدیث کے علماء کے بھی دستخط تھے اور حسب ذیل جماعتوں کے علمائے کرام نے بھی اپنے دستخطوں سے ان مطالبات کی تائید کی تھی :۔ تحریک خُدّامِ اہل سُنّت۔ تنظیم اہل سنّت۔ پاکستان سُنّی پارٹی۔ مرکزِ محبّینِ صحابہ۔ پاکستان سُنّی کانفرنس۔ جمعیّت علمائے اسلام۔ جمعیّت علمائے پاکستان۔ مجلسِ تحفّظِ ختمِ نبوّت۔ مجلسِ احرارِ اسلام۔ انجمن تحفّظِ حُقوقِ اہل سُنّت۔ مجلس تحفّظِ ناموسِ صحابہ۔ مذکورہ سُنّی مطالبات کی دستاویز ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ تفصیل کے لیے یہ دستاویز قابل مطالعہ ہے۔ ہم قارئین کے لیے صرف سُنّی مطالبات کا خلاصہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سُنّی مُطالبات کا خُلاصہ

(۱) سوادِ اعظم اہل السُّنّت والجماعت کا یہ اسلامی، اور جمہوری حق ہے کہ نصابِ تعلیم میں صرف اُن کی دینیات نافذ کی جائے اور شیعہ اقلیتی فرقہ کے اس مطالبہ کو مسترد کر دیا جائے کہ "۔شیعہ دینیات سرکاری تعلیمی داروں میں نافذ کی جائے۔" (۲) شیعہ فرقہ کے ماتمی جلوسوں کے لائسنس بالکل منسوخ کر دیئے جائیں کیونکہ یہ سُنّی شیعہ فرقہ دارانہ فسادات کا مبنیٰ ہیں اور شیعہ فرقہ کو اُن کی مذہبی رسوم کی ادائگی کے لیے اُن کی مساجد اور امام باڑوں میں پابند کر دیا جائے۔ (۳) ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی اُن نشریات پر پابندی لگادی جائے جو سوادِ اعظم اہل سُنّت کے مذہبی جذبات کو مجروح کرنے والی ہیں اور خلیفۂ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ دیگر خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدّیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے محامد و کمالات کو بھی نشر کرنے کا انتظام کیا جائے (۴) اہل سُنّت کے لیے سُنّی اوقاف بورڈ قائم کیا جائے جس کا انتظام بھی سُنّی حُکّام کے ماتحت ہو۔ (۵) کتابُ اللہ، ارشاداتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم، تعاملِ خلفائے راشدین اور اجماعِ اُمّت کے تحت چونکہ مدّعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کی اُمّتِ مرزائیہ کافر ہے۔ اس لیے پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیّت قرار دیا جائے۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلٰغ ط (منجانب سوادِ اعظم اہل السُّنّت والجماعت، پاکستان) الحمدللہ! مرزائیوں کے متعلق سوادِ اعظم کا یہ آخری پانچوں مطالبہ آئینی طور پر منظور ہو چکا ہے۔ جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں درج کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانانِ اہل السنّت والجماعت کو اپنے باقی مطالبات میں بھی کامیابی عطا فرمائیں اور خلافت راشدہ کے نظامِ حق کا نمونہ نہ صرف پاکستان بلکہ تمام دنیائے اسلام میں قائم ہو جائے۔ آمین! بجاہ النبی الکریم صلّی اللہ علیہ وسلّم۔

خادمِ اہلِ سُنّت الاحقر مظہر حُسین غُفرلہٗ
خطیب مدنی جامع مسجد چکوال و امیر "تحریکِ خُدّامِ اہلِ سُنّت" صُوبہ پنجاب

سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت کے خلاف ایک غیر منصفانہ فیصلہ

سرکاری سکولوں میں شیعہ دینیات جاری کرانے کے لیے شیعہ فرقہ نے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۷۴ء سے راولپنڈی میں ایک زبردست ایجی ٹیشن چلانے کی حکومت کو دھمکی دی تھی۔ جس کے خلاف "خدّامِ اہلِ سُنّت" کی طرف سے ایک پمفلٹ بنام "اہلِ سُنّت کے لیے ایک اور آزمائش" شائع کیا گیا تھا۔ لیکن اسی دوران میں اچانک یہ خبر پڑھی کہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۷۴ء کو لاہور کے ایک اجلاس میں شیعہ دینیات کا مطالبہ منظور کر لیا گیا ہے اور تعجب یہ کہ اس اجلاس میں کسی سُنّی عالم کو شریک نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف حکومت کے دو مرکزی نمائندے وفاقی وزیر تعلیم پیرزادہ اور وفاقی وزیر تجارت رفیع رضا اور شیعوں کے ۱۶ - نمائندے شریک کئے گئے۔ جن میں جسٹس جمیل احمد رضوی، نواب مظفر علی قزلباش اور مسٹر مظفر علی شمسی وغیرہ شیعہ زعماء شامل تھے۔ چونکہ یہ فیصلہ بالکل یک طرفہ اور ہر پہلو سے سَوادِ اعظم اہلِ سُنّت کیلئے خطرناک تھا اس لیے "خدّامِ اہلِ سُنّت" کی طرف سے اس کے خلاف احتجاجی طور پر ایک پمفلٹ بعنوان "ایک غیر منصفانہ فیصلہ" ملک میں تقسیم کر دیا گیا۔ (۲) اس فیصلہ کے خلاف ماہنامہ "الحق" (اکتوبر و نومبر ۱۹۷۴ء) میں ایک مفصل مضمون جناب مولانا سمیع الحق صاحب مدیر "الحق" کا بھی شائع ہوا۔ جس کو "خدّامِ اہلِ سنّت" لاہور نے رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ (۳) حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی استاذ مدرسہ اِسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی (سابق شیخ الحدیث والتفسیر ندوۃ العلماء لکھنو) نے بھی اس کے خلاف ایک مدلّل مضمون تحریر فرمایا۔

شیعہ مذہب کا کلمہ نویں اور دسویں جماعت کے طلبہ کیلئے نیا نصاب مرتّب ہونے سے پہلے حکومت نے شیعہ نصاب دینیات مصنفہ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی (پی۔ ایچ۔ ڈی) منظور کیا ہے۔ جس کے حصّہ اوّل ص۲۱ میں کلمہ اسلام یہ لکھا ہے:۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ ط جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کا کلمہ ہی باقی تمام مسلم فرقوں سے جُدا ہے۔ اِن حالات میں بھی اگر مسلمانانِ اہلسنّت نے شیعہ دینیات کے خلاف جدّ وجہد کرکے اس غیر منصفانہ فیصلہ کو منسوخ نہ کرایا تو اس غیر اسلامی کلمہ کے اجراء کی ذمّہ داری اُن پر عائد ہو گی۔ کیا سَوادِ اعظم اسلامی کلمہ کی بھی حفاظت نہیں کر سکتے؟ والسّلام

خادمِ اہلِ سُنّت الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ

حصۂ نظم

چار یارِ مصطفےٰ اہلِ یقین

ازقلم فیض رقم شیخ المشائخ امام اولیائے چشت حضرۃ حاجی امداد اللہ صاحب
مہاجر مکی قدس سرہٗ

شہسوارانِ جہاں، مردانِ دیں! — چار یارِ مصطفیٰ، اہلِ یقیں!
اوّلاً بوبکرؓ صدیق، اہلِ دیں! — دوسرے عادلِ عمرؓ و الایقیں!
تیسرے عثمانؓ باحلم وحیا! — چوتھے ہیں حضرت علیؓ شیرِ خدا!
اور سب اصحابؓ اُن کے ذی علوم! — ہیں ہدایت کے فلک پر مثلِ نجوم!
صدق اور عدل و شجاعت اور حیا — ہے انہی چاروں سے دیں کا ارتقاء
ان سے راضی ہے خدائے دوسرا — اور خوش ہیں اُن سے حضرت مصطفےٰ
تو بھی جان و دل سے اے امداد اب — رہ فدا اُن پر سدا ہر روز و شب

جو کوئی بد اعتقاد اُن سے ہوا
ہے وہ مردودِ جنابِ کبریا

منقول از خلافتِ راشدہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (بحوالہ غذائے رُوح ص۱۶۲)

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ (الحدیث)

بعض لوگوں نے حضرات خلفاء کی فضیلت اور ترتیب کے متعلق ایک نکتہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ حدیث شریف میں آیا ہے :- خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ (یعنی سب سے بہتر میرا زمانہ ہے) اس حدیث میں خلفائے اربعہ کے نام کے آخری حروف بہ ترتیب آئے ہیں یعنی ق صدیقؓ کا اور ر اعمرؓ کی اور نون عثمانؓ کا اور ی علیؓ کی اور کسی نے اس کو یوں نظم کیا ہے -

ابوبکرؓ یکسو علیؓ ایک جانب — خلافت کو گھیرے ہیں باصد صفائی!
الف اور یاء کی طرح اُن کو جانو — کہ محصور ہے جن میں ساری خدائی!
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ بھی — الف اور یاء نے یہ ترتیب پائی!
وہ اوّل خلیفہ کے اوّل میں آیا! — یہ آخر خلیفہ کے آخر میں آئی!

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرّہٗ ان اشعار کو پڑھتے اور یہ فرماتے، بھلا کوئی شعر کہے تو ایسے کہے - (منقول از "خلافتِ راشدہ" ص۱۶۳)

فلسفۂ شہادتِ امامِ عالی مقامؓ

از مولانا ظفر علی خاں مرحوم

کیوں ماتمِ حسینؓ میں یہ شور و شین ہے — کیوں گریہ و بُکاء کیلئے ہے یہ بندوبست
خُونْنابہ بار کس لئے ہے آنکھ آپ کی؟ — کیوں ہمّت آپ کرتے ہیں اسلامیوں کی پست
کیا یہ بھی کوئی گریہ و زاری کی بات ہے — قربان ہو گیا رہِ دیں میں وہ حق پرست
تم کربلا کی خاک اُڑاتے رہو! مگر — ہم خوش ہیں دی حسینؓ نے طاغوت کو شکست

آوازۂ خلیلؑ ز بنیادِ کعبہ نیست
مشہور شد ازاں کہ بآتش نکو نشست

(ماخوذ از "بہارستان")

حق چاریار (از محمّد یونس سرور واصفی)

اسلام پر نثار تھے حضرت کے چارؓ یار — ملّت کے غمگسار تھے حضرت کے چاریار
کفّار کو ہمیشہ انہوں نے شکست دی — نصرت سے ہمکنار تھے حضرت کے چاریار
حق بات اُن کے مُنہ سے نکلتی تھی بیدھڑک — مقبولِ کردگار تھے! حضرت کے چاریار

زیرِنگیں تمام جہاں اُن کے آگیا!
دُنیا کے تاجدار تھے حضرت کے چاریار

خُلقِ محمّدی کا نمونہ تھے سر بسر! — یکتائے روزگار تھے حضرت کے چاریار
ملتی نہیں جہان میں اُن کی مثال اب — حضرت کے رازدار تھے حضرت کے چاریار

سرکارِ دوجہاں کی وفا کے سُرور سے!
کِس درجہ باوقار تھے حضرت کے چاریار

(منقول از ہفت روزہ "الجمعیّت" راولپنڈی)

مقامِ چاریار از ڈاکٹر منظور احمد منظورؔ

دوجہاں میں ہے بُلند آوازہ نامِ چاریار
بعد احمدؐ سب سے بڑھ کر ہے، مقامِ چاریار
کیوں نہ ہو وردِ زباں ہر وقت نامِ چاریار
ہم فدایانِ محمّد! ہیں غلامِ چاریار

اِعلانِ حق ہمارا ہے حق چار یار سے!

(ماسٹر محمد یوسف صاحب ساکن بھیں)

اعلانِ حق ہمارا ہے حق چار یار سے
باطل کا زور ٹوٹ گیا حق چار یار سے!

توحید کا ہے غلغلہ سُنّت کی ہے بہار
فیضِ محمدی ہے یہ حق چار یار سے!

باطل کا جن کے سامنے پرچم تھا سرنگوں!
ہے فتح مصر و شام کی حق چار یار سے!

وہ شوکتِ اسلام کا تابندہ ہیں نشان!
بس عظمتِ اسلام ہے حق چار یار سے!

خُلفائے راشدین کا منکر ہے بدنصیب!
کیوں اُس کو یہ عناد ہے حق چار یار سے!

ہے ارضِ پاک سے جو اٹھا مردِ حق شناس
اُس کو یہ فیض مل گیا حق چار یار سے!

جنگل، پہاڑ گونج اُٹھے حق چار یار سے
بیدار "سُنّی" ہوگیا، حق چار یار سے!

اصحابِ مُصطفیٰ پہ ہیں "خُدّام" جانثار
اعلانِ حق ہمارا ہے، حق چار یار سے

اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ

از عزیز فیضانی

غضب ہے، شک رہے ہے لوگوں کو اُن کے دین و ایماں میں
خُدا راضی ہوا ہو صاف جن سے لفظِ قرآں میں!

وہ اُن کی آنکھ میں کیوں خار بن کر کھٹکتے ہیں
جو گُل بن کر کھلے ہوں گلبنِ ختمِ رسولاں میں

معیّت[1] سرورِ کونین کی اُن کو میسّر تھی!
بیانِ اوصاف اُن کے کر دیئے خالق نے قرآں میں

---

[1] اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (پارہ ۱۰ - سورۃ توبہ)

وہ پایا مرتبہ اعلیٰ رفیقِ غار ہونے سے ‌ ‌ کہ بخشا حق نے "صاحب" کا خطابِ پاک قرآں میں

جو شاہانِ زمانہ بھی نہ حاصل کر سکے اب تک ‌ ‌ تدبّر تھا وہ فاروقِ جہاں اُستادِ شاہاں میں

ہیں یُوں تو مخزنِ اوصاف سب لیکن نمایاں ہیں ‌ ‌ ضیائے علم حیدرؓ میں، حیا کی شان عثمانؓ میں

نبیؐ ہے چاند، اُس کے چار تارے، چار یار اُس کے ‌ ‌ یہ نورِ پنجتن ہے جلوہ افگن انجمستاں میں

گواہی صاف دیتی ہے حدیثِ[1] کالنجوم اس کی ‌ ‌ ستارے بن گئے عشّاق، بزمِ ماہِ خوباں میں

بنائے دین و ملّت کی عمارت جن بزرگوں نے ‌ ‌ انہی کی ہے حرارت آج تک خونِ مسلماں میں

وہ راضی ہو گئے حق سے، خُدا راضی ہوا اُن سے[2]!

عزیزیؔ اُن کا یہ رُتبہ ماننا داخل ہے ایماں میں!

(منقول از "الجمعیّت" راولپنڈی)

جو صابر و شاکر ہیں وہ ماتم نہیں کرتے

(اثرِ خامہ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور)

جو صابر و شاکر ہیں وہ ماتم نہیں کرتے ‌ ‌ یوں خالقِ کونین کو برہم نہیں کرتے

یہ نوحہ و ماتم تو شکایت ہے خُدا کی ‌ ‌ ہم شکوۂ خلّاقِ دو عالم نہیں کرتے

بندوں کو ہو معبود کا، تقدیر کا شکوہ؟ ‌ ‌ کیوں فیصلۂ قدر پہ سر خم نہیں کرتے

تقدیر میں جو ہوتا ہے، ہو جانے پہ اُس کے ‌ ‌ راضی برضا نوحۂ پیہم نہیں کرتے

حکمت ہے ہر اک کام حکیمِ ازلی کا ‌ ‌ شکوہ کبھی اس راز کے محرم نہیں کرتے

ہے حکم کہ مُردہ نہ شہیدوں کو کہو تم! ‌ ‌ جو مُردہ نہیں کہتے وہ یوں غم نہیں کرتے

ہے حکم شہیدوں کا کہ ہیں زندہ یہ سب لوگ ‌ ‌ زندوں کا تو فسّاق بھی ماتم نہیں کرتے

---

[1] اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔ [2] آیۃ:۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

ہے حکمِ پیمبرؐ نہ کرو سوگ بہت دن ! — مُسلم ہیں جو وہ کارِ مُحرّم نہیں کرتے !
فرمایا ! جو نوحہ کریں، مُنہ کپڑوں کو نوچیں — اپنوں میں شمار اُن کو کبھی ہم نہیں کرتے !
ہر سال کا یہ شور و شغب، نوحہ و ماتم ! — مومن کبھی شکوۂ پیہم نہیں کرتے !
وہ حکمِ الٰہی کے اُڑاتے ہیں پرخچے ، ! — جو حکم کے آگے کبھی سر خم نہیں کرتے !
کرتا ہے بناوٹ وہ جو خود ہوتا ہے جھوٹا — سچے جو ہیں وہ اس طرح سے غم نہیں کرتے !
غم ہوتا ہے کچھ اور، یہ غم کرنا ہے کچھ اور — غمگین جو ہوتے ہیں وہ ماتم نہیں کرتے !
دل رنج ہے پر صبر کا دامن نہیں چھٹتا — یوں شور و شغب آہ و فغاں ہم نہیں کرتے !
اسلام کہ جو صبر و شجاعت کا ہے مذہب — شان اُس کی زنانوں کی طرح کم نہیں کرتے
ہو جاتی ہے نم آنکھ مصیبت میں تو سب کی — پر برسوں وہ قصداً کبھی غم نہیں کرتے
جب حضرتِ داؤد کو تھا آرے سے چیرا — کیوں سارے نبیؐ آپ کا ماتم نہیں کرتے
حسنینؓ کے والد کی شہادت بھی تھا اک ظلم — حسنینؓ مگر نوحہ و ماتم نہیں کرتے !
ہے سب سے بڑا رنج تو حضرتؐ کی جدائی — مُسلم کہیں آپ کا ماتم نہیں کرتے !
ہے دین اگر نوحہ و سر کوبی و ماتم ! — کیوں سارے نبیؐ نوحہ و ماتم نہیں کرتے
اللہ و نبیؐ سے جو صحابہؓ نے لیا دین — مومن کبھی کچھ زیادہ ، کبھی کم نہیں کرتے
ہنگامہ و شور و شغب ، نوحہ و ماتم — اسلام میں اس رسم کو مُدغم نہیں کرتے
اسلاف کو یوں گالیاں اور کوسنے دے کر — اِس فحش کو مذہب میں کبھی ضم نہیں کرتے
اِس ماہِ مُبارک میں گناہوں کے یہ انبار — مومن جو ہیں توہینِ مُحرّم نہیں کرتے
کرتے ہیں وہی نوحہ و سر کوبی و ماتم — جو ڈرتے ہیں لوگ اُن کو تو مُلزم نہیں کرتے
ہے جُرم چھپانے کی عجب چال کہ سمجھیں — جو بھرتے ہیں دم اُن کا وہ بیدم نہیں کرتے
ہر سال میں تجدید ہے اِس فتنہ گری کی ! — اور ہم ہیں کہ ناسُور کا مرہم نہیں کرتے !
لیبل ہے ! "محبت ہے یہی آلِ نبیؐ کی" — اس دُشمنیٔ دینؐ پہ نظر ہم نہیں کرتے

جن تحفظ ختم نبوّت زندہ باد — خلافت راشدہ زندہ باد

پاکستان پائندہ باد — سُنی مذہب زندہ باد

حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت عمر فاروقؓ حق چار یار حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ

حضرت علی المرتضیٰؓ

ماتمی مجتہد محمد حسین ڈھکو کی کتاب تجلیات صداقت

پر

ایک اجمالی نظر

از

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب امیر خدام اہلسنت والجماعت

صوبہ پنجاب

ناشر: خدام اہلسنت والجماعت چکوال ضلع جہلم

کاتب محمد رمضان لاہور — قیمت ۴/۵۰ روپے

فہرست "تجلیاتِ صداقت پر ایک اجمالی نظر"

"تجلیات صداقت" پر ایک اجمالی نظر"

میرے والد صاحب مرحوم رئیس المناظرین ابوالفضل حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیرؒ کی رد رفض و بدعت میں ایک مشہور تصنیف "آفتاب ہدایت" قریباً عرصہ پچاس سال سے شائع ہے۔ جس کا اب تک کسی شیعہ عالم و مجتہد نے جواب نہیں لکھا تھا مگر حال ہی میں اس کا جواب شیعی علامہ مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو نے لکھا ہے (جن کی فلاح الکونین پر تقریظ ہے) اس کتاب کا نام "تجلیات صداقت" رکھا ہے جس کو انجمن حیدری چکوال نے شائع کیا ہے۔ ہم کو یہ کتاب "بشارت الدارین" مکمل کرنے کے بعد دستیاب ہوئی ہے۔ اور اس پر شیعوں کو بڑا ناز ہے چنانچہ کتاب کے ناشر نے آفتاب ہدایت کے جواب کی ضرورت کے تحت لکھا ہے کہ:۔ ان حالات سے مجبور ہو کر ہم نے صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین سرکار علامہ الحاج الشیخ محمد حسین صاحب قبلہ مجتہد العصر مدظلہ العالی (جو کہ سب سے زیادہ اتحاد اسلامی کے علمبردار ہیں) کی خدمت میں جواب لکھنے کی درخواست پیش کی۔ مقام شکر ہے کہ انہوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہماری مخلصانہ استدعا پر لبیک کہتے ہوئے اس کتاب کا دنداں شکن جواب باصواب لکھ کر پوری ملت جعفریہ کا سر افتخار بلند کر دیا جس پر آنے والی نسلیں بھی فخر کرتی رہیں گی الخ۔ گو "تجلیات صداقت" دجل و فریب اور حق و باطل کے التباس اور کتمان حق کا ایک عجیب شاہکار ہے لیکن اس سے ناواقف اہل سنت چونکہ فریب کا شکار ہو سکتے ہیں اور شیعہ عوام بھی مجتہد صاحب موصوف کی اندھی تقلید کی وجہ سے خلفاء و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض و عناد کے باعث ہمیشہ کے لئے ورطۂ ضلالت میں مبتلا ہو سکتے ہیں اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ مولوی محمد حسین صاحب موصوف کے علم و دیانت کا پول کھول دیا جائے اور چونکہ کتاب "بشارت الدارین" پہلے بھی ضخیم ہو چکی ہے اور طباعت کے مراحل میں ہے اس لئے بہت اختصار کے ساتھ کچھ عرض کیا جائیگا۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

خلفائے ثلثہ کے بارے میں ماتمی مجتہد کا نظریہ

بعض شیعہ چونکہ مولوی محمد حسین صاحب

ڈھکوکو مجتہد[۱] مانتے ہیں (اور کتاب کے ناشر صاحب نے بھی دیگر القاب کے ساتھ ان کو مجتہد العصر لکھا ہے) اس لئے ہم ان کو جواب میں ماتمی مجتہد سے خطاب کریں گے۔ اور تعجب ہے کہ ناشر صاحب ان کو "سب سے زیادہ اتحاد اسلامی کے علمبردار" قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ ماتمی مجتہد نے اپنی اس کتاب میں خلفائے ثلثہؓ اور حضرت عائشہؓ صدیقہ کے خلاف جو کچھ زہر اگلا ہے اور ان کے ایمان کا بھی صراحتاً انکار کیا ہے۔ اس سے واقف ہونے کے بعد کون غیرتمند سُنی مسلمان شیعوں کے ساتھ اشتراک و اتحاد کر سکتا ہے۔ اور یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جو شخص بھی شیعہ مذہب کا معتقد ہے وہ خلفائے ثلثہ یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین اور ان کو خلفائے راشدین ماننے والوں کو مومن نہیں مان سکتا۔ اگر کوئی شیعہ صحابہ کرام اور ان خلفائے عظام کو مومن یا مسلم کہتا ہے تو وہ تقیہ کی بنا پر ایسے الفاظ کہہ دیتا ہے۔ یا وہ شیعہ مذہب سے ناواقف ہوتا ہے۔ بہرحال ماتمی مجتہد نے خلفائے ثلثہ اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے خلاف جو کچھ دریدہ دہنی کی ہے اس کا کچھ نمونہ حسب ذیل ہے:

(۱) ۔ دراصل بات یہ ہے کہ ہمارے اور ہمارے برادرانِ اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے وہ صرف اصحاب ثلثہ کے بارے میں ہے۔ اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب و امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان ایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں" (تجلیات صداقت ص۲۰۱)

(۲) مذہب شیعہ نہ جناب ابوبکر و عمر و عثمان کو کافر سمجھتا ہے اور نہ ہی ان کے پیروکاروں کو۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ ان کو مومن بھی نہیں سمجھتا" (ص۳۴۶)

(۳) اس میں شک و شبہ نہیں کہ شیعان حیدر کرار ابوبکر کو سچا مسلمان اور مخلص با ایمان نہیں جانتے بلکہ . . . جانتے

ھ[۱] حالانکہ بعض شیعہ علماء ان کو اور ان کے ایک اور مجتہد ساتھی یا بقول بعض ان کے اُستاد محترم مولوی حسین بخش جاڑا پرنسپل دار العلوم شیعہ محمدیہ سرگودھا وغیرہ کو خارجی کہتے ہیں۔ چنانچہ ایک ٹریکٹ بنام "خارجی فتنے کا سد باب" میں ان کو ڈھکو اینڈ فرزاڈ کمپنی اور جھاڑا اینڈ سنز کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ اور اس پارٹی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ :۔ دراصل یہ گروپ نہ شیعہ ہے نہ سُنی ہے نہ بریلوی ہے یہ خالص خارجی ہیں جن کو اسلام سے کوئی تعلق نہیں" یہ مولوی حسین بخش جاڑا موصوف جاڑا ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے رہنے والے ہیں عراق کے سند یافتہ ہیں اور وہاں سے ان کو سند اجتہاد بھی حاصل ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "امامت و ملوکیت" اور اپنی تفسیر انوار النجف میں بھی درج کر دی ہے۔ اس جاڑا مجتہد نے بھی "امامت و ملوکیت" میں خلفائے ثلثہ کے خلاف بہت زہر اگلا ہے۔

ہیں۔۔(ص۴۲۰)

(۴) اصحاب ثلثہ کا جناب امیر خیبر گیر سے بجائے شیر و شکر و مشیر ہونے کے ان کا دشمن ازلی ہونا۔ بجائے تابعدار اور قرابتدار رسول ہونے کے ان کا دنیا دار اور عصیان کار ہونا۔ اور بجائے مقبول بارگاہ ہونے ان کا مردود بارگاہ خدا و رسول ہُدیٰ ہونا کتب فریقین سے کچھ ایسے ناقابل انکار دلائل جاندار سے واضح و آشکار کریں گے کہ نہ صرف پرستاران ثلثہ کی بلکہ ثلثہ علیہم کی روحیں بھی یوم القرار تک بے قرار ہو جائیں گی۔

؎ جاؤ گے تم کہاں شیعوں کو چھیڑ کے رکھ دیں گے تیرے مذہب کا بخیہ ادھیڑ کے

(۵) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے متعلق لکھا ہے:۔ باقی رہا مؤلف کا یہ کہنا کہ عائشہ مومنوں کی ماں ہیں ہم نے ان کے ماں ہونے کا انکار کب کیا ہے۔ مگر اس سے ان کا مومنہ ہونا تو ثابت نہیں ہوتا۔ ماں ہونا اور ہے اور مومنہ ہونا اور" (ص۴۷۸) ان عبارات کے بعد بعض لوگ حیران ہوں گے کہ العیاذ باللہ حضرات خلفائے ثلثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمر فاروقؓ۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورین اور ام المومنین زوجہ رسول حضرت عائشہ صدیقہؓ کو غیر مومن ماننے کے باوجود پھر ماتمی مجتہد نے یہ کیوں لکھا ہے کہ ہم ان کو کافر نہیں کہتے۔ تو اس کی وجہ انہوں نے خود ہی بعنوان "لفظ مسلمین کا منافقین پر اطلاق" یہ بیان کی ہے کہ:۔ باقی رہا یہ کہنا کہ اس جنگ کے شاملین کو مومنین کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔ تو ابھی اوپر آیت نمبر ۱۵ کے جواب میں بالتفصیل واضح کیا جا چکا ہے کہ ایمان کے ایک عمومی معنی ظاہری اقرار لسانی کے بھی ہیں اور اس اعتبار سے منافقین کو بھی مسلمین و مومنین کہا جا سکتا ہے الخ (ص۹۲) ماتمی مجتہد کا مطلب یہ ہے کہ گو اصحاب ثلثہ اور ان کے پیروکار دوسرے اصحاب دل سے مومن نہ تھے لیکن زبان سے چونکہ وہ ایمان اور اسلام کا اقرار کرتے تھے اس لئے ان کو ظاہری اعتبار سے مومن و مسلم کہہ دیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمانان اہل السنت والجماعت

لے خلفائے ثلثہ حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے خلاف اسقدر زہر اگلنے والے اس مجتہد ڈھکو نے حالیہ تحریک ختم نبوت کے دوران امام باڑہ مہاجرین چکوال میں رات کو ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کے دوران سنی و شیعہ اتحاد کی تحسین کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔ کہ خدا کرے کہ یہ سنی شیعہ اتحاد قیامت تک رہے" اور یہ تقریر میں نے خود سنی تھی۔ یہ ہے۔ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور۔ دکھانے کے اور اللہ تعالیٰ بھولے بھالے سنی مسلمانوں کو فتنہ رفض کی حقیقت کی سمجھ عطا فرمائیں۔ آمین۔

کو برادران اسلامی کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں تاکہ ناواقف سنی مسلمان ہی سمجھتے رہیں کہ شیعہ ہم کو مسلمان مانتے ہیں نہ کہ کافر۔ حالانکہ جب شیعوں کے نزدیک خلفائے ثلثہ اور حضرت عائشہ سرے سے مومن ہی نہیں ہیں تو پھر ان حضرات کو مومن کامل اور قطعی جنتی ماننے والے سنی مسلمانوں کو وہ کیونکر مومن مان سکتے ہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

ماتمی مجتہد کا ایک عظیم الشان جھوٹ

خلفائے راشدین۔ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے ایمان کا جو شخص منکر ہو جائے اس کو دنیا میں یہ سزا ملتی ہے کہ اس کی دینی فہم سلب ہو جاتی ہے۔ اور علمی و شرعی دیانت و امانت سے وہ محروم ہو جاتا ہے چنانچہ ماتمی مجتہد کا بھی یہی حال ہوا ہے۔ ان کی زیر بحث کتاب غلط بیانیوں اور افترا پردازیوں کا مجموعہ ہے چنانچہ بطور نمونہ ہم ان کا ایک ایسا جھوٹ پیش کرتے ہیں جس کی وہ کوئی تاویل نہیں پیش کر سکتے۔

تفسیر مجمع البیان کی عبارت کا انکار

آفتاب ہدایت میں حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم نے فضائل اصحاب ثلثہ کے ثبوت میں مذہب شیعہ کی مستند کتب کے حوالجات کے سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ:۔ علامہ طبرسی اپنی کتاب مجمع البیان میں تحریر کرتا ہے کہ آیت وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي الخ ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ روایت یوں ہے:۔ عن ابن الزبیرؓ قال ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر لانہ اشتری الممالیک الذین اسلموا مثل بلال وعامر بن فہیرۃ وغیرھما واعتقھم۔

ترجمہ:۔ ابن زبیرؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت شان ابی بکر میں نازل ہوئی ہے۔ اس نے غلاموں کو جو اسلام لائے تھے اپنے مال سے خرید لیا جیسا کہ بلالؓ اور عامرؓ بن فہیرہ اور ان کو آزاد کیا" اب جس کی خدمات اسلام میں یہ ہوں کہ بلالؓ جیسے عاشق ذات نبوی کو کفار کے ہاتھ سے اپنا مال خرچ کر کے نجات دلائے اور آزاد کر دے اور اللہ تعالیٰ اس کے نہ صرف متقی بلکہ اتقی ہونے کی شہادت دے اس شخص کی شان والا میں گستاخی کرنا کتنی جسارت ہے خدا روافض کو ہدایت کرے" (آفتاب ہدایت ص۶۹) اس کے جواب میں ماتمی مجتہد ڈھکو صاحب لکھتے ہیں:۔ خداوند عالم برادران اسلامی کو بھی ہدایت دے کہ وہ اپنے بزرگوں کے من گھڑت فضائل و مناقب بیان کرنے میں دین و دیانت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا کریں۔ اس بات کو امین الاسلام علامہ طبرسی علیہ الرحمۃ کی امانت۔ وسعت قلب اور عالی

ظرفی پر ہی محمول کرنا چاہیئے کہ وُہ باوجود ایک مقتدر شیعہ عالم ہونے کے اپنی تفسیر میں جہاں پہلے اپنے ائمہ طاہرین کے ارشادات پیش کرتے ہیں وہاں مخالفین کا نظریہ بھی بلا ردوقدح دیانتداری سے پیش کر دیتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان کے ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ وہ مجاہد۔ قتادہ اور سُدی وغیرہ مفسرین اہل سُنت کے اقوال سے لبریز ہے۔ اکثر تو وہ مفسر کا نام لے کر ہی تفسیر نقل کرتے ہیں اور جہاں صرف رُوِی یا قیلَ فرمائیں وہاں ان کی مراد مخالفین کی بیان کردہ تفسیر مذکور ہے مگر بایں ہمہ یہ عبارت جو مجمع البیان کی طرف منسوب کی گئی ہے یہ دروغ بے فروغ ہے اس کا تفسیر مذکور میں کہیں نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ یہ آیت وَ سَیُجَنَّبُهَا الاتقیٰ سورۃ واللیل کی آیت ہے اور اس کی تفسیر مجمع البیان ج ۲ ص ۶۰۴/۶۰۵ طبع ایران قدیم پر مذکور ہے مگر وہاں نہ یہ عبارت ہے نہ ابوبکر کا نام ہے۔

ع۔ میرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے۔

جب محبان ثلثہ کے اسلام وایمان کی یہ حالت ہو اور اس طرح برملا کذب وبہتان سے کام لیں تو۔ فعلی الاسلام السلام الخ (تجلیات صداقت ص ۱۲۵)

الجواب:۔ آفتاب ہدایت میں شیعہ مفسر علامہ طبرسی کی تفسیر مجمع البیان سے جو عبارت نقل کی گئی ہے یعنی عن ابن الزبیرؓ سے اَعْتَقَهُمْ تک) جس میں حضرت ابوبکرؓ کا نام بھی ہے۔ لفظ بلفظ اس تفسیر میں موجود ہے۔ چنانچہ ہمارے پاس علامہ طبرسی موصوف کی مجمع البیان مطبوعہ بیروت موجود ہے اس کی جلد ۶ پارہ ۳۰ ص ۱۵۹ سورۃ واللیل کی آیت فاما من اعطیٰ واتقیٰ۔ کے تحت یہ عبارت پائی جاتی ہے۔ جس کو ہم ثابت کرسکتے ہیں۔ اب قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ ماتمی مجتہد نے کتنا بڑا جھوٹ بول کر تفسیر مذکور کی زیر بحث عبارت کا انکار کیا ہے۔ اسی ایک حوالہ سے ماتمی مجتہد کے دین وایمان کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کتاب میں اور بھی جابجا غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے جن کی نشاندہی کے لئے یہاں گنجائش نہیں ہے۔ کاش کہ ماتمی مجتہد اپنی کتاب کا نام "تجلیات صداقت" نہ رکھتے اور ائمہ طاہرین کی محبت کے پردے میں تجلیات اور صداقت کے پُر وقار الفاظ کی توہین نہ کرتے بلکہ اس کتاب کا نام "ظلمات ضلالت" رکھا جاتا تو بہت مناسب تھا۔ واللہ الھادی۔

عقائد ومسائل

ماتمی مجتہد نے ص ۱ پر حنفی نماز کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنا عرض ہے کہ کیا حنفی علماء وصلحاء اسی طرح نماز پڑھتے ہیں یا کیا فقہ حنفی کی کتابوں میں اسی طرح نماز پڑھنا

لکھا ہوا ہے ؛ قرآن مجید میں اضطراری حالت میں مسلمان کے لئے خنزیر کا گوشت ۔ مردار وغیرہ مباح فرمایا گیا ہے ۔ تو اگر کوئی غیر مسلم ڈھکو صاحب موصوف کے اسلامی دسترخوان کا یہ نقشہ پیش کرے کہ آپ کے سامنے لحم خنزیر بھی رکھا ہے اور کسی مردار کے ٹکڑے بھی ہیں اور خون بھی اور چوری کے مرغ کا بھنا ہوا گوشت بھی ۔ تو کیا ماتمی مجتہد اس کو اسلامی دسترخوان تسلیم کریں گے ۔ پس اس طرز پر حنفی نماز کے مذکورہ نقشے کو قیاس کر لیا جائے یہاں گنجائش نہیں ورنہ ہم نماز شیعہ کا بھی نقشہ پیش کر دیتے ۔

؎ اتنی نہ بڑھا پاکئی داماں کی حکایت دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

ایمان بالقرآن کی بحث

آفتاب ہدایت میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شیعہ فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں تحریف یعنی تبدیلی (کمی وبیشی) کر دی ہے ۔ اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں کہ : ۔ شیعہ خیر البریہ قرآن کریم کو خدا کی آخری کتاب الہامی اور صحیفہ ربانی اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت کا معجزہ خالدہ مانتے ہیں ۔ یہ حقیقت محتاج بیان نہیں کہ شیعہ اسی قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں ۔ اس کے اوامر ونواہی پر عمل درآمد کرتے ہیں ۔ اسی کی تفسیریں لکھتے ہیں الخ (ص ۱۹)

الجواب (۱) آپ کا یہ اقرار تقیہ پر مبنی ہے ۔ کیونکہ شیعوں کی مستند کتب حدیث میں قریباً دو ہزار سے زائد متواتر اور مستفیض روایتیں ایسی ہیں جن سے قرآن کی تحریف ثابت ہوتی ہے ۔ اور متقدمین شیعہ سب تحریف قرآن کے قائل تھے ۔ اور جن چار علماء کے نام آپ اور دوسرے شیعہ علماء پیش کرتے ہیں کہ وہ تحریف قرآن کے منکر ہیں یعنی شریف مرتضی ۔ شیخ صدوق ۔ ابن بابویہ قمی اور شیخ بوعلی طبرسی صاحب مجمع البیان ۔ تو صرف ان چار کا حوالہ دینے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اصل شیعہ مذہب یہی ہے کہ قرآن محرّف ہے ۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس میں کمی وبیشی کر دی گئی ہے ۔ اور آفتاب ہدایت میں شیعوں کی اصول کافی سے ۱۲ عدد روایات ایسی پیش کی ہیں جن سے لفظی تحریف قرآن کا ثبوت ملتا ہے ۔ مثلاً عن جابر عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ لِمَ سُمِّیَ امیر المومنین قال اللہُ سمّاہ ۔ وھکذا انزل فی کتابہ وَ اِذْ اَخذ ربک من بنی آدم من ظھورھم ذریتھم وَ اشھدھم علی انفسھم الست بربکم وان محمداً رسولی وان

علیاً امیر المومنین علیہ السلام (اصول کافی ص۲۶۱) اس کا ترجمہ شیعوں کے ادیب اعظم سید ظفر حسن صاحب نے یہ لکھا ہے :- جابر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا حضرت علی کا نام امیر المومنین کیوں ہوا فرمایا کتاب خدا میں یوں ہی ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی جب خدا نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اس کے بعد (توضیح) کے تحت لکھتے ہیں :- قرآن میں امیر المومنین کا لفظ نہیں ہے پس یا تو جامع قرآن نے حذف کر دیا ہے۔ یا پھر مضمون حدیث قدسی ہے" اس سے ثابت ہوا کہ سید ظفر حسن صاحب امروہی (جو اب تک زندہ ہیں) بھی قرآن میں تحریف کے قائل ہیں ورنہ یہ توضیح کرتے کہ یا تو جامع قرآن (یعنی حضرت عثمان وغیرہ) نے اس کو حذف کر دیا ہے۔ اور حدیث قدسی اس لئے نہیں بن سکتی کہ مندرجہ حدیث میں قرآنی آیات کے اندر ان علیاً امیر المومنین کے الفاظ پائے جاتے ہیں بلکہ اس میں وان محمداً رسولی کے الفاظ بھی ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں جملے موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں ان الفاظ کے قرآن میں ہونے کا قرینہ یہ ہے کہ روایت میں قال اللہ سماہ کے الفاظ ہیں یعنی اللہ نے حضرت علی کا نام امیر المومنین رکھا ہے اور ان الفاظ کا ترجمہ ادیب اعظم نے نہیں لکھا۔ یا کاتب سے غلطی ہوئی ہے۔ اور روایت میں ھکذا انزل فی کتابہ کے الفاظ بھی اس پر دلالت کرتے ہیں (یعنی اسی طرح کتاب اللہ میں نازل ہوا ہے)

۲- تفسیر قمی کی عبارت "بشارت الدارین" میں نقل کی جا چکی ہے کہ سورۃ آل عمران کی آیت جو جنگ بدر کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔ موجودہ قرآن میں اس کے الفاظ یہ ہیں۔ وانتم اذلۃ لیکن امام جعفر صادق نے فرمایا ہے کہ قرآن میں یہ الفاظ نازل ہوئے تھے۔ انتم ضعفاء اور نصرکم اللہ کی بجائے صرف نصرکم تھا۔ ملاحظہ ہو تفسیر قمی جلد اول ص۱۲۲)

شیعہ تفاسیر و احادیث کی ان واضح عبارتوں کے جواب میں عاجز آکر ماتمی مجتہد علامہ ڈھکو لکھتے ہیں کہ :- یہ بات واضح رہے کہ اگر مولوی کرم الدین آف بھیں امام جلال الدین سیوطی کے مقلد نہیں تو ہم بھی ثقۃ الاسلام کلینی اور ان کے استاذ محترم جناب علی بن ابراہیم قمی کے مقلد نہیں ہیں" (تجلیات ص۲۵) الجواب (۱) اس قسم کے جواب سے ڈھکو صاحب کی گلو خلاصی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اصول و فروع کافی کے مؤلف شیعوں کے ثقۃ الاسلام شیخ محمد بن یعقوب کلینی وہ ہیں جنہوں نے اس زمانہ میں کافی لکھی ہے جبکہ بقول شیعہ امام غائب حضرت مہدی سے سفراء کی آمد و رفت رہتی تھی اور کلینی موصوف کا ان سفیروں سے رابطہ موجود تھا۔ اسی بنا پر خود ماتمی مجتہد نے شافی ترجمہ اصول کافی کے مقدمہ میں تسلیم کیا ہے کہ اصول کافی کو امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے یعنی امام غائب نے چونکہ کافی کی احادیث پر جرح نہیں کی بلکہ

خاموش رہے ہیں اس لئے وہ ان احادیث پر راضی تھے۔ (اصول کافی کی مستقل بحث در بشارت الدارین“ میں ملاحظہ فرمائیے،
اس لئے اپنے اقرار کے مطابق ماتمی مجتہد اصول کافی کی کسی حدیث پر جرح و تنقید نہیں کر سکتے۔ اور تفسیر قمی کے مصنف شیخ
محمد بن ابراہیم قمی تو شیخ محمد بن یعقوب کلینی کے بھی استاذ ہیں اور امام حسن عسکری کے شاگرد ہیں۔ اس لئے شیخ قمی نے اپنی تفسیر
میں وہی کچھ لکھا ہوگا جو انہوں نے شیعوں کے گیارہویں امام معصوم جناب حسن عسکری سے پڑھا اور سنا ہوگا۔ لہذا ڈھکو صاحب
کے لئے کلینی اور قمی کی تقلید ضروری ہوگی۔ شیعہ مذہب کی بنیاد پر قول امام حسن عسکری اور شیخ قمی کا معتبر ہوگا نہ کہ ڈھکو
صاحب جیسے ماتمی مجتہدین کا۔ اور برعکس اس کے ہمارے لئے امام جلال الدین سیوطی کی تقلید لازمی نہیں ہے کیونکہ وہ فقہ میں
ہمارے امام و مجتہد نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے تفسیر درمنثور میں ہر قسم کی روایات جمع کر دی ہیں اور ان کی صحت کا
التزام نہیں کیا۔ لہذا اس قسم کی کتب تفاسیر و احادیث کی منقولہ روایتیں ہم پر حجت نہیں ہو سکتیں اور خود امام سیوطی کا
عقیدہ بھی یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن میں کسی قسم کی کوئی کمی و بیشی نہیں ہوئی (ملاحظہ ہو تفسیر اتقان)

دورِ حاضر کے شیعہ مفسرین

دورِ حاضر کے شیعہ مفسرین بھی قرآن میں تحریف کے قائل ہیں چنانچہ شیعہ مفسر مولوی
مقبول احمد دہلوی نے بحوالہ احتجاج طبرسی لکھا ہے کہ امام حسنؓ نے مروان سے یہ فرمایا
تھا کہ: اے مروان اگر منافقوں ملعونوں کو یہ معلوم ہوتا کہ ان آیتوں کے باقی رکھنے میں جن کی تاویل میں نے تجھ سے بیان
کی ان کا کتنا بڑا ضرر ہے تو وہ ان کو بھی قرآن مجید سے ایسے ہی نکال دیتے جیسے کہ اور آیتیں نکال دیں“ (ضمیمہ ترجمہ
مقبول پ ۱۵ صـ ۲۸۱ مطبوعہ افتخار بک ڈپو کرشن نگر لاہور) یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مولوی مقبول احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن کی
تقریظ و تصدیق شیعوں کے بڑے بڑے مجتہدین نے تحریر کی ہے۔ مثلاً مفتی سید احمد علی مجتہد اعظم لکھنو۔ سید کلب
حسین مجتہد لکھنو۔ سید ناصر حسین مجتہد لکھنو۔ سید علی حائری مجتہد لاہوری وغیرہ اور پاکستان کے شیعوں کے خطیب اعظم سید
محمد دہلوی کی تقریظ بھی اس ضمیمہ قرآن پر موجود ہے۔ اور ان میں سے بعض مجتہدین کی تقریظیں ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی میں تو ہیں
لیکن مطبوعہ لاہور میں حذف کر دی گئی ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ دورِ حاضر کے شیعہ مجتہدین بھی تحریف قرآن کے قائل ہیں اور
اگر ڈھکو صاحب جیسے شیعہ علماء تحریف قرآن کا انکار کرتے ہیں تو یہ از روئے تقیہ کرتے ہیں۔ ورنہ وہ دل میں یہی عقیدہ رکھتے
ہیں کہ موجودہ قرآن صحیح و محفوظ نہیں ہے۔ اور قرآن کی ترتیب میں تبدیلی کے قائل تو آج کل کے عام
شیعہ بھی ہیں۔

ماتمی مجتہد کا اپنا اقرار آفتاب ہدایت میں شیعوں سے چند سوالات کئے گئے ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ :۔ کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن جمع کر کے اصحاب کو دکھلایا تھا انہوں نے قبول نہ کیا تو آپ نے کہا کہ اب تم لوگ اس قرآن کو تا قیامت نہ دیکھو گے۔ وہ قرآن اس وقت کہاں ہے۔ اگر وہ ہدایت خلق کے لئے تھا تو اس کے اتنا عرصہ گم رکھنے کی کیا وجہ ہے اور ایسے قرآن سے مسلمانان عالم کو کیا فائدہ ہے۔ اگر امام غائب علیہ السلام نے اس کو چھپا رکھا ہے تو کیا وہ کتاب ہدایت چھپا رکھنے کے مجرم نہیں ہیں" اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں :۔ اس سوال کا تحقیقی جواب کتاب کی ابتدا میں تحریف قرآن والی بحث میں دیا جا چکا ہے۔ اس قرآن مجید کے اخفاء اور تاخیر ظہور کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جنہوں نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ مؤلف کے چہیتے خلفاء تھے۔ اگر مجرم ہیں تو وہی نہ کہ امام زمانہ الخ (تجلیات ص۵۸۸)

الجواب :۔ یہ بھی عجیب جواب ہے۔ اہل سنت تو یہ تسلیم ہی نہیں کر سکتے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی عظیم شخصیت نے صحیح قرآن مجید مرتب کر کے پھر اس کو امام غائب کے ظہور تک چھپا دیا ہے۔ کیونکہ اس سے تو تمام اُمت قرآن اصلی سے محروم ہو جاتی ہے۔

(ب) حضرت علی المرتضیٰ تبلیغ قرآن میں رسول کریم رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح وارث ثابت نہیں ہو سکتے۔ کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مخالفین و منکرین کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے سارے قرآن مجید یا کسی ایک ہی آیت کو چھپا دیا تھا؟

ج ۔ حضرت علی کا قرآن پیش کرنا اور صحابہ کا اس کو قبول نہ کرنا یہ سب افسانہ ہے لیکن شیعہ اصول کافی کی احادیث کا انکار نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہ نسبت قرآن نہ قبول کرنے والوں کے قرآن چھپانے والوں کا جرم زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَ الْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ (پ ۲۔ رکوع ۳) مولوی مقبول احمد شیعہ عالم کا ترجمہ یہ ہے :۔ جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ہم نازل کر چکے بعد اس کے کہ ہم نے کل آدمیوں کے لئے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ یقیناً انہی پر اللہ لعنت کرتا ہے اور انہی پر لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں" اس آیت کے حاشیہ پر مولوی

مقبول احمد لکھتے ہیں۔ تفسیر صافی میں ہے کہ ان چھپانے والوں سے مراد یہودیوں کے وہ علماء ہیں جو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اور جناب علی المرتضیٰ کے بارے میں شہادت دینے والی آیتوں کو چھپاتے تھے اور وہ ناصبی مراد ہیں جو فضائل جناب امیرالمومنین کے بارے میں قرآن مجید میں جو کچھ نازل ہوا ہے چھپاتے ہیں،، تو فرمائیے بقول شیعہ مفسر جب یہود اور ناصبی بعض آیات کے چھپانے سے مستحق لعنت ہو گئے ہیں تو اس امام معصوم کے بارے میں کیا فتویٰ ہوگا۔ جنہوں نے سارے قرآن ہی کو غائب کر دیا۔ اور اس امام زمانہ کے بارے میں کیا کہیں گے جو صدیوں سے اُمت کے لئے حجت ہیں اور خلیفہ و امام زمان بھی وہی ہیں لیکن سارے قرآن کو اپنے وجود کی طرح غائب کئے ہوئے ہیں۔ کیا شیعہ مذہب میں ائمہ معصومین کا یہی مقام ہے جس کی بنا پر وہ ان کو انبیائے سابقین پر بھی فضیلت دیتے ہیں۔ عبرت، عبرت، عبرت۔

بحث خلافت و امامت

مسئلہ خلافت فی الواقع اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین ایک معرکۃ الآراء نزاعی مسئلہ ہے۔ اور دونوں طرف سے اس پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ شیعوں نے اس کو بنا دیا ہے۔ جناب والد صاحب مرحوم نے آفتاب ہدایت میں مسئلہ خلافت کے ضروری پہلوؤں پر جامع اور مختصر بحث کر دی ہے۔ جو اہل فہم و انصاف کے لئے کافی ہے۔ لیکن ماتمی مجتہد کا مقصد تو تسلیم حقیقت نہیں بلکہ خلفائے راشدین سے ناواقف لوگوں کو بدظن کرنا ہے اس لئے انتہائی تلبیس و فریب سے کام لے کر آفتاب ہدایت کی بحث کا جواب دیا ہے اور خلفائے ثلثہ کے خلاف سخت زہر اُگلا ہے۔ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ اور جو ان کے سینوں میں ہے وہ اس سے زیادہ ہے۔

آیت استخلاف

قرآن مجید میں چاروں خلفائے راشدین میں سے نہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کا نام ہے نہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کا۔ البتہ خلافت راشدہ کی پیشگوئی موجود ہے۔ چنانچہ پ ۱۸ سورۃ النور ع ۷ میں ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اس آیت کا ترجمہ مولوی مقبول احمد شیعہ مفسر نے یہ کیا ہے:۔ ان سب

لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اللہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو اس زمین میں جانشین بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو جانشین بنایا تھا اور ضرور ان کے دین کو جو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے ان کی خاطر سے پائدار کر دے گا اور ضرور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ اس وقت وہ میری ہی عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ ٹھیرائیں گے اور جو اس کے بعد ناشکری کرے گا پس نافرمان وہی ہیں،، اور حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ یہ ہے۔ وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے اور کئے ہیں نیک کام البتہ پیچھے حاکم کریگا ان کو ملک میں جیسا بدلے کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن۔ میری بندگی کریں گے۔ شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں بے حکم اس آیت میں چونکہ اللہ تعالیٰ نے استخلاف یعنی خلفاء بنانے کا وعدہ فرمایا ہے اس لئے اس کو آیت استخلاف کہتے ہیں۔

آیت تمکین ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے:۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (پ ۱۷ ۔ سورۃ الحج ع ۶) مولوی مقبول احمد کا ترجمہ یہ ہے:۔ ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جاتی ہے اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ ان پر ظلم کیا گیا تھا۔ اور بے شک اللہ ان کو مدد دینے پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو اپنے ملک سے ناحق صرف اتنی بات کہنے پر نکالے گئے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر خدا آدمیوں کو ایک کے ذریعہ سے دوسرے کو دفع نہ کرتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجا اور کنیسے اور مسجدیں جن میں خدا کا نام زیادہ لیا جاتا ہے سب گرا دیئے جاتے اور اللہ اس کی مدد ضرور کرے گا جو خود اللہ کی مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوت والا اور زبردست ہے وہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں تمکن دیں گے تو وہ (باقاعدہ) نماز پڑھینگے اور زکوٰۃ دیں گے اور نیک کاموں کا حکم کریں گے اور بدی سے مانع ہوں گے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ ہے،،۔ اس آیت کے حاشیہ پر مولوی مقبول احمد لکھتے ہیں:۔ تفسیر قمی میں جناب امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ یہ پوری آیت آل محمد کی شان میں ہے اور مہدی

آخرالزمان اور ان کے اصحاب کو خدا تعالیٰ زمین کے مشرق و مغرب کا مالک کر دے گا اور ان کے دین کو غالب فرمائے گا اور ان کے اصحاب کے ذریعہ سے تمام بدعتوں کو اور باطل کو اسی طرح نیست و نابود کر دے گا جیسا کہ ان اشقیائے حق کو برباد کرنا چاہا تھا پھر وہ نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدیوں سے باز رکھیں گے" (حاشیہ ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی) اور پہلی آیت استخلاف کے حاشیہ پر بھی مولوی مقبول احمد لکھتے ہیں کہ :- تفسیر عیاشی میں ہے کہ جناب امام زین العابدین نے اس آیت کو تلاوت فرمایا پھر ارشاد فرمایا کہ واللہ یہ ہم اہل بیت کے شیعہ ہیں جن کے لئے خدا تعالیٰ یہ سب کچھ ہم میں سے ایک شخص کے ہاتھوں انجام دے گا جو اس اُمت کا مہدی ہوگا الخ چونکہ پہلی آیت استخلاف کی مراد امام زین العابدین سے اور دوسری آیت تمکین کی مراد امام محمد باقر سے شیعہ تفاسیر میں یہی منقول ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تمکین و غلبۂ دین سے مراد حضرت امام مہدی کے زمانہ کا غلبہ ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بعد خلفائے راشدین کے زمانہ کا غلبہ۔ اس لئے شیعہ علماء ان دونوں آیتوں سے حضرت علی کی خلافت بلافصل کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے (۲) لیکن ماتمی مجتہد مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو آیت استخلاف کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :- یہاں خلافت سے اسلامی اصطلاحی خلافت مراد نہیں بلکہ اس کے لغوی معنی مقصود ہیں یعنی کسی فرد یا جماعت کی جانشینی۔ ان کے ملک و ملک پر تسلط۔ ان کے دیار و امصار پر غلبہ۔ چنانچہ اسلامی برادری کے مشہور مفسرین کی تفسیروں سے بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے۔ تفسیر جلالین میں لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ کے معنی یہ لکھتے ہیں بدلاً عن الکفار یعنی خدا مسلمانوں کو کافروں کی زمین میں وارث بنائے گا[۲]۔ اس تفسیر مدارک میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں ای ارض الکفار۔ وعدهم ان ینصر الاسلام علی الکفر ویورثهم الارض یعنی خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ اسلام کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وارث بنائیگا (۳) تفسیر ابن جریر ج ۱۸ ص۱۲۲ طبع مصر (۴) معالم التنزیل مع ابن کثیر ج ۶ ص۱۳۸ طبع مصر میں بھی یہی لکھا ہے کہ مسلمانوں کو کفار کی زمین کا جانشین بنائے گا" (تجلیات ص۱۳۳)

ماتمی مجتہد کی جہالت و خیانت

ماتمی مجتہد ڈھکو صاحب نے اس آیت استخلاف کی تفسیر میں خوب اپنی جہالت اور خیانت کا مظاہرہ کیا ہے۔ (۱) اس آیت میں خلافت سے مراد لغوی خلافت اور جانشینی نہیں کہ محض کفار کی زمین پر مسلمانوں کو تسلط اور غلبہ نصیب ہو جائے اور وہ وہاں صرف کھیتی باڑی کا کام کرتے رہیں۔ بلکہ اصطلاحی خلافت مراد ہے یعنی یہ غلبہ و اقتدار دینی ہوگا اور اسلام کفر پر غالب آجائیگا۔ چنانچہ خود آیت

ہیں اس خلافت وجانشینی کی مراد واضح فرمادی ہے کہ لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم
جس کا ترجمہ شیعہ مفسر مولوی مقبول احمد نے بھی یہ کیا ہے کہ :۔ جما دے گا ان کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کیواسطے" اور
تمکین دین کا معنی قوت وغلبہ دین ہی ہے ۔ تو کیا ماتمی مجتہد اتنا نہیں جانتے کہ دینی اقتدار وغلبہ کا نام ہی اسلامی
اصطلاحی خلافت ہے ۔ (۲) علاوہ ازیں ڈھکو صاحب نے اس آیت سے مراد لغوی خلافت لے کر امام زین العابدین
کے ارشاد کی صریح مخالفت کی ہے جو تفسیر عیاشی سے مولوی مقبول احمد صاحب نے نقل کیا ہے کیونکہ امام زین العابدین
نے اس سے حضرت امام مہدی کی خلافت مراد لی ہے ۔ تو کیا ماتمی مجتہد کے نزدیک امام مہدی کی خلافت بھی صرف لغوی اور
اور دنیوی خلافت ہوگی اور دینی اور اصطلاحی خلافت نہ ہوگی ؟ یہ ہے ڈھکو صاحب کی اپنی دیانت وصداقت کا
حال جو آفتاب ہدایت کے مصنف کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ :۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف جب یہ کتاب
لکھنے بیٹھے تھے تو حیاء وشرم اور خوف وخشیت الٰہی کا جامہ چیر پھاڑ کر دور پھینک دیا تھا اس لئے وہ کذب سازی
اور افترا پردازی میں ذرہ بھی جھجک محسوس نہیں کرتے ،، (ص ۳۰۶) (۳) ماتمی مجتہد نے خلافت سے لغوی خلافت
مراد لینے کی تائید میں جن تفاسیر کے حوالجات پیش کئے ہیں اس میں بھی انہوں نے تلبیس وخیانت سے کام لیا ہے
کیونکہ ان مفسرین کے نزدیک بھی مراد دینی اور اصطلاحی خلافت ہے ۔ اور جو انہوں نے تفسیر مدارک کی عبارت
پیش کی ہے کیونکہ اس کا بھی یہی مطلب ہے ۔ جو ان کے اپنے ترجمہ سے ظاہر ہے یعنی "خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ
اسلام کی مدد کرے گا اور مسلمانوں کو کافروں کی زمین کا وارث بنائیگا" فرمائیے اسلام کی مدد کرنے کے وعدہ
خداوندی کا کیا مطلب ہے ۔ صحابہ کرام کے ذریعہ دین کو طاقت ملے یا حسب اعتقاد شیعہ دور صحابہ میں دین برباد ہو
جائے ؟ اور عربی عبارت میں یہ الفاظ تھے :۔ وَعَدَھم اَن یَنصُرَ الاسلامَ عَلَی الکفر، جن کا معنی
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کفر پر اسلام کو نصرت وغلبہ عطا فرمائے گا ۔ لیکن ڈھکو صاحب نے عَلَی الکفر کا ترجمہ چھوڑ
ہی دیا ہے ۔ (۴) اور تفسیر جلالین کے حوالہ میں ماتمی مجتہد نے یہ خیانت کی ہے کہ بعد کی عبارت چھوڑ دی ہے جس سے
واضح ہوتا ہے کہ یہاں خلافت لغوی نہیں بلکہ اصطلاحی یعنی اسلامی خلافت مراد ہے ۔ چنانچہ ولیمکنن لھم
دینھم کے تحت لکھا ہے :۔ وھو الاسلام بان یظھرہ علی جمیع الادیان ویوسع لھم
فی البلاد فیملکوھا ۔ دین سے مراد اسلام ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے گا اور

شہروں میں ان کو وسعت دے گا اور وہ ان کے مالک ہو جائیں گے"۔ فرمائیے۔کیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔؟

(۵) اسی طرح تفسیر مدارک کی بعد والی عبارت بھی ڈھکو صاحب نے چھوڑ دی ہے جو یہ ہے:۔ فانجز اللہ وعدہ وَ اظہرھم علی جزیرۃ العرب وافتتحوا بعد بلاد المشرق والمغرب ومزقوا ملک الاکاسرۃ وملکوا خزائنھم واستولوا علی الدنیا "۔ ترجمہ:۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور ان (یعنی صحابہ) کو جزیرۃ العرب پر غالب کیا اور انہوں نے مشرق و مغرب کے دور دور شہروں کو فتح کیا اور انہوں نے فارس کے بادشاہوں کو پامال کیا اور وہ ان کے خزانوں کے مالک بنے اور وہ دنیا پر چھا گئے نیز لکھا ہے کہ:۔ والآیۃ اوضح دلیل علی حقیّۃ الخلفاء الراشدین (اور یہ آیت بہت واضح دلیل ہے خلفائے راشدین کی خلافت کے حق ہونے پر) (۶) اور تفسیر خازن میں تو بالکل وضاحت کر دی ہے کہ:۔ فی الآیۃ دلیل علی خلافۃ ابی بکر الصدیق والخلفاء الراشدین بعدہ الخ (اور اس آیت میں دلیل ہے حضرت ابو بکر صدیق اور آپ کے بعد کے خلفاء راشدین کی خلافت پر۔) اور اسی تفسیر خازن میں فمن کفر بعد ذالک کے تحت لکھا ہے کہ:۔ قال اھل التفسیر اوّل من کفر بھذہ النعمۃ وجحد حقھا الذین قتلوا عثمانؓ الخ اہل تفسیر نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے اس نعمت خلافت، کی ناشکری کی اور اس کے حق کا انکار کیا وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا۔ (۷) اور امام طبری کی تفسیر جامع البیان کا جو مانتی مجتہد نے حوالہ دیا ہے تو اس میں بھی اہل سنت کی تائید پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ولیمکننّ لھم کے تحت لکھتے ہیں:۔ وَلَیوطئنّھم دینھم یعنی مِلّتھم الّتی ارتضیٰ لَھُم فامرھم بھا الخ اور ضرور اللہ تعالیٰ ان کے دین کو ٹھکانہ دیگا" یعنی ان کے اس مذہب و ملّت کو جس کو ان کے لئے پسند کیا ہے، اور جس کا ان کو حکم دیا ہے، اور فمن کفر بعد ذلک کے تحت لکھا ہے کہ:۔ قال القاسم ابو علی بقتلھم عثمان بن عفّان"، یعنی قاسم ابو علی نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کو قتل کرنے کی وجہ سے ناشکری کی" (۸) اور تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ ھذا وعدٌ من اللہ تعالیٰ لرسولہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ بانہ سیجعل امتہ خلفاء الارض ای ائمۃ الناس والولاۃ علیھم وبھم تصلح البلاد و تخضع لھم العباد ولیبدلنّھم من بعد خوفھم امنًا وحکمًا فیھم وقد فعلہ تبارک

(۱۲) اور تفسیر کشاف میں ہے :۔ فان قلت هل فی هذه الآية دليل على امر الخلفاء الراشدين قلت اوضح دليل وابينه لان المستخلفين الذين آمنوا وعملوا الصلحت هم هم"۔ (پس اگر تو کہے کہ کیا اس آیت میں خلفائے راشدین کی خلافت پر دلیل پائی جاتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اس میں بہت واضح بہت صاف دلیل پائی جاتی ہے کیونکہ جن مومنین صالحین کو یہ خلافت دی گئی ہے وہ وہی خلفاء ہیں" (۱۳) امام رازی نے تو تفسیر کبیر میں اس آیت سے بڑی وضاحت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے خلفائے راشدین کا برحق ہونا ثابت فرمایا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔ دلت الآية على امامة الائمة الاربعة وذلك لانه تعالىٰ وعد الذين آمنوا وعملوا الصلحت من الحاضرين فی زمان محمد صلى الله عليه وسلم وهو المراد بقوله ليستخلفنهم فی الارض (اور یہ آیت چاروں اماموں کی امامت پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جن ایمان اور عمل صالح والوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے وہ وہی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد لیستخلفنہم فی الارض سے" اور اس کی دلیل آیت میں لفظ منکم ہے (تم میں سے) اور امام رازی نے ان معترضین کا مدلل رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ وعدہ تمام اُمت کے لوگوں سے ہے یا صرف حضرت علی یا بارہ اماموں کے بارے ہیں۔ اگر خوف طوالت نہ ہوتا تو ہم امام رازی کی ساری عبارت درج کر دیتے جو اہم فوائد پر مشتمل ہے۔

خلاصہ کلام ماتمی مجتہد نے جن تفاسیر اہل سُنّت کو اپنے حق میں پیش کیا تھا ہم نے انہی تفاسیر کی ضروری عبارتیں یہاں نقل کر دی ہیں تاکہ قارئین ڈھکو صاحب کی علمی دیانت و امانت کی حقیقت سمجھ لیں۔ اس مجتہد نے تمام کتاب میں اسی طرح فریب تلبیس سے کام لیا اور کتابوں کے حوالجات کا ڈھیر دکھلا کر اپنا علمی سکہ جمانا چاہا ہے۔ لیکن ہم نے ان کے اس فریب کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ واللہ الہادی۔ بہرحال مذکورہ دونوں آیتوں یعنی سورۃ الحج کی آیت تمکین اور سورۃ النور کی آیت خلافت کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ تمکین میں اللہ تعالیٰ نے بطور پیشگوئی یہ واضح فرمایا تھا کہ جن مومنین پر اہل مکہ نے ظلم وستم کیا اور پھر ان کو گھروں سے نکلنا پڑا اور وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے تو اگر ان کو ہم زمین میں تمکین واقتدار دیں تو وہ نماز و زکوٰۃ کا نظام جاری کریں گے اور نیکیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے منع کریں گے۔ اور سورۃ النور میں پھر واضح طور پر ان مومنین صالحین سے وعدہ فرما دیا اور قسم کے ساتھ فرمایا کہ ان کو ضرور خلیفہ بنایا جائیگا۔ اور ان کو خود اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کی طاقت عطا فرمائیں گے جو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے۔

تعالیٰ ولہ الحمد والمنۃ الخ ترجمہ : یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ ہے کہ بیشک وہ عنقریب آپ کی اُمت کو زمین پر خلیفہ بنائے گا یعنی ان کو لوگوں کا امام اور ان پر والی بنائے گا اور ان کے ذریعہ شہروں کی اصلاح ہوگی اور اللہ کے بندے ان کے تابعدار ہونگے اور ضرور اللہ ان کے خوف کو امن اور حکومت سے بدل دے گا۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پُورا فرمادیا ہے اور یہ اس کا شکر اور احسان ہے) لیکن مائمی مجتہد نے پہلی ساری عبارت چھوڑدی ہے اور اس عبارت کا صرف آخری یہ ٹکڑہ لکھدیا ہے کہ فقد فعلہ تبارك وتعالیٰ ولہ الحمد والمنۃ " اور اس کے بعد کی یہ عبارت بھی چھوڑدی ہے کہ :۔ ثم لما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واختار اللہ لہ ما عندہ من الکرامۃ قام بالامر بعدہ خلیفۃ ابوبکر الصدیق الخ (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی بارگاہ کی کرامت وبزرگی کو پسند فرمایا تو آپ کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق نے امر دین کو قائم کرلیا۔" اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کی اسلامی فتوحات کی تفصیل بیان فرمائی ہے ۔

(۹) امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے :۔ وفی الآیۃ دلالۃٌ علی خلافۃ الصدیق وامامۃ الخلفاء الراشدین (اور اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت اور دوسرے خلفائے راشدین کی امامت کی دلیل پائی جاتی ہے ۔) (۱۰) اور تفسیر دُرِّ منثور جلد ۵ میں بھی امام سیوطی نے لکھا ہے کہ :۔ فاظہر اللہ نبیہ علی جزیرۃ العرب فآمنوا ووضعوا السلاح ثم ان اللہ قبض نبیہ فکانوا کذلك آمنین فی امارۃ ابی بکر وعمر وعثمان الخ (پس اللہ نے جزیرۃ العرب پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غالب فرمایا پس وہ ایمان لائے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دئے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی پس وہ لوگ اسی طرح امن والے رہے حضرت ابوبکر ، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی امارت وخلافت میں الخ (۱۱) تفسیر بیضاوی میں ہے :۔ وفیہ دلیل علی صحۃ النبوۃ بالاخبار عن الغیب علی ما ھو بہ وخلافۃ الخلفاء الراشدین اذ لم یجتمع الموعود والموعود علیہ بغیرھم بالاجماع"

(اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلیل ہے کیونکہ یہ غیب کی خبر اسی طرح پوری ہوئی جیسا کہ فرمایا تھا۔ اور خلفائے راشدین کی خلافت کے صحیح ہونے پر بھی دلیل ہے ۔ کیونکہ جو وعدہ فرمایا گیا تھا وہ ان کے بغیر کسی پر پورا نہیں ہُوا۔ اور اس پر اجماع ہے۔)

ان کے سابق حالات خوف کو اس غلبہ و اقتدار کی وجہ سے امن سے بدل دے گا۔ اور وہ خلفاء خالص میری عبادت کرنے والے ہونگے اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور ان کو خلافت دینے کے بعد جو لوگ ان کو تسلیم نہیں کریں گے اس نعمت خلافت کی ناشکری کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوں گے" اور شیعہ عقیدہ کے تحت اگر یہ تینوں خلفائے راشدین العیاذ باللہ ظالم و فاسق قرار دیئے جائیں تو پھر یہ آیت کسی طرح بھی صحیح ثابت نہیں ہو سکتی اور اس سے مراد صرف حضرت علی بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ حسب اعتقاد شیعہ وہ اپنے دور خلافت میں بھی اقامت دین نہیں کر سکے اور خلفائے ثلثہ کی بدعات تراویح وغیرہ کو ختم نہیں کر سکے۔ نہ ہی متعہ کو حلال قرار دے سکے۔ ملاحظہ ہو فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۲۹، ۳۰) نہ ہی شیعہ مذہب کی اذان و نماز کا انتظام کر سکے۔ چنانچہ شیعوں کے شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری کو جہانگیر بادشاہ نے قتل کرا دیا تھا۔ قاضی نور اللہ شوستری صاف طور پر تسلیم کرتے ہیں کہ:- والحاصل ان امر الخلافة ما وصل الیه الا بالاسم دون المعنی (احقاق الحق) :- اور حاصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو خلافت برائے نام پہنچی تھی نہ کہ از روئے معنی و حقیقت نیز شیعہ عالم مجتہد نے بھی یہ اعتراف کیا ہے کہ:- مولف کے بزرگوں کی وجہ سے نہ آنجناب کو ثبات قدم حاصل ہوا۔ نہ وہ موعودہ اقامت دین سات کر سکے (ص ۴۲۲) اور حضرت علی کے ماسوا دیگر اماموں کے لئے یہ وعدہ اس لئے صحیح نہیں ہو سکتا کہ ان کو دینی قوت و اقتدار ہی نہیں ملا اور امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ گو چھ ماہ تک خلیفہ رہے لیکن آخر آپ نے بھی خلافت چھوڑ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مصالحت کر کے ان کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اور بارہویں امام حضرت مہدی تو صدیوں سے چھپے ہوئے ہیں۔ اور آخری زمانہ میں ان کی خلافت گو کامل و غالب ہو گی لیکن اس کا ثبوت احادیث سے ملتا ہے۔ اس آیت استخلاف سے امام مہدی کی خلافت مراد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مومنین میں سے نہیں۔ جن کے متعلق وعدہ ہے۔ اور سورۃ الحج کی آیت تمکین میں دور رسالت کے مہاجرین کو تمکین و غلبہ دین عطا فرمانے کی پیشگوئی ہے اور حضرت مہدی ان مہاجرین میں سے بھی نہیں ہیں اور یہ بھی بالکل غیر معقول نظریہ ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تو دینی غلبہ و اقتدار اصحاب رسول کو بھی حاصل نہ ہو اور ... کی اب تک مابعد کی امت کو یہ نصیب ہوا اور اگر غلبہ دین نصیب ہو تو اصحاب امام مہدی کو اس آخری زمانہ میں جب۔ وہ کار ... والا ... اور پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ تفسیر قمی اور تفسیر عیاشی کے مذکورہ حوالہ میں امام محمد باقر اور امام زین العابدین کی طرف یہ منسوب کر دیا گیا ہے کہ آیت تمکین اور آیت استخلاف میں جس دینی غلبہ کا ذکر ہے وہ آخری زمانہ میں اصحاب مہدی کو ملے گا۔ گویا کہ اصحاب مہدی تو اللہ تعالیٰ کی نصرت

کے مستحق ہیں لیکن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نصرت خداوندی اور غلبہ دین کے مستحق نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک مذہب اہل سُنت نہ تسلیم کیا جائے مندرجہ زیر بحث آیات صحیح ہی ثابت نہیں ہو سکتیں اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ برحق خلیفہ تسلیم کئے جا سکتے ہیں۔

شیعہ تفاسیر و احادیث

ماتمی مجتہد اگر علمی دیانت سے کام لیتے تو ان کو شیعہ مذہب کی تفاسیر و احادیث سے ہی اس بات کا ثبوت مل جاتا کہ آیت استخلاف سے مراد خلفائے ثلثہ کی برحق خلافت ہے۔ چنانچہ (۱) جب جہاد فارس کے لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود جانے کا ارادہ فرمایا اور اس بارے میں حضرت علی المرتضیٰ سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا:۔ ان ھذا الامر لم یکن نصرہ ولاخذلانہ بکثرۃ ولا قلۃ وھودین اللہ الذی اظھرہ وجندہ الذی اعدہ و امدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیث طلع ونحن علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصرٌ جندہ" (نہج البلاغۃ صث ۱۹۷ مطبوعہ طہران)

(بیشک اس دین کی فتح و شکست کثرت اور قلت پر موقوف نہیں ہے۔ اور وہ اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب کیا ہے اور یہ اللہ کا لشکر ہے جس کو اللہ نے ہی تیار کیا ہے اور اس کو طاقت دی ہے، حتی کہ وہ پہنچا جہاں تک پہنچا اور پھیلا جہاں تک پھیلا۔ اور ہم اللہ کی طرف سے وعدہ پر ہیں اور اللہ اپنے وعدے کو پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کو مدد دینے والا ہے"۔ حضرت علی المرتضیٰ نے یہاں جس اللہ کے وعدے کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد وہی وعدہ خلافت اور غلبہ دین ہے جو سورۃ النور کی آیت استخلاف میں وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات کے الفاظ میں مذکور ہے۔ چنانچہ نہج البلاغۃ کے شیعہ شارح علامہ ابن میسم بحرانی حضرت علیؓ کے اس ارشاد کی شرح میں لکھتے ہیں:۔ وعدنا بموعود وھو النصر والغلبۃ والاستخلاف فی الارض کما قال وَعَدَ اللہُ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض" (اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور وہ مدد، غلبہ اور زمین کی خلافت کا وعدہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَعَدَ اللہُ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات"، کیا ماتمی مجتہد ڈھکو صاحب نے نہج البلاغۃ میں حضرت علی کا یہ ارشاد اور علامہ ابن میسم بحرانی کی شرح کے یہ الفاظ نہیں پڑھے تھے"، کیا اب بھی یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس آیت میں لغوی خلافت مراد ہے نہ کہ اصطلاحی۔ حضرت علی کے اس ارشاد اور علامہ بحرانی کی اس تشریح سے آپ کا یہ معاندانہ نظریہ بھی باطل ہو گیا کہ:۔ "ثلثہ کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا" (تجلیات صث ۹۵) کیونکہ حضرت فاروقؓ کے لشکر کو حضرت علیؓ

اللہ کا شکر قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کے غلبہ اور فتوحات کو حق تعالیٰ کی خصوصی نصرت کا نتیجہ فرما رہے ہیں۔ باوجود اس کے آپ کا یہ ریمارک اس امر کی دلیل ہے کہ آپ بھی مثل یہود اور نصاریٰ اور دوسری مغلوب کافر قوموں کے اصحاب ثلثہ کی شاندار اسلامی فتوحات کی وجہ سے غیظ و غضب میں مبتلا ہیں اور اعلان خداوندی لیغیظ بھم الکفار کا مصداق بن رہے ہیں۔ خلفائے ثلثہ کی اسلامی فتوحات کا جو نقشہ مولانا حالی۔ علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری نے اپنے اشعار میں کھینچا ہے وہ "بشارت الدارین" میں درج کر دیا ہے۔ قارئین وہاں دیکھ لیں۔ (۲) جہاد روم کے لئے جب حضرت فاروق اعظم نے حضرت علی المرتضیٰ سے مشورہ لیا تو آپ نے جو ارشاد فرمایا وہ بھی نہج البلاغۃ میں منقول ہے۔ جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے: قد توکل اللہ لاھل ھذا الدین باعزاز الحوزۃ و ستر العورۃ۔ (نہج البلاغۃ ص۱۸۷ مطبوعہ تہران) یعنی اس دین والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذمہ داری لی ہے ان کی جماعت کو غالب کرنے اور ان کی کمزوری کو چھپانے کی" اس کے تحت بھی علامہ ابن میثم بحرانی لکھتے ہیں۔ وھذا الحکم من قولہ تعالیٰ وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصلحت" یعنی حضرت علیؓ کا یہ ارشاد اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ سے ماخوذ ہے جو اس آیت میں ہے۔ وعد اللہ الذین آمنوا الخ (۳) شیعوں کی تفسیر صافی میں ہے:۔ وعن الباقر ولقد قال اللہ فی کتابہ لولاۃ الامر من بعد محمد خاصۃ وعد اللہ الذین آمنوا منکم الخ۔ (امام محمد باقر سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خاص کر ان والیان حکومت سے وعدہ فرمایا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہیں"۔ (۴) شیعوں کے رئیس المحدثین علامہ باقر مجلسی نے امام باقر سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں قریش کو دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا۔ اے گروہ قریش وائے طوائف عرب شمارا می خوانم بسوئے شہادت بوحدانیت خدا و ایمان آوردن بہ پیغمبری من و امر میکنم شمارا کہ ترک کنید بت پرستی را و اجابت نمائید مرا دراں چہ شمارا باں مے خوانم تا بادشاہان عرب گردید و گروہ عجم شمارا فرمانبرداراں گردند و در بہشت بادشاہان باشید" (حیات القلوب جلد دوم ص۲۵۵) اے گروہ قریش اور اے قبائل عرب تم کو میں خداوند عالم کی وحدانیت اور اپنی پیغمبری پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں۔ اور تم کو حکم دیتا ہوں کہ بت پرستی کو چھوڑ دو اور جس کام کی طرف میں بلاتا ہوں اس کو مان لو تاکہ تم عرب کے بادشاہ بن جاؤ اور عجمی لوگ بھی تمہارے فرمانبردار ہو جائیں۔ اور بہشت میں بھی تم بادشاہ ہو جاؤ" اس روایت سے بھی صاف ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے تحت جن قریش کو عرب و عجم کی بادشاہت ملے گی یہ ان پہ اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہوگا اور آخرت میں بھی وہ جنت میں بادشاہ ہوں گے"

فرمایئے۔ کیا اس پیشگوئی کا مصداق خلفائے ثلثہ نہیں ہیں؟ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عرب و عجم کی حکومت اور بادشاہت ملی۔ اور انہی کو جنّت کی بادشاہت کی بھی بشارت ملی ہے۔ کیا اب بھی ڈھکو صاحب جیسے محروم از عقل و انصاف مجتہد یہی رٹ لگاتے رہیں گے کہ ملکی فتوحات اصحاب ثلثہ کی حقانیت کی دلیل نہیں ہیں اور یہ کہ ان حضرات کی فتوحات نے اسلام کو بدنام کیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی امامت نماز

نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض الموت میں بارشاد نبوی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسجد نبوی میں سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائی ہیں۔ اور حضرت علی المرتضیٰ نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں فرمائی (ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو۔ طبقات ابن سعد حصّہ دوئم۔ مترجم ص ۳۲۷/۳۲۶۔ تاریخ کامل ابن اثیر مترجم جلداوّل ص ۵۲۴۔ تاریخ طبری مترجم۔ تاریخ ابن خلدون مترجم۔ بخاری شریف۔ باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور مسند امام احمد بن حنبل ج ۶)

حضرت علی کی اقتداء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتداء میں حضرت علی المرتضیٰ نمازیں پڑھتے رہے چنانچہ شیعہ مذہب کی مشہور اور معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں ہے:۔ ثم قام و تھیأ للصلوۃ وحضر المسجد وصلّی خلف ابی بکر ــــــــــــ

ماتمی مجتہد کا احمقانہ چیلنج

جناب والد صاحب مرحوم نے خلفائے ثلثہ کے برحق ہونے کی ایک یہ بھی دلیل دی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں تو اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں: "اگر کسی سُنّی یا شیعی روایت سے یہ ثابت کر دیں کہ اقتداء کی نیت کی تھی تو ہم منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں۔ صرف خلف یا وراء وغیرہ سے کام نہیں چلے گا۔ اس طرح نماز تو خلف الجدار اور وراء الاسطوانہ بھی ہوتی رہتی ہے۔ کوئی ہے انعام کا خواہشمند"، (تجلیات ص ۷۵)

الجواب (۱) احتجاج طبرسی کی جو روایت ہم نے لکھی ہے۔ اس میں خلف ابی بکر کے الفاظ ہیں یعنی ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ ہمارے لئے تو یہی دلیل کافی ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی اقتداء کی نیت بھی کی ہوگی ورنہ اگر انہوں نے اپنی نماز سوائے اقتدائے ابی بکر کے پڑھی ہوتی تو بجائے اس کے نماز کی صف میں دیگر نمازیوں کی طرح حضرت ابوبکر کے پیچھے کھڑے ہوں آپ کسی دیوار یا اُسطوانہ (ستون) کے پیچھے کھڑے ہو جاتے کیا حضرت علیؓ دیوار۔ ستون اور حضرت

ابوبکر خلیفہ وقت کے درمیان فرق نہیں کرسکتے تھے ۔حضرت علیؓ کی نیت قلبی کا حال تو خدائے علیم بذات الصدور ہی جانتا ہے۔ حضرت علی جیسی عظیم شخصیت کا حضرت ابوبکر کے پیچھے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی نیت اقتداء ہی کی ہوتی تھی ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کے متعلق فرمایا ہے یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضوانا (سورۃ الفتح) کہ وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں" اور اگر حضرت علی نے حضرت ابوبکر کے پیچھے بے دلی سے مجبوراً نمازیں پڑھی ہیں جس کو شیعہ مذہب میں تقیہ کہتے ہیں تو آپ کی نمازیں ساری ضائع ہوگئیں ۔کیونکہ یہ نمازیں انہوں نے خدا کی رضا کے لئے حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نہیں پڑھیں بلکہ خوف کی بنا پر پڑھی ہیں ۔لہذا ماتمی مجتہد صاحب کا حضرت علی کی نیت قلبی کے ثبوت کے لئے چیلنج کرنا ان کی انتہائی حماقت وجہالت کی دلیل ہے ۔

حضرت علی کی بیعت

حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق سے خلافت کی بیعت بھی کی ہے ۔چنانچہ فروع کافی جلد ثالث کتاب الروضہ میں ہے ۔ فلذلک کتم علیٌ علیہ السلام امرہٗ وبایع مُکرَھًا حیث لم یجد اعواناً (پس اسی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے امر خلافت کو چھپایا اور آپ نے مجبور ہوکر بیعت کرلی جبکہ آپ نے مددگار نہ پائے"۔ اس کے جواب میں ماتمی مجتہد اپنا قیاس یہ پیش کرتے ہیں کہ اصطلاحی بیعت کا مفہوم یہ ہے کہ: بیعت کرنے والا اپنا دین وایمان اور اپنے امور دنیا ودین اس شخص کے حوالے کر دیتا ہے جس کی بیعت کرتا ہے اور اس کے عوض اس سے جنت لیتا ہے لیکن جو بزرگوار بمطابق فرمان رسول خود قسیم الجنۃ والنار ہو...... جو خلافت کو بلا شرکت غیرے اپنا حق سمجھتا ہو...... اور جو ابوبکر کو گناہگار خیانت کار۔ دروغ گو اور غدار سمجھتا ہو...... اس کے متعلق ایک لحہ کے لئے کوئی بھی صحیح الدماغ آدمی یہ تصور کرسکتا ہے کہ وہ کسی کی بھی اور بالخصوص ابوبکر وعمر جیسے اشخاص کی بیعت کرے گا (تجلیات ص۳۷۷)

الجواب: (۱) حضرت مصنف آفتاب ہدایت نے تو فروع کافی میں سے یہ روایت پیش کی ہے ۔جو حضرت امام محمد باقرؒ سے مروی ہے ۔ اور اصول وفروع کافی وہ کتاب ہے جس کے بارے میں ماتمی مجتہد خود شافی ترجمہ کافی کے مقدمہ میں یہ تسلیم کرچکے ہیں کہ الکافی کی روایات کو امام غائب حضرت مہدی کی رضائے سکوتی حاصل ہے: ۔اس لئے اگر آپ کے نزدیک

---

[۱] اور شیعوں کی مستند کتاب رجال کشی میں بھی امام باقر سے مروی ہے کہ: حتیٰ جاؤا بامیر المومنین (ع) مکرھًا فبایع (ص۱۳) حتیٰ کہ وہ امیر المومنین یعنی حضرت علی کو مجبور کرکے لائے پس انہوں نے بیعت کی"

حضرت علیؓ کی بیعت ابی بکرؓ کر کوئی صحیح الدماغ آدمی تسلیم نہیں کر سکتا تو یہ اعتراض آپ کا امام محمد باقر اور امام غائب پر ہے جنہوں نے اس کو تسلیم کر لیا ہے،

(ب) جب شیعہ علماء ہی کا ایک دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت علی نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی ہے خواہ بجبر و اکراہ ہی ہے تو کیا وہ شیعہ علماء آپ کے نزدیک صحیح الدماغ نہیں ہیں۔

(ج) اگر ماتمی مجتہد علم و فہم اور دیانت و صداقت سے کام لیں تو فروع کافی جیسی مذہب شیعہ اصح الکتب میں حضرت علی کی بیعت کا ثبوت ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی حضرت ابوبکر کو حقیقتاً خلیفہ برحق اور افضل الصحابہ ملتے تھے۔ ورنہ اگر حضرت علی جیسے امام برحق جبر و اکراہ کی وجہ سے خلفائے جور کی بیعت کر سکتے تھے تو پھر حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بھی یزید کی بیعت کر لینا کوئی مشکل نہ تھا۔

(۲) ماتمی مجتہد نے مصنف آفتاب ہدایت پر اعتراض کیا ہے کہ شیعہ کا دوسرا قول یہ لکھ کر کہ حضرت علیؓ نے بخوشی بیعت کر لی" اس کی تائید میں فروع کافی کی مندرجہ روایت پیش کر دی ہے کہ فبایع مکرھًا یعنی آپ نے مجبوری سے بیعت کر لی۔ گویا ان دونو باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے (تجلیات ص۳۶۶)

الجواب (۱) یہ تضاد خود فروع کافی کی اسی روایت میں پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں یہ لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اس خطرہ کے تحت لوگوں کو حضرت ابوبکر کی بیعت سے نہیں روکا کہ وہ بالکل ہی اسلام کو نہ چھوڑ دیں اور پھر بتوں کی پوجا شروع کر دیں وکان الاحب الیہ ان یقرھم علی ما صنعوا من ان یرتدوا عن جمیع الاسلام" یعنی حضرت علی کو یہ بات بہت پسند تھی کہ وہ لوگوں کو حضرت ابوبکر کی بیعت پر قائم رہنے دیں بہ نسبت اس بات کے کہ وہ سارے اسلام کو ہی بالکل چھوڑ دیں۔ اس سے آگے یہ الفاظ ہیں فلذلک کتم علی علیہ السلام امرہ (اسی مصلحت کے تحت حضرت علی نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت نہیں دی اور اپنے امر خلافت کو چھپائے رکھا" تاکہ اگر حضرت علی ان کو اپنی بیعت کی طرف بلائیں اور وہ انکار کر دیں تو پھر اسلام سے بالکل خارج ہو جائیں گے۔ تو فرمائیے جب اس مصلحت کی بناپر آپ کو یہ زیادہ پسند تھا کہ لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرتے رہیں تو کیا اس مصلحت کے تحت اس میں آپ کی خوشی اور رضا ثابت نہیں ہو جاتی۔ اور اسی مصلحت کے تحت آپ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کر لی تھی۔ اب یہ تو امام محمد باقر سے پوچھئے کہ اس مصلحت کے بیان فرمانے کے بعد یہ کیوں فرمایا۔ کہ "حضرت علی نے مجبوری سے بیعت کر لی جب کہ

انہوں نے مددگار نہیں پائے" حقیقت یہ ہے کہ شیعہ مذہب خود ہی تضادات کا مجموعہ ہے۔

(۲) مذہب شیعہ کی احادیث کا یہ حال ہے کہ ان کا سب سے بڑا راوی زرارہ ہے اور آفتاب ہدایت میں یہ لکھا ہے کہ زرارہ کو خود امام جعفر صادق یہود و نصاریٰ سے زیادہ بُرا کہتے تھے (بحوالہ رجال کشی) اور اس زرارہ نے امام محمد باقر کو بڈھا بے علم کہا تھا۔ (اصول کافی ص۵۵۲) اسی طرح دوسرے مشہور راوی بھی ہیں تو اس کے جواب میں ماتمی مجتہد فرماتے ہیں کہ: حقیقت یہ ہے کہ زرارہ بڑے جلیل القدر و عظیم المرتبت بزرگوار ہیں ائمہ اطہار کی نظر اشرف میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ اگر زرارہ اور اس جیسے راویان اخبار نہ ہوتے تو آثار نبوت مٹ جاتے (رجال کشی ص۱۱۳) جس دور میں امام عالی مقام موجود تھے وہ ایسا نازک دور تھا کہ جو شخص آل رسول سے محبت و اخلاص میں مشہور ہو جاتا اُسے حکومت وقت کے عتاب و عقاب کا شکار ہونا پڑتا۔ اس لئے حکمائے اسلام یعنی ائمہ اہل بیت علیہم السلام ایسے لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کی خاطر عام لوگوں میں بیٹھ کر مذمت فرما دیتے تاکہ حکومت یہ سمجھے کہ یہ اشخاص ائمہ کے منظور نظر نہیں ہیں۔ چنانچہ یہی جواب امام جعفر صادق کی زبانی منقول ہے۔ امام علیہ السلام زرارہ کے فرزند عبداللہ سے فرماتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے والد (زرارہ) کو میرا سلام پہنچانا اور ان سے کہنا کہ میں جو بعض اوقات تیری عیب جوئی کرتا ہوں تو یہ سب کچھ تیرے دفاع کی خاطر ہے ۔ ۔ ۔ ۔ معلوم ہوا کہ یہ مذمت اس اہم مصلحت کے پیش نظر ہے"، (تجلیات ص۵۲)

الجواب (۱) ماتمی مجتہد نے جو توجیہہ کی ہے اور جس جواب کو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کیا گیا ہے یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ اور اسی سے شیعہ مذہب بے نقاب ہو جاتا ہے کہ جب امام معصوم خود اس زرارہ کو یہود و نصاریٰ سے بُرا فرماتے ہیں جس کو ماتمی مجتہد بڑا جلیل القدر اور عظیم المرتبت وغیرہ مان رہے ہیں۔ تو پھر امام کے قول و فعل کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے۔ اس کی کیا دلیل ہوگی کہ جس کو امام معصوم اچھا کہہ رہے ہیں وہ حقیقتاً اچھا ہے اور جس کو بُرا کہہ رہے ہیں وہ حقیقتاً بُرا نہیں۔ تو پھر شیعہ کی کسی حدیث پر کیونکر اعتماد ہو سکتا ہے جبکہ امام اور راوی ایسے ہوں۔ اور اگر ماتمی مجتہد نے ایسے معصوم اماموں کی پیروی کرنی ہے تو خود ان کے قول و فعل کا کیا اعتماد ہو سکتا ہے اور اس کی کتاب تجلیات کا کیا اعتبار رہ جاتا ہے جس کی ہر بات میں یہ احتمال ہے کہ ماتمی مجتہد اپنے اعتقاد کے خلاف یہ لکھ رہے ہیں۔ اور ہم نے سابق اوراق میں آپ کے کذب و فریب کا کچھ نمونہ پیش بھی کر دیا ہے۔ اور اسی طریق کار کو شیعہ مذہب میں تقیہ کے عظیم نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ کی پوزیشن

ماتمی مجتہد حضرت علی المرتضیٰ کو معصوم بھی مانتے ہیں اور شجاع و بہادر بھی اور یہ بھی ان کا دعویٰ ہے کہ غدیر خم میں رسول اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ سے زائد صحابہ کے سامنے

آپ کی خلافت بلا فصل کی رسم تاجپوشی بھی ادا فرمائی تھی اور لا فتی الا علی اور لا سیف الا ذوالفقار تو عموماً شیعوں کے ورد زبان رہتا ہے۔ لیکن اس عظمت مقام کے باوجود حضرت علی المرتضیٰ کی کمزوری اور مغلوبیت کی یہ تصویر پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے " پہلوئے فاطمہ پر دروازہ گرایا جس سے شہزادہ محسن کی شہادت واقع ہوگئی" (تجلیات ص۱۷۴) (۲) بیعت والے دن عمرؓ نے جناب فاطمہ کے بطن اقدس پر ضرب لگائی جس سے محسن شہید ہوگیا اور وہ اس دن چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ گھر کو گھر والوں سمیت جلا دو۔ حالانکہ اس گھر میں سوائے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے اور کوئی موجود نہ تھا (تجلیات ص۴۲۶) یہ تو شیر خدا کے سامنے خاتون جنت کا حال ہوا۔ العیاذ باللہ۔ اب خود حضرت علیؓ کا حال سنیئے (۳) اس طرح جناب امیر کے گلے میں کپڑا وغیرہ ڈال کر زبردستی کشاں کشاں بیعت کی طرف لے جانا الاما مۃ والسیاسۃ ص۱۴ شرح نہج البلاغۃ حدیدی ج ۲ ص۳۷ پر مذکور ہے" (تجلیات ص۴۴۶) (۴) ماتمی مجتہد لکھتے ہیں۔ تاریخی حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت لینے کے لئے جبر و اکراہ کے ساتھ حضرت امیر کو دربار خلافت میں لانے کے واقعات اس قدر مشہور و مسلم تھے کہ معاویہ اپنے بعض خطوط میں جناب امیر کو طعنہ دیتے ہوئے لکھتا ہے۔ تقاد کما یقاد الجمل المخشوش حتی تبایع (تمہیں دربار خلافت میں یوں پکڑ کر لایا جاتا تھا جس طرح مست اونٹ کے ناک میں نکیل ڈال کر کھینچا جاتا ہے الخ۔

یہاں ماتمی مجتہد نے حتیٰ تبایع کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ جس سے حضرت علی کا بیعت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خواہ بالجبر ہی ہو۔ اور ماتمی مجتہد آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔ اگر بالفرض حضرت علی نے خلفائے ثلثہ کی بیعت کی بھی ہے تو وہ بہت ہی جبر و اکراہ اور ناخوشگوار واقعات کے بعد" (تجلیات ص۳۷۸) لیکن یہ بالفرض کا معاملہ نہیں ہے جبکہ فروع کافی کی حدیث مذکور سے ثابت کر دیا گیا ہے۔ اور ماتمی مجتہد اپنے بیان کردہ اصول کے تحت اس کی تردید نہیں کر سکتے کیونکہ الکافی کی تمام روایات کو حضرت امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہو چکی ہے۔ (۵) کتب شیعہ میں ہے کہ جب حضرت فاطمہ پر ظلم کیا گیا اور حضرت علی المرتضیٰ نے آپ کی کچھ مدد نہ کی تو خاتون جنت نے آپ کو ان سخت الفاظ سے خطاب کیا۔ قالت لامیر المومنین علیہ السلام یا ابن ابی طالب اشتملت شملۃ الجنین وقعدت حجرۃ الظنین" (احتجاج طبرسی مطبوعہ ایران ص۵۹) اور علامہ باقر مجلسی نے اس روایت کا ترجمہ حق الیقین میں یہ لکھا ہے: خطابہائے درشت با سید اوصیاء نمود کہ مانند جنین در رحم پردہ نشین شدۂ و مثل خائنان درخانہ گریختہ بعد از اں کہ شجاعان دہر را برخاک ہلاک افگندی مغلوب ایناں گردیدۂ" (حضرت فاطمہ نے سید اوصیاء حضرت علی کو سخت الفاظ سے خطاب کیا کہ جنین یعنی ماں کے پیٹ کے بچہ کی طرح تو چھپ گیا ہے اور خائنوں کی طرح گھر میں گھس گیا ہے۔ بعد اس کے کہ تو نے زمانہ کے بہادروں کو ہلاک کیا ہے اب تو ان سے مغلوب ہو گیا ہے"

ہمارا سوال (۱) جب علمائے اہل سنت شیعوں کو الزام دیتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی موجودگی میں حضرت خاتون جنت کی یہ بے حرمتی کیوں ہونے دی اور اپنے گلے میں رسی ڈلوا کے کیوں اتنی کمزوری دکھلائی تو شیعہ علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے یہ وصیت فرمادی تھی کہ خواہ آپ پر کتنا ہی ظلم کیا جائے آپ نے بہر حال صبر کرنا ہوگا۔ تو یہاں ہمارا سوال یہ ہے کہ (۱) کیا حضرت فاطمۃ الزہراء کو یہ وصیت معلوم نہیں تھی۔ اور اگر نہیں معلوم تھی تو کیوں ؟ اور اگر وصیت معلوم تھی تو پھر کیوں حضرت علی المرتضیٰ کو اتنے توہین آمیز الفاظ سے خطاب کیا۔ جبکہ آپ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کر رہے تھے۔ (ب) شیعہ مذہب میں حضرت علی بھی معصوم ہیں اور حضرت فاطمۃ الزہراء بھی پھر ایک معصوم نے کیوں ایک معصوم کے خلاف ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ کیا امام معصوم کو ان الفاظ سے پکارنا شرعاً جائز ہے۔ یہاں شیعوں کے لئے کسی تاویل کی گنجائش نہیں رہتی لیکن باوجود حضرت فاطمہ کی اس قدر ناراضگی اور غضب کے حضرت علی اور حضرت فاطمہ دونو کو معصوم مانتے ہیں مگر مسئلہ فدک میں اگر روایات میں یہ آگیا ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر صدیق پر ناراض ہوئیں تو آسمان سر پہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں بھی حضرت صدیق اکبر نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث عدم توریث انبیاء پیش کی تھی۔ اور حضرت فاطمہ کی اپنی زبان سے جواب میں حضرت صدیق اکبر کے خلاف کوئی ایسا توہین آمیز لفظ ثابت نہیں ہوتا۔ غضب فاطمہ کا ظہور تو حضرت علی کے خلاف بہت سخت ہوا ہے پھر حضرت فاطمۃ الزہرا کے غضب کے پیش نظر شیعہ حضرت علیؓ کے کیوں مخالف نہیں ہوتے جو حضرت خاتون جنت کے غضب کا باعث بنے ہیں (۲) ذاکرین علمائے شیعہ کی بیان کردہ جھوٹی روایات کے تحت عام شیعوں کو خلفائے ثلثہ کے خلاف اتنا غصہ آتا ہے کہ وہ ان حضرات کا نام بھی نہیں سن سکتے اور ان سُنی علماء سے بھی سخت نفرت کرتے ہیں جو خلفائے ثلثہ کو برحق خلیفہ مانتے ہیں : تو ہمارا سوال یہ ہے کہ بالفرض ایسے غیور اور جری شیعہ نوجوان کے سامنے اگر خدانخواستہ حضرت خاتون جنت کی اس قدر بے حرمتی ہوتی تو کیا وہ بھی اسی طرح صبر کر لیتے جیسا کہ حضرت علی کی تصویر اس موقعہ پر پیش کی جاتی ہے۔ یا اگر ان کے سامنے کوئی دشمن ان کی مستورات کی اس طرح بے حرمتی کرے تو کیا خاموش رہ کر اس طرح صبر کر سکتے ہیں۔ بہر حال شیعوں نے خلفائے ثلثہ اور اکثریت صحابہ کو اگر غاصب و ظالم قرار دیا ہے تو حضرات اہل بیت کا بھی وہ نقشہ کھینچا ہے کہ اس سے شیر خدا حضرت علی المرتضیٰ کی مخصوص غیرت و شجاعت کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ حیثیت بھی باقی نہیں رہتی۔ اور سوائے حضرات امام حسین کے باقی تمام ائمہ کی مقدس زندگیاں بھی تقیہ نامرضیہ کے تاریک پردوں میں چھپی ہوئی نظر آتی ہیں۔ تو اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ حضور خاتم النبیین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام

اصحاب میں سے کس کی پیروی کو غلبہ دین کا ذریعہ بناتے اور کیوں بنائے ؟ اُس اسلام اور اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا العیاذ باللہ اُمت کو کیا فائدہ جنہوں نے دَورِ رسالت میں چند کامل اور غالب شخصیتیں بھی پیدا نہیں کیں ۔

؎ نہ سمجھوگے تو پھر سمجھوگے تم یہ داستاں کب تک ؟

ماتمی مجتہد کی مزید جہالتیں اور خیانتیں

ماتمی مجتہد حضرت ابوبکر صدیق ، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین سے اس قدر شدید بغض وعناد رکھتے ہیں کہ انہوں نے بعض ناقابل انکار واقعات کا بھی سرے سے انکار کر دیا ہے جن سے ان حضرات کی کوئی نہ کوئی فضیلت ثابت ہوتی ہے ۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر کی ہجرت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت ابوبکر کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے تھے بلکہ آپ بعد میں حضور سے جا ملے تھے :۔ آنجناب تو بامر الٰہی اپنے برادر خورد حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سُلا کر تنہا اس مہم پر روانہ ہوئے مگر جب ابوبکر کو کسی طرح آپ کے اس سفر کی اطلاع ہوئی تو خدا معلوم کس مقصد سے راستہ میں آنحضرت سے جاملے اور ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی اور آنحضرت نے خواہ افشائے راز کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے ان کو واپس نہ لوٹایا بلکہ ہمراہ رکھا الخ ۔

(تجلیات ص۱۱۱)

الجواب : (ا) ہم پوچھتے ہیں کہ جب یہ سفر ہجرت رسول پاک اور حضرت علی کے درمیان راز تھا ۔ تو حضرت ابوبکر کو حضور کا جانا اور پھر غار ثور کی سمت جانا کیونکر معلوم ہوا ؟

(ب) اور اگر ان کو حضرت علی نے بتایا جیسا کہ ماتمی مجتہد یہ لکھ رہے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے اس راز کا افشاء اپنے اور اپنے رسول کے دشمن کے سامنے کیوں کیا ؟

(ج) بالفرض اگر حضرت ابوبکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے دشمن تھے تو آپ نے بجائے خود جانے کے ابوجہل اور اس کی پارٹی کو کیوں نہ بتا دیا کہ حضور فلاں سمت کو تشریف لے گئے ہیں ۔ اور پھر باوجود دشمنی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف غار ثور تک بلکہ مدینہ منورہ تک آپ کو اپنے ہمراہ رکھا ۔ اور بالفرض اگر حضرت ابوبکر بعد میں بھی راستہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملے ہوں پھر حضور کا آپ کو مدینہ منورہ تک اپنے ہمراہ رکھنا وغیرہ یہ سب واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر عاشق صادق تھے اور اصحاب مکہ میں سے سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفاشعاری اور بہادری پر اعتماد تھا ۔ اور صحیح بات یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لے جا کر حضرت صدیق کو اپنے ساتھ لیا تھا چنانچہ حسب ذیل کتب سیرت و تاریخ

سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ (۱) سیرت النبی مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ہے: "حضرت ابو بکر سے پہلے سے قرار داد ہو چکی تھی۔ دونو صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے" (جلد اول صہ ۲۷۱) (۲) رحمت للعالمین مؤلفہ قاضی محمد سلمان صاحب منصور پوری میں ہے:۔ "خدا کا نبی پیارے دوست ابوبکر کے گھر پہنچا . . . . اسی شب کی تاریکی میں دونو بزرگوار چل پڑے . . . . ابوبکرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا" (۳) طبقات ابن سعد مترجم جلد اول صہ ۳۲۸ میں ہے:۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے مکان پر چلے گئے۔ رات اُسی میں رہے۔ پھر آپ اور ابوبکر نکلے اور غار ثور کو روانہ ہو گئے" (۴) تاریخ طبری مترجم حصہ اول صہ ۱۳۴ میں ہے:۔ "جب آپ نے روانگی کا پورا ارادہ کر لیا تو آپ ابوبکر بن ابی قحافہ کے پاس آئے اور یہاں سے دونوں ایک روشن دان میں سے جو ابوبکر کے گھر کی پشت پر تھا نکل کر جبل ثور کے غار کی طرف چلے" (۵) امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔ ذکروا ان قریشاً و من بمکۃ من المشرکین تعاقدوا علی قتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فنزل۔ اذ یمکر بك الذین کفروا۔ فامرہ اللہ تعالیٰ ان یخرج ھو وابوبکر اوّل اللیل الی الغار الخ (بیان کرتے ہیں کہ قریش اور مشرکین مکہ نے جب رسول اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ واذ یمکر بك الذین کفروا۔ پس اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ اور ابوبکر رات کے پہلے حصے میں (گھر سے) نکل کر غار کی طرف جائیں"

(۶) ماتمی مجتہد نے اپنی تائید میں تفسیر درمنثور کی ایک روایت پیش کی ہے لیکن وہ بھی ان کے لئے مفید نہیں کیونکہ اسی درمنثور جلد ۳ صہ ۲۴۱ میں ہے:۔ (ا) اخرج ابن عساکر عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخرج ابوبکر رضی اللہ عنہ معہ لم یامن علی نفسہ غیرہ حتی دخلا الغار" (اور ابن عساکر نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نکلے اور آپ کے ساتھ ابوبکر بھی نکلے اور حضور سوائے ابوبکر کے اپنی ذات کے لئے کسی پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ حتی کہ دونو غار میں داخل ہوتے"

(ب) اور درمنثور ہی میں ہے:۔ فلما رآہ ابوبکر رضی اللہ عنہ انہا قد حفیت حملہ علی کاھلہ"۔ جب ابوبکر نے دیکھا کہ حضورؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے ہیں تو آپ نے حضور کو اپنے کندھے پر اُٹھا لیا"، کیا ماتمی مجتہد نے درمنثور کی یہ دو روایتیں نہیں دیکھی تھیں؟ (۷) اور ماتمی مجتہد نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ازالۃ الخفاء کا جو حوالہ اپنی تائید میں پیش کیا ہے وہ بھی ہمارے موقف کی تائید میں ہے۔ چنانچہ ازالۃ الخفاء جلد دوم مترجم صہ ۵۱۳ میں یہ الفاظ ہیں:۔ فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھاربا من اھل مکۃ خرج لیلاً فتبعہ ابوبکر فجعل

يمشي مرة امامه ومرة خلفه ومرة عن يمينه ومرة عن يساره الخ (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے بھاگ نکلے۔ تو رات کے وقت نکلے اور ابوبکر ان کے ساتھ ہوئے تو چلنا شروع کیا کبھی ان کے آگے چلنا شروع کر دیتے تھے اور کبھی ان کے پیچھے اور کبھی ان کے دائیں اور کبھی ان کے بائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے ابوبکر یہ تم کیا کر رہے ہو۔ تو ابوبکر نے کہا کہ یا رسول اللہ گھات لگانے والوں کا خیال آجاتا ہے تو میں آپ سے آگے ہو جاتا ہوں اور تعاقب کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو آپ کے پیچھے ہوتا ہوں الخ (ترجمہ از امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوئیؒ) عبارت میں فتبعہ ابوبکر کے الفاظ ہیں جس کا معنی ہے ابوبکر حضور کے پیچھے چلے اور لغت میں بھی تبعہ کا معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنا یا ساتھ چلنا آتا ہے (ملاحظہ ہو المنجد وغیرہ) لیکن ماتمی مجتہد نے اس کا مطلب بعد میں گھر سے چلنا نکال لیا۔ یہ ہے ان کی جہالت یا تلبیس۔ اور ازالۃ الخفاء کی روایت میں یہ بھی ہے:۔

فلما رآها ابوبکر رضی اللہ عنہ انها قد حفيت حمله على كاهله الخ (جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس حالت کو دیکھا کہ آپ کے دونو پاؤں تھک چکے ہیں تو آپ کو اپنے کندھے پر سوار کیا" (۸) آفتاب ہدایت میں حضرت مصنف نے شیعوں کی تفسیر امام حسن عسکری سے بھی یہ عبارت پیش کی ہے:۔ ان الله تعالیٰ اوحیٰ اليه يا محمد ان العلى الاعلىٰ يقرأ عليك السلام ويقول لك ان ابا جهل والملأ من قريش قد دبروا يريدون قتلك الى ان قال وامرك ان تستصحب ابا بكر الخ۔ (جبرائیل علیہ السلام رسول پر وحی لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابوجہل اور جماعت قریش نے تیرے قتل کرنے کی تدبیر کی ہے۔ آگے چل کر فرمایا۔ اور خدا نے تجھے حکم دیا ہے کہ ابوبکر کو اپنا رفیق سفر بناؤ الخ اس میں چونکہ تصریح ہے کہ ابوبکر کو رفیق سفر بنانے کا اللہ تعالیٰ نے خود حضور کو حکم دیا تھا تو اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں کہ:۔ "اول یہ روایت مرسل و مجہول ہے۔ اور انت الصدیق کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ استفہام انکاری ہے (بحذف حرف الاستفہام کیا تو صدیق ہے؟" یعنی صدیق ایسے ہوتے ہیں۔) دوسرے یہ کہ بطور تذلیل و تحکم ہے . . . . . مطلب یہ کہ واقعتاً تو صدیق ہے یعنی تجھ جیسے ہی صدیق ہوتے ہیں"۔

الجواب (۱) ماتمی مجتہد آفتاب ہدایت کے استدلات سے بالکل مبہوت نظر آتے ہیں اور وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح ارشاد مبارک کو کہ:۔ تو صدیق ہے،، العیاذ باللہ ایک معمہ اور پہیلی قرار دے رہے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ

الّا باللہ ۔ گرہمیں مجتہد وہمیں مذہب کارِ شیعہ تمام خواہد شد

(۱۰) آفتاب ہدایت میں مذہب شیعہ کی مشہور کتاب نظم حملۂ حیدری کے اشعار بھی پیش کئے ہیں جن سے رسول اللہ کا حضرت ابوبکر کو خود ہمراہ لینا اور رات میں کندھوں پہ اُٹھانا مذکور ہے۔ اس کے جواب میں ماتمی مجتہد رقم طراز ہیں: حملۂ حیدری کا مؤلف و ناظم نہ محدثین شیعہ میں سے ہے اور نہ علماء و مجتہدین میں سے۔ بلکہ وہ صرف فردوسی کی طرح شیعی المذہب شاعر ہے۔ ظاہر ہے کہ شعرائے کرام کو علمی تحقیقات اور فنی موشگافیوں سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا" (تجلیات ص ۱۲۰)

الجواب (۱) ماتمی مجتہد نہ قرآن سے مانیں اور نہ حدیث و سیرت سے نہ اصول کافی کی روایات قبول کریں نہ تفسیر قمی کی۔ تو حملۂ حیدری کو وہ کیونکر قبول کر سکتے ہیں۔

ع اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی والامعاملہ ہے۔

بہرحال مذکورہ واقعات صحیح ہیں۔ ڈھکو صاحب مانیں یا نہ مانیں۔ آیت غار سے حضرت ابوبکر کے جو خصوصی فضائل ثابت ہوتے ہیں ان کا ذکر "بشارت الدارین" میں آگیا ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

اسلام عمرؓ کے متعلق رسول صلعم خدا کی مخصوص دعا آفتاب ہدایت میں کتب شیعہ سے حضرت عمر فاروقؓ کے فضائل کے ثبوت میں یہ روایت پیش کی گئی تھی۔ روی العیاشی عن الباقر علیہ السلام ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ قال اللّٰھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بابی جہل بن ھشام" (بحوالہ بحار الانوار علامہ باقر مجلسی) **ترجمہ**: مسعود عیاشی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے خدا اسلام کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے اسلام لانے سے عزت بخش" سو حضور کی دعا مستجاب ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کی کیفیت حملۂ حیدری میں لکھا ہے الخ (آفتاب ہدایت ص ۸۵) اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں (۱) اولاً یہ روایت مرسل ہے اور اعتقادی مقام میں ایسی روایات حجت نہیں ہیں۔ ثانیاً اس روایت میں عمر صاحب کو ابوجہل کا ہم پلہ اور ہمسر قرار دیا گیا ہے جس سے انکی مذمت ہی ہوتی ہے نہ مدح۔ ثالثاً اس میں عمرؓ یا ابوجہل کے اسلام لانے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے بلکہ صرف ان کی وجہ سے اسلام کو تقویت پہنچانے کا ذکر ہے اور سابقہ اوراق میں کئی جگہ بالتفصیل یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ بعض اوقات خداوند حکیم اسلام کی نصرت و تائید فساق و فجار سے بھی کر دیتا ہے (ملاحظہ ہو بخاری مع فتح الباری ج ۳ ص ۱۳۱ ۔ الخ) تجلیات ص ۱۲۳)

الجواب:- (۱) امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حدیث مرسل مطلقاً مقبول ہے۔ (ب) اس حدیث کا تعلق فضائل سے ہے نہ کہ عقائد سے۔ (۲) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے حضرت عمرؓ کو ایمان نصیب ہو گیا اور ابوجہل ہمیشہ کے لئے محروم رہا تو کیا آپ کے نزدیک ایمان و کفر اور مومن و کافر ہم پلہ ہیں؟ (۳) حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان دونوں میں سے ایک کے ذریعہ اسلام کو تقویت پہنچانے کے لئے دُعا فرمائی تھی تو کیا ماتمی مجتہد کے نزدیک حضورؐ کی اس دُعا مبارک کا یہ مطلب تھا کہ اے اللہ ان میں سے ایک کے ذریعہ اسلام کو غلبہ نصیب فرما لیکن وہ خود فاسق و فاجر ہی رہے۔ بلکہ بزعم ڈھکو وہ خود مومن نہ بنے۔ کیا اس سے زیادہ بھی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائے خاص کی توہین ہو سکتی ہے۔ جس کا ارتکاب ماتمی مجتہد کر رہے ہیں یہ صرف حضرت عمرؓ سے بغض و عناد کا اظہار نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کی قبولیت کا تمسخر اڑانا ہے۔ العیاذ باللہ (۴) کسی فاسق و فاجر شخص سے دین اسلام کو تقویت پہنچانا یہ عام حالات میں ہے۔ اور زیر بحث مسئلہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دُعا کے متعلق ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس شخصیت (یعنی حضرت عمرؓ) کے ذریعہ اسلام کو طاقت و غلبہ نصیب ہو گا اس کا اپنا ایمان و اسلام بھی اعلیٰ درجہ کا کامل اور مضبوط ہو گا۔ (۵) ماتمی مجتہد پانچویں وجہ کے تحت لکھتے ہیں کہ:۔ کتب سنیہ سے ثابت ہے کہ جناب عمرؓ ایسے ڈرپوک اور کمزور تھے کہ اپنا دفاع بھی نہ کر سکتے تھے" (تجلیات ص۱۶۴) ماشاء اللہ کیا ہی عجیب و غریب عقل و فہم ہے۔ کوئی اس محروم العقل مجتہد سے پوچھے کہ جب پہلے یہ مان لیا ہے کہ جن کے حق میں حضور کی دعا ہے (یعنی حضرت عمرؓ) ان کے ذریعہ دین اسلام کو طاقت ملیگی۔ تو اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ بہت جری اور بہادر تھے۔ ورنہ ڈرپوک اور بزدل آدمی بھی کسی کی طاقت کا ذریعہ بن سکتا ہے؟ اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعائیہ الفاظ نے ہی ماتمی مجتہد کے اس الزام کا ابطال کر دیا کہ:۔ اے کاش کہ یہ لوگ یہ ملکی فتوحات حاصل نہ کرتے انہی لوگوں اور انہی کی ان مزعومہ فتوحات نے اسلام کو اغیار کی نظروں میں بدنام کیا الخ (تجلیات ص۹۵) ڈھکو صاحب کچھ تو ہوش سے کام لیں جب حضور کی دعا کا نتیجہ ہی یہی ہے کہ حضرت عمرؓ کے ذریعہ اسلام کو قوت حاصل ہو گی۔ تو کیا شوکت و قوت اسلام آپ کے نزدیک باعث بدنامی ہے؟ جن اغیار یعنی دشمنان اسلام نے خلفائے ثلثہ کی فتوحات پر طعن و تشنیع کی ہے اس کی وجہ تو یہ ہے کہ خلفائے ثلثہ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ کے دس سالہ دور خلافت میں روم و ایران جیسی قدیم و مستحکم سلطنتوں کا خاتمہ ہوا اور قیصر و کسریٰ کے محلات پر اسلامی پرچم لہرایا گیا۔ آپ کیوں ان اسلامی فتوحات سے پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔ کیا آپ بھی تو ان اغیار کی فہرست میں

شامل نہیں ہیں ؟ (۶) اور اپنے عقیدہ کے تحت یہ بھی تو فرمائیں کہ جب حضرت علیؓ جیسے بہادر پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور وہ کامل الایمان بھی تھے۔ تو پھر اس دعا کی کیا ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ العیاذ باللہ حضرت عمرؓ جیسے غیر مخلص اور بزدل اور ڈرپوک کے ذریعہ اسلام کو طاقت عطا فرمائے۔ کیا حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا ابتدائے اسلام سے ہی صرف گوشہ نشینی اور تقیہ کے پیر تھے۔ جو کسی طرح بھی قوت اسلامؓ کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے ؟

حضرت ابوبکرؓ پر زندہ انسان کو جلا دینے کا الزام

ماتمی مجتہد نے حضرت ابوبکرؓ پر یہ الزام بھی لگایا ہے کہ :۔ ابوبکر نے فجاءہ اسلمی کو آگ میں جلا دیا۔ حالانکہ شرعاً کسی کو آگ میں جلانا ممنوع ہے" (صـ۱۳۲)

الجواب ۔ اس شرعی جرم کا ارتکاب تو حضرت علیؓ نے بھی کیا ہے چنانچہ شیعہ مذہب کی مستند کتاب "رجال کشی میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ابن سبا یہودی کو آگ میں جلا دیا تھا۔ جبکہ اس نے تین دن مہلت دینے کے باوجود توبہ نہ کی :۔ "استتابہ ثلثۃ ایام فلم یتب فاحرقہ بالنار" (رجال کشی مطبوعہ کربلا صـ۹۸)

حضرت علیؓ کی ماتحتی

"آفتاب ہدایت میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل میں یہ بھی مذکور ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو امیر الحج مقرر فرمایا تھا" اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں :۔ "اگر بفرض محال چند لمحات کے لئے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ابوبکر امیر الحج تھے تو وہ باتیں تو بہر حال غلط ہیں۔ ایک حضرت علیؓ کا ان کے ماتحت و مامور ہونا۔ کیونکہ یہ بات ناقابل رد حقائق سے ثابت ہے کہ جناب امیر پوری حیات رسولؐ میں کبھی بھی کسی کے ماتحت نہیں رہے" (تجلیات صـ۳۹)

الجواب (۱) ماتمی مجتہد اسی بحث میں یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ :۔ وہ اہل سنت بھی جنہوں نے ابوبکر کا امیر حج ہونا لکھا ہے۔ انہوں نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ صرف قافلہ سالار تھے۔ دوسرے کام اور لوگوں کے سپرد تھے۔ چنانچہ شبلی نعمانی

لـ طبقات ابن سعد حصہ سوم صـ۶۸ میں ہے: قاسم بن عبدالرحمن سے مروی ہے۔ کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا کہ عمرؓ کا اسلام فتح تھی ان کی ہجرت مدد تھی اور ان کی خلافت رحمت تھی۔ ہم نے اپنی وہ حالت دیکھی ہے کہ عمرؓ کے اسلام لانے تک ہم لوگ بیت اللہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ جب عمرؓ اسلام لائے تو انہوں نے لوگوں سے جنگ کی۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم نے بیت اللہ میں نماز پڑھی"

نے سیرت النبی ج ۱ ص ۱۳/۱۴ طبع اوّل پر لکھا ہے: - حضرت ابوبکرؓ قافلہ سالار - حضرت علیؓ نقیب اسلام اور حضرت سعد بن ابی وقاص - جابر - ابوھریرۃ وغیرہ معلم تھے" (بحوالہ بخاری) توجب حضرت ابوبکر بحکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفر حج کے قافلہ سالار تھے تو کیا حضرت علی المرتضیٰ بھی اس قافلہ کے ایک فرد نہ تھے - اسی کا نام ماتحت ہونا ہے کیونکہ سارا قافلہ سالار کے ماتحت ہوتا ہے - امیر قافلہ حضرت ابوبکر صدیق تھے اور حضرت علیؓ سمیت سب صحابہ آپ کے ماتحت تھے - خواہ کام ان کے جدا جدا سپرد کئے گئے ہوں - (۲) بارگاہ خداوندی میں نماز بھی حضرت علی المرتضیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کے پیچھے پڑھی ہے - کیا مقتدی امام کے ماتحت نہیں ہوتا -

حضرت عثمانؓ کی غائبانہ بیعت

مقام حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شامل ہونے والے تمام صحابہ کرام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر حاضرانہ بیعت کی تھی جن میں حضرت ابوبکر صدیقؓ - حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی المرتضیٰؓ بھی تھے لیکن حضرت عثمان ذوالنورین چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت مکہ مکرمہ میں تھے - اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دے کر آپ کو غائبانہ اس بیعت میں شامل فرما لیا - اور اس کی تائید میں آفتاب ہدایت میں حضرت مصنف نے شیعوں کی فروع کافی جلد ۳ ص ۱۵۱ کی یہ روایت پیش کی تھی: - وَبَایَعَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وضرب باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان - وقال المسلمون طوبیٰ لعثمان قد طاف بالبیت وسعی بین الصفا والمروۃ واحلّ - قال رسول اللہ علیہ وسلم ما کان لیفعل - فلما جاء عثمان قال لہ رسولُ اللہ أطفتَ بالبیت - فقال ماکنت لاطوف بالبیت ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ لم یطف بہٖ (ترجمہ) رسول پاک نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا اور عثمان کی غائبانہ بیعت کی - مسلمان کہنے لگے - زہے نصیب عثمان نے طواف کعبہ کیا اور صفا اور مروہ کی سعی نصیب ہوئی - آنحضرتؐ نے فرمایا: عثمان ایسا نہیں کرے گا - پھر جب عثمان آئے تو حضور علیہ السلام نے دریافت کیا عثمان کیا تو نے طواف کعبہ کیا؟ عثمان نے کہا میں طواف کیسے کرتا حالانکہ رسول پاک نے طواف نہیں فرمایا" (آفتاب ہدایت) اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں: - اس طرح عثمان سفارت پر بھیجے گئے - ان کے کفار قریش سے اچھے تعلقات تھے - باقی رہا ان کے لئے آنحضرتؐ کا اپنے ہاتھ پر بیعت لینا تو بنا بر صحت روایت جو کہ خبر واحد ہے اور اعتقاد میں ناقابل اعتماد - اس میں بھی ان

کی ہرگز کوئی فضیلت نہیں ۔ چونکہ آنحضرت کو باعلام اللہ علم تھا کہ عثمان بھی اپنے دو مصاحبوں کی طرح اس بیعت پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور آئندہ جنگوں سے راہ فرار اختیار کریں گے اس لئے اگر ان کی طرف سے بیعت نہ ہوتی تو آئندہ ان کو یہ عذر کرنے کا موقعہ مل جاتا کہ انہوں نے فرار نہ کرنے کا عہد کیا ہی نہ تھا ۔ اس لئے آنحضرت نے اتمام حجت کرنے اور ان کے اس عذر کو قطع کرنے کے لئے اپنے ہاتھ پر ان کی طرف سے بیعت کر لی تاکہ وُہ سب سے زیادہ پختہ ہو جائے ۔ توڑنے والے کے لئے سب سے زیادہ باعث وزر و وبال قرار پائے چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ اور وہ نکث بیعت میں اپنے صاحبین کے ساتھ برابر شریک رہے الخ (تجلیات ص۸۸)

الجواب :۔ (۱) یہ روایت فروع کافی کی ہے جس کو بقول آپ کے امام غائب کی رضائے سکوتی حاصل ہے اس لئے آپ کے لئے اس میں چون وچرا کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ (۲) آپ کا یہ لکھنا نری کم عقلی ہے کہ :۔ اگر ان کی طرف سے بیعت نہ ہوتی تو آئندہ ان کو یہ عذر کرنے کا موقعہ مل جاتا کہ انہوں نے فرار نہ کرنے کا عہد کیا ہی نہ تھا " کیونکہ حضرت عثمان نے خود تو یہ بیعت نہیں کی ۔ اس لئے اس صورت میں تو ان کے لئے عذر کرنے کا یہ زیادہ موقعہ ہے کہ میں نے تو بیعت کی ہی نہیں پھر توڑنے کا اس سے کیا تعلق ہے ؟ کیا ماتمی مجتہد اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ بیعت اس پر لازم آتی ہے جو خود اپنے ارادہ سے کرتا ہے ۔ اور یہاں تو حضرت عثمان کو اس کا علم ہی نہ تھا ۔ تو فرمائیے اس غائبانہ بیعت کو آپ کس طرح اتمام حجت قرار دے سکتے ہیں (۳) یہ ماتمی مجتہد کی بدبختی ہے کہ وہ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مُبارک کو ناقابل اعتماد قرار دے رہے ہیں ۔ اس بیعت میں حضرت عثمان کے ہاتھ یا ان کی نیت کا کوئی دخل ہی نہیں ہے بلکہ اس میں صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت اور دست مبارک کا دخل ہے ۔ اگر حضرت عثمان نے بعد میں بیعت توڑنی تھی یا العیاذ باللہ توڑی ہے تو اس کا الزام تو سراسر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک بلکہ خود حضور کی ذات پر آتا ہے ۔ کیونکہ اس میں حضور کے دستِ مبارک کا ہی باہمی عہد ہے ۔ نہ کہ حضرت عثمان کا ۔ (۴) اگر بغض عثمان کی وجہ سے ماتمی مجتہد کی فہم و دیانت پر پردہ نہ پڑ گیا ہوتا تو وہ اس حقیقت کے قائل ہو جاتے کہ حضرت عثمان رضؓ کی اس غائبانہ بیعت کے ٹوٹنے کا تو احتمال ہی ختم ہو گیا ہے ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باعلام اللہی یہ بیعت لی ہے ۔ اور اس یقین کی بنا پر اپنے دست مُبارک کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا ہے کہ حضرت عثمان اس بیعت کو توڑ ہی نہیں سکتے ۔ اس لئے ماتمی مجتہد نے حضرت عثمان کی نہیں بلکہ خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی توہین کی ہے ۔

؎ نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

(۵) یہ اسی حضرت عثمان کی غائبانہ بیعت ہے جو وفا و عشق نبوی میں اتنے کامل ہیں کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف کعبہ کی اجازت نہیں ملی آپ نے باوجود قریش کی اجازت کے بھی طواف کعبہ کرنا پسند نہیں کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ماتمی مجتہد نے حضرت عمرؓ فاروق پر طعن کرتے ہوئے لکھا ہے: صلح حدیبیہ

حضرت عمرؓ پر شک فی النبوۃ کا بہتان کے موقعہ پر جناب عمر کا شک فی النبوت کرنا اور ان کا اظہار ان الفاظ میں کرنا مَا شَکَکْتُ مُنْذُ اَسْلَمْتُ اِلَّا یَوْمَئِذٍ۔ کتب کثیرہ میں باسانید کثیرہ مروی ہے۔" (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور ج ۶ صفحہ ۷۷ وغیرہ۔ سیرت حلبیہ ج ۳ صفحہ ۲۷) (تجلیات صفحہ ۳۷)

الجواب (۱) ماتمی مجتہد نے درمنثور وغیرہ کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے نبوت میں شک ہونا ثابت ہوتا ہو۔ لہٰذا حضرت عمرؓ فاروق پر ان کا یہ ایک عظیم بہتان ہے کہ آپ نے نبوت میں شک کیا تھا۔ آفتاب ہدایت میں اس بہتان کے جواب میں یہ لکھا گیا ہے کہ :۔ ہم نے تو کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا۔ مولانا عبدالشکور صاحب نے النجم میں اس کے متعلق شیعہ کو پانسو روپیہ انعام دینے کا وعدہ کیا ہے کہ اگر کسی معتبر کتاب حدیث سے یہ قول دکھلا دیں" اور سالہا سال سے امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اعلان شائع ہے لیکن آج تک کوئی شیعہ عالم و مجتہد یہ الفاظ نہیں ثابت کر سکا کہ حضرت عمرؓ نے یہ کہا تھا کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں شک ہو گیا تھا۔ اگر ماتمی مجتہد صاحب کے پاس کوئی مستند ثبوت ہے تو وہ کیوں نہیں پیش کرتے۔ جو عبارت انہوں نے لکھی ہے اس میں تو سرے سے نبوت کا لفظ ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجتہد موصوف نے اس عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا تاکہ جھوٹ کا پول نہ کھل جائے۔

جنگ اُحد میں جو صحابہ میدان جنگ سے ہٹ گئے تھے ان کو

خدا نے تو معاف کر دیا لیکن ماتمی مجتہد نے؟ مختلف وجوہ ہیں۔ جن کا ہم نے بشارت الدارین" میں ذکر کر دیا ہے اور جن اشخاص سے بھی یہ تصور ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کرنے کا قرآن مجید میں اعلان فرما دیا ہے۔ (ا) وَلَقَدْ عَفَا عَنْکُمْ وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اور یقیناً خدا نے تم سے درگزر کی۔ اور اللہ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے (ترجمہ مقبول۔) (ب) اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں پر

سورۃ آل عمران ع ۱۶) (۲)، وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْھُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ہ (ایضاً ع ۱۶) (ل) اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے حلم والے ہیں" (مولانا تھانوی) (ب) اور اللہ تعالیٰ ان کے قصور سے در گذر کی۔ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بردبار ہے" (ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی) جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دینے کا اپنی قطعی وحی میں اعلان فرما دیا۔ تو اب کسی اہل ایمان کے لئے تو ان پر طعن کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہی لیکن بغض صحابہ نے ماتمی مجتہد کو پھر بے قرار کر رکھا ہے اور وہ دل سے معاف کرنے کے لئے آمادہ نہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔ یہ درست ہے کہ جنگ اُحد کے بھگوڑوں کو رب کریم کی بارگاہ سے معافی مل گئی تھی۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس معافی کا مطلب کیا ہے۔ ارباب عقل پر مخفی نہیں کہ:۔ حق تعالےٰ کے اس عفو کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں سزا نہیں دی۔ اس عفو سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ جرم فرار سے بھی بری کئے گئے الخ (تجلیات ص ۹۱)

الجواب (۱) ارباب عقل اور اہل ایمان تو اعلان خداوندی کے بعد یہی سمجھتے ہیں کہ وہ بڑے خوش نصیب صحابہ ہیں جن کو رب غفور نے معاف فرما دیا ہے۔ اب بھی اگر ان کو کوئی شخص اس قصور کی بنا پر محل طعن بنائے تو وہ ان کا نہیں بلکہ خدائے غفور و رحیم کا مقابلہ کر رہا ہے اور اس کو اس قرآن پر ایمان نصیب نہیں ہے۔ (۲) قرآن کریم میں انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی ان کی شان عصمت کے باوجود کسی لغزش کے صدور پر استغفار اور پھر حق تعالےٰ کا معاف فرما دینا مذکور ہے تو کیا ماتمی مجتہد ڈھکو صاحب ان انبیائے معصومین کے متعلق بھی دل میں وہی بغض و عناد چھپائے ہوئے ہیں جن کا اظہار انہوں نے ان صحابہ کے بارے میں باوجود اعلان معافی کے کر دیا ہے۔

؎ از خدا خواہیم توفیق ادب ۔۔۔ بے ادب محروم گشت از فضل رب

حدیث ماسبقکم ابوبکر... وقر فی قلبہ کے معنی میں ماتمی مجتہد کی جہالت

حضرت صدیق اکبر کے فضائل کا کتب شیعہ سے ثبوت پیش کرتے ہوئے "آفتاب ہدایت" میں لکھا ہے کہ:۔ کتاب مجالس المومنین مجلس سوم ص ۸۹ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکر کی شان میں صحابہ کی مجلس میں بیٹھ کر ہمیشہ یوں فرمایا کرتے تھے۔ ماسبقکم ابوبکر بصوم وصلوۃ ولکن بشیئ وقر فی قلبہ (ترجمہ) ابوبکرؓ نے تم سے زیادہ نماز و روزہ ادا کرنے میں فوقیت حاصل نہیں کی بلکہ اس کے صدق و صفاء قلبی کی وجہ سے اس کی عزت و وقار بڑھا ہے"۔ اس کے جواب

میں ماتمی مصنف لکھتے ہیں کہ: حسب عادت یہاں بھی مؤلف نے خیانت مجرمانہ سے کام لیا ہے اور روایت نقل کرنے میں تحریف لفظی و معنوی کی ہے۔ لفظی اس طرح کہ ایک تو اس کے ماقبل و مابعد کو نظر انداز کر دیا ہے۔ دوسرے اس طرح کہ فی صدرہ کو فی قلبہ لکھا ہے۔ پوری روایت دیکھنے کے بعد ابوبکر کی بجائے فضیلت کے رذیلت ثابت ہوتی ہے۔ منقولہ بالا عبارت کا پہلا حصہ یوں ہے۔ ۔ ۔ ۔ یعنی جناب نے ابوبکر کو مال وجاہ کا طمع دلایا یہاں تک کہ اسی لالچ میں آکر وہ مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے۔ ما سبقکم ابوبکر بصوم وصلوٰۃ ولکن بشئ وقر فی صدرہ ۔ و مراد آنحضرت ۔ ۔ ۔ یعنی آنحضرت کی مراد یہ تھی کہ ابوبکر کے سینہ میں حُبِ ریاست جاگزین ہے جس کی وجہ سے اسلام لایا ہے۔ ورنہ اس نے نماز روزہ کی ادائیگی میں تم لوگوں پر کوئی سبقت حاصل نہیں کی۔ اس سے ابوبکر کے سابق الاسلام ہونے والا نظریہ بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اگر وہ سابق الاسلام ہوتا تو سابق فی الصوم والصلوٰۃ بھی ضرور ہوتا۔ اور معنوی تحریف اس طرح کی گئی ہے۔ ولکن بشئ وقر فی صدرہ کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ صحیح ترجمہ یوں ہے کہ ابوبکر نے نماز روزہ ادا کرنے کی وجہ سے تم سے سبقت نہیں کی بلکہ بوجہ اس چیز کے سبقت کی ہے جو اس کے سینہ میں مرکوز ہے۔ لفظ وقر بقر (مجرد) کی ماضی مجہول کا صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ جس کے معنی جاگزین ہونے کے ہیں۔ اسے باب تفعیل سے قرار دینا اور پھر اس کا صلہ فی بنانا کلام عربی سے اپنے نابلد ہونے کا ثبوت فراہم کرنے کے مترادف ہے اور پھر اس کا ترجمہ یوں کرنا "بلکہ اس کے صدق و صفائے قلبی کی وجہ سے اس کی عزت و وقار بڑھا ہے۔ عجائبات روزگار میں سے ہے" (تجلیات ص ۱۴۷/۱۴۸)

الجواب (۱) آفتاب ہدایت میں نہ لفظی تحریف کی گئی ہے اور نہ معنوی۔ کیونکہ (الف) ماقبل اور مابعد کی عبارت کو بخوف طوالت نہ لکھنے کو لفظی تحریف نہیں کہا جاتا۔ اس کو لفظی تحریف کہنا خود ماتمی مجتہد کی جہالت ہے۔

(ب) آفتاب ہدایت میں فی قلبہ کے الفاظ بھی غلط نہیں ہیں کیونکہ مجمع البحار میں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں بھی فی القلب ہے۔ نہ کہ فی صدرہ۔ (ج) اور مجالس المومنین جو اردو ترجمہ شیعوں کے عمدۃ الفضلاء العظام مولانا سید محمد بشیر صاحب نے لکھا ہے اس میں بھی انہوں نے دل کا لفظ لکھا ہے جو لفظ قلب کا ترجمہ ہے نہ کہ صدر کا۔ (۲) اور تحریف معنوی ثابت کرنے کے لئے ماتمی مجتہد نے جو وَقر یقر (مجرد) کے باب سے استدلال کیا ہے وہ بھی ان کی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ وَقر یقر (مجرد) کا مصدر اور اسم بھی وقار آتا ہے۔ چنانچہ لغت حدیث کی مشہور کتاب مجمع البحار میں بھی (جس کے حوالجات آپ نے بھی پیش کئے ہیں) اس حدیث کے الفاظ لکن بشئٍ وقر فی قلبہ کے تحت لکھا ہے

اَیْ سَکَنَ فِیْہِ وَثَبَتَ مِنَ الْوَقَارِ وَالْحِلْمِ وَالرَّزَانَۃِ۔ وَقَرَ یَقِرُ وَقَارًا (یعنی حضرت ابوبکرؓ کے دل میں ساکن ورثابت ہوگیا۔ وقار۔ حلم اور بردباری۔ یہ وقر یقر وقارًا آتا ہے۔

(ب) مجمع البحار کی تشریح سے معلوم ہوا کہ حدیث میں وقر فعل لازم معروف مستعمل ہے نہ کہ متعدی مجہول۔ لہٰذا آپ کا اس کو فعل مجہول لکھنا غلط ہے۔ اور آپ نے خود یہ لکھا ہے "جس کے معنی جاگزین ہونے کے ہیں" یہ بھی اس کے فعل لازم معروف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ فرمائیے۔ جاگزین ہونا لازم ہے یا متعدی؟ اب بتائیے کلام عربی سے نابلد آپ ہیں یا آفتاب ہدایت کے مصنف مولانا دبیر مرحوم جو عربی کے ادیب بھی تھے اور شاعر بھی۔ لیکن آپ تو محض خود رو مجتہد ہیں۔

(ج) مجالس المومنین کا جو ترجمہ شیعہ عالم مولانا محمد بشیر صاحب نے کیا ہے اس میں بھی انہوں نے وقار کا لفظ لکھا ہے۔ "اور ہمیشہ آپ اپنے اصحاب کے مجمع میں فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر نے تم پر روزہ ونماز کے سبب سے سبقت نہیں کی۔ اس کی سبقت بسبب ایک شے کے تھی جس کا وقار اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا"۔ (مواقف المومنین) ترجمہ مجالس المومنین مطبوعہ آگرہ ص۲۹)

(۳) حدیث کے الفاظ مَاسَبَقَکُمْ میں حضرت ابوبکر کی سبقت سے مراد فضیلت میں سبقت لے جانا ہے۔ چنانچہ مجمع البحار میں جو حدیث منقول ہے اس میں بجائے ماسبقکم کے لم یفضلکم کے الفاظ ہیں جس سے ثابت ہوگیا کہ حدیث زیر بحث میں سبقت سے مراد دوسرے صحابہ پر حضرت ابوبکرؓ کا فضیلت میں سبقت اور فوقیت حاصل کرنا ہے:۔ اور آفتاب ہدایت میں بھی یہی معنی مراد لیا گیا ہے۔ لہٰذا ماتمی مجتہد کے سارے اعتراضات باطل ہوگئے اور ان کا علم واجتہاد بالکل قابل عتنا ہوگیا۔ اور اس حدیث سے آپ کا یہ ثابت کرنا بھی کہ حضرت ابوبکرؓ طمع اور لالچ کی وجہ سے اسلام لائے تھے باطل ہوگیا اور بھی تو ملحوظ رہے کہ حضرت ابوبکر تو خود اہل مکہ میں مالدار تھے۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مالدار بھی نہ تھے۔ تو پھر حضور مال کا لالچ کیونکر دیتے؟ باقی رہا ریاست اور حکومت کا لالچ تو اس وقت کے حالات میں حضرت ابوبکر کو یہ کیونکر یقین آسکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ نصیب ہوگا اور پھر وہ ابوبکر پہلے خلیفہ بنیں گے۔ اور بالفرض وہ ریاست وحکومت کے پیش نظر مسلمان ہوئے تھے تو حضور کے سچے رسول ہونے کی بنا پر ہی تو اس کا یقین آیا ہوگا تو اس صورت میں بھی حضرت ابوبکر کا کامل الایمان ہونا ثابت ہوگیا۔ اور حضور کی پیشگوئی کے مطابق آپ ہی اوّل خلیفہ وجانشین رسول بنے۔ پھر حضرت ابوبکر کی خلافت راشدہ کے آپ کیوں منکر ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق آپ کو نصیب ہوتی ہے۔ (۴) مجالس المومنین کی روایت کا ماقبل اور مابعد اپنے مضمون کے لحاظ سے خود ہی ایک اعجوبہ ہے لیکن یہاں مزید بحث کی گنجائش نہیں۔

حدیث قرطاس میں لفظ ھجر کی بحث

حضرت عمرؓ فاروق کے مطاعن میں شیعہ علماء عموماً حدیث قرطاس بھی پیش کیا کرتے ہیں۔ اور روایت کے لفظ ہجر کا معنی ہذیان کرکے یہ الزام دیتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہذیان کی نسبت کی ہے۔ اس کے جواب میں آفتاب ہدایت میں مفصل بحث موجود ہے جس میں لکھا ہے کہ:۔ نیز ہجر کا معنی ہذیان کرنا شیعوں کی ڈبل جہالت کی دلیل ہے۔ معنی عبارت یہ ہے کہ حضور کا کیا حال ہے۔ کیا آپ دنیا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں؟ آپ سے دریافت تو کرو۔ اگر ہجر کا معنی ہذیان کے کئے جائیں تو استفھموا کا معنی صحیح نہیں ہو سکتا الخ (آفتاب ہدایت) اس کے جواب میں ماتمی مجتہد کتب لغت سے ہجر کا معنی ہذیان پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ مؤلف آفتاب نے بموجب زَادَ فِی الطنبور نغمۃ" کے ہجر کے جو معنی ہجرت کئے ہیں یہ ان کی ذاتی ذہنی اختراع ہے: یہ معنی لغات عرب میں مذکور نہیں ہیں جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے مطلب کو ادا کرنا ہو تو عربی زبان میں ھاجر یُھاجِرُ از باب مفاعلہ استعمال ہوتا ہے نہ ھَجَرَ یَھْجُرُ الخ (تجلیات صفحہ ۳۷۲)

الجواب:۔ (۱) ماتمی مجتہد کی حالت قابل رحم ہے۔ بغیر تحقیق کے الزام دوسروں پر لگا دیتے ہیں اور اس طرح خود اپنے جہل مرکب کا ثبوت دیتے ہیں۔

آنکس کہ نداند و بداند کہ بداند ۔۔۔ در جہل مرکب ابد الدہر بماند

حقیقت یہ ہے کہ ھَجْرٌ کا معنی جدائی اور فراق ہے جو وصل کی ضد ہے اور ہجر اور وصال کے الفاظ عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ شعر مشہور ہے۔

اُرِیدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیدُ ھَجْرِی ۔۔۔ فَاَترُکُ مَا اُرِیدُ لِمَا یُرِیدُ

(میں اس کا وصال چاہتا ہوں اور وہ میرا فراق چاہتا ہے۔ پس میں اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ کی وجہ سے چھوڑ دیتا ہوں) اور ہجرت کا معنی بھی جدائی ہے۔ چنانچہ منتھی الارب میں ہے ہجرت بالکسر جدائی۔ اور لغت حدیث مجمع البحار میں ہے:۔ اَلْھِجْرَۃُ فِی الْاَصْلِ اَلْاِسْمُ مِنَ الْھَجْرِ ضِدِّ الْوَصْلِ ثُمَّ غَلَبَ عَلَی الْخُرُوْجِ مِنْ اَرْضٍ اِلٰی اَرْضٍ یُقَالُ مِنْہُ ھَاجَرَ مُھَاجَرَۃً (ہجرت اصل میں اسم ہے ہجر سے جو ضد ہے وصل کی۔ پھر ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکلنے پر اس لفظ کا اطلاق غالب ہو گیا ہے اور اسی سے ہے ھاجر مھاجرۃً) اس سے ثابت ہوا کہ ہجر کا معنی چھوڑنا اور جدا ہونا ہے۔ (۲) ماتمی مجتہد نے جو یہ کہا ہے کہ مؤلف آفتاب ہدایت نے ہجر کا معنی جو ہجرت کیا ہے یہ ان کی ذاتی اختراع

ہے یہ معنی لغات عرب میں مذکور نہیں ہیں"، تو یہ بھی ان کی ڈبل جہالت ہے کیونکہ زیر بحث روایت أهجر استفهموه کے معانی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مجمع البحار میں لکھتے ہیں:۔ ویحتمل ان معناه هجركم رسول الله صلی الله علیه وسلم من الهجر ضد الوصل ۔ وروی أهجر استفهموه ای یهجر من الدنیا الخ (اور اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ رہے ہیں ۔ اور یہ ہجر سے ہے جو وصل کی ضد ہے) اب ماتمی مجتہد ہی بتائیں کہ از روئے لغت ہجر کا معنی دنیا سے انتقال کرنا ثابت ہو گیا یا نہ ۔ اور کلام عربی سے نابلد کون ثابت ہوا۔ آپ یا حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم ۔ اس کو کہتے ہیں ۔

؎ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے ۔

ماتمی مجتہد کی "محال" کے مفہوم سے جہالت

آفتاب ہدایت میں قرآنی آیات سے فضائل صحابہ کے ثبوت میں یہ آیت بھی پیش کی گئی ہے :۔ وَاعْلَمُوا اَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ o فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ط وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ o (پ ۲۶ سورۃ الحجرات رکوع ۱۳) ترجمہ :۔ مسلمانو۔ جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول ہے ۔ اگر وہ اکثر باتوں میں تمہارا کہنا مان لے تو تمہیں تکلیف ہو۔ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و فسق و نافرمانی سے تمہیں متنفر بنا دیا ہے ۔ یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں اور یہ ان پر اللہ کا احسان ہے ۔ خدا دانا و حکیم ہے" اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے دلوں میں خدا نے ایمان راسخ اور مضبوط کر دیا ہے اور ایمان کے ساتھ ان کو محبت طبعی ہو گئی ہے اور کفر و فسق سے ان کو ہمیشہ کے لئے نفرت ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایمان کے خلاف کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی ۔ پھر ان پاک نفوس پر یہ الزام کہ ان کی ایمانی حالت ایسی متزلزل تھی کہ نبی کریمؐ کی زندگی میں بھی ان کا ایمان صرف رسمی اور ظاہری تھا ۔ ظاہر میں نبی کریمؐ کے دوست اور اندر سے دشمن بنے رہے اور آپ کی وفات کے بعد خاندان رسالت پر علانیہ ظلم کرنے شروع کر دئے ۔ کیا یہ آیت کریمہ مذکورہ کی صریح تکذیب نہیں ہے ؟ عبرت ۔ عبرت ۔ عبرت (آفتاب ہدایت صفحہ ۵۶) اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں :۔ مگر مؤلف کی مبالغہ آرائی دیکھئے کہ ایسے لوگوں کو صرف پاک نفوس کہنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ یہاں تک لکھ دیا کہ ۔ ایمان کے خلاف

کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی ، حالانکہ حقیقی معصوم بھی ترک عصیان پر مجبور نہیں ہوتا بلکہ اس کی عصمت اختیاری ہوتی معلوم ہوتا ہے ۔ خیر سے موئف کو " محال ، کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے ۔ ورنہ ایسی بے پَر کی نہ اڑاتے ۔ سچ ہے ؎

پیراں نمی پرند مریداں می پرانند

بایں ہمہ حقائق اصحاب ثلٰثہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا کیا قرآن کی متعدد آیات ۔ پیغمبر اسلام کی معتبر روایات اور تاریخی مسلمات کی صریح تکذیب نہیں ہے الخ (تجلیات ص۱۰۸)

الجواب (۱) آفتاب ہدایت کے حضرت موئف تو محال کا مفہوم جانتے تھے ۔ لیکن خیر سے ماتمی مجتہد خود محال کی قسموں سے ناواقف ہیں ۔ واضح ہو کہ محال کی دو قسمیں ہیں (۱) محال بالذات (۲) محال بالغیر ۔ اور موئف آفتاب ہدایت حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم کی مراد یہاں محال بالذات ہے ۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم گو معصوم نہیں ہیں اور ان سے کفر و معصیت کا صدور ہو سکتا ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے چونکہ قرآن مجید میں یہ اعلان فرمادیا ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ تعالےٰ نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہے ۔ اور کفر و فسق وغیرہ سے ان کو نفرت دلادی ہے اس لئے اب ان سے کفر وغیرہ کا صدور نہیں ہو گا اور یہی مطلب محال بالغیر ہونے کا ہے ۔ علاوہ ازیں یہ ملحوظ رہے کہ ان کے لئے اللہ تعالےٰ نے اپنے راضی ہونے کا بھی اعلان فرمادیا ہے ۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُم وَرَضُوْا عَنْہُ ۔ (اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے) لہٰذا ان اعلانات خداوندی کے بعد بھی اگر ان سے کفر وغیرہ کا صدور ہو یا ان سے ایسے افعال کا ارتکاب ہو جو باعث غضب الٰہی ہیں تو پھر حق تعالیٰ کے رضا کا اعلان محل طعن بن جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم تھا کہ انہوں نے ایسے افعال کا مرتکب ہونا ہے تو پھر ان پر راضی ہونے کا اعلان کیوں فرمایا ۔

(۲) چونکہ شیعوں کے نزدیک حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ ۔ انبیائے کرام کی طرح معصوم ہیں ۔ اس لئے ان آیات سے ان کی شخصیتیں مراد نہیں ہو سکتیں ۔ ان کا مصداق تو وہی حضرات صحابہ ہیں جو معصوم تو نہیں ہیں ۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ان کو یہ ارفع مقام حاصل ہوگیا ہے ۔ اور چونکہ مہاجرین و انصار اور تمام صحابہ کرام نے خلفائے ثلٰثہ کی بیعت کرلی تھی اس لئے وہ بطریق اولیٰ ان آیات کا مصداق ہوں گے ۔

(۳) ماتمی مجتہد کا یہ لکھنا کہ اصحاب ثلٰثہ کو اس آیت کا مصداق قرار دینا آیات ۔ احادیث اور تاریخی مسلمات کے خلاف ہے تو یہ ان کا روایتی جھوٹ ہے جس کے مرتکب ہو کر وہ تقیہ کا ثواب لوٹتے رہتے ہیں ۔

آیت استخلاف :- وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کی بحث

ے اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کی تفاسیر اور احادیث سے یہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ اس آیت کی روشنی میں خلفائے ثلثہ
ق ہیں اور وعدہ خداوندی کے مطابق ان کو دینی تمکین و اقتدار نصیب ہوا۔ اور ماتمی مجتہد علم و دیانت کی حد میں رہ کر کوئی
یے قرآنی آیت بھی نہیں پیش کرسکتے جس سے خلفائے ثلثہ کی خلافت یا ان کے ایمان کی نفی ہوتی ہو۔ اور سبائی پارٹی نے
ن کے مظالم کی جو داستانیں گھڑی ہیں ان کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور کتب اہل سُنت میں اگر کہیں کوئی ایسی روایت
ئی جاتی ہے تو اس میں بھی ان کذابین کی دخل اندازی ہے۔

(۴) سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں شیعی مفسر مولوی مقبول احمد دہلوی نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی انتہائی مضحکہ خیز
ہے۔ فرماتے ہیں:۔ کافی اور تفسیر قمی میں جناب امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ میں الایمان
سے اور زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِکُمْ میں ضمیر غائب سے مراد جناب امیرالمومنین ہیں۔ اور کَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ
وَالْعِصْیَانَ میں الکفر سے مراد ہیں حضرت اوّل۔ اور الفسوق سے مراد ہیں حضرت ثانی اور العصیان سے مسٹر ثالث الخ (حاشیہ
ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی) العیاذ باللہ۔ یہاں اوّل۔ ثانی اور ثالث سے مراد خلفائے ثلثہ ہیں۔ لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ یہ قرآن کی
تفسیر نہیں بلکہ ایک عناد یہ ہے جو امام جعفر صادق کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔

امام حسن رضؓ حضرت معاویہؓ سے گذارہ الاؤنس لیتے رہے

آفتاب ہدایت میں بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء صـــ ۳۵ کے حوالہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ:۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا" کیا کوئی خلیفہ اپنے دشمن کے
ساتھ بھی ایسا معاملہ کرتا ہے حاشا وکلا۔ ان کے آپس میں ذاتی عناد نہیں تھا الخ اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں:۔
مضمون نگار نے جس وظیفہ کا ذکر کیا ہے وہ وظیفہ نہ تھا بلکہ شرائط صلح میں سے ایک شرط کے تحت امام کے لئے گذارہ الاؤنس
تھا جو بوجہ حقیقی خلیفہ رسول ہونے کے ان کا حق تھا نہ کہ معاویہ کا احسان" (تجلیات صـــ ۴۹۲)

الجواب :- (۱) ماشاءاللہ وظیفہ نہ کہیں اس کو گذارہ الاؤنس ہی کہ دیں۔ بہرحال یہ تو مان لیا کہ امام معصوم حضرت
معاویہ سے سالانہ وصول فرماتے تھے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا امام معصوم کے لئے حسب اعتقاد شیعہ ایک ظالم و فاسق
خلیفہ کے بیت المال سے یہ رقم لینی حلال تھی۔ اور سالانہ لاکھوں روپے وصول کرنے کی شرط منوا کر نہ اپنی امانت یعنی حضرت

علی المرتضیٰ سے ملی ہوئی خلافت راشدہ کو ایک فاسق و فاجر حکمران کے سپرد کر دینا اور خود گھر میں بیٹھ کر راحت و عافیت کی زندگی گذار دینا اور اُمت مرحومہ کو یوں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دُنیا کیا اس کے بعد بھی امام کی عصمت باقی رہ جاتی ہے۔ اور اس کے باوجود بھی ماتمی مجتہد کا یہ فرمانا کہ امام حسن ہی حقیقی خلیفہ تھے انتہائی کج فہمی اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔ اور یہ بھی ان کے ان علمی غرابیات میں کا ایک غرابیہ ہے جو وہ قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے چھوڑتے رہتے ہیں۔ اب ماتمی مجتہد کو کون یہ بات سمجھائے کہ خلیفہ تو شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو ملکی اقتدار بھی حاصل ہو۔ اور یہ حقیقت آیت استخلاف کے الفاظ ولیمکنن لھم سے ثابت ہے۔ اور جب امام حسن نے اقتدار خلافت حضرت معاویہ کے سپرد کر دیا تو پھر آپ نہ حقیقی خلیفہ رہے نہ مجازی۔ البتہ آپ کو اس معنی میں امام کہتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ آپ خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد بھی اہل سنت کے ایک دینی اور روحانی رہنما تھے۔ اور مابعد کے ائمہ کو بھی اسی بنا پر امام کہا جاتا ہے۔ اور ان کے علاوہ امام اعظم ابوحنیفہ امام شافعی۔ امام مالک۔ امام احمد بن حنبل اور دوسرے اکابر اُمت مثلاً امام غزالی اور امام رازی وغیرہ کو بھی اس معنی میں امام کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے اپنے دور میں اہل حق کے دینی رہنما ہوئے ہیں۔ امام جعفر صادق بھی اہلسنت کے دینی و روحانی رہنما اور امام ہیں اور امام زین العابدین وغیرہ ائمہ اہل بیت بھی۔ اور شیعوں کے ہاں جو امامت کا مفہوم ہے کہ یہ بارہ امام سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام حتیٰ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت عیسیٰ روح اللہ سے بھی افضل ہیں۔ تو یہ عقیدہ بے بنیاد ہے جو روافض نے منصب نبوت کی تنقیص کے لئے وضع کر لیا ہے اور جس کے بعد عقیدہ ختم نبوت کی کوئی عظمت باقی نہیں رہتی۔

ماتمی مجتہد کے بعض تضادات (رسم ذوالجناح)

مسئلہ ماتم کی بحث میں رسم شبیہ روضہ امام حسین کے جواز کے تحت لکھتے ہیں:۔ اور ظاہر ہے کہ تعزیہ بے جان چیز قبر اطہر کی شبیہ ہے اور نہ ہی اسے شبیہ ذوالجناح پر منطبق کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ جاندار کی جاندار شبیہ ہے نہ بے جان۔ یعنی سرکار سید الشہداء کے راہوار کی شبیہ ہے۔ اور بے جان چیزوں کی تصویر کشی کے جواز پر سب مذاہب اسلامیہ کا اتفاق ہے الخ (تجلیات ص۵۳۸)

الجواب:۔ (۱) یہاں ماتمی مجتہد امام حسین کے راہوار (گھوڑے) کا نام ذوالجناح بتا رہے ہیں حالانکہ اپنی کتاب "سعادت الدارین فی مقتل الحسین" میں ذوالجناح نام کا انکار کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔ اس گھوڑے کا نام کیا تھا؟ عام طور

مشہور ذوالجناح ہے مگر قریباً تمام قابل وثوق کتب سیر مقاتل کی روگردانی کے بعد بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔ البتہ اس کی رد میں بعض اہل تحقیق کے ارشادات ملتے ہیں" (سعادت الدارین صہ ۴۳۳)

(۲) جس چیز کی تصویر کے جواز پر مذہب اسلامیہ کا اتفاق ہے وہ بے جان چیز کی تصویر ہے۔ نہ کہ بُت۔ یعنی مجسمہ اور تصویر اور بُت میں فرق ہے۔ اور تعزیہ بُت ہے نہ کہ تصویر۔

(۳) امام حسین کا گھوڑا سواری کے لئے تھا جو آج موجود نہیں۔ ہمارے زمانہ کے گھوڑے بھی مستقل جانور ہیں۔ آج کے گھوڑے کو امام حسین کے گھوڑے کی شبیہ قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ چونکہ مسئلہ ماتم کی مفصل بحث "بشارت الدارین" میں آگئی ہے۔ اس لئے یہاں اس مسئلہ پر مزید بحث کی نہ ضرورت ہے نہ گنجائش۔ یہاں صرف ذوالجناح کے بارے میں ماتمی مجتہد کی تضاد بیانی کا ثبوت مقصود تھا۔ جو پیش کر دیا گیا۔

شیعہ مساجد کی آبادی وغیر آبادی

آفتاب ہدایت میں شیعوں کی عملی حالت کے متعلق یہ لکھا گیا تھا کہ: ہمارے ملک کے شیعہ میں فیصد شاید دو شخص بمشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں۔ باقی سب بے نماز یا نماز میں سخت سست نظر آئیں گے۔ . . . جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویران والے آباد ہیں۔ ہم نے دو جلسے مناظرہ کے دیکھے ایک کندیاں ضلع میانوالی دوسرا چک بیلی خان تحصیل گوجر خاں (ضلع راولپنڈی) ظہر کی نماز کا وقت میدان مناظرہ میں آیا۔ تمام مسلمانوں نے ضرور پڑھی مگر شیعہ کے شیعہ علماؑ اور مقتدی سب یونہی کھڑے رہے۔ لیکن شیعہ کو تکلیف برداشت کرنے کی نماز با جماعت ہی کیا تھی۔ صرف متعہ جیسا کار ثواب کرنے سے امام حسین۔ امام حسن۔ علی المرتضیٰ۔ رسول پاک کا درجہ مل جاتا ہے۔ عید غدیر کا ہی شیعہ کے ہاں ۱۸ ذی الحجہ روز متبرک ایسا آجاتا ہے کہ شیعان علیؓ کے اس روز تمام صغیرہ کبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور نویسندگان اعمال کو حکم ہوتا ہے کہ شیعان علی کے گناہ تین روز تک نہ لکھو۔ یعنی اٹھارہویں سے بیسویں تک" تحفۃ العوام ج ۲ صہ ۱۶۱) (آفتاب ہدایت صہ ۳۲۵) اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں:۔ علاوہ بریں یہ کہنا کہ شیعہ دو شخص فیصدی بھی بمشکل مل سکیں جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں۔ اتنا بڑا کذب وافترا ہے کہ قریب ہے کہ اس کی شدت سے آسمان کا شامیانہ پھٹ جائے۔ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اور فرش زمین پر پانی دھنس جائے۔ بفضلہ تعالیٰ مملکت خداداد پاکستان میں دو کروڑ کے لگ بھگ شیعان

حیدرکرار موجود ہیں۔ ہر جگہ ان کی شاندار مساجد موجود ہیں۔ جمعہ و جماعت کا مبارک سلسلہ برابر جاری و ساری ہے۔ مسجدیں نمازیوں سے چھلک رہی ہیں۔ نہ صرف دائمی نمازگذار بلکہ ہزاروں کی تعداد میں ایسے شیعان حیدر کرار موجود ہیں جو شب زندہ دار اور عبادت گذار ہیں۔ بالخصوص شیعی مملکت ایران صانہا اللہ عن الحدثان میں یہ ایمان افروز مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ع :- "میرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہے" (تجلیات ص۵۸۵)

شیعہ مساجد کی دوسری تصویر

حضرت مصنف آفتاب ہدایت نے شیعوں کی نماز اور ان کی مساجد کی ویرانی کے متعلق جو کچھ تقریباً پچاس برس پہلے لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اور جس کا اقرار پچاس سال گذرنے کے بعد بھی خود ماتمی مجتہد "تجلیات صداقت" کی تصنیف سے صرف دو سال پہلے اپنی کتاب سعادت الدارین ص۴۵ پر کر چکے ہیں۔ چنانچہ شیعوں کو خطاب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔ مگر یہ تو بتائیے کہ ہم میں کتنے ایسے ہیں جو مذکورہ بالا صفات و احکام پر عمل کرتے ہیں۔ صرف فرائض ہی کو لیجئے۔ نماز۔ حج۔ زکوٰۃ جماعت۔ تلاوت قرآن ہم میں کس قدر ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے۔ کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار قاری قرآن بھی بہت کم ملیں گے۔ نماز با جماعت اور نماز جمعہ سے تو غرض ہی کیا ہے۔ عتبات عالیہ کی زیارت کو اگر سو جائیں گے تو حج کو پانچ بھی نہیں۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالیشان ہیں۔ ہزاروں روپیہ کا شیشہ آلات موجود ہیں مگر مساجد ویران پڑی ہیں۔ اوّل تو مسجد میں نماز کی پابندی ہی نہیں۔ اگر ہے تو کسی وقت ایک نماز پڑھ گیا کسی وقت دو آگئے۔ کسی وقت چار۔ ایسی حالت میں ان کا ادعائے پیروی حسین اس شخص سے بلند درجہ پر نہیں جو مسلمان ہی نہ ہو الخ۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ

لے یہاں لکھ رہے ہیں کہ حافظ قرآن ہونا تو درکنار۔ لیکن اس کتاب تجلیات ص۲۹ پر آفتاب ہدایت کے چیلنج کے جواب میں ۱۱ عدد شیعہ حفاظ کی ایک فہرست پیش کر دی ہے اور یہ لکھ دیا ہے کہ اس وقت صرف صوبہ پنجاب میں بفضل ایزدی بیسیوں شیعہ حفاظ قرآن موجود ہیں"۔ لیکن یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے کیونکہ جب اہل سنت کی طرف سے چیلنج دیا جاتا ہے تو سُنی حفاظ کے مقابلہ میں کوئی شیعہ حافظ میدان میں نہیں نکلتا۔ ایک مشہور غالی شیعہ عالم مولوی کفایت حسین انجہانی کا نام عموماً شیعوں کی طرف سے پیش ہوتا رہا ہے اور ناواقف بعض اہل سنت بھی مولوی کفایت حسین مذکور کو حافظ کہہ دیتے ہیں حالانکہ مصنف آفتاب ہدایت حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب کے سامنے وہ قرآن مجید نہیں سنا سکے تھے۔ ے میرے کہنے پہ کیا ہے آزمائے جس کا جی چاہیے۔

ص۵ ۔ پاکستان میں شیعوں کی آبادی دو کروڑ بتانا بھی نرا جھوٹ ہے۔ اور شیعہ اس سے بہت کم تعداد میں ہیں۔

ماتمی مجتہد کی ان دونو کتابوں (سعادت الدارین اور تجلیات صداقت) کی تصنیف کی درمیانی مدت صرف دو سال ہے۔ سعادت الدارین میں وہ خود لکھ چکے ہیں کہ: ۔ مساجد ویران پڑی ہیں" اور پچاس سال پہلے آفتاب ہدایت میں یہی لکھا گیا تھا کہ: ۔ جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویران ہیں لیکن اب یہ ماتمی مجتہد اپنے ہی لکھے ہوئے کے خلاف اپنی کتاب "تجلیات صداقت" میں یہ نزمارہے ہیں کہ: ۔ مسجدیں نمازیوں سے چھلک رہی ہیں" یہ ہے ان کی تضاد بیانی اور تاریخی جھوٹ کہ جس پر ان کے یہ الفاظ چسپاں ہوتے ہیں کہ: ۔ قریب ہے کہ اس کی شدت سے آسمان کا شامیانہ پھٹ جائے الخ

اب قارئین اندازہ لگائیں کہ جو مصنف شیعہ مساجد کی ویرانی اور آبادی کے بارے میں اتنا بڑا جھوٹ بول سکتا ہے حالانکہ یہ ایک مشاہدہ کی بات ہے تو وہ دوسرے علمی نزاعی مسائل اور حوالہ کتب وغیرہ میں کیونکر جھوٹ نہ بولتا ہوگا۔ کیا ایسے مصنف کی کوئی تصنیف قابل اعتماد ہوسکتی ہے ؎

ہے ثابت جھوٹ ان کا از ماضی جس کا جی چاہے۔

متعہ کا ثواب

آفتاب ہدایت کی مندرجہ زیر بحث عبارت میں شیعہ مذہب کی رو سے بحوالہ تفسیر منہج الصادقین متعہ کا یہ ثواب لکھا گیا ہے کہ ایک دفعہ متعہ کرنے سے امام حسین کا . . . . اور چار مرتبہ متعہ کرنے سے العیاذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ نصیب ہوجاتا ہے۔ (اور ہم نے "بشارت الدارین" میں بھی یہ روایت شیعہ مجتہد سید علی حائری لاہوری کے والد سید ابوالقاسم لاہوری کی کتاب برھان المتعہ سے نقل کردی ہے)

اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں: ۔ خداوند عالم اسی سورۃ نساء میں جس میں آیت متعہ موجود ہے فرماتا ہے۔ من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقاً (پ ۵ ۔ سورۃ النساء ع ۶) اور جو اللہ اور رسول کا کہا ماننے تو ایسے ہی لوگ (جنت میں) ان (مقبول بندوں) کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے (بڑے بڑے) احسانات کئے یعنی نبی اور صدیق اور شہیدا اور (یہ میرے) نیک بندے۔ اور یہ لوگ (کیا ہی) اچھے ساتھی ہیں" (ترجمہ نذیری) جب اس آیت کی روشنی میں خدا ورسول کی اطاعت کرنے والا جنت میں ۔ صدیقوں اور شہیدوں کے درجہ میں ان کی رفاقت کرسکتا ہے تو پھر وہ متعہ جسے خدا ورسول نے حلال وجائز قرار دیا تھا اور بعض حکام وقت نے مداخلت فی الدین کرتے ہوئے اُسے ممنوع قرار دے دیا۔ تو اگر کوئی شخص اس مردہ حکم شریعت کو زندہ کرنے کی غرض سے اس پر عمل کرے اور جنت میں اسے سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام

کی رفاقت نصیب ہو جائے تو اس میں کیا اعتراض ہے؟ حدیث میں یہ تو نہیں کہ ایسا کرنے والا معاذاللہ خود امام حسن حسین بن جاتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوگا اور ظاہر ہے کہ رفاقت جب ہی ہو سکتی ہے کہ درجہ ایک ہو جو قرآن سے ثابت ہے" (تجلیات ص ۲۹۹)

الجواب (۱) یہ آیت پارہ ۵ ع ۶۔ ۱ اور سورۃ نساء کے رکوع ۹ میں ہے) ماشاءاللہ ماتمی مجتہد نے مذکورہ ثواب متعہ کا مان لیا ہے۔ یہاں متعہ پر بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔ البتہ ضروری گذارش یہ ہے کہ جو متعہ پہلے مباح تھا وہ باقاعدہ نکاح ہوتا تھا اور اس میں دو گواہ بھی ضروری ہوتے تھے۔ البتہ اس میں نکاح کی مدت مقرر کر دی جاتی تھی۔ اور بعد میں یہ بھی ممنوع قرار دیا گیا۔ لیکن جس متعہ کو ماتمی مجتہد جاری کرنا چاہتے ہیں اس میں شیعوں کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی ضروری نہیں ہے مرد اور عورت اپنی رضا سے کوئی معاوضہ مقرر کر لیں اور کسی کو بھی معلوم نہ ہو تو وہ مقررہ مدت میں آپس میں مجامعت کر سکتے ہیں۔ اب بتلائیے کہ زنا میں اور اس متعہ میں کیا خاص فرق باقی رہ جاتا ہے۔ کیا زنا بھی مرد و عورت کی مرضی پر باہمی مجامعت کا نام نہیں ہے؟ کیا ماتمی مجتہد کے نزدیک صرف زنا بالجبر ہی ناجائز ہے۔ اور باہمی رضامندی سے سب کچھ حلال ہے؟

۲۔ اگر متعہ شریعت میں باعث اجر و ثواب عمل ہوتا تو حضرت علی المرتضیٰ اپنے دور خلافت میں تو اس کے حلال ہونے کا ضرور حکم نافذ فرماتے اور جو لوگ متعہ کو حرام قرار دیتے ان کو شرعی سزا دی جاتی۔ حالانکہ فروع کافی ج ۳ کتاب الروضہ) کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں بھی متعہ کے حلال ہونے کا حکم نہیں دے سکے۔ فرمائیے۔ اس وقت ان کو کس کا خوف لاحق تھا۔ اگر متعہ حکم شریعت اور سنت تھا العیاذ باللہ۔ تو پھر حضرت علی نے بحیثیت خلیفہ اسلام ہونے کے اس سنت کو کیوں زندہ نہیں کیا۔ جبکہ اس پر عمل کرنے کا اتنا ثواب ہے کہ متعہ کرنے والے کو العیاذ باللہ رسول خدا کا درجہ بھی مل سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک اپنے دور اقتدار میں بھی حضرت علیؓ کا متعہ کو حلال نہ قرار دینا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک بھی متعہ کی اباحت منسوخ ہو چکی تھی۔

(۳) شیعوں کی کتب اربعہ میں سے کتاب تہذیب الاحکام میں خود حضرت علیؓ سے یہ روایت منقول ہے: حرم رسول اللہ لحوم الحمار الاھلیۃ ونکاح المتعۃ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو گدھے کا گوشت اور نکاح متعہ حرام فرما دیا۔

جب شیعوں کی مستند کتاب سے متعہ کی حرمت میں حضرت علی المرتضیٰ کی زبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آخرت میں انبیار۔ صدیقین۔ شہدار اور صالحین کی رفاقت ان مومنین کو نصیب ہوگی جنہوں نے اطاعت خدا و رسول کی ساری شرطیں پوری کی ہونگی۔ لہذا صرف متعہ کے عمل سے ان حضرات کی رفاقت نصیب نہیں ہوسکتی اس سے ماتمی مجتہد کی تاویل بھی باطل ہوگئی اور خود مذکورہ درجات کے حصول کی روایت بھی مسترد ہوگئی کیونکہ اس میں صرف متعہ کرنے سے العیاذ باللہ امام حسین وغیرہ کا درجہ مل جانا مذکور ہے۔

(۵) یہ عجیب بات ہے کہ جو نکاح شرعی دائمی بالاتفاق حلال ہے۔ اس میں تو امام حسینؓ وغیرہ کا درجہ نہ حاصل ہوسکے لیکن اس متعہ سے یہ درجات مل جائیں جو زنا سے ملتا جلتا ہے۔

(۶) اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں مومن کے لئے بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہے۔ ان کے علاوہ صرف شرعی لونڈیوں کی اجازت ہے۔ اگر یہ متعہ بھی ہمیشہ کے لئے حلال ہوتا اور یہ شرعاً نکاح ہی متصور ہوتا تو پھر چار بیویوں کی حد تو ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ متعہ والی عورتوں کے لئے کوئی حد ہی مقرر نہیں حتّٰی کہ متعہ شیعہ میں کنواری عورت سے بھی متعہ حلال ہے اور نکاح والی عورت سے بھی۔ اس صورت میں تو کسی عورت کی عفت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اگر اس متعہ کو حلال سمجھ کر اور پھر عظیم کار ثواب قرار دے کر قوم میں رواج دیا جائے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اوباش نوجوان اور ملنگ دھڑنگ لوگ شیعہ مذہب زیادہ اختیار کرتے ہیں کیونکہ اس طرح ان کو متعہ کے مواقع حاصل ہوجاتے ہیں۔ دنیا میں یہ اور آخرت میں وہ نعمتیں جن کو ماتمی مجتہد قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

سے مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

ائمہ نے بھی متعہ کیا

ماتمی مجتہد نے تمام حجابات اتار کر یہ بھی فرما دیا ہے کہ: "یہ کہنا کہ کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ کسی امام نے متعہ نہیں کیا" یہ کتب شیعہ سے ناواقفی کی دلیل ہے ورنہ کتب شیعہ سے ائمہ طاہرین کا اس سنت نبویہ پر عمل کرنا مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ ریہ بالخصوص قابل دید ہے اور وسائل شیعہ وغیرہ الخ (تجلیات ص۴۷۰)

الجواب: مبارک صد مبارک۔ ائمہ طاہرین کا ایسا ہی کردار چاہیئے! استغفراللہ۔ ہم تفصیل میں نہیں جاتے صرف یہاں ہمارا یہ سوال ہے کہ ان ائمہ طاہرین کی منکوحہ بیویوں کے نام تو ان کے نسب نامہ میں مذکور ہیں اور ان کی اولاد کے نام بھی مشہور ہیں۔ کیا سادات عظام کا کوئی متعہ نامہ بھی ماتمی مجتہد پیش کرسکتے ہیں کہ جس میں یہ

ثابت ہوگیا تو پھر ماتمی مجتہد خواہ مخواہ کیوں متعہ جیسے فعل حرام کو رائج کرنا چاہتے ہیں۔

(۴) قرآن مجید کی کسی آیت سے شیعہ متعہ کی حلت ثابت نہیں۔ اور نہ ہی یہ متعہ جس میں گواہوں کی بھی ضرورت نہیں کبھی اسلام کے کسی دور میں مباح ہوا ہے۔

(۵) ماتمی مجتہد نے متعہ کے ثواب میں امام حسین سے لے کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک کا درجہ پا لینے پر جو سورۃ النساء کی آیت اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم سے استدلال کیا ہے یہ ان کی کج فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ آیت میں تو صرف یہ مذکور ہے کہ جو لوگ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے ہیں ان کو انبیاء صدیقین۔ شہداء اور صالحین کی معیت اور رفاقت نصیب ہوگی۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ ان کو انبیاء وغیرھم کا درجہ ملے گا۔

(ب) ان حضرات کی صحبت اور رفاقت کے یہ معنی نہیں کہ ان کا درجہ بھی ایک ہو۔ چنانچہ سورۃ الفتح آخری رکوع میں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم (حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کفار پر بہت سخت ہیں اور آپس میں بڑے رحمدل ہیں) تو کیا اس آیت میں معیت اور رفاقت رسول کا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کا درجہ ایک تھا اور وہ ہمیشہ ایک ہی درجہ و مقام میں رہتے تھے۔ اسی طرح جنت میں جن مومنین کو انبیاء اور صدیقین کی محبت اور معیت نصیب ہوگی ان کے جنت میں درجے اور مقامات جدا جدا ہوں گے۔

(ج) ماتمی مجتہد کا بیان کردہ معیت کا مطلب حضرت امام جعفر صادق کے ارشاد کے خلاف ہے چنانچہ شیعہ مفسر مولوی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ :-

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن دو قسم کے ہیں ایک تو اللہ پر وہ ایمان لانے والا جس نے وہ کل شرطیں پوری کی ہوں جو مومن کے لئے اللہ نے مقرر کی ہیں۔ پس وہ تو انبیاء و شہداء و صدیقین و صالحین کے ساتھ ہوگا اور اس سے بہتر رفاقت اور کون سی ہوسکتی ہے؟ . . . . اور ایک وہ مومن ہے جس کے قدم پھسل جائیں گے اس کی حالت زراعت کے ڈنٹھل کی سی ہوگی کہ جدھر ہوا نے جھکایا جھک گیا یہ وہ ہے جس کو دنیا میں بھی خوف پیش آئیں گے اور آخرت میں بھی اس کی شفاعت کی جائیگی اور انجام بخیر ہوگا۔ (حاشیہ ترجمہ مقبول مطبوعہ دہلی)

تفصیل ہو کہ فلاں امام نے فلاں فلاں مومنہ عورت سے متعہ کیا تھا اور پھر ان سے فلاں فلاں اولاد پیدا ہوئی ۔ الخ ۔

غنیۃ الطالبین کے حوالہ میں ماتمی مجتہد کا فریب آفتاب ہدایت میں روافض کی تکفیر کے تحت یہ لکھا ہے کہ :۔ روافض کے کفر کا فتویٰ جب درگاہ غوث اعظم حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے صادر ہو چکا ہے جیسا کہ غنیۃ الطالبین میں بروایت حضرت انسؓ یہ حدیث منقول ہے ۔ سیجئ فی آخر الزمان قوم ینقصون اصحابی فلاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولا تواکلوھم ولاتناکحوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم (آخر زمان میں ایک قوم ہوگی جو میرے اصحاب کی تنقیص شان کریں گے ۔ پس تم ان کی مجلس میں نہ بیٹھو ۔ نہ ان سے مل کر پیو اور کھاؤ نہ ان سے رشتہ بندی کرو ۔ نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو ۔ نہ ان سے مل کر نماز پڑھو" (آفتاب ہدایت ص۳۴۹) اس کے جواب میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں :۔ اگر عبد القادر جیلانی نے شیعان علی پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے تو اس سے ہمارے مولف محترم کو خوش نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ ان کے سنان قلم کی زد سے حنفی حضرات بھی محفوظ نہیں رہے بلکہ انہوں نے جہنمی فرقوں کی فہرست میں نعمان بن ثابت کوفی (امام اعظم) کے نام لیواؤں کو بھی شمار کیا ہے" (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین بحوالہ شرح فقہ اکبر ج ا ص۶۷ (تجلیات ص۶۱)

الجواب (۱) حضرت غوث اعظم نے نہ تو امام اعظم حضرت ابوحنیفہ کے خلاف فتویٰ لگایا ہے اور نہ ہی امام اعظم کے ماننے والے احناف پر ۔ بلکہ ان کا فتویٰ ان لوگوں کے خلاف ہے جو فرقہ مرجیہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور دعویٰ امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار ہونے کا کرتے تھے ۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین کی عبارت یہ ہے :۔ واما الحنفیۃ فھم بعض اصحاب ابی حنیفۃ النعمان بن ثابت زعموا ان الایمان ھو المعرفۃ والاقرار باللّٰہ وبما جاء من عندہ جملۃ الخ (اور مرجیہ میں سے حنفیہ ہیں پس وہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے بعض ماننے والے ہیں جو گمان رکھتے ہیں کہ ایمان معرفت اور اللہ و رسول اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے اس کے اقرار کا نام ہے الخ اور حضرت پیرانؒ پیر امامؒ اعظم کے خلاف کیونکر فتویٰ دے سکتے ہیں جب کہ آپ کے امام احمد بن حنبل نے رحمن کے حضرت پیران پیر مقلد ہیں ، حضرت امام ابوحنیفہ کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ :۔

انہ من اھل الورع والزھد وایثار الآخرۃ بمحل لایدرکہ احد (امام ابوحنیفہؒ ورع ۔ زہد اور آخرت کے ایثار میں ایسا مقام رکھتے ہیں جو کوئی نہیں پا سکتا" (الخیرات الحسان مولفہ علامہ ابن حجر مکیؒ) ۲ ۔ امام اعظم اور ان کے متقدین حضرات فرقہ مرجیہ کے مخالف ہیں چنانچہ خود امام اعظمؒ نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں تحریر فرمایا ہے :۔ ولا

نقول ان حسناتنا مقبولۃ وسیأتنا مغفورۃ کقول المرجئۃ (اور ہم اس طرح نہیں کہتے جس طرح مرجئہ کہتے ہیں کہ:۔ ہماری نیکیاں مقبول ہیں اور ہماری برائیاں (ضرور) بخش جائینگی" اس کے بعد اپنا عقیدہ یہ لکھتے ہیں:۔ وماکان من السیّأت دون الشرک والکفر ولم یتب عنھا صاحبھا حتی مات مومنًا فانہ فی مشیتہ اللہ تعالیٰ ان شاء عذّبہ بالنار وان شاء عفا عنہ ولم یعذب بہ بالنار اصلًا (ہم یہ کہتے ہیں کہ شرک اور کفر کے ماسوا جو گناہ ہوں گے۔ اور اس شخص نے ان گناہوں سے توبہ نہیں کی مگر مومن ہونے کی حالت میں وفات پائی ہے تو بیشک اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مشیت پر موقوف ہے اگر چاہے تو اس کو دوزخ کا عذاب دے اور چاہے تو اس کو معاف کر دے اور بالکل عذاب نہ دے" اور فرقہ مرجئہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر صرف ایمان اور تصدیق حاصل ہو تو پھر آخرت میں گناہوں کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں ہوگا۔ لیکن امام اعظم فرماتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے بھی وہ عذاب پاسکتا ہے۔ اور اعمال گو ایمان کی جزء نہیں لیکن اعمال صالحہ سے ایمان کی قوت اور نورانیت بڑھتی ہے اور علامہ علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح فقہ اکبر میں امام اعظم کے عقیدہ کی وضاحت کر کے شبہات کا جواب دیدیا ہے۔ بخوف طوالت ہم نے یہاں خلاصہ بیان کر دیا ہے۔ اور اہل فہم کے لئے اتنا کافی ہے۔

سب شیخین کا حکم

ماتمی مجتہد آفتاب ہدایت کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:۔ دوسرا الزام سب صحابہ ہے ہم کئی مرتبہ واضح کر چکے ہیں کہ ہم کفار و مشرکین کو بھی سب کرنا روا نہیں سمجھتے اور اگر بالفرض کوئی شخص اس فعل کا ارتکاب کرے تو اہل سنت کے اصول مذہب کے مطابق یہ گناہ کفر نہیں ہے۔ چنانچہ شرح فقہ اکبر ص۸۶ پر ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔ انّ سبّ الشیخین لیس بکفر یعنی شیخین ابوبکر و عمر کو گالی دینا کفر نہیں ہے اسی طرح علامہ عبدالحی اپنے فتاویٰ ج ا ص۳ پر لکھتے ہیں:۔ وسبّ شیخین موجب کفر نمی شود وہمیں مذہب موافق قول امام اعظم است" یعنی سب شیخین موجب کفر نہیں اور یہی نظریہ امام اعظم کے قول کے موافق ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے ۔ (تجلیات صداقت ص۶۰۹)

الجواب (۱) اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے:۔ ایں مسئلہ قدیماً وحدیثاً مختلف فیہ است وتحقیق انیست کہ کسیکہ فضیلت داد حضرت علی مرتضیٰ را بر حضرت ابوبکر او مبتدع است کافر نیست وکسیکہ منکر خلافت صدیق اکبر یا منکر استحقاق جناب ایشان برائے خلافت یا حلال داند سب شیخین

باشد در اکثر کتب فقہ اورا کافر نوشتہ اند۔ فی الخلاصۃ والرافضی ان فضّل علیاً علیٰ غیرہ فھو مبتدع ولو انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر انتھٰی" (فتاویٰ مولانا عبدالحی جلد سوم ص۱۲) یہ مسئلہ قدیماً وحدیثاً (یعنی پہلے بھی اور بعد میں بھی) مختلف فیہ رہا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ جو شخص حضرت علیؓ کو حضرت ابوبکرؓ پر فضیلت دے وہ بدعتی ہے کافر نہیں ہے اور جو شخص حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت کا منکر ہے یا آپ کے خلافت کے استحقاق کا منکر ہے یا شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر) کو سبّ کرنا حلال سمجھتا ہے تو اکثر فقہ کی کتابوں میں اس کو کافر لکھا ہے" اور خلاصہ میں ہے کہ رافضی اگر حضرت علیؓ کو دوسروں پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے اور اگر وہ حضرت صدیق کی خلافت کا منکر ہے تو کافر ہے الخ۔ تو حضرت مولانا عبدالحی کے فتویٰ سے ہی ثابت ہوا کہ شیخین کو سبّ کرنا حلال سمجھے تو وہ کافر ہے۔ اور عموماً شیعہ جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کو سبّ کرتے ہیں تو وہ اس فعل کو جائز اور حلال سمجھ کر ہی کرتے ہیں۔ (۲) ماتمی مجتہد نے شرح فقہ اکبر کی ما بعد کی عبارت چھوڑ دی ہے جس میں لکھا ہے کہ:۔ نعم لو استحلّ السبّ او القتل فھو کافر لا محالۃ۔ (ہاں اگر شیخین کے سبّ کرنے اور قتل کرنے کو حلال سمجھتا ہے تو وہ لامحالہ کافر ہے" اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ سبّ صرف ماں بہن کی گالی دینے کو ہی نہیں کہتے بلکہ کسی کے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے اس کی توہین ہوتی ہے وہ بھی سبّ کہلاتا ہے۔ اور خود ماتمی مجتہد نے اپنی اس کتاب میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں فاسق۔ فاجر۔ ظالم۔ غاصب۔ منافق وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہ سبّ نہیں تو اور کیا ہے۔ (۳) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ فمذھب ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ انّ من انکر خلافۃ الصدیق وعمرؓ فھو کافر" (صواعق محرقہ ص۱۵۳) "پس امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کی خلافت کا انکار کرے وہ کافر ہے" اور شیعہ جو سبّ کرتے ہیں وہ حضرت صدیق اور حضرت فاروق کی خلافت کے منکر ہو کر ہی کرتے ہیں لہٰذا ایسے لوگ حسب تصریح فقہائے کرام کافر ہوں گے۔

(۴) امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:۔ "سبّ شیخین کفر است واحادیث صحیحہ براں دال است" (رسالہ رد الروافض ص۱۴) یعنی سبّ شیخین کفر ہے اور صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں"

(ب) "شک نیست کہ شیخین از اکابر صحابہ اند بلکہ افضل ایشاں پس تکفیر بلکہ تنقیص ایشاں موجب کفر وزندقہ و ضلالت باشد" (ایضاً ص۱۵) یعنی اس میں شک نہیں ہے کہ شیخین (حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمر) اکابر صحابہ میں سے

ہیں بلکہ ان میں سے افضل ہیں۔ پس ان کی تکفیر بلکہ تنقیص بھی کفر، زندقہ اور ضلالت کا موجب ہے"۔

اہل السنت والجماعت کے نام میں ماتمی مجتہد کی تلبیس

چونکہ شیعوں کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی شیعہ تھے اور اس کی تائید میں وہ آیت وَاِنَّ مِن شیعتہٖ لَاِبراھیم پیش کرتے ہیں۔ اس لئے آفتاب ہدایت میں لفظ شیعہ اور لفظ سنت پر بحث کی گئی ہے اور وہ آیات پیش کی گئی ہیں جن میں لفظ شیعہ کفار اور اشرار کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے جواب میں ماتمی مجتہد بعنوان "اہل سُنّت نہیں بلکہ اَھل سَنَۃ" لکھتے ہیں کہ: اگر بفرض محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ لفظ سُنّت (سین کے پیش اور نون کی شد کے ساتھ) ہر جگہ اچھے معنوں میں استعمال ہوا ہے تو تب بھی مولوی کرم الدین صاحب یا ان کے ہم مذہبوں کو اس سے کیا فائدہ؟ کیونکہ وہ اہل سُنت نہیں بلکہ اہل سَنَۃ" (سین کی زبر اور نون بغیر شد بمعنی سال) یعنی ایک خاص سال والے لوگ۔ اور اس سال سے مراد ہے صلح حسنی کے بعد معاویہ کے تخت حکومت پر متمکن ہونے والا سال۔ چنانچہ فتح الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۵۲۲ و استیعاب برحاشیہ اصابہ جلد ۱ ص ۳۷۳/۳۷۴ وغیرہ میں ہے کہ اس کے بعد معاویہ کوفہ میں داخل ہوا۔ اور لوگوں نے اس کی بیعت کی۔ اور اس سال کا نام سَنَۃُ الجماعۃ رکھا گیا۔ کیونکہ اس سال جنگ ختم ہوئی اور سب لوگ حکومت معاویہ پر جمع ہو گئے۔ حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۵۲۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۲۔ منہج الوصول ص ۱۶۴ میں بھی اس سال کا نام عام الجماعۃ لکھا گیا ہے اور معاویہ والے "اھل سَنَۃِ الجماعۃ" جماعت کے سال والے لوگ کہلائے پھر مرور ایام سے یہ لفظ بدلتے بدلتے "اہل السُنت والجماعت" بن گیا۔ یہ ہے موجودہ اہل السُنت والجماعت کے مذہب کی اصل حقیقت جو ہم نے بلاکم وکاست انہی کی کتابوں سے پیش کر دی ہے۔ ان حقائق سے معلوم ہوا کہ یہ مذہب معاویہ بن ابی سفیان کا خود کاشتہ پودا ہے۔ بانی اسلام کا اس کی تاسیس وتشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے الخ (تجلیات ص ۵۲۶)

تلبیس ہی تلبیس

ماتمی مجتہد نے یہاں جو کچھ لکھا ہے کہ اہل السنت والجماعت کے نام میں سُنت سے مراد سُنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ یہ لفظ سَنَۃ بمعنی سال ہے۔ اور سال جماعت والے لوگوں کا یہ نام ہے۔ تو یہ استدلال ماتمی مجتہد کے دجل وفریب کا ایک تاریخی شاہکار ہے۔ اور ناواقف لوگوں پر علمی رعب ڈالنے کے لئے استیعاب اور فتح الباری وغیرہ کتابوں کا حوالہ پیش کر دیا ہے۔ حالانکہ ان کتابوں میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ اہل سُنت کا نام دراصل اَھل سَنَۃِ الجماعت ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ماتمی مجتہد نے کسی کتاب کی عربی عبارت نہیں لکھی تاکہ ان کے اس جھوٹ

کا پردہ چاک نہ ہو جائے۔

(۲) جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جس سال حضرت امام حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی صلح ہوئی اور تمام اہل اسلام کا حضرت معاویہؓ کی حکومت پر اتفاق ہو گیا۔ تو اس سال کا نام عام الجماعۃ پڑ گیا۔ یعنی وہ سال جس میں مسلمانوں کی ساری جماعت متحد و متفق ہو گئی (اور حضرت امام حسنؓ بھی اس متفقہ جماعت مسلمین میں شامل ہیں۔ نہ کہ جدا) چنانچہ علامہ ابن عبدالبر کی استیعاب میں ہے۔ وَسلّم الامرَ الحسنؓ الی معاویۃؓ فی النصف من جمادی الاُولیٰ من سنۃ احدیٰ واربعین وبایع الناس معاویۃ حینئذ و معاویۃ یومئذ ابن ستٍ وَستینَ الاشھرین قال ابوعمر رضی اللہ عنہ ھذا اصح ماقیل فی تاریخ عام الجماعۃ الخ (اور حضرت حسنؓ نے امر خلافت حضرت معاویہؓ کو نصف جمادی الاول ۴۱ھ میں سپرد کیا اور اس وقت لوگوں نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کی۔ اور اس وقت حضرت معاویہؓ کی عمر دو ماہ کم چھیاسٹھ ۶۶ سال تھی حضرت ابو عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تاریخ عام الجماعۃ کے متعلق یہ سب سے زیادہ صحیح قول ہے) فرمایئے اس عبارت میں اہل سنۃ الجماعت کہاں ہے۔ یہاں تو لفظ عام الجماعۃ کا ہے نہ کہ سنۃ الجماعۃ کا۔ اور اس عبارت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس سال میں یہ صلح ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھا گیا تھا۔ اور عام الجماعۃ نام ایسا ہی ہے جیسا کہ اس سال کا نام عام الفیل رکھ دیا گیا جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ابابیل نے ابرہہ بادشاہ کے ہاتھیوں کے لشکروں کو تباہ کر دیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں آتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ کَیفَ فعل رَبُّکَ باصحاب الفیل۔ کیا ماتمی مجتہد عام الفیل کے نام کی بنا پر یہ کہہ دیں گے کہ اس سال والے لوگوں کا نام اہل عام الفیل ہے؟

(۲) نہ ہی حضرت امیر معاویہ اور آپ کی جماعت نے اپنا نام اس سال کی بنا پر اہل سنۃ الجماعت رکھا اور نہ ہی مخالفین آپ کی جماعت کو اس نام سے پکارا۔ اور نہ ہی کسی کتاب میں اس نام کا ثبوت ہے۔ ماتمی مجتہد تو یہ جھوٹ بول کر صرف تقیہ کا اجر عظیم حاصل کر رہے ہیں۔ عبرت۔ عبرت۔ عبرت۔

(۳) امام حسنؓ اور امیر معاویہؓ کی اس تاریخی صلح سے بہت پہلے اہل سُنت (سین کے پیش اور نون کی شد کے ساتھ) کی اصطلاح مشہور تھی چنانچہ شیعوں کی مستند کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت علی المرتضیٰ کی زبان مبارک سے اہل سنت اور اہل جماعت کی تعریف منقول ہے۔ فرماتے ہیں:۔ اما اھل الجماعۃ فانا ومَن اتبعنی وان قلوا (اور اہل جماعت میں ہوں اور جو میری پیروی کرنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں (ب) وَ اَمَّا اَھلُ السُّنۃ

فالمتمسکون بما سنّہ اللہ ورسولہ وان قلوا (اور اہل سُنت وہ ہیں جو اللہ تعالےٰ کے طریقے (حکم) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں اگرچہ وہ تھوڑے ہوں) اب ماتمی مجتہد ہی یہ بتائیں کہ حضرت علی المرتضیٰ نے یہاں اہل سنت کی تعریف میں سنت کے لفظ سے سُنت رسول مراد لی ہے یا سَنۃ جماعت (جماعت کا سال)

(۴) حافظ عماد الدین محدث اپنی تفسیر ابن کثیر میں سورہ آل عمران ع ۱۱ کی آیت یوم تبیض وجوہ" کے لکھتے ہیں:

یعنی "یوم القیمۃ حین تبیض وجوہ اھل السنۃ والجماعۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ والفرقۃ قالہ ابن عباس"، یعنی حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اہل السنت کے چہرے روشن ہونگے اور اہل بدعت و فرقہ کے چہرے سیاہ ہوں گے)

(۵) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے بھی یہ روایت اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔

ماتمی مجتہد کے چیلنج کا جواب

اسی سلسلہ میں ماتمی مجتہد لکھتے ہیں کہ: جس طرح ہم نے شیعان علی کا نام اور ان کے فضائل اور ان کا ناجی ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ اگر اہل سنت میں کچھ جرأت و ہمت ہے تو اسی طرح یہ بھی احادیث میں اپنا پورا نام (اہل السنت والجماعت) دکھائیں اور پھر اس کا ناجی ہونا ثابت کریں۔ اگر وہ ایسا کر دکھائیں تو ہم ان کو منہ مانگا انعام دینے کے لئے تیار ہیں الخ (تجلیات ص۵۱۷)

الجواب:- (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے لفظ شیعہ کسی مذہبی اصطلاحی نام کے طور پر ثابت نہیں آپ نے جو روایات پیش کی ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ قابل احتجاج ہیں یا نہیں؟ ان میں لفظ شیعہ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(ب) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں شیعہ ہوں اور نہ ہی حضرت علی المرتضیٰ نے کبھی اپنے شیعہ ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

(۲) احتجاج طبرسی کی مذکورہ عبارت میں حضرت علی نے اہل سنت اور اہل جماعت کی مدح فرمائی ہے اور اہل بدعت اور اہل فرقہ کی مذمت کی ہے۔ اگر اس زمانہ میں شیعہ کوئی مذہبی نام ہوتا اور یہ قابل مدح بھی ہوتا تو آپ شیعہ کی تعریف فرماتے نہ کہ اہل سنت کی۔

(۳) فرقہ شیعہ کا اصلی نام رافضی ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے رکھا گیا ہے چنانچہ آفتاب ہدایت میں لکھا ہے:-

میرے شیعہ بھائی بُرا نہ منائیں۔ اگر ان کو رافضی کے لقب سے خطاب کیا جائے کیونکہ یہ مبارک لقب ان کو بقول امام جعفر صادق بارگاہ ایزدی سے عطا ہوا ہے۔ جیسا فروع کافی کتاب الروضہ جلد ۳ صـ ۱۶ میں قول امام ہمام درج ہے۔ لا واللہ ما ھم سموکم بل اللہ سماکم (ترجمہ) خدا کی قسم تمہارا یہ نام لوگوں نے نہیں رکھا بلکہ خدا نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے الخ۔
اس کے جواب میں ماتمی مجتہد اس روایت کو تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ رفض کے لغوی معنی ہیں "ترک کرنا۔ چھوڑنا" جس طرح اچھائی کا ترک کرنا بُرا ہے اس طرح بُرائی کا ترک کرنا اچھا ہے۔ لہٰذا اگر حضرات شیعہ کو اس اعتبار سے رافضی کہا جائے کہ یہ بُرے لوگوں اور بُری باتوں کے تارک ہیں تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور یہی امام علیہ السلام کے مفصل فرمان کا ماحصل ہے جس کا صرف ایک جملہ اوپر استدلال میں پیش کیا گیا ہے۔ امام نے فرمایا ہے کہ پہلے پہل یہ لقب فرعون اور فرعونیوں نے ان جادوگروں کو دیا تھا جو اعجاز موسوی دیکھ کر حلقہ بگوش توحید ہو گئے تھے اور فرعون کی ربوبیت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکا تھا اور شیعان حیدر کرار کو بھی اسی لئے رافضی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اُمت محمدیہ کے بعض فرعون صفت مدعیان خلافت و امامت کی اتباع و پیروی ترک کر کے خدا کے مقرر کردہ ائمہ ہدایت کو مرکز رشد و ہدایت تسلیم کیا ہے۔ اہل انصاف قارئین کرام غور کریں کہ امام عالی مقام کے اس تمام فرمان کو پیش نظر رکھتے ہوئے شیعہ خیر البریہ کی اس سے مدح ظاہر ہوتی ہے یا قدح الخ (تجلیات صـ ۵)

الجواب:۔ (۱) چونکہ بقول آپ کے رافضی کے نام سے مدح ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے آفتاب ہدایت میں یہ لکھا گیا ہے کہ:۔

میرے شیعہ بھائی بُرا نہ منائیں الخ۔ لیکن پھر بھی خدا جانے شیعہ فرقہ کے لوگوں کو اگر رافضی کہا جائے تو کیوں اس پر بُرا مناتے ہیں؟

(۲) جب حسب ارشاد امام جعفر صادق رافضی نام اللہ نے رکھا ہے تو پھر ماتمی مجتہد اس نام کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت کریں اور رافضیوں کا ناجی ہونا بھی بارشاد رسول ثابت کریں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔

لہ ہم نے بشارت الدارین میں یہ پوری روایت مع ترجمہ نقل کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے (خادم اہل سنت غفرلہ)

ارشادِ رسالت سے اہل سُنت کا ثبوت

ہم نے "بشارت الدارین" میں لفظ سُنت اور نام اہل السُّنت والجماعت کے موضوع پر مفصل بحث کردی۔ یہاں ہاشمی مجتہد کے چیلنج کے تحت حسب ذیل احادیث پیش کرتے ہیں۔

(۱) تفسیر درمنثور میں آیت یوم تبیض وجوہٌ کے تحت یہ حدیث لکھی ہے:۔ عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ تعالیٰ یوم تبیض وجوہٌ وتسود وجوہٌ ۔ قال تبیض وجوہ اھل السنۃ وتسود وجوہ اھل البدعۃ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یوم تبیض وجوہٌ وتسود وجوہٌ کی تفسیر میں فرمایا کہ قیامت کے دن اہل سُنت کے چہرے روشن ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

(۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ورع اور تقویٰ کے بیان میں لکھتے ہیں۔ ولا یعلم تفصیل ذلک الا بالاقتداء بالفرقۃ الناجیۃ وھم الصحابۃ فانہ علیہ السلام لما قال الناجی منھا واحدۃ قالوا یا رسول اللہ ومن ھم قال اھل السنۃ والجماعۃ۔ (احیاء العلوم جلد ثالث مطبوعہ مصر ص ۱۹۹) ترجمہ اور اس کی تفصیل سوائے فرقہ ناجیہ کی پیروی کے معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور وہ یعنی فرقہ ناجیہ صحابہ کرام ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب (۷۳ فرقوں میں سے) ناجی ایک فرقہ کو فرمایا تو صحابہ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول اور وہ کون لوگ ہیں۔ تو ارشاد فرمایا کہ اہل السنت والجماعت)۔ لیجئے۔ تفسیر درمنثور کی روایت سے اہل سنت اور احیاء العلوم کی روایت سے اہل السنت والجماعت کے الفاظ کے علاوہ اہل سُنت کا ناجی ہونا بھی خود رحمت للعالمین۔ خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہو گیا۔ اب ہم ہاشمی مجتہد مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو بالقابہ سے کوئی اور انعام نہیں طلب کرتے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ وہ جھوٹ بولنا چھوڑ دیں اور مذہب اہل السنت والجماعت کی اتباع میں جنت اور رضائے خداوندی حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ وما علینا الا البلاغ۔

ہم نے بہت اختصار کے ساتھ ہاشمی مجتہد کی "تجلیات صداقت" پر تنقید کر کے ان کی بعض علمی خیانتوں اور غلط بیانیوں کی نشاندہی کر دی ہے۔ ان شاء اللہ حسب فراغت بعد میں اس کا مفصل جواب بھی لکھا جائے گا۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ اللہ تعالیٰ غافل سُنی مسلمانوں کو احساس عطا فرمائیں اور ہم سب کو توفیق عطا فرمائیں کہ اس فانی حیات میں ہم اپنے مذہب اہل سنت کی خدمت ونصرت کا فریضہ سرانجام دے کر حق تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکیں۔ آمین۔

الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ۔

خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ مدنی جامع مسجد چکوال ؛ ضلع جہلم

ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ

"مناجاتِ[1] فارسی"

از مصنف آفتاب ہدایت حضرت مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین دبیرؒ

دراں روزے کہ از اہوال دوزخ پر خطر باشد
شفیع من رسول پاکؐ و صدیقؓ و عمرؓ باشد

دو دست من بدامان بتولؓ و جملہ اولادش
شفیق حال زارم سرور جنّ و بشر باشد

چوں عمر خویش کردم وقف بہر خدمتِ اسلام
چرا از شر شیطاں بس مرا رنج و ضرر باشد

سر خود فی سبیل اللہ پور[2] من فدا کردہ
اگر منظور حق شد یاورم لخت جگر باشد

الٰہی رحم فرما بر دبیر خستہ حال خود
بفردوس برینش یوم محشر مستقر باشد

---

[1] ۔ یہ فارسی مناجات آفتاب ہدایت کے ٹائٹیل کے دوسرے صفحہ پر لکھی ہوئی ہے ۔ اور یہ ماتمی مجتہد ڈھکو صاحب کے لئے بھی ایک تازیانۂ عبرت ہے جو کتاب میں جابجا حضرت مولانا مرحوم پر ناصبی ہونے کا الزام لگاتے ہوئے یہ بہتان تراشی کرتے ہیں کہ مصنف آفتاب ہدایت العیاذ باللہ حضرت علی المرتضیٰ اور ائمہ اہل بیت کے دشمن ہیں ۔ اس مناجات اور دعا سے واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا دبیر مرحوم کا قلب دیگر خلفاء و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت المرتضیٰ حضرت حسن حضرت حسین اور حضرت فاطمہ بتول اور آپ کی مقبول و محبوب اولاد کی محبت و عظمت سے لبریز ہے اور ان سب حضرات کے توسل سے تعالیٰ کی مغفرت اور رضا کے طلبگار ہیں ۔ [2] اس سے مراد میرے بڑے بھائی غازی اسلام مولوی منظور حسین صاحب شہید مرحوم ہیں جن کے مختصر حالات آفتاب ہدایت مقدمہ میں درج کر دیئے گئے ہیں ۔ ؎ یہ غلامانِ محمدؐ کی پرانی رسم ہے ؎ کودتے ہیں آگ میں چڑھتے ہیں اکثر دار پر

شیعوں کا جداگانہ کلمہ اسلام

عموماً ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیعوں کا کلمہ تو وہی ہے جو تمام دنیا کے مسلمان شروع سے بالاتفاق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ مانتے اور پڑھتے چلے آتے ہیں۔ اور خود شیعہ بھی عموماً یہی کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا کلمہ وہی ہے جو سب مسلمانوں کا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کا کلمہ بھی بعض دوسرے عقائد کی طرح عام اہل اسلام سے بالکل جدا ہے۔ چنانچہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۴ء کے جس اجلاس لاہور میں سرکاری سکولوں میں شیعہ دینیات نافذ کرنے کا حکومت کے دو نمائندوں وفاقی وزیر تعلیم پیرزادہ صاحب اور وفاقی وزیر زراعت رفیع رضا اور ۱۶ شیعہ علماء و زعماء کے مابین سمجھوتہ ہوا ہے۔ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ:۔

نویں اور دسویں جماعت میں شیعہ طلبہ کے لئے ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی کی کتابیں فوری طور پر شروع کر دی جائیں گی (ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۴ اکتوبر ۱۹۷۴ء وغیرہ۔ اور خدام اہل سنت کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ "ایک غیر منصفانہ فیصلہ" کے صـ۴ پر بھی یہ عبارت منقول ہے۔ تفصیل وہاں ملاحظہ کر لی جائے) ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی ایم۔ اے پی۔ ایچ ڈی کا جو نصاب دینیات اس اجلاس میں حکومت نے منظور کیا ہے۔ اس کے "دینیات" کے نام پر ہی پانچ حصے ہیں جن کو "امامیہ مشن پاکستان ٹرسٹ انارکلی لاہور" نے شائع کیا ہے۔ ان میں سے "دینیات" حصہ اول میں کلمہ کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے کہ:۔

اسلام کی اچھی اور نیک برادری میں شامل ہونا بہت آسان ہے۔ بس جو آدمی یہ مان لے کہ:۔

(۱) ہمارا پیدا کرنے والا۔ ہمیں پالنے والا۔ ہمیں روزی دینے والا اور ہمارا مالک اللہ ہے۔

(۲) ہمارے مالک کے احکام ہمیں اس کے اچھے اور نیک بندے اس کے نبی حضرت **محمد** صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچائے ہیں اور

(۳) ہمیں اسلام کی سچی راہ پر قائم رکھنے کے لئے اللہ نے جو امام مقرر کئے ہیں ان میں سب سے پہلے امام حضرت علی علیہ السلام

وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ ان باتوں کا اقرار کرنا اسلام کی برادری میں شریک ہونے کے لئے ضروری ہے۔ یہ اقرار زبان میں کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں اس اقرار کو کلمہ پڑھنا کہتے ہیں۔ کلمہ یہ ہے:-

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰہِ۔

لا الٰہ الا اللہ - اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں - محمد رسول اللہ حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں - علیؑ ولی اللہ حضرت علی اللہ کے ولی ہیں۔ الخ (دینیات حصہ اول ص۲۰ تا ص۲۲)

شیعوں کے مذکورہ کلمہ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ صرف شیعہ بننے کے لئے علیؑ ولی اللہ کے الفاظ کلمہ میں پڑھے جاتے ہیں۔ کیونکہ مذکورہ عبارت میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کے ساتھ نمبر ۳ پر حضرت علی کو پہلا امام جو شخص مان لے" وہ اسلام کے دائرہ میں داخل ہوجاتا ہے۔ ان باتوں کا اقرار کرنا اسلام کی برادری میں شریک ہونے کے لئے ضروری ہے" لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ شیعوں کے نزدیک جب تک کوئی شخص کلمہ اسلام میں علیؑ ولی اللہ کا اقرار نہ کرے وہ اسلام کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتا۔ اور جن مسلمانوں نے اب تک کلمۂ اسلام میں علیؑ ولی اللہ کا اقرار نہیں کیا وہ سب دائرہ اسلام سے خارج اور غیر مسلم ہیں۔ العیاذ باللہ اور یہ کسی ایک شیعہ فرد کا عقیدہ نہیں بلکہ پاکستان شیعہ قوم کے نمائندہ ۱۶ علماء زعماء کا متفقہ عقیدہ ہے جنہوں نے حکومت سے مذکورہ اجلاس میں ڈاکٹر ذاکر حسین کا یہ مرتبہ نصاب دینیات منظور کرایا ہے۔ اور ان شیعہ زعماء میں نواب مظفر علی قزلباش۔ جسٹس جمیل حسین رضوی اور مسٹر مظفر علی شمسی بھی شامل ہیں۔

ملہ یہاں یہ ملحوظ رہے کہ کلمہ میں حضرت علی اللہ کے ولی ہیں کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی اللہ کے پیارے ہیں بلکہ یہ شیعوں کی خاص اصطلاح ہے ان کے نزدیک ولایت بمعنی امامت ہے۔ اور ان الفاظ یعنی علی ولی اللہ کا مطلب اس سے پہلے دینیات کے مصنف نے خود کلمہ اسلام کے نمبر ۳ میں یہ بیان کر دیا ہے کہ:- سب سے پہلے امام حضرت علیہ السلام ہیں۔

(ب) علیؑ ولی اللہ کے الفاظ نہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ اسلام میں پڑھائے ہیں اور نہ خود حضرت علی المرتضیٰ نے۔

کلمہ شیعہ عالمِ اسلام کیلئے کھلا چیلنج ہے

یہ مسئلہ کوئی جزوی اور فروعی نہیں - اور نہ ہی صرف خلافت و امامت کا مسئلہ ہے بلکہ یہ کلمہ اسلام کا مسئلہ ہے - ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک جو کلمہ - اسلام میں داخل ہونے کے لئے پڑھا جاتا رہا ہے - اس میں رب اللہ تعالےٰ کی توحید اور حضرت **محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم** کی رسالت کا ذکر ہے یعنی **لا الہ الا اللہ - محمد رسول اللہ** - اور اس کلمہ کے الفاظ قرآن مجید سے ثابت ہیں - اسی کو کلمہ اسلام کہا جاتا ہے - لیکن شیعوں نے اپنا اختراعی کلمہ نصاب دینیات میں لکھ کر تمام دنیا کے مسلمانوں کو چیلنج کر دیا ہے کہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے ان کا کلمہ کافی نہیں ہے اب حکومت سے ہمارا مطالبہ صرف یہی نہیں ہے کہ سرکاری سکولوں کے نصاب میں ایسی کتاب کو شامل کیا جائے جس میں شیعوں کا مذکورہ کلمہ لکھا ہے - بلکہ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اسلام کا جو اصلی اور حقیقی کلمہ ہے اس کا تحفظ کیا جائے اور شیعہ فرقہ کے علماء جس کلمہ کو اسلامی کلمہ قرار دے رہے ہیں اس کو بالکل ختم کیا جائے - اور حکومت سے بھی زیادہ اسلام کے علماء و مشائخ پر سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ جس کلمہ کو صحیح کلمہ اسلام قرار دیتے ہیں اس کا وہ پوری کوشش سے تحفظ کریں - اور پاکستان کے شیعہ جس مخالف اسلام کلمہ کو رائج کرنا چاہتے ہیں - اس کا مکمل سدباب کریں - اور نہ صرف علمائے اسلام اور مشائخ عظام بلکہ کلمہ اسلام کا تحفظ ہر ایک مسلمان پر لازم ہے - جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو مسلمان قرار دیتا ہے - وما علینا الا البلاغ -

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے غافل مسلمانو

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

خادمِ اہلِ سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہ